مِنحةُ البارى

شرح

صحیح البُخاری

از افادات

شیخ الاسلام محدث زماں

حضرت حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

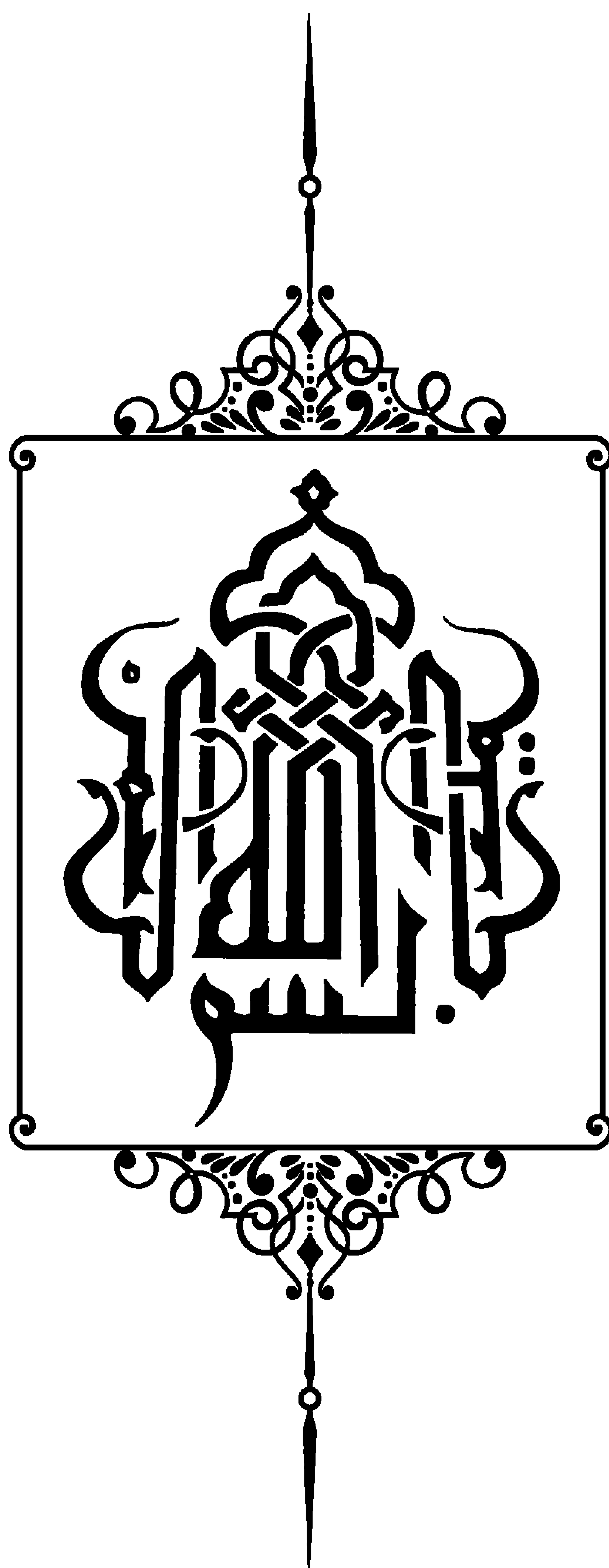
جمع وترتیب واضافہ وتخریج

تلمیذ الشیخ محمد رمضان السلفی حفظہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ

مکتبہ قدوسیہ


منحة الباري
شرح
صحيح البخاري

منحة الباري

شرح

صحیح بخاری

از افادات

شیخ الاسلام محدث زماں

حافظ محمد گوندلوی رحمہ اللہ

جمع و ترتیب اضافہ و تخریج

تلمیذ شیخ

محمد رمضان السلفی حفظہ اللہ

شیخ الحدیث جامعہ لاہور الاسلامیہ

جلد سوم

مکتبہ قدوسیہ

خوبصورت اور معیاری مطبوعات

مسلکِ کتاب و سنت کے فروغ کے لئے کوشاں

اہتمام طباعت

ابوبکر قدوسی

اشاعت ـــــ ۲۰۱۸ء

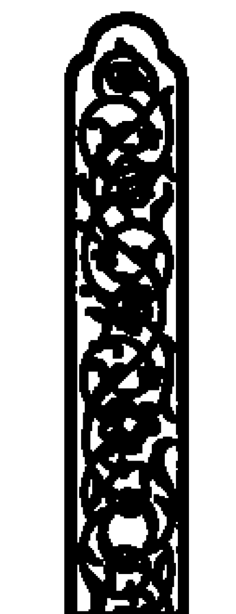
دار ابن بشیر
قصور، پاکستان

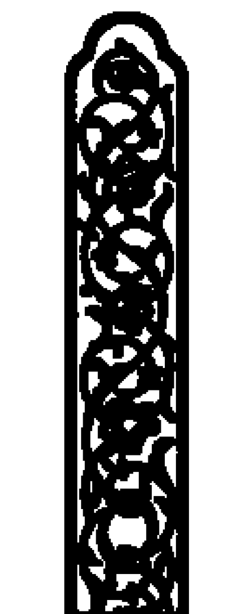


مکتبہ قدوسیہ
رحمان مارکیٹ ○ غزنی سٹریٹ ○ اردو بازار ○ لاہور پاکستان
Tel: +92-42-37230585 Cell: +92-321-4460487
Email: maktaba_quddusia@yahoo.com

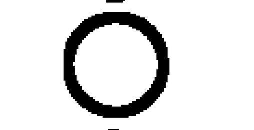
فہرست

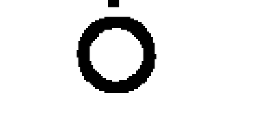


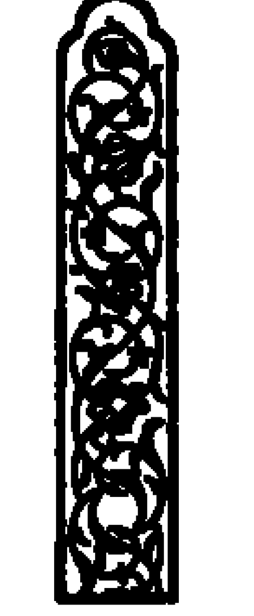





شرح
بخاری







(۴۶) بَابُ الْمَسَاجِدِ فِي الْبُيُوتِ:

باب: اس بیان میں (کہ بوقت ضرورت) گھروں میں جائے نماز (مقرر کر لینا جائز ہے)۔

وَصَلَّى الْبَرَاءُ بْنُ عَازِبٍ فِي مَسْجِدِهِ فِي دَارِهِ جَمَاعَةً.

اور براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر کی مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی۔

٤٢٥ حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ عُفَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنِي عُقَيْلٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيُّ، أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ وَهُوَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا مِنَ الْأَنْصَارِ، «أَنَّهُ أَتَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ أَنْكَرْتُ بَصَرِي وَأَنَا أُصَلِّي لِقَوْمِي، فَإِذَا كَانَتِ الْأَمْطَارُ سَالَ الْوَادِي الَّذِي بَيْنِي وَبَيْنَهُمْ لَمْ أَسْتَطِعْ أَنْ آتِيَ مَسْجِدَهُمْ فَأُصَلِّيَ بِهِمْ، وَوَدِدْتُ يَا رَسُولَ اللهِ أَنَّكَ تَأْتِينِي فَتُصَلِّيَ فِي بَيْتِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى، قَالَ: فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: سَأَفْعَلُ إِنْ شَاءَ اللهُ، قَالَ عِتْبَانُ: فَغَدَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَبُو بَكْرٍ حِينَ ارْتَفَعَ النَّهَارُ، فَاسْتَأْذَنَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَذِنْتُ لَهُ فَلَمْ يَجْلِسْ حَتَّى دَخَلَ الْبَيْتَ، ثُمَّ قَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟ قَالَ: فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى نَاحِيَةٍ مِنَ الْبَيْتِ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَبَّرَ، فَقُمْنَا فَصَفَّنَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، قَالَ: وَحَبَسْنَاهُ عَلَى خَزِيرَةٍ صَنَعْنَاهَا لَهُ، قَالَ: فَثَابَ فِي الْبَيْتِ رِجَالٌ مِنْ أَهْلِ الدَّارِ ذَوُو عَدَدٍ فَاجْتَمَعُوا، فَقَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَيْنَ مَالِكُ بْنُ الدُّخَيْشِنِ أَوِ ابْنُ الدُّخْشُنِ؟ فَقَالَ بَعْضُهُمْ: ذَلِكَ مُنَافِقٌ لَا يُحِبُّ اللهَ وَرَسُولَهُ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَقُلْ ذَلِكَ، أَلَا تَرَاهُ قَدْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يُرِيدُ بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ، قَالَ اللهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ، قَالَ: فَإِنَّا نَرَى وَجْهَهُ وَنَصِيحَتَهُ إِلَى الْمُنَافِقِينَ، قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَإِنَّ اللهَ قَدْ حَرَّمَ عَلَى النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللهُ يَبْتَغِي بِذَلِكَ وَجْهَ اللهِ»، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: ثُمَّ سَأَلْتُ الْحُصَيْنَ بْنَ مُحَمَّدٍ الْأَنْصَارِيَّ وَهُوَ أَحَدُ بَنِي سَالِمٍ وَهُوَ مِنْ سَرَاتِهِمْ عَنْ حَدِيثِ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ فَصَدَّقَهُ بِذَلِكَ.

ہم سے سعید بن عفیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عقیل نے ابن شہاب کے واسطہ سے بیان کیا کہ مجھے محمود بن ربیع انصاری نے کہ عتبان بن مالک

انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی اور غزوہ بدر کے حاضر ہونے والوں میں سے تھے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا یارسول اللہ! میری بینائی میں کچھ فرق آگیا ہے اور میں اپنی قوم کے لوگوں کو نماز پڑھایا کرتا ہوں لیکن جب برسات کا موسم آتا ہے تو میرے اور میری قوم کے درمیان جو وادی ہے وہ بھر جاتی ہے اور بہنے لگ جاتی ہے اور میں انہیں نماز پڑھانے کے لیے مسجد تک نہیں جاسکتا یارسول اللہ! میری خواہش ہے کہ آپ میرے گھر تشریف لائیں اور (کسی جگہ) نماز پڑھ دیں تاکہ میں اسے نماز پڑھنے کی جگہ بنالوں۔ راوی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عتبان سے فرمایا، انشاء اللہ تعالیٰ میں تمہاری اس خواہش کو پورا کروں گا۔ عتبان نے کہا کہ (دوسرے دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب دن چڑھا تو دونوں تشریف لے آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر آنے کی اجازت چاہی، میں نے اجازت دے دی۔ جب آپ گھر میں تشریف لائے تو بیٹھے بھی نہیں اور پوچھا کہ تم اپنے گھر کے کس حصہ میں مجھ سے نماز پڑھنے کی خواہش رکھتے ہو۔ عتبان نے کہا کہ میں نے گھر میں ایک کونے کی طرف اشارہ کیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اس جگہ) کھڑے ہوئے اور تکبیر کہی ہم بھی آپ کے پیچھے کھڑے ہوگئے اور صف باندھی پس آپ نے دو رکعت (نفل) نماز پڑھائی پھر سلام پھیرا۔ عتبان نے کہا کہ ہم نے آپ کو تھوڑی دیر کے لیے روکا اور آپ کی خدمت میں حلیم پیش کیا جو آپ ہی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ عتبان نے کہا کہ محلہ والوں کا ایک مجمع گھر میں لگ گیا اور مجمع میں سے ایک شخص بولا کہ مالک بن دخشن یا (یہ کہا) ابن دخشن دکھائی نہیں دیتا۔ اس پر کسی دوسرے نے کہہ دیا کہ وہ تو منافق ہے جسے اللہ اور رسول سے کوئی محبت نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا ایسا مت کہو، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس نے «لا إله إلا الله» کہا ہے اور اس سے مقصود خالص اللہ کی رضامندی حاصل کرنا ہے۔ تب منافقت کا الزام لگانے والا بولا کہ اللہ اور اس کے رسول کو زیادہ علم ہے ہم تو بظاہر اس کی توجہات اور دوستی منافقوں ہی کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے «لا إله إلا الله» کہنے والے پر اگر اس کا مقصد خالص اللہ کی رضا حاصل کرنا ہو دوزخ کی آگ حرام کر دی ہے۔ ابن شہاب نے کہا کہ پھر میں نے محمود سے سن کر حصین بن محمد انصاری سے جو بنو سالم کے شریف لوگوں میں سے ہیں (اس حدیث) کے متعلق پوچھا تو انہوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا کہ محمود سچا ہے۔



قولہ "قد أنكرت بصري" عتبان رضی اللہ عنہ کی اس شکایت کے وقت ان کی نظر کلی طور پر نہیں گئی تھی بلکہ نظر کی کمزوری میں مبتلاء تھے، جیسا کہ ایک حدیث میں "وهو ضرير البصر" آیا ہے "اى اصابه ضر فى بصره"۔

قولہ "أنه أتى ...." مسلم میں ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو آنے کا پیغام بھیجا تھا تو ہوسکتا ہے کہ ایک مرتبہ پیغام بھیجا ہو اور دوسری مرتبہ خود آئے ہوں، یا قاصد کے آنے کو اپنی طرف مجازاً منسوب کیا ہو۔



قولہ "فغدا علیّ" طبرانی کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مطالبہ جمعہ کے دن ہوا تھا اور آپ ﷺ ہفتے کے دن آئے تھے۔

قولہ "أین تحب أن أصلي" عتبان کے پاس نبی اکرم ﷺ نے پہلے نماز پڑھی بعد میں کھانا کھایا کیونکہ یہاں آپ نماز پڑھنے کی غرض سے آئے تھے جبکہ حدیثِ ملیکہ میں ہے کھانا پہلے کھایا اور بعد میں نماز پڑھی کیونکہ وہاں کھانے کے لیے بلائے گئے تھے، لہذا جس کام کے لیے بلائے گئے تھے وہ پہلے کیا۔

قولہ "علی خزیرۃ" یہ کھانے کی قسم ہے کہ گوشت چھوٹا چھوٹا کاٹا جائے اور اس میں پانی ڈال کر پکنے رکھ دیا جائے جب وہ پک جائے تو اس پر آٹا بکھیر دیا جائے، اگر یہ کھانا بغیر گوشت کے ہو تو اسے عصیدہ کہتے ہیں۔

قولہ "ابن الدخیشن أو ابن الدخشن" یہ راوی کی شک ہے کہ مصغّر ہے یا مکبّر ہے۔

(۴۷) بَابُ التَّيَمُّنِ فِي دُخُولِ الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ [1]:

باب: مسجد میں داخل ہونے اور دوسرے کاموں میں بھی دائیں طرف سے ابتداء کرنے کے بیان میں

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِرِجْلِهِ الْيُمْنَى. فَإِذَا خَرَجَ بَدَأَ بِرِجْلِهِ الْيُسْرَى.

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما مسجد میں داخل ہونے کے لیے پہلے دایاں پاؤں رکھتے اور نکلنے کے لیے بایاں پاؤں پہلے نکالتے۔

٤٢٦ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي شَأْنِهِ كُلِّهِ فِي طُهُورِهِ وَتَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم کو شعبہ نے خبر دی اشعث بن سلیم کے واسطہ سے، انہوں نے مسروق سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے تمام کاموں میں جہاں تک ممکن ہوتا دائیں طرف سے شروع کرنے کو پسند فرماتے تھے۔ طہارت کے وقت بھی، کنگھا کرنے اور جوتا پہننے میں بھی۔

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث کے عموم سے استدلال کیا ہے، کیونکہ اس حدیث کا عموم مسجد میں جاتے وقت پہلے دایاں پاؤں داخل کرنے کو بھی شامل ہے، اسی لیے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر ذکر کیا ہے، اور مستدرک حاکم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ

---

[1] حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ "وغیرہ" کا عطف "دخول" پر ہے اور یہ زیادہ مفید ہے، اور اسکا "المسجد" پر عطف ڈالنا بھی جائز ہے، یہاں عینی نے کہا ہے کہ بعض اسکے عطف کو "المسجد" پر جائز نہیں سمجھتے، حالانکہ یہ جائز ہے، اس سے عینی کی مراد اگر حافظ ابن حجر ہیں کیونکہ بعضھم کہہ کر عام طور پر وہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ کو مراد لیتے ہیں، تو یہ درست نہیں کیونکہ حافظ رحمۃ اللہ علیہ اس کے "المسجد" پر عطف کو جائز کہتے ہیں، اس صورت میں غیر سے مراد گھر وغیرہ ہو گا۔

کی حدیث سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے "انه كان يقول من السنة اذا دخلت المسجد ان تبدا برجلك اليمنى واذا خرجت ان تبدا برجلك الليسرى [1]" اور صحابی کا "من السنه كذا" کہنا حدیث کے مرفوع ہونے کی دلیل ہے، چونکہ یہ حدیث بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں تھی اس لیے وہ اسے نہیں لائے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو ذکر کرنے پر اکتفا کیا ہے۔

قولہ "ما استطاع احتراز عمالا يستطاع فيه التيمن شرعا كدخول الخلاء والخروج من المسجد والاستنجاء والتمخط"

(۴۸) بَابُ هَلْ تُنْبَشُ قُبُورُ مُشْرِكِي [2] الْجَاهِلِيَّةِ، وَيُتَّخَذُ مَكَانُهَا مَسَاجِدَ:

باب: کیا دور جاہلیت کے مشرکوں کی قبروں کو کھود ڈالنا اور ان کی جگہ مسجد بنانا درست ہے؟۔

وَرَأَى عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ يُصَلِّي عِنْدَ قَبْرٍ، فَقَالَ: الْقَبْرَ، الْقَبْرَ، وَلَمْ يَأْمُرْهُ بِالْإِعَادَةِ.



کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنا لیا اور قبروں میں نماز مکروہ ہونے کا بیان۔ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو ایک قبر کے قریب نماز پڑھتے دیکھا تو فرمایا کہ قبر ہے قبر! اور آپ نے ان کو نماز لوٹانے کا حکم نہیں دیا۔

شرح بخاری

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ قبروں میں یا قبروں کی طرف نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور اس سے مراد رکوع اور سجود والی نماز ہے ورنہ نماز جنازہ پڑھی جاسکتی ہے، اور قبروں کو مسجدیں بنانا اسلامی شریعت میں جائز نہیں، بلکہ یہ یہود و نصاری کا فعل ہے جنہیں لعنت کی گئی ہے۔

اور "هل تنبش" میں استفہام تقریری ہے، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "هل" بمعنی "قد" ہے، جیسا کہ "هل اتى على الانسان" میں بمعنی قد ہے، یعنی یقینی بات ہے کہ انسان پر ایسا وقت آیا ہے۔

مشرکین کی قبروں پر اگرچہ لعنت برستی ہے، اگر وہ قبریں اکھاڑ دی جائیں تب بھی مواضع عذاب ہوتی ہیں، اور عذاب کی جگہوں سے عاجزانہ حال میں گذرنے کا حکم ہے، لیکن جب انکی قبریں اکھاڑ دی جائیں اور ان کے اجسام اٹھا دیئے جائیں تو وہ جگہ فی نفسہ پہلی حالت پر باقی نہیں رہتی، وہاں مسجد بنائی جاسکتی ہے، کیونکہ اکھاڑنے کے بعد قبریں باقی

---

[1] المستدرک، ج ۱ ص ۲۱۸.



[2] قولہ "بقبور المشركين فنبشت" اس مسئلہ میں دو صورتیں ہیں، اگر وہ قبریں ایسے لوگوں کی ہوں جو قابل احترام نہیں ہیں اور ان کا اکھاڑنا جائز ہو جیسے حربی کافروں اور مشرکوں کی قبریں ہیں، تو ایسے مقبرے کی بیع بھی جائز ہے، اور ایسی قبروں کو اکھاڑنا بھی جائز ہے لیکن اگر وہ قبریں قابل احترام لوگوں کی ہوں جیسے اہل اسلام کی قبریں ہیں تو ایسی جگہ کی بیع اور ان کا اکھاڑنا جائز نہیں ہے۔ (فتح الباری لابن رجب ۲/۴۱۴)

نہیں رہتیں، اور قبروں پر مساجد بنانے سے روکا گیا ہے تاکہ ان کی عبادت نہ شروع ہو جائے۔

قولہ "القبر القبر" یہ علیٰ وجہ التحذیر منصوب ہے اور اس سے قبل "اتق" فعل محذوف ہے۔

٤٢٧ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ حَبِيبَةَ، وَأُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتَا كَنِيسَةً رَأَيْنَهَا بِالْحَبَشَةِ فِيهَا تَصَاوِيرُ، فَذَكَرَتَا لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «إِنَّ أُولَئِكَ إِذَا كَانَ فِيهِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ، بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، فَأُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

ہم سے محمد بن مثنی نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے ہشام بن عروہ کے واسطہ سے بیان کیا، کہا کہ مجھے میرے باپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے یہ خبر پہنچائی کہ ام حبیبہ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہما دونوں نے ایک کلیسا کا ذکر کیا جسے انہوں نے حبشہ میں دیکھا تو اس میں مورتیں (تصویریں) تھیں۔ انہوں نے اس کا تذکرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کا یہ قاعدہ تھا کہ اگر ان میں کوئی نیکوکار (نیک) شخص مر جاتا تو وہ لوگ اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہی مورتیں (تصویریں) بنا دیتے پس یہ لوگ اللہ کی درگاہ میں قیامت کے دن تمام مخلوق میں برے ہوں گے۔

قولہ "رأينها" تثنیہ پر جمع کے صیغے کا اطلاق ہے یا ان دو کے ساتھ دیگر دیکھنے والی عورتوں کے پیش نظر جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

قولہ "إذا كان فيهم الرجل الصالح" یعنی کسی نیک اور ولی صفت انسان کے فوت ہونے کے بعد اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے تھے، ایسے لوگ اللہ تعالی کی تمام مخلوق میں سے بدترین لوگ ہیں۔

٤٢٨ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ، فَنَزَلَ أَعْلَى الْمَدِينَةِ فِي حَيٍّ يُقَالُ لَهُمْ بَنُو عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ، فَأَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِمْ أَرْبَعَ عَشْرَةَ لَيْلَةً، ثُمَّ أَرْسَلَ إِلَى بَنِي النَّجَّارِ فَجَاءُوا مُتَقَلِّدِي السُّيُوفِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَاحِلَتِهِ، وَأَبُو بَكْرٍ رِدْفُهُ وَمَلَأُ بَنِي النَّجَّارِ حَوْلَهُ حَتَّى أَلْقَى بِفِنَاءِ أَبِي أَيُّوبَ، وَكَانَ يُحِبُّ أَنْ يُصَلِّيَ حَيْثُ أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ، وَيُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، وَأَنَّهُ أَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَأَرْسَلَ إِلَى مَلَإٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ، فَقَالَ: «يَا بَنِي النَّجَّارِ، ثَامِنُونِي بِحَائِطِكُمْ هَذَا»، قَالُوا: لَا، وَاللهِ لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهُ إِلَّا إِلَى اللهِ، فَقَالَ أَنَسٌ: فَكَانَ فِيهِ مَا أَقُولُ لَكُمْ قُبُورُ الْمُشْرِكِينَ وَفِيهِ خَرِبٌ وَفِيهِ نَخْلٌ، فَأَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ بِقُبُورِ الْمُشْرِكِينَ فَنُبِشَتْ، ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ، وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ، فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ وَجَعَلُوا عِضَادَتَيْهِ الْحِجَارَةَ وَجَعَلُوا يَنْقُلُونَ الصَّخْرَ وَهُمْ يَرْتَجِزُونَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَهُمْ، وَهُوَ يَقُولُ: «اللَّهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُ الْآخِرَهْ، فَاغْفِرْ لِلْأَنْصَارِ وَالْمُهَاجِرَهْ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالوارث نے بیان کیا، انہوں نے ابوالتیاح کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے تو یہاں کے بلند حصہ میں بنی عمرو بن عوف کے یہاں آپ اترے اور یہاں چوبیس راتیں قیام فرمایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نجار کو بلا بھیجا، تو وہ لوگ تلواریں لٹکائے ہوئے آئے۔ انس نے کہا، گویا میری نظروں کے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر تشریف فرما ہیں، جبکہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوئے ہیں اور بنو نجار کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چاروں طرف ہیں۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوایوب کے گھر کے سامنے اترے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ پسند کرتے تھے کہ جہاں بھی نماز کا وقت آجائے فوراً نماز ادا کر لیں۔ آپ بکریوں کے باڑوں میں بھی نماز پڑھ لیتے تھے، پھر آپ نے یہاں مسجد بنانے کے لیے حکم فرمایا۔ چنانچہ بنو نجار کے لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلوا کر فرمایا کہ اے بنو نجار! تم اپنے اس باغ کی قیمت مجھ سے لے لو۔ انہوں نے جواب دیا نہیں یا رسول اللہ! اس کی قیمت ہم صرف اللہ سے مانگتے ہیں۔ انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ میں جیسا کہ تمہیں بتا رہا تھا یہاں مشرکین کی قبریں تھیں، اس باغ میں ایک ویران جگہ تھی اور کچھ کھجور کے درخت بھی تھے پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرکین کی قبروں کو اکھڑوا دیا ویرانہ کو صاف اور برابر کرایا اور درختوں کو کٹوا کر ان کی لکڑیوں کو مسجد کے قبلہ کی جانب بچھا دیا اور پتھروں کے ذریعہ انہیں مضبوط بنا دیا۔ صحابہ پتھر اٹھاتے ہوئے رجز پڑھتے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے اور یہ کہہ رہے تھے کہ اے اللہ! آخرت کے فائدہ کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہیں پس انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمانا۔



قولہ "اعلی المدینة" یہ بنو عمرو بن عوف کی رہائش تھی جو قباء کے نام سے مشہور ہے۔

قولہ "فأقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فیھم أربع عشرة لیلة" بعض نسخوں میں "اربعا وعشرین" آتا ہے، حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اربع عشر کا نسخہ صحیح ہے، کیونکہ اسی سند کے ساتھ یہ حدیث ابوداود میں بھی آتی ہے، اور اس میں بغیر شک کے چودہ کا ذکر ہے [1] اور نسخوں کے اختلاف کے وقت ابوداود کی روایت جسے ترجیح دے وہ صحیح ہوتی ہے، لیکن چودہ کی روایت پر بھی بات نہیں بنتی، کیونکہ علماء تاریخ کے ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن قباء میں آئے تھے، اور آئندہ



[1] ابوداود، رقم ۴۵۳، باب فی بناء المسجد

پیر کے بعد جمعہ کے دن وہاں سے گئے تھے، اور پیر سے اگلے پیر تک آٹھ دن بنتے ہیں اور جمعہ تک چار دن شامل کر کے بارہ دن بنتے ہیں، چودہ نہیں۔

اور اگر جو دن غار میں رہے تھے انہیں بھی شمار کیا جائے تو چودہ دن بن جاتے ہیں، اور یہ تاویل بھی ہوسکتی ہے کہ وہاں اور یہاں سے نکلنے کے دن بھی داخل کر لیے جائیں، حافظ رحمۃ اللہ علیہ نے ابو داود کی روایت کے پیش نظر چودہ کو صحیح کہا ہے، چوبیس کی روایت صحیح نہیں ہے لیکن چوبیس کی روایت سے احناف یہ فائدہ اٹھاتے ہیں کہ نماز جمعہ مکہ میں فرض ہو چکی تھی، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ مکہ میں اس لیے نہیں پڑھا کیونکہ مکہ دار الحرب تھا، اور ان کے نزدیک جمعہ کی فرضیت کے لیے دار الاسلام کا ہونا شرط ہے، اور قباء میں بھی نہیں پڑھا کیونکہ وہ گاؤں تھا، مدینہ میں جا کر پڑھا ہے۔

اگر چوبیس یا چودہ دن ٹھہرے ہوں تب بات بن جاتی ہے لیکن اگر چار دن ٹھہرے ہوں پھر بات نہیں بنتی، کیونکہ تاریخ کی کتابوں میں چار دن بھی آتا ہے، حالانکہ شامی میں ہے کہ جس جگہ امام ٹھہرے وہاں جمعہ فرض ہو جاتا ہے اگرچہ وہ گاؤں ہو، اور وہ گاؤں شہر ہی بن جاتا ہے، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی امام نہیں ہوسکتا، لہذا انہیں جمعہ پڑھنا چاہیئے تھا، احناف کے ہاں شہر یا شہر کے فناء پر جمعہ فرض ہو جاتا ہے اور قباء فنا شہر میں داخل ہے، اس میں جمعہ فرض ہونا چاہیئے، اور تاریخ کی ضعیف روایات میں قباء میں جمعہ پڑھنے کا ذکر آتا ہے۔

حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا جمعہ مدینہ میں پڑھا ہے اور پہلا جمعہ مدینہ میں تب ہی بنتا ہے جب کہ اس سے قبل قباء میں نہ پڑھا ہو۔

ابن حزم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں آئے تھے وہ بھی اس وقت شہر نہیں تھا بلکہ گاؤں تھا جس سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ پڑھنا چاہیئے۔

قولہ "الی بنی النجار" یہ عبد المطلب کے ماموں تھے کیونکہ ان کی والدہ "سلمٰی" ان سے تھیں۔

قولہ "متقلدین السیوف" یہود اشرار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لیے تلواریں حمائل کر کے آئے۔

قولہ "ملأ بنی النجار، ای اشرافهم او جماعتهم"

قولہ "ثامنونی، ای ساومونی فی الثمن"

قولہ "قبلة المسجد" یعنی مسجد کے قبلہ کی طرف یہ کھجوریں رکھ دیں، اور قبلہ سے مراد بیت المقدس ہے۔ کیونکہ اس وقت یہی قبلہ تھا، اور یہ تحویل قبلہ سے پہلے کا واقعہ ہے۔

بَابُ الصَّلاَةِ فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ:

باب: بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنا۔

بکریوں کے باڑہ میں نماز ادا کرنا جائز ہے، ایک حدیث میں آتا ہے "صلّوا فی مرابض الغنم فإنها من البركة" جبکہ اونٹوں کے باڑہ میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے کیونکہ وہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

مامن بعیر إلا فی ذروته شیطان[1] إن علی ذروة کل بعیر[2] شیطاناً۔

٤٢٩ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ، ثُمَّ سَمِعْتُهُ بَعْدُ يَقُولُ: كَانَ يُصَلِّي فِي مَرَابِضِ الْغَنَمِ قَبْلَ أَنْ يُبْنَى الْمَسْجِدُ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شعبہ نے ابوالتیاح کے واسطے سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھتے تھے، ابوالتیاح یا شعبہ نے کہا، پھر میں نے انس کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکریوں کے باڑہ میں مسجد کی تعمیر سے پہلے نماز پڑھا کرتے تھے۔

قوله ثم سمعته بعد "اس کے قائل شعبہ بن حجاج ہیں، وہ اپنے شیخ ابو التیاح یزید بن حمید سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث میں "قبل أن يبنى المسجد" کی قید کا اضافہ کیا جبکہ اس سے قبل میں نے اس سے یہ حدیث اس قید کے بغیر سنی تھی، اور اس سے مراد یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے بکریوں کے باڑہ میں نماز مسجد بنائے جانے سے پہلے پڑھی تھی، اور مسجد نبوی بننے کے بعد آپ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنے سے مستغنی ہو گئے۔



ابن حزم کی رائے یہ ہے کہ بکریوں کے باڑے میں نماز پڑھنا منسوخ ہو چکا ہے، اور اس مسئلہ میں ابن حزم نے اہل ظاہر کی مخالفت کی ہے، کیونکہ اہل ظاہر کے نزدیک مرابض غنم میں نماز پڑھنا درست ہے، ان کے ہاں بکریوں کا پیشاب پاک ہے جبکہ ابن حزم کے نزدیک پلید ہے، انور شاہ نے اس بات کو سمجھا نہیں۔ اور کہا ہے کہ میں سنتا تو یہ ہوں کہ اہل ظاہر پیشاب کو پاک سمجھتے ہیں لیکن ابن حزم تو پلید کہتا ہے۔ حالانکہ ابن حزم نے خود لکھا ہے کہ اہل ظاہر بکریوں کے پیشاب کو پاک کہتے ہیں۔ اور کہا کہ یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ یہ مسئلہ پہلے کا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ حکم دیدیا تھا "أمر رسول الله ببناء المساجد فی الدور وأن تنظف وتطيب"[3]

یعنی مسجدیں بنائی جائیں اور انہیں پاک رکھا جائے۔ ابن حزم کا اپنے موقف پر یہ استدلال قوی نہیں ہے۔ جبکہ مرابض غنم میں نماز پڑھی گئی ہے اور مسجدیں بننے کے بعد بکریوں کے باڑوں میں نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی۔ لیکن اس کا یہ معنی نہیں ہے۔ کہ مرابض غنم میں نماز پڑھنا منسوخ ہو گیا ہے۔[4]



---

(1) مسند احمد ۱۷۹۳۸ ج ۲۹/ ۴۵۸

(2) ابن خزیمہ ۲۵۴۷

(3) ت ۵۹۴ ج ۱ ص ۲۳۳۔

(4) مسلم کی حدیث سے مرابض غنم میں نماز پڑھنے کی اجازت ثابت ہے حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں "أن رجلا قال للنبی ﷺ أصلي فی مرابض الغنم؟ قال نعم. قال أصلي فی مبارك الإبل؟ قال لا مسلم ۳۶۰" یہ رخصت عبداللہ بن نمر رضی اللہ عنہ، ابوذر رضی اللہ عنہ، ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ۔ جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ اور ابن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ سے ثابت ہے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ الإِبِلِ:

باب: اونٹوں کے رہنے کی جگہ میں نماز پڑھنا۔

٤٣٠ - حَدَّثَنَا صَدَقَةُ بْنُ الْفَضْلِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَيَّانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، عَنْ نَافِعٍ، قَالَ: «رَأَيْتُ ابْنَ عُمَرَ يُصَلِّي إِلَى بَعِيرِهِ، وَقَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ».

ہم سے صدقہ بن فضل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سلیمان بن حیان نے، کہا ہم سے عبید اللہ نے نافع کے واسطہ سے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کو اپنے اونٹ کی طرف نماز پڑھتے دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح پڑھتے دیکھا تھا۔

بعض احادیث میں مبارک کا لفظ وارد ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے مبارک الإبل میں نماز پڑھنے سے روکا ہے، بعض جگہ معاطن یا أعطان الإبل آیا ہے۔ بعض جگہ مرابد یا مناخ الإبل آتا ہے، امام بخاری رحمہ اللہ نے مواضع کا لفظ ذکر کیا ہے جو ان سب کو شامل ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال علت کی بناپر ہے اور علت اونٹ کی شَیطَنَت ہے، لہٰذا جب شیطنت کے باوجود اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی جاسکتی ہے تو اس کی جگہ میں بھی نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ اور اگر اس کی شیطنت کی وجہ سے اس کے بارے میں نماز نہیں پڑھنی چاہیئے تو اس کی طرف منہ کر کے بھی نہیں پڑھنی چاہیئے، حالانکہ آپ نے اور ابن عمر نے اونٹ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ اس لیے علت کی بناپر بخاری کا استدلال ہے کہ نماز پڑھنا جائز ہے۔ اور نہی کی احادیث خطرے پر محمول ہیں کہ جب اونٹ کی طرف یا اسکی جگہ میں نماز پڑھتے ہوئے تشویش کا خطرہ ہو تو نہیں پڑھنی چاہیئے، جبکہ اپنے اونٹ کے بارہ میں صاحبِ اونٹ کو علم ہوتا ہے کہ وہ تشویش کا باعث بنتا ہے یا نہیں۔

شرح بخاری

19

بَابُ مَنْ صَلَّى وَقُدَّامَهُ تَنُّورٌ أَوْ نَارٌ أَوْ شَيْءٌ مِمَّا يُعْبَدُ، فَأَرَادَ بِهِ اللَّهَ:

باب: اگر کوئی شخص نماز پڑھے اور اس کے آگے تنور، یا آگ، یا اور کوئی چیز ہو جسے مشرک پوجتے ہیں، لیکن اس نمازی کی نیت محض عبادت الٰہی ہو تو نماز درست ہے۔

وَقَالَ الزُّهْرِيُّ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ وَأَنَا أُصَلِّي»

زہری نے کہا کہ مجھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر پہنچائی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ لائی گئی اور اس وقت میں نماز پڑھ رہا تھا۔

ابن المنذر نے کہا ہے سوائے امام شافعی کے تمام اہل علم اس کی اباحت کے قائل ہیں"۔ الفتح لابن رجب ۲/۴۱۶۔

۴۳۱ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: انْخَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: «أُرِيتُ النَّارَ. فَلَمْ أَرَ مَنْظَرًا كَالْيَوْمِ قَطُّ أَفْظَعَ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، انہوں نے امام مالک کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے زید بن اسلم سے، انہوں نے عطاء بن یسار سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے فرمایا کہ سورج گہن ہوا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی اور فرمایا کہ مجھے (آج) دوزخ دکھائی گئی، اس سے زیادہ بھیانک منظر میں نے کبھی نہیں دیکھا۔

اس باب سے بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا مقصود یہ ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت سے نماز پڑھے اور اس کے آگے تنور یا آگ یا ایسی چیز ہو جسکی اللہ تعالیٰ کے علاوہ کفار و مشرکین عبادت کرتے ہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں اور اس کی نماز بغیر کراہت کے ہو جائے گی کیونکہ نمازی کی نیت اس چیز کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کی نیت ہوتی ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی حالت میں اپنے سامنے آگ کو دیکھا[1] تو اس میں کوئی کراہت نہیں کیونکہ آپ مکروہ نماز نہیں پڑھتے تھے۔

قولہ "أو شئی ممایعبد" یہ عام کا خاص پر عطف ہے۔ اور اس سے مراد بُت یا مجسمے یا سورج وغیرہ ہیں۔



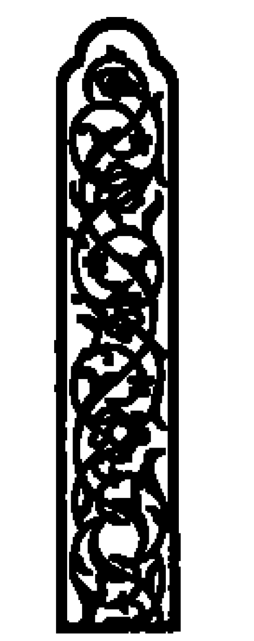
بَابُ كَرَاهِيَةِ الصَّلاَةِ فِي الْمَقَابِرِ:

باب: مقبروں میں نماز پڑھنے کی کراہت کے بیان میں۔

۴۳۲ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «اجْعَلُوا فِي بُيُوتِكُمْ مِنْ صَلَاتِكُمْ، وَلَا تَتَّخِذُوهَا قُبُورًا».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے عبیداللہ بن عمر کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے نافع نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھروں میں بھی نمازیں پڑھا کرو اور انہیں بالکل مقبرہ نہ بنالو۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھروں میں نوافل وغیرہ پڑھنے کا حکم دیا ہے تاکہ گھروں میں نماز چھوڑ کر وہ قبرستان کی طرح نہ بن جائیں، کیونکہ قبروں میں نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، اور گھروں کو نماز سے خالی کرنا مکروہ ہے۔ کیونکہ اس سے وہ قبرستان کے مشابہ ہو جاتے ہیں جو نماز سے خالی ہوتے ہیں۔ کراہت سے بخاری کی مراد اگر کراہت تنزیہ ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ کراہت تنزیہ جواز کے ساتھ جمع ہو سکتی ہے اور اگر کراہت تحریمی مراد ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قبروں میں نماز پڑھنے سے گناہگار ہوتا ہے۔



[1] بخاری رقم ۷۵۱۹ ج ۷ ص ۱۳۔

"قولہ ولا تتخذوھا مقابر"① بعض اس سے یہ مراد لیتے ہیں کہ گھروں میں مُردے دفن نہ کرو کیونکہ جب گھروں میں مردے دفن کرکے قبریں بنالوگے تو پھر گھروں میں نماز نہیں پڑھ سکوگے، یہ ترجمہ باب کی دلیل ہوجائے گی۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ گھروں کو قبروں کی طرح نہ بناؤ یعنی انہیں قبروں کی طرح نہ سمجھ لو کہ جس طرح قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی ویسے گھروں میں نماز پڑھنا چھوڑ دو۔ ایسا نہ کرو، بلکہ نفلی نمازیں یا فرضی نماز جو عذر کی بنا پر جماعت سے رَہ جائے تو ایسی نماز گھر میں ادا کرلو، بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ تم مُردوں کی طرح نہ بن جاؤ کہ جس طرح مُردے نماز نہیں پڑھتے تم بھی نماز چھوڑ دو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔

بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَوَاضِعِ الْخَسْفِ وَالْعَذَابِ:

باب: دھنسی ہوئی جگہوں میں یا جہاں کوئی اور عذاب اترا ہو وہاں نماز (پڑھنا کیسا ہے؟)

وَيُذْكَرُ أَنَّ عَلِيًّا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَرِهَ الصَّلَاةَ بِخَسْفِ بَابِلَ.

علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ آپ نے بابل کی دھنسی ہوئی جگہ میں نماز کو مکروہ سمجھا۔

٤٣٣ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا تَدْخُلُوا عَلَى هَؤُلَاءِ الْمُعَذَّبِينَ إِلَّا أَنْ تَكُونُوا بَاكِينَ، فَإِنْ لَمْ تَكُونُوا بَاكِينَ فَلَا تَدْخُلُوا عَلَيْهِمْ، لَا يُصِيبُكُمْ مَا أَصَابَهُمْ».

ہم سے اسماعیل بن عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے امام مالک رحمہ اللہ نے بیان کیا، انہوں

شرح بخاری

① حدیث مذکور کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت پر اعتراض کرتے ہوئے اسماعیلی نے کہا ہے "الحدیث دال علی کراھۃ الصلوۃ فی القبر لا فی المقابر" حافظ اسکا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں: قلت و قد ورد بلفظ "المقابر" کما رواہ مسلم من حدیث أبی ھریرۃ بلفظ لا تجعلوا بیوتکم مقابر" عینی، حافظ کا تعاقب کرتے ہوئے لکھتے ہیں: قلت۔ ھذا عجیب کیف یقال: حدیث یرویہ غیرہ بأنہ مطابق لما ترجم بہ؟ یعنی جو حدیث بخاری نے روایت ہی نہیں کی بلکہ مسلم نے اپنی کتاب میں روایت کی ہے اس سے بخاری کے ترجمہ باب کی مناسبت کیسے ہوسکتی ہے؟ عینی کی یہ بات بتاتی ہے کہ وہ لکیر کے فقیر ہیں۔ مسلم کی حدیث اگرچہ بخاری اسے اپنی صحیح میں نہیں لائے کیونکہ ان کی شرطوں پر پورا نہیں اترتی جنہیں وہ اپنی صحیح میں لانے کے لیے ملحوظ رکھتے ہیں لیکن وہ حدیث اور اس طرح دیگر احادیث امام بخاری کے حفظ وضبط میں تو محفوظ ہوتی ہیں، جن کے پیش نظر وہ ترجمہ باب قائم کرتے ہیں، اور اصول بھی یہ ہے کہ کسی بھی مسئلہ سے متعلق فیصلہ کن فتویٰ دینے سے قبل ان تمام آیات و احادیث کو ملحوظ رکھا جائے جو اس مسئلہ سے متعلق وارد ہوں، اور صحیح و ثابت ہوں، اگر عینی اس اصول کو پیش نظر رکھتے تو ایسے اعتراضات کی نوبت پیش نہ آتی امام بخاری رحمہ اللہ ان تمام احادیث کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ باب قائم کرتے ہیں جو اس ترجمہ سے متعلق ہوتی ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض احادیث کو شروط بخاری کے نہ پائے جانے کی وجہ سے وہ اپنی صحیح میں نہ لائے ہوں۔

نے عبداللہ بن دینار کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ان عذاب والوں کے آثار سے اگر تمہارا گزر ہو تو روتے ہوئے گزرو، اگر تم اس موقع پر رونہ سکو تو ان سے گزرو ہی نہیں۔ ایسا نہ ہو کہ تم پر بھی ان کا سا عذاب آجائے۔

"ویذکر أن علیاً رضی اللہ عنہ کرہ الصلوۃ بخسف بابل "عذاب کا الخسف پر عطف عام کا خاص پر عطف ہے۔ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر کو ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک عذاب کے مقامات میں نماز ادا کرنا مکروہ ہے، اور یہ اثر مصنف ابن ابی شیبہ میں مروی ہے، اور حضرت عبداللہ بن عمر کی نقل کردہ حدیث سے امام بخاری رحمہ اللہ کا استدلال یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے معذّب قوم کے مقامات میں داخل ہونے اور وہاں ٹھہرنے سے روکا ہے۔ اور وہاں نماز تب ہی پڑھی جاسکتی ہے جبکہ وہاں ٹھہرنا جائز ہو حالانکہ وہاں داخل ہونا اور ٹھہرنا جائز نہیں تو وہاں نماز پڑھنا بھی جائز نہیں ہے، لیکن اگر وہ جگہ آباد ہوگئی ہو تو آباد ہونے والے وہاں نماز پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے مشرکین کی قبریں اکھاڑ کر مسجد تعمیر فرمائی تھی اور نمازیں ادا کی جاتی تھیں، حالانکہ وہ بھی مواضع عذاب تھیں۔

قولہ "لا تدخلوا علی ھؤلاء المعذبین" غزوہ تبوک کے لئے جاتے ہوئے جب آپ صحابہ کرام کے ساتھ قوم ثمود کی حجر وادی سے گذرے تھے تب آپ نے صحابہ کو ان پر داخل ہونے سے روکا تھا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی سر ڈھانپ کر جلدی سے یہاں سے گذر گئے تھے۔ ہاں افسردگی کی حالت میں داخل ہونے کی اجازت ہے۔ جیسا کہ آپ نے فرمایا "إلا أن تکونوا باکین" [1]

بَابُ الصَّلاَةِ فِي الْبِيعَةِ:

باب: گرجا میں نماز پڑھنے کا بیان۔

وَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ: إِنَّا لَا نَدْخُلُ كَنَائِسَكُمْ مِنْ أَجْلِ التَّمَاثِيلِ الَّتِي فِيهَا الصُّوَرُ، وَكَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ يُصَلِّي فِي الْبِيعَةِ إِلَّا بِيعَةً فِيهَا تَمَاثِيلُ.

اور عمر رضی اللہ عنہ نے کہا او نصرانیو! ہم آپ کے گرجاؤں میں اس وجہ سے نہیں جاتے کہ وہاں مورتیں ہوتی ہیں اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما گرجا میں نماز پڑھ لیتے مگر اس گرجا میں نہ پڑھتے جس میں مورتیں ہوتیں۔

البیعة با کے کسرہ کے ساتھ عیسائیوں کے عبادت خانہ کو کہتے ہیں، اور گرجے، بیت المدراس، بُت خانے اور آتش کدہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اثر سے مراد یہ ہے کہ ان کے گرجوں وغیرہ میں مجسمے یا بت یا تصاویر ہوں تو ان میں داخل ہونا یا نماز پڑھنا جائز نہیں لیکن اگر وہ ان چیزوں سے خالی ہوں تو ان میں داخل ہونے یا نماز

---

[1] اس باب کے تحت ذکر ہونے والی حدیث میں ہے "لا یصیبکم ما أصابھم" تاکہ تمہیں بھی ان جیسا عذاب نہ پہنچے اور یہ حدیث اللہ تعالیٰ کے فرمان "ولا تزر وازرۃ وزر اخری" الانعام ۱۶۴ کے منافی نہیں ہے کیونکہ اس آیت سے آخرت کا عذاب مراد ہے اور حدیث سے دنیا کا عذاب مراد ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "واتقوا فتنة لا تصیبن الذین ظلموا منکم خاصة" الانفال ۲۵۔ (کوثر المعانی الدراری ۷/۱۴۷)۔

پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس اثر کو عبد الرزاق نے حضرت عمر کے مولی اسلم سے روایت کیا ہے کہ جب حضرت عمر فاروق شام کے علاقہ میں تشریف لائے تو ایک عیسائی نے ان کے لیے کھانے کا اہتمام کیا اور یہ ان کے سرداروں سے تھا جس کا نام قسطنطین تھا۔ اور اس نے آپ سے کہا کہ میں چاہتا ہوں آپ میرے پاس آئیں اور عزت افزائی فرمائیں تب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "إنا لا ندخل كنائسكم من أجل التماثيل التي فيها الصور"۔ [1]

٤٣٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أُمَّ سَلَمَةَ ذَكَرَتْ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَنِيسَةً رَأَتْهَا بِأَرْضِ الْحَبَشَةِ يُقَالُ لَهَا مَارِيَةُ، فَذَكَرَتْ لَهُ مَا رَأَتْ فِيهَا مِنَ الصُّوَرِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أُولَئِكَ قَوْمٌ إِذَا مَاتَ فِيهِمُ الْعَبْدُ الصَّالِحُ أَوِ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلَى قَبْرِهِ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوا فِيهِ تِلْكَ الصُّوَرَ، أُولَئِكَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللهِ».

ہم سے محمد بن سلام بیکندی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم کو عبدہ بن سلیمان نے خبر دی، انہوں نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے اپنے باپ عروہ بن زبیر سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک گرجا کا ذکر کیا جس کو انہوں نے حبش کے ملک میں دیکھا اس کا نام ماریہ تھا۔ اس میں جو مورتیں دیکھی تھیں وہ بیان کیں۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ایسے لوگ تھے کہ اگر ان میں کوئی نیک بندہ (یا یہ فرمایا کہ) نیک آدمی مر جاتا تو اس کی قبر پر مسجد بناتے اور اس میں یہ بت رکھتے۔ یہ لوگ اللہ کے نزدیک ساری مخلوقات سے بدتر ہیں۔

اس حدیث کا آخری جملہ " بنوا على قبره مسجدًا وصوروا فيه تلك الصور باب سے متعلق ہے۔ اور مسلمانوں کو ان کے ایسے گرجوں میں نماز پڑھنے سے روکا گیا ہے جن میں تصاویر یا نیک لوگوں کی قبریں بنائی گئی ہوں، کیونکہ ان کے ایسے گرجوں میں نماز پڑھنے سے وہ مسجدیں بن جائیں گے اور قبروں کو مسجدیں بنانے سے منع کیا گیا ہے۔

باب

یہ باب بلا ترجمہ ہے اور اس کے تحت آنے والی حدیث کا تعلق بھی گذشتہ باب سے ہے گویا یہ باب فصل کی طرح ہے اور یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ قبروں کو مسجدیں بنانا جائز نہیں ہے خواہ ان میں تصاویر ہوں یا نہ ہوں۔

٤٣٥-٤٣٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ، وَعَبْدَ اللهِ بْنَ عَبَّاسٍ، قَالَا: لَمَّا نَزَلَ بِرَسُولِ

---

[1] الثمر المستطاب للألبانی رحمہ اللہ ج ا ص ٣٩٤۔

اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَفِقَ يَطْرَحُ خَمِيصَةً لَهُ عَلَى وَجْهِهِ، فَإِذَا اغْتَمَّ بِهَا كَشَفَهَا عَنْ وَجْهِهِ، فَقَالَ: «وَهُوَ كَذَلِكَ، لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الْيَهُودِ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ يُحَذِّرُ مَا صَنَعُوا».

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم کو شعیب نے خبر دی زہری سے، انہوں نے کہا کہ مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ نے خبر دی کہ عائشہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے بیان کیا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں مبتلا ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چادر کو بار بار چہرے پر ڈالتے۔ جب کچھ افاقہ ہوتا تو اپنے مبارک چہرے سے چادر ہٹا دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اضطراب و پریشانی کی حالت میں فرمایا، یہود و نصاریٰ پر اللہ کی پھٹکار ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجد بنالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما کر امت کو ایسے کاموں سے ڈراتے تھے۔

٤٣٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، انہوں نے مالک کے واسطے سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے سعید بن مسیب سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہو انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔

شرح بخاری

قوله لمانزل ای لمانزل الموت،

قوله لعنة الله على اليهود والنصارى "نبی اکرم ﷺ جان گئے کہ میں اس مرض میں وفات پانے والا ہوں اور آپ نے اس بات کا خوف محسوس کیا کہ کہیں یہود و نصاریٰ کی طرح میری قبر کی بھی تعظیم اور پوجا پاٹ شروع نہ ہو جائے اس لیے آپ نے یہود و نصاریٰ کو لعنت کی جو یہ کام کرتے تھے تا کہ ان جیسا کام کرنے والوں کی مذمت ہو جائے اور آپ کی امت آپ کی قبر پر وہ کام نہ کرے جو یہود و نصاریٰ کرتے تھے۔

"قوله وهو كذلك ای فی حالة الطرح والکشف قوله اتخذوا"[1] یہ جملہ مستأنفہ لعنت کا سبب بیان

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یہاں ایک اشکال پیش کیا ہے کہ اس حدیث میں یہود کا ذکر تو درست ہے کیونکہ ان میں بہت سے انبیاء کرام ہوئے ہیں جن کی قبروں کو انہوں نے مسجدیں بنالیا تھا۔ لیکن نصاریٰ میں صرف عیسیٰ علیہ السلام ہوئے ہیں اور ان کے درمیان اور نبی اکرم ﷺ کے درمیان کوئی اور نبی نہیں ہے اور عیسیٰ علیہ السلام بھی آسمان پر اٹھالیے گئے ہیں اور ان کی قبر نہیں ہے۔ حافظ نے اسکا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ان میں بھی انبیاء ہوئے ہیں جنہیں حواری کہا جاتا ہے جن کی قبروں کو انہوں نے سجدہ گاہ بنالیا تھا، یا انبیاء کے ذکر میں ان کے کبار پیروکار بھی داخل ہیں اس لیے ایک حدیث میں "قبور انبیائهم وصالحیهم مساجد" مسلم (۲۳) ۵۳۲ آتا ہے، اور اسی لیے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی

کرنے کے لئے لایا گیا ہے۔

قولہ "یحذر ما صنعوا" یہ جملہ مستأنفہ راوی کی کلام ہے۔

بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «جُعِلَتْ لِيَ الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا»:

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ میرے لیے ساری زمین پر نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے (یعنی تیمم کرنے) کی اجازت ہے۔

٤٣٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارٌ هُوَ أَبُو الْحَكَمِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ الْفَقِيرُ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أُعْطِيتُ خَمْسًا لَمْ يُعْطَهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الأَنْبِيَاءِ قَبْلِي نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ، وَجُعِلَتْ لِي الأَرْضُ مَسْجِدًا وَطَهُورًا، وَأَيُّمَا رَجُلٍ مِنْ أُمَّتِي أَدْرَكَتْهُ الصَّلَاةُ فَلْيُصَلِّ وَأُحِلَّتْ لِي الْغَنَائِمُ، وَكَانَ النَّبِيُّ يُبْعَثُ إِلَى قَوْمِهِ خَاصَّةً، وَبُعِثْتُ إِلَى النَّاسِ كَافَّةً، وَأُعْطِيتُ الشَّفَاعَةَ».

ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابوالحکم سیار نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یزید فقیر نے، کہا ہم سے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے انبیاء کو نہیں دی گئی تھیں۔ (۱) ایک مہینے کی راہ سے میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ (۲) میرے لیے تمام زمین میں نماز پڑھنے اور پاکی حاصل کرنے کی اجازت ہے۔ اس لیے میری امت کے جس آدمی کی نماز کا وقت (جہاں بھی) آجائے اسے (وہیں) نماز پڑھ لینی چاہیے۔ (۳) میرے لیے مال غنیمت حلال کیا گیا۔ (۴) پہلے انبیاء خاص اپنی قوموں کی ہدایت کے لیے بھیجے جاتے تھے۔ لیکن مجھے دنیا کے تمام انسانوں کی ہدایت کے لیے بھیجا گیا ہے۔ (۵) مجھے شفاعت عطا کی گئی ہے۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مذکورہ جگہوں کے علاوہ باقی زمین میرے لئے مسجد بنادی گئی ہے لہٰذا جہاں نماز کا وقت ہو

حدیث مذکور میں "إذا مات فیهم الرجل الصالح" کا ذکر ہے کیونکہ یہ حدیث صرف نصاریٰ کے بارہ میں ہے اور اس کے بعد آنے والی حدیث صرف یہود کے ذکر پر مشتمل ہے۔ اس لیے اس میں صرف انبیاء کا ذکر ہے جن کی قبروں کو مساجد بنالیا گیا تھا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہود، انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے کی بدعت کو گھڑنے والے ہیں اور عیسائی اس بدعت کی اتباع کرنے والے ہیں اور "اتخذوا" کا کلمہ ابتداع اور اتباع دونوں کو شامل ہے۔ اور بلاریب نصاریٰ بھی یہود کی طرح بہت سے انبیاء کرام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنانے میں ان کے ساتھ شریک ہیں"۔ فتح الباری لابن حجر ج ا ص ۵۳۲۔

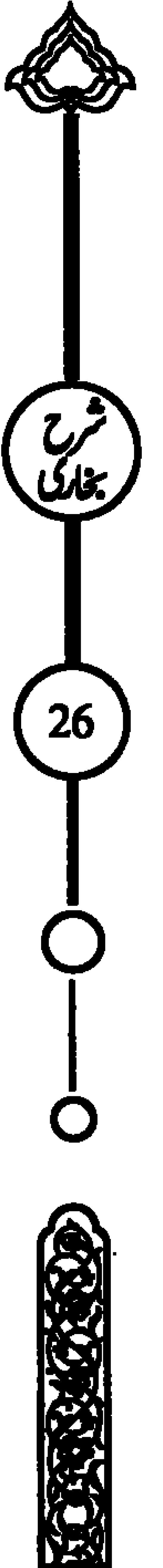
جائے، وہیں نماز پڑھی جاسکتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ مذکور جگہوں میں نماز پڑھنا تو منع ہے لیکن اگر کوئی شخص مذکورہ جگہوں میں نماز پڑھ لے تو ہو جائے گی کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے: "جعلت لي الأرض مسجدا"[1] یعنی ساری زمین میرے لئے مسجد بنادی گئی ہے لیکن پہلا معنی راجح ہے، یعنی مذکورہ جگہوں کے علاوہ باقی ہر جگہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔

بَابُ نَوْمِ الْمَرْأَةِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: عورت کا مسجد میں سونا۔

یعنی عورت کا مسجد میں سونا اور اقامت رکھنا ضرورت کے وقت جائز ہے لیکن یہ جواز تب ہے جبکہ فتنے کا ڈر نہ ہو۔

٤٣٩ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ وَلِيدَةً كَانَتْ سَوْدَاءَ لِحَيٍّ مِنَ الْعَرَبِ فَأَعْتَقُوهَا، فَكَانَتْ مَعَهُمْ، قَالَتْ: فَخَرَجَتْ صَبِيَّةٌ لَهُمْ عَلَيْهَا وِشَاحٌ أَحْمَرُ مِنْ سُيُورٍ، قَالَتْ: فَوَضَعَتْهُ أَوْ وَقَعَ مِنْهَا، فَمَرَّتْ بِهِ حُدَيَّاةٌ وَهُوَ مُلْقًى، فَحَسِبَتْهُ لَحْمًا فَخَطِفَتْهُ، قَالَتْ: فَالْتَمَسُوهُ فَلَمْ يَجِدُوهُ، قَالَتْ: فَاتَّهَمُونِي بِهِ، قَالَتْ: فَطَفِقُوا يُفَتِّشُونَ حَتَّى فَتَّشُوا قُبُلَهَا، قَالَتْ: وَاللَّهِ إِنِّي لَقَائِمَةٌ مَعَهُمْ إِذْ مَرَّتِ الْحُدَيَّاةُ فَأَلْقَتْهُ، قَالَتْ: فَوَقَعَ بَيْنَهُمْ، قَالَتْ: فَقُلْتُ: هَذَا الَّذِي اتَّهَمْتُمُونِي بِهِ، زَعَمْتُمْ وَأَنَا مِنْهُ بَرِيئَةٌ وَهُوَ ذَا هُوَ، قَالَتْ: فَجَاءَتْ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَتْ، قَالَتْ عَائِشَةُ: فَكَانَ لَهَا خِبَاءٌ فِي الْمَسْجِدِ أَوْ حِفْشٌ، قَالَتْ: فَكَانَتْ تَأْتِينِي فَتَحَدَّثُ عِنْدِي، قَالَتْ: فَلَا تَجْلِسُ عِنْدِي مَجْلِسًا إِلَّا قَالَتْ: وَيَوْمَ الْوِشَاحِ مِنْ أَعَاجِيبِ رَبِّنَا أَلَا إِنَّهُ مِنْ بَلْدَةِ الْكُفْرِ أَنْجَانِي قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لَهَا: مَا شَأْنُكِ لَا تَقْعُدِينَ مَعِي مَقْعَدًا إِلَّا قُلْتِ هَذَا؟ قَالَتْ: فَحَدَّثَتْنِي بِهَذَا الْحَدِيثِ».



ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے ابواسامہ نے ہشام کے واسطہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ عرب کے کسی قبیلہ کی ایک کالی لونڈی تھی۔ انہوں نے اسے آزاد کر دیا تھا اور وہ انہیں کے ساتھ رہتی تھی۔ اس نے بیان کیا کہ ایک دفعہ ان کی ایک لڑکی (جو دلہن تھی) نہانے کو نکلی، اس کا کمر بند سرخ تسموں کا تھا اس نے وہ کمر بند اتار کر رکھ دیا یا اس کے بدن سے گر گیا۔ پھر اس طرف سے ایک چیل گزری جہاں کمر بند پڑا تھا۔ چیل اسے (سرخ رنگ کی وجہ سے) گوشت سمجھ کر جھپٹ لے گئی۔ بعد میں قبیلہ والوں نے اسے بہت تلاش کیا، لیکن کہیں نہ ملا۔ ان لوگوں نے اس کی تہمت مجھ پر لگادی اور میری تلاشی لینی شروع کر دی، یہاں تک کہ انہوں نے اس کی شرمگاہ تک کی تلاشی

[1] صحیح بخاری ٤٣٨، ج ١، ص ٩٥۔ مسلم ٥٢١، ج ١، ص ٣٧٠۔

لی۔ اس نے بیان کیا کہ اللہ کی قسم میں ان کے ساتھ اسی حالت میں کھڑی تھی کہ وہی چیل آئی اور اس نے ان کا وہ کمر بند گرادیا۔ وہ ان کے سامنے ہی گرا۔ میں نے (اسے دیکھ کر) کہا یہی تو تھا جس کی تم مجھ پر تہمت لگاتے تھے۔ تم لوگوں نے مجھ پر اس کا الزام لگایا تھا حالانکہ میں اس سے پاک تھی۔ یہی تو ہے وہ کمر بند! اس (لونڈی) نے کہا کہ اس کے بعد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اسلام لائی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ اس کے لیے مسجد نبوی میں ایک بڑا خیمہ لگا دیا گیا۔ (یا یہ کہا کہ) چھوٹا سا خیمہ لگا دیا گیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ وہ لونڈی میرے پاس آتی اور مجھ سے باتیں کیا کرتی تھی۔ جب بھی وہ میرے پاس آتی تو یہ ضرور کہتی کہ کمر بند کا دن ہمارے رب کی عجیب نشانیوں میں سے ہے۔ اسی نے مجھے کفر کے ملک سے نجات دی۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے اس سے کہا، آخر بات کیا ہے؟ جب بھی تم میرے پاس بیٹھتی ہو تو یہ بات ضرور کہتی ہو۔ آپ نے بیان کیا کہ پھر اس نے مجھے یہ قصہ سنایا۔

اس لونڈی اور ہار والی لڑکی اور اس قبیلے کے نام معلوم نہیں ہو سکے۔

قولہ من سیُور وہ ہار چمڑے کی دوھری والا تھا، اور اس میں سونا بھی جڑا ہوا تھا، صرف چمڑا نہیں تھا۔

قولہ فوضعتہ أو وقع منھا یہ شک راوی کو ہے، ایک روایت میں آیا ہے، کہ یہ لڑکی دلہن تھی، وہ اپنا ہار باہر رکھ کر غسل کے لئے داخل ہوئی تو چیل اچک کر لے گئی۔

قولہ حدیّاۃ یہ حِدَأۃ کی تصغیر ہے جو کہ عِنَبَۃٌ کے وزن پر ہے، اصل میں حُدَیأَۃٌ تھا، ہمزہ کو یا کیا اور یا کو دوسری یا میں ادغام کیا اور فتحہ کے اشباع سے الف آ گیا، حُدَیَّاۃ ہو گیا، اور یہ وہ پرندہ ہے جسے حل و حرم میں مارنے کی اجازت ہے۔

قولہ فحِسبتہ لحما جب سونے کے موتیوں کی چمک، چمڑے پر پڑی تو چیل نے اسے گوشت سمجھ کر اُچک لیا۔

قولہ فتنشوا قبلھا" یہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا کی کلام ہے ورنہ "قُبلي" ہوتا۔

قولہ ھو ذا ھو "ھو مبتدا" اور ذا اس کی خبر ہے اور دوسرا ھو دوسری خبر ہے، یا دوسرا ھو پہلے ھو کی تاکید ہے، یا ذا کی تاکید ہے، یا ھو مبتدا اول اور ذا مبتدا ثانی اور دوسرا ھو اسکی خبر ہے اور جملہ پہلے مبتدا کی خبر ہے۔

قولہ فکان لھا خباء فی المسجد" اس جملہ کا ترجمہ باب سے تعلق ہے کیونکہ یہ خیمہ اس کے لیے مسجد میں رہنے اور سونے کے لئے لگایا تھا، اور حفش چھوٹے گھر کو یا چھوٹے خیمے کو کہتے ہیں۔

قولہ من تعاجیب ربنا" یہ اعاجیب کے معنی میں ہے جو اعجوبۃ کی جمع ہے۔ بعض کہتے تعاجیب کا واحد نہیں ہے۔ یا یہ تعجیب کی جمع ہے۔ کہا جاتا ہے۔ عجبت فلاناً تعجیبا۔

بَابُ نَوْمِ الرِّجَالِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجدوں میں مردوں کا سونا۔

وَقَالَ أَبُو قِلَابَةَ: عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَدِمَ رَهْطٌ مِنْ عُكْلٍ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانُوا فِي الصُّفَّةِ، وَقَالَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ: كَانَ أَصْحَابُ الصُّفَّةِ الْفُقَرَاءَ.

اور ابوقلابہ نے انس بن مالک سے نقل کیا ہے کہ عکل نامی قبیلہ کے کچھ لوگ (جو دس سے کم تھے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے، وہ مسجد کے سائبان میں ٹھہرے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے فرمایا کہ صفہ میں رہنے والے فقراء لوگ تھے۔

ضرورت کے لئے مسجد میں سونا اور قیلولہ کرنا جائز ہے۔ اگرچہ بعض روایات میں آتا ہے لا یتخذہ مبیتا ومقیلاً۔ ① لیکن طالب علموں یا مسافروں کے لئے یا جس شخص کا گھر نہ ہو اُن کے لئے جائز ہے، یا نمازی کو کبھی لیٹنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے لہذا ضرورت کے لئے مسجد میں لیٹنا مباح اور جائز ہے۔

انور شاہ کہتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے رخصتوں کو عزیمت کا درجہ دیدیا ہے۔ حالانکہ بخاری عزیمت کا نہیں بلکہ رخصت کا باب باندھ رہے ہیں۔

قولہ قدم رهط من عكل۔ یہ حدیث کتاب الوضوء باب أبوال الإبل والدواب کے تحت گذر چکی ہے

قولہ كان أصحاب الصفة الفقراء یہ حدیث علامات النبوۃ میں مفصل آئے گی۔



٤٤٠۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى عَنْ عُبَيْدِ اللهِ قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ قَالَ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللهِ أَنَّهُ كَانَ يَنَامُ وَهُوَ شَابٌّ أَعْزَبُ لَا أَهْلَ لَهُ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے مسدد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ نے عبیداللہ کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ کو نافع نے بیان کیا، کہا کہ مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ وہ اپنی نوجوانی میں جب کہ ان کے بیوی بچے نہیں تھے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں سویا کرتے تھے۔

قولہ شاب أعزب یعنی غیر شادی شدہ تھے بعض کہتے ہیں کہ ان کی عادت تھی کہ نماز پڑھ کر مسجد میں سو جاتے تھے ایک دفعہ خواب آیا کہ فرشتے پکڑ کر آگ کی طرف لے گئے دوسرے نے کہا انہیں چھوڑ دے، اس کے بعد انہوں نے رات کی نماز شروع کردی، اسکا مطلب یہ ہے کہ جو مسجد میں سوئے وہ صبح اٹھ کر نمازِ تہجد بھی پڑھے۔



٤٤١۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: «جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ فَاطِمَةَ فَلَمْ يَجِدْ عَلِيًّا فِي الْبَيْتِ، فَقَالَ: أَيْنَ ابْنُ عَمِّكِ؟ قَالَتْ: كَانَ بَيْنِي وَبَيْنَهُ شَيْءٌ فَغَاضَبَنِي فَخَرَجَ فَلَمْ يَقِلْ عِنْدِي، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِإِنْسَانٍ: انْظُرْ أَيْنَ



---

① ت ۳۲۱ ج ۲ ص ۱۳۸۔

هُوَ، فَجَاءَ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، هُوَ فِي الْمَسْجِدِ رَاقِدٌ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ مُضْطَجِعٌ قَدْ سَقَطَ رِدَاؤُهُ عَنْ شِقِّهِ وَأَصَابَهُ تُرَابٌ، فَجَعَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمْسَحُهُ عَنْهُ، وَيَقُولُ: قُمْ أَبَا تُرَابٍ، قُمْ أَبَا تُرَابٍ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم نے بیان کیا، انہوں نے اپنے باپ ابوحازم سہل بن دینار سے، انہوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لائے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ گھر میں موجود نہیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کے بیٹے کہاں ہیں؟ انہوں نے بتایا کہ میرے اور ان کے درمیان کچھ ناگواری پیش آگئی اور وہ مجھ پر خفا ہو کر کہیں باہر چلے گئے ہیں اور میرے یہاں قیلولہ بھی نہیں کیا ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا کہ علی رضی اللہ عنہ کو تلاش کرو کہ کہاں ہیں؟ وہ آئے اور بتایا کہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ علی رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے، چادر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو سے گر گئی تھی اور جسم پر مٹی لگ گئی تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جسم سے دھول جھاڑ رہے تھے اور فرما رہے تھے اٹھو ابو تراب اٹھو۔

قوله أين ابن عمك حضرت علی حضرت فاطمہ کے چچا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ نبی کریم علیہ السلام کے چچا کے بیٹے تھے گویا وہ دادا کی اولاد سے تھے۔ اور دادے کی اولاد کو ابن العم کہہ دیا جاتا ہے۔ آپ نے أین علی یا أین زوجك نہیں کہا بلکہ استعطاف اور نرمی چاہنے کے لئے قرابتداری کا ذکر کیا، تاکہ غصہ دور ہو جائے۔

قوله فغاضبني۔ غاضب باب مفاعلہ سے ہے جو کہ مشارکت کے لئے ہوتا ہے گویا دونوں ایک دوسرے سے ناراض ہوئے اور یہ ناراضگی بشری تقاضے کے مطابق تھی اور اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا ناراض ہوگئی تھیں حالانکہ حضرت فاطمہ کے بارہ میں آتا ہے۔ فاطمة بضعة مني من اغضبها فقد أغضبني [1] وہ کہتے ہیں کہ ابو بکر صدیق بھی اسکی زد میں آتے ہیں، جبکہ اس حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں "غاضبني" آگیا ہے۔ کیا حضرت علی بھی اسکی زد میں آتے ہیں؟ کیونکہ مغاضبہ دونوں کی طرف سے ہوا ہے، حالانکہ یہ ناراضگی بتقاضائے بشریت تھی۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو نبی علیہ السلام کی حدیث سنائی تھی۔ وہ بتقاضائے بشریت ناراض ہوگئیں، ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔

قوله فقال لانسان حافظ کہتے ہیں کہ اس انسان سے مراد راوی حدیث حضرت سہل بن سعد ہی ہیں کیونکہ اس وقت آپ کے پاس سہل بن سعد کے علاوہ کوئی اور انسان موجود نہیں تھا۔

٤٤٢ ـ حَدَّثَنَا يُوسُفُ بْنُ عِيسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ فُضَيْلٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ،

[1] خ رقم ۳۷۱۴ ج ۵ ص ۲۱

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُ سَبْعِينَ مِنْ أَصْحَابِ الصُّفَّةِ مَا مِنْهُمْ رَجُلٌ عَلَيْهِ رِدَاءٌ إِمَّا إِزَارٌ وَإِمَّا كِسَاءٌ قَدْ رَبَطُوا فِي أَعْنَاقِهِمْ، فَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ نِصْفَ السَّاقَيْنِ، وَمِنْهَا مَا يَبْلُغُ الْكَعْبَيْنِ فَيَجْمَعُهُ بِيَدِهِ كَرَاهِيَةَ أَنْ تُرَى عَوْرَتُهُ».

ہم سے یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے ابن فضیل نے اپنے والد کے واسطہ سے، انہوں نے ابوحازم سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے ستر اصحاب صفہ کو دیکھا کہ ان میں کوئی ایسا نہ تھا جس کے پاس چادر ہو۔ فقط تہہ بند ہوتا، یا رات کو اوڑھنے کا کپڑا جنھیں یہ لوگ اپنی گردنوں سے باندھ لیتے۔ یہ کپڑے کسی کے آدھی پنڈلی تک آتے اور کسی کے ٹخنوں تک۔ یہ حضرات ان کپڑوں کو اس خیال سے کہ کہیں شرمگاہ نہ کھل جائے اپنے ہاتھوں سے سمیٹے رہتے تھے۔

قوله رأيت سبعين من أهل الصفة "یہ اہل الصفہ ان ستر اہل صفہ کے علاوہ تھے جنہیں نبی اکرم ﷺ نے غزوہ بیئر معونۃ میں بھیجا تھا اور وہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے شہید ہوگئے تھے۔

قوله من أهل الصفة اس سے استدلال کرتے ہیں کہ لوگوں کی تربیت کے لئے مدارس بنائے جاسکتے ہیں اور اصحاب صفہ مسجد نبوی میں رہتے تھے اور مسجد میں ہی سوتے تھے۔[1] اس سے ترجمہ باب سے تعلق ہو جاتا ہے۔

بَابُ الصَّلاَةِ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ:

باب: سفر سے واپسی پر نماز پڑھنے کے بیان میں۔

وَقَالَ كَعْبُ بْنُ مَالِكٍ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ بَدَأَ بِالْمَسْجِدِ فَصَلَّى فِيهِ.

شرح بخاری

کعب بن مالک سے نقل ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سفر سے (لوٹ کر مدینہ میں) تشریف لاتے تو پہلے مسجد میں جاتے اور نماز پڑھتے۔

"قوله قال كعب بن مالك كان النبي ﷺ إذا قدم من سفر" نبی اکرم ﷺ جب سفر سے آتے تو سب سے

[1] مسجد میں سونے والوں کی دو قسمیں ہیں ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو درپیش حاجت اور ضرورت کے لئے سوئیں جیسے معتکف اور مسافر یا مریض کا مسجد میں سونا، جمہور علماء کے نزدیک یہ جائز ہے، بعض نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ سعید بن مسیب، سلیمان بن یسار، حسن بصری اور عطاء نے مسجد میں سونے کی رخصت دی ہے اگرچہ احتلام بھی ہو جائے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو ہمیشہ کے لئے مسجد کو مقیل یا بیت بنالیں اور ہمیشہ مسجد میں سوئیں۔ ان کی بھی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو کسی ضرورت کے لئے سوئے جیسے مسافر یا وہ محتاج جس کا گھر نہ ہو، یہ بھی جائز ہے اور اصحاب صفہ اور سیاہ رنگ عورت کا سونا یا وفدوں کا مسجد میں سونا اسی قسم سے تعلق رکھتا ہے۔ دوسری قسم ان لوگوں کی ہے جو گھر میں سونے کی طاقت رکھتے ہیں علماء کی ایک جماعت نے انہیں بھی مسجد میں سونے کی اجازت دی ہے۔ لیکن بعض علماء نے انکا سونے کے لئے مسجد کا قصد کرنا مکروہ سمجھا ہے۔ جیسا کہ بیہقی کی رائے ہے۔ (فتح الباری لابن رجب ۲/۴۵۵)۔

پہلے مسجد میں آتے اور آپ کا مسجد سے ابتداء کرنا حصول برکت کے لئے ہوتا تھا اور اس لئے بھی تاکہ لوگ جو آپ سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں وہ مسجد میں آپ سے ملاقات کرسکیں۔

اور کعب بن مالک کا یہ قول امام بخاری کتاب المغازی میں باب غزوہ تبوک کے تحت لمبی حدیث کے ضمن میں لائیں گے۔

٤٤٣ ـ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ، قَالَ مِسْعَرٌ: أُرَاهُ قَالَ: ضُحًى، فَقَالَ: «صَلِّ رَكْعَتَيْنِ، وَكَانَ لِي عَلَيْهِ دَيْنٌ فَقَضَانِي وَزَادَنِي».

ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے مسعر نے، کہا ہم سے محارب بن دثار نے جابر بن عبداللہ کے واسطہ سے، وہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت مسجد میں تشریف فرماتے۔ مسعر نے کہا میرا خیال ہے کہ محارب نے چاشت کا وقت بتایا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (پہلے) دو رکعت نماز پڑھ اور میرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر کچھ قرض تھا۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کیا اور زیادہ ہی دیا۔

یہ حدیث مفصل کتاب البیوع میں آئے گی کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں ایک غزوہ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا آپ نے مجھ سے ایک اونٹ خریدا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے پہلے تشریف لے آئے، میں صبح کے وقت آیا اور آپ کو مسجد کے دروازے پر موجود پایا تو آپ نے فرمایا کیا تو اب آیا ہے؟ میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا فادخل فصل رکعتین، مسجد میں جاکر دو رکعت نماز پڑھیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ حضرت جابر کی حدیث اس لئے لائے ہیں تاکہ سفر سے آکر مسجد میں جانے اور دو رکعت پڑھنے کے فعل کو نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ خاص نہ سمجھ لیا جائے۔ اس لئے آپ نے جابر رضی اللہ عنہ کو بھی مسجد میں دو رکعتیں ادا کرنے کا حکم دیا کیونکہ جابر رضی اللہ عنہ بھی اس وقت سفر سے واپس آئے تھے۔ اور آپ نے انہیں مسجد میں داخل ہوکر دو رکعت نماز ادا کرنے کا حکم دیا تھا۔

قولہ وكان لي عليه دَين "اور یہ قرض اونٹ کی قیمت تھی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر سے ایک اُوقیہ کے عوض خریدا تھا۔

بَابُ إِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ:

باب: جب کوئی مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھنی چاہیے۔

٤٤٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ السَّلَمِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا دَخَلَ أَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيَرْكَعْ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ يَجْلِسَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے عامر بن عبداللہ بن زبیر سے

یہ خبر پہنچائی، انہوں نے عمرو بن سلیم زرقی کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے ابوقتادہ سلمی رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں سے کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو بیٹھنے سے پہلے دو رکعت نماز پڑھ لے۔

اہل ظاہر کے نزدیک مسجد میں داخل ہوکر یہ دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے۔ لیکن ابن حزم واجب نہیں سمجھتے۔ شافعی حضرات اسے سنت مؤکدہ کہتے ہیں حنفی اور مالکی اوقات مکروھہ کو مستثنٰی کرتے ہیں اگر کوئی شخص مسجد میں آئے اور بھول کر دو رکعت پڑھے بغیر تھوڑا سا بیٹھ جائے تو کوئی حرج نہیں یاد آنے پر دو رکعت پڑھ لے۔ لیکن اگر لمبی دیر بیٹھا رہے، تو پھر تحیۃ المسجد ساقط ہو جاتی ہیں۔

قوله فليركع اى فليصل۔ جزء بول کر کل مراد ہے۔

بَابُ الْحَدَثِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں ریاح (ہوا) خارج کرنا۔

٤٤٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ الَّذِي صَلَّى فِيهِ، مَا لَمْ يُحْدِثْ تَقُولُ: اللهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللهُمَّ ارْحَمْهُ».



ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہ کہا ہمیں مالک نے ابوالزناد سے، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک تم اپنے مصلے پر جہاں تم نے نماز پڑھی تھی، بیٹھے رہو اور ریاح خارج نہ کرو تو ملائکہ تم پر برابر درود بھیجتے رہتے ہیں۔ کہتے ہیں «اللهم اغفر له اللهم ارحمه» اے اللہ! اس کی مغفرت کیجیے، اے اللہ! اس پر رحم کیجیے۔

حَدث سے مراد ہوا وغیرہ ہے جس کے نکلنے سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے۔ اگرچہ مسجد میں ہوا خارج ہونے میں کوئی حرج نہیں لیکن اس سے انسان فرشتوں کی دعاء سے محروم ہو جاتا ہے، کیونکہ بے وضوء ہونے پر فرشتے اس کے لئے دعاء کرنا چھوڑ دیتے ہیں، حسن بصری، عطاء، اور اسحاق اسی کے قائل ہیں بعض کہتے ہیں کہ ہوا خارج کرنے پر فرشتے دعاء کی بجائے بددعاء شروع کر دیتے ہیں، کیونکہ انہیں تکلیف ہوتی ہے۔ اس لئے مسجد میں گوز نہیں مارنا چاہیئے، لہذا جس قدر ممکن ہو باہر جانا چاہیئے لیکن معتکف اس سے مستثنٰی ہے۔

"قوله مادام فی مصلاه" مصلیٰ سے مراد مسجد ہے، یہ مراد نہیں ہے کہ جس جگہ نماز پڑھی ہے وہیں جم کر بیٹھا رہے

"قوله تقول" یہ جملہ "تصلي علی أحد کم" کا بیان ہے۔



بَابُ بُنْيَانِ الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد کی عمارت۔

وَقَالَ أَبُو سَعِيدٍ: كَانَ سَقْفُ الْمَسْجِدِ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، وَأَمَرَ عُمَرُ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ، وَقَالَ: أَكِنَّ النَّاسَ مِنَ الْمَطَرِ وَإِيَّاكَ أَنْ تُحَمِّرَ أَوْ تُصَفِّرَ فَتَفْتِنَ النَّاسَ، وَقَالَ أَنَسٌ: يَتَبَاهَوْنَ بِهَا ثُمَّ لَا يَعْمُرُونَهَا إِلَّا قَلِيلًا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَتُزَخْرِفُنَّهَا كَمَا زَخْرَفَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى.

ابوسعید نے کہا کہ مسجد نبوی کی چھت کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی۔ عمر رضی اللہ عنہ نے مسجد کی تعمیر کا حکم دیا اور فرمایا کہ میں لوگوں کو بارش سے بچانا چاہتا ہوں اور مسجدوں پر سرخ (لال)، زرد رنگ، مت کرو کیونکہ اس سے لوگ فتنہ میں پڑ جائیں گے۔ انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ (اس طرح پختہ بنوانے سے) لوگ مساجد پر فخر کرنے لگیں گے۔ مگر ان کو آباد بہت کم لوگ کریں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ تم بھی مساجد کی اسی طرح زیبائش کرو گے جس طرح یہود و نصاریٰ نے کی۔

مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے۔ یعنی مسجد نبوی کی تعمیر کا بیان۔ نبی اکرم ﷺ کے زمانہ میں مسجد نبوی بالکل سادہ بنائی گئی تھی کیونکہ اس وقت مسلمانوں کے پاس اتنی گنجائش نہیں تھی۔ لہذا مسجد کی تعمیر میں کچی اینٹیں اور کھجور کے تنے استعمال کئے گئے اور کھجور کی شاخیں چھت میں استعمال کی گئیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں فتوحات اسلامیہ کی وجہ سے مال عام تھا۔ لیکن گنجائش کے باوجود انہوں نے مسجد کو ھیأۃ کذائی پر باقی رکھا، چونکہ مسجد میں کھجوروں کے ستون وغیرہ بوسیدہ ہو چکے تھے، اس لیے ان کی تجدید کر دی۔ اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور میں مال و متاع کی کثرت تھی۔ انہوں نے ملمع سازی سے بچتے ہوئے مسجد کو خوبصورت بنا دیا اور انہوں نے مسجد نبوی کو پختہ بنایا اور ساگوان کی لکڑی استعمال کی، اسی سے دروازے بنوائے اور نقش و نگار والے پتھر لگوائے جو کہ فتوحات اسلامیہ میں حاصل ہوئے تھے، بعض لوگوں نے ان پر اعتراض بھی کیا اور یہ اعتراض کرنے والے ان کے مخالف تھے جو لوگوں کو متنفر کرنے کے لئے آپ پر طعن کرتے تھے اور بعض ایسے لوگ تھے جو چاہتے تھے کہ نبی کریم علیہ السلام کی یادگار باقی رہنی چاہیئے۔ لیکن انہوں نے جواب دیا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "من بنی مسجد اللہ بنی اللہ لہ بیتا مثلہ فی الجنۃ" [1] گویا جنت میں بہتر گھر لینے کے لئے میں نے مسجد کو بنایا ہے۔ مسجد کو بہتر بنایا جائیگا تو اس کی مثل گھر جنت میں ملے گا۔

"قولہ و قال ابو سعید کان سقف المسجد من جرید النخل" یہ معلق روایت اس حدیث کا حصہ ہے جسے بخاری "باب ھل یصلي الإمام بمن حضر" اور کتاب الاعتکاف میں موصول لائیں گے۔

"قولہ وأمر عمر ببناء المسجد" حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا میں لوگوں کو بارش وغیرہ سے محفوظ کرنا چاہتا ہوں اور کاریگر سے کہا کہ مسجد کو لال پیلا کرنے سے بچیئے تاکہ لوگوں کے لئے فتنہ نہ بنے، ابن بطال نے کہا ہے کہ چونکہ نبی اکرم ﷺ نے ابو جہم کی نقش و نگار والی چادر واپس کر دی تھی اور فرمایا تھا "إنھا ألھتنی عن صلاتی" اس سے عمر

---

[1] بخاری ۴۵۰ ج ۱ ص ۹۷۔

فاروق نے سمجھا کہ مسجد میں نقش و نگار سے بچنا چاہیئے اور مسجد سادہ ہونی چاہیئے۔

"قولہ ثم لا یعمرونها إلا قلیلا" اس تعمیر سے مراد نماز اور ذکر اللہ سے مسجد کو آباد کرنا ہے۔

"قولہ قال ابن عباس لتزخرفنها" مسجد کو مزخرف کرنے کا کام سب سے پہلے ولید بن عبد الملک نے کیا، علماء نے یا تو ڈرتے ہوئے انکار نہ کیا یا اس لیے کہ لوگوں کے مکانات بلند ہیں اور مسجد ان سے اونی نہیں ہونی چاہیئے، احناف کے نزدیک اگر مسجد کو مزخرف کرنا ہو تو بیت المال کے پیسہ سے نہ کرے بلکہ اپنی جیب سے خرچ کرنا چاہیئے۔ اور سامنے والی دیوار کو صاف رکھنا چاہیئے۔

٤٤٦ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا نَافِعٌ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ أَخْبَرَهُ «أَنَّ الْمَسْجِدَ كَانَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَبْنِيًّا بِاللَّبِنِ، وَسَقْفُهُ الْجَرِيدُ، وَعُمُدُهُ خَشَبُ النَّخْلِ، فَلَمْ يَزِدْ فِيهِ أَبُو بَكْرٍ شَيْئًا، وَزَادَ فِيهِ عُمَرُ، وَبَنَاهُ عَلَى بُنْيَانِهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّبِنِ وَالْجَرِيدِ وَأَعَادَ عُمُدَهُ خَشَبًا، ثُمَّ غَيَّرَهُ عُثْمَانُ فَزَادَ فِيهِ زِيَادَةً كَثِيرَةً وَبَنَى جِدَارَهُ بِالْحِجَارَةِ الْمَنْقُوشَةِ وَالْقَصَّةِ وَجَعَلَ عُمُدَهُ مِنْ حِجَارَةٍ مَنْقُوشَةٍ وَسَقَفَهُ بِالسَّاجِ».

ہم سے علی بن عبد اللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یعقوب بن ابراہیم بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے میرے والد ابراہیم بن سعید نے صالح بن کیسان کے واسطے سے، ہم سے نافع نے، عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد نبوی کچی اینٹوں سے بنائی گئی تھی۔ اس کی چھت کھجور کی شاخوں کی تھی اور ستون اسی کی کڑیوں کے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اس میں کسی قسم کی زیادتی نہیں کی۔ البتہ عمر رضی اللہ عنہ نے اسے بڑھایا اور اس کی تعمیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بنائی ہوئی بنیادوں کے مطابق کچی اینٹوں اور کھجوروں کی شاخوں سے کی اور اس کے ستون بھی کڑیوں ہی کے رکھے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کی عمارت کو بدل دیا اور اس میں بہت سی زیادتی کی۔ اس کی دیواریں منقش پتھروں اور گچ سے بنائیں۔ اس کے ستون بھی منقش پتھروں سے بنوائے اور چھت ساگوان سے بنائی۔

"قولہ عمدہ" عین اور میم دونوں کے ضمہ یا دونوں کے فتحہ کے ساتھ۔

"قولہ فلم یزد فیہ شیئًا" حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مسجد نبوی میں کوئی کمی بیشی نہیں کی۔

قولہ وسقفہ بالساج۔ سقف ماضی ہو تو اسکا عطف "جعل" پر ہے اور اگر قاف کے سکون سے ہو تو اسکا عطف "عمدہ" پر ہوگا۔

بَابُ التَّعَاوُنِ فِي بِنَاءِ الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد بنانے میں مدد کرنا (یعنی اپنی جان ومال سے حصہ لینا کار ثواب ہے)۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسَاجِدَ اللهِ شَاهِدِينَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ أُولَئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ١٧ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللهَ فَعَسَى أُولَئِكَ أَنْ يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ١٨ سورة التوبة آية ١٧-١٨

اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ مشرکین کے لیے لائق نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کی تعمیر میں حصہ لیں الآیہ۔

نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد انصار سے مسجد بنانے کے لئے زمین طلب کی تھی، انہوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے یہ زمین دیں گے اسکا معاوضہ نہیں لیں گے، آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کروں گا، اس سے وہم پڑتا ہے کہ شاید مسجد کے لئے تعاون نہیں لینا چاہیئے۔ اس وہم کو دور کرنے کے لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ مسجد کے لئے تعاون لیا جا سکتا ہے۔

"قوله تعالي ما كان للمشركين أن يعمروا مساجد الله"[1] اس آیت کے معنی میں اختلاف ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد اس میں نماز وغیرہ ادا کرنا ہے یا اس سے مراد مسجد بنانا اور اس کی صفائی وغیرہ کرنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے "باب التعاون فی بناء المسجد" قائم کر کے اس طرف اشارہ کیا ہے کہ تعمیر مسجد سے مراد مسجد بنانا اور اس کی صفائی وغیرہ کرنا ہے، اور مسجد بنانے میں مشرکوں سے تعاون نہیں لینا چاہیئے،[2] کیونکہ مشرکین خالص اللہ تعالیٰ کے لئے

[1] التوبہ ۱۷

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری آیت مذکورہ کے دو احتمالات سے ایک کو ترجیح دینے کے لئے یہ آیت لائے ہیں کیونکہ آیت کریمہ میں "مساجد الله" سے مراد مواضع سجود کا بھی احتمال ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے نماز کی ادائیگی کے لئے بنائے گئے مقامات مراد ہوں۔ اور دوسری صورت میں ہو سکتا ہے کہ عمارت مساجد سے مراد مساجد کا بنانا اور تعمیر کرنا ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہیں ذکر الٰہی سے آباد کرنا مراد ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حدیث مذکور لا کر مساجد کے بنانے اور انہیں تعمیر کرنے کے احتمال کو ترجیح دی ہے کہ مشرکین کے لائق نہیں کہ وہ مساجد بنائیں اور نہ ہی ان کے بنانے سے اسکا حکم مسجد کا ہو سکتا ہے کیونکہ مسجد وقف کی نیت سے بنتی ہے اور کفار ومشرکین کی نیت کا اعتبار نہیں ہے بنابریں ان سے مسجد کی تعمیر میں تعاون لینا بھی جائز نہیں ہے۔ حافظ کی بات بڑی معقول ہے لیکن علامہ عینی اسے کیسے گوارا کر سکتے تھے وہ اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں میں کہتا ہوں اس قائل کی یہ توجیہ آیت مذکورہ کے معنی کے بالکل موافق نہیں ہے ہاں دوسری آیت "انما يعمر مساجد الله من أمن بالله" کے موافق ہے اور اسے کسی مفسر نے ذکر نہیں کیا۔ اور قائل کا یہ تصرف تفسیر بالرأی ہے جس سے اعراض کرنا ضروری ہے" انتھی۔ غور طلب بات یہ ہے کہ عینی کے یہ کہنے کے بعد کہ یہ توجیہ دوسری آیت کے موافق ہے یہ کہنے کی کیا اہمیت رہ جاتی ہے کہ یہ توجیہ اس آیت کے معنی کے بالکل موافق نہیں ہے؟ جبکہ دوسری آیت بھی پہلی آیت کے ساتھ بخاری نے ذکر کی ہے تو اتنے شد ومد سے نفی

تعاون نہیں کرتے اور مسجدیں خالص اللہ تعالی کے لئے بنانی چاہئیں، اس بنا پر اگر کوئی مسلمان ریاکاری کے لئے تعاون کرے تو وہ بھی نہیں لینا چاہیئے۔

اگر کوئی کافر مسجد بنائے تو وہ مسجد ہو گی یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ مسجد نہیں ہو گی بلکہ دیگر جگہوں کی طرح ہی ہو گی۔ کیونکہ مسجد تب بنتی ہے جبکہ وقف کی نیت ہو اور کافر کی یہ نیت نہیں ہوتی۔ لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ مسجد ہو گی۔ اور اس کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ خانہ کعبہ کفار کی تعمیر تھی اور نبی اکرم ﷺ اس میں نمازیں پڑھا کرتے تھے، ایسے ہندوستان میں معمار مسجدیں بناتے تھے اور وہ مسلمانوں کے لئے ہوتی تھیں اگرچہ وہ غیر مسلم تھے۔ لیکن اسکی وجہ علماء نے یہ بیان کی ہے کہ کفار رعیت سے ٹیکس لیتے تھے۔ لہذا ان کے بیت المال میں مسلمانوں کا بھی حصہ تھا اس لیے ان سے اگر مسجد بنالی جائے تو اس میں مسلمانوں کا اپنا مال خرچ ہوتا تھا اس لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن اگر کوئی مشرک ذاتی طور پر مدد دینا چاہے تو اس میں بحث ہو سکتی ہے کہ اسکی مدد لینا چاہیئے یا نہیں؟ میاں صاحب سید نذیر حسین محدث دہلوی رحمہ اللہ منع سمجھتے تھے جبکہ مولانا عبد الجبار غزنوی رحمہ اللہ کہتے تھے کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آیت مذکورہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مشرکین سے مدد نہیں لینا چاہیئے۔ بخاری رحمہ اللہ اس آیت کو اسی لیے لائے ہیں۔ باقی رہا خانہ کعبہ تو وہ پہلے وقف ہو گیا تھا اور اس کی جگہ وقف تھی۔ آپ نے جو اعتراض کیا تھا وہ اعتراض اس کی ھیأۃ کذائی پر تھا، اور آپ اسے گرا کر ابراہیمی بنیادوں پر بنانا چاہتے تھے۔ لیکن فتنہ کے ڈر سے ایسا نہیں کیا تھا، ورنہ اس کی بنا پر کوئی اعتراض نہیں تھا بلکہ اس میں تو آپ نے خود حصہ لیا تھا۔

٤٤٧ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ مُخْتَارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ لِي ابْنُ عَبَّاسٍ وَلِابْنِهِ عَلِيٍّ: انْطَلِقَا إِلَى أَبِي سَعِيدٍ فَاسْمَعَا مِنْ حَدِيثِهِ، فَانْطَلَقْنَا فَإِذَا هُوَ فِي حَائِطٍ يُصْلِحُهُ فَأَخَذَ رِدَاءَهُ فَاحْتَبَى، ثُمَّ أَنْشَأَ يُحَدِّثُنَا حَتَّى أَتَى ذِكْرُ بِنَاءِ الْمَسْجِدِ، فَقَالَ: كُنَّا نَحْمِلُ لَبِنَةً لَبِنَةً، وَعَمَّارٌ لَبِنَتَيْنِ لَبِنَتَيْنِ فَرآه النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْفُضُ التُّرَابَ عَنْهُ، وَيَقُولُ: «وَيْحَ عَمَّارٍ تَقْتُلُهُ الْفِئَةُ الْبَاغِيَةُ، يَدْعُوهُمْ إِلَى الْجَنَّةِ وَيَدْعُونَهُ إِلَى النَّارِ»، قَالَ: يَقُولُ عَمَّارٌ: أَعُوذُ بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ.

کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حالانکہ یہ توجیہ پہلی آیت کے بھی موافق ہے، کہ مشرکین کی بنا کو مسجد کا درجہ نہیں دیا جا سکتا اور نہ ہی مسجد کی بنا میں ان سے تعاون لیا جا سکتا ہے۔ یہ کام اہل اسلام کا ہے کہ وہ مساجد کی تعمیر کریں، اور جبکہ اس توجیہ کو حدیث نبوی کی تائید حاصل ہے تو یہ کہنا لغو ہے کہ اسے کسی مفسر نے ذکر نہیں کیا، اور اس توجیہ کی پشت پر حدیث نبوی کے ہوتے ہوئے اسے تفسیر بالرائ قرار دینا بھی تحکم ہے۔ اسی لیے شنقیطی رحمہ اللہ نے کہا ہے "واعتراض العینی علیه یعلم سقوطه بالوقوف علیه" جو شخص عینی کے حافظ پر اعتراض سے واقف ہو گا اسے اسکا نا قابل اعتبار ہونا معلوم ہو جائے گا" (کوثر المعانی الدراری۔ ج ۷ ص ۱۸۱)

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن مختار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے خالد حذاء نے عکرمہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ مجھ سے اور اپنے صاحبزادے علی سے ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں جاؤ اور ان کی احادیث سنو۔ ہم گئے۔ دیکھا کہ ابو سعید رضی اللہ عنہ اپنے باغ کو درست کر رہے تھے۔ ہم کو دیکھ کر آپ نے اپنی چادر سنبھالی اور گوٹ مار کر بیٹھ گئے۔ پھر ہم سے حدیث بیان کرنے لگے۔ جب مسجد نبوی کے بنانے کا ذکر آیا تو آپ نے بتایا کہ ہم تو (مسجد کے بنانے میں حصہ لیتے وقت) ایک ایک اینٹ اٹھاتے۔ لیکن عمار دو دو اینٹیں اٹھا رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو ان کے بدن سے مٹی جھاڑنے لگے اور فرمایا، افسوس! عمار کو ایک باغی جماعت قتل کرے گی۔ جسے عمار جنت کی دعوت دیں گے اور وہ جماعت عمار کو جہنم کی دعوت دے رہی ہو گی۔ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ عمار رضی اللہ عنہ کہتے تھے کہ میں فتنوں سے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں۔

قولہ یصلحہ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے کتاب الجہاد میں یہ اضافہ کیا ہے کہ ہم ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو وہ اور ان کا بھائی باغ کو پانی دے رہے تھے۔ اور بعض شارحین نے کہا ہے کہ ابو سعید کے بھائی کا نام قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ ہے جو ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے اخیافی بھائی تھے۔ لیکن یہ مراد نہیں ہو سکتے کیونکہ یہ تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے اخیر میں فوت ہو گئے تھے جبکہ ان کی طرف جانے والے علی بن عبداللہ بن عباس اس وقت پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کیونکہ علی بن عبداللہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور خلافت کے آخر میں پیدا ہوئے ہیں اور حضرت ابو سعید کا کوئی حقیقی یا علاتی بھائی نہیں تھا یہی قتادہ بن نعمان اخیافی بھائی تھے جن کی طرف علی بن عبداللہ کو بھیجا نہیں جا سکتا لہذا ہو سکتا ہے کہ یہ ان کا کوئی رضاعی بھائی ہو جس کا نام معلوم نہیں ہے۔

قولہ بناء المسجد اس مسجد سے مراد مسجد نبوی ہے یعنی مسجد نبوی کی تعمیر کا تذکرہ کرنے لگے۔

قولہ تقتلہ الفئۃ الباغیۃ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے، اور ان کے مخالفین پر "باغی" کا لفظ بولا گیا ہے اور اس کی تاویل یہ کی گئی ہے کہ یہ بُغْیَۃٌ سے ہے جس کا معنی طلب کرنا ہے یعنی وہ جماعت جو دم عثمان رضی اللہ عنہ کی طالب تھی لہذا یہ بَغْیٌ سے نہیں ہے جس کا معنی بغاوت ہے۔ لیکن اس تاویل پر "یدعونہ إلی النار" کا لفظ مشکل ہو جاتا ہے مگر اسکی تاویل یہ ہو گی کہ یہ ان کے اپنے خیال کے مطابق کہا گیا ہے کہ وہ ایسا سمجھتے تھے۔ صحیح بات یہی ہے کہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی جماعت میں تھے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی جماعت نے انہیں قتل کیا ہے، اگرچہ خلافت حضرت علی رضی اللہ عنہ کی درست تھی لیکن امیر معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد مخطئی تھے اور اجتہادی خطائیں کوئی مواخذہ نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ کافروں نے حضرت عمار رضی اللہ عنہ کو پہلے ہی راستے میں پکڑ لیا تھا اور کہا اتنا مال لیکر کہاں جاتا ہے، انہوں نے کہا میں تمہیں سارا مال دے دیتا ہوں، مجھے چھوڑ دو، ایک دفعہ کافروں نے یہ بھی کہا تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو برا بھلا کہو، ورنہ تمہیں چھوڑیں گے نہیں اور انہیں پانی میں غوطے بھی دیئے، اور الفئۃ الباغیۃ سے یہی کافر مراد ہیں اور معنی یہ ہے کہ

باغی جماعت، عمار رضی اللہ عنہ کو قتل کرنا چاہتی تھی، جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ ان کو جنت کی طرف بلاتے ہیں اور وہ آگ کی طرف دعوت دیتے ہیں یہ معنی کیا جائے تو کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا اور یہ معنی بھی ہوسکتا ہے کہ یہ عمل موجب نار ہے لَولَم یمنَعْ مانعٌ اگر کوئی مانع نہ ہو تب موجب نار ہے لیکن اگر کوئی مانع پایا جائے تو پھر موجب نار نہیں ہوگا اور یہاں مانع پایا جاتا ہے اور وہ اجتہادی خطأ ہے اور مجتہد سے خطأ ہو جائے تو وہ بھی اجر پاتا ہے۔ اگر چہ مجتہد مصیب کے لئے دو اجر ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بعض دوائیوں پر لکھا ہوتا ہے کہ یہ قبض کشا ہے، لیکن وہ قبض کشا تب ہوگی جبکہ کوئی مانع نہ پایا جائے لیکن اگر دوائی لینے کے بعد کوئی قابض چیز کھالے تو دوائی اپنا اثر نہیں کرتی، کیونکہ مانع پایا گیا ہے۔

بَابُ الِاسْتِعَانَةِ بِالنَّجَّارِ وَالصُّنَّاعِ فِي أَعْوَادِ الْمِنْبَرِ وَالْمَسْجِدِ:

باب: بڑھئی اور کاریگر سے مسجد کی تعمیر میں اور منبر کے تختوں کو بنوانے میں مدد حاصل کرنا (جائز ہے)۔

ایک روایت میں وارد ہے" جنب المساجد الصناع" یعنی مسجدوں کو کاریگروں سے بچاؤ، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کاریگروں سے مسجد بنانے میں تعاون نہیں لینا چاہیئے۔ اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ منبر یا مسجد بنانے میں کاریگروں سے تعاون لیا جاسکتا ہے اور جنب المساجد الصناع اس کے خلاف نہیں ہے، کیونکہ اس سے مراد تو یہ ہے کہ کاریگروں سے مسجدوں کو بچاؤ تا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ مسجد میں ہی اپنا کام شروع کردیں۔ اور وہ مسجد میں ہی کھڈی لگا کر نہ بیٹھ جائیں اور مسجد میں ہی چارپائیاں بنانا شروع نہ کردیں۔ یہ مراد ہے جنب المساجد الصناع سے ورنہ کاریگروں سے مسجد کی تعمیر میں تعاون لیا جاسکتا ہے۔ (1)

٤٤٨ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَبُو حَازِمٍ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: «بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى امْرَأَةٍ مُرِي غُلَامَكِ النَّجَّارَ، يَعْمَلْ لِي أَعْوَادًا أَجْلِسُ عَلَيْهِنَّ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ کہا ہم سے عبد العزیز نے ابو حازم کے واسطہ سے، انہوں نے سہل رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کے پاس ایک آدمی بھیجا کہ وہ اپنے بڑھئی

(1) حافظ رحمہ اللہ نے اس ترجمہ باب کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے "الصناع جمع صانع وذكره بعد النجار من العام بعد الخاص أوفي الترجمة لف ونشر" یعنی صناع جمع ہے صانع کی، اور نجار خاص ہے جس کے بعد صناع عام ذکر کیا گیا ہے یا یہ لف ونشر مرتب ہے۔ کیونکہ اعواد المنبر کا تعلق نجار سے ہے اور المسجد کا تعلق صناع سے ہے۔ علامہ عینی اسے ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں کیونکہ حافظ کی بات کا ماننا ان کے لئے دشوار ہوتا ہے وہ کہتے ہیں۔ یہ (حافظ کی بات) صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ نجار، صناع میں داخل ہے اور لف ونشر تو متعدد سے ہوتا ہے، انتہی۔ حالانکہ نجار اور صناع میں جب عموم وخصوص کا فرق ہے تو تعدد حاصل ہو جاتا ہے۔ دیکھیئے انسان، حیوان میں داخل ہے لیکن دونوں ایک چیز نہیں ہیں، عموم وخصوص کے فرق کے ہوتے ہوئے تعدد کا انکار درست نہیں ہے۔

غلام سے کہے کہ میرے لیے (منبر) لکڑیوں کے تختوں سے بنادے جن پر میں بیٹھا کروں۔

"قوله أجلس عليهن" اس سے احناف استدلال کرتے ہیں کہ خطبہ بیٹھ کر دینا جائز ہے۔ اور کھڑے ہونا سنت ہے۔ فرض نہیں ہے۔ شوکانی کا بھی یہی خیال ہے وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ الصلوۃ والسلام کا فعل، قیام ہے لیکن یہ ضروری نہیں ہے۔ شافعیوں کے نزدیک کھڑے ہوکر خطبہ دینا ضروری ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے کبھی بیٹھ کر خطبہ نہیں دیا۔ شوکانی نے کہا ہے کہ فعل سے وجوب ثابت نہیں ہوتا، سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے "صلو کمار أیتمونی أصلي "[1] اور جمعہ بھی نماز کا حصہ ہے لہذا کھڑے ہوکر خطبہ دینا چاہیئے۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ جمعہ کے خطبہ کو کوئی نماز نہیں کہتا، جو کھڑے ہونا ضروری کہتے ہیں ان کے ہاں ظہر کی چار رکعات کی بجائے جمعہ کی دو رکعت بنادی گئی ہیں اور دو رکعت کے قائم مقام خطبہ ہے لہذا یہ نماز ہی ہے اس لیے کھڑے ہوکر خطبہ دینا چاہیئے۔ جیسا کہ مسلم کی حدیث میں ہے جابر بن سمرہ کہتے ہیں "کان النبي ﷺ یخطب قائماً ثم یجلس ثم یقوم فیخطب قائماً فمن نبأك انه كان یخطب جالساً فقد کذب فقد والله صلیت معه اكثر من ألفی صلوة "[2] اور مسلم میں ہے کہ کعب بن عجرہ مسجد میں آئے تو عبدالرحمن بن ام الحکم بیٹھ کر خطبہ دے رہے تھے تو کعب نے کہا "انظروا إلي هذا الخبيث يخطب قاعدًا وقد قال الله تعالي "واذا رأوا تجارةً أو لهوا انفضوا إليها وتركوك قائماً "[3] دوسرے کہتے ہیں کہ وہ اس سے ناراض تھے اس لیے یہ لفظ بولا ہے۔

حافظ نے کہا ہے کہ حدیث مذکور میں "أجلس عليهن" سے مراد وہ بیٹھنا ہے جو امام شروع میں آکر منبر پر بیٹھ جاتا ہے اس کے بعد اذان ہوتی ہے پھر وہ کھڑا ہوکر خطبہ دیتا ہے یا اس سے جمعہ کے علاوہ باقی خطبے مراد ہیں۔ جیسے نکاح کا خطبہ بیٹھ کر دیا جا سکتا ہے۔ میں جب مدراس میں تھا وہاں میں نے بیٹھ کر نکاح پڑھایا جبکہ وہاں کھڑے ہوکر نکاح کا خطبہ پڑھتے تھے۔ مجھ سے کہنے لگے یہاں یہ رواج نہیں ہے یہاں کھڑے ہوکر نکاح پڑھتے ہیں کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ خطبہ کھڑے ہوکر دینا چاہیئے۔ میں نے جاحظ کی البیان والتبیین کا حوالہ دکھایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نکاح کا خطبہ بیٹھ کر دیتے تھے۔ اور نبی کریم ﷺ جمعہ کا خطبہ کھڑے ہوکر دیتے تھے۔ یہ کہیں نہیں آتا کہ آپ سب خطبے کھڑے ہوکر دیتے تھے اور قرآن کریم کی آیت "وتركوك قائماً "[4] سے مراد بھی جمعہ کا خطبہ ہے۔

٤٤٩ ـ حَدَّثَنَا خَلَّادٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ امْرَأَةً، قَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَلَا أَجْعَلُ لَكَ شَيْئًا تَقْعُدُ عَلَيْهِ فَإِنَّ لِي غُلَامًا نَجَّارًا. قَالَ: «إِنْ شِئْتِ فَعَمِلَتِ الْمِنْبَرَ».

---

(1) بخاری، رقم ۶۳۱ ج ۲ ص ۱۱۱۔

(2) مسلم رقم (۳۵) ۸۶۲ ج ۲ ص ۵۸۹

(3) مسلم رقم ۸۶۴ ج ۲ ص ۵۹۱

(4) الجمعۃ ۱۱۔

ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالواحد بن ایمن نے اپنے والد کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کہ ایک عورت نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میں آپ کے لیے کوئی ایسی چیز نہ بنادوں جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کریں۔ میرا ایک بڑھئی غلام بھی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تو چاہے تو منبر بنوا دے۔

حضرت جابر کی یہ حدیث بظاہر حضرت سہل کی حدیث مذکور کے خلاف ہے کیونکہ جابر کی حدیث میں ہے کہ اس عورت نے نبی اکرم ﷺ سے منبر بنانے کا سوال کیا تھا جبکہ سہل کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس عورت سے منبر بنوانے سے متعلق پیغام بھیجا تھا۔ حافظ نے ابن بطال [1] سے اس کا جواب نقل کرتے ہوئے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ پہلے عورت نے آپ سے منبر بنانے کا سوال کیا ہو، آپ نے اس کے مطالبہ کو قبول کرلیا۔ لیکن عورت کے غلام نے منبر بنانے میں دیر کردی تو آپ نے اسے اسکی تکمیل کے لئے پیغام بھیج دیا یا ہوسکتا ہے کہ آپ نے منبر کی صفت کے بارہ میں پیغام بھیجا ہو کہ منبر کیسا بنانا ہے۔

بَابُ مَنْ بَنَى مَسْجِدًا:

باب: جس نے مسجد بنائی اس کے اجر و ثواب کا بیان۔



٤٥٠ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، حَدَّثَنِي ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي عَمْرٌو، أَنَّ بُكَيْرًا حَدَّثَهُ، أَنَّ عَاصِمَ بْنَ عُمَرَ بْنِ قَتَادَةَ حَدَّثَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ عُبَيْدَ اللهِ الْخَوْلَانِيَّ، أَنَّهُ سَمِعَ عُثْمَانَ بْنَ عَفَّانَ، يَقُولُ عِنْدَ قَوْلِ النَّاسِ فِيهِ حِينَ بَنَى مَسْجِدَ الرَّسُولِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّكُمْ أَكْثَرْتُمْ، وَإِنِّي سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «مَنْ بَنَى مَسْجِدًا، قَالَ بُكَيْرٌ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: يَبْتَغِي بِهِ وَجْهَ اللهِ بَنَى اللهُ لَهُ مِثْلَهُ فِي الْجَنَّةِ».

ہم سے یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عمرو بن حارث نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے بکیر بن عبداللہ نے بیان کیا، ان سے عاصم بن عمرو بن قتادہ نے بیان کیا، انہوں نے عبیداللہ بن اسود خولانی سے سنا، انہوں نے عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے سنا کہ مسجد نبوی کی تعمیر کے متعلق لوگوں کی باتوں کو سن کر آپ نے فرمایا کہ تم لوگوں نے بہت زیادہ باتیں کی ہیں۔ حالانکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ جس نے مسجد بنائی بکیر (راوی) نے کہا میرا خیال ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، تو اللہ تعالیٰ ایسا ہی ایک مکان جنت میں اس کے لیے بنائے گا۔







"قوله عند قول الناس فيه" مسلم کی حدیث سے اس کی وضاحت ہوتی ہے جو محمود بن لبید انصاری سے مروی

---

[1] یہ علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن بطال القرطبی ہیں۔ امام ذہبی رحمہ اللہ کے بقول ۴۴۹ھ میں فوت ہوئے بعض نے کہا ہے کہ ۴۴۴ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ انہوں نے صحیح بخاری کی شرح لکھی ہے۔

ہے کہ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے جب مسجد نبوی کو وسیع کرنا چاہا اور اسے مضبوط بنانا چاہا تو لوگوں نے مسجد کو گرانا پسند نہ کیا وہ چاہتے تھے کہ مسجد نبوی کو اسی حالت پر رہنے دیا جائے جس پر وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھی۔ لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا استدلال اس حدیث سے تھا "من بنی مسجدًا للہ بنی اللہ له بيتا مثله فی الجنة"[1]

---

[1] حافظ نے کہا ہے کہ اس جملہ میں بناء کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت مجاز پر محمول ہے اور فعل "بنیٰ" کے فاعل کو ضمیر کی بجائے اللہ تعالیٰ کے اسم گرامی کی تعظیم کے پیش نظر ظاہر لایا گیا ہے، کیونکہ اگر بنیٰ کے فاعل کو مضمر لایا جاتا تو متعدد ضمائر کے جمع ہونے سے ضمیروں میں تنافر پایا جاتا، یا بنیٰ کی ضمیر کے بانی مسجد کی طرف لوٹنے کا وہم پڑ سکتا تھا، اس لیے بنیٰ کے فاعل کو اسم ظاہر لایا گیا ہے۔ اور یہ حدیث بخاری شریف میں ذکر ہوئی ہے۔ علامہ عینی کو حافظ کی ذکر کردہ پہلی وجہ تسلیم ہے کہ فعل "بنیٰ" کے فاعل کو لفظ جلالت کی تعظیم کے لئے ظاہر لایا گیا ہے اور اسے وہ حافظ کی طرح نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں "فان قلت: إظهار الفاعل فيه لماذا؟ قلت: لأن فی تكرار اسمه تعظيمًا له، لیکن باقی وجوہات پر اعتراض کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں: قلت كلا الوجهين غير صحيح اما الأول فلأن التنافر إنما يكون إذا كانت الضمائر كثيرة، وأما الثانی فممنوع قطعاً للقرينة الحالية والمقالية، جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ ضمیروں میں تنافر اور تنافی کے لئے اگر کثرت ضمائر ضروری ہے تو فعل "بنیٰ" کا فاعل ضمیر لانے سے اس جملہ میں کثرت ضمائر موجود ہے اور ان ضمائر میں تنافر کا احتمال پایا جاتا ہے اور بنیٰ فعل کی ضمیر کے بانی مسجد کی طرف لوٹنے کا احتمال بھی پایا جاتا ہے جس کا معنی یہ ہو گا کہ بانی مسجد اپنے لیے جنت میں اسکی مثل گھر بناتا ہے اگرچہ اسکی بانی کی طرف نسبت مجاز پر محمول ہو گی۔ لہذا حافظ کی بات صحیح ہے اس پر عینی کا اعتراض غیر صحیح ہے۔ حدیث مذکور کے آخر میں آنے والے لفظ "فی الجنة" کے بارہ میں حافظ رحمہ اللہ نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا ہے "يتعلق ببنی أو هو حال من قوله "مثله یہ بنیٰ فعل کے متعلق ہے یا جار و مجرور محذوف کے متعلق ہو کر مثلہ سے حال واقع ہو رہا ہے، اس پر عینی اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں "كيف يكون حالًا من مثله وشرط الحال أن يكون من معرفة كما عرف فی موضعه ولفظ "مثل" لا يتعرف وإن أضيف یہ مثلہ سے حال کیسے بن سکتا ہے حالانکہ ذوالحال کے معرفہ ہونے کی شرط ہے، اور لفظ مثل معرفہ نہیں ہوتا اگرچہ مضاف بھی ہو حالانکہ ذوالحال اکثر معرفہ ہوتا ہے لیکن معرفہ ہونا اس کے لئے شرط نہیں ہے جیسا کہ عینی نے کہا ہے بلکہ فن نحو کے ماہر علماء کے ہاں ذوالحال کا نکرہ ہونا بھی ثابت ہے۔ علامہ ابن هشام أوضح المسالک میں لکھتے ہیں "أصل صاحب الحال التعريف ويقع نكرة بمسوغ كأن يتقدم عليه الحال نحو فی الدار جالساً رجل وقد يقع نكرة بغير مسوغ كقولهم عليه مأة بيضًا ۲/۱۷۔۳۱۷۔ بلکہ ذوالحال کا نکرہ آنا صحیح حدیث سے بھی ثابت ہے مؤطا امام مالک میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "أنها قالت صلي رسول الله ﷺ فی بيته وهو شاك فصلي جالسا وصلي وراءه قوم قياما ج ۱ ص ۳۴۰ رقم ۳۴۰۔ دیکھئے اس حدیث میں قیاماً حال ہے اور "قوم" ذوالحال نکرہ ہے اسی طرح مثل اگرچہ نکرہ ہے مگر ذوالحال واقع ہو سکتا ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ دور اندیش عالم متبحر ہیں اور عینی صرف لکیر کے فقیر ہیں جنہوں نے اس قاعدے کی ایک جہت کو سامنے رکھ کر اعتراض کر دیا لیکن اس کی تمام جہات کو پیش نظر نہیں

جواللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے مسجد بناتا ہے اس کے لئے اسکی مثل گھر جنت میں بنایا جاتا ہے لہذا مسجد جس قدر بہتر بنائی جائے اچھا ہے تاکہ جنت میں اسکی مثل بہتر گھر حاصل ہو سکے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ "مثل" کا لفظ دو طرح استعمال ہوتا ہے کبھی یہ ہمیشہ مفرد آتا ہے خواہ موصوف تثنیہ یا جمع بھی ہو جیسے ارشاد باری تعالی ہے "أنؤمن للبشرين مثلنا[1]" اور کبھی یہ موصوف کے مطابق بھی آتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے "أمم أمثالكم[2]"۔

بَابُ[3] يَأْخُذُ بِنُصُولِ النَّبْلِ إِذَا مَرَّ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: جب کوئی مسجد میں جائے تو اپنے تیر کے پھل کو تھامے رکھے تاکہ کسی نمازی کو تکلیف نہ ہو۔

٤٥١ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: قُلْتُ لِعَمْرٍو: أَسَمِعْتَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، يَقُولُ: مَرَّ رَجُلٌ فِي الْمَسْجِدِ وَمَعَهُ سِهَامٌ، فَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَمْسِكْ بِنِصَالِهَا».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے، انہوں نے کہا کہ میں نے عمرو بن دینار سے پوچھا کیا تم نے جابر بن عبداللہ سے یہ حدیث سنی ہے کہ ایک شخص مسجد نبوی میں آیا اور وہ تیر لیے ہوئے تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا کہ ان کی نوکیں تھامے رکھو۔

اس حدیث میں قتیبہ بن سعید نے عمرو سے سفیان کے سوال کا جواب ذکر نہیں کیا۔ لیکن یہ حدیث امام بخاری کتاب

رکھا۔

[1] المؤمنون ۴۷

[2] الأنعام ۳۸

[3] حافظ نے اس ترجمہ کی وضاحت کرتے ہوئے یأخذ کے فاعل کو فعل کے بعد ذکر کیا ہے اور کہا ہے "يأخذ اى الشخص"۔ لیکن علامہ عینی نے اس پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایسے لوگ دعوے تو بڑے لمبے چوڑے کرتے ہیں لیکن انہیں باریکیوں کو سمجھنے میں کوئی حصہ حاصل نہیں ہے کیونکہ اگر یأخذ کا فاعل بعد میں نکالا جائے تو اس سے اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے لہذا یوں کہنا چاہیئے "الشخص يأخذ بنصول النل" تاکہ اضمار قبل الذکر لازم نہ آئے، حالانکہ عینی کی بات اگر درست مان لی جائے تو یہ اعتراض بخاری پر بھی آئے گا کہ انہوں نے مرجع ذکر کئے بغیر یأخذ کی ضمیر کو استعمال کیا ہے۔ اور حافظ کی وضاحت بخاری رحمہ اللہ کے سیاق کے عین موافق ہے کیونکہ ضمیر کا مرجع کبھی لفظاً ذکر ہوتا ہے جیسے زیداً ضربته اور کبھی معنیً جیسے اعدلوا أقرب للتقوى اور کبھی حکماً ذکر ہوتا ہے جیسے قل هو الله احد اور تینوں صورتوں میں اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔ عینی رحمہ اللہ نے پہلی صورت کو سامنے رکھ کر اشکال پیدا کیا ہے جبکہ بخاری کے ترجمہ باب میں تیسری صورت مراد ہے جس کی وضاحت حافظ نے کی ہے۔

الفتن "باب قول النبی ﷺ من حَمَلَ علینا السلاح فلیْسَ منّا" کے تحت لائے ہیں اور اس میں عمرو سے سفیان کے سوال کا جواب ذکر ہوا ہے۔ اس حدیث میں ہے سفیان کہتے ہیں قلت لعمرو یا أبا محمد سمعت جابر بن عبد اللہ یقول مر رجل بسهام فی المسجد فقال له رسول الله ﷺ أمسك بنصالها۔ قال نعم[1]"۔

اور مسلم کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو نبی اکرم ﷺ نے تیروں کو بھالوں سے پکڑنے کا حکم دیا تھا وہ ان تیروں کو مسجد میں صدقہ کرنے کے لئے لایا تھا۔

بَابُ الْمُرُورِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں تیر وغیرہ لے کر گزرنا۔

٤٥٢ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بُرْدَةَ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا بُرْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ مَرَّ فِي شَيْءٍ مِنْ مَسَاجِدِنَا أَوْ أَسْوَاقِنَا بِنَبْلٍ فَلْيَأْخُذْ عَلَى نِصَالِهَا. لَا يَعْقِرْ بِكَفِّهِ مُسْلِمًا».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہ کہا ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے کہ کہا ہم سے ابوبردہ بن عبداللہ نے۔ انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد (ابوموسیٰ اشعری صحابی) سے سنا وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص ہماری مساجد یا ہمارے بازاروں میں تیر لیے ہوئے چلے تو ان کے پھل تھامے رہے، ایسا نہ ہو کہ اپنے ہاتھوں سے کسی مسلمان کو زخمی کر دے۔

اس حدیث کی سند میں پہلے ابوبردہ سے مراد بُرید ہے، اور دوسرے ابوبردہ سے مراد عامر ہے جو پہلے ابوبردہ کے دادا ہیں۔ اور "عن ابیه" سے حضرت ابوموسیٰ اشعری مراد ہیں۔

اگر کہا جائے حضرت ابوموسی کی حدیث پر بخاری نے باب المرور فی المسجد عنوان قائم کیا ہے جبکہ اس سے قبل حضرت جابر کی حدیث پر أخذ نصول النبل باب قائم کیا ہے اسکی وجہ کیا ہے؟ حالانکہ دونوں احادیث دونوں تراجم پر دلالت کرتی ہیں۔ حافظ نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ بخاری نے متن حدیث کے الفاظ کے پیش نظر یہ فرق کیا ہے چونکہ ابوموسیٰ کی حدیث میں مرور کا لفظ نبی کریم علیہ السلام کا ہے اس لیے اس پر مرور کا باب لائے ہیں جبکہ جابر کی حدیث میں مرور کا لفظ شارع کا نہیں ہے بلکہ أخذ نصال کا لفظ شارع کا ہے اس لیے اس پر أخذ نصول النبل کا باب لائے ہیں۔ گویا انہوں نے شارع کے الفاظ سے ترجمہ باب اخذ کیا ہے اس لیے دونوں تراجم ابواب مختلف لائے ہیں۔

بَابُ الشِّعْرِ فِي الْمَسْجِدِ:

[1] صحیح بخاری ۷۰۷۳۔

باب: مسجد میں شعر پڑھنا کیسا ہے؟

٤٥٣ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ الْحَكَمُ بْنُ نَافِعٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، أَنَّهُ سَمِعَ حَسَّانَ بْنَ ثَابِتٍ الْأَنْصَارِيَّ يَسْتَشْهِدُ أَبَا هُرَيْرَةَ، «أَنْشُدُكَ اللَّهَ، هَلْ سَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: يَا حَسَّانُ أَجِبْ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اللَّهُمَّ أَيِّدْهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ؟ قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: نَعَمْ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا کہ ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے زہری کے واسطے سے کہا کہ مجھے ابوسلمہ (اسماعیل یا عبداللہ) ابن عبدالرحمٰن بن عوف نے، انہوں نے حسان بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر گواہ بنا رہے تھے کہ میں تمہیں اللہ کا واسطہ دیتا ہوں کہ کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے نہیں سنا تھا کہ اے حسان! اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (مشرکوں کو اشعار میں) جواب دو اور اے اللہ! حسان کی روح القدس کے ذریعہ مدد کر۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، ہاں (میں گواہ ہوں۔ بیشک میں نے نبی کریم ﷺ سے یہ سنا ہے)۔



اس حدیث میں مسجد میں شعر گوئی کا ذکر نہیں ہے لہذا اسکی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت میں دو قول ہیں ایک یہ کہ بخاری اس حدیث کو کتاب بدء الخلق میں بھی لائے ہیں اور اس میں مسجد کا ذکر ہے۔ اس میں ہے "مر عمر في المسجد و حسان ينشد" حدیث کے اس طریق کے پیش نظر بخاری نے یہ ترجمہ باب قائم کیا ہے دوسرا یہ کہ حق پر مشتمل شعر کہنا برحق ہے اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر حق پر مشتمل تھے اسی لیے نبی کریم علیہ السلام نے ان کے لئے دعا کی ہے۔ اور جو کلام برحق ہو اسکا مسجد میں کہنا جائز ہے۔

اس حدیث سے مسجد میں شعر گوئی کا جواز ثابت ہوتا ہے لیکن ترمذی اور ابن خزیمہ کی حدیث میں مسجد میں شعر گوئی کی ممانعت پائی جاتی ہے اس حدیث میں ہے "نهي رسول الله ﷺ عن تناشد الأشعار في المساجد"۔ [1]

ان احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ ممانعت سے اشعار جاہلیہ یا وہ اشعار مراد ہیں جو ہجو یا لغو کلام پر مشتمل ہوں شرکیہ اور عشقیہ اشعار بھی اسی قبیل سے ہیں لیکن جو اشعار ان قباحتوں سے پاک ہوں یا وہ اللہ تعالیٰ کی مدح اور نبی اکرم ﷺ کی برحق تعریف پر مشتمل ہوں وہ جائز ہیں۔

بَابُ أَصْحَابِ الْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: چھوٹے چھوٹے نیزوں (بھالوں) سے مسجد میں کھیلنے والوں کے بیان میں۔

الحراب حا کے کسرہ کے ساتھ، حربۃ کی جمع ہے، اس سے مقصود صرف لعب اور کھیل نہیں ہوتا بلکہ جنگی مشق کرنا اور کرتب دکھانا مقصود ہوتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس باب سے حدیث سابق کی تخصیص کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ



[1] صحیح ابن خزیمہ ١٨١٦ ج ٣ ص ١٥٨ ۔ بمعناہ

ہتھیاروں کے ساتھ لعب میں بچاؤ کرنا آسان ہے جبکہ کھلے ہتھیار لے کر مسجد میں سے گذرنے سے اچانک ہتھیار کسی کو لگ سکتا ہے اور اس سے بچاؤ دشوار ہوتا ہے لہذا جواز کی یہ صورت خاص ہے۔

٤٥٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا عَلَى بَابِ حُجْرَتِي وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ فِي الْمَسْجِدِ، وَرَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ، أَنْظُرُ إِلَى لَعِبِهِمْ».

ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے صالح بن کیسان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابن شہاب نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن اپنے حجرہ کے دروازے پر دیکھا۔ اس وقت حبشہ کے کچھ لوگ مسجد میں (نیزوں سے) کھیل رہے تھے (ہتھیار چلانے کی مشق کر رہے تھے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی چادر میں چھپالیا تاکہ میں ان کا کھیل دیکھ سکوں۔

٤٥٥ ـ زَادَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، أَخْبَرَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُونَ بِحِرَابِهِمْ.

ابراہیم بن المنذر سے روایت میں یہ زیادتی منقول ہے کہ انہوں نے کہا ہم سے ابن وہب نے بیان کیا، کہا کہ مجھے یونس نے ابن شہاب کے واسطے سے خبر دی، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب کہ حبشہ کے لوگ چھوٹے نیزوں (بھالوں) سے مسجد میں کھیل رہے تھے۔

قولہ أنظر الي لعبهم لام کی فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ، اگر مقصود لعب دیکھنا ہو تو عورت کی نگاہ مردوں پر پڑ سکتی ہے لیکن مرد عورت کو نہیں دیکھ سکتے۔ خواہ بنظر شہوت نہ ہو۔ ہاں مجبوری کی صورت میں مرد دیکھ سکتا ہے جیسا کہ مرد طبیب ہو وہ مرض کی تشخیص کے لئے عورت کی زبان یا آنکھیں دیکھے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ یہ ایک ضرورت ہے ورنہ بغیر ضرورت کے مرد اجنبی عورت کو نہیں دیکھ سکتا۔ احناف کا مذہب بھی یہی ہے۔ شافعی کہتے ہیں شہوت سے نہیں دیکھ سکتا۔ بدون شہوت کوئی حرج نہیں ہے تاکہ اللہ تعالی کی صنعت کا مشاہدہ کر سکے۔ جبکہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فضل بن عباس کا منہ دوسری طرف پھیر دیا تھا کیونکہ وہ ایک عورت کو دیکھ رہے تھے۔ نووی کہتے ہیں کہ آپ نے فتنہ کے ڈر سے دیکھنے سے منع کیا ہے ورنہ جائز ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے فضل کا چہرہ دوسری طرف پھیر دیا تھا لیکن عورت کو کچھ نہیں کہا حنفی کہتے ہیں یہ اس لیے آپ نے کیا تھا کیونکہ عورت محرمہ تھی اور احرام کی حالت میں

عورت کے لئے منہ ننگا کرنا جائز ہے، لیکن حدیث میں آتا ہے کہ ازواج مطہرات مردوں کے سامنے آنے پر پردہ کرلیا کرتی تھیں جبکہ وہ محرمہ تھیں۔

بَابُ ذِكْرِ الْبَيْعِ وَالشِّرَاءِ عَلَى الْمِنْبَرِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد کے منبر پر مسائل خرید و فروخت کا ذکر کرنا درست ہے۔

مسجد میں خرید و فروخت کرنا منع ہے، جیساکہ ترمذی، نسائی وغیرہ میں حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "إذا رأيتم من يبيع أو يبتاع في المسجد فقولوا: لا أربح الله تجارتك" [1]

لیکن بیع وشراء کا حکم بتانے کے لئے اس کا ذکر کیا جائے تو اس میں کوئی ممانعت نہیں ہے۔ جیساکہ آنے والی حدیث میں "مابال أقوام يشترطون شروطا ليس في كتاب الله" سے اسکا جواز ثابت ہے۔

٤٥٦ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: أَتَتْهَا بَرِيرَةُ تَسْأَلُهَا فِي كِتَابَتِهَا، فَقَالَتْ: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتُ أَهْلَكِ وَيَكُونُ الْوَلَاءُ لِي، وَقَالَ أَهْلُهَا: إِنْ شِئْتِ أَعْطَيْتِهَا مَا بَقِيَ، وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: إِنْ شِئْتِ أَعْتَقْتِهَا وَيَكُونُ الْوَلَاءُ لَنَا، فَلَمَّا جَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَّرَتْهُ ذَلِكَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ابْتَاعِيهَا فَأَعْتِقِيهَا، فَإِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ أَعْتَقَ، ثُمَّ قَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ، وَقَالَ سُفْيَانُ مَرَّةً: فَصَعِدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَشْتَرِطُونَ شُرُوطًا لَيْسَتْ فِي كِتَابِ اللهِ، مَنِ اشْتَرَطَ شَرْطًا لَيْسَ فِي كِتَابِ اللهِ فَلَيْسَ لَهُ وَإِنِ اشْتَرَطَ مِائَةَ مَرَّةٍ»، قَالَ عَلِيٌّ: قَالَ يَحْيَى، وَعَبْدُ الْوَهَّابِ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ نَحْوَهُ وَقَالَ جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ: عَنْ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَةَ، قَالَتْ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، وَرَوَاهُ مَالِكٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَمْرَةَ، أَنَّ بَرِيرَةَ، وَلَمْ يَذْكُرْ صَعِدَ الْمِنْبَرَ.



ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا کہ کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے یحییٰ بن سعید انصاری کے واسطہ سے، انہوں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ نے فرمایا کہ بریرہ رضی اللہ عنہ (لونڈی) ان سے اپنی کتابت کے بارے میں مدد لینے آئیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا تم چاہو تو میں تمہارے مالکوں کو یہ رقم دے دوں (اور تمہیں آزاد کرادوں) اور تمہارا ولاء کا تعلق مجھ سے قائم ہو۔ اور بریرہ کے آقاؤں نے کہا (عائشہ رضی اللہ عنہا سے) کہ اگر آپ چاہیں تو جو قیمت باقی رہ گئی ہے وہ دے دیں اور ولاء کا تعلق ہم سے قائم رہے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس امر کا ذکر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم بریرہ کو خرید



[1] ترمذی، ۱۳۲۱، ج ۲ ص ۶۰۲، ن (الکبری) ۹۹۳۳، ج ۹ ص ۷۷۔

کر آزاد کرو اور ولاء کا تعلق تو اسی کو حاصل ہو سکتا ہے جو آزاد کرائے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے۔ سفیان نے (اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے) ایک مرتبہ یوں کہا کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر چڑھے اور فرمایا۔ ان لوگوں کا کیا حال ہو گا جو ایسی شرائط کرتے ہیں جن کا تعلق کتاب اللہ سے نہیں ہے۔ جو شخص بھی کوئی ایسی شرط کرے جو کتاب اللہ میں نہ ہو اس کی کوئی حیثیت نہیں ہو گی، اگرچہ وہ سو مرتبہ کر لے۔ اس حدیث کی روایت مالک نے یحییٰ کے واسطہ سے کی، وہ عمرہ سے کہ بریرہ اور انہوں نے منبر پر چڑھنے کا ذکر نہیں کیا الخ۔

قولها قالت أتتها بريرة[1]

قالت کا فاعل اگر "عائشة" ہو تو اس میں التفات ہو گا اور اگر اس کا فاعل "عمرہ" ہو تو التفات نہیں ہو گا۔ اور "تسألها" فعل "تستعين" کے معنی کو متضمن ہے۔

"قوله ليس فى كتاب الله فليس له" یعنی ایسی شرطیں جو منع ہیں نا قابل اعتبار ہیں یہ مسئلہ آگے ذکر ہو گا کہ بیع، شراء میں اگر شرطیں لگائی جائیں تو وہ لازم ہو جاتی ہیں یا نہیں؟ اور ان کی وجہ سے بیع درست ہو جاتی ہے یا نہیں؟ اس مسئلہ میں اختلاف پایا جاتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر ایسی شرط کرے جس کا کتاب اللہ سے جواز ثابت نہیں بلکہ وہ ممنوع ہے تو ایسی شرط باطل ہو جاتی ہے۔ اور بیع درست ہو گی جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ بریرہ کے اہل کی شرط "الولاء لمن أعتق" کے خلاف تھی اور وہ باطل ہو گئی اور بیع درست ہو گئی اور اگر اس شرط کی کتاب اللہ اور حدیث نبوی میں ممانعت نہیں آئی تو وہ شرط اگر ایک ہو تو درست ہے اگر دو شرطیں لگائی جائیں تو جائز نہیں کیونکہ حدیث میں ہے نهي رسول الله ﷺ عن بيع و شرطين ایک حدیث میں نهي عن بيع و شرط بھی آتا ہے ان میں تطبیق یہ ہو سکتی ہے کہ جو شرطیں بخصوصہ منع ہیں ان میں سے ایک شرط بھی منع ہے جیسا کہ اس حدیث میں ہے کہ غیر معتق کے لئے ولاء کی شرط لگانا منع ہے۔ بخاری اور امام احمد کا یہی مذہب ہے جبکہ مالکی، حنفی، شافعی اور ظاہری سب کہتے ہیں کہ اس طرح کی بیع نہیں چاہیئے جس میں ایسی شرط لگائی جائے جس میں بائع یا مشتری کا مبیع کا فائدہ ہو۔

قوله وإن اشترط مئة شرط حافظ نے کہا ہے ولفظ مأة للمبالغة فلا مفهوم له[2] یعنی اس حدیث میں

[1] حافظ نے کہا ہے کہ "قالت أتتها بريرة" میں "قالت" کا فاعل اگر "عمرہ" کو بنایا جائے تو اس میں التفات نہیں پایا جائے گا لیکن اگر اس کا فاعل "عائشة" کو بنایا جائے تو پھر اس میں التفات ہو گا، لیکن عینی رحمہ اللہ نے اس التفات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے "فاذا كانت عائشة ففيه التفات من الحاضر الي الغائب" یعنی "قالت کا فاعل عائشة رضي الله عنها ہو تو اس میں حاضر سے غیب کی طرف التفات پایا جاتا ہے لیکن عینی کی یہ وضاحت قابل قبول نہیں ہے کیونکہ قالت کا فاعل اگر "عائشة" کو بنایا جائے تو اصل عبارت یوں ہونی چاہیئے "قالت عائشة أتتني بريرة" لیکن حدیث میں "أتتها بريرة" ہے تو یہ التفات متکلم سے غیب کی طرف ہے نہ کہ حاضر سے غیب کی طرف جیسے عینی نے کہا ہے"۔

[2] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی یہ بات بڑی معقول ہے جس سے مقصود یہ ہے کہ وإن اشترط مأة شرط میں "مأة"

لفظ "مأۃ" مبالغہ کے لئے ہے، یعنی اس سے مراد کثرت ہے اسکا اپنا معنی یہاں مراد نہیں ہے۔

بَابُ التَّقَاضِي وَالْمُلاَزَمَةِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: قرض کا تقاضہ اور قرض دار کا مسجد تک پیچھا کرنا۔

قرض خواہ اپنے مقروض سے مسجد میں اپنے قرض کا مطالبہ کرسکتا ہے اور اسے لازم پکڑ سکتا ہے کہ جدھر وہ جائے اس کے ساتھ رہے اس سے وہ شرمندہ ہوکر قرض ادا کر دیتا ہے۔

٤٥٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ كَعْبٍ، أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهُ عَلَيْهِ فِي الْمَسْجِدِ، فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ، فَنَادَى يَا كَعْبُ، قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هَذَا وَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَيِ الشَّطْرَ، قَالَ: لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: قُمْ فَاقْضِهِ».

ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عثمان بن عمر عبدی نے بیان لیا، انہوں نے کہا کہ مجھے یونس بن یزید نے زہری کے واسطہ سے، انہوں نے عبداللہ بن کعب بن مالک سے، انہوں نے اپنے باپ کعب بن مالک سے کہ انھوں نے مسجد نبوی میں عبداللہ ابن ابی حدرد سے اپنے قرض کا تقاضا

شرح بخاری

کالفظ کثرت میں مبالغہ کے لئے لایا گیا ہے۔ اسکا اپنا معنی مخصوص یہاں مقصود نہیں ہے لیکن علامہ عینی اسکا انکار کرتے ہوئے "لا مفهوم له" لفظ کے استعمال کو ہی رد کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس کے قائل کو اتنا پتہ نہیں ہے کہ لغت میں کسی لفظ کے مفہوم کو معنی کہتے ہیں اور اگر اس قائل کے نزدیک اسکا معنی ہی نہیں ہے تو کیا لفظ مأۃ مہمل ہے؟ اور اگر اس سے وہ مفہوم مراد ہے جو منطوق کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسا کہ اہل اصول بیان کرتے ہیں اور اس مفہوم کی نفی کرنا مقصود ہے تو اس حدیث میں اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ حالانکہ حافظ کی مراد لفظ "مأۃ" کے معنی کی نفی کرنا نہیں ہے کیونکہ یہ لفظ موضوع اور ذو معنی ہے بلکہ اس کے خاص معنی کے یہاں مراد ہونے کی نفی کرنا مقصود ہے۔ خود عینی نے کہا ہے "ذکر المأۃ للمبالغة فی الکثرۃ لا أن هذا العدد بعینه هو المراد" ۴/۳۲۹ یہی حافظ کہنا چاہتے ہیں کہ اس لفظ کا معنی تو ہے لیکن وہ خاص معنی یہاں مراد نہیں ہے شاہ ولی اللہ اس حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد مسجد میں بیع کے ایجاب و قبول کے جواز کے بارہ میں کلام کو ثابت کرنا ہے جیسا کہ باقی جائز باتیں مسجد میں ہوسکتی ہیں۔ لیکن حدیث مذکور اسپر دلالت نہیں کرتی کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے مسجد میں بیع و شراء کا شرعی حکم بیان کیا ہے جو کہ ایک فائدہ علمیہ ہے۔ کسی خریدی یا بیچی جانے والی چیز کا مسجد میں تذکرہ نہیں کیا۔ لیکن امام بخاری رحمہ اللہ نے اسی سے مسجد میں بیع و شراء سے متعلق ایجاب و قبول کے جواز پر استدلال کیا ہے اور بخاری کے ایسے استدلال بکثرت ہیں۔

کیا اور دونوں کی گفتگو بلند آوازوں سے ہونے لگی۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے حجرے سے سن لیا۔ آپ پردہ ہٹا کر باہر تشریف لائے اور پکارا۔ کعب، کعب (رضی اللہ عنہ) بولے، جی یا رسول اللہ! (حکم) فرمائیے کیا ارشاد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے قرض میں سے اتنا کم کر دو۔ آپ کا اشارہ تھا کہ آدھا کم کر دیں۔ انہوں نے کہا یا رسول اللہ! میں نے (بخوشی) ایسا کر دیا۔ پھر آپ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا، اچھا اب اٹھو اور اس کا قرض ادا کرو۔ (جو آدھا معاف کر دیا گیا ہے)۔

اس حدیث میں ترجمہ باب کے دو اجزاء میں سے تقاضی کا ذکر ہے ملازمت کا ذکر نہیں ہے لیکن اس حدیث کے دوسرے طریق میں ملازمت کا ذکر بھی آتا ہے۔ جسے بخاری رحمہ اللہ نے "کتاب الصلح" میں ذکر کیا ہے۔ اس میں ہے "انه كان له على عبدالله ابن ابى حدرد الأسلمى مال فلقيه ولزمه حتى ارتفعت اصواتهما"[1] یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بار بار تقاضا کرنا اور پوچھنا بھی لزوم ہی ہے۔

قوله ارتفعت أصواتهما گویا ضرورت کے لئے مسجد میں آواز اونچی ہو سکتی ہے ورنہ آپ انہیں اس سے روک دیتے۔ قوله سجف حجرته سین کے کسرہ اور جیم کے سکون کے ساتھ پردہ کے معنی میں ہے لہذا پردے کے لئے دروازے وغیرہ پر کپڑا لٹکایا جا سکتا ہے۔

بَابُ كَنْسِ الْمَسْجِدِ وَالْتِقَاطِ الْخِرَقِ وَالْقَذَى وَالْعِيدَانِ:

باب: مسجد میں جھاڑو دینا اور وہاں کے چیتھڑے، کوڑے کرکٹ اور لکڑیوں کو چن لینا۔

٤٥٨ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَجُلًا أَسْوَدَ أَوِ امْرَأَةً سَوْدَاءَ كَانَ يَقُمُّ الْمَسْجِدَ فَمَاتَ، فَسَأَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْهُ، فَقَالُوا: مَاتَ، قَالَ: «أَفَلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُونِي بِهِ، دُلُّونِي عَلَى قَبْرِهِ أَوْ قَالَ قَبْرِهَا، فَأَتَى قَبْرَهَا فَصَلَّى عَلَيْهَا[2]».

---

[1] بخاری رقم الحدیث ۲۷۰۶

[2] اس حدیث سے ایک خود ساختہ نظریہ کا رد ہو جاتا ہے جو ماضی قریب میں گھڑ لیا گیا ہے وہ یہ کہ جب کوئی مسلمان فوت ہو جاتا ہے اور اسے قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے، تو نبی اکرم ﷺ بذات خود اپنے امتی کی قبر میں اسکی سفارش کے لئے آن حاضر ہوتے ہیں۔ یہ نظریہ قبر پرستوں نے گھڑ لیا ہے جو عقل و نقل کے خلاف ہے مقام غور ہے کہ فوت ہونے والی مسلم خواتین بھی ہوتی ہیں تو نبی اکرم ﷺ غیر محرم فوت ہونے والی خاتون کی قبر میں اس کے ساتھ کیسے خلوت اختیار کر سکتے ہیں؟ جبکہ اپنی حیات مبارکہ میں آپ کسی عورت سے بیعت لیتے وقت اس کا ہاتھ تک نہیں چھوتے تھے اور کسی غیر محرم عورت سے خلوت اختیار نہیں کرتے تھے۔ اور اگر یہ خود ساختہ نظریہ درست ہوتا تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس عورت کی قبر میں بھی حاضر ہوتے جس کا حدیث مذکور میں ذکر ہے اور آپ کو اس عورت کی موت اور قبر کا علم ہوتا جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ آپ کو مسجد کی صفائی کرنے والی اس عورت کی وفات کا علم نہیں تھا اسی لیے آپ نے اس کے بارہ

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، انہوں نے ثابت سے، انہوں نے ابورافع سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک حبشی مرد یا حبشی عورت مسجد نبوی میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ ایک دن اس کا انتقال ہو گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ لوگوں نے بتایا کہ وہ تو انتقال کر گئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر فرمایا کہ تم نے مجھے کیوں نہ بتایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر تشریف لائے اور اس پر نماز پڑھی۔

یعنی مسجد کی صفائی کرنا اور اس سے چیتھڑے، تنکے اور لکڑیاں وغیرہ چن کر باہر پھینک دینا، الخرق خرقۃ کی جمع ہے اور قذاۃ کی جمع القذی اور عود کی جمع عیدان ہے، کنس کا معنی جھاڑو دینا ہے۔ اور کناسۃ کوڑا کرکٹ کو کہتے ہیں۔ اور قذاۃ سے مراد تنکا اور خس وخاشاک، حدیث مذکور میں اگرچہ مسجد کی صفائی کا ذکر ہے۔ اور ترجمہ باب میں مذکور باقی امور کو بخاری نے اس پر قیاس کیا ہے یا وہ امور دیگر طرق سے ثابت ہیں جیسا کہ ایک طریق میں ہے "كانت تلتقط الخرق و العيدان من المسجد" اور ایک حدیث میں ہے "كانت مولعة بلقط القذى من المسجد"۔

قوله أن رجلاً أسود أو امرأة یہ شک ثابت راوی سے ہے یا أبو رافع سے، عنقریب آنے والی حدیث میں ہے "ولا أراه إلا امرأة" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد کی صفائی کرنے والی عورت تھی اور ابن خزیمہ میں بغیر شک کے امرأة سوداء آتا ہے۔ اور بیہقی میں اسکا نام اُمّ محجن ذکر ہوا ہے اسکا نام خرقاء بھی آیا ہے تو اُمّ محجن اسکی کنیت ہو گی۔



قوله فأتى قبره فصلي عليه اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر جنازہ پڑھنا جائز ہے، شوافع اس کے قائل ہیں کیونکہ جنازہ میت کے لئے دعا ہے جو ایک سے زیادہ مرتبہ بھی ہو سکتی ہے۔ احناف کے ہاں اگر پہلے جنازہ پڑھا گیا ہو پھر قبر پر جائز نہیں ہے۔ اور قبر پر جنازہ پڑھنا بھی نبی اکرم ﷺ کا خاصہ ہے۔ کیونکہ آپ ہر مسلمان کے ولی ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ قبروں میں اہل قبور پر اندھیرا ہوتا ہے اور میرے جنازہ پڑھنے سے روشنی ہو جاتی ہے۔ لیکن خصوصیت کے قول پر اعتراض ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو کر قبر پر جنازہ پڑھنے والے وہی لوگ تھے جنہوں نے اس سے پہلے جنازہ پڑھ لیا تھا لہٰذا نبی کریم علیہ السلام کی خصوصیت نہ ہوئی۔ حنفی کہتے ہیں کہ صرف ولی دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔

شرح بخاری

بَابُ تَحْرِيمِ تِجَارَةِ الْخَمْرِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں شراب کی سوداگری کی حرمت کا اعلان کرنا



٤٥٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، عَنْ أَبِي حَمْزَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «لَمَّا أُنْزِلَتِ الْآيَاتُ مِنْ سُورَةِ الْبَقَرَةِ فِي الرِّبَا، خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ فَقَرَأَهُنَّ عَلَى النَّاسِ، ثُمَّ حَرَّمَ تِجَارَةَ الْخَمْرِ».





میں صحابہ کرام سے سوال کیا۔ بلکہ آپ کو اس کی قبر کے بارہ میں بھی علم نہیں تھا کہ اسکی قبر کونسی ہے اسی لیے فرمایا "دُلُّونِي على قبره" مجھے اس کی قبر کے بارہ میں بتاؤ کہ وہ کہاں اور کون سی قبر ہے جب آپ کو بتایا گیا تب آپ نے اس کی قبر پر اسکا جنازہ پڑھا۔

ہم سے عبدان بن عبداللہ بن عثمان نے ابوحمزہ محمد بن میمون کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے اعمش سے، انہوں نے مسلم سے، انہوں نے مسروق سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ فرماتی ہیں کہ جب سورۃ البقرہ کی سود سے متعلق آیات نازل ہوئیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے اور ان آیات کی لوگوں کے سامنے تلاوت فرمائی۔ پھر فرمایا کہ شراب کی تجارت حرام ہے۔

ترجمہ باب میں مضاف محذوف ہے ای باب ذکر تحریم تجارۃ الخمر فی المسجد، یعنی تجارت خمر کے حرام ہونے کا تذکرہ مسجد میں کیا جاسکتا ہے، ورنہ یہ مراد نہیں ہے کہ تجارت خمر مسجد میں حرام ہے۔ کیونکہ تجارت خمر مسجد میں بھی حرام ہے اور مسجد کے علاوہ بھی حرام ہے۔

"قولہ ثم حرم تجارۃ الخمر" شراب پہلے حرام ہو چکی تھی۔ ربوٰ کی تحریم کی آیات آخر میں نازل ہوئی ہیں۔ تو اس وقت شراب کی تجارت کو حرام کرنے کا مطلب کیا ہے؟ تو اس کا جواب بعض نے یہ دیا ہے کہ پہلے بھی اسے حرام کیا تھا اور اس وقت بھی حرام قرار دے دیا اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن میری رائے میں شراب کے پینے کی تحریم الگ چیز ہے اور اس کی تجارت کا حرام ہونا اور چیز ہے۔ جیسے گدھوں کے کھانے اور ان کی تجارت میں فرق ہے۔ گدھوں کا کھانا حرام ہے لیکن ان کی تجارت جائز ہے، گویا پہلے شرب خمر کو حرام کیا گیا، پھر جب سود کے حرام ہونے کی آیات نازل ہوئیں تو شراب کی تجارت کے حرام ہونے کا حکم دیا گیا۔ اور سود کا حرام ہونا سدِّ ذرائع کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ اگر لوگوں کو سود کھانے کی اجازت دیدی جائے تو وہ لوگوں کا خون چوسیں گے۔ اور لوگ سود کی وجہ سے غریب لوگوں کو قرض بھی نہیں دیں گے۔ اسی طرح شراب کی تجارت حرام قرار دینا بھی سد ذریعہ کے قبیل سے ہے۔ کیونکہ شراب کی تجارت اسے پینے کا ذریعہ بنتی ہے۔ اس لیے تجارت خمر کو حرام کر دیا گیا۔ سد ذرائع کا مسئلہ مالکیوں کے ہاں ہے۔ شوافع اس کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ جس جگہ کوئی چیز حرمت کا ذریعہ بنے اس جگہ حرام ہے۔ ورنہ مطلقاً قاعدہ نہیں بنانا چاہیئے کیونکہ مطلقاً حرام کرنا شارع کا کام ہے۔ یہ مجتہد کا کام نہیں ہے۔ جیسا کہ عورتوں کا زیب وزینت لگا کر مسجد میں آنا جائز نہیں ہے لیکن اس سے مطلقاً عورتوں کو مسجد میں آنے سے نہیں روکا جاسکتا۔ مطلقاً روکنا پیغمبر کا کام ہے۔

"قولہ لما أنزلت الأیات من سورۃ البقرۃ فی الربا" ان آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے "الذین یأکلون الربا لا یقومون إلا کما یقوم الذی یتخبطہ الشیطٰن من المس[1] ......"۔

بَابُ الْخَدَمِ لِلْمَسْجِدِ:

باب: مسجد کے لیے خادم مقرر کرنا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا لِلْمَسْجِدِ يَخْدُمُهَا.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہمانے (قرآن کی اس آیت) «نذرت لک ما فی بطنی محررا» جو اولاد میرے پیٹ میں ہے، یا اللہ! میں نے اسے تیرے لیے آزاد چھوڑنے کی نذر مانی ہے۔ کے متعلق فرمایا کہ مسجد کی خدمت میں چھوڑ دینے کی

[1] البقرۃ: ۲۷۵ تا ۲۷۹۔

نذر مانی تھی کہ (وہ تاعمر) اس کی خدمت کیا کرے گا۔

٤٦٠ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ وَاقِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ امْرَأَةً أَوْ رَجُلًا كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ وَلَا أُرَاهُ إِلَّا امْرَأَةً، فَذَكَرَ حَدِيثَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ صَلَّى عَلَى قَبْرِهَا».

ہم سے احمد بن واقد نے بیان کیا کہ، کہا ہم سے حماد بن زید نے ثابت بنانی کے واسطہ سے، انہوں نے ابورافع سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ ایک عورت یا مرد مسجد میں جھاڑو دیا کرتا تھا۔ ابورافع نے کہا، میرا خیال ہے کہ وہ عورت ہی تھی۔ پھر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث نقل کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی قبر پر نماز پڑھی۔

الخدم جمع ہے اور اس کا واحد خادم ہے یعنی مسجد کی صفائی اور دیکھ بھال کے لئے خادم رکھنا جائز ہے۔

قولہ قال ابن عباس "نذرت لك ما في بطني محررًا" اى محررًا للمسجد يخدمه" یہ نذر حضرت مریم کی ماں حنّہ بنت فاقوذ نے مانی تھی جو حضرت عمران کی بیوی تھیں جو کہ بانجھ تھی، اس نے ایک پرندے کو دیکھا جو اپنے چوزے کو دانا کھلا رہا تھا تو اسے دیکھ کر بچے کی خواہش کی۔ اور اللہ تعالی سے دعاء کی کہ اللہ اسے بچہ عطا کرے، اللہ تعالی نے اسکی دعاء قبول کرلی۔ خاوند سے ملاپ کے بعد حمل ہوا تو انہوں نے یہ نذر مانی جو اللہ تعالی نے ذکر کی ہے۔



قولہ محررًا اى معتقاً یعنی مسجد کی خدمت کے علاوہ میں اسے کسی دیگر کام پر نہیں لگاؤں گی۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس آیت کو لاکر اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کی خدمت کرنا پہلی امتوں میں بھی مشروع اور جائز تھا، اور ان کی شریعت میں اپنی اولاد کے بارہ میں ایسی نذر ماننا درست تھا۔

قولہ رب إني وضعتها انثیٰ یہ انہوں نے حسرت کرتے ہوئے کہا کیونکہ وہ چاہتی تھیں کہ لڑکا پیدا ہوتا کہ اسے مسجدِ اقصیٰ کی خدمت کے لئے وقف کر سکے اور لڑکا جو خدمت سرانجام دے سکتا ہے لڑکی اس پر قادر نہیں ہے جبکہ حیض کا عارضہ بھی اسے مسجد کی خدمت سے مانع ہے۔

قولہ كانت تقم المسجد یہ حدیث اس سے قبل گذر چکی ہے اور امام بخاری رحمہ اللہ اسے اس باب کے تحت لائے ہیں اور مقصود اس حدیث سے یہ ہے کہ عورت بھی مسجد کی صفائی کی خدمت سرانجام دے سکتی ہے۔

بَابُ الأَسِيرِ أَوِ الْغَرِيمِ يُرْبَطُ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: قیدی یا قرض دار جسے مسجد میں باندھ دیا گیا ہو

أسیر فعیل بمعنی مفعول ہے یہ إسار سے ہے جس کا معنی قید ہے اور غریم اسے کہتے ہیں جس پر قرض ہو لہذا یہ مقروض کے معنی میں ہے۔ اور یہی معنی یہاں مراد ہے اور یہ لفظ قرض خواہ کے معنی میں بھی آتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد کو جیل خانہ بنایا جا سکتا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مسجد سے جیل کا کام لیا جاتا تھا آپ کے زمانہ میں قیدیوں کے لئے الگ کوئی جیل نہیں ہوتی تھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب نبوت میں حکمرانی کے تمام شعبے آپ پر ہی ختم



ہوتے تھے، آپ امامت بھی کراتے تھے اور فتوے بھی دیتے تھے آپ قاضی بھی تھے اور لوگوں کے مسائل کے فیصلے کیا کرتے تھے، آپ سپہ سالار بھی تھے اور یہ تمام کام آپ سرانجام دیتے تھے۔

٤٦١. حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا رَوْحٌ وَمُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ عِفْرِيتًا مِنَ الْجِنِّ تَفَلَّتَ عَلَيَّ الْبَارِحَةَ أَوْ كَلِمَةً نَحْوَهَا لِيَقْطَعَ عَلَيَّ الصَّلَاةَ، فَأَمْكَنَنِي اللَّهُ مِنْهُ، فَأَرَدْتُ أَنْ أَرْبِطَهُ إِلَى سَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ حَتَّى تُصْبِحُوا وَتَنْظُرُوا إِلَيْهِ كُلُّكُمْ، فَذَكَرْتُ قَوْلَ أَخِي سُلَيْمَانَ: رَبِّ هَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي، قَالَ: رَوْحٌ فَرَدَّهُ خَاسِئًا».

ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے روح بن عبادہ اور محمد بن جعفر نے شعبہ کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے محمد بن زیاد سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گذشتہ رات ایک سرکش جن اچانک میرے پاس آیا۔ یا اسی طرح کی کوئی بات آپ نے فرمائی، وہ میری نماز میں خلل ڈالنا چاہتا تھا۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے اس پر قابو دے دیا اور میں نے سوچا کہ مسجد کے کسی ستون کے ساتھ اسے باندھ دوں تاکہ صبح کو تم سب بھی اسے دیکھو۔ پھر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی یہ دعا یاد آگئی (جو سورۃ ص میں ہے) اے میرے رب! مجھے ایسا ملک عطا کرنا جو میرے بعد کسی کو حاصل نہ ہو۔ راوی حدیث روح نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شیطان کو ذلیل کر کے دھتکار دیا۔

شرح بخاری

"قوله إن عفريتا" عفریت سرکش جن کو کہتے ہیں۔ اس کا نام صخر تھا، کہتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو شیشہ کاٹنے کے لئے ہیرے کی ضرورت پڑ گئی جنّوں نے بتایا کہ سمندر کے کنارے ایک جزیرہ میں صخر نامی جن رہتا ہے۔ وہ ہیرہ کے بارہ میں بتا سکتا ہے کہ وہ کیسے دستیاب ہو سکتا ہے لیکن اسے پکڑنا بہت مشکل تھا اس کے لئے یہ حیلہ بتایا گیا کہ اسکی غار میں شراب رکھ دی جائے وہ پئے گا تو بے ہوش ہو جائیگا پھر اسے پکڑ لیا جائے چنانچہ ایسے ہی کیا گیا اس نے پہلے دن شراب پی پھر دوسرے دن بھی پی لی اور تیسرے دن زیادہ ہی پی لی جس سے وہ بے ہوش ہو گیا تو جن اسے پکڑ کر لے آئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس سے ہیرہ کے متعلق پوچھا تو اس نے کہا کہ مجھے بھی پتہ نہیں ہے لیکن میں تمہیں ایک حیلہ بتاتا ہوں، وہ یہ کہ ہُدہُد کے انڈوں پر شیشہ چڑھا دیا جائے وہ ہیرہ تلاش کر کے لائے گی اور جن اس کے ساتھ جا کر پتہ کر آئیں کہ ہیرے کہاں ہیں وہ ہیرہ تلاش کر کے لائی تو ہیروں کی کان کا پتہ چل گیا، اس کے بعد وہ جن وہیں مقیم ہو گیا۔ اس نے سمجھا کہ سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں حکومت کرنے کا سارا اثر ہے لہذا وہ اس انگوٹھی کو حاصل کرنے کے درپے ہو گیا حضرت سلیمان علیہ السلام جب حاجت وغیرہ کے لئے جاتے تو اپنی انگوٹھی خادمہ کو دے جاتے۔ وہ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کی شکل میں آیا اور اس سے انگوٹھی لینے میں کامیاب ہو گیا۔ حضرت سلیمان

آئے توانہوں نے یہ سمجھا کہ یہ آزمائش ہے لہذا انہوں نے تورات پڑھنا شروع کردی۔ وہ وہاں سے چلا گیا لیکن جاتے وقت یہ انگوٹھی سمندر میں پھینک گیا، وہ انگوٹھی مچھلی نے نگل لی وہ مچھلی کسی شکاری کے جال میں آگئی اور خوش قسمتی سے اسے خریدنے والے سلیمان علیہ السلام تھے۔ اور اس سے وہ انگوٹھی مل گئی۔ تب انہوں نے یہ دعاء کی "رب هب لي ملكًا لا ينبغي لأحد من بعدي" یعنی اے اللہ مجھے ایسا ملک عطا فرما جس پر کوئی اور شخص مسلط نہ ہو سکے۔

اسکا دوسرا مطلب یہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس بات پر قسم اٹھائی تھی کہ میں اپنی بیویوں کے پاس جاؤں گا۔ ان سے اولاد ہوگی اور گھر کی فوج بناؤنگا۔ اور یہ انہوں نے فوج پر کسی وجہ سے ناراض ہوکر قسم اٹھائی تھی لیکن اس پر ان شاء اللہ نہ کہہ سکے۔ اس لیے کوئی بیوی بھی حمل والی نہ ہوئی صرف ایک بیوی کو حمل ہوا مگر اس نے بھی ادھورا بچہ جنا۔ جس کی طرف قرآن نے اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے "وألقينا على كرسيه جسدًا[1]"

بعض نے اس سے صخر جن مراد لیا ہے کہ وہ ان کی کرسی پر مسلط ہوگیا۔ بخاری شریف میں جسد سے مراد ادھورا بچہ ہے۔ اس صورت میں "هب لي ملكًا لا ينبغي لأحد[2]" سے مراد یہ ہوگا کہ مجھے ایسی سلطنت حاصل ہو جو قیامت تک کسی اور کے لئے مناسب نہ ہو ورنہ یہ نہیں کہا کہ ان کو ایسی حکومت دینا نہیں، بلکہ مراد یہ ہے کہ جو حکومت ان کے لئے مناسب نہیں وہ مجھے عطا فرما۔ اور یہ ایک قسم کا میرا اعجاز ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا" ولسليمان الريح غدوها شهر ورواحها شهر[3]..."



اور اس میں سلیمان علیہ السلام کی کوئی محنت نہیں تھی بلکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطیہ تھا۔ آج کل لوگ چلے کاٹتے اور محنت کرتے ہیں۔ اور جن و شیطان کو قابو کرتے ہیں لیکن اس کے بعد انہیں بڑی مشقت اٹھانی پڑتی ہے اور اپنی حفاظت کرنا پڑتی ہے۔ مثلاً باوضو رہنا پڑتا ہے اور وہ شخص جنابت کی حالت میں باہر نہیں نکل سکتا بلکہ جلدی غسل کرنا پڑتا ہے اور ذکر واذکار کرتے رہنا پڑتا ہے اگر ایسا نہ کرے تو جن اس پر مسلط ہوکر اسے مار دیتے ہیں لہذا آج کل جن تابع نہیں ہوتا بلکہ اس طرح تو بندہ ان کے تابع ہو جاتا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے لئے عفریت جن کی تسخیر من اللہ نہیں تھی جس کا ذکر حدیث مذکور میں ہے اور آپ کے لیے یہ اعجازی صورت تھی لہذا آپ نے سمجھا کہ ان جنوں کو میرے تابع نہیں کیا گیا اگرچہ وقتی طور پر میں نے اس جن پر قابو پا لیا ہے لیکن یہ میرا مقابلہ کرے گا یا گھر والوں کو نقصان پہنچائے گا جیسا کہ آج کل جنوں کا کام کرنے والوں کی اولاد کو نقصان پہنچاتے ہیں جبکہ سلیمان علیہ السلام کے بارہ میں ہے "ومن يزغ منهم عن أمرنا نذقه من عذاب

1. سورۃ ص ۳۴۔
2. ص ۳۵۔
3. سورۃ سبا آیت: ۱۲۔



السعیر[1]"۔ ان کے لئے تسخیر من جانب اللہ تھی اور نبی کریم ﷺ کے لئے تسخیر من جانب اللہ نہیں تھی بلکہ روحانیت کے غلبہ کی وجہ سے اللہ تعالی نے اسے آپ کے لئے مسخر کر دیا تھا۔ اس لیے آپ نے محسوس کیا کہ اگر یہ مجھ پر اثر نہ ڈال سکا تو گھر والوں پر یا کسی امتی پر اثر ڈالے گا اس لیے خواہ مخواہ مصیبت مول لینے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ یہ تسخیر من اللہ نہیں ہے اس لیے آپ نے اسے چھوڑ دیا۔ بعض لوگ یہاں اعتراض کرتے ہیں کہ آپ نے جن پر جو قابو پایا تھا کیا یہ سلیمان علیہ السلام کی دعا کے منافی تھا یا نہیں؟ اگر آپ کا قابو پانا ان کی دعاء کے منافی تھا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کی دعاء قبول نہ ہوئی اور اگر منافی نہیں تھا تو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ مجھے سلیمان علیہ السلام کی یہ دعاء یاد آگئی "هب لي ملكا لا ينبغي لأحد من بعدي[2]" اس لیے میں نے اسے چھوڑ دیا۔ اس اعتراض کا جواب پہلی تقریر میں دیا گیا ہے کہ سلیمان علیہ السلام کا غلبہ اللہ تعالی کی طرف سے تھا جبکہ آپ کے لئے جن کی تسخیر روحانیت کی بنا پر تھی لہذا یہ سلیمان علیہ السلام کی دعاء کے منافی نہیں تھا اس لیے آپ نے چھوڑ دیا آپ نے مناسب سمجھا کہ جب غلبہ روحانیت کی بنا پر ہے تو اسے چھوڑ دینا چاہیئے۔

ایک جواب انور شاہ نے دیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام، سلیمان علیہ السلام کی طرح جنوں پر مسلط تھے اور سلیمان علیہ السلام نے جو کہا تھا کہ ایسا ملک دے جو کسی کے لئے مناسب نہ ہو یہ عام قاعدہ کلیہ ہے اور عام ظنی ہوتا ہے جس سے استثناء ہو سکتا ہے لہذا نبی کریم علیہ السلام اس سے مستثنیٰ ہیں لیکن اس پر یہ اعتراض آتا ہے کہ اگر آپ اس سے مستثنیٰ تھے تو اس عفریت کو چھوڑنے کی کیا ضرورت تھی؟

بَابُ الاِغْتِسَالِ إِذَا أَسْلَمَ، وَرَبْطِ الأَسِيرِ أَيْضًا فِي الْمَسْجِدِ:

باب: جب کوئی شخص اسلام لائے تو اس کو غسل کرانا اور قیدی کو مسجد میں باندھنا

وَكَانَ شُرَيْحٌ يَأْمُرُ الْغَرِيمَ أَنْ يُحْبَسَ إِلَى سَارِيَةِ الْمَسْجِدِ.

قاضی شریح بن حارث (کندی کوفہ کے قاضی) رحمہ اللہ قرض دار کے متعلق حکم دیا کرتے تھے کہ اسے مسجد کے ستون سے باندھ دیا جائے۔

یہ باب بمنزلہ فصل ہے اور باب فی باب کے قبیل سے ہے۔ اس میں بھی قیدی کو مسجد میں باندھنے کا ذکر ہے باب سابق کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سرکش جن کو مسجد میں باندھنے کا ارادہ کیا تھا، اور آپ کسی بری چیز کا ارادہ نہیں کر سکتے، جس سے معلوم ہوا کہ مسجد سے جیل کا کام لیا جا سکتا ہے اور اس باب کے تحت آنے والی حدیث میں ایک فائدہ زائدہ پر تنبیہ کرنے کے لئے بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے اور وہ فائدہ یہ ہے کہ جب کوئی غیر مسلم اسلام قبول کرے تو اسے غسل کر لینا چاہیئے احناف کے ہاں اگر کافر کفر کی حالت میں غسل کر لے تو اسکی جنابت دور ہو جاتی ہے شافعی اور مالکی کہتے ہیں کہ کفر کی حالت میں غسل کرنے سے اس کی جنابت دور نہیں ہوتی کیونکہ اس کی نیت

---

[1] سبا:۱۲۔
[2] ص:۳۵

نہیں ہوتی اور جب تک نیت نہ کی جائے طہارت حاصل نہیں ہوسکتی۔ اور اگر کافر کفر کی حالت میں جنبی نہ ہوا ہو تو تب بھی اسے اسلام قبول کرتے وقت غسل کر لینا مستحب ہے۔ اگرچہ واجب نہیں ہے۔

٤٦٢. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، قَالَ: «بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ، فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ، فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَقَالَ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللَّهِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے سعید بن ابی سعید مقبری نے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سوار نجد کی طرف بھیجے (جو تعداد میں تیس تھے) یہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص کو جس کا نام ثمامہ بن اثال تھا پکڑ کر لائے۔ انہوں نے اسے مسجد کے ایک ستون میں باندھ دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور (تیسرے روز ثمامہ کی نیک طبیعت دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثمامہ کو چھوڑ دو۔ (رہائی کے بعد) وہ مسجد نبوی سے قریب ایک کھجور کے باغ تک گئے۔ اور وہاں غسل کیا۔ پھر مسجد میں داخل ہوئے اور کہا «اشھد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ» میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے سچے رسول ہیں۔





قوله بعث النبی ﷺ خیلًا یہ لشکر محرم ٦ھ کو محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کی قیادت میں بھیجا گیا جو تیس (٣٠) سواروں پر مشتمل تھا۔

قوله فجاءت برجل من بنی حنیفة یہ ثمامہ بن اثال تھا یہ ایک قوم کا حلیف تھا اس قوم نے مسلمانوں پر ظلم و زیادتی کی تھی یہ انکا حلیف ہونے کی وجہ سے پکڑا گیا کیونکہ جو کام وہ کریں گے یہ بھی اس میں شریک سمجھا جائے گا اس نے پوچھا تھا کہ مجھے کیوں پکڑا گیا ہے تو اسے بتایا گیا "بجریرة حلفائك" اسے مسجد میں باندھا گیا اور یہ مسلمانوں کی نماز اور ان کے اجتماع سے متاثر ہوا جب اس پر اسلام کا اثر ہو گیا تو آپ نے فرمایا "أطلقوا ثمامة" اسے چھوڑ دو یہ قریب نخلستان گیا اور غسل کر کے آیا اور کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گیا[1]۔



[1] عینی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ ثمامہ کا اسلام قبول کرنا اسے مسجد سے چھوڑنے سے پہلے تھا جبکہ کرمانی نے کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو جب معلوم ہوا کہ ثمامہ دل سے ایمان لے آیا ہے اور وہ عنقریب کلمہ شہادت کا اظہار کر دے گا تو آپ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا۔ اور ابن جوزی نے کہا ہے کہ ثمامہ قید میں ہوتے ہوئے عزت نفس کی خاطر مسلمان نہیں ہوا تھا اور نبی کریم علیہ السلام نے اس کے اسلام لانے کو محسوس کر لیا تھا تو آپ نے اسے آزاد کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ چھوڑا گیا

بَابُ الْخَيْمَةِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْمَرْضَى وَغَيْرِهِمْ:

باب: مسجد میں مریضوں وغیرہ کے لیے خیمہ لگانا

٤٦٣. حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «أُصِيبَ سَعْدٌ يَوْمَ الْخَنْدَقِ فِي الْأَكْحَلِ، فَضَرَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْمَةً فِي الْمَسْجِدِ لِيَعُودَهُ مِنْ قَرِيبٍ، فَلَمْ يَرُعْهُمْ، وَفِي الْمَسْجِدِ خَيْمَةٌ مِنْ بَنِي غِفَارٍ إِلَّا الدَّمُ يَسِيلُ إِلَيْهِمْ، فَقَالُوا: يَا أَهْلَ الْخَيْمَةِ، مَا هَذَا الَّذِي يَأْتِينَا مِنْ قِبَلِكُمْ؟ فَإِذَا سَعْدٌ يَغْذُو جُرْحُهُ دَمًا فَمَاتَ فِيهَا».

ہم سے زکریا ابن یحیٰی نے بیان کیا کہ کہا ہم سے عبداللہ بن نمیر نے کہ کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے اپنے باپ عروہ بن زبیر کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے فرمایا کہ غزوہ

تب وہ مسلمان ہوا۔ کرمانی رحمہ اللہ اور ابن جوزی رحمہ اللہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ ثمامہ چھوڑے جانے سے پہلے مسلمان نہیں ہوا۔ بلکہ رہا ہونے کے بعد اس نے اسلام قبول کیا ہے۔ لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ ان دونوں کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کرمانی کی بات احتمالی ہے اور وہ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث پر واقف نہیں ہوئے جو ابن خزیمہ میں ہے۔ اس میں ہے "فمر عليه النبي ﷺ يومًا فأسلم فحله" کہ نبی کریم علیہ السلام ایک دن اس کے پاس سے گذرے اور وہ مسلمان ہوا تو آپ نے اسے چھوڑنے کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمامہ کا اسلام اسے چھوڑنے سے پہلے ہے اور ابن جوزی رحمہ اللہ کے بارہ میں عینی کہتے ہیں "وأما ابن الجوزي فكيف غفل عن ذلك مع كثرة اطلاعه في الحديث" تعجب ہے کہ ابن جوزی فن حدیث میں کثرت واقفیت کے باوجود اس حدیث سے کیسے غافل رہے ہیں گویا علامہ عینی کے نزدیک ثمامہ بن اثال کا اسلام قبول کرنا اسے رہا کرنے سے پہلے ہے اور ان کی دلیل ابن خزیمہ کی روایت ہے۔ اس پر علامہ شنقیطی رحمہ اللہ رد کرتے ہوئے کہتے ہیں "قلت اعتمد الكرماني وابن الجوزي ما هو أصح من حديث ابن خزيمة وهو حديث أبي هريرة عند البخاري ومسلم وأبي داؤد والنسائي في قصة ثمامة المختصرة هنا ففيها عند الجميع أن النبي ﷺ "مر عليه في اليوم الأول وهو مربوط فقال له: ماذا عندك يا ثمامة ......الخ یعنی کرمانی رحمہ اللہ اور ابن جوزی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر اعتماد کیا ہے جو ابن خزیمہ کی حدیث سے قوی اور صحیح ترین ہے اور وہ بخاری و مسلم وغیرہ کی حدیث ہے جس میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ ثمامہ کے پاس سے گذرے اور فرمایا اے ثمامہ کیا حال ہے جبکہ وہ جکڑا ہوا تھا اسنے کہا میرے ہاں خیر کا جواب ہے آپ اسے چھوڑ کر چلے گئے دوسرے دن پھر یہی سوال و جواب ہوا اور تیسرے دن پھر ایسا ہوا تو آپ نے فرمایا ثمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی کے بعد ثمامہ مسجد کے قریب نخلستان گیا۔ غسل کیا اور مسجد نبوی میں آکر کلمہ شہادت پکارا اور کہا اشهد أن لا اله إلا الله وأن محمدا رسول الله "شنقیطی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث اس بارہ میں بالکل واضح اور صریح ہے کہ ثمامہ کی رہائی اس کے اسلام قبول کرنے سے پہلے تھی لہذا بخاری و مسلم کی حدیث پر ہی اعتماد کرنا چاہیئے"۔ کوثر المعانی الدراری ج ۷ ص ۲۶۱، ص ۲۶۴۔

خندق میں سعد (رضی اللہ عنہ) کے بازو کی ایک رگ (اکحل) میں زخم آیا تھا۔ ان کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں ایک خیمہ نصب کرادیا تاکہ آپ قریب رہ کر ان کی دیکھ بھال کیا کریں۔ مسجد ہی میں بنی غفار کے لوگوں کا بھی ایک خیمہ تھا۔ سعد رضی اللہ عنہ کے زخم کا خون (جو رگ سے بکثرت نکل رہا تھا) بہہ کر جب ان کے خیمہ تک پہنچا تو وہ ڈر گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے خیمہ والو! تمہاری طرف سے یہ کیسا خون ہمارے خیمہ تک آرہا ہے۔ پھر انہیں معلوم ہوا کہ یہ خون سعد رضی اللہ عنہ کے زخم سے بہہ رہا ہے۔ سعد رضی اللہ عنہ کا اسی زخم کی وجہ سے انتقال ہو گیا۔

یہ سعد بن معاذ ہیں جو اَوس قبیلے کے سردار تھے ان کے جنازہ میں ستر ہزار فرشتے اترے تھے ان کی آمد کی خوشی میں عرش الرحمان متحرک ہوا تھا، موسی بن عقبہ کے بقول شوال ۴ھ میں اور ابن اسحاق کے نزدیک شوال ۵ھ میں فوت ہوئے تھے۔

قولہ فی الأکحل وہ رگ جو ہاتھ میں ہوتی ہے اور جسم کے ہر عضو میں اس کی شاخ ہوتی ہے جس کے لئے نام بھی علیحدہ علیحدہ ہے، ران میں اس کا نام "نساء" ہے اور کمر میں اس کا نام "أبہر" ہے۔ اسے رگِ حیات کہتے ہیں اور یہ نہر بدن کے نام سے مشہور ہے ہاتھ میں یہ رگ کٹ جائے تو خون نہیں تھمتا۔

قولہ وفی المسجد خیمۃ یہ فعل اور اس کے فاعل کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قولہ فمات فیہا ای فی الخیمۃ یا مات فی تلک المرضۃ اگر یہ لفظ منہا ہو تو مراد من الجراحۃ ہے۔

بَابُ إِدْخَالِ الْبَعِيرِ فِي الْمَسْجِدِ لِلْعِلَّةِ:

باب: ضرورت سے مسجد میں اونٹ لے جانا

وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: طَافَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى بَعِيرٍ.

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اونٹ پر بیٹھ کر بیت اللہ کا طواف کیا تھا۔

٤٦٤. حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ نَوْفَلٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: شَكَوْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنِّي أَشْتَكِي، قَالَ: «طُوفِي مِنْ وَرَاءِ النَّاسِ وَأَنْتِ رَاكِبَةٌ، فَطُفْتُ وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يُصَلِّي إِلَى جَنْبِ الْبَيْتِ يَقْرَأُ بِ وَالطُّورِ ١ وَكِتَابٍ مَسْطُورٍ ٢ سورة الطور آية ١-٢».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہمیں امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے محمد بن عبدالرحمٰن بن نوفل سے خبر دی، انہوں نے عروہ بن زبیر سے۔ انہوں نے زینب بنت ابی سلمہ سے، انہوں نے ام المؤمنین ام سلمہ سے، وہ کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (حجۃ الوداع میں) اپنی بیماری کا شکوہ کیا

(میں نے کہا کہ میں پیدل طواف نہیں کر سکتی) تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگوں کے پیچھے رہ اور سوار ہو کر طواف کر۔ پس میں نے طواف کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت بیت اللہ کے قریب نماز میں آیت «والطور و کتاب مسطور» کی تلاوت کر رہے تھے۔

علت سے مراد حاجت اور ضرورت ہے یعنی کسی پیش آنے والی ضرورت کے لئے اونٹ کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی اونٹ پر سوار ہو کر مسجد حرام میں طواف کیا تھا۔

قولہ و قال ابن عباس رضی اللہ عنہ ابوداؤد میں ابن عباس سے مروی ہے "أن النبی ﷺ قدم مكة وهو يشتكى فطاف على راحلته"[1]

قولہ وانتِ راكبة ابن بطال نے کہا ہے کہ ماکول اللحم جانوروں کو مسجد میں داخل کیا جاسکتا ہے اور یہ ضرورت کے لئے جائز ہے کیونکہ ان کا پیشاب نجس نہیں ہے۔

بَابٌ:

٤٦٥. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسٌ، «أَنَّ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَا مِنْ عِنْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةٍ مُظْلِمَةٍ وَمَعَهُمَا مِثْلُ الْمِصْبَاحَيْنِ يُضِيئَانِ بَيْنَ أَيْدِيهِمَا، فَلَمَّا افْتَرَقَا صَارَ مَعَ كُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا وَاحِدٌ حَتَّى أَتَى أَهْلَهُ».

ہم سے محمد بن مثنی نے بیان کیا انہوں نے کہا ہم سے معاذ بن ہشام نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے میرے والد نے قتادہ کے واسطہ سے بیان کیا، کہا ہم سے انس رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ دو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکلے، ایک عباد بن بشر اور دوسرے صاحب میرے خیال کے مطابق اسید بن حضیر تھے۔ رات تاریک تھی اور دونوں اصحاب کے پاس روشن چراغ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے ان کے آگے آگے روشنی پھیل رہی تھی پس جب وہ دونوں اصحاب ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو ہر ایک کے ساتھ ایک ایک چراغ رہ گیا جو گھر تک ساتھ رہا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو باب بلا ترجمہ ہو وہ پہلے باب کے لئے بمنزلہ فصل ہوتا ہے لیکن یہاں یہ باب پچھلے باب کے لئے فصل کے قائمقام نہیں بنتا جیسا کہ حافظ نے کہا ہے کیونکہ اسکا اس سے پہلے "باب إدخال البعير في المسجد للعلة" سے کوئی تعلق نہیں ہے ہاں اس کا ابواب المساجد سے تعلق ہے امام بخاری رحمہ اللہ اسے تشحیذاً للأذھان لائے ہیں گویا بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اس کتاب کے قاری کو چاہیئے یہاں ایسا عنوان قائم کرے جو مساجد سے تعلق رکھتا ہو اور وہ "باب فضل المشي إلى المسجد في الظلمة" باندھا جاسکتا ہے اور یہ اس حدیث کی طرف

---

[1] سنن ابی داؤد ۱۸۸۱ ج ۲ ص ۱۷۷۔

اشارہ ہوجائے گا جو ابوداؤد وغیرہ میں آتی ہے"بشر المشائين فى الظلم إلي المساجد بالنور التام يوم القيامة[1]" اور قرآن کریم کی اس آیت کی طرف بھی اشارہ ہوجائے گا جو سورۃ حدید میں ہے"يسعى نورهم بين أيديهم وبأيمانهم[2]"۔

بعض نے کہا ہے کہ اسکی پچھلے باب سے کچھ نہ کچھ مناسبت ضرور ہے، بخاری بغیر تعلق کے نہیں لائے، اور وہ تعلق یہ ہے کہ وہ دونوں صحابہ اپنی لاٹھیاں لے کر مسجد میں آئے تھے اور انسان لاٹھی کو زمین پر ٹیکتے ہوئے چلتا ہے۔ جیسا کہ اونٹ کے چلتے ہوئے اس کے پاؤں زمین پر لگتے ہیں لہذا جب کہ لاٹھیاں لے کر مسجد میں آنا جائز ہے تو اونٹ کو مسجد میں داخل کرنا بھی جائز ہے لامع الدراری والا کہتا ہے کہ ان کی لاٹھی کا سر اونٹ کی طرح ہوگا یا جس طرح ان کی لاٹھیاں روشن ہوگئی تھیں اس طرح ضرورت کے لئے مسجد سے چراغ نکالنا بھی جائز ہے لیکن یہ سب فضول باتیں ہیں حافظ نے جوبات کی ہے وہ درست ہے کہ اسکا "مساجد" سے تعلق ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے تشحیذ اللاذھان باب نہیں باندھا، بخاری رحمہ اللہ مجتہد گر ہے اسکا مقصد یہ ہے کہ تم خود بھی کوشش کرو اور یہاں باب قائم کرو اور وہ باب اندھیروں میں مسجد کی طرف چل کر آنے کی فضیلت کا ہوسکتا ہے اور مسجد میں ضرورت کے لئے باتوں کے جواز کا باب بھی ہوسکتا ہے اور عشاء کے بعد ضرورت کے لئے مسجد میں باتوں کے جواز کا بھی "قوله أن رجلين" یہ دو صحابہ اُسید بن حضیر اور عباد بن بشر تھے۔

بَابُ الْخَوْخَةِ وَالْمَمَرِّ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں کھڑکی اور راستہ رکھنا

٤٦٦. حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّضْرِ، عَنْ عُبَيْدِ بْنِ حُنَيْنٍ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، قَالَ: «خَطَبَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: إِنَّ اللَّهَ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ. فَبَكَى أَبُو بَكْرٍ الصِّدِّيقُ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقُلْتُ فِي نَفْسِي: مَا يُبْكِي هَذَا الشَّيْخَ؟ إِنْ يَكُنِ اللَّهُ خَيَّرَ عَبْدًا بَيْنَ الدُّنْيَا وَبَيْنَ مَا عِنْدَهُ فَاخْتَارَ مَا عِنْدَ اللَّهِ، فَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هُوَ الْعَبْدَ. وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ أَعْلَمَنَا، قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ لَا تَبْكِ، إِنَّ أَمَنَّ النَّاسِ عَلَيَّ فِي صُحْبَتِهِ وَمَالِهِ أَبُو بَكْرٍ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا خَلِيلًا مِنْ أُمَّتِي لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ، وَلَكِنْ أُخُوَّةُ الْإِسْلَامِ وَمَوَدَّتُهُ لَا يَبْقَيَنَّ فِي الْمَسْجِدِ بَابٌ إِلَّا سُدَّ، إِلَّا بَابُ أَبِي بَكْرٍ».

ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، کہ کہا ہم سے فلیح بن سلیمان نے، کہا ہم سے ابونضر سالم بن ابی امیہ

---

[1] ابوداؤد ۵۶۱ ج ۱ ص ۱۵۴، ت ۲۲۳ ج ۱ ص ۴۳۵ (صحیح)

[2] الحدید: ۱۲۔

نے عبید بن حنین کے واسطہ سے، انہوں نے بسر بن سعید سے، انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو دنیا اور آخرت کے رہنے میں اختیار دیا (کہ وہ جس کو چاہے اختیار کرے) بندے نے وہ پسند کیا جو اللہ کے پاس ہے یعنی آخرت۔ یہ سن کر ابوبکر رضی اللہ عنہ رونے لگے، میں نے اپنے دل میں کہا کہ اگر اللہ نے اپنے کسی بندے کو دنیا اور آخرت میں سے کسی کو اختیار کرنے کو کہا اور اس بندے نے آخرت پسند کر لی تو اس میں ان بزرگ کے رونے کی کیا وجہ ہے۔ لیکن یہ بات تھی کہ بندے سے مراد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ ہم سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا۔ ابوبکر آپ روئیے مت۔ اپنی صحبت اور اپنی دولت کے ذریعہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھ پر احسان کرنے والے آپ ہی ہیں اور اگر میں کسی کو خلیل بناتا تو ابوبکر کو بناتا۔ لیکن (جانی دوستی تو اللہ کے سوا کسی سے نہیں ہو سکتی) اس کے بدلہ میں اسلام کی برادری اور دوستی کافی ہے۔ مسجد میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف کے دروازے کے سوا تمام دروازے بند کر دیئے جائیں۔

دیوار سے کچھ اینٹیں نکال کر جو راستہ بنایا جاتا ہے اسے خوخہ کہتے ہیں جبکہ دروازہ نہ لگا ہو اور اگر اس میں دروازہ لگا دیا جائے تو اسے "باب" کہتے ہیں بعض نسخوں میں مجازاً اسے باب بھی کہا گیا ہے اور ہو سکتا ہے کہ حقیقۃً باب ہو۔

قولہ إلا باب أبي بكر ایک حدیث حضرت علی کے بارہ میں بھی آتی ہے "أمر بسد الأبواب إلا باب علي[1]" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے مگر حافظ نے کہا ہے کہ اسکی متعدد اسانید ہیں لہذا اس کا کچھ نہ کچھ اصل ہے اور خوخہ اور باب میں فرق بھی ہے ان کے مکان مسجد کی چار دیواری سے باہر تھے اور ان مکانوں کے دروازے باہر گلی میں تھے جنہیں آپ نے بند کرنے کا حکم دیا تھا۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مکان مسجد کی چار دیواری کے اندر تھا اس کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کا دروازہ مسجد میں کھلتا تھا دوسری طرف گلی نہیں تھی جس میں دروازہ کھل سکے دوسروں کے دروازے گلی میں کھلتے تھے اور انہوں نے آسانی کے لئے مسجد میں بھی کھولے ہوئے تھے جن میں سے جنبی اور حائضہ بھی آجاتے تھے اس لیے نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ سب دروازے بند کر دو لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ کا رہنے دو کیونکہ ان کے مکان کا دروازہ باہر نہیں کھلتا تھا۔ اب لوگوں نے دروازے بند کر لئے لیکن چھوٹی چھوٹی تاکیاں کھول لیں گویا عام گذرگاہ نہ رہی۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے تو آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تذکرہ کیا اور فرمایا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی سب تاکیاں بند کر دو۔ ان دونوں احادیث میں تعارض نہیں ہے وہ حدیث پہلے کی ہے اور ابوبکر صدیق والی بعد کی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ ابوبکر کی تاکی کھلی رکھنے سے مراد یہ ہے کہ ابوبکر صدیق کے علاوہ کسی اور کے لئے خلافت کی طمع نہ رکھو ان کا دروازہ کھلا چھوڑنے سے مقصود یہ تھا کہ وہ خلیفہ ہوں گے اور انہیں جماعت کرانے کے لئے بروقت مسجد

---

[1] ترمذی رقم ۳۷۳۲ ج ۵ ص ۶۴۱۔

میں آنا ہوگا باقی لوگوں نے امامت نہیں کرانا تھی اس لیے ان کے دروازے بند کرادیئے اور یہ واقعہ جمعرات کے دن کا تھا آپ نے قلم کاغذ طلب کیا تاکہ ابوبکر کے لئے لکھ دیں لیکن اختلاف ہونے پر آپ نے فرمایا رہنے دو اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ذکر کیا اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ باقی دروازے بند کرنے کا حکم دیا۔ گویا یہ آپ کی خلافت کی طرف اشارہ ہوگیا۔

قوله ولو كنت متخذا خليلًا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم علیہ السلام کے دوست تو تھے لیکن یہاں اس حدیث میں خلیل سے مراد وہ شخصیت ہے جس کی محبت انسان کے رگ و ریشہ میں سرایت کرجائے اس طرح کا آپ کا تعلق صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہی تھا بعض لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حبیب اللہ تھے لیکن اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ خلیل اللہ بھی ہیں۔

٤٦٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْجُعْفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ بْنُ جَرِيرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ يَعْلَى بْنَ حَكِيمٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي مَاتَ فِيهِ عَاصِبٌ رَأْسَهُ بِخِرْقَةٍ، فَقَعَدَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللَّهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّهُ لَيْسَ مِنَ النَّاسِ أَحَدٌ أَمَنَّ عَلَيَّ فِي نَفْسِهِ وَمَالِهِ مِنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي قُحَافَةَ، وَلَوْ كُنْتُ مُتَّخِذًا مِنَ النَّاسِ خَلِيلًا لَاتَّخَذْتُ أَبَا بَكْرٍ خَلِيلًا، وَلَكِنْ خُلَّةُ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ سُدُّوا عَنِّي، كُلَّ خَوْخَةٍ فِي هَذَا الْمَسْجِدِ غَيْرَ خَوْخَةِ أَبِي بَكْرٍ».



ہم سے عبداللہ بن محمد جعفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے وہب بن جریر نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے میرے باپ جریر بن حازم نے بیان کیا، انہوں نے کہا میں نے یعلیٰ بن حکیم سے سنا، وہ عکرمہ سے نقل کرتے تھے، وہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض وفات میں باہر تشریف لائے۔ سر پہ پٹی بندھی ہوئی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے، اللہ کی حمد و ثنا کی اور فرمایا، کوئی شخص بھی ایسا نہیں جس نے ابوبکر بن ابوقحافہ سے زیادہ مجھ پر اپنی جان و مال کے ذریعہ احسان کیا ہو اور اگر میں کسی کو انسانوں میں سے جانی دوست بناتا تو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کو بناتا۔ لیکن اسلام کا تعلق افضل ہے۔ دیکھو ابوبکر (رضی اللہ عنہ) کی کھڑکی چھوڑ کر اس مسجد کی تمام کھڑکیاں بند کر دی جائیں۔

قوله ابن أبي قحافة ابوقحافہ کا نام عثمان بن عامر التیمی ہے یہ فتح مکہ کے دن مسلمان ہوئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں ستانوے سال کی عمر میں فوت ہوئے۔



٨١ـ بَابُ الْأَبْوَابِ وَالْغَلَقِ لِلْكَعْبَةِ وَالْمَسَاجِدِ:

باب: کعبہ اور مساجد میں دروازے اور زنجیر رکھنا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَقَالَ لِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ مُحَمَّدٍ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، قَالَ:

قَالَ لِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ: يَا عَبْدَ الْمَلِكِ، «لَوْ رَأَيْتَ مَسَاجِدَ ابْنِ عَبَّاسٍ وَأَبْوَابَهَا»

ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا مجھ سے عبداللہ بن محمد مسندی نے کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے عبدالملک ابن جریج کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے کہا کہ اے عبدالملک! اگر تم ابن عباس رضی اللہ عنہما کی مساجد اور ان کے دروازوں کو دیکھتے۔

یعنی کعبہ کو یا کسی بھی مسجد کو دروازہ لگانے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ مسجد میں بعض قیمتی چیزیں ہوتی ہیں جیسا کہ آج کل اے، سی اور پنکھے وغیرہ ہیں ان کے چرائے جانے کا خطرہ ہوتا ہے اس لیے مسجد کی چیزوں کی حفاظت کے لئے دروازہ لگایا جاسکتا ہے اور اسے بند بھی کیا جاسکتا ہے جبکہ نماز کے وقت کھول دیا جائے، لیکن لوگوں کو مسجد میں عبادت سے روکنے کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالی ہے "ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه[1]"۔

قوله لورأيت مساجد ابن عباس وأبوابها اسکا جواب محذوف ہے ای لرأيت عجبا أو حسنا لإتقانها ونظافتها اور یہ تب ہے جبکہ لو شرط کے لئے ہو۔ لیکن اگر لو تمنی کے لئے ہو تو جواب اور جزاء کی ضرورت نہیں ہے۔

٤٦٨ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، وَقُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مَكَّةَ، فَدَعَا عُثْمَانَ بْنَ طَلْحَةَ فَفَتَحَ الْبَابَ، فَدَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَبِلَالٌ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، ثُمَّ أَغْلَقَ الْبَابَ فَلَبِثَ فِيهِ سَاعَةً، ثُمَّ خَرَجُوا، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَبَدَرْتُ فَسَأَلْتُ بِلَالًا، فَقَالَ: صَلَّى فِيهِ، فَقُلْتُ: فِي أَيٍّ، قَالَ: بَيْنَ، قَالَ ابْنُ عُمَرَ: فَذَهَبَ عَلَيَّ أَنْ أَسْأَلَهُ كَمْ صَلَّى».

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل اور قتیبہ بن سعید نے بیان کیا کہ ہم سے حماد بن زید نے ایوب سختیانی کے واسطہ سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ تشریف لائے (اور مکہ فتح ہوا) تو آپ نے عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہ کو بلوایا۔ (جو کعبہ کے متولی، چابی بردار تھے) انہوں نے دروازہ کھولا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، بلال، اسامہ بن زید اور عثمان بن طلحہ چاروں اندر تشریف لے گئے۔ پھر دروازہ بند کر دیا گیا اور وہاں تھوڑی دیر تک ٹھہر کر باہر آئے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر بلال سے پوچھا (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ کے اندر کیا کیا) انہوں نے بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر نماز پڑھی تھی۔ میں نے پوچھا کس جگہ؟ کہا کہ دونوں ستونوں کے درمیان۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ پوچھنا مجھے

[1] البقرۃ:۱۱۴

یاد نہ رہا کہ آپ نے کتنی رکعتیں پڑھی تھیں۔

قولہ ثم أغلق الباب ابن بطال نے کہا ہے کہ اس وقت دروازہ بند کرنے میں حکمت یہ تھی کہ لوگ کعبہ میں نماز پڑھنے کو سنت نہ سمجھ لیں اور اس کا التزام نہ کرنے لگیں بعض نے کہا ہے کہ دروازہ اس لیے بند کیا گیا تاکہ لوگ زحمت اور بھیڑ نہ کریں یا نماز میں خشوع وخضوع اور دل کی حاضری کے لئے دروازہ بند کیا گیا۔ اور عثمان بن طلحہ کو اس لئے داخل کیا گیا تاکہ وہ یہ نہ سمجھے کہ شاید اب میری کعبہ کی تولیت اور سرپرستی ختم ہوگئی ہے۔ اور بلال اور اسامہ اس لیے داخل ہوئے کیونکہ وہ آپ کے خادموں میں شامل تھے۔

۸۲۔بَابُ دُخُولِ الْمُشْرِكِ الْمَسْجِدَ:

باب: مشرک کا مسجد میں داخل ہونا کیسا ہے؟

٤٦٩ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي سَعِيدٍ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: «بَعَثَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ، فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ، يُقَالُ لَهُ: ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ، فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے سعید بن ابی سعید مقبری کے واسطہ سے بیان کیا انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ سواروں کو نجد کی طرف بھیجا تھا۔ وہ لوگ بنو حنیفہ کے ایک شخص ثمامہ بن اثال کو (بطور جنگی قیدی) پکڑ لائے اور مسجد میں ایک ستون سے باندھ دیا۔

شرح بخاری

مسجد میں مشرک کے داخل ہونے میں مذاہب مختلف ہیں احناف کے نزدیک اسکا داخلہ ہر مسجد میں جائز ہے۔ مالکیوں کے نزدیک مشرک کسی مسجد میں بھی نہیں جاسکتا۔ خواہ مسجد حرام ہو یا اس کے علاوہ، شافعی مسجد حرام اور غیر میں فرق کرتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ مسجد حرام میں مشرک نہیں جاسکتا کیونکہ قرآن کریم میں اسے خاص کر کے ذکر کیا گیا ہے ارشاد باری تعالی ہے "إنما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام" جبکہ مالکی کہتے ہیں کہ جب علت نجاست ذکر کی گئی ہے تو وہ کسی مسجد میں نہیں جاسکتے، حنفی کہتے ہیں کہ وہ مسجد حرام میں طواف کے لئے نہیں جاسکتے کیونکہ حدیث میں ہے "لا يطوفن بالبيت عريان ولا يحجن بعد العام مشرك [1]" لہذا طواف اور حج کے علاوہ جاسکتے ہیں امام محمد کی ایک روایت یہ ہے کہ مشرک مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا بعض کہتے ہیں کہ کتابی کو مسجد میں داخل ہونے کی اجازت ہے کسی اور مشرک کو نہیں لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ ثمامہ کو مسجد میں باندھا گیا تھا اور وہ کتابی نہیں تھا بعض کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ کو خانہ کعبہ میں داخلہ سے روکا گیا تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ہمارے باپ، دادوں نے بنایا ہے اور وہ اپنا حق سمجھ کر آنا چاہتے تھے اور اپنا حق سمجھنے سے تسلط ہو جاتا ہے۔

---

1. بخاری: ۴۶۵۷ ج ۶ ص ۶۵، ترمذی ۳۰۹۱ ج ۵ ص ۱۲۶۔

بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ فِي الْمَسَاجِدِ:

باب: مساجد میں آواز بلند کرنا کیسا ہے؟

٤٧٠ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْجُعَيْدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، قَالَ: حَدَّثَنِي يَزِيدُ بْنُ خُصَيْفَةَ، عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، قَالَ: كُنْتُ قَائِمًا فِي الْمَسْجِدِ فَحَصَبَنِي رَجُلٌ فَنَظَرْتُ، فَإِذَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: اذْهَبْ فَأْتِنِي بِهٰذَيْنِ، فَجِئْتُهُ بِهِمَا، قَالَ: مَنْ أَنْتُمَا أَوْ مِنْ أَيْنَ أَنْتُمَا؟ قَالَا: مِنْ أَهْلِ الطَّائِفِ، قَالَ: «لَوْ كُنْتُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَلَدِ لَأَوْجَعْتُكُمَا تَرْفَعَانِ أَصْوَاتَكُمَا فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے علی بن عبداللہ بن جعفر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے جعید بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے یزید بن خصیفہ نے بیان کیا، انہوں نے سائب بن یزید سے بیان کیا، انہوں نے بیان کیا کہ میں مسجد نبوی میں کھڑا ہوا تھا، کسی نے میری طرف کنکری پھینکی۔ میں نے جو نظر اٹھائی تو دیکھا کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سامنے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ یہ سامنے جو دو شخص ہیں انہیں میرے پاس بلا کر لاؤ۔ میں بلا لایا۔ آپ نے پوچھا کہ تمہارا تعلق کس قبیلہ سے ہے یا یہ فرمایا کہ تم کہاں رہتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اگر تم مدینہ کے ہوتے تو میں تمہیں سزا دیئے بغیر نہ چھوڑتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آواز اونچی کرتے ہو؟

٤٧١ ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يُونُسُ بْنُ يَزِيدَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ تَقَاضَى ابْنَ أَبِي حَدْرَدٍ دَيْنًا لَهُ عَلَيْهِ فِي عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ. فَارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا حَتَّى سَمِعَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي بَيْتِهِ.» فَخَرَجَ إِلَيْهِمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهِ وَنَادَى يَا كَعْبَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: يَا كَعْبُ، قَالَ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَأَشَارَ بِيَدِهِ أَنْ ضَعِ الشَّطْرَ مِنْ دَيْنِكَ، قَالَ كَعْبٌ: قَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: قُمْ فَاقْضِهِ».

ہم سے احمد بن صالح نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھے یونس بن یزید نے خبر دی، انہوں نے ابن شہاب زہری کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن کعب بن مالک نے بیان کیا، ان کو ان کے باپ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ

انھوں نے عبداللہ ابن ابی حدرد رضی اللہ عنہ سے اپنے ایک قرض کے سلسلے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں مسجد نبوی کے اندر تقاضا کیا۔ دونوں کی آواز کچھ اونچی ہو گئی یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے حجرہ سے سن لیا۔ آپ اٹھے اور حجرہ پر پڑے ہوئے پردہ کو ہٹایا۔ آپ نے کعب بن مالک کو آواز دی، اے کعب! کعب بولے۔ یا رسول اللہ! حاضر ہوں۔ آپ نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے بتایا کہ وہ اپنا آدھا قرض معاف کر دے۔ کعب نے عرض کی یا رسول اللہ! میں نے معاف کر دیا۔ آپ نے ابن ابی حدرد سے فرمایا اچھا اب چل اٹھ اس کا قرض ادا کر۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک مسجد میں آوازیں بلند کرنا مطلقاً منع ہے خواہ علم کے بارہ میں ہو یا اس کے علاوہ لیکن دیگر علماء دینی اور دنیاوی امور میں فرق کرتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ اس ترجمہ باب میں دو احادیث لائے ہیں جن میں پہلی حدیث مسجد میں آوازے کسنے کے منع ہونے پر دلالت کرتی ہے اور دوسری حدیث عدم ممانعت پر دلالت کرتی ہے اصل میں مسجد میں آواز بلند کرنا دو قسم پر ہے اگر اللہ تعالی کے ذکر اور قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور وعظ ونصیحت اور تعلیم وتعلم نیز اذان کہنے اور اقامت اور جہری نمازوں میں اونچی قراءت کرنے سے آواز اونچی اور بلند ہو تو یہ جائز اور مستحسن ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب خطبہ دیا کرتے تھے تو آپکی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ اور جب آپ نماز میں قراءت کرتے تو مسجد سے باہر بھی سنائی دیتی تھی اور بلال آپ کے سامنے اذان اور اقامت مسجد میں کہتے تھے۔

لیکن اس کے علاوہ دنیاوی مسائل میں جھگڑتے ہوئے مسجد میں آوازے کسنا اور باطل کے بارہ میں جدال کرنا اور آواز بلند کرنا مطلقاً جائز نہیں ہے اور مسجد میں اسکی قباحت مزید بڑھ جاتی ہے جیسا کہ ابن رجب نے کہا ہے۔

قوله الجعید بن عبدالرحمن اسی کو جعد بن اوس کہا گیا ہے جعید تصغیر ہے جعد کی۔ اور راوس اس کے جد کی طرف نسبت ہے۔

شرح بخاری

-بَابُ الْحِلَقِ وَالْجُلُوسِ فِي الْمَسْجِدِ:

باب: مسجد میں حلقہ باندھ کر بیٹھنا اور یوں ہی بیٹھنا

٤٧٢ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا بِشْرُ بْنُ الْمُفَضَّلِ، عَنْ عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ، مَا تَرَى فِي صَلَاةِ اللَّيْلِ ؟ قَالَ: «مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيَ الصُّبْحَ صَلَّى وَاحِدَةً فَأَوْتَرَتْ لَهُ مَا صَلَّى، وَإِنَّهُ كَانَ يَقُولُ: اجْعَلُوا آخِرَ صَلَاتِكُمْ وِتْرًا، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَ بِهِ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا کہ کہا ہم سے بشر بن مفضل نے عبیداللہ بن عمر سے، انھوں نے نافع سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا (جبکہ) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تھے کہ رات کی نماز (یعنی تہجد) کس طرح پڑھنے کے لیے

آپ فرماتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دو دو رکعت کر کے پڑھ اور جب صبح قریب ہونے لگے تو ایک رکعت پڑھ لے۔ یہ ایک رکعت اس ساری نماز کو طاق بنا دے گی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ رات کی آخری نماز کو طاق رکھا کرو کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم دیا۔

٤٧٣ ـ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ ؟ فَقَالَ: «مَثْنَى مَثْنَى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ تُوتِرُ لَكَ مَا قَدْ صَلَّيْتَ»، قَالَ الْوَلِيدُ بْنُ كَثِيرٍ: حَدَّثَنِي عُبَيْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُمْ، أَنَّ رَجُلًا نَادَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي الْمَسْجِدِ.

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا کہ کہا ہم سے حماد بن زید نے، انہوں نے ایوب سختیانی سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ دے رہے تھے آنے والے نے پوچھا کہ رات کی نماز کس طرح پڑھی جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو دو رکعت پھر جب طلوع صبح صادق کا اندیشہ ہو تو ایک رکعت وتر کی پڑھ لے تاکہ تو نے جو نماز پڑھی ہے اسے یہ رکعت طاق بنا دے اور امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ ولید بن کثیر نے کہا کہ مجھ سے عبیداللہ بن عبداللہ عمری نے بیان کیا، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ان سے بیان کیا کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔

٤٧٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، أَنَّ أَبَا مُرَّةَ مَوْلَى عَقِيلِ بْنِ أَبِي طَالِبٍ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِيِّ، قَالَ: بَيْنَمَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ، فَأَقْبَلَ ثَلَاثَةُ نَفَرٍ، فَأَقْبَلَ اثْنَانِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَهَبَ وَاحِدٌ. فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَرَأَى فُرْجَةً فَجَلَسَ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَجَلَسَ خَلْفَهُمْ، فَلَمَّا فَرَغَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَلَا أُخْبِرُكُمْ عَنِ الثَّلَاثَةِ، أَمَّا أَحَدُهُمْ فَأَوَى إِلَى اللّٰهِ فَآوَاهُ اللّٰهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَاسْتَحْيَا فَاسْتَحْيَا اللّٰهُ مِنْهُ، وَأَمَّا الْآخَرُ فَأَعْرَضَ فَأَعْرَضَ اللّٰهُ عَنْهُ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہ کہا ہمیں امام مالک نے خبر دی اسحاق بن عبداللہ ابن ابی طلحہ کے واسطے سے کہ عقیل بن ابی طالب کے غلام ابومرہ نے انہیں خبر دی ابوواقد لیثی حارث بن عوف صحابی کے واسطہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے کہ تین آدمی باہر سے آئے۔ دو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضری کی غرض سے آگے بڑھے لیکن تیسرا چلا

گیا۔ ان دو میں سے ایک نے درمیان میں خالی جگہ دیکھی اور وہاں بیٹھ گیا۔ دوسرا شخص پیچھے بیٹھ گیا اور تیسرا تو واپس ہی جارہا تھا۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وعظ سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں ان تینوں کے متعلق ایک بات نہ بتاؤں۔ ایک شخص تو اللہ کی طرف بڑھا اور اللہ نے اسے جگہ دی (یعنی پہلا شخص) رہا دوسرا تو اس نے (لوگوں میں گھسنے سے) شرم کی، اللہ نے بھی اس سے شرم کی، تیسرے نے منہ پھیر لیا۔ اس لیے اللہ نے بھی اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔

الحلق حا اور لام کی فتح کے ساتھ اور حا پر کسرہ بھی جائز ہے یہ حلقۃ کی جمع ہے ایک حدیث میں منع آیا ہے "نهي رسول الله ﷺ عن التحلق يوم الجمعة قبل الصلوة[1]" لیکن یہ جمعہ کے دن کے ساتھ خاص ہے۔ مطلقاً منع نہیں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جمعہ کے دن لوگ جب جمعہ کی ادائیگی کے لئے آئیں تو وہ حلقے بنا کر نہ بیٹھیں بلکہ صفوں میں بیٹھیں اور صف بندی کریں، تاکہ آنے والوں کو بیٹھنے میں دشواری پیش نہ آئے۔ اس کا مفہوم یہ نہیں کہ صبح کے وقت ہی روکا جارہا ہے۔ بعض لوگ اس حدیث سے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ جمعہ کے دن صبح کو درس نہیں دینا چاہیئے اور نہ وعظ و نصیحت کرنی چاہیئے تاکہ جمعہ کے دن حلقے نہ بنیں حالانکہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے اس سے جمعہ کے دن جمعہ کے لئے آتے وقت حلقے بنانے سے روکا گیا ہے۔ دلی میں ایک مولوی صاحب تھے جو منطقی آدمی تھے وہ اس حدیث کا ترجمہ یہ کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے جمعہ کے دن سر منڈوانے سے منع کیا ہے لوگوں نے مترجم حدیث ان کے سامنے رکھ دی کہ اسکا معنی حلقے باندھنا ہے۔ سر منڈوانا نہیں۔ تب انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔



قوله ما ترى في صلوة الليل قال مثنى مثنى۔ ایک روایت میں "كيف أصلي صلوة الليل" آتا ہے یعنی کیفیت کے بارہ میں سوال تھا آپ نے فرمایا مثنی مثنی دو دو کر کے پڑھی جائے۔ مسلم میں عقبہ بن حارث سے مروی ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے میں نے سوال کیا" ما معنى مثنى مثنى " تو انہوں نے کہا "تسلم من كل ركعتين" اس سے مراد ہر دو رکعتوں پر سلام پھیرنا ہے۔ یہ حدیث حنفیوں کے لئے بڑی مشکل ہے۔ کیونکہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک دن رات کی نفلی نماز چار رکعت پڑھنا افضل ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ، امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک دو دو پڑھنا سنت ہے صاحبین کے نزدیک رات کو دو رکعت اور دن کی نماز چار رکعت پڑھنا افضل ہے ان کا قول اس حدیث کے موافق ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رات کی نماز دو دو رکعت پڑھنا ضروری ہے چار اکٹھی نہیں پڑھ سکتا۔ دو رکعت پڑھ کر سلام پھیرنا لازمی ہے اگر سلام پھیرے بغیر دو پڑھ کر کھڑا ہو گیا تو سجدہ سہو آئیگا۔





حنفی چار کے قائل ہیں لیکن اسے لازم نہیں کہتے۔ وہ مثنی مثنی کا معنی کرتے ہیں کہ اس سے مراد دو رکعتوں پر تشہد بیٹھنا ہے سلام پھیرنا مراد نہیں ہے لیکن حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی تفسیر مذکور اسکا رد کرتی ہے کیونکہ انہوں نے اس کا معنی دو رکعت پر سلام پھیرنا کیا ہے۔ اور راوی حدیث اس کی مراد کو بخوبی جانتا ہے۔



---

[1] نسائی (صغریٰ) رقم ۷۱۴، ج ۲ ص ۴۷۔

ابن ھمام نے اس حدیث کی تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ پہلے "مثنی" کا معنی دو دو ہے، یہ چار ہو گئیں، اسی طرح دوسرے "مثنی" سے مراد بھی دو، دو۔ یہ بھی چار ہو گئیں۔ لہذا چار، چار رکعت پڑھنی چاہئیں لیکن انور شاہ نے اس معنی کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ زمخشری نے صراحت کی ہے کہ "مثنی" کا معنی دو، دو تب ہوتا ہے جبکہ مثنٰی ایک مرتبہ آیا ہو جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "فانکحوا ما طاب لکم من النساء مثنی [1]" لیکن جہاں مثنٰی دو دفعہ آئے وہاں اس کا معنی "اثنین" دو ہوگا اور دوسرے مثنٰی سے مل کر دو، دو معنی ہوتا ہے۔ ابن ھمام نے ایک کا معنی دو، دو کر دیا ہے اور کہا کہ یہ چار ہو گئیں یہ غلط بات ہے۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ اگر اس حدیث کا معنی چار چار کیا جائے تو یہ حدیث ہمارے خلاف پڑ جائے گی کیونکہ اخیر میں چار رکعت کے ساتھ ایک رکعت جوڑنی ہے اس طرح وتر پانچ بن جائیں گے جبکہ ہم تین کے قائل ہیں اس لیے یہ معنی نہیں کرنا چاہیے باقی یہ معنی جو کیا جاتا ہے کہ دو پڑھنی مستحب ہیں یہ معنی تب بنتا ہے جبکہ سائل نے کیفیت کا سوال کیا ہو پھر واقعی دو رکعت پڑھنا مستحب ہوگا۔ لیکن اگر اس نے کیفیت کا سوال نہ کیا ہو بلکہ نماز کے متعلق ہی پوچھا ہو تو پھر دو کا ذکر آپ نے اس لیے کیا ہے کہ یہ اقلّ درجہ ہے کیونکہ کم از کم دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں۔ اس لیے نہیں کہ یہ بہتر ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اگر دو دو رکعت پڑھے گا تو حدیث میں آیا ہے کہ جب تو صبح ہونے سے ڈرے تو ایک رکعت پڑھ لے صبح ہونے کا ڈر دو رکعت پڑھنے کے بعد پیدا ہوا ہے یا پہلے ؟ اگر یہ ڈر دو رکعتیں پڑھنے کے بعد پیدا ہوا ہے تو ایک وتر پڑھنا ثابت ہو جائے گا اور اگر یہ ڈر دو رکعت پڑھنے سے پہلے پیدا ہوا ہے تو وتر واجب نہیں رہے گا۔ کیونکہ اس نے نیا شروع کیا ہے اور یہ حنفیوں کے خلاف ہے کیونکہ وہ وتر کو واجب کہتے ہیں اور وتر کے واجب ہونے کے لئے پہلے نیت ہونی چاہیے کہ میں نے واجب ادا کرنا ہے۔ اگر نفل کی نیت کی ہو تو واجب ادا نہیں ہو سکتا لہذا یہ حدیث حنفیوں کے بالکل خلاف ہے۔

"قوله وهو علی المنبر" اس سے باب سے تعلق ہو جاتا ہے کیونکہ جب آپ منبر پر تشریف فرما ہوئے تو لوگ آپ کے گرد حلقوں کی صورت میں بیٹھے ہوں گے۔

قوله و قال الولید بن کثیر یہ معلق روایت مسلم میں مسند مروی ہے اور اس میں صراحت ہے کہ سائل کا جواب مسجد میں پیش آیا تھا۔

بَابُ الِاسْتِلْقَاءِ فِي الْمَسْجِدِ وَمَدِّ الرِّجْلِ:

باب: مسجد میں چت لیٹنا کیسا ہے؟

٤٧٥ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَبَّادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، «أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا

[1] النساء:٣

شرح بخاری

إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى»، وَعَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، قَالَ: كَانَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا امام مالک کے واسطہ سے، انہوں نے ابن شہاب زہری سے، انہوں نے عباد بن تمیم سے، انہوں نے اپنے چچا (عبداللہ بن زید بن عاصم مازنی رضی اللہ عنہ) سے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چت لیٹے ہوئے دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا ایک پاؤں دوسرے پر رکھے ہوئے تھے۔ ابن شہاب زہری سے مروی ہے، وہ سعید بن مسیب سے روایت کرتے ہیں کہ عمر اور عثمان رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح لیٹتے تھے۔

یعنی مسجد میں ایک پاؤں پر دوسرا پاؤں رکھ کر لیٹنا جائز ہے لیکن یہ حدیث بظاہر دوسری حدیث کے معارض ہے جو مسلم میں حضرت جابر سے مروی ہے "نهي رسول الله ﷺ أن يرفع الرجل إحدى رجليه على الأخرى وهو مستلق على ظهره[1]" بعض کہتے ہیں کہ نہی کی حدیث منسوخ ہے یا جواز آپ کے ساتھ خاص ہے یا ممانعت تب ہے جبکہ شرمگاہ کے ننگا ہونے کا ڈر ہو اور جب یہ احتمال نہ ہو تو جائز ہے اور خصوصیت کا دعویٰ محض احتمال سے ثابت نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی احتمالات سے کسی چیز کا نسخ ثابت ہو سکتا ہے۔



قوله كان عمر و عثمان يفعلان ذلك اور ان کا فعل نسخ کے دعوے کی تردید کرتا ہے اور جواز کی تائید کرتا ہے۔

شلوار یا پاجامہ پہنا ہو تو ایسے لیٹنے سے برہنہ ہونے کا ڈر نہیں ہوتا۔ ہاں چادر پہنی ہو تو ننگا ہونے کا احتمال ہوتا ہے لہذا جواز کی حدیث پہلی صورت پر اور ممانعت کی حدیث دوسری صورت پر محمول ہوگی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ مسجد میں جس حالت پر چاہے لیٹ سکتا ہے لیکن منہ کے بل لیٹنے کی ممانعت آئی ہے اور اسے ضجعة يبغضها الله[2] کہا گیا ہے جیسا کہ ابو داؤد اور نسائی وغیرہ میں ہے۔

شرح بخاری

٨٦- بَابُ الْمَسْجِدِ يَكُونُ فِي الطَّرِيقِ مِنْ غَيْرِ ضَرَرٍ بِالنَّاسِ:

باب: عام راستوں پر مسجد بنانا جب کہ کسی کو اس سے نقصان نہ پہنچے (جائز ہے)

وَبِهِ قَالَ الْحَسَنُ، وَأَيُّوبُ وَمَالِكٌ.

اور امام حسن (بصریؒ) اور ایوب اور امام مالک رحمہ اللہ نے بھی یہی کہا ہے۔



٤٧٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: «لَمْ أَعْقِلْ أَبَوَيَّ إِلَّا وَهُمَا يَدِينَانِ الدِّينَ، وَلَمْ يَمُرَّ عَلَيْنَا يَوْمٌ إِلَّا يَأْتِينَا فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَرَفَيِ النَّهَارِ بُكْرَةً وَعَشِيَّةً، ثُمَّ بَدَا لِأَبِي بَكْرٍ فَابْتَنَى مَسْجِدًا







[1] مسلم رقم ۲۰۹۹ ج ۳ ص ۱۶۶۱۔

[2] سنن ابو داود ۵۰۴۰، ج ۴ ص ۳۰۹ جہ ۳۷۲۳ ج ۲ ص ۱۲۲۷۔

بِفِنَاءِ دَارِهِ، فَكَانَ يُصَلِّي فِيهِ وَيَقْرَأُ الْقُرْآنَ، فَيَقِفُ عَلَيْهِ نِسَاءُ الْمُشْرِكِينَ وَأَبْنَاؤُهُمْ يَعْجَبُونَ مِنْهُ وَيَنْظُرُونَ إِلَيْهِ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ رَجُلًا بَكَّاءً لَا يَمْلِكُ عَيْنَيْهِ إِذَا قَرَأَ الْقُرْآنَ، فَأَفْزَعَ ذَلِكَ أَشْرَافَ قُرَيْشٍ مِنَ الْمُشْرِكِينَ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے عقیل کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب زہری سے، انہوں نے کہا مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ میں نے جب سے ہوش سنبھالا تو اپنے ماں باپ کو مسلمان ہی پایا اور ہم پر کوئی دن ایسا نہیں گزرا جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح وشام دن کے دونوں وقت ہمارے گھر تشریف نہ لائے ہوں۔ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سمجھ میں ایک ترکیب آئی تو انہوں نے گھر کے سامنے ایک مسجد بنالی، وہ اس میں نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے۔ مشرکین کی عورتیں اور ان کے بچے وہاں تعجب سے سنتے اور کھڑے ہو جاتے اور آپ کی طرف دیکھتے رہتے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے رونے والے آدمی تھے۔ جب قرآن کریم پڑھتے تو آنسوؤں پر قابو نہ رہتا، قریش کے مشرک سردار اس صورت حال سے گھبرا گئے۔

شرح بخاری

حافظ نے مازری سے نقل کیا ہے کہ اپنی ملکیت میں مسجد بنانا بالاتفاق جائز ہے۔ اور غیر کے ملک میں مسجد بنانا بالاتفاق منع ہے۔ اور مباحات یعنی راستوں میں مسجد بنانا جائز ہے بشرطیکہ وہ دوسروں کی تکلیف کا باعث نہ بنے۔ ربیعہ وغیرہ نے اس سے منع کیا ہے اس لیے امام بخاری یہ باب لا کر ان کا رد کرنا چاہتے ہیں اور بخاری رحمہ اللہ کا استدلال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے واقعہ سے ہے کہ انہوں نے مکہ میں اپنے گھر کے پاس مسجد بنائی تھی۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس ہر روز صبح وشام تشریف لاتے تھے لیکن آپ نے ابوبکر صدیق کے اس عمل پر کوئی انکار نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وسیع روڈ پر مسجد بنائی جاسکتی ہے جبکہ کسی کے لئے اذیت کا باعث نہ ہو۔

"قوله وبه قال الحسن و ايوب و مالك" حالانکہ اس کے جواز کا قول جمہور علماء کا ہے تو چونکہ حسن بصری اور ایوب اور امام مالک سے اس کی صراحت آئی ہے اس لیے انہیں خاص کر کے ذکر کیا ہے۔

"قوله أن عائشة زوج النبي ﷺ قالت: لم أعقل "اى لم أعرف أبوى إلا وهما يدينان الدين"۔

٨٧۔ بَابُ الصَّلَاةِ فِي مَسْجِدِ السُّوقِ:

باب: بازار کی مسجد میں نماز پڑھنا

وَصَلَّى ابْنُ عَوْنٍ فِي مَسْجِدٍ فِي دَارٍ يُغْلَقُ عَلَيْهِمُ الْبَابُ.

اور عبداللہ بن عون نے ایک ایسے گھر کی مسجد میں نماز پڑھی جس کے دروازے عام لوگوں پر بند کئے گئے تھے۔

٤٧٧۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «صَلَاةُ الْجَمِيعِ تَزِيدُ عَلَى صَلَاتِهِ

فِي بَيْتِهِ، وَصَلَاتِهِ فِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ دَرَجَةً. فَإِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ وَأَتَى الْمَسْجِدَ لَا يُرِيدُ إِلَّا الصَّلَاةَ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رَفَعَهُ اللَّهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ خَطِيئَةً حَتَّى يَدْخُلَ الْمَسْجِدَ. وَإِذَا دَخَلَ الْمَسْجِدَ كَانَ فِي صَلَاةٍ مَا كَانَتْ تَحْبِسُهُ وَتُصَلِّي يَعْنِي عَلَيْهِ الْمَلَائِكَةُ مَا دَامَ فِي مَجْلِسِهِ الَّذِي يُصَلِّي فِيهِ. اللَّهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ فِيهِ»۔

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے ابومعاویہ نے اعمش کے واسطہ سے، انہوں نے ابوصالح ذکوان سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے میں گھر کے اندر یا بازار (دوکان وغیرہ) میں نماز پڑھنے سے پچیس گنا ثواب زیادہ ملتا ہے۔ کیونکہ جب کوئی شخص تم میں سے وضو کرے اور اس کے آداب کا لحاظ رکھے پھر مسجد میں صرف نماز کی غرض سے آئے تو اس کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک درجہ اس کا بلند کرتا ہے اور ایک گناہ اس سے معاف کرتا ہے۔ اس طرح وہ مسجد کے اندر آئے گا۔ مسجد میں آنے کے بعد جب تک نماز کے انتظار میں رہے گا۔ اسے نماز ہی کی حالت میں شمار کیا جائے گا اور جب تک اس جگہ بیٹھا ہے جہاں اس نے نماز پڑھی ہے تو فرشتے اس کے لیے رحمت خداوندی کی دعائیں کرتے ہیں «اللھم اغفرلہ، اللھم ارحمہ» اے اللہ! اس کو بخش دے، اے اللہ! اس پر رحم کر۔ جب تک کہ ریح خارج کر کے (وہ فرشتوں کو) تکلیف نہ دے۔



یعنی بازار میں بنائی ہوئی مسجد کا حکم کیا ہے؟ مسجد سے مراد یا تو لغوی معنی ہے یعنی بازار میں سجدہ گاہ اور نماز کے لئے بنائی ہوئی جگہ مراد ہے۔ تو کیا بازار کے اندر ایسی جگہ میں نماز ہو جائے گی؟ حالانکہ بازار کو حدیث میں "شر البقاع" کہا گیا ہے اور مسجد کو "خیر البقاع[1]" قرار دیا گیا ہے۔ اس سے وہم پڑتا ہے کہ شاید بازار میں نماز پڑھنا جائز نہ ہو، عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چونکہ بازار میں شور و شغب ہوتا ہے جو خشوع و خضوع کے منافی ہے اس لیے وہم پڑتا ہے کہ شاید بازار میں نماز پڑھنا جائز نہ ہو اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ یہ باب لا کر بتانا چاہتے ہیں کہ بازار میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

اگر شرعی معنی مراد ہو تو حدیث میں آنے والا "مسجد" کا لفظ عام ہے اور عام میں بازار، غیر بازار کی مسجد داخل ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جب بازار میں نماز جائز ہے تو وہاں مسجد بنانا بھی جائز ہے کیونکہ سوق اور بازار میں پڑھی ہوئی نماز اور مسجد کی نماز کا تفاضل بیان کیا گیا ہے۔ اور تفاضل تب ہی ہو سکتا ہے جبکہ نماز درست ہو اور اگر بازار میں نماز جائز نہ ہو تو تفاضل درست نہیں ہوگا۔

کرمانی نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کا مقصد حنفیہ کا رد ہے جو دار محجوبہ کی مسجد میں نماز کو مکروہ سمجھتے ہیں کیونکہ اس میں اذن عام نہیں ہوتا اسی طرح بازار کی مسجد بھی دکانداروں کے لئے ہوتی ہے اس میں اذن عام نہیں ہوتا لہٰذا اس کا حکم



[1] صحیح ابن حبان ۱۵۹۹ ج ۴ ص ۴۷۶، مسلم ۶۷۱ ج ۱ ص ۴۶۴۔

مسجد کا نہیں اس میں بیع وشراء جائز ہے۔ بخاری رحمہ اللہ اسکا رد کرنا چاہتے ہیں کہ مسجد کے لئے اذن عام کوئی ضروری نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بازار میں نماز جائز ہے اور جبکہ بازار میں انفرادی طور پر نماز ہو جاتی ہے تو اس میں مسجد بنا کر نماز باجماعت بھی جائز ہے۔

قوله وصلي ابن عون فی مسجد فی دار یغلق علیهم الباب اس سے مقصود یہ ہے کہ جو جگہ محجوب ہو وہاں مسجد بنائی جاسکتی ہے اگرچہ اذن عام نہیں جیسا کہ عبداللہ بن عون نے ایسی مسجد میں نماز پڑھی جو ایک حویلی کے اندر تھی اور اس کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا مطلب یہ ہے کہ اذن عام نہیں تھا۔ یہ اثر اس مناسبت کے لئے لائے ہیں۔

اور حدیث مذکور میں مسجد میں اور بازار اور گھر میں نماز پڑھنے کا تفاضل بیان کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوا کہ بازار میں نماز ہو جاتی ہے جب نماز ہو جاتی ہے تو وہاں مسجد بھی بن سکتی ہے جب وہاں مسجد بن جائے گی تو وہ جگہ شر البقاع نہیں رہے گی بلکہ خیر البقاع بن جائے گی بخاری آگے جا کر ذکر کریں گے کہ اکیلے کی نماز اور نماز باجماعت میں پچیس درجے کا تفاوت ہے اس سے معلوم ہوا کہ اکیلے کی نماز ہو جائے گی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک نماز باجماعت پڑھنا فرض ہے اور اس کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ نماز باجماعت فرض مستقل ہو دوسرا یہ کہ فرض بھی ہو اور شرط بھی ہو اہل ظاہر کے نزدیک نماز باجماعت پڑھنا شرط ہے ہاں معذور شخص اس سے مستثنیٰ ہے اگر معذور نہیں تو اس کی اکیلے کی نماز نہیں ہو گی کیونکہ ان کے ہاں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا شرط ہے۔ اور جو علماء نماز باجماعت کو شرط نہیں بلکہ فرض کہتے ہیں ان کے نزدیک اکیلے کی نماز ہو جائے گی لیکن فرض چھوڑنے کی وجہ سے گناہگار ہو گا۔ کیونکہ ان کے نزدیک یہ مستقل فرض ہے امام احمد بن حنبل کا ایک قول یہ ہے کہ نماز باجماعت مستقل فرض ہے۔ مستقل فرض کہنے والوں کے نزدیک تفاضل درست ہے لیکن شرط کہا جائے تو تفاضل درست نہیں پھر یہ تاویل کرتے ہیں کہ یہ فرضی بات ہے فرضی کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک کی نماز درست ہو جائے تو باجماعت نماز پڑھنا پچیس حصے زیادہ ہے یہ مطلب نہیں کہ شرط نہ ہو بعض جگہ فرضی چیز بھی ہو جاتی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "لا صام من صام الدهر [1]" جو ہمیشہ روزے رکھے اسکا روزہ نہیں ہوتا۔ اور اسی حدیث میں ہے ہر مہینے میں تین روزے رکھنا صیام دھر ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ اگر بالفرض صیام الدھر جائز ہوں اور ان کا جتنا ثواب ہو گا اتنا ثواب ہر ماہ سے تین روزے رکھنے کا ہے یہ فرضی چیز ہے اور فرضی چیز شرطیت کے منافی نہیں ہے۔

قوله خمسًا وعشرين درجة حافظ رحمہ اللہ نے ان پچیس درجوں کی یہ توجیہ ذکر کی ہے کہ باجماعت نماز پڑھنے والا چونکہ پچیس کام کرتا ہے اس لیے پچیس درجے اجر حاصل کرتا ہے مثلاً وہ گھر سے وضوء کر کے آتا ہے اور اس کے ہر قدم پر نیکی لکھی جاتی ہے اور ہر قدم پر گناہ معاف ہوتا ہے جب مسجد میں داخل ہوتا ہے تو فرشتے اس کے لئے دعاء کرتے ہیں تحیۃ المسجد ادا کرتا ہے صف بندی کا اہتمام اس کے لئے باعث اجر بن جاتا ہے۔ اس طرح انہوں نے پچیس چیزیں ذکر کی ہیں جیسا کہ عنقریب آئیگا اور ایک حدیث میں ستائیس درجے کا ذکر آتا ہے تو یہ جہری نماز باجماعت

---

[1] صحیح بخاری، ۱۹۷۹ ج ۳ ص ۴۰

ادا کرنے میں ہے کیونکہ جہری نماز میں شامل ہونے والا قراءت سنتا اور آمین کہتا ہے اس لیے اس کی نماز ستائیس درجے ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ عنقریب یہ مسئلہ مفصل ذکر کیا جائے گا۔

۸۸۔ بَابُ تَشْبِيكِ الأَصَابِعِ فِي الْمَسْجِدِ وَغَيْرِهِ:

باب: مسجد وغیرہ میں ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کر کے قینچی کرنا درست ہے

مسجد یا غیر مسجد میں ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کرنے کا حکم کیا ہے؟ امام بخاری رحمہ اللہ اس کے جواز کے قائل ہیں لیکن ابوداؤد اور مصنف ابن ابی شیبہ میں اس کے خلاف حدیث آتی ہے سنن ابی داود میں کعب بن عجرہ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ إذا توضأ أحدكم ثم خرج عامدًا إلي المسجد فلا يشبكن يديه فانه فى صلوة[1]۔ لیکن اس حدیث کی سند میں اختلاف ہے جس کی وجہ سے بعض نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "إذا صلي أحدكم فلا يشبكن بين أصابعه فان التشبيك من الشيطان وإن أحدكم لا يزال فى صلوة مادام فى المسجد حتى يخرج منه[2]"۔ لیکن اس کی سند میں بھی ضعیف اور مجہول راوی ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے لہذا یہ ضعیف روایات صحیح احادیث کے مقابلہ میں نہیں آ سکتیں یا ان سے بے فائدہ تشبیک کرنے سے روکا گیا ہے جبکہ ضرورت کے لئے اور کسی مسئلہ یا مثال کی وضاحت کے لئے تشبیک کی جا سکتی ہے۔ یا نماز کے لئے آمد کے وقت تشبیک سے روکا گیا ہے کوئی مسئلہ سمجھانے کے لئے جائز ہے۔



۴۷۸۔ ۴۷۹۔ حَدَّثَنَا حَامِدُ بْنُ عُمَرَ، عَنْ بِشْرٍ حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، حَدَّثَنَا وَاقِدٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَوِ ابْنِ عَمْرٍو، «شَبَّكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَابِعَهُ».

ہم سے حامد بن عمر نے بشر بن مفضل کے واسطہ سے بیان کیا، کہا ہم سے عاصم بن محمد نے، کہا ہم سے واقد بن محمد نے اپنے باپ محمد بن زید کے واسطہ سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر یا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا۔

۴۸۰۔ وَقَالَ عَاصِمُ بْنُ عَلِيٍّ: حَدَّثَنَا عَاصِمُ بْنُ مُحَمَّدٍ، سَمِعْتُ هَذَا الْحَدِيثَ مِنْ أَبِي فَلَمْ أَحْفَظْهُ فَقَوَّمَهُ لِي وَاقِدٌ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي وَهُوَ يَقُولُ: قَالَ عَبْدُ اللَّهِ قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا عَبْدَ اللَّهِ بْنَ عَمْرٍو كَيْفَ بِكَ إِذَا بَقِيتَ فِي حُثَالَةٍ مِنَ النَّاسِ بِهَذَا.

اور عاصم بن علی نے کہا، ہم سے عاصم بن محمد نے بیان کیا کہ میں نے اس حدیث کو اپنے باپ محمد بن زید



[1] سنن ابی داؤد ۵۶۲ ج ۱ ص ۱۵۴۔

[2] مصنف ابن ابی شیبہ ۴۸۲۴ ج ۱ ص ۴۱۹۔

سے سنا۔ لیکن مجھے حدیث یاد نہیں رہی تھی۔ تو میرے بھائی واقد نے اس کو درستی سے اپنے باپ سے روایت کر کے مجھے بتایا۔ وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو تمہارا کیا حال ہوگا جب تم برے لوگوں میں رہ جاؤ گے اس طرح (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ میں کر کے دکھلائیں)۔

"قوله كيف بك إذا بقيت"۔ یعنی نبی اکرم ﷺ نے اپنے ہاتھوں کی انگلیوں کو قینچی کر کے بتایا کہ تیرا اسوقت کیا حال ہوگا جبکہ لوگ اس طرح گتھم گتھا ہو جائیں گے۔

٤٨١ ۔ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ عَنْ جَدِّهِ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنَّ الْمُؤْمِنَ لِلْمُؤْمِنِ كَالْبُنْيَانِ يَشُدُّ بَعْضُهُ بَعْضًا، وَشَبَّكَ أَصَابِعَهُ».

ہم سے خلاد بن یحییٰ نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان ثوری نے ابی بردہ بن عبداللہ بن ابی بردہ سے، انہوں نے اپنے دادا (ابو بردہ) سے، انہوں نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے لیے عمارت کی طرح ہے کہ اس کا ایک حصہ دوسرے حصہ کو قوت پہنچاتا ہے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ہاتھ کی انگلیوں کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں داخل کیا۔

"قوله و شبك أصابعه"۔ نبی اکرم ﷺ نے اہل ایمان کے ایک دوسرے کے ساتھ شدت تعاون کو عمارت کے ساتھ تشبیہ دی اور یہ تشبیہ بالقول تھی اس کے ساتھ بالفعل اسکی وضاحت کرتے ہوئے اپنی انگلیوں کو قینچی کیا۔ تاکہ اس مثال کی خوب وضاحت ہو جائے کہ اہل ایمان کا ایک دوسرے سے تعاون انگلیوں کی تشبیک کی طرح ہے تو جیسا کہ انگلیاں متعدد ہونے کے باوجود ایک ہی اصل اور ایک ہی آدمی کی طرف لوٹتی ہیں ایسے ہی اہل ایمان مسلمان اگرچہ افراد کے اعتبار سے متعدد ہیں لیکن یہ سب ایک ہی اصل کی طرف لوٹتے ہیں اور وہ اصل آدم علیہ السلام ہیں۔

یہ حدیث اگرچہ مطلق ہے اور اس میں مسجد کا ذکر نہیں ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کا ترجمہ باب بھی عام ہے جو مسجد اور غیر مسجد دونوں صورتوں پر مشتمل ہے۔

٤٨٢ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ شُمَيْلٍ، أَخْبَرَنَا ابْنُ عَوْنٍ، عَنِ ابْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «صَلَّى بِنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِحْدَى صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ، قَالَ ابْنُ سِيرِينَ: سَمَّاهَا أَبُو هُرَيْرَةَ، وَلَكِنْ نَسِيتُ أَنَا، قَالَ: فَصَلَّى بِنَا رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ سَلَّمَ، فَقَامَ إِلَى خَشَبَةٍ مَعْرُوضَةٍ فِي الْمَسْجِدِ فَاتَّكَأَ عَلَيْهَا كَأَنَّهُ غَضْبَانُ، وَوَضَعَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى وَشَبَّكَ بَيْنَ أَصَابِعِهِ، وَوَضَعَ خَدَّهُ الْأَيْمَنَ عَلَى ظَهْرِ كَفِّهِ الْيُسْرَى، وَخَرَجَتِ السَّرَعَانُ مِنْ أَبْوَابِ الْمَسْجِدِ، فَقَالُوا: قَصُرَتِ الصَّلَاةُ وَفِي

الْقَوْمِ أَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، فَهَابَا أَنْ يُكَلِّمَاهُ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ فِي يَدَيْهِ طُولٌ يُقَالُ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَنَسِيتَ أَمْ قَصُرَتِ الصَّلَاةُ؟، قَالَ: لَمْ أَنْسَ وَلَمْ تُقْصَرْ، فَقَالَ: أَكَمَا يَقُولُ ذُو الْيَدَيْنِ، فَقَالُوا: نَعَمْ، فَتَقَدَّمَ فَصَلَّى مَا تَرَكَ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، ثُمَّ كَبَّرَ وَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ وَكَبَّرَ، فَرُبَّمَا سَأَلُوهُ ثُمَّ سَلَّمَ فَيَقُولُ: نُبِّئْتُ أَنَّ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ، قَالَ: ثُمَّ سَلَّمَ»۔

ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، کہا ہم سے نضر بن شمیل نے، انہوں نے کہا کہ ہمیں عبد اللہ ابن عون نے خبر دی، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دوپہر کے بعد کی دو نمازوں میں سے کوئی نماز پڑھائی۔ (ظہر یا عصر کی) ابن سیرین نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس کا نام تو لیا تھا۔ لیکن میں بھول گیا۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دو رکعت نماز پڑھا کر سلام پھیر دیا۔ اس کے بعد ایک لکڑی کی لاٹھی سے جو مسجد میں رکھی ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا کر کھڑے ہو گئے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے آپ بہت ہی خفا ہوں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھا اور ان کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں داخل کیا اور آپ نے اپنے دائیں رخسار مبارک کو بائیں ہاتھ کی ہتھیلی سے سہارا دیا۔ جو لوگ نماز پڑھ کر جلدی نکل جایا کرتے تھے وہ مسجد کے دروازوں سے پار ہو گئے۔ پھر لوگ کہنے لگے کہ کیا نماز کم کر دی گئی ہے۔ حاضرین میں ابوبکر اور عمر (رضی اللہ عنہما) بھی موجود تھے۔ لیکن انہیں بھی آپ سے بولنے کی ہمت نہ ہوئی۔ انہیں میں ایک شخص تھے جن کے ہاتھ لمبے تھے اور انہیں ذوالیدین کہا جاتا تھا۔ انہوں نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے یا نماز کم کر دی گئی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہ میں بھولا ہوں اور نہ نماز میں کوئی کمی ہوئی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں سے پوچھا۔ کیا ذوالیدین صحیح کہہ رہے ہیں۔ حاضرین بولے کہ جی ہاں! یہ سن کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور باقی رکعتیں پڑھیں۔ پھر سلام پھیرا پھر تکبیر کہی اور سہو کا سجدہ کیا۔ معمول کے مطابق یا اس سے بھی لمبا سجدہ۔ پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی۔ پھر تکبیر کہی اور دوسرا سجدہ کیا۔ معمول کے مطابق یا اس سے بھی طویل پھر سر اٹھایا اور تکبیر کہی، لوگوں نے بار بار ابن سیرین سے پوچھا کہ کیا پھر سلام پھیرا تو وہ جواب دیتے کہ مجھے خبر دی گئی ہے کہ عمران بن حصین کہتے تھے کہ پھر سلام پھیرا۔





عشی کا وقت زوال شمس سے غروب شمس تک ہوتا ہے اور دو نمازوں سے ظہر یا عصر کی نماز مراد ہے۔

"قوله فقام إلى خشبة معروضة" اس حدیث میں مسجد میں تشبیک کے جواز کا ذکر ہے اور جب مسجد میں جائز

ہے تو غیر مسجد میں بالاؤلی جائز ہے اور معروضہ سے مراد عرض کے طور پر پڑی ہوئی لکڑی ہے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ یہ "حنانہ" تھا جسے دفن کر دیا گیا تھا اور اس کا ایک سرا ننگا تھا۔ گویا یہ واقعہ دفن کرنے سے بعد کا ہے اور اس وقت منبر بنالیا گیا تھا۔ اور اگر منبر پہلے ہو تو مطلب یہ ہے کہ یہ واقعہ منبر بنانے سے پہلے کا ہے۔ اور منبر کا ذکر ۵ھ میں آتا ہے اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں اسلام لائے ہیں، اور لکڑی کا سرا ننگا ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ منبر بنانے کے فوراً بعد یہ واقعہ پیش آگیا ہو بلکہ ہو سکتا ہے کہ مدت کے بعد پیش آیا ہو۔ کیونکہ اس کے سرے کا ننگا ہونا ے کے بعد بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس وقت آپ نے اس پر ٹیک لگائی ہو۔ اور یہ کہنا کہ یہ واقعہ منبر بنانے سے پہلے کا ہے درست نہیں ہے۔ یہ درست تب ہو سکتا ہے کہ وہ لکڑی ساری کی ساری ابھی دفن نہ ہوئی ہو، پھر ان کا استدلال ہو سکتا ہے۔ اگر قاضی عیاض کے بقول کچھ حصہ ننگا ہو تو پھر یہ استدلال درست نہیں ہے جو حنفی کرتے ہیں۔ پھر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر نے کہا ہے "ما كنت معنا يا أبا هريرة" لیکن یہ روایت ضعیف ہے۔ مسلم میں ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ کی تصریح آتی ہے "بينما أنا أصلي خلف النبي ﷺ[1]" حنفی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے صلّٰی بنا کہا تھا جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے صحابہ کرام کو جماعت کرائی۔ راوی نے سمجھا کہ ابوہریرۃ بھی شامل تھے لہذا کسی راوی نے بينما أنا أصلي کہہ دیا ہے حالانکہ یہ ان کا احتمال ہے اور حدیث کو احتمالات سے تو رد نہیں کیا جا سکتا۔ اس قسم کے شبہات چکڑالوی احادیث میں ڈالا کرتے ہیں اپنا مذہب ثابت کرنے کے لئے ایسا تکلف نہیں کرنا چاہیئے۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایسے لوگوں سے بھی احادیث وارد ہیں جو قطعاً متاخر الاسلام تھے۔ انہوں نے بھول کر یا جہالت کی وجہ سے نماز میں کلام کی۔ لیکن آپ نے ان کی نماز کو باطل قرار نہیں دیا۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے ایک شخص مسلمان ہوا آپ نے اسے اسلامی آداب سکھاتے ہوئے فرمایا کہ جب چھینک آئے تو "الحمد لله" کہنا چاہیئے اور اگر کسی دوسرے کو چھینک آئے اور وہ الحمد للہ کہے تو آپ اسے "یرحمك الله" کہیں۔ اسے ایسے معاشرتی مسائل سکھا دیئے، اس کے بعد ایک موقع آیا کہ کسی نمازی کو چھینک آئی؛ اس نے الحمد للہ کہا تو اس نے اسے نماز میں یرحمك الله کہہ دیا، حالانکہ یہ کلام الناس ہے جو نماز میں مناسب نہیں تھی۔ لوگ اس کی طرف ترچھی نگاہ سے دیکھنے لگے۔ اس نے کہا "مالكم تنظرون إلي[2]" لوگوں نے رانوں پر ہاتھ مار کر اسے روکنا چاہا کہتا ہے کہ میں نے بولنے کا ارادہ کیا لیکن خاموش رہا۔ بعد میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہوا تو آپ نے اسے سمجھایا کہ نماز میں بولنا اور کلام کرنا جائز نہیں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کرنا منع ہو چکا تھا۔ لیکن آپ نے اس کی نماز کو باطل قرار نہیں دیا۔ کیونکہ اس نے جہالت کی وجہ سے کلام کی تھی۔ اسی کی بنیاد پر شافعی کہتے ہیں کہ بھول کر یا جہالت کی بنا پر بات کر لے تو نماز ہو جاتی ہے لیکن اگر نماز کی مصلحت کے بغیر عمداً کلام کرے تو نماز باطل ہو گی۔

"قوله يقال له ذواليدين" حنفی کہتے ہیں، ذوالیدین اور ذوالشمالین ایک ہی شخص ہے۔ زہری کی روایت میں

---

[1] مسلم ۵۷۳ ج ۱ ص ۴۰۴۔

[2] ابوداود رقم ۹۳۱ ج ۱ ص ۲۴۵، مسلم ۵۳۷ ج ۱ ص ۳۸۱

ذوالشمالین آیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ایک ہی شخص کے دو لقب ہیں۔ نام میں بھی اختلاف ہے کسی روایت میں "خرباق" اور کہیں "عمیر" آتا ہے اس کے باپ کے نام میں بھی اختلاف ہے کہیں عمرو آتا ہے اور کہیں "عبد عمرو" آتا ہے۔ اس کی نسبت میں بھی اختلاف آتا ہے کہیں خزاعی اور کہیں سلمی آتا ہے بعض کہتے ہیں کہ سلیم بن ملکان۔ خزاعہ کی شاخ تھی اس لیے یہ کوئی اختلاف نہیں ہے۔

جبکہ شافعی کہتے ہیں کہ یہ دو آدمی ہیں باقی زہری کی روایت میں جو ذوالشمالین آیا ہے کہتے ہیں کہ یہ زہری کی غلطی ہے اس نے ذوالیدین کی بجائے ذوالشمالین کہہ دیا ہے لیکن نسائی میں اس کی متابعت موجود ہے لہذا غلطی کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے اصل بات یہ ہے کہ ذوالشمالین جنگ بدر میں شہید ہوگیا تھا اور ذوالیدین کو ذوالشمالین بھی کہتے تھے جو زہری کی روایت میں آیا ہے یہ ذوالیدین کو ہی ذوالشمالین کہا گیا ہے۔ یہ تطبیق زیادہ موزوں ہے جس کا حنفیہ کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔

چونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نماز میں موجود تھا لہذا یہ واقعہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں پیش آیا ہے۔ گویا یہ واقعہ کلام کی حرمت کے بعد کا ہے اور کلام کی حرمت جنگ بدر سے پہلے ہو چکی تھی کہ نماز میں کلام نہ کیا کرو۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آئے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جنگ بدر کی تیاری کر رہے تھے تو انہوں نے آپ کو نماز میں سلام کہا تو آپ نے جواب نہ دیا۔ اور سلام پھیرنے کے بعد فرمایا۔ "إن اللہ أحدث أن لا تتکلموا فی الصلوۃ[1]" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے زید بن ارقم کی حدیث پیش کی ہے وہ کہتے ہیں "کنا نتکلم خلف النبی ﷺ کان أحدنا یکلم صاحبه فی حاجته فنزلت "قوموا للہ قانتین" فأمرنا بالسکوت ونهینا عن الکلام[2]" یہ آیت سورہ بقرہ کی ہے جو بالاتفاق مدنی ہے لہذا اس آیت کے ساتھ جنگ بدر سے پہلے نماز میں کلام کی حرمت ہوئی ہے۔ اور یہ واقعہ بعد کا ہے دوسرے پہلے کا بناتے ہیں کیونکہ حدیث میں ذوالشمالین آیا ہے۔ اور وہ جنگ بدر میں شہید ہو چکا تھا لیکن اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ شہید ہونے والا ذوالشمالین الگ ہے اور اسے بھی ذوالشمالین کہا جاتا ہے یہ اس کے علاوہ ہے۔ کیونکہ حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں آپ کے پیچھے نماز پڑھ رہا تھا، بینما أنا أصلي مع النبی ﷺ[3] اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حاضری جنگ بدر کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اسکا کوئی معقول جواب نہیں ہے سوائے اس کے کہ حافظ نے یہ بات کہی ہے کہ ذوالیدین نے یہ حدیث آپ کی وفات کے بعد بیان کی ہے۔ عینی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ وہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ لیکن اس بات کا بھی جواب نہیں ہے کہ ذوالشمالین اسکا بھی نام تھا اور شہید ہونے والا ذوالشمالین اور تھا۔ ذوالیدین نہیں تھا۔ اسے روایت بالمعنی بنانا فضول بات ہے کیونکہ تائید میں عمری کی روایت پیش کرتے ہیں اور عمری ضعیف ہے۔



---

1. حم ۱۴۵۔
2. ترمذی ۴۰۵ ج ۱ ص ۵۲۳۔ بخاری ۴۵۳۴ ج ۶ ص ۳۰۔
3. حم ۹۴۴۴ ج ۱۵ ص ۲۶۳۔

قولہ نبئت أن عمران بن حصین قال ثم سلم مطلب یہ ہے کہ ابن سیرین سے سوال کیا گیا کہ کیا اس حدیث میں "ثم سلم" بھی ہے؟ توانہوں نے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اسکا ہونا مجھے یاد نہیں ہے اور مجھے یہ پتہ چلا ہے کہ عمران بن حصین نے "ثم سلم" ذکر کیا ہے۔

باقی یہ بات ہے کہ اگر یہ واقعہ کلام کی حرمت سے پہلے کا ہے تو پھر تو سجدہ سہو کرنے کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ کلام کرنا جائز تھا جیسا کہ آپ نے کیا اور جو ادھر ادھر گئے ہیں یہ بھی جائز تھا جیسا کہ صلوۃ خوف میں ہوتا ہے اگر یہ کہا جائے کہ درمیان میں فصل ہوگیا تھا کیونکہ ادھر ادھر گئے تھے اس لیے سجدہ سہو کیا تھا پھر تو صلوۃ خوف میں بھی سجدہ کرنا چاہیئے۔ یہاں نسیان بھی عذر ہے اور بھول کر ادھر ادھر ہوئے ہیں جیسا کہ احناف کے ہاں بھی اگر کسی کا وضوء ٹوٹ جائے تو وہ جاکر وضوء کرے اور واپس آکر نماز پر بنا کرسکتا ہے یہاں جانے اور آنے کی وجہ سے سجدہ سہو کے قائل نہیں ہیں یہ بات انہوں نے بنائی ہے کہ کلام کرنا اس وقت نماز میں جائز تھا حالانکہ نماز میں کلام حرام تھی لیکن چونکہ نسیاناً ہوئی تھی اس لیے آپ نے سجدہ سہو کا کیا۔ اس میں بھی اختلاف ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت ایک ہے یا دو روایات ہیں کیونکہ ان دونوں روایات میں کچھ اختلاف ہے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت میں آتا ہے کہ تین رکعتوں کے بعد سلام پھیرا تھا ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ دو رکعت کے بعد سلام پھیرا تھا اس لیے بعض کہتے ہیں کہ یہ دو واقعہ ہیں لیکن حافظ کی رائے یہ ہے کہ ایک ہی واقعہ ہے راویوں سے روایت کرنے میں کچھ تساہل ہوگیا ہے تین رکعت پر سلام پھیرنے سے مراد یہ ہے کہ تیسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے کے وقت آپ نے پڑھ کر سلام پھیرا۔ یہ معنی نہیں کہ تین رکعت پڑھ کر سلام پھیرا۔ یہ تطبیق دی ہے کیونکہ رواۃ سے اس طرح کا تسامح ہوجاتا ہے فیض الباری والے نے بھی تسلیم کیا ہے کہ حافظ کی بات درست ہے۔

٨٩-بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِي عَلَى طُرُقِ الْمَدِينَةِ وَالْمَوَاضِعِ الَّتِي صَلَّى فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ:

باب: ان مساجد کا بیان جو مدینہ کے راستے میں واقع ہیں اور وہ جگہیں جہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا فرمائی ہے

٤٨٣ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُضَيْلُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، قَالَ: «رَأَيْتُ سَالِمَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَتَحَرَّى أَمَاكِنَ مِنَ الطَّرِيقِ فَيُصَلِّي فِيهَا، وَيُحَدِّثُ أَنَّ أَبَاهُ كَانَ يُصَلِّي فِيهَا، وَأَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ»، وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي فِي تِلْكَ الْأَمْكِنَةِ، وَسَأَلْتُ سَالِمًا فَلَا أَعْلَمُهُ إِلَّا وَافَقَ نَافِعًا فِي الْأَمْكِنَةِ كُلِّهَا، إِلَّا أَنَّهُمَا اخْتَلَفَا فِي مَسْجِدٍ بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ.

ہم سے محمد بن ابی بکر مقدمی نے بیان کیا کہا ہم سے فضیل بن سلیمان نے، کہا ہم سے موسیٰ بن عقبہ

نے، کہا میں نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ وہ (مدینہ سے مکہ تک) راستے میں کئی جگہوں کو ڈھونڈھ کر وہاں نماز پڑھتے اور کہتے کہ ان کے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی ان مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مقامات پر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور موسیٰ بن عقبہ نے کہا کہ مجھ سے نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے متعلق بیان کیا کہ وہ ان مقامات پر نماز پڑھا کرتے تھے۔ اور میں نے سالم سے پوچھا تو مجھے خوب یاد ہے کہ انہوں نے بھی نافع کے بیان کے مطابق ہی تمام مقامات کا ذکر کیا۔ فقط مقام شرف روحاء کی مسجد کے متعلق دونوں نے اختلاف کیا۔

٤٨٤ ـ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ الْحِزَامِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللَّهِ أَخْبَرَهُ «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي الْحُلَيْفَةِ حِينَ يَعْتَمِرُ وَفِي حَجَّتِهِ حِينَ حَجَّ تَحْتَ سَمُرَةٍ فِي مَوْضِعِ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِذِي الْحُلَيْفَةِ، وَكَانَ إِذَا رَجَعَ مِنْ غَزْوٍ كَانَ فِي تِلْكَ الطَّرِيقِ أَوْ حَجٍّ أَوْ عُمْرَةٍ هَبَطَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ، فَإِذَا ظَهَرَ مِنْ بَطْنِ وَادٍ أَنَاخَ بِالْبَطْحَاءِ الَّتِي عَلَى شَفِيرِ الْوَادِي الشَّرْقِيَّةِ فَعَرَّسَ، ثَمَّ حَتَّى يُصْبِحَ لَيْسَ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِحِجَارَةٍ وَلَا عَلَى الْأَكَمَةِ الَّتِي عَلَيْهَا الْمَسْجِدُ كَانَ، ثَمَّ خَلِيجٌ يُصَلِّي عَبْدُ اللَّهِ عِنْدَهُ فِي بَطْنِهِ كُثُبٌ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثَمَّ يُصَلِّي فَدَحَا السَّيْلُ فِيهِ بِالْبَطْحَاءِ حَتَّى دَفَنَ ذَلِكَ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ عَبْدُ اللَّهِ يُصَلِّي فِيهِ.



ہم سے ابراہیم بن المنذر حزامی نے بیان کیا، کہا ہم سے انس بن عیاض نے، کہا ہم سے موسیٰ بن عقبہ نے نافع سے، ان کو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عمرہ کے قصد سے تشریف لے گئے اور حجۃ الوداع کے موقعہ پر جب حج کے لیے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذوالحلیفہ میں قیام فرمایا۔ ذوالحلیفہ کی مسجد کے قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ببول کے درخت کے نیچے اترے اور جب آپ کسی جہاد سے واپس ہوتے اور راستہ ذوالحلیفہ سے ہو کر گزرتا یا حج یا عمرہ سے واپسی ہوتی تو آپ وادی عتیق کے نشیبی علاقہ میں اترتے، پھر جب وادی کے نشیب سے اوپر چڑھتے تو وادی کے بالائی کنارے کے اس مشرقی حصہ پر پڑاؤ ہوتا جہاں کنکریوں اور ریت کا کشادہ نالا ہے۔ (یعنی بطحاء میں) یہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو صبح تک آرام فرماتے۔ یہ مقام اس مسجد کے قریب نہیں ہے جو پتھروں کی بنی ہے، آپ اس ٹیلے پر بھی نہیں ہوتے جس پر مسجد بنی ہوئی ہے۔ وہاں ایک گہرا نالہ تھا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہیں نماز پڑھتے۔ اس کے نشیب میں ریت کے ٹیلے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں نماز پڑھا کرتے تھے۔ کنکریوں اور ریت کے کشادہ نالہ کی طرف سے سیلاب نے آ



کر اس جگہ کے آثار ونشانات کو پاٹ دیا ہے، جہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نماز پڑھا کرتے تھے۔

٤٨٥ ۔ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى حَيْثُ الْمَسْجِدُ الصَّغِيرُ الَّذِي دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بِشَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَقَدْ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَعْلَمُ الْمَكَانَ الَّذِي كَانَ صَلَّى فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: ثَمَّ عَنْ يَمِينِكَ حِينَ تَقُومُ فِي الْمَسْجِدِ تُصَلِّي، وَذٰلِكَ الْمَسْجِدُ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ الْيُمْنَى وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَسْجِدِ الْأَكْبَرِ رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ أَوْ نَحْوُ ذٰلِكَ.

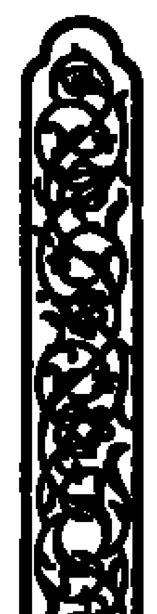
اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے یہ بھی بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ نماز پڑھی جہاں اب شرف روحاء کی مسجد کے قریب ایک چھوٹی مسجد ہے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس جگہ کی نشاندہی کرتے تھے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔ کہتے تھے کہ یہاں تمہارے دائیں طرف جب تم مسجد میں (قبلہ رو ہو کر) نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہو۔ جب تم (مدینہ سے) مکہ جاؤ تو یہ چھوٹی سی مسجد راستے کے دائیں جانب پڑتی ہے۔ اس کے اور بڑی مسجد کے درمیان ایک پتھر کی مار کا فاصلہ ہے یا اس سے کچھ کم زیادہ۔



٤٨٦ ۔ وَأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يُصَلِّي إِلَى الْعِرْقِ الَّذِي عِنْدَ مُنْصَرَفِ الرَّوْحَاءِ، وَذٰلِكَ الْعِرْقُ انْتِهَاءُ طَرَفِهِ عَلَى حَافَةِ الطَّرِيقِ دُونَ الْمَسْجِدِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمُنْصَرَفِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ، وَقَدِ ابْتُنِيَ ثَمَّ مَسْجِدٌ، فَلَمْ يَكُنْ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ يُصَلِّي فِي ذٰلِكَ الْمَسْجِدِ كَانَ يَتْرُكُهُ عَنْ يَسَارِهِ وَوَرَاءَهُ وَيُصَلِّي أَمَامَهُ إِلَى الْعِرْقِ نَفْسِهِ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوحُ مِنَ الرَّوْحَاءِ فَلَا يُصَلِّي الظُّهْرَ حَتَّى يَأْتِيَ ذٰلِكَ الْمَكَانَ فَيُصَلِّي فِيهِ الظُّهْرَ، وَإِذَا أَقْبَلَ مِنْ مَكَّةَ فَإِنْ مَرَّ بِهِ قَبْلَ الصُّبْحِ بِسَاعَةٍ أَوْ مِنْ آخِرِ السَّحَرِ عَرَّسَ حَتَّى يُصَلِّيَ بِهَا الصُّبْحَ.

شرح بخاری

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس چھوٹی پہاڑی کی طرف نماز پڑھتے جو روحاء کے آخر کنارے پر ہے اور یہ پہاڑی وہاں ختم ہوتی ہے جہاں راستے کا کنارہ ہے۔ اس مسجد کے قریب جو اس کے اور روحاء کے آخری حصے کے بیچ میں ہے مکہ کو جاتے ہوئے۔ اب وہاں ایک مسجد بن گئی ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس مسجد میں نماز نہیں پڑھتے تھے بلکہ اس کو اپنے بائیں طرف مقابل میں چھوڑ دیتے اور آگے بڑھ کر خود پہاڑی عرق الظبیہ کی طرف نماز پڑھتے تھے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب روحاء سے چلتے تو ظہر اس وقت تک نہ پڑھتے جب تک اس مقام پر نہ پہنچ جاتے۔ جب یہاں آجاتے تو ظہر پڑھتے، اور اگر مکہ سے آتے ہوئے صبح صادق سے تھوڑی دیر پہلے یا سحر کے آخر میں وہاں سے گزرتے تو صبح کی نماز تک وہیں آرام کرتے اور فجر کی نماز پڑھتے۔



۴۸۷ - وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ تَحْتَ سَرْحَةٍ ضَخْمَةٍ دُونَ الرُّوَيْثَةِ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ، وَوِجَاهَ الطَّرِيقِ فِي مَكَانٍ بَطْحٍ سَهْلٍ حَتَّى يُفْضِيَ مِنْ أَكَمَةٍ دُوَيْنَ بَرِيدِ الرُّوَيْثَةِ بِمِيلَيْنِ وَقَدِ انْكَسَرَ أَعْلَاهَا فَانْثَنَى فِي جَوْفِهَا وَهِيَ قَائِمَةٌ عَلَى سَاقٍ وَفِي سَاقِهَا كُثُبٌ كَثِيرَةٌ.

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم راستے کے دائیں طرف مقابل میں ایک گھنے درخت کے نیچے وسیع اور نرم علاقہ میں قیام فرماتے جو قریہ رویثہ کے قریب ہے۔ پھر آپ اس ٹیلہ سے جو رویثہ کے راستے سے تقریباً دو میل کے فاصلے پر ہے چلتے تھے۔ اب اس درخت کا اوپر کا حصہ ٹوٹ گیا ہے۔ اور درمیان میں سے دوہرا ہو کر جڑ پر کھڑا ہے۔ اس کی جڑ میں ریت کے بہت سے ٹیلے ہیں۔

۴۸۸ - وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي طَرَفِ تَلْعَةٍ مِنْ وَرَاءِ الْعَرْجِ، وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى هَضْبَةٍ عِنْدَ ذَلِكَ الْمَسْجِدِ قَبْرَانِ أَوْ ثَلَاثَةٌ عَلَى الْقُبُورِ رَضَمٌ مِنْ حِجَارَةٍ عَنْ يَمِينِ الطَّرِيقِ عِنْدَ سَلَمَاتِ الطَّرِيقِ، بَيْنَ أُولَئِكَ السَّلَمَاتِ كَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يَرُوحُ مِنَ الْعَرْجِ بَعْدَ أَنْ تَمِيلَ الشَّمْسُ بِالْهَاجِرَةِ فَيُصَلِّي الظُّهْرَ فِي ذَلِكَ الْمَسْجِدِ.



اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے یہ بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قریہ عرج کے قریب اس نالے کے کنارے نماز پڑھی جو پہاڑ کی طرف جاتے ہوئے پڑتا ہے۔ اس مسجد کے پاس دو یا تین قبریں ہیں، ان قبروں پر اوپر تلے پتھر رکھے ہوئے ہیں، راستے کے دائیں جانب ان بڑے پتھروں کے پاس جو راستے میں ہیں۔ ان کے درمیان میں ہو کر نماز پڑھی، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما قریہ عرج سے سورج ڈھلنے کے بعد چلتے اور ظہر اسی مسجد میں آ کر پڑھا کرتے تھے۔

۴۸۹ - وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَزَلَ عِنْدَ سَرَحَاتٍ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ فِي مَسِيلٍ دُونَ هَرْشَى ذَلِكَ الْمَسِيلُ لَاصِقٌ بِكُرَاعِ هَرْشَى بَيْنَهُ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ قَرِيبٌ مِنْ غَلْوَةٍ، وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ يُصَلِّي إِلَى سَرْحَةٍ هِيَ أَقْرَبُ السَّرَحَاتِ إِلَى الطَّرِيقِ وَهِيَ أَطْوَلُهُنَّ.

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے راستے کے بائیں طرف ان گھنے درختوں کے پاس قیام فرمایا جو ہرشی پہاڑ کے نزدیک نشیب میں ہیں۔ یہ ڈھلوان جگہ ہرشی کے ایک کنارے سے ملی ہوئی ہے۔ یہاں سے عام راستہ تک پہنچنے کے لیے تیر کی مار کا فاصلہ ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اس بڑے درخت کی طرف نماز پڑھتے تھے جو ان تمام درختوں میں راستے

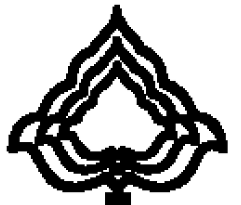


سے سب سے زیادہ نزدیک ہے اور سب سے لمبا درخت بھی یہی ہے۔

٤٩٠ ـ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ فِي الْمَسِيلِ الَّذِي فِي أَدْنَى مَرِّ الظَّهْرَانِ قِبَلَ الْمَدِينَةِ حِينَ يَهْبِطُ مِنَ الصَّفْرَاوَاتِ يَنْزِلُ فِي بَطْنِ ذٰلِكَ الْمَسِيلِ عَنْ يَسَارِ الطَّرِيقِ وَأَنْتَ ذَاهِبٌ إِلَى مَكَّةَ لَيْسَ بَيْنَ مَنْزِلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الطَّرِيقِ إِلَّا رَمْيَةٌ بِحَجَرٍ.

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس نالے میں اترا کرتے تھے جو وادی مرالظہران کے نشیب میں ہے۔ مدینہ کے مقابل جب کہ مقام صفراوات سے اترا جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس ڈھلوان کے بالکل نشیب میں قیام کرتے تھے۔ یہ راستے کے بائیں جانب پڑتا ہے جب کوئی شخص مکہ جارہا ہو (جس کو اب بطن مرو کہتے ہیں) راستے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی منزل کے درمیان صرف ایک پتھر ہی کے مار کا فاصلہ ہوتا۔

٤٩١ ـ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَنْزِلُ بِذِي طُوًى وَيَبِيتُ حَتَّى يُصْبِحَ يُصَلِّي الصُّبْحَ حِينَ يَقْدَمُ مَكَّةَ، وَمُصَلَّى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ لَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ، وَلٰكِنْ أَسْفَلَ مِنْ ذٰلِكَ عَلَى أَكَمَةٍ غَلِيظَةٍ.



اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مقام ذی طویٰ میں قیام فرماتے اور رات یہیں گزارا کرتے تھے اور صبح ہوتی تو نماز فجر یہیں پڑھتے۔ مکہ جاتے ہوئے۔ یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ ایک بڑے سے ٹیلے پر تھی۔ اس مسجد میں نہیں جو اب وہاں بنی ہوئی ہے بلکہ اس سے نیچے ایک بڑا ٹیلا تھا۔

٤٩٢ ـ وَأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَقْبَلَ فُرْضَتَيِ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجَبَلِ الطَّوِيلِ نَحْوَ الْكَعْبَةِ، فَجَعَلَ الْمَسْجِدَ الَّذِي بُنِيَ ثَمَّ يَسَارَ الْمَسْجِدِ بِطَرَفِ الْأَكَمَةِ، وَمُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْفَلَ مِنْهُ عَلَى الْأَكَمَةِ السَّوْدَاءِ تَدَعُ مِنَ الْأَكَمَةِ عَشَرَةَ أَذْرُعٍ أَوْ نَحْوَهَا، ثُمَّ تُصَلِّي مُسْتَقْبِلَ الْفُرْضَتَيْنِ مِنَ الْجَبَلِ الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَ الْكَعْبَةِ».

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے نافع سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پہاڑ کے دونوں کونوں کا رخ کیا جو اس کے اور جبل طویل کے درمیان کعبہ کی سمت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسجد کو جو اب وہاں تعمیر ہوئی ہے اپنی بائیں طرف کر لیتے ٹیلے کے کنارے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نماز پڑھنے کی جگہ اس سے نیچے سیاہ ٹیلے پر تھی ٹیلے سے تقریباً دس ہاتھ چھوڑ کر پہاڑ کی دونوں گھاٹیوں کی



طرف رخ کر کے نماز پڑھتے جو تمہارے اور کعبہ کے درمیان ہے۔

یعنی مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے راستے میں متعدد ایسی مسجدیں ہیں جہاں نبی اکرم ﷺ نے دوران سفر نمازیں ادا کی ہیں۔ اور بعض جگہیں ایسی بھی آتی ہیں جہاں مسجدیں نہیں لیکن آپ نے وہاں نماز پڑھی ہے۔ امام بخاری ایسے مقامات کو ذکر کرنا چاہتے ہیں شاید بخاری رحمہ اللہ کی بھی یہ رائے ہے کہ جو کام نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتفاقاً کئے ہیں ان کی تحری کرنا جائز ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ان کی تحری کرتے تھے کہ جس جگہ نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی وہاں وہ بھی نماز پڑھتے تھے اور جہاں آپ حاجت انسانی کے لئے بیٹھے وہاں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بھی بیٹھتے تھے اگرچہ حاجت نہ بھی ہوتی یہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کی دوران سفر عادت تھی لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اس سے روکا کرتے تھے ان کی رائے یہ تھی کہ اتفاقیات کی تحری نہیں کرنی چاہیئے ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ لوگ کہیں جارہے ہیں کہا کہاں جارہے ہو انہوں نے کہا وہاں جارہے ہیں جہاں نبی کریم علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا "إنما هلك الذين من قبلكم أنهم اتخذوا أثار أنبياءهم مساجد و بيعًا" اور انہیں روک دیا فرمایا ایسی تحری نہ کرو اگر کسی کو ایسی جگہ میں نماز کا وقت پالے تو پڑھ لے ورنہ قصداً تحری نہ کرو، کہ نماز کا وقت نہ ہوا ہو اور وہاں قصداً ٹھہر جائے کہ یہیں نماز پڑھ کے جاؤں گا۔ اس سے انہوں نے منع کر دیا۔ اسی لیے انہوں نے وہ درخت کٹوا دیا تھا جس کے نیچے آپ نے حدیبیہ میں بیعت لی تھی تاکہ لوگ اسے عبادت گاہ نہ بنالیں۔ لامع الدراری والا کہتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا مسلک وہابیوں والا تھا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا مسلک بریلویوں والا تھا اور ہمارا مسلک بین بین ہے ہم اوپر سے وہابی ہیں اور اندر سے بریلوی ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ وہابیوں والا ہے اور کام بریلویوں والے کرتے ہیں یہ اس نے عجیب بات کی ہے کہتا ہے کہ ہم عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی طرح تبرکات کے قائل ہیں حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے تو نبی اکرم ﷺ کے آثار کو تبرک بنایا ہے ایرے غیرے کے آثار کو انہوں نے تبرک نہیں بنایا نبی اکرم ﷺ کے تبرکات تو ثابت ہیں "الموافقات" میں ہے کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کسی اور سے تبرک حاصل نہیں کیا، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ تبرکات کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خاص سمجھتے تھے آپ ﷺ کی وفات کے بعد ترکِ تبرک پر اجماع سے معلوم ہوتا ہے کہ حصول تبرک نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھا، کسی غیر کا تبرک نہیں لیا جاسکتا کہ بزرگوں کی لاٹھی تبرک کے لئے لیے پھرے اور زیارت کرائے، کہتے ہیں کہ ایک آدمی سوال کرنے اور مانگنے کے لئے دلی گیا اسے کسی نے کچھ نہ دیا دوسرے نے اس سے کہا تجھے مانگنے کا طریقہ نہیں آتا میں مانگ کر دکھاتا ہوں جب مغرب کا وقت ہوا تو نماز پڑھ کر کھڑا ہو گیا کہنے لگا لوگو! سنو میرے پاس شاہ عبدالعزیز مرحوم کی لاٹھی ہے آؤ اس کی زیارت کرو، اور کپڑا بچھا کر کھڑا ہو گیا اور لاٹھی کی زیارت کرانے لگا لوگ لاٹھی دیکھتے اور چادر پر پیسے پھینکتے جاتے اس طرح اس نے کافی مقدار میں پیسے جمع کر لیے کہنے لگا تجھے جاچ ہی نہیں ہے مانگنے کی کوئی پکھنڈ کھڑا کرو تب کام ہوتا ہے۔

ان مقامات و مساجد کو ذکر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید بخاری رحمہ اللہ بھی نبی اکرم ﷺ کے آثار سے تبرکات





کے قائل ہوں گے جیسا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کمال درجے کی محبت تھی اور وہ آپ کے متبرک مقامات کی تحری کیا کرتے تھے۔ اب وہ آثار اکثر تو مٹ گئے ہیں چند مسجدیں موجود ہیں جہاں آپ نے نماز ادا کی ہے۔ اب ان کے ذکر کرنے کا فائدہ نہیں ہے بعض کہتے ہیں کہ انہیں ذکر کرنے کا فائدہ ہے کیونکہ شافعیوں کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص نذر مان لے کہ میں اس جگہ نماز پڑھوں گا جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی تھی تو وہ اپنی نذر پوری کر سکتا ہے کیونکہ نذر لازم ہو جاتی ہے جیسا کہ مساجد ثلاثہ (مسجد حرام، مسجد نبوی، مسجد اقصیٰ) میں نماز ادا کرنے کی نذر مان لے تو وہ لازم ہو جاتی ہے، ان کے علاوہ کسی مسجد کی نذر مان لے تو وہ لازم نہیں ہوتی کیونکہ ان تین کے علاوہ باقی تمام مساجد مساوی اور برابر ہیں امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی ایسا ہی خیال ہو گا ان کے خیال کے مطابق تو فائدہ ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر مکہ جانے کے لئے مدینہ سے ہفتہ کے دن روانہ ہوئے تھے جبکہ ذوالقعدہ کی چھبیس تاریخ تھی اور چار ذوالحجہ کو مکہ پہنچے تھے راستے میں سات منازل میں آپ نے قیام کیا تھا ان دنوں کی نمازیں پینتیس کے لگ بھگ بنتی ہیں جو آپ نے ادا کیں لیکن ان احادیث میں تھوڑی سی نمازوں کا ذکر ہے یہاں سات منزلوں کا ذکر ہے پہلی منزل ذوالحلیفہ ہے جہاں سے اہل مدینہ احرام باندھتے ہیں آگے شرف الروحاء ہے اس کے بعد رویثہ پھر عرج پھر ہرشی پھر ذوطویٰ آگے مکہ مکرمہ آجاتا ہے اس روایت میں اتنی منزلیں ذکر کی ہیں جہاں آپ نے نماز پڑھی ویسے بخاری نے یہاں روایات آٹھ ذکر کی ہیں لیکن منازل سات ہی ذکر ہوئی ہیں۔

"قوله حدثنا محمد بن أبي بكر المقدمي" اس روایت میں سالم بن عبداللہ حضرت عبداللہ بن عمر کے لڑکے ہیں اور اگلی روایت میں نافع ہیں جو عبداللہ بن عمر کے غلام تھے دونوں حافظ حدیث ہیں اگرچہ سالم أقویٰ ہے پہلی روایت میں موسیٰ بن عقبہ سے راوی فضیل بن سلیمان ہے اور دوسری میں اس سے روایت کرنے والا انس بن عیاض ہے یہ اس سے أحفظ ہے اس لیے اسکی روایت کو تفصیل سے ذکر کیا ہے قوله كان فى تلك الطريق "اى طريق ذى الحليفة"۔

قوله من بطن واد "اى وادى العقيق "قوله خليج اى وادله عمق قوله هبط من بطن واد "بطن وادی سے اترنے سے مراد وہاں سے چل پڑنا ہے۔

قوله أن عبدالله بن عمر سے پہلے ایک حدیث مکمل ہوگئی اور یہ دوسری حدیث ہے اور "أن ابن عمر كان يصلي إلي العرق" یہ تیسری روایت ہے جو کہ حتى يصلي بها الصبح پر مکمل ہوتی ہے آگے عبدالله بن عمر حدثه ان النبی ﷺ كان ينزل تحت سرحة ضخمة " یہ چوتھی حدیث ہے جو "كثب كثيرة پر مکمل ہوتی ہے آگے فى ذلك المسجد تک پانچویں روایت ہے اس کے بعد وأن عبدالله بن عمر حدثه سے وهي أطولهن تک چھٹی حدیث ہے آگے إلا رمية بحجر تک ساتویں روایت اور اس کے بعد آٹھویں حدیث ہے۔

قوله بشرف الروحاء یہ مدینہ منورہ سے دو راتوں کے فاصلے پر ایک جامع بستی ہے۔

قوله الرويثة یہ بھی قریۃ جامعہ ہے مدینہ اور اس کے درمیان سترہ فرسخ کا فاصلہ ہے۔

قوله العرج یہ بھی جامع بستی ہے اور اس کے اور رویثہ کے درمیان تیرہ میل کا فاصلہ ہے۔

قوله رضم ای الحجارة الكبار قوله عند سلمات ای الصخرات قوله مسیل ای المكان المنحدر قوله بكراع هرشی كراع کا معنی طرف ہے اور هرشی ایک پہاڑ ہے قوله من الصفراوات مكان بعد مر الظهران یہ مرالظہران کے بعد ایک جگہ ہے۔

أبواب سترة المصلي

۹۰-بَابُ سُتْرَةُ الإِمَامِ سُتْرَةُ مَنْ خَلْفَهُ:

باب: امام کا سترہ مقتدیوں کو بھی کفایت کرتا ہے

احکام مساجد کے بعد اب بخاری رحمہ اللہ سترہ کے مسائل شروع کرتے ہیں۔ نمازی کے آگے سترہ رکھنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ شیطان نماز میں اثر انداز نہیں ہوتا۔ ورنہ وہ اثر انداز ہو کر نماز کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے اور نماز میں بندے کا اللہ تعالیٰ کی ذات سے جو تعلق ہوتا ہے اس میں خلل پیدا کرتا ہے۔

اگر کوئی شئی نمازی کے آگے سے گذرے تو کیا نماز ٹوٹ جاتی ہے یا نہیں ؟اس میں اختلاف ہے جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک گدھا اور کتا نماز کو توڑ دیتے ہیں عورت کے گذرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی بعض اہل ظاہر بھی اسی کے قائل ہیں شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اسکو ترجیح دی ہے لیکن محلّی کے حاشیہ پر محمد شاکر باغندی کے حوالے سے ایک حدیث لکھی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قطع صلوۃ کا مسئلہ منسوخ ہو چکا ہے اور اس بارہ میں روایات میں اختلاف ہے بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے اور بعض میں ہے کہ نہیں ٹوٹتی۔ لہذا اس بارہ میں صحابہ کرام کے عمل کو دیکھنا چاہیئے اور صحابہ کرام کا طرز عمل بتاتا ہے کہ نماز نہیں ٹوٹتی ایک ضعیف روایت بھی آتی ہے "لا يقطع الصلوة شئ فادرؤا ما استطعتم[1]" اسے ابوداؤد نے ذکر کرنے کے بعد صحابہ کے اقوال نقل کئے ہیں کہ نماز نہیں ٹوٹتی انہوں نے اس حدیث کا کچھ اعتبار کیا ہو گا ورنہ دیگر علماء تو اس کا اعتبار نہیں کرتے شوکانی وغیرہ ٹوٹنے کے قائل ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ قطع صلوۃ سے مراد یہ ہے کہ بندے کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ ٹوٹ جاتا ہے کیونکہ شیطان نماز میں خلل انداز ہوتا ہے تاکہ نمازی کا اللہ تعالیٰ سے رابطہ پیدا نہ ہو اور سترے سے اسکو تکلیف ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک روحانی معاملہ ہے۔ جیسا کہ آجکل جنوں کا عمل کرنے والے ایک دائرہ کھینچ لیتے ہیں اور اس کے آگے کوئی لاٹھی یا چھری گاڑ دیتے ہیں یا آگ جلا لیتے ہیں تاکہ وہ چیزیں اچھل کر اندر نہ آجائیں آیت الکرسی پڑھ لیتے ہیں یا چھری گاڑتے ہیں جس کی وجہ سے بڑے شیاطین بھی نہیں گذرتے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا کچھ فائدہ ہوتا ہے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے سترے کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ جب نمازی کھلے میدان یا فضا میں ہو اور آگے کوئی سترہ نہ ہو تو نماز میں انسان کا ذہن منتشر ہو جاتا ہے اور اگر آگے کوئی چیز بطور سترہ گاڑی ہوئی ہو تو نمازی کی طبیعت ٹھہر جاتی ہے

[1] ابوداؤد ۷۱۹ ج ۱ ص ۱۹۱ (ضعیف)

اور سکون ہوجاتا ہے اور وسوسہ اس سے آگے نہیں گذرتا یہ انسان کی فطرت ہے اس لیے اس کے آگے سترہ ہونا چاہیئے تاکہ شیطان انسان کی نماز میں خلل انداز نہ ہو اگرچہ اس سے نماز کا باطل ہونا منسوخ ہوچکا ہے لیکن خلجان تو پیدا ہوجاتا ہے نمازی کے آگے سترہ نہ ہوتو گذرنے والے سے نماز نہیں ٹوٹتی لیکن وہ گناہ گار ہوتا ہے ہاں اگر آگے سترہ ہوتو گذرنے میں کوئی حرج نہیں ہے بعض لوگ یہاں قیاس کرتے ہوئے یہ استدلال کرتے ہیں کہ جس طرح امام کا سترہ مقتدیوں کو کافی ہے اسی طرح امام کی قراءت بھی مقتدیوں کو کافی ہو جاتی ہے حالانکہ دونوں میں فرق ہے سترہ کا مصلی کے آگے ہونا کافی ہے اسکا مصلی کا فعل ہونا ضروری نہیں ہے یہ کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کی طرح ہے اور کعبہ امام و مقتدی کا ایک ہے الگ الگ نہیں ہوتا اس پر قراءت کو قیاس نہیں کرسکتے۔ کیونکہ قراءت تو مصلی کا فعل ہے قراءت میں مصلی کو پڑھنا ضروری ہے جبکہ سترہ کا آگے ہونا کافی ہے خواہ ستون وغیرہ ہو۔

یہ بھی قابل ذکر ہے کہ جب کوئی شخص اکیلا نماز پڑھتا ہے اور امام بھی اکیلا ہوتا ہے تو شیطان اسکی نماز میں خلل ڈالنے کے لئے آگے سے آتا ہے اس لیے ان کے آگے سترہ ہونا چاہیئے لیکن نماز باجماعت میں مقتدی کھڑے ہوں تو صفوں کے درمیان سے گھستا ہے جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں شیطان کو صفوں کے درمیان داخل ہوتے دیکھتا ہوں[1]، اس لیے صفوں کے درمیان فاصلے اور رخنے نہ چھوڑا کرو نماز باجماعت میں مقتدیوں کو مل کر کھڑے ہونا چاہیئے صفوں میں رخنے اور خلل نہ چھوڑنا سترہ کا کام دیتے ہیں گویا امام کے لئے سترہ چاہیئے اور مقتدیوں کا ایک دوسرے کے ساتھ پاؤں ملانا سترہ ہے شیطان صفوں میں اس لیے داخل ہوتے ہیں تاکہ ایک نمازی کا اثر دوسرے تک نہ پہنچے اور ہر ایک کی نماز اکیلی اکیلی ہی ہو اس لیے ایک دوسرے کے ساتھ پاؤں ملانا چاہئیں تاکہ مل کر سب کا اثر بڑھ جائے اور نماز کا اجر پچیس یا ستائیس گنا ہوجائے۔

اس بات پر اتفاق ہے کہ سترہ امام کے لئے ہونا چاہیئے۔ مقتدیوں کو سترے کی ضرورت نہیں ہے یا امام کا سترہ انہیں بھی کافی ہوجاتا ہے امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک امام کے آگے جو سترہ ہوتا ہے وہ صرف امام کے لئے ہوتا ہے اور مقتدیوں کا سترہ امام ہے۔ لہذا اگر کوئی شخص امام اور سترے کے درمیان سے گذرے تو امام کی نماز میں خلل واقع ہوگا لیکن اگر وہ امام اور مقتدیوں کے درمیان سے گذرے تو مقتدیوں کی نماز میں خلل آئے گا کیونکہ ان کا سترہ امام ہوتا ہے بعض کے نزدیک امام کا سترہ سب کے لئے ہوتا ہے اصل بات یہ ہے کہ امام کا سترہ امام کے لئے ہے اور مقتدیوں کا سترہ پاؤں ملانا ہے۔

٤٩٣۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهُ قَالَ: «أَقْبَلْتُ رَاكِبًا عَلَى حِمَارٍ أَتَانٍ وَأَنَا يَوْمَئِذٍ قَدْ نَاهَزْتُ الِاحْتِلَامَ، وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالنَّاسِ بِمِنًى إِلَى غَيْرِ جِدَارٍ، فَمَرَرْتُ بَيْنَ يَدَيْ بَعْضِ الصَّفِّ، فَنَزَلْتُ

[1] سنن ابی داؤد: ۶۶۷ ج ۱ ص ۱۷۹۔

وَأَرْسَلْتُ الْأَتَانَ تَرْتَعُ، وَدَخَلْتُ فِي الصَّفِّ فَلَمْ يُنْكِرْ ذَلِكَ عَلَيَّ أَحَدٌ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے امام مالک نے ابن شہاب کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ میں ایک گدھی پر سوار ہو کر آیا۔ اس زمانہ میں بالغ ہونے والا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منیٰ میں لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ لیکن دیوار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ تھی۔ میں صف کے بعض حصے سے گزر کر سواری سے اترا اور میں نے گدھی کو چرنے کے لیے چھوڑ دیا اور صف میں داخل ہو گیا۔ پس کسی نے مجھ پر اعتراض نہیں کیا۔

٤٩٤ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا خَرَجَ يَوْمَ الْعِيدِ أَمَرَ بِالْحَرْبَةِ، فَتُوضَعُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا وَالنَّاسُ وَرَاءَهُ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السَّفَرِ، فَمِنْ ثَمَّ اتَّخَذَهَا الْأُمَرَاءُ».

ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، کہا ہم سے عبداللہ بن نمیر نے کہا کہ ہم سے عبیداللہ بن عمر نے نافع کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب عید کے دن (مدینہ سے) باہر تشریف لے جاتے تو چھوٹے نیزہ (برچھا) کو گاڑنے کا حکم دیتے وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے گاڑ دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوتے۔ یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں بھی کیا کرتے تھے۔ (مسلمانوں کے) خلفاء نے اسی وجہ سے برچھا ساتھ رکھنے کی عادت بنالی ہے۔



٤٩٥ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِهِمْ بِالْبَطْحَاءِ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ، الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، تَمُرُّ بَيْنَ يَدَيْهِ الْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ».

ہم سے ابوالولید نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا عون بن ابی جحیفہ سے، کہا میں نے اپنے باپ (وہب بن عبداللہ) سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو بطحاء میں نماز پڑھائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عنزہ (ڈنڈا جس کے نیچے پھل لگا ہوا ہو) گاڑ دیا گیا تھا۔ (چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسافر تھے اس لیے) ظہر کی دو رکعت اور عصر کی دو رکعت ادا کیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے عورتیں اور گدھے گزر رہے تھے

قوله إلي غير جدار[1] "بخاری رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ آپ کے آگے سترہ تھا کیونکہ راوی نے جدار یعنی دیوار کی نفی



[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری یہاں تین احادیث لائے ہیں ان میں سے دوسری اور تیسری حدیث ترجمہ

کی ہے معلوم ہوتا ہے کہ دیوار کے علاوہ کوئی چیز سترہ تھی اسی طرح یہ حدیث باب سے متعلق ہوگی اور سترة الامام سترة من خلفه ثابت ہوگا لیکن بیہقی کی رائے یہ ہے کہ آپکے آگے سترہ ہی نہیں تھا کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرے بعض صف کے آگے گذرنے پر کسی نے انکار نہیں کیا یہ تب ہی ہوسکتا ہے کہ سترہ نہ ہو یعنی سترہ نہ ہونے کے باوجود کسی نے میرے گذرنے پر انکار نہیں کیا کیونکہ سترہ کے ہوتے ہوئے تو گذرنا جائز ہے اس پر انکار کی نفی کرنے کی کیا ضرورت تھی اور ابن عباس رضی اللہ عنہ ایک عجیب چیز بیان کر رہے ہیں اور یہ عجیب تب ہی ہوگی جبکہ سترہ نہ ہونے کے باوجود آگے گذرنے پر انکار نہ کیا جائے۔ بخاری رحمہ اللہ کا خیال یہ ہے کہ راوی نے جدار کی نفی کی ہے گویا دیوار کے علاوہ کوئی سترہ تھا کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ حضر و سفر میں اپنے پاس لاٹھی رکھتے تھے، اور بوقت ضرورت اسے سترہ بناتے تھے۔

٩١-بَابُ قَدْرِ كَمْ يَنْبَغِي أَنْ يَكُونَ بَيْنَ الْمُصَلِّي وَالسُّتْرَةِ:

باب: نمازی اور سترہ میں کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

٤٩٦ - حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ سَهْلٍ، قَالَ: «كَانَ بَيْنَ مُصَلَّى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَيْنَ الْجِدَارِ مَمَرُّ

باب کے مطابق ہے کیونکہ ان میں آپ کے آگے سترے کا ذکر ہے اور مقتدیوں کا بھی یہی سترہ تھا کیونکہ آپ نے مقتدیوں کو الگ سترہ رکھنے کا حکم نہیں دیا لیکن پہلی حدیث جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس کے بارہ میں حافظ کہتے ہیں "ففي الاستدلال به نظر لأنه ليس فيه أنه صلي الي سترة۔ اس حدیث سے استدلال کرنے میں نظر ہے کیونکہ اس میں آپ کے آگے سترے کا کوئی ذکر نہیں ہے، بلکہ بیہقی رحمہ اللہ نے اس حدیث پر "من صلي الي غير سترة" کا باب قائم کیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ نے کہا ہے إن المراد بقول ابن عباس "الي غير جدار" أي إلي غير سترة" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے آگے کوئی سترہ نہیں تھا۔ لہٰذا اس حدیث سے بخاری کا استدلال محل نظر ہے لیکن علامہ عینی رحمہ اللہ اس کا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ اس حدیث سے استدلال محل نظر ہے کیونکہ اس میں آپ کے سترہ کی طرف نماز پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ بیہقی نے اس پر باب "من صلي الي غير سترة" قائم کیا ہے میں کہتا ہوں اس کی دلیل محل نظر ہے کیونکہ وہ کلام کی باریکیوں پر واقف نہیں ہے اور بیہقی بھی اس نکتے کو نہیں پاسکا۔ بخاری کی نظر دقیق ہے اس لیے بخاری نے اس حدیث کو "سترة الامام" کے باب میں ذکر کیا ہے یعنی آپ کے سامنے دیوار کے علاوہ کوئی اور چیز تھی جسے سترہ بنایا گیا۔ لیکن علامہ عینی کی بات بھی محل نظر ہے کیونکہ اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے دیوار کے علاوہ سترہ تھا پھر تو آگے سے گذرنے پر کوئی اعتراض نہیں تھا جبکہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "فلم ينكر ذلك علي أحد" گویا ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایسا کام کیا ہے جو قابل انکار تھا اور وہ سترہ نہ ہونے کی صورت میں آگے سے گذرنا ہے کیونکہ سترہ ہونے کی صورت میں آگے سے گذرنا قابل انکار نہیں ہے۔ حافظ نے کہا ہے "فلو فرض هناك سترة أخري غير الجدار لم يكن لهذا الإخبار فائدة: إذ مروره حينئذ لا ينكره أحد أصلاً" مگر عینی نے اسکا جواب نہیں دیا۔

الشَّاةِ».

ہم سے عمرو بن زرارہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم نے اپنے باپ ابوحازم سلمہ بن دینار سے بیان کیا، انہوں نے سہل بن سعد سے، انہوں نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سجدہ کرنے کی جگہ اور دیوار کے درمیان ایک بکری کے گزر سکنے کا فاصلہ رہتا تھا۔

نمازی اور سترہ کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیئے اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ تین ہاتھ اور بعض کے نزدیک ایک ہاتھ فاصلہ ہونا چاہیئے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ سجدے کی جگہ سے ایک ہاتھ ہونا چاہیئے اور پاؤں کی جگہ سے تین ہاتھ فاصلہ ہونا چاہیئے اور استدلال آپ کے واقعات سے ہے کہ آپ نے جب بیت اللہ میں نماز پڑھی تھی تو پاؤں سے دیوار تک تین ہاتھ فاصلہ تھا اور جب منبر پر نماز پڑھی تھی تو منبر اور دیوار کے درمیان بقدر ممر الشاۃ فاصلہ تھا۔ حافظ حیران ہوگیا اس نے سمجھا کہ مطلب یہ ہے کہ آپ جو منبر پر نماز پڑھتے تھے تو منبر کی تیسری سیڑھی پر پاؤں رکھتے ہوں گے اور منبر کے قریب آپ کا سر آجاتا ہوگا گویا سجدہ کی جگہ میں اتنا فاصلہ ہوا اگر منبر پر نماز پڑھنے کی حدیث لی جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ تھا اس لیے مالکی کہتے ہیں کہ پاؤں اور دیوار کے درمیان اتنا فاصلہ ہونا چاہیئے تو سجدہ کیسے کرے گا؟ تو کہتے ہیں کہ سجدہ پیچھے ہٹ کر کرلے۔ اصل بات یہ ہے کہ تین ہاتھ فاصلہ ہونا چاہیئے تاکہ سجدہ سکون و آرام سے ہوسکے اس سے زیادہ نہیں ہونا چاہیئے ابن حزم نے کہا ہے کہ اگر زیادہ کرے گا اور سترہ سے دور ہوگا تو نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ حدیث کی مخالفت کرتا ہے حدیث میں ہے "إذا صلي أحد كم إلي سترة فليدن منها[1]" بعض حنفی کہتے ہیں کہ اگر صحراء ہو اور کوئی آدمی سجدے کی جگہ سے آگے گذر جائے تو کوئی حرج نہیں ہے سترہ سجدے کی جگہ کے قریب ہونا چاہیئے اور سجدے کی جگہ کے اندر سے نہیں گذرنا چاہیئے اگر مسجد اکبر میں ہو تو گذر سکتا ہے اصغر ہو تو بچنا چاہیئے کئی کہتے ہیں کہ اگر تین ہاتھ کا فرق ہو تو گذر سکتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ آگے ایک ہاتھ جگہ ہونی چاہیئے جو کہ بقدر ممر الشاۃ ہوتی ہے اس سے آگے گذر سکتا ہے بعض کہتے ہیں کہ چھوٹی مسجد میں آگے سے گذرنے سے گریز چاہیئے بعض کہتے ہیں کہ آگے لاٹھی رکھ دے یا آگے کپڑا لٹکا دے تو کپڑا بھی سترہ بن جاتا ہے طحاوی نے کہا ہے کہ مکہ میں سترہ کی ضرورت نہیں ہے کہتے ہیں کہ یہ مسئلہ صرف طحاوی نے ذکر کیا ہے حالانکہ دوسروں سے بھی ثابت ہے امام احمد بن حنبل کا بھی یہ مسلک ہے دیگر علماء بھی یہ کہتے ہیں بعض کہتے ہیں کہ صرف طواف کرنے والے مستثنیٰ ہیں امام احمد کے نزدیک سارا حرم سترہ سے مستثنیٰ ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک سترہ کی ضرورت مکہ اور حرم میں بھی ہے وقت کی بنا پر طائفین کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کعبہ کے سامنے نماز پڑھ رہے تھے اور آگے سے طواف کرنے والے گذر رہے تھے۔

ترجمہ باب میں آنے والا کلمہ "المصلّي" پڑھا جائے تو اس سے مراد سجدہ کی جگہ ہوگی۔ اور اگر مصلی پڑھا جائے تو اس سے مراد نماز پڑھنے والے کے پاؤں ہوں گے۔

---

[1] سنن ابی داؤد ۶۹۵ ج ۱ ص ۱۸۵ ان ۷۴۸ ج ۲ ص ۶۲

۴۹۷۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: «كَانَ جِدَارُ الْمَسْجِدِ عِنْدَ الْمِنْبَرِ مَا كَادَتِ الشَّاةُ تَجُوزُهَا».

ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یزید بن ابی عبید نے، انہوں نے سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ مسجد کی دیوار اور منبر کے درمیان بکری کے گزر سکنے کے فاصلے کے برابر جگہ تھی۔

یہ ثلاثیات بخاری میں سے دوسری حدیث ہے جو ثلاثی ہے اور پہلی ثلاثی حدیث "کتاب العلم" میں "باب اثم من کذب علی النبی ﷺ" کے تحت گذر چکی ہے۔

انور شاہ نے کہا ہے کہ مکی بن ابراہیم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے شاگرد تھے لہذا ہو سکتا ہے کہ وہ حنفی ہو حالانکہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حنفی نہ ہو کیونکہ مکی بن ابراہیم امام بخاری کے استاد ہیں اور امام بخاری رحمہ اللہ ایسے استادوں کے پاس نہیں گئے جو ایمان کی کمی، بیشی کے قائل نہ ہوں لہذا مکی بن ابراہیم امام ابوحنیفہ کے شاگرد ہو سکتے ہیں لیکن انکا حنفی ہونا ضروری نہیں کہ انکا ہم خیال بھی ہو۔

۹۲۔ بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْحَرْبَةِ:

باب: برچھی کی طرف نماز پڑھنا

۴۹۸۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ، أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُرْكَزُ لَهُ الْحَرْبَةُ فَيُصَلِّي إِلَيْهَا».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے عبید اللہ کے واسطے سے بیان کیا، کہا مجھے نافع نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے برچھا گاڑ دیا جاتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔

یعنی ہتھیار کو بھی سترہ بنایا جاسکتا ہے چونکہ بعض لوگ ہتھیاروں کی عبادت کرتے ہیں جیسا کہ سکھ قوم قربان کی تعظیم کرتی ہے جو کہ عبادت کی طرح ہے اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے کہ ہتھیار کے نمازی کے آگے ہونے میں یا اسے سترہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۹۳۔ بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الْعَنَزَةِ:

باب: عنزہ (لکڑی جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) کی طرف نماز پڑھنا

۴۹۹۔ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْنُ بْنُ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي، قَالَ: «خَرَجَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ، فَأُتِيَ بِوَضُوءٍ فَتَوَضَّأَ فَصَلَّى بِنَا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ، وَبَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةٌ وَالْمَرْأَةُ وَالْحِمَارُ يَمُرُّونَ مِنْ وَرَائِهَا».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عون بن ابی جحیفہ نے بیان کیا، کہا کہ میں نے اپنے باپ ابو جحیفہ وہب بن عبداللہ سے سنا انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کے وقت باہر تشریف لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں وضو کا پانی پیش کیا گیا، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا۔ پھر ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی اور عصر کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا اور عورتیں اور گدھے پر سوار لوگ اس کے پیچھے سے گزر رہے تھے۔

۵۰۰ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمِ بْنِ بَزِيعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَاذَانُ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ أَبِي مَيْمُونَةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ لِحَاجَتِهِ تَبِعْتُهُ أَنَا وَغُلَامٌ وَمَعَنَا عُكَّازَةٌ أَوْ عَصًا أَوْ عَنَزَةٌ وَمَعَنَا إِدَاوَةٌ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْ حَاجَتِهِ نَاوَلْنَاهُ الإِدَاوَةَ».

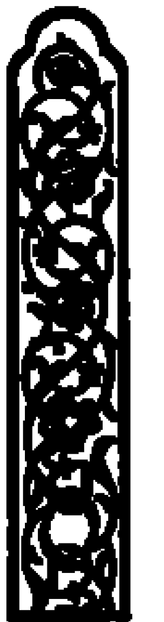
ہم سے محمد بن حاتم بن بزیع نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شاذان بن عامر نے شعبہ بن حجاج کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عطاء بن ابی میمونہ سے، انہوں نے کہا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب رفع حاجت کے لیے نکلتے تو میں اور ایک اور لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے پیچھے جاتے۔ ہمارے ساتھ عکازہ (ڈنڈا جس کے نیچے لوہے کا پھل لگا ہوا ہو) یا چھڑی یا عنزہ ہوتا۔ اور ہمارے ساتھ ایک چھاگل بھی ہوتا تھا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حاجت سے فارغ ہو جاتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ چھاگل دے دیتے تھے۔



بعض نے اعتراض کیا ہے کہ اسکا گذشتہ باب سے تکرار لازم آتا ہے کیونکہ حربہ اور عنزہ ایک ہیں ان میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں ایک نہیں ہیں بلکہ عنزہ حربہ سے چھوٹی ہوتی ہے حربہ اگر نیزے کے برابر ہے تو عنزہ نصف نیزے کے برابر ہے جبکہ دونوں میں تغایر پایا جاتا ہے تو تکرار لازم نہیں آئے گا۔

قولہ والمرأۃ والحمار یمرون من ورائھا یہاں اعتراض یہ ہے کہ تثنیہ کے بعد یمرون جمع کا صیغہ کیوں لایا گیا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہاں حذف ہے اصل میں المرأۃ والحمار وغیرھما یمرون ہے یا حمار اور اس کے راکب کے پیش نظر جمع لایا گیا ہے یا ان دو سے ان کی جنس [1] مراد ہے اس لیے جمع لایا گیا ہے۔

قولہ ومعنا عکازۃ عکازہ سے مراد چھڑی یا کپلا ہے جو بکریاں چرانے والوں کے پاس ہوتا ہے۔



(1) حافظ رحمہ اللہ کے جنس مراد لینے پر عینی نے اعتراض کیا ہے کہ جنس سے مراد بھی المرأۃ اور الحمار دو کی جنس ہوگی لہذا پھر بھی یہ تثنیہ ہی رہے گا تو جواب کیا ہوا؟ حالانکہ ان کی جنس مراد لینے سے تعدد افراد مراد ہوگا اور ان دو کے متعدد افراد پیش نظر ہوں گے اور تعدد کی وجہ سے جمعیت حاصل ہو جائے گی اور ان کے بعد جمع کا صیغہ لانا مناسب ہوگا اور یہی حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا مقصود ہے۔

۹۴-بَابُ السُّتْرَةِ بِمَكَّةَ وَغَيْرِهَا:

باب: مکہ اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات میں سترہ کا حکم

۵۰۱ - حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ، قَالَ: «خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْهَاجِرَةِ فَصَلَّى بِالْبَطْحَاءِ الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ رَكْعَتَيْنِ، وَنَصَبَ بَيْنَ يَدَيْهِ عَنَزَةً وَتَوَضَّأَ، فَجَعَلَ النَّاسُ يَتَمَسَّحُونَ بِوَضُوئِهِ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے حکم بن عیینہ سے، انہوں نے ابو حجیفہ سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس دوپہر کے وقت تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بطحاء میں ظہر اور عصر کی دو دو رکعتیں پڑھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے عنزہ گاڑ دیا گیا تھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تو لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کے پانی کو اپنے بدن پر لگا رہے تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس بات کے قائل ہیں کہ نمازی کو ہر جگہ سترہ کی ضرورت ہے خواہ مکہ میں ہو یا غیر مکہ میں، مکہ یا حرم اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں۔

ابن منیر نے کہا ہے کہ بخاری نے مکہ کو خاص کر کے ذکر کیا ہے تاکہ ایک وہم کا ازالہ ہو جائے اور وہ یہ کہ سترہ قبلہ ہوتا ہے اور مکہ کا قبلہ خانہ کعبہ ہے لہذا اس میں سترہ کی ضرورت نہیں ہے اس وہم کے ازالے کے لئے بخاری یہ باب لائے ہیں اور وہ مکہ میں بھی سترہ کی ضرورت کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں امام بخاری رحمہ اللہ یہ باب اور حدیث لا کر مصنف عبدالرزاق کی حدیث کے ضعف کو بیان کرنا چاہتے ہیں مصنف عبدالرزاق میں ہے "باب لا يقطع الصلوة بمكة شيئ" اس کے تحت وہ کثیر بن کثیر بن مطلب کی حدیث لائے ہیں جو عن أبيه عن جده کی سند سے مروی ہے "قال رأيت النبي ﷺ يصلي في المسجد الحرام ليس بينه و بينهم (أي الناس) سترة[1]"۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس روایت کے ضعیف اور معلول ہونے پر تنبیہ کرنے کے لئے یہ باب لائے ہیں اور وہ بتانا چاہتے ہیں کہ سترہ کی مشروعیت میں مکہ اور غیر مکہ کا فرق نہیں ہے بعض فقہاء نے ضرورت کے لئے طائفین کو اس سے خاص کیا ہے۔ جبکہ بعض حنابلہ تمام مکہ میں بغیر سترہ کے نماز کے جواز کے قائل ہیں[2]۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۲۳۸۷ ج ۲ ص ۳۵۔

[2] مکہ مکرمہ میں سترہ رکھنے کے حکم میں علماء کا اختلاف ہے اور ان کے دو قول ہیں ایک یہ کہ سترہ کے بارہ میں مکہ کا حکم باقی شہروں کی طرح ہے اور نمازی کے آگے سترہ ہونا چاہیئے۔ یہ امام بخاری رحمہ اللہ، امام شافعی کا مسلک ہے اور اس بارہ میں ایک روایت امام احمد کی بھی ہے، اور اس قول کی دلیل وہ روایت ہے جو ابو نعیم نے کتاب الصلوۃ میں ذکر کی ہے یزید الفقیر کہتے ہیں "كنت أصلي إلي جنب ابن عمر بمكة فلم أر رجلا أكره أن يمر بين يديه منه" اور صالح بن

۹۵-بَابُ الصَّلاَۃِ إِلَی الأُسْطُوَانَۃِ:

باب: ستونوں کی آڑ میں نماز پڑھنا

اگرچہ اکیلا آدمی بغیر سترہ کے نماز پڑھ سکتا ہے لیکن ستون وغیرہ کو سترہ بنانا بہتر ہے ویسے ستون کو سترہ بنائے بغیر ان کے درمیان نماز پڑھے تو جائز ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے کعبہ میں دو ستونوں کے درمیان نماز ادا کی تھی، دو ستونوں کے درمیان صف بنانا مکروہ ہے شوکانی رحمہ اللہ نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسئلہ ذکر کیا ہے کہ ستون کی دوسری طرف اگر ایک یا دو آدمی ہوں تو قطع لازم آتا ہے اگر تین یا زیادہ ہوں تو کوئی حرج نہیں ہے گویا اس طرح نئی صف بن جاتی ہے انور شاہ کہتا ہے مجھے شوکانی پر اعتبار تو نہیں ہے مگر ہو سکتا ہے کہ یہ مسئلہ ایسے ہی ہو۔

وَقَالَ عُمَرُ: الْمُصَلُّونَ أَحَقُّ بِالسَّوَارِي مِنَ الْمُتَحَدِّثِينَ إِلَيْهَا، وَرَأَى عُمَرُ رَجُلًا يُصَلِّي بَيْنَ أُسْطُوَانَتَيْنِ فَأَدْنَاهُ إِلَى سَارِيَةٍ، فَقَالَ: صَلِّ إِلَيْهَا.

اور عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے والے ستونوں کے ان لوگوں سے زیادہ مستحق ہیں جو اس پر ٹیک لگا کر باتیں کرتے ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دو ستونوں کے بیچ میں نماز پڑھتے دیکھا تو اسے ستون کے پاس کر دیا اور کہا کہ اس کی طرف نماز پڑھ۔



کیسان کہتے ہیں میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو کعبہ میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا وہ اپنے آگے کسی کو گذرنے نہیں دیتے تھے، اور ابن ابی شیبہ میں یحییٰ بن کثیر سے مروی ہے "قال رأیت أنس بن مالك فی المسجد الحرام قد نصب عصا یصلي إلیھا"۔

دوسرا قول یہ ہے کہ مکہ میں سترہ کی ضرورت نہیں ہے وہاں بغیر سترہ کے نماز جائز ہے اور بلا کراہت نمازی کے آگے سے گذرنا بھی جائز ہے یہ طاؤس عطاء اور امام احمد کا قول ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ محمد بن حنفیہ منیٰ کی مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ ان کے آگے سے گذر رہے تھے اس کے بعد ان کے اَہل سے ایک نوجوان آکر ان کے آگے بیٹھ گیا، اور ابن جریج نے ابن ابی عمار سے روایت کی ہے کہ میں نے عبداللہ بن زبیر کو دیکھا انہوں نے بیت اللہ کا طواف کیا پھر نماز پڑھنے لگے جبکہ طواف کرنے والے ان کے آگے طواف کر رہے تھے۔ اور کبھی ان کے آگے سے کوئی عورت گذرنا چاہتی تو وہ اس کے گذر جانے کا انتظار کرتے اور اس کے گذرنے کے بعد سجدہ میں جاتے۔ امام احمد رحمہ اللہ کا استدلال مطلب بن اَبی وداعہ کی حدیث سے ہے وہ کہتے ہیں میں نے نبی اکرم ﷺ کو دیکھا آپ طواف کے سات چکروں سے فارغ ہو کر مطاف میں دو رکعت نماز پڑھنے لگے جبکہ آپ کے اور طواف کرنے والوں کے درمیان کوئی چیز بطور سترہ نہیں تھی لیکن اس حدیث میں علت یہ ہے کہ ابن عیینہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث ہمیں ابن جریج کثیر بن کثیر سے اور وہ اپنے باپ سے بیان کرتے تھے میں نے اس سے اس بارہ میں سوال کیا تو اس نے کہا یہ حدیث میں نے باپ سے نہیں سنی بلکہ اپنے بعض اہل سے سنی ہے اور یہ بعض مجہول ہے امام احمد کے نزدیک مکہ سترے سے مستثنیٰ ہے اور بعض سارے حرم کو مستثنیٰ کرتے ہیں لیکن اگر یہ کہا جائے کہ مسجد حرام میں سترہ کی ضرورت نہیں باقی حرم اور مکہ میں سترہ ہونا چاہیئے تو دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق ہو سکتی ہے۔ (فتح الباری لابن رجب ج ۲ ص ۶۴۰)

شرح بخاری



قوله المصلون أحق بالسواری کیونکہ وہ عبادت کرنے والے ہیں اور عبادت کرنے والے باتیں کرنیوالوں سے زیادہ حق دار ہیں کیونکہ نماز پڑھنے والوں نے ستونوں کو سترہ بنانا ہوتا ہے اور یہ تعلیق مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے۔

۵۰۲۔ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، قَالَ: كُنْتُ آتِي مَعَ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ فَيُصَلِّي عِنْدَ الْأُسْطُوَانَةِ الَّتِي عِنْدَ الْمُصْحَفِ، فَقُلْتُ: يَا أَبَا مُسْلِمٍ أَرَاكَ تَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَ هَذِهِ الْأُسْطُوَانَةِ، قَالَ: «فَإِنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ عِنْدَهَا».

ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے یزید بن ابی عبید نے بیان کیا، کہا کہ میں سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے ساتھ (مسجد نبوی میں) حاضر ہوا کرتا تھا۔ سلمہ رضی اللہ عنہ ہمیشہ اس ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے جہاں قرآن شریف رکھا رہتا تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اے ابو مسلم! میں دیکھتا ہوں کہ آپ ہمیشہ اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاص طور سے اسی ستون کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرتے تھے۔

۵۰۳۔ حَدَّثَنَا قَبِيصَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ عَامِرٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُ كِبَارَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ عِنْدَ الْمَغْرِبِ»، وَزَادَ شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ أَنَسٍ، حَتَّى يَخْرُجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے قبیصہ بن عقبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان ثوری نے عمرو بن عامر سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑے بڑے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھا کہ وہ مغرب (کی اذان) کے وقت ستونوں کی طرف لپکتے۔ اور شعبہ نے عمرو بن عامر سے انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے (اس حدیث میں) یہ زیادتی کی ہے۔ یہاں تک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرے سے باہر تشریف لاتے۔

یہ بخاری کی تیسری ثلاثی حدیث ہے قوله عند المصحف دیوار میں مصحف رکھنے کی جگہ تھی مسلم میں ”الصندوق“ کا لفظ مروی ہے گویا وہاں صندوق تھا جس میں مصحف رکھا جاتا تھا:

۹۶۔ بَابُ الصَّلَاةِ بَيْنَ السَّوَارِي فِي غَيْرِ جَمَاعَةٍ:

باب: دو ستونوں کے بیچ میں نمازی اگر اکیلا ہو تو نماز پڑھ سکتا ہے

۵۰۴۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جُوَيْرِيَةُ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَيْتَ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ، وَبِلَالٌ فَأَطَالَ، ثُمَّ خَرَجَ وَكُنْتُ أَوَّلَ النَّاسِ دَخَلَ عَلَى أَثَرِهِ، فَسَأَلْتُ بِلَالًا: «أَيْنَ

صَلَّى ؟ قَالَ: بَيْنَ الْعَمُودَيْنِ الْمُقَدَّمَيْنِ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے جویریہ بن اسماء نے نافع سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور اسامہ بن زید عثمان بن طلحہ اور بلال رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک اندر رہے۔ پھر باہر آئے۔ اور میں سب لوگوں سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہی وہاں آیا۔ میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کہاں نماز پڑھی تھی۔ انہوں نے بتایا کہ آگے کے دوستونوں کے بیچ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی۔

٥٠٥ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْكَعْبَةَ، وَأُسَامَةُ بْنُ زَيْدٍ، وَبِلَالٌ، وَعُثْمَانُ بْنُ طَلْحَةَ الْحَجَبِيُّ فَأَغْلَقَهَا عَلَيْهِ وَمَكَثَ فِيهَا، فَسَأَلْتُ بِلَالًا حِينَ خَرَجَ: مَا صَنَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ؟ قَالَ: «جَعَلَ عَمُودًا عَنْ يَسَارِهِ وَعَمُودًا عَنْ يَمِينِهِ، وَثَلَاثَةَ أَعْمِدَةٍ وَرَاءَهُ، وَكَانَ الْبَيْتُ يَوْمَئِذٍ عَلَى سِتَّةِ أَعْمِدَةٍ ثُمَّ صَلَّى»، وَقَالَ لَنَا إِسْمَاعِيلُ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، وَقَالَ: عَمُودَيْنِ عَنْ يَمِينِهِ.



ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا ہمیں امام مالک بن انس نے خبر دی نافع سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے اندر تشریف لے گئے اور اسامہ بن زید، بلال اور عثمان بن طلحہ حجبی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پھر عثمان رضی اللہ عنہ نے کعبہ کا دروازہ بند کر دیا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ٹھہرے رہے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے تو میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اندر کیا کیا؟ انہوں نے کہا کہ آپ نے ایک ستون کو تو بائیں طرف چھوڑا اور ایک کو دائیں طرف اور تین کو پیچھے اور اس زمانہ میں خانہ کعبہ میں چھ ستون تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے کہا، وہ کہتے ہیں کہ مجھ سے امام مالک نے یہ حدیث یوں بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دائیں طرف دو ستون چھوڑے تھے۔

یعنی بغیر جماعت کے نماز پڑھنے والا منفرد انسان دوستونوں کے درمیان بھی نماز ادا کر سکتا ہے۔ لیکن نماز باجماعت میں دوستونوں کے درمیان صف نہیں بنانی چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح صف میں انقطاع لازم آتا ہے اور نماز باجماعت میں صف بندی اصل مقصود ہوتی ہے ستونوں کے درمیان نماز باجماعت کی ممانعت مستدرک حاکم وغیرہ میں انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔



"قولہ عمودا عن یسارہ و عموداً عن یمینہ" اسماعیل کی روایت میں "عمودین عن یمینہ" مروی ہے

اسکا جواب یہ دیا ہے "عمود" کا لفظ جنس ہے جو واحد اور تثنیہ دونوں کا احتمال رکھتا ہے لہذا اسماعیل کی روایت نے عبداللہ بن یوسف کی روایت کی وضاحت کردی ہے کہ اس میں "عمود" سے مراد دو ستون ہیں جو آپکی دائیں جانب تھے۔ بعض نے کہا کہ ان تین میں سے دو ستون ایک سمت پر تھے اور تیسرا ان سے ہٹ کر تھا اس لیے بعض نے اسے شمار نہیں کیا اور بعض نے اسے شمار کیا ہے۔

۹۷۔ باب

٥٠٦ ۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو ضَمْرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ، كَانَ إِذَا دَخَلَ الْكَعْبَةَ مَشَى قِبَلَ وَجْهِهِ حِينَ يَدْخُلُ وَجَعَلَ الْبَابَ قِبَلَ ظَهْرِهِ، فَمَشَى حَتَّى يَكُونَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْجِدَارِ الَّذِي قِبَلَ وَجْهِهِ قَرِيبًا مِنْ ثَلَاثَةِ أَذْرُعٍ صَلَّى يَتَوَخَّى الْمَكَانَ الَّذِي أَخْبَرَهُ بِهِ بِلَالٌ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِيهِ، قَالَ: «وَلَيْسَ عَلَى أَحَدِنَا بَأْسٌ إِنْ صَلَّى فِي أَيِّ نَوَاحِي الْبَيْتِ شَاءَ».

ہم سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوضمرہ انس بن عیاض نے بیان کیا، کہا ہم سے موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا انہوں نے نافع سے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب کعبہ میں داخل ہوتے تو سیدھے منہ کے سامنے چلے جاتے۔ دروازہ پیٹھ کی طرف ہوتا اور آپ آگے بڑھتے جب ان کے اور سامنے کی دیوار کا فاصلہ قریب تین ہاتھ کے رہ جاتا تو نماز پڑھتے۔ اس طرح آپ اس جگہ نماز پڑھنا چاہتے تھے جس کے متعلق بلال رضی اللہ عنہ نے آپ کو بتایا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہیں نماز پڑھی تھی۔ آپ فرماتے تھے کہ بیت اللہ میں جس کونے میں ہم چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

شرح بخاری

یہ باب بلاترجمہ ہے اور یہ اپنے پہلے باب سے فصل کے مرتبہ میں ہے اس میں صریح طور پر اس مسافت کا ذکر ہے جو نمازی اور کعبے کی دیوار کے درمیان تھی لیکن التزامی طور پر اس حدیث سے دو ستونوں کے درمیان نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کعبے میں اسی جگہ نماز پڑھتے تھے جہاں نبی اکرم ﷺ نے نماز پڑھی تھی جیسا کہ انہوں نے کہا "ان النبی ﷺ صلي فيه" اور نبی اکرم ﷺ نے کعبہ میں داخل ہوکر دروازے کے بالمقابل دیوار کے قریب دو ستونوں کے درمیان نماز ادا فرمائی تھی۔

۹۸۔ بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى الرَّاحِلَةِ وَالْبَعِيرِ وَالشَّجَرِ وَالرَّحْلِ:

باب: اونٹنی، اونٹ، درخت اور پالان کو سامنے کر کے نماز پڑھنا

٥٠٧ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبِي بَكْرٍ الْمُقَدَّمِيُّ، حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، «أَنَّهُ كَانَ يُعَرِّضُ رَاحِلَتَهُ

فَيُصَلِّي إِلَيْهَا، قُلْتُ: أَفَرَأَيْتَ إِذَا هَبَّتِ الرِّكَابُ، قَالَ: كَانَ يَأْخُذُ هَذَا الرَّحْلَ فَيُعَدِّلُهُ فَيُصَلِّي إِلَى آخِرَتِهِ أَوْ قَالَ مُؤَخَّرِهِ». وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ يَفْعَلُهُ.

ہم سے محمد بن ابی بکر مقدمی بصری نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے معتمر بن سلیمان نے بیان کیا عبید اللہ بن عمر سے، وہ نافع سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری کو سامنے عرض میں کر لیتے اور اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے، عبید اللہ بن عمر نے نافع سے پوچھا کہ جب سواری اچھلنے کودنے لگتی تو اس وقت آپ کیا کیا کرتے تھے؟ نافع نے کہا کہ آپ اس وقت کجاوے کو اپنے سامنے کر لیتے اور اس کے آخری حصے کی (جس پر سوار ٹیک لگاتا ہے ایک کھڑی سی لکڑی کی) طرف منہ کر کے نماز پڑھتے اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

راحلة سے مراد اونٹنی ہے جس پر رحل کجاوہ رکھا جاتا ہے اور بعیر وہ اونٹ جو پانچویں سال میں داخل ہو۔ حدیث مذکور میں "راحلة" اور "رحل" کا ذکر ہے بخاری نے بعیر کا راحلہ سے اور الشجر کا الرحل سے الحاق کیا ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ امام بخاری اس حدیث کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں جو اونٹ (بعیر) کی طرف نماز پڑھنے کے بارہ میں عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ان النبی ﷺ كان يصلي الي بعيره[1]"۔

اور درخت کی طرف نماز پڑھنے کی حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "قال لقد رأيتنايوم بدر ومافينا إنسان الانائم إلا رسول الله ﷺ فانه كان يصلي إلي شجرة ويدعو حتى أصبح[2]"۔

٩٩-بَابُ الصَّلَاةِ إِلَى السَّرِيرِ:

باب: چارپائی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا

٥٠٨ - حَدَّثَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي شَيْبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «أَعَدَلْتُمُونَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي مُضْطَجِعَةً عَلَى السَّرِيرِ فَيَجِيءُ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَوَسَّطُ السَّرِيرَ فَيُصَلِّي، فَأَكْرَهُ أَنْ أُسَنِّحَهُ، فَأَنْسَلُّ مِنْ قِبَلِ رِجْلَيِ السَّرِيرِ حَتَّى أَنْسَلَّ مِنْ لِحَافِي».

ہم سے عثمان بن ابی شیبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے جریر بن عبد الحمید نے بیان کیا منصور بن معتمر سے، انہوں نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے اسود بن یزید سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے فرمایا تم لوگوں نے ہم عورتوں کو کتوں اور گدھوں کے برابر بنا دیا۔ حالانکہ میں چارپائی پر لیٹی رہتی تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور چارپائی کے بیچ میں آجاتے (یا چارپائی کو اپنے اور قبلے کے بیچ

[1] مصنف ابن أبی شیبہ ٣٨٦٦ ج ١ ص ٣٣٧

[2] نسائی (الکبریٰ) ٨٢٥ ج ١ ص ٢٠٦

میں کر لیتے) پھر نماز پڑھتے۔ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پڑا رہنا برا معلوم ہوتا، اس لیے میں پائینتی کی طرف سے کھسک کے لحاف سے باہر نکل جاتی۔

اس سے مراد یہ ہے کہ چارپائی اگرچہ معلق ہوتی ہے لیکن اسے سترہ بنایا جا سکتا ہے۔

قوله:أعدلتمونا بالكلب، یہ استفہام انکاری ہے ای لم عدلتمونا بالكلب، اور یہ انہوں نے اس وقت کہا تھا جبکہ لوگوں نے کہا "يقطع الصلوة الكلب والحمار والمرأة کہ کتا، گدھا اور عورت کے نمازی کے آگے گذرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا کیا تم نے عورت کو ان سے ملا دیا اور ان جانوروں کے برابر کر دیا ہے؟ اور اس سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد حدیث کا انکار نہیں تھا ان کا مطلب یہ تھا کہ تم لوگ مطلقاً بیان کر کے عورتوں کو حمار وغیرہ سے ملا دیتے ہو حالانکہ ان کی وجہ اور سبب ایک نہیں ہے بلکہ الگ الگ ہے گدھا اور کتا تو اس لیے قطع صلوٰۃ کا سبب بنتے ہیں کہ ان کی خصلتیں شیطانی ہیں اور عورت اس لئے کہ اس کے نمازی کے آگے گذرنے سے مرد و عورت کے جنسی تعلقات میں ہیجان پیدا ہوتا ہے لہٰذا جس عورت کے آگے ہونے سے ہیجان پیدا نہ ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور یہ بھی فرق ہے کہ عورت نماز پڑھتی ہے اور گدھے، کتے سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا لہٰذا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد حدیث کا انکار نہیں ہے بلکہ یہ حدیث خود عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی [1] ہے تو وہ اس کا انکار کیونکر کر سکتی ہیں۔

قوله حتى أنسل یعنی آپ آگے بیٹھی نہیں رہتی تھیں کیونکہ آگے بیٹھے رہنے سے نبی کریم علیہ السلام کو دقت پیش آتی بلکہ کھسک کر آگے سے نکل جاتی تھیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی شخص نمازی کے آگے بیٹھا ہو تو کھسک کر نکل سکتا ہے کیونکہ یہ انسلال ہے جو جائز ہے مرور نہیں ہے جو ممنوع ہے۔

١٠٠۔بَابُ يَرُدُّ الْمُصَلِّي مَنْ مَرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ:

باب: چاہیے کہ نماز پڑھنے والا اپنے سامنے سے گزرنے والے کو روک دے

وَرَدَّ ابْنُ عُمَرَ فِي التَّشَهُّدِ وَفِي الْكَعْبَةِ وَقَالَ إِنْ أَبَى إِلاَّ أَنْ تُقَاتِلَهُ فَقَاتِلْهُ.

اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کعبہ میں جب کہ آپ تشہد کے لیے بیٹھے ہوئے تھے روک دیا تھا اور اگر وہ (گزرنے والا) لڑائی پر اتر آئے تو اس سے لڑے۔

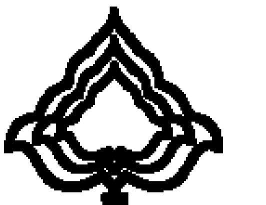
٥٠٩۔ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يُونُسُ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ هِلاَلٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ح وحَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ الْمُغِيرَةِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ بْنُ

---

[1] وہ حدیث مسند احمد میں ان الفاظ سے مروی ہے "عن عائشة زوج النبی ﷺ قالت قال رسول الله ﷺ لا يقطع صلوة المسلم شيئ الإ الحمار والكافر والكلب والمرأة فقالت عائشة :يا رسول الله لقد قرنا بدواب سوء" (مسند احمد ج٦ ص٥٨،٨٤)

هِلَالٍ الْعَدَوِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ السَّمَّانُ، قَالَ: رَأَيْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فِي يَوْمِ جُمُعَةٍ يُصَلِّي إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ شَابٌّ مِنْ بَنِي أَبِي مُعَيْطٍ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ، فَدَفَعَ أَبُو سَعِيدٍ فِي صَدْرِهِ فَنَظَرَ الشَّابُّ فَلَمْ يَجِدْ مَسَاغًا إِلَّا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَعَادَ لِيَجْتَازَ فَدَفَعَهُ أَبُو سَعِيدٍ أَشَدَّ مِنَ الْأُولَى فَنَالَ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ، ثُمَّ دَخَلَ عَلَى مَرْوَانَ فَشَكَا إِلَيْهِ مَا لَقِيَ مِنْ أَبِي سَعِيدٍ، وَدَخَلَ أَبُو سَعِيدٍ خَلْفَهُ عَلَى مَرْوَانَ فَقَالَ: مَا لَكَ وَلِابْنِ أَخِيكَ يَا أَبَا سَعِيدٍ؟ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ إِلَى شَيْءٍ يَسْتُرُهُ مِنَ النَّاسِ، فَأَرَادَ أَحَدٌ أَنْ يَجْتَازَ بَيْنَ يَدَيْهِ فَلْيَدْفَعْهُ، فَإِنْ أَبَى فَلْيُقَاتِلْهُ فَإِنَّمَا هُوَ شَيْطَانٌ».

ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالوارث نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یونس بن عبید نے حمید بن ہلال کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے ابوصالح ذکوان سمان سے کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دوسری سند) اور ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے سلیمان بن مغیرہ نے، کہا ہم سے حمید بن ہلال عدوی نے، کہا ہم سے ابوصالح سمان نے، کہا میں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کو جمعہ کے دن نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ آپ کسی چیز کی طرف منہ کئے ہوئے لوگوں کے لیے اسے آڑ بنائے ہوئے تھے۔ ابو معیط کے بیٹوں میں سے ایک جوان نے چاہا کہ آپ کے سامنے سے ہو کر گزر جائے۔ ابو سعید رضی اللہ عنہ نے اس کے سینہ پر دھکا دے کر باز رکھنا چاہا۔ جوان نے چاروں طرف نظر دوڑائی لیکن کوئی راستہ سوائے سامنے سے گزرنے کے نہ ملا۔ اس لیے وہ پھر اسی طرف سے نکلنے کے لیے لوٹا۔ اب ابو سعید رضی اللہ عنہ نے پہلے سے بھی زیادہ زور سے دھکا دیا۔ اسے ابو سعید رضی اللہ عنہ سے شکایت ہوئی اور وہ اپنی یہ شکایت مروان کے پاس لے گیا۔ اس کے بعد ابو سعید رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے گئے۔ مروان نے کہا اے ابو سعید رضی اللہ عنہ آپ میں اور آپ کے بھتیجے میں کیا معاملہ پیش آیا۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ جب کوئی شخص نماز کسی چیز کی طرف منہ کر کے پڑھے اور اس چیز کو آڑ بنا رہا ہو پھر بھی اگر کوئی سامنے سے گزرے تو اسے روک دینا چاہیے۔ اگر اب بھی اسے اصرار ہو تو اسے لڑنا چاہیے۔ کیونکہ وہ شیطان ہے۔





یعنی نمازی کو چاہیئے کہ جو اس کے آگے سے گذرے تو وہ اسے روکے، خواہ گذرنے والا کوئی انسان ہو یا اس کے علاوہ۔

"قوله ورد ابن عمر فی التشهد" "ای فی حالۃ التشهد" اور ان کے آگے گذرنے والے عمرو بن دینار تھے جیسا کہ مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبدالرزاق میں ہے۔

"قوله فلیقاتله" اس قتال اور لڑائی کی تفصیل حدیث میں ہی آگئی ہے اور وہ یہ کہ اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اسے

پیچھے دھکیل دے یہ مراد نہیں ہے کہ تلوار لیکر قتال شروع کردے، جیسا کہ نووی نے سمجھا ہے کہ اگر اسے قتل کردے تو اس کا خون ہدر ہے۔ حالانکہ قتال سے یہ مراد نہیں ہے۔

"قولہ انما ھو شیطان" یعنی وہ قابل احترام نہیں ہے یا وہ شیطان ہے جیسا کہ قرآن کریم میں "شیاطین الانس والجن" آتا ہے یا مراد یہ ہے کہ اس کے ساتھ شیطان ہے جو اسے اس کام پر ابھارتا ہے۔

۱۰۱۔ بَابُ إِثْمِ الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي:

باب: نمازی کے آگے سے گزرنے کا گناہ کتنا ہے؟

۵۱۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ خَالِدٍ أَرْسَلَهُ إِلَى أَبِي جُهَيْمٍ يَسْأَلُهُ، مَاذَا سَمِعَ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَارِّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي ؟ فَقَالَ أَبُو جُهَيْمٍ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَوْ يَعْلَمُ الْمَارُّ بَيْنَ يَدَيِ الْمُصَلِّي مَاذَا عَلَيْهِ، لَكَانَ أَنْ يَقِفَ أَرْبَعِينَ خَيْرًا لَهُ مِنْ أَنْ يَمُرَّ بَيْنَ يَدَيْهِ»، قَالَ أَبُو النَّضْرِ: لَا أَدْرِي، أَقَالَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا أَوْ شَهْرًا أَوْ سَنَةً.

ہم سے عبداللہ بن یوسف تینسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے امام مالک نے عمر بن عبیداللہ کے غلام ابونضر سالم بن ابی امیہ سے خبر دی۔ انہوں نے بسر بن سعید سے کہ زید بن خالد نے انہیں ابوجہیم عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ کی خدمت میں ان سے یہ بات پوچھنے کے لیے بھیجا کہ انہوں نے نماز پڑھنے والے کے سامنے سے گزرنے والے کے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا سنا ہے۔ ابوجہیم نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جانتا کہ اس کا کتنا بڑا گناہ ہے تو اس کے سامنے سے گزرنے پر چالیس تک وہیں کھڑے رہنے کو ترجیح دیتا۔ ابوالنضر نے کہا کہ مجھے یاد نہیں کہ بسر بن سعید نے چالیس دن کہا یا مہینہ یا سال۔

اس مسئلہ کی متعدد صورتیں ہیں ایک یہ کہ نمازی نے اپنے آگے سترہ رکھا ہوا ہے اور سترہ کے آگے گذرنے کی جگہ ہے پھر بھی گذرنے والا نمازی اور سترہ کے درمیان سے گذرتا ہے تو اس صورت میں گذرنے والا گناہگار ہوگا کیونکہ مصلی نے سترہ رکھا ہوا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ نمازی نے اپنے آگے سترہ نہیں رکھا اور آگے گذرنے کی جگہ بھی نہیں ہے تو اس صورت میں نمازی گناہگار ہوگا کیونکہ اس نے سترہ نہیں رکھا جبکہ آگے گذرنے والا مجبور ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ سترہ نہیں ہے اور گذرنے والا باوجود گنجائش اور راستہ ہونے کے نمازی کے آگے سے گذرتا ہے تو اس صورت میں دونوں گناہگار ہوں گے چوتھی صورت یہ ہے کہ نمازی کے آگے سترہ ہو اور گذرنے کی جگہ نہ ہو، تو اس صورت میں گذرنے والا اور نمازی دونوں ہی گناہ گار نہیں ہوں گے جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

قولہ "لكان أن يقف أربعين" راوی کو یاد نہیں رہا کہ أربعين يومًا کہا ہے یا شهرًا یا سنةً لیکن مسند بزار میں

"لکان أن یقف أربعین خریفًا" آتا ہے جس سے أربعین سنةً کی تائید ہوتی ہے۔

ابن حبان اور ابن ماجہ میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے "لکان أن یقیم مائة عام خیرًا له من الخطوة التی خطاها[1]" وارد ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ "أربعین" سے مراد عدد معین نہیں ہے بلکہ اس سے مراد مبالغہ اور معاملے کو عظیم بنا کر پیش کرنا ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے تنبیہات کے تحت ذکر کیا ہے کہ یہ گناہ اس شخص کو ہوگا جو نہی اور ممانعت کو جانتے ہوئے نمازی کے آگے سے گذرے اور یہ وعید اس شخص کے لئے ہے جو نمازی کے آگے سے گذرے، نمازی کے آگے کھڑا ہونے والا یا بیٹھنے والا یا سونے والا اس وعید میں داخل نہیں ہے۔

۱۰۲۔بَابُ اسْتِقْبَالِ الرَّجُلِ صَاحِبَهُ أَوْ غَيْرَهُ فِي صَلاَتِهِ وَهُوَ يُصَلِّي:

باب: نماز پڑھتے وقت ایک نمازی کا دوسرے شخص کی طرف رخ کرنا کیسا ہے؟

وَكَرِهَ عُثْمَانُ أَنْ يُسْتَقْبَلَ الرَّجُلُ وَهُوَ يُصَلِّي، وَإِنَّمَا هَذَا إِذَا اشْتَغَلَ بِهِ فَأَمَّا إِذَا لَمْ يَشْتَغِلْ، فَقَدْ قَالَ زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا بَالَيْتُ، إِنَّ الرَّجُلَ لَا يَقْطَعُ صَلَاةَ الرَّجُلِ.



اور عثمان رضی اللہ عنہ نے ناپسند فرمایا کہ نمازی کے سامنے منہ کر کے بیٹھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کراہیت جب ہے کہ نمازی کا دل ادھر لگ جائے۔ اگر دل نہ لگے تو زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے کہا کہ مجھے اس کی پروا نہیں۔ اس لیے کہ مرد کی نماز کو مرد نہیں توڑتا۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب کے تحت دو مختلف آثار نقل کئے ہیں جن میں وہ تطبیق دینا چاہتے ہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کسی شخص کا نمازی کی طرف رخ کرنا ناپسند کرتے تھے اور یہ تب ہے جبکہ اس سے اس کی نماز میں شغل پیدا ہو اور اس کا دل اسکی طرف مائل ہو اور زید بن ثابت کسی کے نمازی کی طرف منہ کر کے بیٹھنے کی کوئی پرواہ نہیں کرتے تھے اور یہ تب ہے جبکہ اس سے نماز میں شغل پیدا نہ ہو۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دونوں آثار میں تطبیق دی ہے کہ ایک کو شغل پر محمول کیا ہے اور دوسرے کو عدم شغل پر۔



۵۱۱۔ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ خَلِيلٍ، حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ مُسْهِرٍ، عَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ مُسْلِمٍ يَعْنِي ابْنَ صُبَيْحٍ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهُ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ، فَقَالُوا: يَقْطَعُهَا الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ، قَالَتْ: قَدْ جَعَلْتُمُونَا كِلَابًا، لَقَدْ «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَإِنِّي لَبَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ عَلَى السَّرِيرِ، فَتَكُونُ لِي الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَسْتَقْبِلَهُ فَأَنْسَلُّ انْسِلَالًا»، وَعَنِ الأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَهُ.



ہم سے اسماعیل بن خلیل نے بیان کیا، کہا ہم سے علی بن مسہر نے بیان کیا سلیمان اعمش کے واسطہ سے،



---

[1] سنن ابن ماجہ ۹۴۶ ج ۱ ص ۳۰۴۔ (ضعیف)

انہوں نے مسلم بن صبیح سے، انہوں نے مسروق سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ان کے سامنے ذکر ہوا کہ نماز کو کیا چیزیں توڑ دیتی ہیں، لوگوں نے کہا کہ کتا، گدھا اور عورت (بھی) نماز کو توڑ دیتی ہے۔ (جب سامنے آجائے) عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم نے ہمیں کتوں کے برابر بنا دیا۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبلہ کے درمیان (سامنے) چارپائی پر لیٹی ہوئی تھی۔ مجھے ضرورت پیش آتی تھی اور یہ بھی اچھا نہیں معلوم ہوتا تھا کہ خود کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دوں۔ اس لیے میں آہستہ سے نکل آتی تھی۔ اعمش نے ابراہیم سے، انہوں نے اسود سے، انہوں نے عائشہ سے اسی طرح یہ حدیث بیان کی۔

قولہ وإنی لبینہ وبین القبلة اس حدیث میں اگرچہ عورت کے نمازی کے آگے ہونے کا ذکر ہے اور ترجمہ باب مرد کے بارہ میں ہے لیکن احکام شرعیہ میں مرد و عورت کا حکم ایک جیسا ہے تو جب عورت کے آگے ہونے سے نماز ہو جاتی ہے تو مرد کے سامنے ہونے سے بھی نماز ہو جائے گی۔ جیسا کہ کرمانی نے کہا ہے۔ اور ابن رشید نے ترجمہ باب سے مناسبت کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ مرد کی بنسبت عورت کے مصلی کے آگے ہونے سے شغل کا زیادہ احتمال ہوتا ہے اس کے باوجود جب آدمی کی نماز ہو جاتی ہے جبکہ عورت سے شغل پیدا نہ ہو، تو اس کے مرد کے آگے ہونے سے بالاولی نماز ہو جائے گی۔

۱۰۳۔ بَابُ الصَّلاَةِ خَلْفَ النَّائِمِ:

باب: سوتے ہوئے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا

۵۱۲۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا رَاقِدَةٌ مُعْتَرِضَةٌ عَلَى فِرَاشِهِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُوتِرَ أَيْقَظَنِي فَأَوْتَرْتُ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحیٰی بن سعید قطان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا، کہا مجھ سے میرے باپ نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے واسطے سے بیان کیا، وہ فرماتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے رہتے اور میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے) بچھونے پر آڑی سوتی ہوئی پڑی ہوتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنا چاہتے تو مجھے بھی جگا دیتے اور میں بھی وتر پڑھ لیتی تھی۔

سونے والا نمازی کے سامنے ہو تو نماز جائز ہے امام بخاری کا استدلال حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اس حدیث سے ہے۔ ایک روایت اس کے خلاف ابوداؤد میں آتی ہے جو ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "ان النبی ﷺ قال: لا تصلوا

خلف النائم و لا المتحدث[1]" لیکن یہ روایت اپنے تمام طرق کے ساتھ ضعیف ہے جیسا کہ ابو داؤد نے کہا ہے۔

۱۰۴۔بَابُ التَّطَوُّعِ خَلْفَ الْمَرْأَةِ:
باب: عورت کے پیچھے نفل نماز پڑھنا

۵۱۳۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي النَّضْرِ مَوْلَى عُمَرَ بْنِ عُبَيْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهَا قَالَتْ: «كُنْتُ أَنَامُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِجْلَايَ فِي قِبْلَتِهِ، فَإِذَا سَجَدَ غَمَزَنِي فَقَبَضْتُ رِجْلَيَّ، فَإِذَا قَامَ بَسَطْتُهُمَا، قَالَتْ: وَالْبُيُوتُ يَوْمَئِذٍ لَيْسَ فِيهَا مَصَابِيحُ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف تینسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی عمر بن عبیداللہ کے غلام ابوالنضر سے، انہوں نے ابوسلمہ عبداللہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سو جایا کرتی تھی۔ میرے پاؤں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (پھیلے ہوئے) ہوتے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ کرتے تو پاؤں کو ہلکے سے دبا دیتے اور میں انہیں سکیڑ لیتی پھر جب قیام فرماتے تو میں انہیں پھیلا لیتی تھی اس زمانہ میں گھروں کے اندر چراغ نہیں ہوتے تھے۔ (معلوم ہوا کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے)۔



۱۰۵۔بَابُ مَنْ قَالَ لَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ شَيْءٌ:
باب: اس شخص کی دلیل جس نے یہ کہا کہ نماز کو کوئی چیز نہیں توڑتی

۵۱۴۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ. ح قَالَ الْأَعْمَشُ: وَحَدَّثَنِي مُسْلِمٌ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ ذُكِرَ عِنْدَهَا مَا يَقْطَعُ الصَّلَاةَ الْكَلْبُ وَالْحِمَارُ وَالْمَرْأَةُ، فَقَالَتْ: «شَبَّهْتُمُونَا بِالْحُمُرِ وَالْكِلَابِ، وَاللَّهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَإِنِّي عَلَى السَّرِيرِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ مُضْطَجِعَةً، فَتَبْدُو لِي الْحَاجَةُ فَأَكْرَهُ أَنْ أَجْلِسَ فَأُوذِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْسَلُّ مِنْ عِنْدِ رِجْلَيْهِ».

ہم سے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا کہا، کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابراہیم نے اسود کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے



---

[1] سنن أبي داؤد ۶۹۴ ج ۱ ص ۱۸۵۔

(دوسری سند) اور اعمش نے کہا کہ مجھ سے مسلم بن صبیح نے مسروق کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ ان کے سامنے ان چیزوں کا ذکر ہوا۔ جو نماز کو توڑ دیتی ہیں یعنی کتا، گدھا اور عورت۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ تم لوگوں نے ہمیں گدھوں اور کتوں کے برابر کر دیا۔ حالانکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نماز پڑھتے تھے کہ میں چارپائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے بیچ میں لیٹی رہتی تھی۔ مجھے کوئی ضرورت پیش آئی اور چونکہ یہ بات پسند نہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے ہوں) بیٹھوں اور اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو۔ اس لیے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں کی طرف سے خاموشی کے ساتھ نکل جاتی تھی[1]۔

٥١٥ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَعْقُوبُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَخِي ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّهُ سَأَلَ عَمَّهُ عَنِ الصَّلَاةِ يَقْطَعُهَا شَيْءٌ، فَقَالَ: لَا يَقْطَعُهَا شَيْءٌ، أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: «لَقَدْ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ فَيُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ وَإِنِّي لَمُعْتَرِضَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ عَلَى فِرَاشِ أَهْلِهِ».

ہم سے اسحاق بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں یعقوب بن ابراہیم نے خبر دی، کہا کہ مجھ سے میرے بھتیجے ابن شہاب نے بیان کیا، انہوں نے اپنے چچا سے پوچھا کہ کیا نماز کو کوئی چیز توڑ دیتی ہے؟ تو انہوں نے فرمایا کہ نہیں، اسے کوئی چیز نہیں توڑتی۔ کیونکہ مجھے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر رات کو نماز پڑھتے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور قبلہ کے درمیان عرض میں بستر پر لیٹی رہتی تھی۔

١٠٦ـ بَابُ إِذَا حَمَلَ جَارِيَةً صَغِيرَةً عَلَى عُنُقِهِ فِي الصَّلَاةِ:

---

[1] قولہ "ذکر عندها مايقطع الصلوة۔ الكلب والحمار والمرأة" اس حدیث میں لفظ "قطع" آیا ہے اور قطع کبھی حقیقۃً ہوتا ہے یعنی ایک چیز کو کاٹ دینا جیسے قرآن کریم میں ہے "السارق والسارقة فاقطعوا أيديهما" یہاں چور کے ہاتھ کو کاٹ کر اس کے جسم سے الگ کر دینا مراد ہے۔ اور کبھی یہ قطع ربط کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "ويقطعون ماأمر الله به أن يوصل" یہاں اس سے مراد قطع رحم وغیرہ ہے گویا یہ کسی رابطے کے منقطع ہونے پر بھی بولا جاتا ہے اور حدیث مذکور میں یہ دوسرا معنی مراد ہے یعنی ان چیزوں کے نمازی کے آگے گذرنے سے اس کا نماز سے رابطہ ٹوٹ جاتا ہے اور اللہ تعالی سے نمازی کا تعلق قائم نہیں رہتا اور رابطہ ٹوٹنے سے نماز میں نقص آجاتا ہے یہ نہیں کہ نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

باب: اس بارے میں کہ نماز میں اگر کوئی اپنی گردن پر کسی بچی کو اٹھالے تو کیا حکم ہے؟

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصد یہ ہے کہ نمازی کا بچی کو اٹھا کر نماز پڑھنا نماز میں کوئی نقص پیدا نہیں کرتا تو بچی کے نمازی کے آگے گذرنے سے بھی نماز میں کوئی نقص نہیں آئیگا۔ اور امام بخاری کے اسے صغیرہ سے مقید کرنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم کبیرہ کا نہیں ہے۔

٥١٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَامِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ عَمْرِو بْنِ سُلَيْمٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِي قَتَادَةَ الْأَنْصَارِيِّ، «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے عامر بن عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما سے خبر دی، انہوں نے عمرو بن سلیم زرقی سے، انہوں نے ابوقتادہ انصاری رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (بعض اوقات) نماز پڑھتے وقت اٹھائے ہوتے تھے۔ ابوالعاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی حدیث میں ہے کہ سجدہ میں جاتے تو اتار دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔



قولہ "أمامة بنت زينب" ماں کی طرف نسبت کی وجہ یہ ہے کہ اسکا باپ ابوالعاص اس وقت مشرک تھا اور بچے کو ماں، باپ میں اشرف وافضل کی طرف منسوب کرتے ہوئے امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا کہا ہے اور ابوالعاص کی والدہ ہالہ بنت خویلد تھیں جو حضرت خدیجہ بنت خویلد کی بہن تھیں گویا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا ابوالعاص کی خالہ تھیں۔

شرح بخاری

قولہ "وهو حامل أمامة" بعض احناف کا خیال ہے کہ امامہ خود بخود آپ پر چڑھ جاتی اور خود اتر جاتی ہوگی۔ آپ اسے نہیں اٹھاتے تھے۔ حالانکہ گھر سے تو آپ اسے اٹھا کر لائے تھے۔ اور حدیث کے ان الفاظ "فاذا سجد وضعها وإذا قام حملها" میں اٹھانے اور اتارنے کی نسبت نبی اکرم ﷺ کی طرف کی گئی ہے یہاں انور شاہ نے کہا ہے کہ اگر نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے امامہ کو اٹھایا تھا تو "أين ذهب رفع اليدين" تو پھر رفع الیدین کہاں گئی؟ کیونکہ بچی کو نماز میں اٹھا کر رفع الیدین نہیں ہوسکتی۔ لیکن ہم نے کہا جہاں پہلی رفع الیدین گئی وہیں دوسری گئی۔ اور پہلی رفع یدین جس کے تم بھی قائل ہو اگر بچی کو اٹھا کر وہ رفع یدین ہوسکتی ہے تو دوسری بھی ہوسکتی ہے۔ اور پہلی رفع الیدین اسے یاد نہیں رہی اور اعتراض کر دیا حالانکہ بچے کو اٹھا کر رفع الیدین ہوسکتی ہے [1]۔



---

[1] مسند احمد کی ایک روایت میں "على عاتقه" آتا ہے آپ نے امامہ کو اپنے کندھے پر بٹھایا ہوا تھا ایک روایت میں "على رقبته" بھی آتا ہے لہذا بچی کندھے یا گردن پر ہو تو رفع الیدین کرنے میں کوئی مانع نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے بچی

۱۰۷۔بَابُ إِذَا صَلَّى إِلَى فِرَاشٍ فِيهِ حَائِضٌ:

باب: ایسے بستر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا جس پر حائضہ عورت ہو

۵۱۷ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هُشَيْمٌ، عَنِ الشَّيْبَانِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ شَدَّادِ بْنِ الْهَادِ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي خَالَتِي مَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، قَالَتْ: «كَانَ فِرَاشِي حِيَالَ مُصَلَّى النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرُبَّمَا وَقَعَ ثَوْبُهُ عَلَيَّ وَأَنَا عَلَى فِرَاشِي».

ہم سے عمرو بن زرارہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہشیم نے شیبانی کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن شداد بن ہاد سے، کہا مجھے میری خالہ میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ میرا بستر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مصلے کے برابر میں ہوتا تھا۔ اور بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا (نماز پڑھتے میں) میرے اوپر آجاتا اور میں اپنے بستر پر ہی ہوتی تھی۔

۵۱۸۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ سُلَيْمَانُ، حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ شَدَّادٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مَيْمُونَةَ، تَقُولُ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا إِلَى جَنْبِهِ نَائِمَةٌ، فَإِذَا سَجَدَ أَصَابَنِي ثَوْبُهُ وَأَنَا حَائِضٌ»، وَزَادَ مُسَدَّدٌ، عَنْ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سليمان الشيباني وَأَنَا حَائِضٌ.

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا، کہا ہم سے شیبانی سلیمان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبداللہ بن شداد بن ہاد نے بیان کیا، کہا ہم نے میمونہ رضی اللہ عنہا سے سنا، وہ فرماتی تھیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے ہوتے اور میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے برابر میں سوتی رہتی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں جاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کپڑا مجھے چھو جاتا حالانکہ میں حائضہ ہوتی تھی۔

۱۰۸۔بَابُ هَلْ يَغْمِزُ الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ عِنْدَ السُّجُودِ لِكَيْ يَسْجُدَ:

باب: اس بیان میں کہ کیا مرد سجدہ کرتے وقت اپنی بیوی کو چھو سکتا ہے؟
(تاکہ وہ سکڑ کر جگہ چھوڑ دے کہ بآسانی سجدہ کیا جاسکے)

یعنی کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو اور اس کے آگے اس کی بیوی یا بیٹی وغیرہ لیٹی ہوئی ہو جسکے پاؤں نمازی کے سجدے کی جگہ

کو اٹھا کر جو نماز پڑھی تھی وہ نفلی تھی حالانکہ امامت نفلی نماز میں معروف نہیں ہے بلکہ ابوداؤد میں حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہر یا عصر کی نماز تھی "بينما نحن ننتظر رسول الله ﷺ في الظهر أو العصر قد دعاه بلال الي الصلوة إذ خرج علينا وأمامة على عاتقه"۔ امامۃ کے باپ ابو العاص اپنی کنیت سے مشہور تھے ان کے نام میں اختلاف ہے لقیط تھا یا مقسم تھا یا قاسم یا مہشم یا ہشیم یا یاسر۔ یہ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہو کر ہجرت کر کے مدینے میں آگئے تھے اور نبی اکرم ﷺ نے اپنی بیٹی زینب پہلے نکاح سے اس پر لوٹا دی تھی۔ یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فوت ہوئے۔

میں ہوں اور نمازی سجدہ میں جاتے ہوئے اس کے پاؤں کو چھودے تا کہ وہ اپنے پاؤں سمیٹ لے اور وہ سجدہ کر لے تو اس سے نمازی کی نماز میں کوئی فساد لازم نہیں آئے گا۔

٥١٩ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَلِيٍّ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْقَاسِمُ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «بِئْسَمَا عَدَلْتُمُونَا بِالْكَلْبِ وَالْحِمَارِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَرَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي وَأَنَا مُضْطَجِعَةٌ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْقِبْلَةِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَسْجُدَ غَمَزَ رِجْلَيَّ فَقَبَضْتُهُمَا».

ہم سے عمرو بن علی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبید اللہ عمری نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے قاسم بن محمد نے بیان کیا، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ تم نے برا کیا کہ ہم کو کتوں اور گدھوں کے حکم میں کر دیا۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لیٹی ہوئی تھی۔ جب سجدہ کرنا چاہتے تو میرے پاؤں کو چھودیتے اور میں انہیں سکیڑ لیتی تھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقابلہ میں عورت ہو تو نماز میں کوئی خلل نہیں پڑتا اس سے حنفیوں کے محاذات کے مسئلہ کی نفی ہوتی ہے مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ محاذات کے مسئلہ پر کوئی دلیل نہیں ہے انور شاہ رحمہ اللہ کہتا ہے کہ مجتہد کو کوئی دلیل یا حدیث پیش کرنے کی تکلیف دینا ظلم ہے اگر اسے ہر جگہ دلیل یا حدیث پیش کرنے کی تکلیف دی جائے تو وہ مجتہد کاہے کا؟ محاذات کے مسئلہ پر اس سے قبل "باب إذا أصاب ثوب المصلي امرأته إذا سجد" میں بحث ہو چکی ہے۔

١٠٩ـ بَابُ الْمَرْأَةِ تَطْرَحُ عَنِ الْمُصَلِّي شَيْئًا مِنَ الْأَذَى:

باب: اس بارے میں کہ اگر عورت نماز پڑھنے والے سے گندگی ہٹا دے (تو مضائقہ نہیں ہے)

٥٢٠ـ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ إِسْحَاقَ السُّورَمَارِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللَّهِ بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْرَائِيلُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مَيْمُونٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: «بَيْنَمَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَائِمٌ يُصَلِّي عِنْدَ الْكَعْبَةِ وَجَمْعُ قُرَيْشٍ فِي مَجَالِسِهِمْ، إِذْ قَالَ قَائِلٌ مِنْهُمْ: أَلَا تَنْظُرُونَ إِلَى هَذَا الْمُرَائِي، أَيُّكُمْ يَقُومُ إِلَى جَزُورِ آلِ فُلَانٍ فَيَعْمِدُ إِلَى فَرْثِهَا وَدَمِهَا وَسَلَاهَا فَيَجِيءُ بِهِ، ثُمَّ يُمْهِلُهُ حَتَّى إِذَا سَجَدَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ فَانْبَعَثَ أَشْقَاهُمْ، فَلَمَّا سَجَدَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَضَعَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا، فَضَحِكُوا حَتَّى مَالَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ مِنَ الضَّحِكِ، فَانْطَلَقَ مُنْطَلِقٌ إِلَى فَاطِمَةَ عَلَيْهَا السَّلَام وَهِيَ

جُوَيْرِيَةٌ فَأَقْبَلَتْ تَسْعَى، وَثَبَتَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا، حَتَّى أَلْقَتْهُ عَنْهُ وَأَقْبَلَتْ عَلَيْهِمْ تَسُبُّهُمْ، فَلَمَّا قَضَى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الصَّلَاةَ، قَالَ: اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِقُرَيْشٍ، ثُمَّ سَمَّى اللَّهُمَّ عَلَيْكَ بِعَمْرِو بْنِ هِشَامٍ، وَعُتْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَشَيْبَةَ بْنِ رَبِيعَةَ، وَالْوَلِيدِ بْنِ عُتْبَةَ، وَأُمَيَّةَ بْنِ خَلَفٍ، وَعُقْبَةَ بْنِ أَبِي مُعَيْطٍ، وَعُمَارَةَ بْنِ الْوَلِيدِ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: فَوَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُهُمْ صَرْعَى يَوْمَ بَدْرٍ، ثُمَّ سُحِبُوا إِلَى الْقَلِيبِ قَلِيبِ بَدْرٍ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأُتْبِعَ أَصْحَابُ الْقَلِيبِ لَعْنَةً».

ہم سے احمد بن اسحاق سرماری نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے اسرائیل نے ابواسحاق کے واسطہ سے بیان کیا۔ انہوں نے عمرو بن میمون سے، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے، کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کے پاس کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ قریش اپنی مجلس میں (قریب ہی) بیٹھے ہوئے تھے۔ اتنے میں ان میں سے ایک قریشی بولا اس ریاکار کو نہیں دیکھتے؟ کیا کوئی ہے جو فلاں قبیلہ کے ذبح کئے ہوئے اونٹ کا گوبر، خون اور اوجھڑی اٹھالائے۔ پھر یہاں انتظار کرے۔ جب یہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جائے تو گردن پر رکھ دے (چنانچہ اس کام کو انجام دینے کے لیے) ان میں سے سب سے زیادہ بدبخت شخص اٹھا اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں گئے تو اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک پر یہ غلاظتیں ڈال دیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمسجدہ ہی کی حالت میں سر رکھے رہے۔ مشرکین (یہ دیکھ کر) ہنسے اور مارے ہنسی کے ایک دوسرے پر لوٹ پوٹ ہونے لگے۔ ایک شخص (غالباً ابن مسعود رضی اللہ عنہ) فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے۔ وہ ابھی بچہ تھیں۔ آپ رضی اللہ عنہا دوڑتی ہوئی آئیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی سجدہ ہی میں تھے۔ پھر (فاطمہ رضی اللہ عنہا نے) ان غلاظتوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر سے ہٹایا اور مشرکین کو برا بھلا کہا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پوری کر کے فرمایا یا اللہ قریش پر عذاب نازل کر۔ یا اللہ قریش پر عذاب نازل کر۔ یا اللہ قریش پر عذاب نازل کر۔ پھر نام لے کر کہا یا اللہ! عمرو بن ہشام، عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ، ولید بن عتبہ، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط اور عمارہ ابن ولید کو ہلاک کر۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے کہا، اللہ کی قسم! میں نے ان سب کو بدر کی لڑائی میں مقتول پایا۔ پھر انہیں گھسیٹ کر بدر کے کنویں میں پھینک دیا گیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کنویں والے اللہ کی رحمت سے دور کر دیئے گئے۔



اس حدیث پر اس سے قبل "باب إذا ألقى على ظهر المصلي قذر أو جيفة لم تفسد عليه صلوته" میں بحث ہو چکی ہے اور اس حدیث سے مراد یہ ہے کہ عورت نمازی کے جسم سے کوئی موذی چیز زائل کر سکتی ہے اور اس



کے اسے چھونے سے نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوگا۔

قوله السرماری بخارا کی بستی "سرمار" کی طرف نسبت ہے۔

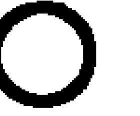
"قوله إلي جزور آل فلان" حافظ نے کہاں ہے کہ ان آل فلان کی تعیین کہیں نہیں ہوئی لیکن ہوسکتا ہے کہ اس آل فلان سے مراد آل أبی معیط ہوں، کیونکہ عقبۃ بن أبی معیط نے جلد ہی ان کی مطلوبہ چیز ان سے لاکر حاضر کردی تھی۔

قوله "فانبعث أشقاهم" یہ بدبخت عقبۃ بن أبی معیط تھا جو گوبر بھری اوجھڑی لایا تھا۔

قوله "فانطلق منطلق" حافظ کہتے ہیں کہ اس جانے والے کے نام پر میں کہیں واقف نہیں ہوا لیکن ہوسکتا ہے کہ یہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ ہوں جو اس حدیث کے راوی ہیں۔

قوله جویریة یہ جاریة کی تصغیر ہے یعنی چھوٹی بچی تھیں۔









کتاب مواقیت الصلاۃ

کتاب اوقات نماز کے بیان میں

۱۔بَابُ مَوَاقِيتِ الصَّلاَةِ وَفَضْلِهَا:

باب: نماز کے اوقات اور ان کے فضائل

وَقَوْلِهِ: إِنَّ الصَّلاَةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَوْقُوتًا سورة النساء آية ۱۰۳ مُوَقَّتًا وَقَّتَهُ عَلَيْهِمْ.

کہ مسلمانوں پر نماز وقت مقررہ میں فرض ہے، یعنی اللہ نے ان کے لیے نمازوں کے اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔

مواقیت، میقات کی جمع ہے حافظ نے میقات کا معنی کیا ہے "وھو القدر المحدد للفعل من الزمان والمکان" محدود وقت یا محدود جگہ کو میقات کہتے ہیں۔ ایک میقات مکانی ہوتی ہے جیسے حج کی مواقیت ہیں جنہیں مواقیتِ احرام کہا جاتا ہے دوسری میقات زمانی ہوتی ہے جیسے نمازوں کے اوقات ہیں۔

قولہ "کتابا موقوتاً ای موقتا وقت یقت" کا معنی معین کرنا اور فرض کرنا ہوتا ہے لہذا موقوتا بمعنی مفروضاً ہے موقوت مجرد اور موقتا مزید فیہ ہے۔ قرآن کریم کی متعدد آیات میں نمازوں کے اوقات کا ذکر آتا ہے ایک آیت سورۃ ھود میں ہے "أقم الصلوۃ طرفی النھار وزلفًا من اللیل[1]" اس آیت میں "طرفی النھار" کا لفظ آیا ہے اس کی پہلی طرف میں فجر کی نماز آگئی اور پچھلی طرف میں ظہر اور عصر کی نماز آگئی اور "زلفاً من اللیل میں مغرب اور عشاء کی نمازیں آگئیں۔ یہ جمع کا صیغہ ہے اس لیے بعض نے اس میں تہجد کی نماز بھی مراد لی ہے۔

اور احناف نے کہا ہے کہ کم از کم اس میں تین نمازیں ہونی چاہییں، جو کہ مغرب، عشاء اور وتر ہیں لہذا وتر بھی فرض ہے یہ استدلال مغلطائی نے کیا ہے۔ حافظ نے جواب میں صرف یہ کہہ دیا ہے کہ یہ درست نہیں۔ جواب نہیں دیا۔ جواب دراصل یہ ہے کہ زلف کا لفظ ایک نماز کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے کیونکہ اس کے اوقات متعدد ہوتے ہیں اول اور اوسط اور آخر وقت، پھر وتر کی نماز تو مدینہ میں جاکر مشروع ہوئی ہے وہ اس آیت میں کیسے آسکتی ہے یہ ہوسکتا ہے کہ یہ اس وقت کی آیت ہو جبکہ تہجد کی نماز مشروع ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپ پر تہجد پہلے فرض تھی۔ جیسا کہ ارشاد ہے "یاأیھا المزمل قم الیل إلا قلیلا[2]" اس سے ایک سال بعد اللہ تعالی نے تخفیف کر دی، "علم أن لن تحصوہ فتاب علیکم فاقرؤا ماتیسر من القرآن[3]" اس میں ماتیسر فرض نہ ہونے کا قرینہ ہے کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ

---

(1) ھود:۱۱۴۔

(2) المزمل:۱۔

(3) المزمل:۲۰۔

عنہانے یہ آیت ذکر کر کے کہا تھا "فصار تطوعا" اگرچہ "ماتیسر" کا لفظ واجب چیز پر بھی آجاتا ہے اور یہ تب ہے جبکہ یہ مطلق ہو جیسے "لا تحلقوا رؤسکم" سے پتہ چلتا ہے "ماأستیسر من الھدی" واجب ہے۔

دوسری آیت سورۃ روم میں ہے "سبحان اللہ حین تمسون و حین تصبحون و له الحمد فی السموت والارض عشیًا وحین تظھرون①" اس آیت میں "تمسون" میں مغرب اور عشاء کی نماز آگئی اور تصبحون میں فجر کی نماز اور عشیا میں عصر کی اور تظھرون میں ظہر کی نماز آجاتی ہے۔

تیسری آیت سورۃ طہ کی ہے "وسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس و قبل غروبها ومن اناء اللیل فسبح وأطراف النهار لعلك ترضي②" اس آیت کریمہ میں اناء اور أطراف جمع کا صیغہ ہیں اور جمع میں کم از کم تین افراد ہونا چاہئیں۔ اناء اللیل میں مغرب، عشاء اور تہجد آگئیں۔ اور اطراف النھار میں فجر ظہر اور عصر کی نمازیں آگئیں۔ بعض خاص آیات بھی آئی ہیں جیسے ارشاد باری تعالیٰ ہے "أقم الصلوة لدلوك الشمس إلي غسق اللیل وقرآن الفجر③" اس آیت میں دلوك شمس سے غسق اللیل تک ظہر عصر مغرب اور عشاء کی نمازوں کو ایک ہی سلسلہ میں ذکر کر دیا گیا ہے۔ یعنی دلوک شمس سے لے کر غسق لیل تک نماز ہی پڑھتے رہیں حالانکہ نماز مختصر وقت میں پڑھ لی جاتی ہے۔ اس کے بعد انسان فارغ ہوتا ہے لیکن پہلی سے اگلی نماز تک چونکہ پڑھی ہوئی نماز کا اثر باقی رہتا ہے گویا کہ وہ نماز میں ہی رہتا ہے اسطرح بندہ حکماً زوال شمس سے لیکر رات چھانے تک نماز ہی پڑھتا رہتا ہے اس لیے اسے اقم الصلوة لدلوك الشمس الي غسق اللیل سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآن الفجر میں صبح کی نماز آجاتی ہے۔ اس کے بعد تہجد کا ذکر بھی کر دیا۔ "ومن اللیل فتھجد به نافلة لك④" یعنی یہ نماز تیرے لیے زائد ہے جو علماء یہ کہتے ہیں کہ نماز تہجد آپ کے لئے فرض تھی وہ نافلۃ سے مراد یہ لیتے ہیں کہ دیگر لوگوں کے لئے تو یہ نماز گناہوں کا کفارہ بنتی ہے۔ لیکن آپ کے لئے یہ نماز رفع درجات کا باعث بنتی ہے۔ اس طرح یہ آپ کے لئے زائد ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں⑤ آتا ہے کہ جب کوئی گھر سے وضو کر کے نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں آتا ہے تو اس کے ہر قدم کے بدلے اسکا گناہ معاف ہوتا ہے اور درجہ بلند ہوتا ہے تو اسکی مسجد کی نماز اس کے لئے زائد بن جاتی ہے یعنی نفل بن جاتی ہے نفل بننے سے یہ مراد نہیں کہ وہ فرض نہیں رہتی اور گھر واپس ہو جائے بلکہ نفل کا معنی ہے کہ وہ رفع درجات کا باعث بنتی ہے یہی معنی آیت مذکورہ میں کیا جائیگا۔





منکرین حدیث اور چکڑالوی وغیرہ کہتے ہیں کہ قرآن میں تین نمازوں کا ہی ذکر ہے پانچ نہیں ہیں یہ ان کی جہالت

---

① الروم:۱۷۔

② طہ:۱۳۰۔

③ الإسراء:۷۸۔

④ الإسراء:۷۹۔

⑤ معجم ابن الأعرابی ۱۵۳۵ ج۲ ص۷۵۹۔ مسلم (۸) ۲۲۹

ہے بلکہ قرآن کریم سے تو گیارہ نمازیں ثابت ہیں۔ فرمان الٰہی ہے "حافظوا علی الصلوات والصلوة الوسطی[1]" اس میں الصلوات جمع سالم ہے جس پر الف ولام آجائے تو یہ کثرت کا معنی دیتی ہے اور جمع کثرت کا اطلاق کم از کم دس افراد پر ہوتا ہے گویا دس نمازیں تو الصلوات میں آگئیں آگے صلوۃ وسطی گیارھویں نماز بنتی ہے۔ اور فرض و نفل نمازیں ہیں بھی گیارہ۔ کیونکہ پانچ نمازیں تو فرض ہیں اور تہجد کی نماز، اور ایک نماز سورج نکلنے پر پڑھی جاتی ہے پھر سورج اونچا آنے پر بھی ایک نماز پڑھی جاتی ہے آپ زوال کے بعد سنت زوال بھی پڑھتے تھے ایک صلوۃ اوابین جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہے ایک نماز آپ آدھی رات پڑھا کرتے تھے جیسے شاہ ولی اللہ نے کہا ہے اس طرح گیارہ نمازیں قرآن کریم میں ہی آجاتی ہیں۔

٥٢١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، قَالَ: قَرَأْتُ عَلَى مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا، فَدَخَلَ عَلَيْهِ عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ. فَأَخْبَرَهُ أَنَّ الْمُغِيرَةَ بْنَ شُعْبَةَ أَخَّرَ الصَّلَاةَ يَوْمًا وَهُوَ بِالْعِرَاقِ، فَدَخَلَ عَلَيْهِ أَبُو مَسْعُودٍ الْأَنْصَارِيُّ، فَقَالَ: مَا هَذَا يَا مُغِيرَةُ؟ أَلَيْسَ قَدْ عَلِمْتَ أَنَّ جِبْرِيلَ نَزَلَ فَصَلَّى، فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ صَلَّى فَصَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: بِهَذَا أُمِرْتُ، فَقَالَ عُمَرُ لِعُرْوَةَ: اعْلَمْ مَا تُحَدِّثُ، أَوَأَنَّ جِبْرِيلَ هُوَ أَقَامَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقْتَ الصَّلَاةِ، قَالَ عُرْوَةُ: كَذَلِكَ كَانَ بَشِيرُ بْنُ أَبِي مَسْعُودٍ يُحَدِّثُ، عَنْ أَبِيهِ.

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے امام مالک رحمہ اللہ علیہ کو پڑھ کر سنایا ابن شہاب کی روایت سے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ نے ایک دن (عصر کی) نماز میں دیر کی، پس عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لے گئے، اور انہوں نے بتایا کہ (اسی طرح) مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ نے ایک دن (عراق کے ملک میں) نماز میں دیر کی تھی جب وہ عراق میں (حاکم) تھے۔ پس ابومسعود انصاری (عقبہ بن عمر) ان کی خدمت میں گئے۔ اور فرمایا، مغیرہ رضی اللہ عنہ! آخر یہ کیا بات ہے، کیا آپ کو معلوم نہیں کہ جب جبرائیل علیہ السلام تشریف لائے تو انہوں نے نماز پڑھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، پھر جبرائیل علیہ السلام نے نماز پڑھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، پھر جبرائیل علیہ السلام نے نماز پڑھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی نماز پڑھی، پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ میں اسی طرح حکم دیا گیا ہوں۔ اس پر عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ نے عروہ سے کہا، معلوم بھی ہے آپ کیا بیان کر رہے ہیں؟ کیا جبرائیل علیہ السلام نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو

[1] البقرۃ:٢٣٨۔

نماز کے اوقات (عمل کر کے) بتلائے تھے۔ عروہ نے کہا، کہ ہاں اسی طرح بشیر بن ابی مسعود رضی اللہ عنہ اپنے والد کے واسطہ سے بیان کرتے تھے۔

قَالَ عُرْوَةُ: وَلَقَدْ حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ».

عروہ رحمہ اللہ علیہ نے کہا کہ مجھ سے عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز اس وقت پڑھ لیتے تھے جب ابھی دھوپ ان کے حجرہ میں موجود ہوتی تھی اس سے بھی پہلے کہ وہ دیوار پر چڑھے۔

قولہ "فصلي فصلي رسول الله ﷺ" جب آپ معراج سے واپس آئے تو ظہر کے وقت جبریل نازل ہوئے اور انہوں نے آپ کو پہلی نماز ظہر کی پڑھائی اس لیے نماز ظہر کو صلوۃ اولی کہا جاتا ہے اور فارسی میں اسے پیشیں کی نماز کہہ دیتے ہیں جس کا معنی پہلی نماز ہے اور نماز عصر کو ڈیگر کی نماز کہہ دیتے ہیں اور ظہر کو صلوۃ اُولی اس لیے کہتے ہیں کہ جبریل علیہ السلام نے نبی علیہ السلام کو یہ پہلی نماز پڑھائی ہے اس حدیث میں مجمل لفظ آئے ہیں اور صلی فصلی کے ساتھ پانچ نمازوں کا ذکر کیا ہے حالانکہ جبریل علیہ السلام نے آپ کو دو دن نمازیں پڑھائی تھیں دو دن کا ذکر بخاری ومسلم میں نہیں آتا۔ امام زہری کا شاگرد اسامہ بن زید دو دن کی نماز کو ذکر کرتا ہے اس لیے بعض اسے شاذ بھی کہہ دیتے ہیں لیکن حافظ نے کہا ہے کہ اسکا اصل ہے دوسری روایت انہوں نے ذکر کی ہے جس میں بلغنی کا لفظ ہے یہ سند ابن شہاب عن عمر بن عبدالعزیز کے واسطے سے ہے جبکہ وہ ہشام کی روایت ہے طبرانی میں 'حدثني أبو بكر" آیا ہے اور ابوبکر نے عروہ سے بیان کیا ہے۔ اور یہ حدیث بھی عروہ سے ہے، معلوم ہوا کہ اسکا اصل ہے اور اس میں دو دن کی نماز ذکر کی گئی ہے لہذا اسامہ بن زید کا تفرد مضر نہیں ہے ابوداؤد نے کہا ہے کہ ابن شہاب کے شاگردوں سے اسے اسامہ بن زید کے سوا کوئی بھی بیان نہیں کرتا۔



قولہ "أخر الصلوة يومًا" بعض روایتوں میں "حتى أمسى" آتا ہے اور بعض روایات میں "شيئًا" آتا ہے یعنی تھوڑی سی مؤخر کی، حافظ نے کہا ہے "أمسى" کہنے میں مبالغہ ہے اسکا معنی "قارب المساء" ہے ان کی عادت نماز کو مؤخر کرنا نہیں تھا۔ لیکن بنو مروان کی عادت کی طرح انہوں نے ایک دن مؤخر کر دی تھی اور یہ واقعہ بھی اس وقت کا ہے جبکہ یہ ابھی خلیفہ نہیں بنے تھے اور یہ ولید بن عبدالملک کے دور میں امیر تھے۔ فیض الباری کے حاشیہ پر کہا گیا ہے کہ دیکھئے عمر بن عبدالعزیز جیسے صحابی کو بھی معلوم نہیں ہے۔ حالانکہ حضرت عمر بن عبدالعزیز صحابی نہیں ہیں، انہیں صحابی بنا دیا گیا ہے۔

قولہ بالعراق مؤطا میں "وهو بالكوفة" آتا ہے اور کوفہ بھی عراق میں ہے یہ تعبیر عراق سے خاص ہے۔ اور مغیرہ بن شعبہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہاں کے امیر تھے۔

"قولہ أليس قد علمت" حالانکہ "ألست" چاہیئے لیکن یہ "أليس" بمعنی "أما" ہے۔



قوله "صلي فصلي رسول الله ﷺ" اسکا یہ معنی کرتے ہیں کہ حضرت جبریل نے نماز پڑھ کر دکھادی اس کے بعد نبی ﷺ نے پڑھی۔ لیکن یہ معنی اس حدیث کے خلاف ہے جس میں "أمني جبريل[1]" آتا ہے اور امامت میں نماز ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ پڑھی ہے۔ "فصلي" کی فا معاقبت کے لئے بھی ہوسکتی ہے کہ امام کے ساتھ امام کے پیچھے رہ کر نماز پڑھی۔ اور فا کبھی ابتداء کے لئے اور کبھی انتہا کے لئے بھی ہوتی ہے یعنی جبریل نے نماز کی ابتداء کی پھر نبی اکرم ﷺ نے ابتدا کرلی آپ اس وقت کعبہ کے دروازہ کے آگے کھڑے تھے اور آپ کے پیچھے صحابہ کرام تھے، کیونکہ مصنف عبدالرزاق میں ہے "نزل فصلي فصلي رسول الله ﷺ فصلي الناس[2]" اور لوگوں کو "الصلوة جامعة" کہہ کر بلایا گیا تھا کیونکہ اذان ابھی مشروع نہیں ہوئی تھی حافظ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ نفلی نماز پڑھنے والے کے پیچھے فرضی نماز پڑھی جاسکتی ہے کیونکہ فرشتے بندوں کی تکالیف شرعیہ کے مکلف نہیں ہیں لہذا جبریل کی نماز نفلی تھی اور نبی کریم علیہ السلام کی نماز ان کے پیچھے فرضی تھی۔ بعض نے اس کا جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے نبی علیہ السلام پر بھی یہ نماز فرض نہ ہو لیکن یہ بات حدیث معراج کے خلاف ہے۔ کیونکہ معراج کے موقع پر پانچ نمازیں فرض کردی گئی تھیں بعض کہتے ہیں کہ جبریل پر بھی یہ نماز فرض تھی کیونکہ وہ ان نمازوں کو آپ تک پہنچانے کے مکلف تھے۔

جبکہ نبی کریم علیہ السلام کعبے کے دروازے کے آگے کھڑے تھے تو اس سے معلوم ہوا کہ آپ اس وقت بیت المقدس کی طرف متوجہ نہیں تھے لہذا جو لوگ کہتے ہیں کہ آپ مکہ مکرمہ ہوتے ہوئے کعبے اور بیت المقدس دونوں کو آگے کیا کرتے تھے ان کی بات غلط ثابت ہوتی ہے لیکن یہ تب ہے جبکہ اس روایت کی سند صحیح ثابت ہو مگر کعبے کے دروازے کے آگے کھڑے ہونے کی روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔

بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے چار رکعتیں پڑھی تھیں حالانکہ صحیح احادیث میں دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر آتا ہے چار رکعات ہجرت کے بعد کی گئی ہیں جبکہ ابن کثیر کے قول کے مطابق چار رکعات کی بات بن جاتی ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ معراج سے پہلے نماز دو رکعت تھی اور معراج کے موقع پر چار رکعتیں ہوگئی چونکہ معراج ہجرت کے قریب ہی ہوا ہے اس لیے "هاجر" کا لفظ آیا ہے یہ تاویل ہی ہے۔

اس مقام پر دو دن کی نماز کا ذکر ہو رہا ہے یا ایک دن کا بعض کہتے ہیں یہاں ایک دن کی نماز کا ذکر ہے کہ مغیرہ رضی اللہ عنہ نے نماز مؤخر کی تو ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام کی پہلے دن اول وقت نماز کا ذکر کیا اور اعتراض بھی تب ہی ہوسکتا ہے جبکہ نبی کریم علیہ السلام کی پہلے دن کی اول وقت کی نماز کا ذکر ہو کیونکہ دوسرے دن تو آپ نے اخیر وقت میں نمازیں پڑھی تھیں لیکن اخیر وقت میں اتنی مؤخر نہیں تھیں جتنی عمر بن عبدالعزیز نے کی تھی۔ بعض کہتے ہیں کہ حدیث کا لفظ "صلي فصلي" دونوں دنوں کی نماز کو شامل ہے کیونکہ یہ فعل ہے اور فعل ایک دفعہ کو بھی شامل ہوتا ہے اور دو دفعہ

---

1. ترمذی:۱۴۹ ج۱ ص۲۱۷۔
2. مصنف عبدالرزاق ۲۰۴۵ ج۱ ص۵۴۱۔

کو بھی۔

"قوله بهذا أمرت" اسے تا کی فتحہ کے ساتھ بھی پڑھتے ہیں اور معنی یہ ہوگا "هذا الذی أمرت به أن تصليه کل یوم و ليلة" اور تا کے ضمہ کے ساتھ بھی "ای هذا الذی أمرت بتبليغه لك"۔

قوله "اعلم ماتحدث به" یعنی تو بغیر سند کے بیان کر رہا ہے حالانکہ تو صحابی نہیں ہے یہ بات عمر بن عبدالعزیز نے عروہ سے کہی تو عروہ نے آگے اسکی سند بیان کر دی۔ "كذلك كان بشير بن ابی مسعود يحدث عن أبيه"۔

قوله "قال عروة ولقد حدثتنی عائشة أن رسول الله ﷺ کان يصلي العصر والشمس فی حجرتها قبل أن تظهر"۔

عروہ نے کہا مجھ سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ عصر کی نماز اس وقت پڑھ لیتے تھے جب ابھی دھوپ ان کے حجرے میں موجود ہوتی تھی، اس سے بھی پہلے کہ وہ دیوار پر چڑھے۔

حجرے کا صحن چھوٹا سا تھا، اور حجرے کی مغربی دیوار بھی چھوٹی تھی اور مسجد اس سے شمالی جانب ہے۔ حجرے کی دیوار پر مسجد کی چھت تھی اس دیوار کے آگے چھوٹا سا صحن تھا اور صحن کا فرش دیوار کی اونچائی کے بقدر تھا یعنی ابھی تک اس دیوار کا سایہ دوسری دیوار پر نہیں چڑھا ہوتا تھا کہ عصر کی نماز پڑھ لیتے تھے، طحاوی نے کہا ہے کہ اگلی دیوار بڑی چھوٹی ہوگی اتنی چھوٹی کہ شام کے وقت اس کا سایہ چڑھتا ہوگا حالانکہ اتنی تو ہوگی کہ کوئی انسان ہاتھ اوپر کرے تو ہاتھ نہ پہنچے۔



نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ صحن کے عرض کے بقدر اونچی تھی جب دیوار پر سایہ آتا تو اسوقت آپ عصر کی نماز پڑھ لیتے تھے گویا اول وقت نماز پڑھتے تھے۔

نمازوں کے اوقات میں سے ظہر کے وقت کی قرآن کریم میں صراحت کر دی گئی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "أقم الصلوة لدلوك الشمس" اور صبح کی نماز کے لئے "فجر" کا لفظ بول کر ابتداء وقت کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ عصر کے وقت کی ابتداء اور ظہر کی انتہاء حدیث میں آتی ہے حدیث میں آتا ہے کہ ایک مثل پر ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں اسکی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ظہر کا وقت دو مثل تک جاتا ہے۔ ویسے اس بارہ میں ان کی چار روایات ذکر کرتے ہیں۔ ایک روایت دو مثل کی ہے دوسری روایت یہ ہے کہ ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے یہ حسن بن زیاد کی روایت ہے۔ ایک روایت ہے کہ درمیانی دوسری مثل مہمل ہے نہ یہ ظہر کا وقت ہے اور نہ ہی عصر کا۔ ایک روایت ہے کہ دونوں کے درمیان مشترک وقت ہے۔ اس میں ظہر بھی پڑھ سکتا ہے اور عصر بھی خاص ظہر کا وقت ایک مثل تک ہے اور خاص عصر کا وقت دو مثل سے شروع ہوتا ہے۔ درمیانی مثل مشترک ہے یہ بات بعد میں بنائی گئی ہے اصل بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ کی روایت حدیث کے خلاف ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اس قول کی دلیل کوئی مرفوع حدیث نہیں ہے۔ موطا[1] میں آتا ہے "صل الظهر إذا كان ظلك مثلك وصل العصر إذا كان ظلك مثليك" اسکو دلیل بنا سکتے ہیں لیکن گنگوہی وغیرہ

---

[1] موطا رقم ۹ ج ۱ ص ۸۔

نے جواب دیا ہے کہ اس میں سایہ اصلی بھی شامل کیا گیا ہے اور سایہ اصلی سردی کے موسم میں زوال شمس کے وقت ہی مثل ہوتا ہے۔ یہاں عصر پڑھنے کا وقت دو مثل بتایا گیا ہے اس طرح دو مثل تک ایک مثل ہوگا۔ یہ معنی نہیں کہ دو مثل پر عصر پڑھے اور ایک مثل پر ظہر کی نماز پڑھے اول وقت پڑھے ہی نہیں۔ اور یہ کسی کا مذہب نہیں ہے کہ اول وقت ظہر کی نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ بلکہ حنفی بھی کہتے ہیں کہ سردیوں میں ظہر کی نماز اول وقت پڑھنی چاہیئے۔ گرمیوں میں ٹھنڈی کرنی چاہیئے۔ عصر کی نماز کے لئے حنفیوں کے ہاں چار وقت ہیں ایک مختار وقت جب کہ دو مثل ہو جائے تب پڑھے۔ اس کے بعد وقت جواز ہے اور جب سورج زرد ہو جائے تو کراہت کا وقت ہے۔ اور سورج غروب کے بعد قضا کا وقت ہے۔ اب تو دو وقت کر دیئے ہیں کہ سورج زرد ہو جائے تو مکروہ ہے اس سے پہلے جائز ہے ان کے ہاں جتنی بھی نماز موخر کرے بہتر ہے لیکن زرد ہونے سے پہلے پڑھ لے۔

قولہ والشمس فی حجرتھا شمس سے مراد سایہ ہے ای الفئی فی حجرتھا قبل أن یعلو علی البیوت[1]۔

۲۔بَابٌ: ﴿مُنِيبِينَ إِلَيْهِ وَاتَّقُوهُ وَأَقِيمُوا الصَّلاَةَ وَلاَ تَكُونُوا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾:

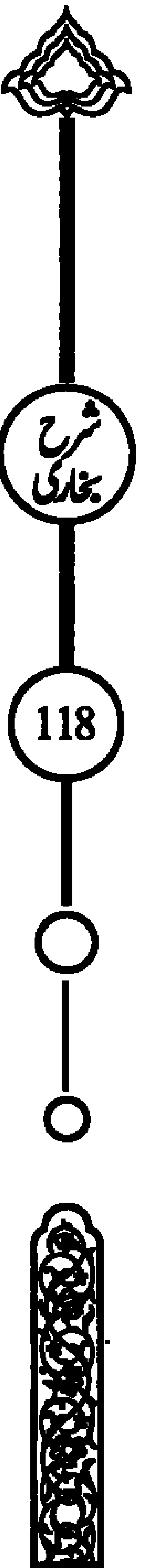
باب: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ پاک کی طرف رجوع کرنے والے (ہو جاؤ) اور اس سے ڈرو اور نماز قائم کرو اور مشرکین میں سے نہ ہو جاؤ

۵۲۳۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبَّادٌ هُوَ ابْنُ عَبَّادٍ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: قَدِمَ وَفْدُ عَبْدِ الْقَيْسِ عَلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالُوا: إِنَّا مِنْ هَذَا الْحَيِّ مِنْ رَبِيعَةَ وَلَسْنَا نَصِلُ إِلَيْكَ إِلَّا فِي الشَّهْرِ الْحَرَامِ، فَمُرْنَا بِشَيْءٍ نَأْخُذْهُ عَنْكَ وَنَدْعُو إِلَيْهِ مَنْ وَرَاءَنَا، فَقَالَ: «آمُرُكُمْ بِأَرْبَعٍ وَأَنْهَاكُمْ عَنْ أَرْبَعٍ، الْإِيمَانِ بِاللَّهِ، ثُمَّ فَسَّرَهَا لَهُمْ شَهَادَةُ أَنْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللَّهِ، وَإِقَامُ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءُ الزَّكَاةِ، وَأَنْ تُؤَدُّوا إِلَيَّ خُمُسَ مَا غَنِمْتُمْ، وَأَنْهَى عَنِ الدُّبَّاءِ،

[1] حافظ رحمہ اللہ نے اس باب کی حدیث کے فوائد ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء کو امراء کے پاس جانا چاہیئے اور ان پر ان کی خلاف سنت باتوں کا رد کرنا چاہیئے اور جس غریب چیز کی سمجھ نہ آئے اسکی عالم سے تحقیق کر لینی چاہیئے۔ اور اختلافی مسائل میں سنت نبوی کی طرف رجوع کرنا چاہیئے اور جو چیز حدیث نبوی سے ثابت ہو اسے اختیار کرنا اور اس کے ضد کو چھوڑ دینا چاہیئے، اور نماز کو اس کے وقت مختار میں ادا کرنا چاہیئے کیونکہ بے وقت پڑھی ہوئی نمازیں ضائع جاتی ہیں اور ایک ثقہ راوی کی خبر قابل قبول ہے۔ اور متصل حدیث حجت ہے منقطع نہیں، کیونکہ عمر بن عبد العزیز نے جب عروہ سے کہا "اعلم ما تحدث به" تو عروہ نے اس راوی کو ذکر کر دیا جس نے صحابی رسول ابو مسعود سے اس حدیث کو سنا ہے اور عمر کے انقطاع کے احتمال کا ازالہ کر دیا۔

وَالْحَنْتَمِ، وَالْمُقَيَّرِ، وَالنَّقِيرِ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے عباد بن عباد بصریٰ نے، اور یہ عباد کے لڑکے ہیں، ابوجمرہ (نصر بن عمران) کے ذریعہ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا کہ عبدالقیس کا وفد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور کہا کہ ہم اس ربیعہ قبیلہ سے ہیں اور ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں صرف حرمت والے مہینوں ہی میں حاضر ہو سکتے ہیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی ایسی بات کا ہمیں حکم دیجئے، جسے ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھ لیں اور اپنے پیچھے رہنے والے دوسرے لوگوں کو بھی اس کی دعوت دے سکیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہیں چار چیزوں کا حکم دیتا ہوں اور چار چیزوں سے روکتا ہوں، پہلے اللہ پر ایمان لانے کا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل بیان فرمائی کہ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں، اور دوسرے نماز قائم کرنے کا، تیسرے زکوٰۃ دینے کا، اور چوتھے جو مال تمہیں غنیمت میں ملے، اس میں سے پانچواں حصہ ادا کرنے کا اور تمہیں میں تونبڑی حنتم، قسار اور نقیر کے استعمال سے روکتا ہوں۔ (نوٹ: یہ تمام برتن شراب بنانے کے لیے استعمال ہوتے تھے)۔



باب کا لفظ تنوین کے ساتھ ہے اور بعض کے ہاں باب قولہ تعالیٰ اضافت کے ساتھ ہے اور منیب انابت سے ہے جس کا معنی رجوع کرنا ہے۔ "منيبين إليه أي تائبين إليه" اس باب میں آیت کریمہ اور وفد عبدالقیس کی حدیث میں مناسبت یہ ہے کہ آیت کریمہ میں نماز کی پابندی کرنے والوں سے شرک کی نفی کرنا مقصود ہے اور حدیث میں نماز کی پابندی کرنے والوں کے لئے توحید کو ثابت کرنا مقصود ہے۔

شرح بخاری

اس آیت کریمہ سے تارک نماز کی تکفیر پر استدلال کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مشرک نماز نہیں پڑھتے تم بھی نماز چھوڑ کر مشرکوں میں سے نہ ہو جاؤ، اور نماز کی پابندی ایمان کی علامت ہے۔ اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ نماز کا تارک کافر ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ تارک صلوٰۃ کافر ہے دیگر ائمہ کافر نہیں کہتے ایک روایت امام احمد کی بھی ان کے ساتھ ہے۔ لیکن ایک روایت ان کی یہ ہے کہ ارکان اسلام میں سے کسی ایک رکن کو چھوڑنے سے کافر ہو جاتا ہے خواہ نماز ہو یا روزہ یا زکوٰۃ وغیرہ۔ خارجی تو عام کرتے ہیں کہ جو بھی کبیرہ گناہ کرے یا کوئی فرض چھوڑ دے وہ کافر ہو جاتا ہے۔ یہ بات بعض اہل سنت ارکان اسلام کے متعلق کہتے ہیں حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ خوارج کا مذہب جو مشہور ہے کہ مرتکب کبیرہ کافر ہو جاتا ہے۔ یہ ہمارا مذہب نہیں ہے لیکن ارکان اسلام اس سے خارج ہیں، گویا ارکان میں اہل سنت کا بھی اختلاف ہے کہ ان کے ترک سے کافر ہو جاتا ہے یا نہیں؟ شاید بخاری رحمہ اللہ بھی نماز کے بارہ میں اسی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

٣- بَابُ الْبَيْعَةِ عَلَى إِقَامَةِ الصَّلَاةِ:

باب: نماز درست طریقے سے پڑھنے پر بیعت کرنا

٥٢٤ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَيْسٌ، عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: «بَايَعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى إِقَامِ الصَّلَاةِ، وَإِيتَاءِ الزَّكَاةِ، وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ».

ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے قیس بن ابی حازم نے جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا کہ جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر نماز قائم کرنے، زکوۃ دینے، اور ہر مسلمان کے ساتھ خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔

نبی اکرم ﷺ توحید پر بیعت کے بعد نماز کی پابندی کرنے پر بیعت لیا کرتے تھے کیونکہ نماز عبادات بدنیہ میں اصل ہے اس کے بعد اداءِ زکوۃ پر بیعت لیتے تھے کیونکہ یہ مالی عبادتوں کا اصل ہے۔ اس کے بعد اس چیز پر بیعت لیتے جس کی بیعت کرنے والوں کو زیادہ ضرورت ہوتی تھی۔ جیسا کہ حضرت جریر سے ہر مسلمان کی خیر خواہی پر بیعت لی۔ کیونکہ وہ اپنی قوم کے سردار تھے لہذا انہیں ان کی خیر خواہی کرنے کی راہنمائی فرمائی، اور وفد عبدالقیس کو اداءِ خمس کی ہدایت کی، کیونکہ وہ اپنے قریب کفارِ مضر سے برسر پیکار رہتے تھے [1]۔

---

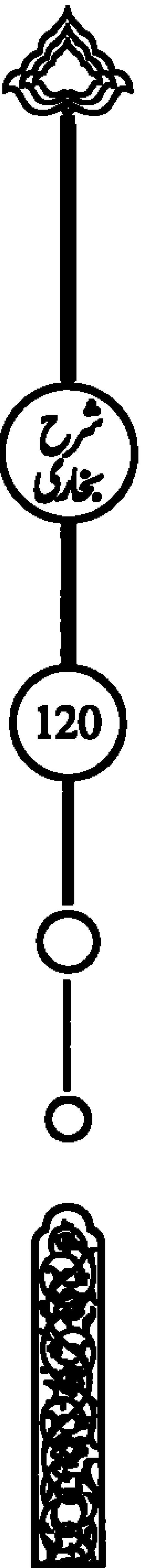
[1] ابن رجب رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کبھی تو تمام ارکان اسلام پر بیعت لیتے تھے اور وہ شہادتان اقامت صلوۃ اداء زکوۃ صیام رمضان اور حج البیت ہیں جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ بشیر بن خصاصیہ کہتے ہیں میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا تاکہ بیعت کروں تو آپ نے مجھ پر شہادتین اور اقامت صلوۃ اور اداء زکوۃ اور صوم رمضان اور حج کی اور جہاد کی پابندی کی شرط لگائی، میں نے کہا اے اللہ کے رسول ﷺ ان میں سے دو کاموں کی میں طاقت نہیں رکھتا، ایک جہاد کیونکہ ہو سکتا ہے میں موت کے ڈر سے یہ کام نہ کر سکوں، دوسری زکوۃ کیونکہ میرے پاس تھوڑی سی بکریاں اور دس اونٹ ہیں جو گھر والوں کو سواری کا کام دیتے ہیں اس پر نبی علیہ السلام نے اپنے ہاتھ سمیٹ لئے اور ہاتھ کو حرکت دیتے ہوئے کہا۔ تو زکوۃ نہیں دے گا اور جہاد نہیں کرے گا تو جنت میں کیونکر جا سکے گا؟ تب میں نے تمام ارکان مذکورہ پر بیعت کی "حم ٥/ ٢٢٤۔ اور کبھی نبی اکرم ﷺ شہادتین کے ساتھ نماز اور زکوۃ پر بیعت لیتے تھے جیسا کہ حضرت جریر کی بیعت ہے۔ اور کبھی صرف شہادتین پر بیعت ہوتی تھی کیونکہ باقی خصال اسلام ان کے لوازمات سے ہیں یعنی شہادتین ہی اصل ہیں، اور باقی اعمال ان کے تابع ہیں، اور کبھی آپ اسلام پر بیعت لیتے اور بیعت کرنے والا اگر بعض حقوق میں نرمی چاہتا تو آپ تالیف قلبی کے طور پر نرمی کر دیتے۔ اور مقصد یہ ہوتا تھا کہ جب یہ شخص اسلام پر بیعت کر لیگا اور اسلام میں اسکی رغبت بڑھے گی تب یہ تمام واجبات کی پابندی خود کرے گا جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ ایک آدمی صرف دو نمازیں پڑھنے کی شرط پر مسلمان ہوا اور آپ نے اس سے قبول کر لیا اور مسند میں ہی جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ بنو ثقیف نے بیعت کرتے ہوئے شرط لگائی کہ وہ زکوۃ نہیں دیں گے اور جہاد نہیں کریں گے تو نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کوئی بات نہیں یہ مسلمان

ترجمہ باب سے مقصود یہ ہے کہ بیعت کے وقت نماز کی اقامت کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔ صوفیوں کی طرح تسبیحات اور ذکر واذکار پر ہی بیعت نہ ہو۔

۴۔ بَابُ الصَّلَاةُ كَفَّارَةٌ:

باب: اس بیان میں کہ گناہوں کے لیے نماز کفارہ ہے (یعنی اس سے صغیرہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں)

۵۲۵ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنِ الْأَعْمَشِ، قَالَ: حَدَّثَنِي شَقِيقٌ، قَالَ: سَمِعْتُ حُذَيْفَةَ، قَالَ: «كُنَّا جُلُوسًا عِنْدَ عُمَرَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، فَقَالَ: أَيُّكُمْ يَحْفَظُ قَوْلَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ؟ قُلْتُ: أَنَا كَمَا قَالَهُ، قَالَ: إِنَّكَ عَلَيْهِ أَوْ عَلَيْهَا لَجَرِيءٌ، قُلْتُ: فِتْنَةُ الرَّجُلِ فِي أَهْلِهِ وَمَالِهِ وَوَلَدِهِ وَجَارِهِ، تُكَفِّرُهَا الصَّلَاةُ وَالصَّوْمُ وَالصَّدَقَةُ وَالْأَمْرُ وَالنَّهْيُ، قَالَ: لَيْسَ هَذَا أُرِيدُ، وَلَكِنِ الْفِتْنَةُ الَّتِي تَمُوجُ كَمَا يَمُوجُ الْبَحْرُ، قَالَ: لَيْسَ عَلَيْكَ مِنْهَا بَأْسٌ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، إِنَّ بَيْنَكَ وَبَيْنَهَا بَابًا مُغْلَقًا، قَالَ: أَيُكْسَرُ أَمْ يُفْتَحُ؟ قَالَ: يُكْسَرُ، قَالَ: إِذًا لَا يُغْلَقَ أَبَدًا، قُلْنَا: أَكَانَ عُمَرُ يَعْلَمُ الْبَابَ؟ قَالَ: نَعَمْ، كَمَا أَنَّ دُونَ الْغَدِ اللَّيْلَةَ»، إِنِّي حَدَّثْتُهُ بِحَدِيثٍ لَيْسَ بِالْأَغَالِيطِ، فَهِبْنَا أَنْ نَسْأَلَ حُذَيْفَةَ، فَأَمَرْنَا مَسْرُوقًا فَسَأَلَهُ، فَقَالَ: الْبَابُ عُمَرُ.



ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے اعمش کی روایت سے بیان کیا، اعمش (سلیمان بن مہران) نے کہا کہ مجھ سے شقیق بن مسلمہ نے بیان کیا، شقیق نے کہا کہ میں نے حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ سے سنا۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ آپ نے پوچھا کہ فتنہ سے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث تم میں سے کسی کو یاد ہے؟ میں بولا، میں نے اسے (اسی طرح یاد رکھا ہے) جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کو بیان فرمایا تھا۔ عمر رضی اللہ عنہ بولے، کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فتن کو معلوم کرنے میں بہت بے باک تھے۔ میں نے کہا کہ انسان کے گھر والے، مال اولاد اور پڑوسی سب فتنہ (کی چیز) ہیں۔ اور نماز، روزہ، صدقہ، اچھی بات کے لیے لوگوں کو حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا ان فتنوں کا کفارہ ہیں۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تم سے اس کے متعلق نہیں پوچھتا، مجھے تم اس فتنہ کے

ہو کر خود ہی جہاد کریں گے اور صدقہ دینے لگیں گے، عبداللہ بن احمد اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ امام احمد نے کہا جب کوئی شخص اسلام قبول کرتے ہوئے دو نمازیں پڑھنے کی شرط لگائے تو قبول کر لیا جائے اور اسلام میں داخل ہو جائے تو اسے پانچ نمازوں کی پابندی کا حکم دیا جائے۔

بارے میں بتلاؤ جو سمندر کی موج کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا بڑھے گا۔ اس پر میں نے کہا کہ یا امیر المؤمنین! آپ اس سے خوف نہ کھائیے۔ آپ کے اور فتنہ کے درمیان ایک بند دروازہ ہے۔ پوچھا کیا وہ دروازہ توڑ دیا جائے گا یا (صرف) کھولا جائے گا۔ میں نے کہا کہ توڑ دیا جائے گا۔ عمر رضی اللہ عنہ بول اٹھے، کہ پھر تو وہ کبھی بند نہیں ہو سکے گا۔ شقیق نے کہا کہ ہم نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا، کیا عمر رضی اللہ عنہ اس دروازہ کے متعلق کچھ علم رکھتے تھے تو انہوں نے کہا کہ ہاں! بالکل اسی طرح جیسے دن کے بعد رات کے آنے کا۔ میں نے تم سے ایک ایسی حدیث بیان کی ہے جو قطعاً غلط نہیں ہے۔ ہمیں اس کے متعلق حذیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھنے میں ڈر ہوتا تھا (کہ دروازہ سے کیا مراد ہے) اس لیے ہم نے مسروق سے کہا (کہ وہ پوچھیں) انہوں نے دریافت کیا تو آپ نے بتایا کہ وہ دروازہ خود عمر رضی اللہ عنہ ہی تھے۔

یعنی وضوء، صوم رمضان اور اداء جمعہ کی طرح نماز بھی گناہوں کا کفارہ بنتی ہے لیکن یہ صغائر کا کفارہ بنتے ہیں جبکہ کبائر سے توبہ ضروری ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ان اعمال کے کفارہ بننے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ گناہ ہونے چاہئیں، بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان اعمال میں اس قدر گناہ دور کرنے کی صلاحیت ہے بالفعل گناہوں کا ہونا مراد نہیں ہے، جیسا کہ کہا جائے کہ یہ تلوار اتنے مجرموں کی قاطع ہے یہ معنی نہیں کہ وہ اتنے مجرم کاٹ رہی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اتنے مجرموں کو کاٹ سکتی ہے اسی طرح اس حدیث میں مقصود یہ ہے کہ اگر کسی کے گناہ اس قدر ہوں تو یہ عمل ان کو دور کر سکتا ہے اور کفارہ بن سکتا ہے، لیکن جس شخص کے گناہ نہ ہوں تو اس کے لئے یہ اعمال درجات کی بلندی کا باعث بن جائیں گے۔

قولہ "فی الفتنة" یہ لفظ عام ہے لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی اس سے مراد خاص فتنہ تھا۔ گویا عام لفظ بول کر خاص مراد لیا جاسکتا ہے حافظ نے "فتنۃ" کے متعدد معانی ذکر کیے ہیں، مثلاً فتنہ بمعنی امتحان، اختبار، برا نتیجہ، اور کفر پر بھی بولا جاتا ہے، غلو فی التاویل بلیه، فضیحت، عذاب، قتال۔ کسی چیز کی طرف مائل ہونا، یہ سب اس کے معانی ہیں اور اسکا تعلق خیر وشر دونوں سے ہوتا ہے۔ جیسے قرآن کریم میں ہے "ونبلوكم بالشر والخير فتنة[1]"۔

قولہ "أنا كما قاله" ای أنا أحفظ ما قاله" حافظ نے کہا ہے کہ یہاں کاف تاکید کے لئے زائد ہے[2] یا یہ علی کے معنی میں ہے، یا مثل کے معنی میں ہے" ای أقول مثل ما قاله" یعنی میں ویسے ہی بتاتا ہوں جیسے آپ نے فرمایا ہے۔

---

[1] الانبیاء: ۳۵۔

[2] عینی نے حافظ کے اس معنی پر اعتراض کرتے ہوئے کہا ہے کہ بعض نے کاف کو زائد کہا ہے اور اسے اس نے کرمانی سے اخذ کیا ہے لیکن ان میں سے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ کاف زائدہ کا فائدہ کیا ہوگا؟ حالانکہ حافظ نے کاف زائدہ کا فائدہ بیان کیا ہے اور کہا "والكاف زائدة للتاكيد" کاف زائدہ تاکید کا فائدہ دیتا ہے۔ اور ابن ہشام کاف کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں "والرابع التوكيد وهي الزائدة نحو ليس كمثله شيئ" کاف کا چوتھا معنی تاکید ہے اور یہ فائدہ تب ہوتا ہے جبکہ کاف زائدہ ہو، (أوضح المسالک ج ۳ ص ۴۷)

شرح بخاری

قولہ "فتنۃ الرجل فی أھلہ" ابن بطال نے کہا ہے کہ اہل کا فتنہ یہ ہے کہ آدمی اہل وعیال کی وجہ سے ایسا کام کرے یا ایسی بات کہے جو جائز نہ ہو جب تک کہ وہ کبیرہ گناہ نہ ہو۔ اور مال کا فتنہ یہ ہے کہ وہ ناجائز کمائے اور ناجائز ہی خرچ کرے۔ اور اس کے حقوق ادا نہ کرے، اور اولاد کا فتنہ یہ ہے کہ اولاد کی محبت میں بہت سے نیک کام چھوڑ دے، اور ان کے لئے کمانے میں حلال وحرام کی تمیز نہ کرے اور پڑوسی کے حقوق میں کوتاہی کرے تو ایسے صغائر کا یہ اعمال کفارہ ہوتے ہیں۔ اور فتنے کی کئی قسمیں ہوتی ہیں، شخصی فتنہ اور منزلی اور مدنی فتنہ۔ شخصی فتنہ یہ ہے کہ انسان اپنے فرائض میں کوتاہی کرے اور منزلی گھر والوں کے بارہ میں ہوتا ہے اور مدنی یہ کہ شہر والوں کے حقوق میں کوتاہی کرے۔

قولہ "التی تموج کما یموج البحر" اس سے مراد ملکی فتنہ ہے جو سارے ملک میں بپا ہو جائے۔

قولہ "ان بینك و بینھا بابا" ای بین زمانك و بین زمان الفتنۃ وجود حیاتك "یعنی تیری زندگی اور فتنہ کے زمانے کے درمیان تیرا وجود ہی دروازہ ہے جو اس فتنے کو روکے ہوئے ہے۔

قولہ "إذا لا یغلق أبدًا" یعنی اگر دروازہ کھول دیا جائے تو بند کیا جا سکتا ہے لیکن اگر اس دروازے کو توڑ دیا جائے تو وہ کبھی بند نہیں ہو سکتا، اور واقعی ایسا ہی ہوا اور اس وقت سے آج تک فتنوں پر فتنے رونما ہو رہے ہیں۔

قولہ "انی حدثتہ بحدیث لیس بالأغالیط" یہ أغلوطۃ کی جمع ہے یعنی ایسی چیز جس کے ساتھ مغالطہ دیا جائے اور اس حدیث کی بنا پر ہی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو علم تھا کہ باب سے مراد کون ہے۔



٥٢٦ ـ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ التَّيْمِيِّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، «أَنَّ رَجُلًا أَصَابَ مِنَ امْرَأَةٍ قُبْلَةً، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَأَنْزَلَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ وَأَقِمِ الصَّلَاةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ وَزُلَفًا مِنَ اللَّيْلِ إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ سورۃ ھود آیۃ ١١٤، فَقَالَ الرَّجُلُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ، أَلِي هَذَا؟ قَالَ: لِجَمِيعِ أُمَّتِي كُلِّهِمْ».

ہم سے قتیبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا، سلیمان تیمی کے واسطہ سے، انہوں نے ابو عثمان نہدی سے، انہوں نے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہ ایک شخص نے کسی غیر عورت کا بوسہ لے لیا۔ اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور آپ کو اس حرکت کی خبر دے دی۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی، کہ نماز دن کے دونوں حصوں میں قائم کرو اور کچھ رات گئے بھی، اور بلاشبہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ اس شخص نے کہا کہ یا رسول اللہ! کیا یہ صرف میرے لیے ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں بلکہ میری تمام امت کے لیے یہی حکم ہے۔

حافظ نے کہا ہے کہ یہ آدمی ابو الیسر تھا اور عورت کا نام معلوم نہیں ہوا لیکن وہ انصاریہ تھی، اسکا واقعہ ترمذی میں آتا ہے، ابو الیسر کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت کھجوریں خریدنے کے لئے آئی۔ جبکہ اس کا خاوند جہاد پر گیا ہوا تھا۔ میں نے اسے کہا اندر کمرے میں اس سے عمدہ کھجوریں موجود ہیں۔ وہ میرے ساتھ کھجوریں دیکھنے اندر آئی تو میں نے اسکا بوسہ



لے لیا، اس کے بعد مجھے اس پر سخت ندامت ہوئی تو ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آکر میں نے اپنی یہ غلطی ذکر کی تو انہوں نے کہا اللہ تعالی نے تیری پردہ پوشی کی ہے لہذا توبہ کر، اس کے بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا، مجھے اطمینان نہ ہوا تو میں نبی اکرم ﷺ کے پاس آیا آپ سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔ کیا غازی کے اہل میں ایسی جانشینی اختیار کی جاتی ہے؟ حتی کہ میں نے تمنا کی کہ میں آج تک مسلمان نہ ہوتا اور یہ غلطی مجھ سے اسلام لانے سے پہلے ہوئی ہوتی اور میں نے سمجھا کہ میں اہل نار سے ہوگیا ہوں، نبی اکرم ﷺ لمبی دیر تک سر جھکائے رہے حتی کہ آپ پر یہ وحی نازل ہوئی "أقم الصلوة طرفی [1] النهار وزلفاً من الليل إن الحسنات يذهبن السيئات ذلك ذكرى للذاكرين"۔

قولہ "إن الحسنات يذهبن السيئات" اس حدیث کی ترجمہ باب سے مناسبت اس آیت سے ہے کیونکہ اس میں حسنات سے مراد پانچ نمازیں ہیں جو سیئات کا کفارہ بن جاتی ہیں بشرطیکہ کبائر سے اجتناب کیا جائے۔

اس حدیث کے ظاہر سے بعض مرجئہ استدلال کرتے ہیں کہ افعال خیر سے تمام صغائر و کبائر ساقط ہوجاتے ہیں جبکہ اہل سنت کے ہاں یہ حدیث صغائر کے بارہ میں ہے اور مطلق یہاں مقید پر محمول ہے اور کبائر کے لئے توبہ شرط ہے کیونکہ اگر افعال خیر سے تمام صغائر و کبائر ساقط ہوجاتے ہیں تو قرآن کریم میں جابجا توبہ کرنے کا حکم کس لئے ہے؟ معلوم ہوا کہ نماز وغیرہ صغائر کا کفارہ بنتی ہے۔ جبکہ کبائر کے لئے قرآن کریم میں توبہ کرنے کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

---

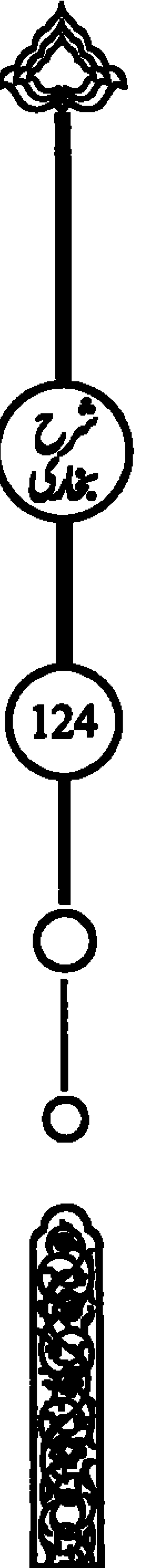
[1] عینی رحمہ اللہ نے "طرفی النهار" کے لفظ سے اپنے حنفی مذہب پر استدلال کیا ہے کہ فجر کی پہلی نماز بجائے غلس کے اسفار (روشنی پھیلنے پر پڑھنی چاہیئے، اور عصر کی نماز بجائے ایک مثل کے دو مثل پر پڑھنی چاہیئے، کیونکہ طرفی النہار کا یہی تقاضا ہے اور یہی دو وقت طرفی النہار کے زیادہ قریب ہیں اور یہ حدیث وتر کے وجوب پر دلالت کرتی ہے کیونکہ وتر رات کی نماز ہے اور زلفاً من الليل "أقم" امر کے بعد واقع ہے اور امر اس کے وجوب پر دلالت کرتا ہے لیکن عینی رحمہ اللہ کا یہ استدلال اس وقت ساقط ہوجاتا ہے جب ہم صریح نصوص کی طرف رجوع کرتے ہیں جو نماز فجر کو غلس میں اور عصر کو ایک مثل پر پڑھنے کے بارہ میں واضح اور صریح ہیں چنانچہ بخاری میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے "ان كان رسول الله ﷺ ليصلي الصبح فينصرف النساء متلفعات بمروطهن مايعرفن من الغلس" رقم ۸۶۷ اور بخاری میں ہی جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے "والصبح بغلس" رقم ۵۶۵ اور صبح کی نماز آپ غلس میں پڑھا کرتے تھے، اور عصر کی نماز کے بارہ میں بخاری میں ہے "يصلي العصر والشمس مرتفعة حية" رقم ۵۵۰ اور ترمذی و ابوداؤد میں ہے "وصلي بی العصر حين صار ظل كل شئ مثله" اور وتر کے عدم وجوب پر یہی دلیل کافی ہے کہ ایک آدمی نے نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا کہ اسلام کیا ہے آپ نے فرمایا دن رات میں پانچ نمازیں پابندی سے ادا کرنا اس نے کہا کیا ان کے علاوہ بھی کوئی نماز واجب ہے فرمایا نہیں "إلا أن تطوع" ان کے علاوہ باقی نمازیں تطوع اور نفل ہیں "بخاری رقم ۴۶۔ ایسی تصریحات کے ہوتے ہوئے "طرفی النهار" سے کھینچاتانی کی بجائے اسکی تشریح احادیث نبویہ سے کرنی چاہیئے۔

٥-بَابُ فَضْلِ الصَّلاَةِ لِوَقْتِهَا:

باب: نماز وقت پر پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں

٥٢٧- حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: الْوَلِيدُ بْنُ الْعَيْزَارِ أَخْبَرَنِي، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا عَمْرٍو الشَّيْبَانِيَّ، يَقُولُ: حَدَّثَنَا صَاحِبُ وَأَشَارَ إِلَى دَارِ عَبْدِ اللَّهِ، هَذِهِ الدَّارِ، قَالَ: «سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُّ الْعَمَلِ أَحَبُّ إِلَى اللَّهِ ؟ قَالَ: الصَّلَاةُ عَلَى وَقْتِهَا، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: ثُمَّ بِرُّ الْوَالِدَيْنِ، قَالَ: ثُمَّ أَيٌّ ؟ قَالَ: الْجِهَادُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي بِهِنَّ وَلَوِ اسْتَزَدْتُهُ لَزَادَنِي».

ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے، انہوں نے کہا کہ مجھے ولید بن عیزار کوفی نے خبر دی، کہا کہ میں نے ابوعمرو شیبانی سے سنا، وہ کہتے تھے کہ میں نے اس گھر کے مالک سے سنا، (آپ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف اشارہ کر رہے تھے) انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں کون سا عمل زیادہ محبوب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنے وقت پر نماز پڑھنا، پھر پوچھا، اس کے بعد، فرمایا والدین کے ساتھ نیک معاملہ رکھنا۔ پوچھا اس کے بعد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ تفصیل بتائی اور اگر میں اور سوالات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ بھی بتلاتے۔ (لیکن میں نے بطور ادب خاموشی اختیار کی)۔



یعنی وقت پر نماز پڑھنے کی فضیلت ہے اگر قضا کی جائے تو کوئی فضیلت نہیں ہے جو شخص وقت پر نماز پڑھے خواہ اول وقت پڑھے یا وسط یا آخر وقت پڑھے وہ فضیلت کا مستحق ہو جائے گا۔

قولہ "أي العمل أحب إلي الله قال الصلوة علی وقتها" علی وقتها سے اول وقت نماز پڑھنے کا استدلال کیا گیا ہے کیونکہ علی استعلاء کے لئے ہے اور سارا وقت تب نیچے آسکتا ہے جبکہ نماز اول وقت پڑھی جائے بخاری نے تو "لوقتها" ذکر کیا ہے کیونکہ کہیں لوقتها اور کہیں علی وقتها آتا ہے بعض راوی فی أول وقتها" بھی روایت کرتے ہیں لیکن حافظ نے کہا ہے کہ اس میں تفرد پایا جاتا ہے۔ بعض اس کو بیان کرتے ہیں اور بعض نہیں کرتے لہذا یہ شاذ روایت ہے اہل ظاہر شذوذ کو علت نہیں سمجھتے ان کے نزدیک یہ صحیح روایت ہے۔

خیر: یہ حدیث اول وقت نماز پڑھنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے، شافعی نماز عشاء کو اس سے مستثنیٰ کرتے ہیں وہ جتنی موخر ہو افضل ہے۔ حنفی ساری نمازوں کو مستثنیٰ کرتے ہیں سوائے نماز مغرب کے وہ اول وقت پڑھنے کے قائل ہیں بلکہ اس سے پہلے دو نفل پڑھنے کی بھی اجازت نہیں دیتے حالانکہ دو رکعت قبل از مغرب صحیح حدیث سے ثابت ہیں، سردیوں میں ظہر کی نماز کو جلدی پڑھنے کے قائل ہیں، اور فجر کی نماز کے بارہ میں کہتے ہیں کہ اتنی موخر کرے کہ اگر نماز میں خلل پیدا ہو جائے تو سورج نکلنے سے پہلے اعادہ کر سکے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ نبی اکرم ﷺ نے افضل عمل کے بارہ میں سوال کرنے والوں کو مختلف جواب دیئے ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ آپ نے سوال کرنے والوں کے حالات کے پیش نظر ایسا کیا ہے جس سائل کو جس عمل کی زیادہ ضرورت تھی اس کے لئے وہی عمل افضل قرار دیدیا، یا یہ اختلاف اوقات کے مطابق بدلتا رہا ہے کہ کسی وقت ایک عمل افضل تھا اور کبھی اس کے علاوہ دیگر عمل افضل ہوتا ہے مثلاً شروع میں جہاد افضل عمل تھا تاکہ ارکان اسلام پر عمل کیا جاسکے، اور حالت اضطرار میں صدقہ کرنا یا کھانا کھلانا افضل ہوتا ہے۔ یا "أفضل" کو مطلق فضیلت کے معنی میں لیا جائے تو سارے اعمال اس میں داخل ہوجائیں گے کیونکہ یہ تمام اعمال فضیلت والے ہیں۔ یا "أفضل الأعمال" سے پہلے "من" مقدر مانا جائے ای من أفضل الأعمال كذا و كذا۔

٦۔ بَابُ الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ كَفَّارَةٌ:

باب: اس بیان میں کہ پانچوں وقت کی نمازیں گناہوں کا کفارہ ہو جاتی ہیں

٥٢٨۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ حَمْزَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي حَازِمٍ، وَالدَّرَاوَرْدِيُّ، عَنْ يَزِيدَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهَرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ فِيهِ كُلَّ يَوْمٍ خَمْسًا مَا تَقُولُ ذَلِكَ يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ، قَالُوا: لَا يُبْقِي مِنْ دَرَنِهِ شَيْئًا، قَالَ: فَذَلِكَ مِثْلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ، يَمْحُو اللَّهُ بِهِ الْخَطَايَا».

ہم سے ابراہیم بن حمزہ نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالعزیز بن ابی حازم اور عبدالعزیز بن محمد دراوردی نے یزید بن عبداللہ کی روایت سے، انہوں نے محمد بن ابراہیم تیمی سے، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ اگر کسی شخص کے دروازے پر نہر جاری ہو اور وہ روزانہ اس میں پانچ پانچ دفعہ نہائے تو تمہارا کیا گمان ہے۔ کیا اس کے بدن پر کچھ بھی میل باقی رہ سکتا ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ نہیں یارسول اللہ! ہرگز نہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہی حال پانچوں وقت کی نمازوں کا ہے کہ اللہ پاک ان کے ذریعہ سے گناہوں کو مٹادیتا ہے۔

یہ باب اس سے پہلے آنے والے "باب الصلوة كفارة" سے خاص ہے اور وہ ترجمہ باب عام ہے کیونکہ وہ پانچ نمازوں اور ان کے غیر کو بھی شامل ہے جبکہ یہ ترجمہ باب پانچ نمازوں کے ساتھ خاص ہے۔ اور پانچ نمازوں کی ادائیگی گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہے خواہ جماعت سے پڑھی ہوں یا بغیر جماعت کے ادا کی ہوں۔ اور اس پر علماء کا اتفاق ہے کہ نمازوں کا پڑھنا صغیرہ گناہوں کا کفارہ ہے کبائر کا نہیں۔ کبائر سے توبہ ضروری ہے اس کی دلیل مسلم کی حدیث ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "الصلوات الخمس كفارة لما بينهن ما

اجتنبت الکبائر[1]"۔

اور صغیرہ بھی تب معاف ہوتے ہیں جبکہ ان پر اصرار نہ ہو، کیونکہ صغیرہ پر اصرار سے وہ کبیرہ بن جاتا ہے اور کبیرہ سے احتراز ضروری ہے لہذا صغائر پر اصرار سے صغیرے بھی معاف نہیں ہوتے۔ اگرچہ کبیرہ کا ارتکاب نہ کرتا ہو اور اگر کبائر کا مرتکب ہے تب بھی صغائر یا کبائر معاف نہیں ہوں گے۔ صغائر کی معافی کے لئے ان پر اصرار سے اور کبائر کے ارتکاب سے بچنا ضروری ہے۔ اور کسی کے صغائر و کبائر نہ ہوں تو اس کے لئے پانچ نمازوں کی ادائیگی رفع درجات کا باعث بن جاتی ہے۔

۷۔بَابُ تَضْيِيعِ الصَّلاَةِ عَنْ وَقْتِهَا:

باب: اس بارے میں کہ بے وقت نماز پڑھنا، نماز کو ضائع کرنا ہے

۵۲۹۔ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَهْدِيٌّ، عَنْ غَيْلاَنَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «مَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا كَانَ عَلَى عَهْدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قِيلَ الصَّلاَةُ. قَالَ: أَلَيْسَ ضَيَّعْتُمْ مَا ضَيَّعْتُمْ فِيهَا؟».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے مہدی بن میمون نے غیلان بن جریر کے واسطہ سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی کوئی بات اس زمانہ میں نہیں پاتا۔ لوگوں نے کہا، نماز تو ہے۔ فرمایا اس کے اندر بھی تم نے کر رکھا ہے جو کر رکھا ہے۔

۵۳۰۔ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ زُرَارَةَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ وَاصِلٍ أَبُو عُبَيْدَةَ الْحَدَّادُ، عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي رَوَّادٍ أَخِي عَبْدِ الْعَزِيزِ، قَالَ: سَمِعْتُ الزُّهْرِيَّ، يَقُولُ: «دَخَلْتُ عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ بِدِمَشْقَ وَهُوَ يَبْكِي، فَقُلْتُ: مَا يُبْكِيكَ؟، فَقَالَ: لَا أَعْرِفُ شَيْئًا مِمَّا أَدْرَكْتُ إِلَّا هَذِهِ الصَّلاَةَ، وَهَذِهِ الصَّلاَةُ قَدْ ضُيِّعَتْ»، وَقَالَ بَكْرٌ، حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَكْرٍ الْبُرْسَانِيُّ، أَخْبَرَنَا عُثْمَانُ بْنُ أَبِي رَوَّادٍ نَحْوَهُ.

ہم سے عمرو بن زرارہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبدالواحد بن واصل ابو عبیدہ حداد نے خبر دی، انہوں نے عبدالعزیز کے بھائی عثمان بن ابی رواد کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے زہری سے سنا کہ میں دمشق میں انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں گیا۔ آپ اس وقت رو رہے تھے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کی کوئی چیز اس نماز کے علاوہ اب میں نہیں پاتا اور اب اس کو بھی ضائع کر دیا گیا ہے۔ اور بکر بن خلف نے کہا کہ ہم سے محمد بن بکر برسانی نے بیان کیا کہ ہم سے عثمان بن ابی رواد نے یہی حدیث بیان کی۔

ترجمہ باب میں آنے والے "وقت" سے مراد وقت مختار ہے بعض اسے عام کرتے ہیں اس وقت بے وقت نماز پڑھنا

[1] مصنف عبدالرزاق ۱۴۷۷ ج ۱ ص ۴۸۔

مراد ہوگا۔

قولہ "أليس صنعتم ماصنعتم فيها" یعنی ظہر کی نماز کو عصر کے وقت پڑھتے ہو اور عصر کی نماز کو شام کے وقت پڑھتے ہو کیا نبی اکرم ﷺ کی نماز ایسی تھی، دوسری حدیث میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سوائے نماز کے کوئی چیز باقی نہیں رہی حافظ رحمہ اللہ نے تطبیق دی ہے کہ ان کا پہلا قول شام کے علاقے سے تعلق رکھتا ہے جہاں بنوامیہ کے امام ایسا کرتے تھے اور دوسرے قول کا تعلق مدینہ منورہ سے ہے جہاں نماز کا اثر باقی تھا، دوسرے اُمور میں خرابی یہاں بھی پیدا ہوگئی تھی لیکن نماز وقت پر پڑھی جاتی تھی۔

"قولہ بدمشق" حضرت انس رضی اللہ عنہ دمشق میں اس وقت آئے تھے جبکہ حجاج ظالم عراق پر امیر تھا اور اس وقت خلیفہ ولید بن عبدالملک تھا۔

٨ ـ بَابُ الْمُصَلِّي يُنَاجِي رَبَّهُ عَزَّ وَجَلَّ:

باب: اس بارے میں کہ نماز پڑھنے والا نماز میں اپنے رب سے پوشیدہ طور پر بات چیت کرتا ہے



٥٣١ ـ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا صَلَّى يُنَاجِي رَبَّهُ، فَلَا يَتْفِلَنَّ عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ تَحْتَ قَدَمِهِ الْيُسْرَى». وَقَالَ سَعِيدٌ: عَنْ قَتَادَةَ، لَا يَتْفِلُ قُدَّامَهُ أَوْ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمَيْهِ، وَقَالَ شُعْبَةُ: لَا يَبْزُقُ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ، وَقَالَ حُمَيْدٌ: عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لَا يَبْزُقُ فِي الْقِبْلَةِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ، وَلَكِنْ عَنْ يَسَارِهِ أَوْ تَحْتَ قَدَمِهِ.

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام بن عبداللہ دستوائی نے قتادہ ابن دعامہ کے واسطے سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نماز میں ہوتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا رہتا ہے اس لیے اپنی داہنی جانب نہ تھوکنا چاہیے لیکن بائیں پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔



٥٣٢ ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «اعْتَدِلُوا فِي السُّجُودِ وَلَا يَبْسُطْ ذِرَاعَيْهِ كَالْكَلْبِ، وَإِذَا بَزَقَ فَلَا يَبْزُقَنَّ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلَا عَنْ يَمِينِهِ فَإِنَّهُ يُنَاجِي رَبَّهُ».





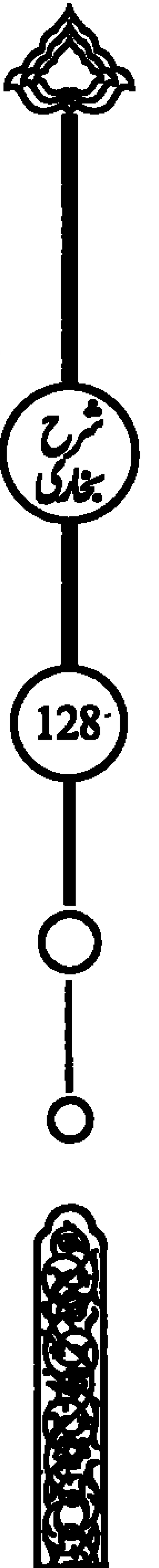
ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہا ہم سے یزید بن ابراہیم نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے قتادہ نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سجدہ کرنے میں اعتدال رکھو (سیدھی طرح پر کرو) اور کوئی شخص تم میں سے

اپنے بازوؤں کو کتے کی طرح نہ پھیلائے۔ جب کسی کو تھوکنا ہی ہو تو سامنے یا داہنی طرف نہ تھوکے، کیونکہ وہ نماز میں اپنے رب سے پوشیدہ باتیں کرتا رہتا ہے اور سعید نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بیان کیا ہے کہ آگے یا سامنے نہ تھوکے البتہ بائیں طرف پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے اور شعبہ نے کہا کہ اپنے سامنے اور دائیں جانب نہ تھوکے، بلکہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔ اور حمید نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ قبلہ کی طرف نہ تھوکے اور نہ دائیں طرف البتہ بائیں طرف یا پاؤں کے نیچے تھوک سکتا ہے۔

یعنی نمازی اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ سے گفتگو کرنا انسان کے لئے بہت بڑی منقبت ہے۔ اور اس مناجات میں قرآن کریم کی تلاوت کرنا خصوصاً سورۃ فاتحہ پڑھنا بھی داخل ہے کیونکہ فاتحہ میں بندے کی اپنے رب تعالیٰ سے مناجات ہوتی ہے، اور اس مناجات میں امام اور مقتدی دونوں شامل ہوتے ہیں۔ اس باب کی مواقیت الصلوٰۃ سے مناسبت یہ ہے کہ نماز اللہ تعالیٰ سے مناجات کے لئے ہے اور یہ مناجات اللہ تعالیٰ سے نمازوں کے اوقات میں حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے نماز کو بروقت پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے اور لیٹ کرنے سے روکا گیا ہے۔

۹-بَابُ الإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي شِدَّةِ الْحَرِّ:

باب: اس بارے میں کہ سخت گرمی میں ظہر کو ذرا ٹھنڈے وقت پڑھنا



نمازِ ظہر کو ٹھنڈک میں داخل کرنے کا حکم شفقت کے لئے ہے یا وقت میں کراہت کے لئے ہے؟ شافعی کہتے ہیں کہ یہ حکم دراصل شفقت کے لئے ہے تاکہ لوگوں کو گرمی کی شدت میں آنے میں تکلیف نہ ہو، ورنہ اس وقت میں کوئی کراہت نہیں ہوتی۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ زوال سے متصل چار رکعات پڑھا کرتے تھے۔ اور آپ فرماتے "إنها ساعة تفتح فيها أبواب السماء وأحب أن يصعد لي فيها عمل صالح[1]" اور احناف کے ہاں بھی وقت میں کراہت نہیں ہے۔

اور مدینہ کی عمارتیں بھی اتنی بلند اور اونچی نہیں تھیں کہ انسان ان کے سایہ میں چل کر آسکے لہٰذا دھوپ میں آنا پڑتا تھا اس لیے ابراد کی رخصت دیدی۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا مسلک ہے حنفی بھی اس کے قریب قریب ہیں، وہ بھی کہتے ہیں کہ اگر لوگ جمع ہوں تو نماز ظہر اول وقت پڑھی جاسکتی ہے۔ اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور ابراد والی تخفیف لوگوں کی تکلیف کے پیش نظر دی گئی ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے امام شافعی رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے، اور کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے سفر میں بھی نماز ظہر دیر سے پڑھی تھی، حالانکہ لوگ جمع تھے، معلوم ہوتا ہے کہ بہرحال ابراد چاہیئے۔ اگر دور دراز سے آنا ابراد کی علت ہوتا تو اس وقت سفر میں آپ ابراد نہ کرتے، لیکن اس اشکال کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ لوگ سفر میں اکٹھے تھے لیکن اس طرح اکٹھے نہیں تھے کہ سب لوگ ایک خیمہ میں ہوں، وہ مختلف درختوں کے نیچے منتشر تھے۔ لہٰذا آنے میں دشواری لاحق

[1] ترمذی: ۴۷۸ ج ۲ ص ۳۴۲۔

تھی اس لیے آپ نے سفر میں بھی نماز موٴخر کی ہے، اور ظہر کے وقت میں اول اوسط اور آخر اسی لیے ہے کہ ضرورت کے وقت نماز موٴخر کر سکتا ہے۔

احناف کہتے ہیں کہ اگر ایسا علاقہ ہو جہاں گرمی نہیں پڑتی تو وہاں نماز اول وقت پڑھ لی جائے۔ گویا وقت میں کراہت نہیں ہے۔ مالکی کہتے ہیں کہ گرمی اور سردی دونوں میں نماز موٴخر کرنی چاہیئے، حالانکہ جن علاقوں میں گرمی پڑتی ہے وہاں تو ابراد ہو سکتا ہے۔ جہاں موسم گرم نہیں وہاں موٴخر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اسی بارہ میں دو قسم کی احادیث آتی ہیں، بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہماری شکایت کا ازالہ کر دیا اور نماز موٴخر کر کے پڑھنے کی اجازت دیدی۔ لیکن بعض روایات میں ہے "فلم یشکنا[1]" آپ نے ہماری شکایت کا ازالہ نہیں کیا۔ حافظ ابن حجر نے تطبیق دی ہے اور کہا ہے کہ جتنی انہیں موٴخر کرنے کی رخصت دی تھی انہوں نے اس سے زیادہ کا مطالبہ کیا تھا کہ مزید تخفیف ہونی چاہیئے اس کا آپ نے ازالہ نہیں کیا۔

نماز ظہر کو ٹھنڈا کرنے سے متعلق بعض کہتے ہیں کہ آدھا وقت گذرنے تک ٹھنڈی کرنی چاہیئے۔ یعنی انسان کے آدھے حصے پر سایہ ہونے تک موٴخر کرے۔ بعض کہتے ہیں کہ ربع قامت تک موٴخر کرے۔ ابوداوٴد میں ہے کہ سردیوں میں یہ نماز پڑھی جاتی تھی جبکہ سایہ سات قدم ہوتا تھا۔ اس وقت وہاں زوال ہوتا ہے اور گرمیوں میں تین قدم یا پانچ قدم پر پڑھتے تھے۔ جب تین قدم پر پڑھتے تو سایہ اصلی نہیں ہوتا تھا۔ انسان کی قامت قریباً سات قدم ہوتی ہے اور تین قدم پر گویا نصف سے پہلے پڑھتے تھے یعنی جب انسان کا سایہ سات میں سے تین قدم ہو جائے تو نماز پڑھ لے۔ سات قدم پر مثل ہو گا ان میں سے تین قدم ہونے پر نماز پڑھ لے گا اور یہ تب ہے جبکہ لوگوں نے دور سے آنا ہو اگر لوگ وہیں موجود ہوں تو پھر تاخیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں اگر وہاں موجود ہونے کے باوجود جلدی پڑھنے میں مشقت ہو مثلاً کھانا کھانے سے فارغ نہیں ہوئے تو موٴخر کر سکتے ہیں۔ کیونکہ یہ تاخیر ضرورت کے لئے ہے اور کھانا کھانے کی ضرورت بھی پیش آسکتی ہے۔ بہرحال یہ حکم وقت کی کراہت کے لئے نہیں ہے ورنہ آپ زوال سے متصل نماز نہ پڑھتے۔

٥٣٣ ـ ٥٣٤ ـ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: حَدَّثَنَا الْأَعْرَجُ عَبْدُ الرَّحْمَنِ وَغَيْرُهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَنَافِعٌ مَوْلَى عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: «إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ».

ہم سے ایوب بن سلیمان مدنی نے بیان کیا، کہا ہم سے ابو بکر عبد الحمید بن ابی اویس نے سلیمان بن بلال کے واسطہ سے کہ صالح بن کیسان نے کہا کہ ہم سے اعرج عبد الرحمٰن وغیرہ نے حدیث بیان کی۔ وہ

[1] مسلم ٦١٩ ج ١ ص ٤٣٢۔

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے تھے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے مولیٰ نافع عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کی روایت کرتے تھے ۔ ان دونوں صحابہ رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب گرمی تیز ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھو، کیونکہ گرمی کی تیزی جہنم کی آگ کی بھاپ سے ہوتی ہے۔

٥٣٥ - حَدَّثَنَا ابْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ، سَمِعَ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: «أَذَّنَ مُؤَذِّنُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ، فَقَالَ: أَبْرِدْ أَبْرِدْ، أَوْ قَالَ: انْتَظِرِ انْتَظِرْ، وَقَالَ: شِدَّةُ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ، فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا عَنِ الصَّلَاةِ» حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ.

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا ہم سے غندر محمد بن جعفر نے بیان کیا، ان سے شعبہ بن حجاج نے مہاجر ابوالحسن کی روایت سے بیان کیا، انہوں نے زید بن وہب ہمدانی سے سنا۔ انہوں نے ابوذر رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن (بلال) نے ظہر کی اذان دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھنڈا کر، ٹھنڈا کر، یا یہ فرمایا کہ انتظار کر، انتظار کر، اور فرمایا کہ گرمی کی تیزی جہنم کی آگ کی بھاپ سے ہے۔ اس لیے جب گرمی سخت ہو جائے تو نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، پھر ظہر کی اذان اس وقت کہی گئی جب ہم نے ٹیلوں کے سائے دیکھ لیے۔



"قولہ فان شدة الحر من فیح جهنم" اس سے متعلق دو قول ہیں ایک قول یہ ہے کہ گرمی کی شدت جہنم سے ہی آتی ہے دوسرا قول یہ ہے کہ شدت حر کو فیح جہنم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جیسا کہ سخت گرمی کے وقت کہا جاتا ہے کہ باہر تو جہنم بنا ہوا ہے۔ یا ایسے وقت کہہ دیتے ہیں کہ اب تو میدان محشر قائم ہے۔ یہ صرف تشبیہ دینا مقصود ہوتا ہے ورنہ باہر حقیقۃً نہ تو جہنم ہوتا ہے اور نہ ہی میدان محشر بپا ہوتا ہے۔ اسی طرح بخار کے متعلق آتا ہے "إن الحمی من فیح جهنم فأبردوها بالماء[1]" مطلب یہ ہوتا ہے کہ بخار بڑا تکلیف دہ ہے۔ تو جیسے یہاں بخار کو فیح جہنم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے ایسے ہی وہاں شدت حرارت کو فیح جہنم کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ گرمی جہنم سے آتی ہے حالانکہ گرمی کا تعلق سورج سے ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے "ما أیقظنا إلا حر الشمس[2]" قرآن کریم میں ہے منافق کہتے ہیں "لا تنفروا فی الحر" گرمی میں (جہاد کے لئے) نہ نکلو "قل نار جهنم أشد حرا[3]" جہنم کی آگ کی گرمی اس سے بھی سخت ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی گرمی جہنم سے نہیں ہے۔



---

(1) ترمذی ٢٠٧٤ ج ٣ ص ٤٠٤۔

(2) بخاری ٣٤٤ ج ١ ص ٧٦ مسلم ٦٨٢ ج ١ ص ٤٧٦۔

(3) التوبہ ٨١۔

تشبیہ کی صورت میں تو معنی درست ہے اور اگر یہ کہا جائے کہ گرمی جہنم سے آ رہی ہے حالانکہ سورج سے آتی ہے تو پھر مطلب یہ ہے کہ سورج بھی جہنم کا ایک ٹکڑا ہے تو سورج کی گرمی گویا جہنم کی گرمی ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ سورج میں جو ایندھن پڑتا ہے وہ جہنم سے آتا ہے اگر سورج کو ایندھن نہ ملے تو وہ جھٹ فنا ہو جائے، جیسا کہ کہتے ہیں کہ چار ارب سال سے سورج گرمی اس طرح دے رہا ہے، اور دو ارب سال کے بعد دنیا فنا ہو جائے گی، کیونکہ اس وقت سورج کی گرمی اتنی کم ہو جائے گی کہ سورج سکڑ جائے گا، اور اس کے سکڑنے کا اثر زمین پر پڑے گا، پانی ابلنا شروع ہو جائے گا اور بخارات کی شکل اختیار کریگا۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "اذا الشمس کورت واذا النجوم انکدرت[1] واذا الجبال سیرت" جب سورج لپیٹ لیا جائے گا، اور جب ستارے بے نور ہو جائیں گے اور جب پہاڑ چلائے جائیں گے۔ گویا سورج جہنم کا ہی ٹکڑا ہے۔ حدیث میں ہے۔ "الشمس والقمر مکوران یوم القیامة[2]" قیامت کے دن سورج اور چاند لپیٹ دیئے جائیں گے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں لپیٹ کر جہنم میں پھینک دیا جائے گا تاکہ مشرکین ذلیل ہوں جو ان کی عبادت کیا کرتے تھے۔

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ جہنم کا اور کیفیات مضارہ کا معدن ایک ہی ہے، جس منبع سے مضار چیزیں نکل کر جہنم کی طرف جاتی ہیں اسی منبع سے تکالیف مضارہ یہاں آتی ہیں اور ان تکالیف مضارہ میں سے شدت حر اور شدت برد بھی ہے۔ ان کا منبع پیچھے ایک ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ سورج میں سے جو گرمی آتی ہے اس کا اور جہنم کا منبع پیچھے ایک ہے، چونکہ منبع ایک ہے اس لیے جہنم کی طرف نسبت کرنا درست ہے۔ جیسے کہا جائے اس نہر کا پانی فلاں دریا کا ہے۔ یعنی یہ نہر فلاں دریا سے نکلتی ہے یا اس نہر کا پانی فلاں نہر کا ہے یعنی دونوں کا منبع پیچھے ایک ہے اس صورت میں یہ ظاہر پر محمول نہیں ہے کہ واقعی یہ گرمی جہنم سے آ رہی ہے پھر یہ موسم بدلتے رہتے ہیں، یہاں چار موسم ہوتے ہیں اور بعض علاقوں میں آٹھ موسم ہوتے ہیں ایک سال میں دو ہاڑ اور دو سیال آتے ہیں، اسی طرح دو ربیع اور دو خریف ہوتے ہیں، جب خط استواء کی ایک جانب ہاڑ ہوتا ہے تو آسٹریلیا میں اس وقت سیال ہوتا ہے اور اس کے برعکس جب ادھر سیال ہو تو ادھر ہاڑ ہوتا ہے جہنم ایک طرف سانس گرم اور دوسری طرف سرد لیتا ہوگا۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی بات کا مطلب دراصل یہ ہے۔

٥٣٦ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَفِظْنَاهُ مِنَ الزُّهْرِيِّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ، فَإِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ.

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، کہا اس حدیث کو ہم نے زہری سے سن کر یاد کیا، وہ سعید بن مسیب کے واسطہ سے بیان کرتے ہیں، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے،

[1] التکویر: ٢،١۔

[2] بخاری ٣٢٠٠ ج ٤ ص ١٠٨۔

وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب گرمی تیز ہو جائے تو نماز کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی تیزی دوزخ کی آگ کی بھاپ کی وجہ سے ہوتی ہے۔

۵۳۷۔ وَاشْتَكَتِ النَّارُ إِلَى رَبِّهَا، فَقَالَتْ: يَا رَبِّ أَكَلَ بَعْضِي بَعْضًا، فَأَذِنَ لَهَا بِنَفَسَيْنِ نَفَسٍ فِي الشِّتَاءِ وَنَفَسٍ فِي الصَّيْفِ، فَهُوَ أَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الحَرِّ، وَأَشَدُّ مَا تَجِدُونَ مِنَ الزَّمْهَرِيرِ».

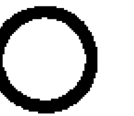
دوزخ نے اپنے رب سے شکایت کی کہ اے میرے رب! (آگ کی شدت کی وجہ سے) میرے بعض حصہ نے بعض حصہ کو کھالیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی، ایک سانس جاڑے میں اور ایک سانس گرمی میں۔ اب انتہائی سخت گرمی اور سخت سردی جو تم لوگ محسوس کرتے ہو وہ اسی سے پیدا ہوتی ہے۔

۵۳۸۔ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، حَدَّثَنَا أَبُو صَالِحٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَبْرِدُوا بِالظُّهْرِ فَإِنَّ شِدَّةَ الحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ»، تَابَعَهُ سُفْيَانُ، وَيَحْيَى، وَأَبُو عَوَانَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ.

ہم سے عمر بن حفص بن غیاث نے بیان کیا کہا مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، کہا ہم سے اعمش نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابو صالح ذکوان نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کے واسطہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (کہ گرمی کے موسم میں) ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو، کیونکہ گرمی کی شدت جہنم کی بھاپ سے پیدا ہوتی ہے۔ اس حدیث کی متابعت سفیان ثوری، یحییٰ اور ابو عوانہ نے اعمش کے واسطہ سے کی ہے۔



"قوله اشتکت النار إلى ربها" نار جہنم کے شکایت کرنے میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اس نے زبانِ حال سے شکایت کی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ زبانِ قال سے شکایت کی ہے، کیونکہ عالم مثال میں ہر چیز کی جو مثالی شکل ہے وہ وہاں متکلم ہے، لہٰذا ہر چیز کلام کر سکتی ہے قیامت کے دن زمین باتیں کرے گی "یومئذ تحدث اخبارھا" اس لیے زبان حال یا قال سے گفتگو ہو سکتی ہے اگر گفتگو زبان حال سے ہو تو پھر تو ایک قسم کا کنایہ ہی ہوگا گویا آگ کا اشتداد اور آپس میں تداخل ہی شکایت تھی کہ میرا بعض بعض کو کھا گیا ہے تو اللہ تعالی نے اسکا تدارک کرتے ہوئے اسے دو سانس لینے کی اجازت دی تاکہ اس کی شدت میں کمی ہو سکے ایک سانس سردی میں جو کہ ٹھنڈا ہے اور ایک سانس ہاڑ میں جو کہ گرم ہے گویا جہنم میں دونوں قسمیں ہیں گرمی بھی اور سردی بھی اس لیے ہاڑ میں سانس گرم ہے اور سیال میں سرد ہے "أشد ما تجدون من الحر فمن سمومها وأشد ما تجدون من البرد فمن زمهريرها" جیسا کہ حدیث [1] میں ہے گویا کہ گرمی اور سردی جہنم سے ہی آ رہی ہے جیسے شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ کی رائے ذکر ہوئی ہے کہ کیفیات مضارہ کا



[1] مشکوٰۃ المصابیح، کتاب الصلوٰۃ، باب تعجیل الصلوٰۃ، الفصل الاول، رقم ۵۹۱، سنن ابن ماجہ ۴۳۱۹ ج ۲ ص ۱۴۴۴ (بمعناہ)

منبع اور جہنم کا منبع ایک ہے، منبع ایک ہونے کی بنا پر ان کی کیفیات ایک دوسرے کے موافق ہو جاتے ہیں دراصل "اکل بعضي بعضاً" کنایہ ہوگا ورنہ بتایا گیا ہے کہ سیال متبادل ہوتا ہے ادھر ہاڑ ہو تو آسٹریلیا میں سیال ہوتا ہے یہاں سیال ہو تو وہاں ہاڑ ہوتا ہے یا مطلب یہ ہے کہ وہاں سانس سیال میں لیتی ہے تو ہمارا اہاڑ ہو جاتا ہے یا وہاں ہاڑ میں لیتی ہے تو ہمارا سیال ہو جاتا ہے، درمیان میں خریف اور ربیع جو دو موسم ہوتے ہیں یہ کمی و بیشی کی وجہ سے ہوتے ہیں، گرمی کا سانس ذرا کم ہو گیا تو خریف ہوتا ہے اور سردی کا سانس ذرا کم ہو تو ربیع ہو جاتا ہے اصل میں کنایہ ہی مانا جائے تو درست ہے جیسے کہا جاتا ہے "قالت الأرض للوتدلم تشقني "زمین نے کیل سے کہا مجھے کیوں پھاڑتا ہے تو کیل نے جواب دیا "سلي من يدقني "اس سے پوچھ جو مجھے اوپر سے کوٹ رہا ہے۔ یہ گفتگو حقیقۃً نہیں ہوئی۔ اسی طرح یہاں آگ کا شکایت کرنا ہے باقی جو شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے وہ بھی ہو سکتا ہے کہ کیفیات مضارہ اور جہنم کا منبع ایک ہے۔ اگرچہ سردی برف کی وجہ سے ہوتی ہے، قطبین کا علاقہ شمالی ہو یا جنوبی وہاں سردی سخت ہوتی ہے سارا سال برف جمی رہتی ہے اس طرف سے ہوا چلے تو ٹھنڈ ہو جاتی ہے ورنہ سورج کی وجہ سے گرمی ہوتی ہے اور سورج جب جنوبی قطب کی طرف چلا جائے تو سردی ہو جاتی ہے، کیونکہ ادھر برف ہے جب ادھر آتا ہے تو گرمی ہو جاتی ہے دن کے بعد رات بھی آتی ہے جس سے گرمی میں کچھ کمی ہو جاتی ہے اگر ہمیشہ دن ہی رہے تو لوگ گرمی سے جل جائیں۔

۱۰- بَابُ الإِبْرَادِ بِالظُّهْرِ فِي السَّفَرِ:

باب: اس بارے میں کہ سفر میں ظہر کو ٹھنڈے وقت میں پڑھنا

۵۳۹ - حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُهَاجِرٌ أَبُو الْحَسَنِ مَوْلَى لِبَنِي تَيْمِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ الْغِفَارِيِّ، قَالَ: «كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ. فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ لِلظُّهْرِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَبْرِدْ. ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ. فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ حَتَّى رَأَيْنَا فَيْءَ التُّلُولِ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ. فَإِذَا اشْتَدَّ الْحَرُّ فَأَبْرِدُوا بِالصَّلَاةِ». وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: تَتَفَيَّأُ تَتَمَيَّلُ.

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے بنی تیم اللہ کے غلام مہاجر ابوالحسن نے بیان کیا، کہا کہ میں نے زید بن وہب جہنی سے سنا، وہ ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے کہا کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ مؤذن نے چاہا کہ ظہر کی اذان دے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وقت کو ٹھنڈا ہونے دو، مؤذن نے (تھوڑی دیر بعد) پھر چاہا کہ اذان دے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹھنڈا ہونے دو۔ جب ہم نے ٹیلے کا سایہ ڈھلا ہوا دیکھ لیا۔ (تب اذان کہی گئی) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی کی تیزی جہنم کی بھاپ کی تیزی سے ہے۔ اس لیے جب گرمی سخت ہو جایا کرے تو ظہر کی نماز ٹھنڈے وقت میں پڑھا کرو۔ ابن عباس رضی

اللہ عنہما نے فرمایا «تتفیئو» (کالفظ جو سورۃ النحل میں ہے) کے معنے «تتمیل» (جھکنا، مائل ہونا) ہیں۔

یعنی سفر میں بھی نماز ظہر کا ابراد جائز ہے، کیونکہ سفر میں لوگ متفرق ہوں تو ان کے اکٹھے ہونے میں دشواری ہوتی ہے، ورنہ ظہر کے وقت میں کوئی کراہت نہیں ہوتی جیسا کہ عصر کے آخری وقت میں کراہت ہوتی ہے، اسی طرح طلوعِ شمس کے وقت اور دوپہر کے وقت کراہت ہوتی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک "أبرد" کا امر شفقت کے لئے ہے۔ جب لوگ جمع ہوں تو اول وقت نماز پڑھنا افضل ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ کا عمل اول وقت تھا گویا ابراد عارضی چیز ہے ہاں اول وقت کوئی دشواری ہو تو تاخیر بہتر ہے لیکن لوگ اکٹھے ہوں تو نماز مؤخر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، حنفی کہتے ہیں چونکہ آپ نے ابراد کا حکم دیا ہے لہذا اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

١١-بَابُ وَقْتِ الظُّهْرِ عِنْدَ الزَّوَالِ:

باب: اس بیان میں کہ ظہر کا وقت سورج ڈھلنے پر ہے

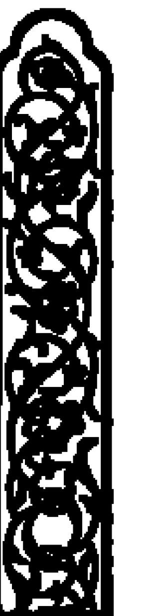
وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي بِالْهَاجِرَةِ.

اور جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دوپہر کی گرمی میں (ظہر کی) نماز پڑھتے تھے۔



٥٤٠ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ حِينَ زَاغَتِ الشَّمْسُ فَصَلَّى الظُّهْرَ، فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَذَكَرَ السَّاعَةَ، فَذَكَرَ أَنَّ فِيهَا أُمُورًا عِظَامًا، ثُمَّ قَالَ: مَنْ أَحَبَّ أَنْ يَسْأَلَ عَنْ شَيْءٍ فَلْيَسْأَلْ، فَلَا تَسْأَلُونِي عَنْ شَيْءٍ إِلَّا أَخْبَرْتُكُمْ مَا دُمْتُ فِي مَقَامِي هَذَا، فَأَكْثَرَ النَّاسُ فِي الْبُكَاءِ، وَأَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: سَلُونِي، فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ حُذَافَةَ السَّهْمِيُّ، فَقَالَ: مَنْ أَبِي؟ قَالَ: أَبُوكَ حُذَافَةُ، ثُمَّ أَكْثَرَ أَنْ يَقُولَ: سَلُونِي، فَبَرَكَ عُمَرُ عَلَى رُكْبَتَيْهِ، فَقَالَ: رَضِينَا بِاللّٰهِ رَبًّا وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِيًّا، فَسَكَتَ ثُمَّ قَالَ: عُرِضَتْ عَلَيَّ الْجَنَّةُ وَالنَّارُ آنِفًا فِي عُرْضِ هَذَا الْحَائِطِ. فَلَمْ أَرَ كَالْخَيْرِ وَالشَّرِّ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا، کہا ہم سے شعیب نے زہری کی روایت سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ جب سورج ڈھلا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ سے باہر تشریف لائے اور ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر منبر پر تشریف لائے۔ اور قیامت کا ذکر فرمایا۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت میں بڑے عظیم امور پیش آئیں گے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی کو کچھ پوچھنا ہو تو پوچھ لے۔ کیونکہ جب تک میں اس جگہ پر ہوں تم مجھ سے جو بھی پوچھو گے۔ میں اس کا جواب ضرور دوں گا۔ لوگ بہت زیادہ رونے لگے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم برابر فرماتے جاتے تھے کہ جو کچھ پوچھنا ہو پوچھو۔ عبداللہ بن حذافہ سہمی کھڑے ہوئے اور دریافت کیا کہ نبی



کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے باپ کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے باپ حذافہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اب بھی برابر فرمارہے تھے کہ پوچھو کیا پوچھتے ہو۔ اتنے میں عمر رضی اللہ عنہ ادب سے گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور انہوں نے فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مالک ہونے، اسلام کے دین ہونے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نبی ہونے سے راضی اور خوش ہیں۔ (پس اس گستاخی سے ہم باز آتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا اور بے جا سوالات کریں) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہوگئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی ابھی میرے سامنے جنت اور جہنم اس دیوار کے کونے میں پیش کی گئی تھی۔ پس میں نے نہ ایسی کوئی عمدہ چیز دیکھی (جیسی جنت تھی) اور نہ کوئی ایسی بری چیز دیکھی (جیسی دوزخ تھی)۔

یعنی ظہر کی نماز کا وقت زوال ہونے پر ہو جاتا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام کی نماز دوپہر کو ہوتی تھی، ٹھنڈا کرنا عارضی چیز ہے۔

قولہ "سلونی" مجمع الزوائد میں ہے صحابہ سمجھتے تھے کہ آپ کے پاس جبرئیل علیہ السلام ہے۔ اس کے کہنے سے آپ نے اعلان کیا تھا کہ جو سوال کروگے اس کا جواب دیا جائیگا۔ اور جبریل نے اللہ تعالیٰ سے پوچھ کر بتاناتھا۔

قولہ "فی عرض هذا الحائط" یہ دیوار بمنزلہ شیشے کے ہوگی یا اس دیوار میں ان کی مثالی شکل آگئی جو آپ نے دیکھی۔ کیونکہ بعض روایات میں "مثلت" بھی آیا ہے۔ یا اس سے مراد یہ ہے کہ دیوار سے آپکی نظر منعکس ہوکر جنت اور دوزخ کی طرف پہنچ گئی۔ ورنہ جنت اور دوزخ دیوار پر نہیں آسکتے جیسا کہ جب کوئی شخص شیشہ دیکھتا ہے تو شیشے پر جو نظر پڑتی ہے وہ منعکس ہوکر منہ کی طرف جاتی ہے تو منہ نظر آجاتا ہے اسی طرح سورج کی شعاعوں سے قوس قزح بن جاتی ہے یہ شعاعیں جب پانی کے ذرات پر پڑتی ہیں ان کے عبور کے وقت رنگوں کے ٹکڑے ہوجاتے ہیں جو نظر آتے ہیں اس لیے قوس قزح کے لئے خاص سمت کی ضرورت ہوتی ہے۔

٥٤١ ـ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الصُّبْحَ، وَأَحَدُنَا يَعْرِفُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ فِيهَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ، وَيُصَلِّي الظُّهْرَ إِذَا زَالَتِ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ، وَأَحَدُنَا يَذْهَبُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ يَرْجِعَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، ثُمَّ قَالَ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ»، وَقَالَ مُعَاذٌ: قَالَ شُعْبَةُ: لَقِيتُهُ مَرَّةً، فَقَالَ: أَوْ ثُلُثِ اللَّيْلِ.

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا ابوالمنہال کی روایت سے، انہوں نے ابو برزہ (فضلہ بن عبید رضی اللہ عنہ) سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز اس وقت پڑھتے تھے جب ہم اپنے پاس بیٹھے ہوئے شخص کو پہچان لیتے تھے۔ صبح کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھتے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اس وقت پڑھتے جب سورج ڈھل

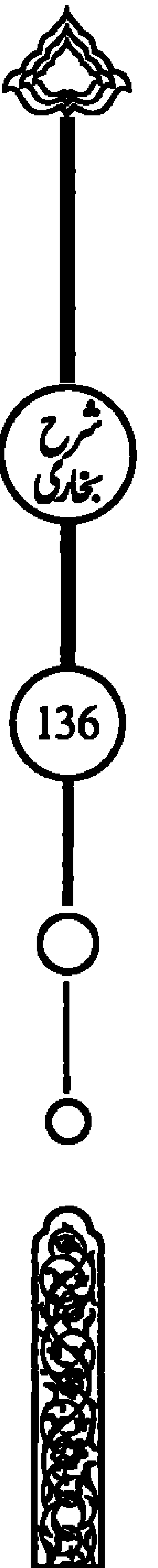
جاتا۔ اور عصر کی نماز اس وقت کہ ہم مدینہ منورہ کی آخری حد تک (نماز پڑھنے کے بعد) جاتے لیکن سورج اب بھی تیز رہتا تھا۔ نماز مغرب کا انس رضی اللہ عنہ نے جو وقت بتایا تھا وہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کو تہائی رات تک دیر کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، پھر ابوالمنہال نے کہا کہ آدھی رات تک (مؤخر کرنے میں) کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے۔ اور معاذ نے کہا کہ شعبہ نے فرمایا کہ پھر میں دوبارہ ابوالمنہال سے ملا تو انہوں نے فرمایا یا تہائی رات تک۔

"قوله يعرف جليسه" لیکن دوسری روایت میں اس کے خلاف "وهو لا يعرف جليسه[1]" آتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ بہت مشکل سے اسے پہچانتا تھا کیونکہ "ما كاد يعرف" میں بھی پہچاننے کا اثبات ہے لیکن مشکل پائی جاتی ہے بعض کہتے ہیں کہ جو شخص واقف ہوتا تھا اسے پہچان لیتا تھا اور جس سے واقفیت نہیں ہوتی تھی اسے ذرا مشکل سے پہچانتا تھا۔

"قوله إلى أقصى المدينة رجع" "أي راجعًا" یعنی واپسی کے وقت کیونکہ وہ مدینہ میں آیا ہوتا تھا جا کر واپس ہونا مراد نہیں ہے اور أقصى المدينة سے مراد قباء ہے جو تین میل پر واقع ہے بعض نے اس سے عوالی مراد لیا ہے۔

٥٤٢۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ يَعْنِي ابْنَ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، حَدَّثَنِي غَالِبٌ الْقَطَّانُ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُزَنِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «كُنَّا إِذَا صَلَّيْنَا خَلْفَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالظَّهَائِرِ فَسَجَدْنَا عَلَى ثِيَابِنَا اتِّقَاءَ الْحَرِّ».

ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، انہوں نے کہا ہم سے خالد بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا، انہوں نے کہا مجھ سے غالب قطان نے بکر بن عبداللہ مزنی کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے آپ نے فرمایا کہ جب ہم (گرمیوں میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ظہر کی نماز دوپہر دن میں پڑھتے تھے تو گرمی سے بچنے کے لیے کپڑوں پر سجدہ کیا کرتے۔



"قوله سجدنا على ثيابنا" پہنے ہوئے کپڑے پر شافعی سجدہ کرنا منع سمجھتے ہیں، حنفی جائز سمجھتے ہیں شافعی یہاں تاویل کرتے ہیں کہ جس کپڑے پر سجدہ کرتے تھے وہ منفصل ہوگا یا بڑی آستینیں ہوں گی امام بخاری رحمہ اللہ بھی جائز سمجھتے ہیں۔

١٢۔ بَابُ تَأْخِيرِ الظُّهْرِ إِلَى الْعَصْرِ:

باب: اس بارے میں کہ کبھی ظہر کی نماز عصر کے وقت تک تاخیر کر کے پڑھی جا سکتی ہے

بخاری یہ باب یہ بتانے کے لئے لائے ہیں کہ ظہر اور عصر کے درمیان کوئی فاصلہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ کی روایت ہے کہ درمیانی مثل مہمل ہے۔ اور یہ اسد بن فراط کی روایت ہے اگرچہ حنفی اس کی تاویل کرتے ہیں کہ مہمل سے مراد یہ ہے

---

(1) مستخرج أبي عوانه ١٠٧٩ ج١ ص٣٠٦۔

کہ ظہر یا عصر کا خاص وقت نہیں ہے بلکہ اس میں دونوں نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں، ان کے درمیان کوئی وقت فاصل نہیں ہے جیسا کہ فجر اور ظہر کے درمیان ہے، ان دونوں کے درمیان طلوع شمس سے لیکر زوال تک مہمل وقت ہے نہ فجر کا ہے اور نہ ظہر کا لہذا دونوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا، اور ظہر کا عصر سے جمع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ درمیان میں فاصل نہیں ہے اور جو آپ نے اوقات بتائے ہیں ان کے متعلق امام شافعی کا خیال ہے کہ یہ تحدیدی چیزیں ہیں امام احمد بن حنبل کا بھی یہی خیال ہے بعض مالکی تقریبی کہتے ہیں اور مالکی یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ چار رکعت کی بقدر مشترک وقت ہے امام ابوحنیفہ ایک مثل بنادیتے ہیں امام مالک بھی فاصلے کے قائل ہیں لیکن وہ مشترک وقت سمجھتے ہیں بلکہ انکا ایک قول یہ ہے کہ ظہر کا اول وقت زوال کے بعد شروع ہوجاتا ہے اور ظہر و عصر کے درمیان وقت دونوں کا ہے، ظہر پہلے پڑھو اور عصر بعد میں، بس اتنا ہی وقت ہے دوسرا قول یہ ہے کہ چار رکعت کی بقدر ہے۔

حنبلی اور شافعی کہتے ہیں کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت ہے ایک مثل کے بعد عصر کا وقت ہے لہذا ایک مثل سے پہلے عصر نہیں پڑھی جاسکتی اور ایک مثل کے بعد ظہر نہیں پڑھی جاسکتی، ان دونوں کے درمیان کوئی وقت مشترک یا مہمل نہیں ہے، بعض کہتے ہیں کہ زوال کی بقدر ہے کیونکہ آپ نے زوال ہونے کے بعد ظہر پڑھی تھی اس قدر مثل کے بعد وقت ہوگا، بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ تحدید درست ہے بعض روایات میں تقریبی بھی مذکور ہے "إذا كنت في السفر فقلت أزالت الشمس او لم تزل فصل[1]" اسکا مطلب تو یہ ہوا کہ اگر شک بھی ہو تب بھی پڑھ سکتا ہے۔

٥٤٣ - حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ هُوَ ابْنُ زَيْدٍ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى بِالْمَدِينَةِ سَبْعًا وَثَمَانِيًا الظُّهْرَ وَالْعَصْرَ وَالْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ»، فَقَالَ أَيُّوبُ: لَعَلَّهُ فِي لَيْلَةٍ مَطِيرَةٍ، قَالَ: عَسَى.

ہم سے ابوالنعمان نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا عمرو بن دینار سے۔ انہوں نے جابر بن زید سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں رہ کر سات رکعات (ایک ساتھ) اور آٹھ رکعات (ایک ساتھ) پڑھیں۔ ظہر اور عصر (کی آٹھ رکعات) اور مغرب اور عشاء (کی سات رکعات) ایوب سختیانی نے جابر بن زید سے پوچھا شاید برسات کا موسم رہا ہو۔ جابر بن زید نے جواب دیا کہ غالباً ایسا ہی ہو گا۔

"قوله سبعًا و ثمانيًا" سبعًا سے مراد مغرب اور عشاء ہے و ثمانیًا سے مراد ظہر اور عصر ہے لیکن یہاں ظہر اور عصر کو مقدم کر دیا ہے۔

"قوله عسى "أي عسى أن يكون كما قلت" یعنی ایوب سختیانی نے ابوالشعثاء جابر بن زید سے کہا کہ شاید آپ نے بارش کی وجہ سے نمازیں جمع کی ہوں، جابر نے کہا کہ شاید یہی وجہ ہو۔ امام مالک کا مذہب یہ ہے کہ بارش کی وجہ

[1] مصنف ابن أبي شيبة ٣٥١٧ ج ١ ص ٣٠٧۔ عن الحکم

سے نمازیں جمع کرنا جائز ہے اور اس حدیث میں بارش کی وجہ سے جمع کرنا مراد ہے لیکن دیگر علماء کہتے ہیں کہ بعض روایات میں اس کی نفی آتی ہے ان میں ہے "من غیر سفر ولا مطر ولا مرض [1]" مسلم میں ان سب چیزوں کی نفی آتی ہے لہٰذا یہ توجیح درست نہیں ہے شاہ ولی اللہ کا خیال ہے کہ سفر تھا کیونکہ اس حدیث کی سند اور غزوہ تبوک کے سفر والی حدیث کی سند ایک ہی ہے۔ اور سفر کی نفی سائر کے اعتبار سے ہے یعنی آپ سائر نہیں تھے کہ چلتے چلتے وہاں اترے ہوں۔ بلکہ نازل تھے۔ اور صلی بالمدینۃ سے مراد ہے کہ مدینہ کے گردونواح میں تھے اس سے زیادہ دور نہیں گئے تھے انہوں نے یوں بات بنائی ہے اصل میں یہ سب تاویلیں ہیں، ورنہ ظاہر یہی ہے کہ یہ نمازیں مدینہ کے اندر ہی پڑھی گئی ہیں اور اسکی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ باہر سے وفد آیا تھا ان سے گفتگو میں مصروف رہے تھے اس لیے نمازیں جمع کی تھیں۔

مسلم میں حدیث ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ وعظ و نصیحت کر رہے تھے اسی دوران سورج غروب ہو گیا کسی نے کہا "الصلوۃ یاابن عباس" تو انہوں نے جواب دیا "أتعلمنی بالسنۃ وقد جمع رسول اللہ ﷺ بین الظھر والعصر..... [2]"۔ یعنی وعظ و نصیحت ہو رہی ہے۔ جب وعظ ختم ہو گا تو نماز پڑھیں گے اور مغرب وعشاء دو نمازوں کو جمع کرلیں گے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حضر میں بھی دو نمازوں کو جمع کرنے کے قائل تھے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث پر کسی کا عمل نہیں ہے اور جو بغیر عذر کے جمع کرے گا وہ کبیرہ گناہ کا مرتکب ہوگا، کیونکہ جمع بین الصلوتین عذر کی بنا پر ہے اور یہاں بھی عذر تھا کہ وعظ و نصیحت ہو رہی تھی اور لوگ اکٹھے ہوئے تھے انہیں اسلام کی باتیں سنائی اور سکھائی جا رہی تھیں۔ لہٰذا نمازیں جمع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور نمازوں کے اول، اوسط اور آخر اوقات ہیں اور آخر وقت میں عذر کی بنا پر نماز پڑھنی جائز ہے اور یہاں تعلیم دینا عذر تھا اس لیے آپ نے نماز کو مؤخر کر دیا۔ اور یہ جمع صوری تھی کیونکہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں آتا ہے "أخر الظھر وعجل العصر [3]" جیسا کہ نسائی کی حدیث میں ہے لہٰذا جمع حقیقی نہیں تھی۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ جمع حقیقی ہے اور اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ جمع صوری میں حرج اور تنگی ہوتی ہے کہ بیٹھا انتظار کرتا رہے کہ کتنا وقت باقی ہے۔ خیر آجکل تو گھڑیاں موجود ہیں۔ اس لیے کوئی مشکل پیش نہیں آتی اگلی نماز کے وقت سے دس منٹ قبل پہلی نماز شروع کر دے۔ اس زمانے میں جو تقریب کے قائل تھے ان کے ہاں مشکل نہیں تھی جو تحدید کے قائل ہیں ان کے ہاں واقعی مشکل تھی، آج کے دور میں تو ان کے ہاں بھی کوئی دشواری نہیں ہے ائمہ اربعہ میں سے اسکا کوئی قائل نہیں ہے۔ جو قائل ہیں وہ ضرورت پیش آنے پر قائل ہیں اور ضرورت حضر میں بھی پیش آسکتی ہے۔

---

(1) مسلم ۷۰۵ ج ۱ ص ۴۹۰۔ مصنف ابن ابی شیبہ ۸۲۳۰ ج ۲ ص ۳۴۹۔

(2) مسلم (۵۷) ۷۰۵۔

(3) صحیح بخاری ۱۱۷۴ ج ۲ ص ۵۸۔ نسائی (کبریٰ) ۳۷۵ ج ۱ ص ۲۲۶۔

اس حدیث میں جمع صوری کا ذکر ہے جمع صوری میں پہلی نماز اس کے آخری وقت میں پڑھی جاتی ہے لیکن وقت کے بعد تو نہیں پڑھی جاتی، جو حدیث سفر کے متعلق آتی ہے اس میں جمع حقیقی مراد ہے جیسا کہ امام ابن القیم رحمہ اللہ اور شافعیوں کی رائے ہے۔ یہ جمع حقیقی کے قائل ہیں لیکن احناف جمع کے قائل نہیں ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ جمع حقیقی صرف عرفات اور مزدلفہ میں ہے۔ اس کے علاوہ کہیں جمع حقیقی نہیں ہو سکتی، امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب تم عرفات اور مزدلفہ میں جمع حقیقی کے قائل ہو تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نمازوں کا جو وقت مقرر کیا گیا ہے حضر کا اور ہے اور سفر کا اس کے علاوہ ہے سفر میں دو نمازوں کا وقت ایک ہی ہوتا ہے۔ لہذا دو نمازوں کو ایک وقت میں جمع کرنا "کتاباً موقوتاً[1]" کے خلاف نہیں ہے جب شریعت نے دو نمازوں کو جمع کرنے کی اجازت دیدی ہے تو وہ اس کا وقت ہی ہوتا ہے بعض لوگ کہتے ہیں کہ دو نمازوں کو جمع کرنا۔ کتاباً موقوتاً کے خلاف ہے حالانکہ قرآن میں نمازوں کے اوقات کا ذکر نہیں ہے احادیث میں اوقات نماز کی تفصیل مذکور ہے۔ اسی طرح حدیث میں جمع بین الصلوتین کے وقت کا ذکر آتا ہے گویا عذر کی وجہ سے انکا وقت ایک ہو جاتا ہے۔

۱۳۔ بَابُ وَقْتِ الْعَصْرِ [2]

باب: نماز عصر کے وقت کا بیان

٥٤٤ ۔ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ لَمْ تَخْرُجْ مِنْ حُجْرَتِهَا»، وَقَالَ أَبُو أُسَامَةَ: عَنْ هِشَامٍ مِنْ قَعْرِ حُجْرَتِهَا.

ہم سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، کہا ہم سے انس بن عیاض لیثی نے ہشام بن عروہ کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے اپنے والد سے کہ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز ایسے وقت پڑھتے تھے کہ ان کے حجرہ میں سے ابھی دھوپ باہر نہیں نکلتی تھی۔

٥٤٥ ۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ فِي حُجْرَتِهَا لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ مِنْ حُجْرَتِهَا».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے لیث بن سعد نے ابن شہاب سے بیان کیا، انہوں نے عروہ

---

(1) النساء:۱۰۳۔

(2) یہاں بخاری میں ابو اسامہ کی ہشام سے "من قَعْرِ حجرتها" کے لفظ سے معلق روایت ذکر ہے۔ حالانکہ بخاری کی عادت کے مطابق یہ تعلیق بعد میں ذکر ہونی چاہیئے جیسے اسماعیلی نے ابو عبد الرحمان سے روایت کیا ہے "قال حدثنا أبو أسامة۔ حماد بن اسامة اللیثی۔ عن هشام۔ ابن عروة۔ عن أبیه عن عائشة قالت کان النبی ﷺ یصلي صلوة العصر والشمس فی قعر حجرتی"۔

بن زبیر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی تو دھوپ ان کے حجرہ ہی میں تھی۔ سایہ وہاں نہیں پھیلا تھا۔

٥٤٦ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ عُيَيْنَةَ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي صَلَاةَ الْعَصْرِ وَالشَّمْسُ طَالِعَةٌ فِي حُجْرَتِي لَمْ يَظْهَرِ الْفَيْءُ بَعْدُ»، وَقَالَ مَالِكٌ: وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَشُعَيْبٌ، وَابْنُ أَبِي حَفْصَةَ، وَالشَّمْسُ قَبْلَ أَنْ تَظْهَرَ.

ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان بن عیینہ نے ابن شہاب زہری سے بیان کیا، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب عصر کی نماز پڑھتے تو سورج ابھی میرے حجرے میں جھانکتا رہتا تھا۔ ابھی سایہ نہ پھیلا ہوتا تھا۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ امام مالک اور یحییٰ بن سعید، شعیب رحمہم اللہ اور ابن ابی حفصہ کے روایتوں میں (زہری سے) «والشمس قبل أن تظهر» کے الفاظ ہیں، (جن کا مطلب یہ ہے کہ دھوپ ابھی اوپر نہ چڑھی ہوتی)۔



٥٤٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَوْفٌ، عَنْ سَيَّارِ بْنِ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الْأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ أَبِي: «كَيْفَ كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟ فَقَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى رَحْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْعَتَمَةَ، وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ الرَّجُلُ جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ بِالسِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ».

ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں عوف نے خبر دی سیار بن سلامہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ میں اور میرے باپ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ان سے میرے والد نے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کن وقتوں میں پڑھتے تھے۔ انہوں نے فرمایا کہ دوپہر کی نماز جسے تم پہلی نماز کہتے ہو سورج ڈھلنے کے بعد پڑھتے تھے۔ اور جب عصر پڑھتے اس کے بعد کوئی شخص مدینہ کے انتہائی کنارہ پر اپنے گھر واپس جاتا تو سورج اب بھی تیز ہوتا تھا۔ سیار نے کہا کہ مغرب کے وقت کے متعلق آپ نے جو کچھ کہا تھا وہ مجھے یاد نہیں رہا۔ اور عشاء کی نماز جسے تم «عتمہ» کہتے ہو اس میں دیر کو پسند فرماتے تھے اور اس سے



پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے اور صبح کی نماز سے اس وقت فارغ ہو جاتے جب آدمی اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کو پہچان سکتا اور صبح کی نماز میں آپ ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھا کرتے تھے۔

٥٤٨ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ إِسْحَاقَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي طَلْحَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَخْرُجُ الْإِنْسَانُ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ فَنَجِدُهُمْ يُصَلُّونَ الْعَصْرَ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا، وہ امام مالک رحمہ اللہ علیہ سے، انہوں نے اسحاق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے روایت کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کو روایت کیا، انہوں نے فرمایا کہ ہم عصر کی نماز پڑھ چکتے اور اس کے بعد کوئی بنی عمرو بن عوف (قباء) کی مسجد میں جاتا تو ان کو وہاں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پاتا۔

٥٤٩ ۔ حَدَّثَنَا ابْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو بَكْرِ بْنُ عُثْمَانَ بْنِ سَهْلِ بْنِ حُنَيْفٍ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا أُمَامَةَ بْنَ سَهْلٍ، يَقُولُ: «صَلَّيْنَا مَعَ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا حَتَّى دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَوَجَدْنَاهُ يُصَلِّي الْعَصْرَ، فَقُلْتُ: يَا عَمِّ، مَا هَذِهِ الصَّلَاةُ الَّتِي صَلَّيْتَ؟ قَالَ: الْعَصْرُ، وَهَذِهِ صَلَاةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّتِي كُنَّا نُصَلِّي مَعَهُ».

ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں ابوبکر بن عثمان بن سہل بن حنیف نے خبر دی، انہوں نے کہا میں نے ابوامامہ (سعد بن سہل) سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہم نے عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہ کے ساتھ ظہر کی نماز پڑھی۔ پھر ہم نکل کر انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو دیکھا آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ میں نے عرض کی کہ اے مکرم چچا! یہ کون سی نماز آپ نے پڑھی ہے۔ فرمایا کہ عصر کی اور اسی وقت ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی یہ نماز پڑھتے تھے۔

٥٥٠ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعَصْرَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ حَيَّةٌ، فَيَذْهَبُ الذَّاهِبُ إِلَى الْعَوَالِي، فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، وَبَعْضُ الْعَوَالِي مِنَ الْمَدِينَةِ عَلَى أَرْبَعَةِ أَمْيَالٍ أَوْ نَحْوِهِ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا کہ کہا ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے زہری سے خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

جب عصر کی نماز پڑھتے تو سورج بلند اور تیز روشن ہوتا تھا۔ پھر ایک شخص مدینہ کے بالائی علاقہ کی طرف جاتا وہاں پہنچنے کے بعد بھی سورج بلند رہتا تھا (زہری نے کہا کہ) مدینہ کے بالائی علاقہ کے بعض مقامات تقریباً چار میل پر یا کچھ ایسے ہی واقع ہیں۔

٥٥١ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «كُنَّا نُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَذْهَبُ الذَّاهِبُ مِنَّا إِلَى قُبَاءٍ فَيَأْتِيهِمْ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہمیں امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے ابن شہاب زہری کے واسطہ سے خبر دی، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے فرمایا ہم عصر کی نماز پڑھتے (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ) اس کے بعد کوئی شخص قباء جاتا اور جب وہاں پہنچ جاتا تو سورج ابھی بلند ہوتا تھا۔

قولہ "فوجدناہ یصلي العصر" حضرت عمر بن عبدالعزیز نے نماز ظہر کو زیادہ ہی موخر کر دیا پھر حضرت انس بن مالک کے پاس گئے اور انہیں عصر کی نماز پڑھتے ہوئے پایا، جس سے معلوم ہوا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نماز اول وقت پڑھتے تھے، حنفی کہتے ہیں کہ وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس کچھ ٹھہر گئے ہوں گے، جبکہ اسکا وقت ہو گیا تھا، لیکن یہ تاویل ہی ہے۔

١٤ـ بَابُ إِثْمِ مَنْ فَاتَتْهُ الْعَصْرُ:

باب: اس بیان میں کہ نماز عصر چھوٹ جانے پر کتنا گناہ ہے؟

٥٥٢ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «الَّذِي تَفُوتُهُ صَلَاةُ الْعَصْرِ كَأَنَّمَا وُتِرَ أَهْلَهُ وَمَالَهُ». قَالَ أَبُو عَبْد اللّٰہِ: يَتِرَكُمْ وَتَرْتُ الرَّجُلَ إِذَا قَتَلْتَ لَهُ قَتِيلًا أَوْ أَخَذْتَ لَهُ مَالًا.

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا ہمیں امام مالک نے نافع کے ذریعہ سے خبر پہنچائی، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس کی نماز عصر چھوٹ گئی گویا اس کا گھر اور مال سب لٹ گیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ سورۃ محمد میں جو «یترکم» کا لفظ آیا ہے وہ «وتر» سے نکالا گیا ہے۔ «وتر» کہتے ہیں کسی شخص کا کوئی آدمی مار ڈالنا یا اس کا مال چھین لینا۔

فواتِ عصر سے مراد اسے بغیر کسی عذر کے اپنے وقتِ جواز سے لیٹ کرنا ہے، جس پر وہ گناہگار ہوتا ہے۔ گویا جو شخص عصر کی نماز کو اتنا موخر کر دے کہ سورج زرد ہو جائے تو وہ ایسے ہوتا ہے جیسے اسکا اہل اور مال لٹ گیا ہو۔ اور اس سے اگلا باب "ترک عصر" کے بارہ میں آرہا ہے، دونوں ابواب میں فرق یہ کرتے ہیں کہ فوات سے مراد ساھی ہے۔ اور تارک

سے مراد وہ شخص ہے جو عصر کی نماز کو عمداً ترک کردے، فوات سے مراد ساھی لیا جائے تو اعتراض ہوتا ہے کہ پھر اس پر اثم کا اطلاق کیوں ہے؟ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ سہو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کام میں لگا رہا حتی کہ نماز پڑھنا بھول گیا۔ اور اگر نسیان یا نوم کی صورت میں نماز رہ گئی ہو تو اس کے لئے یہ حکم ہے "من نام عن الصلوة أو نسيها فليصلها إذا ذكرها[1]" اور ترک صلوۃ سے مراد یہ ہے کہ عمداً نماز نہ پڑھے اسکا گناہ پہلے سے زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس پر حبط کا لفظ آیا ہے۔

فوات صلوۃ بعض کہتے ہیں کہ سورج غروب ہونے سے ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ سورج زرد ہونے سے ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ جماعت چھوڑنے سے ہوتا ہے لہذا فوات اور ترک صلوۃ میں کچھ فرق پایا جاتا ہے۔

١٥-بَابُ مَنْ تَرَكَ الْعَصْرَ:

باب: اس بیان میں کہ نماز عصر چھوڑ دینے پر کتنا گناہ ہے؟

٥٥٣- حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي غَزْوَةٍ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ، فَقَالَ: بَكِّرُوا بِصَلَاةِ الْعَصْرِ، فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشام بن عبداللہ دستوائی نے بیان کیا، کہا ہمیں یحییٰ بن ابی کثیر نے ابوقلابہ عبداللہ بن زید سے خبر دی۔ انہوں نے ابوالملیح سے، کہا ہم بریدہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک سفر جنگ میں تھے۔ ابر و بارش کا دن تھا۔ آپ نے فرمایا کہ عصر کی نماز جلدی پڑھ لو۔ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی، اس کا نیک عمل ضائع ہو گیا۔

"قولہ فقد حبط عملہ" حبط عمل خوارج اور معتزلہ کا مذہب ہے لیکن یہاں حدیث میں عمل کے حبط ہونے کا ذکر آ گیا ہے اس لیے بعض علماء تو کہتے ہیں کہ عمل اس وقت حبط ہوتا ہے جبکہ اس کا سبب وجوب سے انکار ہو، یا حبط عمل اس وقت ہے جبکہ اسے استخفافاً چھوڑتا ہو، یا تکاسل اور جحود پایا جائے یا استہزاء کرتا ہو پھر تو کافر ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد احباط ثانی ہے۔ لیکن امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسکی تاویلیں کرنا درست نہیں ہے۔ اگرچہ یہ خوارج اور معتزلہ کا مذھب ہے جبکہ حبط عمل کی دلیل آ گئی ہے تو اسے ماننا چاہیئے، کہ ترک صلوۃ عصر سے عمل ضائع ہو جاتے ہیں۔ لیکن یہ مشکل ہے کیونکہ یہ لوگ تو ترک صلوۃ کو کفر قرار دیتے ہیں، ان کے نزدیک کفر آنے سے حبط عمل ہو جائے گا، جبکہ قرآن کریم کی آیت کا مفہوم اس کے خلاف ہے، قرآن کریم میں ہے "من يكفر بالايمان فقد حبط عمله" اور اسکا مفہوم یہ ہے "من لم يكفر لم يحبط عمله" لہذا اس آیت کا مفہوم اس حدیث کے خلاف ہے اس لیے اس کی تاویل ہی کرنا پڑے گی۔

---

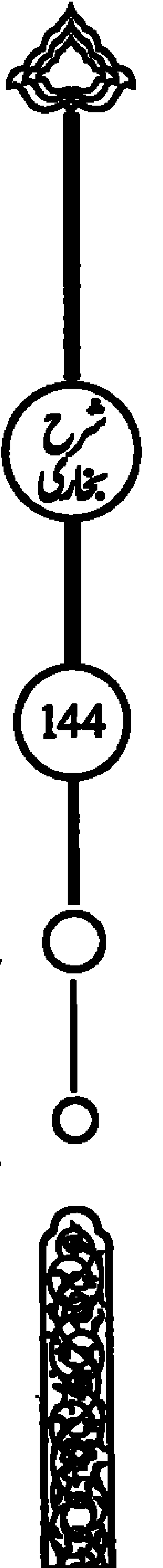
[1] مسلم ٦٨٤ ج ١ ص ٤٧٧ مسند احمد ١١٩٧٢ ج ١٩ ص ٣٤۔

١٦-بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْعَصْرِ:

باب: نماز عصر کی فضیلت کے بیان میں

٥٥٤ - حَدَّثَنَا الْحُمَيْدِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَرْوَانُ بْنُ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ قَيْسٍ، عَنْ جَرِيرٍ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةً يَعْنِي الْبَدْرَ، فَقَالَ: «إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا الْقَمَرَ، لَا تُضَامُّونَ فِي رُؤْيَتِهِ فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قَرَأَ: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ الْغُرُوبِ سورة ق آية ٣٩»، قَالَ إِسْمَاعِيلُ: افْعَلُوا لَا تَفُوتَنَّكُمْ.

ہم سے عبداللہ بن زبیر حمیدی نے بیان کیا، کہا ہم سے مروان بن معاویہ نے، کہا ہم سے اسماعیل بن ابی خالد نے قیس بن ابی حازم سے۔ انہوں نے جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں موجود تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند پر ایک نظر ڈالی پھر فرمایا کہ تم اپنے رب کو (آخرت میں) اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو اب دیکھ رہے ہو۔ اس کے دیکھنے میں تم کو کوئی زحمت بھی نہیں ہو گی، پس اگر تم ایسا کر سکتے ہو کہ سورج طلوع ہونے سے پہلے والی نماز (فجر) اور سورج غروب ہونے سے پہلے والی نماز (عصر) سے تمہیں کوئی چیز روک نہ سکے تو ایسا ضرور کرو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی کہ پس اپنے مالک کی حمد و تسبیح کر سورج طلوع ہونے اور غروب ہونے سے پہلے۔ اسماعیل (راوی حدیث) نے کہا کہ (عصر اور فجر کی نمازیں) تم سے چھوٹنے نہ پائیں۔ ان کا ہمیشہ خاص طور پر دھیان رکھو۔



"قوله لا تضامون" بعض تخفیف سے پڑھتے ہیں ضَیم سے یعنی کسی پر ظلم وتعدی کے بغیر رب تعالی کو دیکھو گے۔ یہ نہیں ہو گا کہ کسی پر گر کر زیادتی کرے۔ اور بعض ضم تشدید سے پڑھتے ہیں جو کہ ملنے کے معنی میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جیسے چودھویں کا چاند دیکھنے کے لئے کسی کے ساتھ جڑنا نہیں پڑتا کہ اسے اپنے کندھے سے ملا کر کہا جائے کہ دیکھ وہ چاند ہے ہر شخص اپنی جگہ پر بیٹھا چاند کو دیکھ لیتا ہے، اس طرح تم اللہ تعالی کو اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے ہوئے دیکھو گے کسی کو اپنے ساتھ ملا کر دکھانے کی نوبت نہیں آئے گی۔

"قوله قبل طلوع الشمس و قبل غروبها" شاہ ولی اللہ نے کہا ہے کہ نمازوں کی پابندی سے رؤیت باری تعالی کی استعداد پیدا ہوتی ہے خاص طور پر فجر اور عصر کے اوقات میں اللہ تبارک و تعالی کی زیارت ہوا کرے گی اس لیے صبح و شام کی نمازوں کی تاکید کی گئی ہے نیز ان نمازوں کے وقت فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے جو بنو آدم کے اعمال لے جانے والے ہیں۔

٥٥٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ،

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يَتَعَاقَبُونَ فِيكُمْ مَلَائِكَةٌ بِاللَّيْلِ وَمَلَائِكَةٌ بِالنَّهَارِ، وَيَجْتَمِعُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ، ثُمَّ يَعْرُجُ الَّذِينَ بَاتُوا فِيكُمْ فَيَسْأَلُهُمْ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ. كَيْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِي ؟ فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ، وَأَتَيْنَاهُمْ وَهُمْ يُصَلُّونَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا ہم سے امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے ابوالزناد عبداللہ بن ذکوان سے، انہوں نے عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رات اور دن میں فرشتوں کی ڈیوٹیاں بدلتی رہتی ہیں۔ اور فجر اور عصر کی نمازوں میں (ڈیوٹی پر آنے والوں اور رخصت پانے والوں کا) اجتماع ہوتا ہے۔ پھر تمہارے پاس رہنے والے فرشتے جب اوپر چڑھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے حالانکہ وہ ان سے بہت زیادہ اپنے بندوں کے متعلق جانتا ہے، کہ میرے بندوں کو تم نے کس حال میں چھوڑا۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ ہم نے جب انہیں چھوڑا تو وہ (فجر کی) نماز پڑھ رہے تھے اور جب ان کے پاس گئے تب بھی وہ (عصر کی) نماز پڑھ رہے تھے۔

شرح بخاری

"قوله يتعاقبون فيكم ملائكة" فاعل ظاہر ہونے کے باوجود فعل کو جمع لایا گیا ہے حالانکہ فاعل ظاہر ہو تو فعل واحد آتا ہے۔ اس کے کئی جواب دیئے گئے ہیں ایک یہ کہ فعل میں آنے والی واؤ علامت فاعل ہے، ضمیر فاعل نہیں ہے کیونکہ فاعل اس کے بعد اسم ظاہر ہے یا فعل و فاعل مل کر خبر مقدم اور ملائکۃ مبتدا موخر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ فعل کا اپنے فاعل کے مطابق آنا بھی جائز ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے جیسا کہ الفیہ والے نے کہا ہے" وقد يقال: سعدا وسعدوا والفعل للظاهر بعد مسند اور اسے لغت أكلوني البراغيث کہا جاتا ہے قرآن کریم میں ہے "وأسروا النجوى الذين ظلموا"[1] اور یہ بنو حارث کی لغت ہے یا ملائکۃ کو ضمیر فاعل سے بدل یا عطف بیان بنایا جائے حافظ کا خیال یہ ہے کہ اس روایت میں اختصار ہے اصل میں الملائكة يتعاقبون ملائكة بالليل وملائكة بالنهار تھا، جیسا کہ بخاری نے "بدء الخلق" میں الملائكة يتعاقبون[2]" روایت کیا ہے اگر اختصار مانا جائے تو کسی تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔

"قوله ويجتمعون فى صلوة الفجر وصلوة العصر" اس میں فجر اور عصر دونوں نمازوں کی فضیلت کا ذکر ہے لیکن امام بخاری رحمہ اللہ اسے صرف نماز عصر کی فضیلت میں لائے ہیں، آگے جا کر نماز فجر کی فضیلت میں نہیں لائے حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ ایک حدیث سے جتنے مسائل مستنبط ہوں ان پر باب قائم کرتے ہیں لیکن اس حدیث پر ایسا نہیں کیا، اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فجر کے وقت جو فرشتے آتے ہیں وہ تو قرآن سننے کے

[1] الانبیاء:٣۔

[2] بخاری، رقم ٣٢٢٣، باب ذکر الملائکۃ۔

لئے آتے ہیں، لہذا اس سے نماز فجر کی فضیلت ثابت نہ ہوئی، جبکہ عصر کی نماز میں قرآن اونچی نہیں پڑھا جاتا کہ قرآن سننے کے لئے آئیں۔ اس لیے ان کی آمد سے نماز عصر کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ لہذا اس پر فضل صلوۃ العصر کا باب قائم کیا ہے۔ فجر کے وقت فرشتوں کا قرآن سننے کے لئے آنا اس آیت سے ثابت ہے "إن قرآن الفجر كان مشهودًا" ابن قیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ اس وقت اللہ تعالی بھی حاضر ہوتے ہیں کیونکہ وہ آسمان دنیا پر ہوتے ہیں۔ اسی لیے نماز فجر اول وقت پڑھنی چاہیے، تا کہ فرشتوں کے ساتھ اللہ تعالی کی حاضری بھی پائی جاسکے اگر نماز اول وقت ادا ہو تو فرشتے بھی ساتھ شامل ہو جاتے ہیں ورنہ فرشتے تو چلے جاتے ہیں۔

١٧۔بَابُ مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ الْغُرُوبِ:

باب: جو شخص عصر کی ایک رکعت سورج ڈوبنے سے پہلے پہلے پڑھ سکا تو اس کی نماز ادا ہو گئی

٥٥٦۔حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَدْرَكَ أَحَدُكُمْ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ. وَإِذَا أَدْرَكَ سَجْدَةً مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَلْيُتِمَّ صَلَاتَهُ».



ہم سے ابو نعیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے شیبان نے یحیٰی بن ابی کثیر سے، انہوں نے ابو سلمہ سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عصر کی نماز کی ایک رکعت بھی کوئی شخص سورج غروب ہونے سے پہلے پا سکا تو پوری نماز پڑھے (اس کی نماز ادا ہوئی نہ قضاء) اسی طرح اگر سورج طلوع ہونے سے پہلے فجر کی نماز کی ایک رکعت بھی پا سکے تو پوری نماز پڑھے۔

اس باب سے مقصود عصر کے وقت کے غروب شمس تک ہونے کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ شافعیوں کے نزدیک عصر کی نماز کے پانچ وقت ہیں۔ ایک وقت مختار ہے جو کہ اول وقت ہے، پھر افضل وقت، اس کے بعد وقتِ جواز یہ اصفرار شمس تک ہے جو بلا کراہت ہے، اصفرار پر وقتِ کراہت ہے پھر قضا کا وقت ہے جو سورج غروب ہونے کے بعد ہے۔ یہاں وقتِ ادا بتانا مقصود ہے جو غروب تک ہے۔

پھر یہ حدیث ادراک وقت کے لئے ہے یا ادراک صلوۃ کے لئے ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ احناف کے ہاں ادراک وقت کے لئے ہے، مثال کے طور پر حائضہ عورت حیض سے پاک ہوئی ہے اور پاک ہونے کے بعد وہ نماز کا اتنا وقت پالیتی ہے کہ ایک رکعت وقت میں پڑھ سکتی ہے تو اس پر یہ نماز فرض ہو جائے گی اسی طرح کوئی غیر مسلم مسلمان ہوتا ہے اور اسے اتنا وقت ملتا ہے کہ وہ اس میں ایک رکعت پڑھ سکتا ہے تو اس پر بھی یہ نماز فرض ہو جائے گی اسی طرح کوئی نابالغ تھا اور وہ بالغ ہو جاتا ہے اور بالغ ہونے کے بعد اس نے اتنا وقت پالیا جس میں کم از کم ایک رکعت پڑھ سکتا ہے تو اس پر بھی یہ نماز فرض ہو گی۔ گویا اس حدیث سے ادراک وقت مراد ہے۔ ادراک نماز مراد نہیں ہے۔ یعنی یہ



مطلب نہیں ہے کہ ایک رکعت پالے پھر سورج غروب یا طلوع ہوگیا ہے تو اس نے نماز پالی۔ ابن حزم کا خیال ہے کہ نمازوں کے جو اوقات بتائے گئے ہیں یہ نماز شروع کرنے کے اوقات ہیں۔ ختم کرنے کے نہیں ہیں ایک رکعت وقت میں پڑھ لی اور باقی بعد میں پڑھی تو گویا اس نے نماز وقت میں ہی پڑھی ہے یا جس طرح حنفی معنی کرتے ہیں کہ ایک رکعت کا وقت مل جائے تو نماز فرض ہوجاتی ہے دوسرا یہ کہ نماز وقت میں پڑھنے کی فضیلت حاصل ہوگئی۔ اور وہ نماز ادا ہی سمجھی جائے گی قضا نہیں۔

اس حدیث کے دو اجزاء میں سے ایک کا تعلق نماز فجر سے ہے اور ایک کا تعلق نماز عصر سے ہے، عصر کے متعلق حنفی بھی مانتے ہیں کہ اصفرار کے بعد نماز شروع کردے اور ایک رکعت کے بعد سورج غروب ہو جائے تو باقی نماز بعد میں مکمل کرسکتا ہے لیکن یہی بات نماز فجر کے بارہ میں نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ فجر کی نماز کی ایک رکعت پڑھ لے اور اس کے بعد سورج نکل آئے تو نماز باطل ہوجائے گی یعنی فرض نہیں نفل بن جائے گی۔ ابو یوسف کی روایت ہے کہ اگر درمیان میں سورج نکل آئے تو وہ کھڑا رہے اور جب سمجھے کہ سورج نکل کر سوا نیزے پر آگیا ہے تو دوسری رکعت پڑھ لے لیکن امام محمد اور ابو حنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ وہ نفل بن جائے گی بعد میں فرض نماز پڑھ لے۔ اور اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ احادیث میں تعارض ہے ایک حدیث میں منع آیا ہے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے "لا تتحروا بصلوتكم طلوع الشمس ولا غروبها[1]" لہذا اگر ایک رکعت بعد میں پڑھے گا تو وہ طلوع یا غروب میں ہوگی اس کی تحری منع ہے جبکہ بخاری کی اس حدیث میں ہے کہ نماز ہوجائے گی اور ان کے ہاں "إذا تعارضا تساقطا" کے تحت اب قیاس کو ترجیح دی جائے گی اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ عصر کی نماز ہوجائے۔ فجر کی نماز جائز نہ ہو کیونکہ نماز عصر کا آخری وقت ناقص ہوتا ہے جس میں وہ نماز شروع کرتا ہے کیونکہ اصفرار شمس ناقص وقت ہے اور سورج غروب ہوتے ہوئے مکمل کرے گا لہذا ناقص ہی شروع کرے گا اور ناقص ہی ادا ہوگی لیکن فجر کی نماز کا وقت کامل ہے لہذا جب سورج نکلنے سے پہلے ایک رکعت پڑھے گا تو یہ کامل نماز شروع ہوگی۔ اس کے بعد دوسری رکعت سورج نکلتے ہوئے پڑھے گا تو یہ ناقص ہوگی۔ شروع کامل ہو اور دوسری رکعت ناقص ہو تو یہ جائز نہیں ہے۔

اس مسئلہ کی بنیاد اس چیز پر رکھی ہے کہ وقت، وجوب کا سبب ہے دوسری چیز یہ ہے کہ اگر نماز کا وقت ہوجائے اور اس وقت کوئی شخص نماز شروع کرے تو پہلی آن وجوب کا سبب بنے گی اور اگر اس وقت نماز نہ پڑھے تو وہ آن منتقل ہوتی جائے گی۔ اور جب "اللہ اکبر" کہے گا تو جو آن مقارن للأداء ہوگی وہ سبب بن جائے گی لہذا پہلا قاعدہ یہ ہے کہ وقت وجوب کا سبب ہے دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ اس کی سببیت منتقل ہوتی رہتی ہے منتقل ہونے کی یہ وجہ بیان کرتے ہیں کہ اگر منتقل نہ ہو تو سبب پہلا ہی ہو پھر ادا نہیں قضا ہونی چاہیئے حالانکہ ادا ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ سببیت منتقل ہو رہی ہے حالانکہ یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ پہلی آن سبب ہے لیکن موسع وجوب ہے جس طرح کسی شخص پر حج فرض ہو جائے وہ اپنی عمر میں جب بھی حج کرے گا وہ ادا ہی ہوگا جبکہ فرض پہلے ہوگیا تھا اسی طرح یہاں منتقل ہونے کی ضرورت نہیں

---

[1] صحیح بخاری، ۱۱۹۲ ج ۲ ص ۶۰ باب مسجد قباء۔

جبکہ سبب کو موسع قرار دیا جائے۔

تیسرا قاعدہ انکا یہ ہے کہ جس طرح کا وقت ہو گا اسی طرح کی نماز فرض ہو گی اگر کامل وقت میں شروع کی ہے تو کامل فرض ہو گی اور اگر ناقص وقت میں شروع کریگا تو ناقص فرض ہو گی چوتھا قاعدہ یا مقدمہ یہ ہے کہ عصر کا وقت کچھ کامل اور کچھ ناقص ہے اور فجر کا سارا وقت کامل ہے یہ ان کے چار مقدمات ہیں جو "ظلمات بعضها فوق بعض" ہیں کیونکہ ان پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

یہ بات بنائی ہے کہ سبب امر ہے جیسے أقم الصلوة لدلوك الشمس الي غسق الليل[1]" کا امر ہے اور وقت نماز کے لئے ظرف ہے اصل میں امر سبب ہے اور جس طرح امر اداء کا سبب ہے اس طرح فرض کا بھی سبب ہے لیکن وہ کہتے ہیں کہ فرض کا سبب وقت ہے اور اداء کا سبب امر ہے وقت آنے پر نماز فرض ہو جاتی ہے اور امر آنے پر نماز اداء کرنا لازم ہو جاتا ہے حالانکہ جس طرح امر سے اداء ثابت ہوتی ہے اس طرح اس سے فرضیت بھی ثابت ہو جاتی ہے منتقل ہونے میں موسع کہا جا سکتا ہے۔

اور کامل و ناقص ہونے کے بارہ میں شافعی کہتے ہیں کہ فجر کا وقت بھی کچھ کامل اور کچھ ناقص ہوتا ہے انکا چوتھا مقدمہ کہ نماز اگر کامل وقت میں شروع کرے تو کامل واجب ہوتی ہے اور اگر ناقص وقت میں شروع کرے تو ناقص لازم ہوتی ہے یہ تکلیف مالایطاق ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وقت چار رکعات پڑھنے کا نہیں ایک رکعت پڑھنے کا ہے اس پر چار پڑھنے کو لازم کرنا تکلیف مالایطاق نہیں تو اور کیا ہے؟ مثلاً ایک شخص ابھی مسلمان ہوا ہے جبکہ ایک رکعت پڑھنے کی بقدر نماز کا وقت ہے وہ چار رکعتیں کس طرح پڑھ سکتا ہے اس لیے انور شاہ نے اس بات کو چھوڑ دیا ہے وہ کہتا ہے کسی حنفی نے اس پر اچھی طرح بحث نہیں کی اور جو کی ہے اس سے تسلی نہیں ہوتی آدھی حدیث پر عمل کرتے ہیں اور آدھی حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں وہاں قیاس کو لے لیتے ہیں نص کے مقابلہ میں قیاس کی کیا حیثیت ہے؟ کہ آدھی حدیث کو کہا جائے کہ قیاس کے خلاف ہے۔

زیلعی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کا تعلق دراصل مسبوق سے ہے۔ وقت سے اسکا تعلق نہیں ہے۔ مثلاً امام نماز پڑھا رہا ہے ایک آدمی بعد میں آیا اور نماز میں شامل ہو کر ایک رکعت پڑھ لی ہے تو باقی نماز بعد میں پڑھ لے۔ کہتا ہے کہ چار احادیث ہیں جنہیں مسبوق کے بارہ میں لیا گیا ہے۔ اس حدیث کو کیوں مسبوق کے بارہ میں نہ لیا جائے۔ جبکہ اسکی سند بھی ان سے ملتی ہے پہلی مسلم کی روایت ہے جس میں آتا ہے "من ادرك ركعة من الصلوة فقد أدرك الصلوة[2]" یہ حدیث مسبوق کے بارہ میں ہے کیونکہ اسی حدیث میں آگے یہ لفظ ہیں "من أدرك ركعة من الصلوة مع الامام[3]" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسبوق کے بارہ میں ہے دوسری روایت نسائی میں ہے "من

شرح بخاری

---

[1] الإسراء:۷۸۔

[2] مسلم ۶۰۷ ج ۱ ص ۴۲۳ بخاری ۵۸۰ ج ۱ ص ۱۲۰۔

[3] مسلم (۱۶۲) ۶۰۷ ج ۱ ص ۴۲۴۔

أدرك ركعة من صلوة فقد أدركها إلا أنه يقضي مافاته[1]" اس میں "يقضي" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسبوق کے بارہ میں ہے۔ تیسری حدیث ابوداؤد کی ہے "إذا جئتم الي الصلوة ونحن سجود فاسجدوا ولا تعدوه شيئًا ومن أدرك الركعة فقد أدرك الصلوة[2]" یہ مسبوق کے بارہ میں ہے ایک روایت عینی نے نقل کی ہے، اور یہ بھی کہا ہے کہ ایک روایت ہماری شرح کو توڑ دیتی ہے۔ من أدرك ركعة من الفجر قبل ان تطلع الشمس وركعة بعد ماتطلع "فقد أدركها[3]" یہ روایت ہمارے مذہب کا کچھ باقی نہیں چھوڑتی، حافظ رحمہ اللہ نے اس پر بیہقی کا حوالہ دیا ہے مجھے بیہقی میں نہیں ملی انورشاہ کہتا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ متقن ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ کسی نسخہ میں ہو تب ہی تو حافظ نے ذکر کی ہے اس حدیث کی میرے پاس اکیس سندیں ہیں جس سے ہماری شرح ٹوٹ جاتی ہے ان سے پانچ سندیں مسند میں ہیں اور پانچ دارقطنی میں ہیں تین بیہقی میں دو مستدرک میں اور دو ابن حبان میں، ایک طبقات ذہبی میں اور ایک طحاوی میں ہے اور ایک ترمذی میں ہے اس طرح اکیس سندیں ہیں اور ساری اسانید کا مدار قتادہ اور ابوھریرۃ رضی اللہ عنہ پر ہے ترمذی کی روایت میں آتا ہے "جس شخص کی فجر کی سنتیں رہ جائیں وہ طلوع شمس کے بعد پڑھے۔ اس روایت کا مطلب یہ ہے بعض نے اسے "من أدرك ركعةً" کے ساتھ ذکر کر دیا ہے۔ اور من أدرك ركعة قبل أن تطلع الشمس وركعة بعد أن تطلع الشمس میں رکعت سے مراد نماز ہے یعنی فرضی نماز پڑھ لی ہے تو سنتیں بعد میں پڑھ لے یہ فقد أدرك الصلوة سے مراد ہے پھر تاویل کرتے ہوئے کہا ہے کہ قبل أن تطلع الشمس کا تعلق فجر سے اور قبل أن تغرب الشمس کا تعلق عصر سے ہے اسکا تعلق ركعة سے نہیں ہے اسکا یہ معنی نہیں کہ رکعت طلوع یا غروب سے پہلے پالے۔ بلکہ مراد یہ ہے کہ فجر کی نماز جس کا وقت طلوع سے پہلے ہے اور عصر کی نماز جس کا وقت غروب سے پہلے ہے وہ پالے، اسی لیے حدیث میں فجر کا لفظ بعد میں اور ركعةً پہلے آتا ہے حالانکہ مسلم میں أدرك من الفجر ركعةً[4] ركعة پیچھے بھی آتا ہے۔

٥٥٧ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي إِبْرَاهِيمُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «إِنَّمَا بَقَاؤُكُمْ فِيمَا سَلَفَ قَبْلَكُمْ مِنَ الْأُمَمِ كَمَا بَيْنَ صَلَاةِ الْعَصْرِ إِلَى غُرُوبِ الشَّمْسِ، أُوتِيَ أَهْلُ التَّوْرَاةِ التَّوْرَاةَ فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ النَّهَارُ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِيَ أَهْلُ الْإِنْجِيلِ الْإِنْجِيلَ فَعَمِلُوا إِلَى صَلَاةِ الْعَصْرِ ثُمَّ عَجَزُوا فَأُعْطُوا قِيرَاطًا قِيرَاطًا، ثُمَّ أُوتِينَا الْقُرْآنَ فَعَمِلْنَا إِلَى غُرُوبِ

---

(1) نسائی (صغریٰ) ۵۵۸، ج ۱ ص ۲۷۵۔

(2) سنن أبی داؤد ۸۹۳ ج ۱ ص ۲۳۶۔

(3) صحیح ابن حبان ۱۵۸۲ ج ۴ ص ۴۵۱، عمدۃ القاری ج ۵ ص ۴۷۔

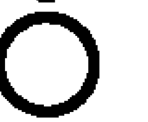
(4) مسلم (۱۶۵) ۶۰۸ ج ۱ ص ۴۲۵۔

الشَّمْسِ فَأُعْطِينَا قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ. فَقَالَ أَهْلُ الْكِتَابَيْنِ: أَيْ رَبَّنَا أَعْطَيْتَ هَؤُلَاءِ قِيرَاطَيْنِ قِيرَاطَيْنِ وَأَعْطَيْتَنَا قِيرَاطًا قِيرَاطًا وَنَحْنُ كُنَّا أَكْثَرَ عَمَلًا ؟ قَالَ: قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ: هَلْ ظَلَمْتُكُمْ مِنْ أَجْرِكُمْ مِنْ شَيْءٍ ؟ قَالُوا: لَا، قَالَ: فَهُوَ فَضْلِي أُوتِيهِ مَنْ أَشَاءُ».

ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ اویسی نے بیان کیا، کہا مجھ سے ابراہیم بن سعد نے ابن شہاب سے، انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ تم سے پہلے کی امتوں کے مقابلہ میں تمہاری زندگی صرف اتنی ہے جتنا عصر سے سورج ڈوبنے تک کا وقت ہوتا ہے۔ توراۃ والوں کو توراۃ دی گئی۔ تو انہوں نے اس پر (صبح سے) عمل کیا۔ آدھے دن تک پھر وہ عاجز آگئے، کام پورا نہ کر سکے، ان لوگوں کو ان کے عمل کا بدلہ ایک ایک قیراط دیا گیا۔ پھر انجیل والوں کو انجیل دی گئی، انہوں نے (آدھے دن سے) عصر تک اس پر عمل کیا، اور وہ بھی عاجز آگئے۔ ان کو بھی ایک ایک قیراط ان کے عمل کا بدلہ دیا گیا۔ پھر (عصر کے وقت) ہم کو قرآن ملا۔ ہم نے اس پر سورج کے غروب ہونے تک عمل کیا (اور کام پورا کر دیا) ہمیں دو دو قیراط ثواب ملا۔ اس پر ان دونوں کتاب والوں نے کہا۔ اے ہمارے پروردگار! انہیں تو آپ نے دو دو قیراط دیئے اور ہمیں صرف ایک ایک قیراط۔ حالانکہ عمل ہم نے ان سے زیادہ کیا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا، تو کیا میں نے اجر دینے میں تم پر کچھ ظلم کیا۔ انہوں نے عرض کی کہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ پھر یہ (زیادہ اجر دینا) میرا فضل ہے جسے میں چاہوں دے سکتا ہوں۔



٥٥٨ - حَدَّثَنَا أَبُو كُرَيْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «مَثَلُ الْمُسْلِمِينَ، وَالْيَهُودِ، وَالنَّصَارَى كَمَثَلِ رَجُلٍ اسْتَأْجَرَ قَوْمًا يَعْمَلُونَ لَهُ عَمَلًا إِلَى اللَّيْلِ فَعَمِلُوا إِلَى نِصْفِ النَّهَارِ، فَقَالُوا: لَا حَاجَةَ لَنَا إِلَى أَجْرِكَ فَاسْتَأْجَرَ آخَرِينَ، فَقَالَ: أَكْمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِكُمْ وَلَكُمُ الَّذِي شَرَطْتُ فَعَمِلُوا حَتَّى إِذَا كَانَ حِينَ صَلَاةِ الْعَصْرِ، قَالُوا: لَكَ مَا عَمِلْنَا، فَاسْتَأْجَرَ قَوْمًا فَعَمِلُوا بَقِيَّةَ يَوْمِهِمْ حَتَّى غَابَتِ الشَّمْسُ وَاسْتَكْمَلُوا أَجْرَ الْفَرِيقَيْنِ».





ہم سے ابو کریب محمد بن علاء نے بیان کیا، کہا ہم سے ابواسامہ نے برید بن عبداللہ کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے ابوبردہ عامر بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابوموسیٰ اشعری عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ سے۔ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں اور یہود و نصاریٰ کی مثال ایک ایسے شخص کی سی ہے کہ جس نے کچھ لوگوں سے مزدوری پر رات تک کام

کرنے کے لیے کہا۔انہوں نے آدھے دن کام کیا۔پھر جواب دے دیا کہ ہمیں تمہاری اجرت کی ضرورت نہیں، (یہ یہود تھے) پھر اس شخص نے دوسرے مزدور بلائے اور ان سے کہا کہ دن کا جو حصہ باقی بچ گیا ہے (یعنی آدھا دن) اسی کو پورا کر دو۔ شرط کے مطابق مزدوری تمہیں ملے گی۔ انہوں نے بھی کام شروع کیا لیکن عصر تک وہ بھی جواب دے بیٹھے۔ (یہ نصاریٰ تھے) پس اس تیسرے گروہ نے (جو اہل اسلام ہیں) پہلے دو گروہوں کے کام کی پوری مزدوری لے لی[1]۔

اس حدیث میں "إلي غروب الشمس" سے معلوم ہوتا ہے کہ عصر کا وقت غروب شمس تک ہے۔اور جو شخص غروب سے پہلے ایک رکعت پالے اس نے عصر کو پالیا۔

"قوله الي غروب الشمس" یعنی عصر کی نماز پڑھنے کے بعد دن کا جتنا وقت باقی ہے اتنا وقت تمہیں پہلی امتوں کے اعتبار سے ملا ہے یعنی دنیا بہت کم باقی رہ گئی ہے اور یہ تقریبی چیزیں ہیں ورنہ اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ نبی علیہ السلام کو دنیا کی بقاء اور باقیماندہ وقت کا پتہ چل گیا تھا۔کیونکہ اس جہان کے بارہ میں علم نہیں ہے کہ یہ کب شروع ہوا ہے جیسا کہ علماء ھیأۃ کہتے ہیں کہ سورج چار ارب سال سے اس زمین پر روشنی دے رہا ہے۔ اگر ان کی بات درست ہو تو یہ سورج کے بارہ میں ہے۔لیکن یہ علم نہیں ہے کہ اس کے بعد انسان کو کب پیدا کیا گیا ہے اگر انسان کی ابتدا کا علم ہو جائے تو پھر اس حدیث کی روشنی میں کچھ نہ کچھ اندازہ ہو سکتا ہے کہ کتنی دنیا باقی ہے۔

نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے انگلی سے اشارہ کیا تھا کہ جتنی یہ انگلی دوسری سے زیادہ ہے جو کہ آدھا پوٹا زائد ہے اور وہ چھٹا حصہ ہے اتنا وقت تمہیں ملا ہے حنفی اس سے استدلال کرتے ہیں کہ عصر کا وقت پانچواں یا چھیواں حصہ دن کا ہوتا ہے شافعی کہتے ہیں چوتھا یا پانچواں حصہ ہوتا ہے پتہ ہو تو تقسیم کریں قرآن کریم تو کہتا ہے کہ اس جہان کے خاتمہ کا کوئی علم نہیں ہے کہ کب یہ ختم ہوگا۔ سائنسدان اندازے لگاتے ہیں کہ یہ سورج چار ارب سال مزید روشنی دے گا۔ اور دو ارب سال تک اس کی روشنی بہت کم ہو جائے گی پھر یہ سکڑنا شروع ہو جائے گا اور اس کا اثر زمین پر پڑے گا۔اور پانی میں ابال پیدا ہوگا اور حقیقی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہی معلوم ہے کہ قیامت کب آئے گی اور یہ جہان کب ختم ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے انور شاہ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے نماز کے وقت کا استدلال کرنا درست نہیں

---

[1] علامہ وحید الزمان نے کہا ہے کہ یہ مثالیں یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کی ہیں، یہود نے موسیٰ علیہ السلام کو مانا اور تورات پر ایمان لائے لیکن اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہیں لائے، اور انجیل اور قرآن کریم کو ماننے سے انکار کر دیا، اور نصاریٰ نے انجیل اور عیسیٰ علیہ السلام کو برحق مانا لیکن یہ لوگ قرآن کریم اور حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے سے منحرف اور منکر ہو گئے، اور دونوں فرقوں کی محنت ضائع ہو گئی اور اخیر زمانہ میں مسلمانوں نے تھوڑی مدت عمل (کام) کیا لیکن کام پورا کیا، یہود و نصاریٰ کی طرح کام کو ادھورا نہیں چھوڑا اور مسلمانوں نے تمام آسمانی کتابوں کو اور تمام رسولوں اور نبیوں کو مانا اور سب پر ایمان لائے کسی کا ان میں سے انکار نہیں کیا، لہٰذا یہ پورا اجر و ثواب لے گئے، ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشآء۔ (تیسیر الباری ج ۱ صفحہ ۳۷۷)

ہے۔

پہلی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کو ایک ایک قیراط اجر مل گیا ہے جبکہ دوسری حدیث جو حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی اجرت چھوڑ دی یعنی کام درمیان میں چھوڑ دیا اور انہیں کچھ نہیں ملا، ان دونوں احادیث میں تطبیق دیتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اہل کتاب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ اہل کتاب جو اصل پر قائم رہے ہیں انہیں تو اجر مل گیا ہے اور دوسرے وہ اہل کتاب جو مبدلین اور محرفین ہیں جنہوں نے اپنے انبیاء کرام کے لائے ہوئے دین میں تحریف کر لی تھی انہیں اجر نہیں ملا یعنی پہلی حدیث سے مراد غیر محرفین ہیں اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کی دوسری حدیث سے مراد محرفین ہیں۔
لہٰذا دونوں احادیث کا محمل الگ الگ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ یہ بتانے کے لئے یہ حدیث لائے ہیں کہ اگر وہ ان نمازوں کی ایک رکعت وقت میں پالے تو اسے اجر و ثواب اداء کامل جاتا ہے گویا وقت میں اس نے ایک رکعت پڑھی ہے۔ لیکن چاروں رکعتیں شمار ہو جاتی ہیں یہی "فضلي أوتيه من أشاء" سے مراد ہے۔

۱۸۔ بَابُ وَقْتِ الْمَغْرِبِ:

باب: مغرب کی نماز کے وقت کا بیان

وَقَالَ عَطَاءٌ: يَجْمَعُ الْمَرِيضُ بَيْنَ الْمَغْرِبِ وَالْعِشَاءِ.

اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ مریض عشاء اور مغرب دونوں کو ایک ساتھ جمع کر لے گا۔



نمازِ مغرب اور نمازِ عشاء کے درمیان کوئی فصل نہیں ہے، حنفی کہتے ہیں کہ شفق احمر اور شفق ابیض یہ دونوں نمازِ مغرب کا وقت ہیں۔ اور شفق ابیض کا وقت مشترک ہے۔ بعض شافعی بھی ایسی باتیں کرتے ہیں کہ نماز مغرب کا وقت ممتد نہیں ہے۔ فرض پڑھنے کی بقدر ہی مغرب کا وقت ہے اس باب سے انکا بھی رد ہو جاتا ہے۔ اور اس سے ثابت ہو جاتا ہے کہ نمازِ مغرب کا وقت ممتد ہے اور نماز مغرب کا وقت عشاء کے وقت تک جاتا ہے۔ اسی لیے عذر کی وجہ سے دونوں نمازوں کو جمع کیا جا سکتا ہے جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ نے عطاء کا قول نقل کیا ہے۔ "یجمع المریض بین المغرب والعشاء" لہٰذا دونوں نمازوں کے درمیان کوئی وقت فاصل نہیں ہے۔

۵۵۹ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مِهْرَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو النَّجَاشِيِّ صُهَيْبٌ مَوْلَى رَافِعِ بْنِ خَدِيجٍ، قَالَ: سَمِعْتُ رَافِعَ بْنَ خَدِيجٍ، يَقُولُ: «كُنَّا نُصَلِّي الْمَغْرِبَ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَنْصَرِفُ أَحَدُنَا وَإِنَّهُ لَيُبْصِرُ مَوَاقِعَ نَبْلِهِ».



ہم سے محمد بن مہران نے بیان کیا، کہا ہم سے ولید بن مسلمہ نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی نے بیان کیا، کہا مجھ سے ابوالنجاشی نے بیان کیا، ان کا نام عطاء بن صہیب تھا اور یہ رافع بن

خدیج رضی اللہ عنہ کے غلام ہیں۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رافع بن خدیج سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم مغرب کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھ کر جب واپس ہوتے اور تیر اندازی کرتے (تو اتنا اجالا باقی رہتا تھا کہ) ایک شخص اپنے تیر گرنے کی جگہ کو دیکھتا تھا۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مغرب کی نماز جلدی اول وقت میں پڑھتے تھے حتی کہ نماز سے فارغ ہوتے تو روشنی باقی ہوتی تھی اور تیر چلانے والا اپنے تیروں کے پہنچنے اور ان کے گرنے کی جگہ دیکھ لیتا تھا۔

٥٦٠۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ جَعْفَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: قَدِمَ الْحَجَّاجُ فَسَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ، فَقَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ نَقِيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ أَحْيَانًا وَأَحْيَانًا إِذَا رَآهُمُ اجْتَمَعُوا عَجَّلَ، وَإِذَا رَآهُمْ أَبْطَئُوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ كَانُوا أَوْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهَا بِغَلَسٍ».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا ہم سے محمد بن جعفر نے، کہا ہم سے شعبہ بن حجاج نے سعد بن ابراہیم سے، انہوں نے محمد بن عمرو بن حسن بن علی سے، انہوں نے کہا کہ حجاج کا زمانہ آیا (اور وہ نماز دیر کر کے پڑھایا کرتا تھا اس لیے) ہم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے اس کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز ٹھیک دوپہر میں پڑھایا کرتے تھے۔ ابھی سورج صاف اور روشن ہوتا تو نماز عصر پڑھاتے۔ نماز مغرب وقت آتے ہی پڑھاتے اور نماز عشاء کو کبھی جلدی پڑھاتے اور کبھی دیر سے۔ جب دیکھتے کہ لوگ جمع ہو گئے ہیں تو جلدی پڑھا دیتے اور اگر لوگ جلدی جمع نہ ہوتے تو نماز میں دیر کرتے۔ (اور لوگوں کا انتظار کرتے) اور صبح کی نماز صحابہ رضی اللہ عنہم یا (یہ کہا کہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اندھیرے میں پڑھتے تھے۔

"قوله والعشاء أحيانا وأحيانًا" مسلم میں ہے أحياناً يؤخرها وأحيانًا يعجل كان إذا راهم قد اجتمعوا[1]"۔

"قوله كانوا أو كان النبی ﷺ يصليها بغلس" یہ جابر سے روایت کرنے والے کی شک ہے، جیسا کہ کرمانی نے کہا ہے لیکن یہ دونوں لفظ معنی کے اعتبار سے لازم وملزوم ہیں کیونکہ ان میں سے ہر ایک میں دوسرا داخل ہے۔ اگر نبی اکرم ﷺ مراد ہوں تو صحابہ کرام بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھا کرتے تھے اور اگر صحابہ مراد ہوں تو نبی کریم علیہ السلام ان کے امام ہوتے تھے۔ اور صحابہ آپ کے پیچھے نماز پڑھتے تھے آپ سے الگ اکیلے تو نہیں پڑھتے تھے۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کی نماز غلس میں ہوتی تھی، حنفی کہتے ہیں کہ اگرچہ غلس کی احادیث ہیں لیکن قولی حدیث

---

[1] مسلم (٢٣٣) ٦٤٦ ج ١ ص ٦٤٦۔

ہماری تائید کرتی ہے "أسفروا بالفجر فانه أعظم للأجر[1]" اس میں اسفار کا حکم دیا گیا ہے جبکہ شافعی اس حدیث سے "تبین" مراد لیتے ہیں یعنی فجر کے اچھی طرح واضح ہونے کے بعد فجر کی نماز ادا کرو، حنفی کہتے ہیں کہ گلیوں میں اندھیرا، روشنی میں بدل جانے پر نماز پڑھو، صرف نماز ہی نہیں بلکہ اذان بھی تب ہی کہنی چاہیئے، جیسا کہ شامی میں ہے۔ وہ یہ حدیث بھی پیش کرتے ہیں "كلما أسفرتم كان أعظم للأجر[2]" اسکا معنی کرتے ہیں کہ جتنا تم اسفار کرو گے اتنا ہی اجر زیادہ ملے گا اور شافعی اسکا معنی "جب بھی" کرتے ہیں اور "کلما" تعمیم زمانی کے لئے ہوتا ہے قرآن کریم میں ہے "كلما أضاء لهم مشوا فيه[3]" یعنی جب کبھی روشنی ہوتی ہے تو اس میں چلتے ہیں۔

نبی اکرم ﷺ غلس میں نماز پڑھتے تھے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی لوگ فجر کی نماز غلس میں پڑھتے تھے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے غلس میں نماز پڑھی، کسی شخص نے پوچھا تو فرمایا۔ یہی نماز نبی اکرم ﷺ کی تھی۔ اور یہی نماز ابو بکر و عمر کی تھی۔ اس کے بعد جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فجر کی نماز پڑھاتے ہوئے شہید ہوئے تب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اسفار کیا۔ گویا اسفار عارضہ کی بنا پر بعد میں شروع ہوا ہے۔ اگرچہ نماز اول۔ اوسط، آخر میں پڑھی جاسکتی ہے مگر نبی کریم علیہ السلام کا عمل غلس پر ہی تھا احناف کہتے ہیں کہ فعلی حدیث دونوں طرف ہے لیکن قولی حدیث ہمارے پاس ہے حالانکہ جن صحابہ کرام کو آپ نے أسفروا بالفجر کہا ہے وہ نماز آپ کی اقتداء میں پڑھتے تھے جبکہ آپ غلس میں پڑھتے تھے تو صحابہ کی نماز بھی غلس میں تھی، یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ نماز غلس میں پڑھیں اور انہیں روشنی میں پڑھنے کا حکم دیں، صحابہ کرام بھی نماز آپ کے پیچھے ہی پڑھتے تھے۔



٥٦١ - حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ أَبِي عُبَيْدٍ، عَنْ سَلَمَةَ، قَالَ: «كُنَّا نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ إِذَا تَوَارَتْ بِالْحِجَابِ».

ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے یزید بن ابی عبید نے بیان کیا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ سے، فرمایا کہ ہم نماز مغرب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس وقت پڑھتے تھے جب سورج پردے میں چھپ جاتا۔

یہ ثلاثیات بخاری میں سے چوتھی ثلاثی حدیث ہے۔ اور توارت بالحجاب سے مراد سورج کا غروب ہوجانا ہے۔ اور قرآن کریم میں بھی اسی طرح ذکر ہے "حتی توارت بالحجاب[4]"۔

٥٦٢ - حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ دِينَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ زَيْدٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعًا



(1) ترمذی ۱۵۴ ج۱ ص ۲۸۹۔
(2) مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۵۳ ج۱ ص ۲۸۴۔
(3) البقرہ ۲۰۔
(4) ص: ۳۲۔

جَمِيعًا وَثَمَانِيًا جَمِيعًا».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا ہم سے عمرو بن دینار نے بیان کیا، کہا میں نے جابر بن زید سے سنا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے واسطے سے بیان کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات رکعات (مغرب اور عشاء کی) ایک ساتھ آٹھ رکعات (ظہر اور عصر کی نمازیں) ایک ساتھ پڑھیں۔

سبعا سے مراد سات رکعات ہیں جو کہ مغرب و عشاء کی رکعات ہیں اور ثمانیًا سے ظہر و عصر کی آٹھ رکعات مراد ہیں۔ نبی اکرم ﷺ نے جبکہ مغرب اور عشاء کو جمع کیا ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت ممتد ہے دونوں نمازوں کے درمیان فاصلہ نہیں ہے جیسا کہ شافعی کہتے ہیں کہ اسکا وقت غیر ممتد ہے، ان کے ہاں نماز مغرب کے بعد فاصلہ ہوتا ہے اس کے بعد عشاء کا وقت ہوتا ہے، اس حدیث سے اس نظریہ کی تردید ہوگئی۔

١٩- بَابُ مَنْ كَرِهَ أَنْ يُقَالَ لِلْمَغْرِبِ الْعِشَاءُ:

باب: اس بارے میں جس نے مغرب کو عشاء کہنا مکروہ جانا

٥٦٣ - حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ هُوَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنِ الْحُسَيْنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ بُرَيْدَةَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ الْمُزَنِيُّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا تَغْلِبَنَّكُمُ الْأَعْرَابُ عَلَى اسْمِ صَلَاتِكُمُ الْمَغْرِبِ». قَالَ: الْأَعْرَابُ وَتَقُولُ هِيَ: الْعِشَاءُ.

ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، جو عبداللہ بن عمرو ہیں، کہا ہم سے عبدالوارث بن سعید نے حسین بن ذکوان سے بیان کیا، کہا ہم سے عبداللہ بن بریدہ نے، کہا مجھ سے عبداللہ مزنی رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ایسا نہ ہو کہ مغرب کی نماز کے نام کے لیے اعراب (یعنی دیہاتی لوگوں) کا محاورہ تمہاری زبانوں پر چڑھ جائے۔ عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے کہا یا خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بدوی مغرب کو عشاء کہتے تھے۔

یعنی جو مغرب کو عشاء کہنا مکروہ سمجھتا ہے اسکی دلیل کیا ہے؟ بعض لوگ اس کے قائل ہیں کہ مغرب کو عشاء نہیں کہنا چاہیے۔ مگر چونکہ اسکا تعلق لغت سے ہے اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلہ میں زیادہ سختی نہیں کی، ایک حدیث میں آتا ہے کہ مغرب کو عشاء نہ کہا کرو، قرآن کریم میں نمازِ عشا کے لئے عشاء کا لفظ استعمال ہوا ہے لیکن اگر مغرب کو عشاء کہا جائے تو جو احکام نماز عشاء کے بعد کے ہیں اور وہ قرآن میں ذکر ہوئے ہیں ان میں التباس لازم آئے گا۔ اور وہ غلط فہمی کی بنا پر متبدل ہو جائیں گے مغرب کو عشاء کہنے کی کراہت دراصل اس وجہ سے ہے ورنہ جن لوگوں کی مغرب کو عشاء کہنے کی لغت ہے تو اسکے کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے اسی لیے بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب میں قطع نہیں کیا بلکہ "من کرہ" کا لفظ استعمال کیا ہے۔

٢٠- بَابُ ذِكْرِ الْعِشَاءِ وَالْعَتَمَةِ وَمَنْ رَآهُ وَاسِعًا:

باب: عشاء اور عتمہ کا بیان اور جو یہ دونوں نام لینے میں کوئی ہرج نہیں خیال کرتے

قَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَثْقَلُ الصَّلَاةِ عَلَى الْمُنَافِقِينَ الْعِشَاءُ وَالْفَجْرُ، وَقَالَ: لَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالْفَجْرِ. قَالَ أَبُو عَبْدِ اللَّهِ: وَالِاخْتِيَارُ أَنْ يَقُولَ الْعِشَاءُ، لِقَوْلِهِ تَعَالَى: وَمِنْ بَعْدِ صَلَاةِ الْعِشَاءِ سورة النور آية ٥٨ وَيُذْكَرُ عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كُنَّا نَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ فَأَعْتَمَ بِهَا، وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةُ: أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: عَنْ عَائِشَةَ، أَعْتَمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعَتَمَةِ، وَقَالَ جَابِرٌ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْعِشَاءَ، وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُؤَخِّرُ الْعِشَاءَ، وَقَالَ أَنَسٌ: أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ الْآخِرَةَ، وَقَالَ ابْنُ عُمَرَ، وَأَبُو أَيُّوبَ، وَابْنُ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ: صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَغْرِبَ وَالْعِشَاءَ.



ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کر کے فرمایا، کہ منافقین پر عشاء اور فجر تمام نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کاش! وہ سمجھ سکتے کہ عتمہ (عشاء) اور فجر کی نمازوں میں کتنا ثواب ہے۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) کہتے ہیں کہ عشاء کہنا ہی بہتر ہے۔ کیونکہ ارشاد باری ہے «ومن بعد صلاة العشاء» (میں قرآن نے اس کا نام عشاء رکھ دیا ہے) ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے عشاء کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں پڑھنے کے لیے باری مقرر کر لی تھی۔ ایک مرتبہ آپ نے اسے رات گئے پڑھا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز عشاء دیر سے پڑھی۔ بعض نے عائشہ رضی اللہ عنہا نے نقل کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے «عتمہ» کو دیر سے پڑھا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء پڑھتے تھے۔ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عشاء میں دیر کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آخری عشاء کو دیر میں پڑھتے تھے۔ ابن عمر، ابوایوب اور ابن عباس رضی اللہ عنہم نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مغرب اور عشاء پڑھی۔

٥٦٤ - حَدَّثَنَا عَبْدَانُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ سَالِمٌ: أَخْبَرَنِي عَبْدُ اللَّهِ، قَالَ: صَلَّى لَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ وَهِيَ الَّتِي يَدْعُو النَّاسُ الْعَتَمَةَ، ثُمَّ انْصَرَفَ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا، فَقَالَ: «أَرَأَيْتُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ، فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةِ سَنَةٍ مِنْهَا لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ».



ہم سے عبدان عبداللہ بن عثمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، انہوں نے کہا ہمیں یونس بن یزید نے خبر دی زہری سے کہ سالم نے یہ کہا کہ مجھے (میرے باپ) عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عشاء کی نماز پڑھائی۔ یہی جسے لوگ «عتمہ» کہتے ہیں۔ پھر ہمیں خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ تم اس رات کو یاد رکھنا۔ آج جو لوگ زندہ ہیں ایک سو سال کے گزرنے تک روئے زمین پر ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔

نبی اکرم ﷺ سے مغرب کو عشاء کہنا ثابت نہیں ہے۔ لیکن عشاء کو عتمہ کہنا آپ سے ثابت ہے۔ لہذا عشاء کو عتمہ کہنا بلا کراہت جائز ہے۔ اگرچہ عشاء کہنا افضل ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں اس کے لئے عشاء کا نام استعمال ہوا ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "ومن بعد صلوۃ العشاء[1]" بعض علماء عشاء کو عتمہ کہنا مکروہ سمجھتے ہیں۔

قولہ "قال أبوهريرة عن النبي ﷺ أثقل الصلوة على المنافقين العشاء والفجر" امام بخاری رحمہ اللہ أطراف احادیث بغیر اسانید کے ذکر کرتے ہیں جنکی اسانید حذف کردی ہیں اور ان سے ثابت کرنا مقصود ہے کہ عشاء کی نماز کو کبھی عتمہ اور کبھی عشاء کہا گیا ہے۔ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کا پہلا جزء بخاری باب فضل العشاء فی الجماعۃ" میں اور دوسرا جزء "باب الاستہام فی الاذان" میں لائے ہیں۔

"قوله ويذكر عن أبي موسى" اسے بخاری رحمہ اللہ باب فضل العشاء میں فكان يتناوب النبي کے لفظ کے ساتھ لائے ہیں۔

"قوله قال ابن عباس وعائشة أعتم النبي" اس حدیث کو بخاری رحمہ اللہ باب النوم قبل العشاء" میں موصول لائے ہیں۔

"قوله قال بعضهم عن عائشة أعتم النبي" اسے باب خروج النساء إلي المساجد بالليل" میں لائے ہیں۔

"قوله قال جابر كان النبي ﷺ يصلي العشاء" اسے باب وقت المغرب" کے تحت ذکر کیا ہے۔

"قوله قال أبوبرزة كان النبي ﷺ يؤخر العشاء" یہ حدیث باب وقت العصر" میں گذر چکی ہے۔

"قوله قال أنس أخر النبي ﷺ العشاء الاخرة" یہ حدیث باب وقت العشاء إلي نصف الليل" میں ذکر ہوگی۔

"قوله قال ابن عمر وابو ايوب وابن عباس" ابن عمر کی حدیث کتاب الحج میں اور ابوایوب کی حدیث بھی حج میں اور ابن عباس کی حدیث باب تاخير الظهر الي العصر" میں مذکور ہے۔ ان احادیث میں چونکہ نبی کریم علیہ السلام نے عشاء کے لئے عتمہ کا لفظ بولا ہے لہذا عشاء اور عتمہ دونوں طرح کہنا جائز ہے۔

---

[1] النور:۵۸۔

٢١- بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ أَوْ تَأَخَّرُوا:

باب: نماز عشاء کا وقت جب لوگ (جلدی) جمع ہو جائیں یا جمع ہونے میں دیر کر دیں

٥٦٥ - حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَمْرٍو هُوَ ابْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ، قَالَ: سَأَلْنَا جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «كَانَ يُصَلِّي الظُّهْرَ بِالْهَاجِرَةِ، وَالْعَصْرَ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَالْمَغْرِبَ إِذَا وَجَبَتْ، وَالْعِشَاءَ إِذَا كَثُرَ النَّاسُ عَجَّلَ وَإِذَا قَلُّوا أَخَّرَ، وَالصُّبْحَ بِغَلَسٍ».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ حجاج نے سعد بن ابراہیم سے بیان کیا، وہ محمد بن عمرو سے جو حسن بن علی بن ابی طالب کے بیٹے ہیں، فرمایا کہ ہم نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے بارے میں دریافت کیا۔ تو آپ نے فرمایا کہ آپ نماز ظہر دوپہر میں پڑھتے تھے۔ اور جب نماز عصر پڑھتے تو سورج صاف روشن ہوتا۔ مغرب کی نماز واجب ہوتے ہی ادا فرماتے، اور عشاء میں اگر لوگ جلدی جمع ہو جاتے تو جلدی پڑھ لیتے اور اگر آنے والوں کی تعداد کم ہوتی تو دیر کرتے۔ اور صبح کی نماز منہ اندھیرے میں پڑھا کرتے تھے۔



"قوله والعشاء إذا اكثر الناس" اس سے امام بخاری رحمہ اللہ ان لوگوں کی تردید کرنا چاہتے ہیں جو کہتے ہیں کہ عشاء کی نماز جب جلدی پڑھی جائے تو اسے عشاء کہتے ہیں اور جب دیر سے پڑھی جائے تو اسے عتمہ کہتے ہیں کیونکہ یہ الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اسکی تردید کرتے ہیں کہ اس حدیث میں اسکا نام عشاء ہی استعمال کیا گیا ہے خواہ جلدی پڑھی جائے یا دیر سے، دونوں صورتوں میں اسے عشاء ہی کہا گیا ہے[1]۔

٢٢- بَابُ فَضْلِ الْعِشَاءِ:

باب: نماز عشاء (کے لیے انتظار کرنے) کی فضیلت

٥٦٦ - حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: «أَعْتَمَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً

---

[1] عینی نے اپنی عادت کے مطابق حافظ کی مخالفت کرتے ہوئے کہا ہے یہ (حافظ کی کلام) کمزور ہے کیونکہ ترجمہ اس پر بالکل دلالت نہیں کرتا اور اس سے بخاری نے یہ اشارہ کیا ہے کہ آپ کا عشاء کی نماز میں تقدیم کو اختیار کرنا لوگوں کے اجتماع کے وقت ہوتا تھا اور تاخیر کو اختیار کرنا ان کے لیٹ ہونے کے وقت ہوتا تھا۔ حالانکہ یہی حافظ رحمہ اللہ کی مراد ہے کہ لوگوں کے اجتماع کے وقت عشاء کی تقدیم اور ان کے مؤخر ہونے پر عشاء کی تاخیر دونوں صورتوں میں اس کا نام عشاء ہی ہے ترجمہ باب بھی اس پر دلالت کرتا ہے اور حدیث میں بھی ان دونوں صورتوں میں اسے عشاء ہی کہا گیا ہے، تاخیر کی صورت میں اسکا نام "عتمہ" نہیں رکھا گیا، حافظ کی بات اپنی جگہ اٹل ہے۔



بِالْعِشَاءِ، وَذٰلِكَ قَبْلَ أَنْ يَفْشُوَ الْإِسْلَامُ، فَلَمْ يَخْرُجْ، حَتَّى قَالَ عُمَرُ: نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ، فَقَالَ لِأَهْلِ الْمَسْجِدِ: مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرَكُمْ».

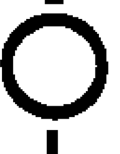
ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے لیث بن سعد نے عقیل کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے عروہ سے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ ایک رات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز دیر سے پڑھی۔ یہ اسلام کے پھیلنے سے پہلے کا واقعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک باہر تشریف نہیں لائے جب تک عمر رضی اللہ عنہ نے یہ نہ فرمایا کہ عورتیں اور بچے سو گئے۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا کہ تمہارے علاوہ دنیا میں کوئی بھی انسان اس نماز کا انتظار نہیں کرتا۔

٥٦٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدٍ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: كُنْتُ أَنَا وَأَصْحَابِي الَّذِينَ قَدِمُوا مَعِي فِي السَّفِينَةِ نُزُولًا فِي بَقِيعِ بُطْحَانَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِينَةِ، فَكَانَ يَتَنَاوَبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ صَلَاةِ الْعِشَاءِ كُلَّ لَيْلَةٍ نَفَرٌ مِنْهُمْ، فَوَافَقْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَأَصْحَابِي وَلَهُ بَعْضُ الشُّغْلِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ، فَأَعْتَمَ بِالصَّلَاةِ حَتَّى ابْهَارَّ اللَّيْلُ، ثُمَّ خَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى بِهِمْ، فَلَمَّا قَضَى صَلَاتَهُ، قَالَ لِمَنْ حَضَرَهُ: عَلَى رِسْلِكُمْ: «أَبْشِرُوا إِنَّ مِنْ نِعْمَةِ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ أَنَّهُ لَيْسَ أَحَدٌ مِنَ النَّاسِ يُصَلِّي هٰذِهِ السَّاعَةَ غَيْرُكُمْ، أَوْ قَالَ مَا صَلَّى هٰذِهِ السَّاعَةَ أَحَدٌ غَيْرُكُمْ»، لَا يَدْرِي أَيَّ الْكَلِمَتَيْنِ، قَالَ: قَالَ أَبُو مُوسَى: فَرَجَعْنَا فَفَرِحْنَا بِمَا سَمِعْنَا مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.



شرح بخاری

ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا کہا ہم سے ابواسامہ نے برید کے واسطہ سے، انہوں نے ابی بردہ سے انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے ان ساتھیوں کے ساتھ جو کشتی میں میرے ساتھ (حبشہ سے) آئے تھے بقیع بطحان میں قیام کیا۔ اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف رکھتے تھے۔ ہم میں سے کوئی نہ کوئی عشاء کی نماز میں روزانہ باری مقرر کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا۔ اتفاق سے میں اور میرے ایک ساتھی ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کسی کام میں مشغول تھے۔ (کسی ملی معاملہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ گفتگو فرما رہے تھے) جس کی وجہ سے نماز میں دیر ہو گئی اور تقریباً آدھی رات گزر گئی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔







نماز پوری کر چکے تو حاضرین سے فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر وقار کے ساتھ بیٹھے رہو اور ایک خوشخبری سنو۔ تمہارے سوا دنیا میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں جو اس وقت نماز پڑھتا ہو، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا کہ تمہارے سوا اس وقت کسی (امت) نے بھی نماز نہیں پڑھی تھی۔ یہ یقین نہیں کہ آپ نے ان دو جملوں میں سے کون سا جملہ کہا تھا۔ پھر راوی نے کہا کہ ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔ پس ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سن کر بہت ہی خوش ہو کر لوٹے۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس ترجمہ باب پر کسی نے گفتگو نہیں کی۔ ورنہ ان احادیث میں عشاء کی فضیلت کا ذکر نہیں ہے گویا کہ بخاری نے یہ ترجمہ حدیث میں آنے والے ان الفاظ سے لیا ہے "ماینتظرھا أحد من أھل الأرض غیرکم "جس میں عشاء کے انتظار کا ذکر ہے تو ترجمہ باب میں بھی انتظار کا لفظ حذف ہے ای باب فضل انتظار العشاء[1]" واللہ اعلم۔

"قولہ قدموا معی "حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ یمن کے رہنے والے تھے، مدینہ آنے کے لئے بحری جہاز پر سوار ہوئے لیکن ہوائیں جہاز کو حبشہ کی طرف لے گئیں، لہٰذا یہ حبشہ میں ہی رہے۔ اور خیبر کی فتح کے وقت حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ میں آگئے۔ یہ اسی وقت کی بات ذکر کرتے ہیں۔

"قولہ فکان یتناوب النبی صلی اللہ علیہ وسلم...... "یعنی عشاء کی نماز کے وقت ہر رات یہ افراد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس باری باری آتے تھے۔ انور شاہ کہتا ہے کہ یہی لفظ جمعہ کی حدیث میں آیا ہے وہاں بھی نوبت بنوبت آنا مراد ہے اور وہاں عوالی کا لفظ آتا ہے۔ اور عوالی گاؤں تھا وہاں جمعہ فرض نہیں تھا اس سے معلوم ہوا کہ گاؤں میں جمعہ فرض نہیں ہے اس لیے

[1] یہاں پھر عینی حافظ ابن حجر کو لتاڑتے ہوئے کہتے ہیں: اس قائل نے پہلے تو اس ترجمہ باب پر لوگوں کی گفتگو کی نفی کی ہے پھر وہ ایسی بات کہتا ہے جس میں وہ منفرد ہونے کا دعویدار ہے اور اس کی اس بات کی کچھ بھی اہمیت نہیں ہے کہ فضیلت عشاء کے انتظار کی ہے نہ کہ عشاء کی حالانکہ اگر کسی نے اس ترجمہ باب پر گفتگو کی ہے تو عینی کو اسے ذکر کرنا چاہیئے تھا۔ عینی کا یہاں خاموشی سے گذر جانا اس بات کی دلیل ہے کہ اس پر کسی نے گفتگو نہیں کی جیسا کہ حافظ ابن حجر نے کہا ہے، دوسری بات جو حافظ نے کی ہے، کہ اس باب کے تحت ذکر ہونے والی احادیث میں انتظار عشاء کی فضیلت کا ذکر ہے نہ کہ عشاء کی فضیلت کا تو ان دونوں احادیث پر غور کرنے سے حافظ کی تصدیق ہوتی ہے کیونکہ پہلی حدیث میں "ما ینتظر أحد من أھل الأرض غیرکم "کا لفظ اسکی دلیل ہے اور اس باب کی دوسری حدیث میں ہے "لیس أحد من الناس یصلي ھذہ الساعۃ غیرکم "یہ بھی نماز کے انتظار پر دلیل ہے اسی لیے حافظ نے ان احادیث کے ظاہر کے پیش نظر کہا ہے کہ ترجمہ باب میں لفظ "انتظار" محذوف ہے ان احادیث کے ظاہر کو دیکھتے ہوئے حافظ کی بات درست ہے۔ اس پر عینی کا یہ کہنا کہ اسکی مطابقت ترجمہ باب سے یہ ہے کہ نماز عشاء عبادت ہے اور یہ عبادت باقی نمازوں میں سے انتظار کرنے کے ساتھ خاص کی گئی ہے، اس سے نماز عشاء کی فضیلت بھی ثابت ہو جاتی ہے حالانکہ یہ بعد کی بات ہے جسے حافظ کی بات مستلزم ہے۔ اس سے حافظ کی بیان کردہ توجیہ کی نفی نہیں ہو جاتی۔ حافظ کی توجیہ ظاہر احادیث کا تقاضا ہے لہٰذا حافظ کی بات اپنی جگہ حقیقت ہے۔

وہاں سے نوبت بنوبت آتے تھے سارے نہیں آتے تھے حالانکہ ایک روایت میں آتا ہے "ينتابون من المدينة" پھر تو مدینہ میں بھی فرض نہیں ہونا چاہیئے اور نوبت بنوبت آنا یتناوبون کا معنی ہوتا ہے جیسا کہ صراح وغیرہ میں ہے کہ ینتابون کا معنی یکے بعد دیگرے آنا ہے۔ بخاری، کتاب الجمعہ میں "كان الناس ينتابون يوم الجمعة من منازلهم والعوالي فيأتون في الغبار يصيبهم الغبار والعرق[1]" آتا ہے، مگر حافظ نے کہا ہے کہ ایک نسخہ یتناوبون بھی ہے اس کے معنی نوبت بنوبت آنے کے ہوتے ہیں لیکن ینتابون کا یہ معنی نہیں ہے اسکا معنی آگے پیچھے آنا ہے کیونکہ آگے پیچھے آنے سے غبار پڑ سکتی ہے، نوبت بنوبت آنے سے تو غبار نہیں پڑتی۔ یہاں ینتابون کا معنی ہی درست ہے اور نسائی میں "يحضرون" آتا ہے اس سے ینتابون کی تفسیر ہو جاتی ہے ای ينتابون بمعنی يحضرون یتناوبون کا معنی نوبت بنوبت آنا ہی ہوتا ہے لیکن اسکا یہ مطلب نہیں کہ جمعہ فرض نہ ہو۔ ورنہ مدینہ کے لئے بھی یہی لفظ آتا ہے حالانکہ مدینہ میں جمعہ فرض ہے۔ اس حدیث میں ہے "يتناوبون من المدينة والعوالي" اسکا معنی نوبت بنوبت آنا ہے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مدینہ میں جمعہ فرض نہ ہو۔

کئی حنفی کہتے ہیں کہ مدینہ سے مراد وہ آبادیاں ہیں جو مدینے سے دوسری طرف تھیں اور وہ عوالی کے مقابلہ میں تھیں، اس سے مدینہ منورہ مراد نہیں ہے حالانکہ احناف کے نزدیک فناء مدینہ میں جمعہ فرض ہوتا ہے اور عوالی میں حنفیوں کے نزدیک بھی جمعہ فرض ہے کیونکہ وہ فناء مدینہ میں داخل ہیں۔

سید نذیر حسین رحمہ اللہ کا یہی فتوی تھا، مولوی رشید احمد نے اسکا جواب دیا تو اہل حدیث نے اسکا رد کیا اس کے متعلق مولوی محمود حسن نے ایک کتاب لکھی اور عوالی کے مسئلہ پر بحث کی تو اہل حدیث نے اسکا رد کرتے ہوئے کہا کہ تمہارے نزدیک فناء مدینہ میں جمعہ فرض ہوتا ہے اور عوالی بھی فناء مدینہ میں داخل ہیں جیسا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ مدینہ کا حرم بارہ میل تک ہے اور عوالی بارہ میل کے اندر ہیں لہذا وہ فناء میں داخل ہیں اس کا جواب مولوی محمود حسن نے دیتے ہوئے کہا کہ فناء مدینہ میں وہ جگہ آتی ہے جو مستقل آبادی نہ ہو اور دو، چار گھروں سے گاؤں بن جائے تو وہ اس میں نہیں آئے گا پھر ان پر لازم ہے کہ ثابت کریں کہ عوالی مستقل گاؤں تھے۔ شاہ ولی اللہ نے تو کہا ہے کہ عوالی اسکا نام ہے جو قریہ نہ ہو۔ ایک دلیل پیش کرتے ہیں کہ شامی نے دمشق کے قریب صالحیہ قریہ کے بارہ میں کہا ہے کہ صالحیہ قریہ پر جمعہ فرض ہے کیونکہ یہ فناء مصر میں داخل ہے حالانکہ وہ بڑی آبادی ہے اگر وہ فناء مصر میں داخل نہ ہو تو اس پر بلد (شہر) کی تعریف صادق آتی ہے، شامی کی بات سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑی بستیوں کا حکم بھی فناء مصر کا ہو جاتا ہے۔

"قوله وله بعض الشغل" اس شغل سے مراد لشکر کی تیاری ہے جیسا کہ طبری میں ہے۔

۲۳۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ:

باب: اس بیان میں کہ نماز عشاء پڑھنے سے پہلے سونا ناپسند ہے

شرح بخاری

[1] صحیح بخاری ۹۰۲ ج ۲ ص ۶۔

۵۶۸ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي الْمِنْهَالِ، عَنْ أَبِي بَرْزَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَ الْعِشَاءِ وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا».

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے خالد حذاء نے بیان کیا ابوالمنہال سے، انہوں نے ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء سے پہلے سونے اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند فرماتے تھے۔

نماز عشاء سے پہلے سونا درست نہیں ہے ہاں اگر مغلوب ہوجائے تو جائز ہے جیسا کہ بخاری رحمہ اللہ آگے اس پر باب لارہے ہیں۔ یا اسے وقت پر جگانے والا ہو تو سوسکتا ہے۔ طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر نماز کا وقت ہوجائے تو سونا جائز نہیں ہے وقت سے پہلے سو سکتا ہے۔

"قوله والحديث بعدها" حدیث سے مراد باہمی گفتگو اور بات چیت کرنا ہے۔ تاکہ دیر سے سونے کی وجہ سے اسکی نماز فجر نہ رہ جائے یا اس لیے تاکہ قیام لیل فوت نہ ہوجائے۔

۲۴۔بَابُ النَّوْمِ قَبْلَ الْعِشَاءِ لِمَنْ غُلِبَ:



باب: اگر نیند کا غلبہ ہو جائے تو عشاء سے پہلے بھی سونا درست ہے

۵۶۹ ـ حَدَّثَنَا أَيُّوبُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بَكْرٍ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ صَالِحُ بْنُ كَيْسَانَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ شِهَابٍ، عَنْ عُرْوَةَ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «أَعْتَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْعِشَاءِ حَتَّى نَادَاهُ عُمَرُ الصَّلَاةَ نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ فَخَرَجَ، فَقَالَ: مَا يَنْتَظِرُهَا أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ غَيْرُكُمْ، قَالَ: وَلَا يُصَلَّى يَوْمَئِذٍ إِلَّا بِالْمَدِينَةِ، وَكَانُوا يُصَلُّونَ فِيمَا بَيْنَ أَنْ يَغِيبَ الشَّفَقُ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ الْأَوَّلِ».

شرح بخاری

ہم سے ایوب بن سلیمان نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوبکر نے سلیمان سے، ان سے صالح بن کیسان نے بیان کیا کہ مجھے ابن شہاب نے عروہ سے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ عشاء کی نماز میں دیر فرمائی۔ یہاں تک کہ عمر رضی اللہ عنہ نے پکارا، نماز! عورتیں اور بچے سب سو گئے۔ تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ روئے زمین پر تمہارے علاوہ اور کوئی اس نماز کا انتظار نہیں کرتا۔ راوی نے کہا، اس وقت یہ نماز (باجماعت) مدینہ کے سوا اور کہیں نہیں پڑھی جاتی تھی۔ صحابہ اس نماز کو شام کی سرخی کے غائب ہونے کے بعد رات کے پہلے تہائی حصہ تک (کسی وقت بھی) پڑھتے تھے۔





۵۷۰ ـ حَدَّثَنَا مَحْمُودٌ يَعْنِي، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ، «أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

شُغِلَ عَنْهَا لَيْلَةً فَأَخَّرَهَا حَتَّى رَقَدْنَا فِي الْمَسْجِدِ، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ رَقَدْنَا، ثُمَّ اسْتَيْقَظْنَا، ثُمَّ خَرَجَ عَلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: «لَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ الْأَرْضِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ غَيْرُكُمْ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يُبَالِي أَقَدَّمَهَا أَمْ أَخَّرَهَا، إِذَا كَانَ لَا يَخْشَى أَنْ يَغْلِبَهُ النَّوْمُ عَنْ وَقْتِهَا، وَكَانَ يَرْقُدُ قَبْلَهَا»، قَالَ ابْنُ جُرَيْجٍ: قُلْتُ لِعَطَاءٍ:

ہم سے محمود نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے عبدالرزاق نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابن جریج نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے نافع نے خبر دی، انہوں نے کہا مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات کسی کام میں مشغول ہو گئے اور بہت دیر کی۔ ہم (نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے) مسجد ہی میں سو گئے، پھر ہم بیدار ہوئے، پھر ہم سو گئے، پھر ہم بیدار ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے باہر تشریف لائے اور فرمایا کہ دنیا کا کوئی شخص بھی تمہارے سوا اس نماز کا انتظار نہیں کرتا۔ اگر نیند کا غلبہ نہ ہوتا تو ابن عمر رضی اللہ عنہما عشاء کو پہلے پڑھنے یا بعد میں پڑھنے کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے۔ کبھی نماز عشاء سے پہلے آپ سو بھی لیتے تھے۔ ابن جریج نے کہا میں نے عطاء سے معلوم کیا۔

٥٧١ ـ وَقَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ، يَقُولُ: أَعْتَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً بِالْعِشَاءِ حَتَّى رَقَدَ النَّاسُ وَاسْتَيْقَظُوا وَرَقَدُوا وَاسْتَيْقَظُوا، فَقَامَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ، فَقَالَ: الصَّلَاةَ، قَالَ عَطَاءٌ: قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: فَخَرَجَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ الْآنَ يَقْطُرُ رَأْسُهُ مَاءً وَاضِعًا يَدَهُ عَلَى رَأْسِهِ، فَقَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوهَا هَكَذَا، فَاسْتَثْبَتُّ عَطَاءً كَيْفَ وَضَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى رَأْسِهِ يَدَهُ كَمَا أَنْبَأَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ؟ فَبَدَّدَ لِي عَطَاءٌ بَيْنَ أَصَابِعِهِ شَيْئًا مِنْ تَبْدِيدٍ، ثُمَّ وَضَعَ أَطْرَافَ أَصَابِعِهِ عَلَى قَرْنِ الرَّأْسِ، ثُمَّ ضَمَّهَا يُمِرُّهَا كَذَلِكَ عَلَى الرَّأْسِ حَتَّى مَسَّتْ إِبْهَامُهُ طَرَفَ الْأُذُنِ مِمَّا يَلِي الْوَجْهَ عَلَى الصُّدْغِ، وَنَاحِيَةِ اللِّحْيَةِ لَا يُقَصِّرُ وَلَا يَبْطُشُ إِلَّا كَذَلِكَ، وَقَالَ: لَوْلَا أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمَّتِي لَأَمَرْتُهُمْ أَنْ يُصَلُّوا هَكَذَا.

تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات عشاء کی نماز میں دیر کی جس کے نتیجہ میں لوگ (مسجد ہی میں) سو گئے۔ پھر بیدار ہوئے پھر سو گئے، پھر بیدار ہوئے۔ آخر میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ اٹھے اور پکارا نماز عطاء نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے بتلایا کہ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر سے تشریف لائے۔ وہ منظر میری

نگاہوں کے سامنے ہے جب کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے اور آپ ہاتھ سر پر رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ اگر میری امت کے لیے مشکل نہ ہو جاتی، تو میں انہیں حکم دیتا کہ عشاء کی نماز کو اسی وقت پڑھیں۔ میں نے عطاء سے مزید تحقیق چاہی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ سر پر رکھنے کی کیفیت کیا تھی؟ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے انہیں اس سلسلے میں کس طرح خبر دی تھی۔ اس پر عطاء نے اپنے ہاتھ کی انگلیاں تھوڑی سی کھول دیں اور انہیں سر کے ایک کنارے پر رکھا پھر انہیں ملا کر یوں سر پر پھیرنے لگے کہ ان کا انگوٹھا کان کے اس کنارے سے جو چہرے سے قریب ہے اور داڑھی سے جالگا۔ نہ سستی کی اور نہ جلدی، بلکہ اس طرح کیا اور کہا کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میری امت پر مشکل نہ گزرتی تو میں حکم دیتا کہ اس نماز کو اسی وقت پڑھا کریں۔

مغلوب ہونے سے مراد یہ ہے کہ سفر سے آیا ہے اور تھکا ہوا ہے جس کی وجہ سے اس پر نیند کا غلبہ ہو۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ایسا شخص مسجد میں جاکر سو جائے۔ وہاں اسے نماز قائم ہونے کا پتہ چل سکتا ہے۔

"قوله إلي ثلث الليل الأول" بعض احادیث میں نصف لیل کا ذکر ہے ان میں تطبیق یہ ہے کہ ابتدا ثلث لیل سے ہوگی اور نصف لیل پر وقت ختم ہوگا۔

"قوله شغل عنها ليلة" یہ تاخیر مذکورہ تاخیر کے علاوہ ہے۔

۲۵۔ بَابُ وَقْتِ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ:

باب: اس بارے میں کہ عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک رہتا ہے

وَقَالَ أَبُو بَرْزَةَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْتَحِبُّ تَأْخِيرَهَا.

اور ابو برزہ رضی اللہ عنہ صحابی نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں دیر کرنا پسند فرمایا کرتے تھے۔

۵۷۲ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحِيمِ الْمُحَارِبِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ حُمَيْدٍ الطَّوِيلِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «أَخَّرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى نِصْفِ اللَّيْلِ، ثُمَّ صَلَّى، ثُمَّ قَالَ: قَدْ صَلَّى النَّاسُ وَنَامُوا، أَمَا إِنَّكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُوهَا»، وَزَادَ ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، سَمِعَ أَنَسًا كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ لَيْلَتَئِذٍ.

ہم سے عبد الرحیم محاربی نے بیان کیا، کہا ہم سے زائدہ نے حمید طویل سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن) عشاء کی نماز آدھی رات گئے پڑھی۔ اور فرمایا کہ دوسرے لوگ نماز پڑھ کر سو گئے ہوں گے۔ (یعنی دوسری مساجد میں پڑھنے والے مسلمان) اور تم لوگ جب تک نماز کا انتظار کرتے رہے (گویا سارے وقت) نماز ہی پڑھتے رہے۔ ابن مریم نے اس میں یہ زیادہ کیا کہ ہمیں یحییٰ بن ایوب نے خبر دی۔ کہا مجھ سے حمید طویل نے بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے یہ

سنا، گویا اس رات آپ کی انگوٹھی کی چمک کا نقشہ اس وقت بھی میری نظروں کے سامنے چمک رہا ہے۔

یعنی عشاء کی نماز کا وقت آدھی رات تک ہے اہل ظاہر اسی کے قائل ہیں۔ حنفی کہتے ہیں کہ آدھی رات کے بعد مکروہ ہے۔ بعض کراہت تنزیہی کے قائل ہیں اور بعض کراہت تحریمی کے قائل ہیں۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ میں نے عشاء کے وقت کے طلوع فجر تک ہونے کی کوئی صریح اور صحیح ثابت حدیث نہیں پائی۔

"قوله وزاد ابن أبي مريم" اس تعلیق کو ذکر کرنے سے بخاری رحمہ اللہ کا مقصد حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حمید کے سماع کو ثابت کرنا ہے۔

٢٦- بَابُ فَضْلِ صَلَاةِ الْفَجْرِ:

باب: نماز فجر کی فضیلت کے بیان میں

٥٧٣ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ إِسْمَاعِيلَ، حَدَّثَنَا قَيْسٌ، قَالَ لِي جَرِيرُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ: كُنَّا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ نَظَرَ إِلَى الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَقَالَ: «أَمَا إِنَّكُمْ سَتَرَوْنَ رَبَّكُمْ كَمَا تَرَوْنَ هَذَا، لَا تُضَامُّونَ أَوْ لَا تُضَاهُونَ فِي رُؤْيَتِهِ، فَإِنِ اسْتَطَعْتُمْ أَنْ لَا تُغْلَبُوا عَلَى صَلَاةٍ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا فَافْعَلُوا، ثُمَّ قَالَ: وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوبِهَا سورة طه آية ١٣٠».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحیٰی نے اسماعیل سے، کہا ہم سے قیس نے بیان کیا، کہا مجھ سے جریر بن عبداللہ نے بیان کیا، کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاند کی طرف نظر اٹھائی جو چودھویں رات کا تھا۔ پھر فرمایا کہ تم لوگ بے ٹوک اپنے رب کو اسی طرح دیکھو گے جیسے اس چاند کو دیکھ رہے ہو (اسے دیکھنے میں تم کو کسی قسم کی بھی مزاحمت نہ ہو گی) یا یہ فرمایا کہ تمہیں اس کے دیدار میں مطلق شبہ نہ ہو گا اس لیے اگر تم سے سورج کے طلوع اور غروب سے پہلے (فجر اور عصر) کی نمازوں کے پڑھنے میں کوتاہی نہ ہو سکے تو ایسا ضرور کرو۔ (کیونکہ ان ہی کے طفیل دیدار الٰہی نصیب ہو گا یا ان ہی وقتوں میں یہ رویت ملے گی) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی «فسبح بحمد ربك قبل طلوع الشمس وقبل غروبها» پس اپنے رب کے حمد کی تسبیح پڑھ سورج کے نکلنے اور اس کے غروب ہونے سے پہلے۔ امام ابوعبداللہ بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ ابن شہاب نے اسماعیل کے واسطہ سے جو قیس سے بواسطہ جریر (راوی ہیں) یہ زیادتی نقل کی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اپنے رب کو صاف دیکھو گے۔

٥٧٤ - حَدَّثَنَا هُدْبَةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنِي أَبُو جَمْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مُوسَى، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ صَلَّى الْبَرْدَيْنِ

دَخَلَ الْجَنَّةَ»، وَقَالَ ابْنُ رَجَاءٍ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ أَبِي جَمْرَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرِ بْنَ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ قَيْسٍ أَخْبَرَهُ بِهَذَا، حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، حَدَّثَنَا حَبَّانُ، حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا أَبُو جَمْرَةَ، عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ہم سے ہدبہ بن خالد نے بیان کیا، کہا ہم سے ہمام نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابوجمرہ نے بیان کیا، ابوبکر بن ابی موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ٹھنڈے وقت کی دو نمازیں (وقت پر) پڑھیں (فجر اور عصر) تو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ ابن رجاء نے کہا کہ ہم سے ہمام نے ابوجمرہ سے بیان کیا کہ ابوبکر بن عبداللہ بن قیس رضی اللہ عنہ نے انہیں اس حدیث کی خبر دی۔ ہم سے اسحاق نے بیان کیا، کہا ہم سے حبان نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہمام نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوجمرہ نے بیان کیا ابوبکر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے اپنے والد سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، پہلی حدیث کی طرح۔

"والحدیث" کالفظ ابوذر کی روایت میں ہے اس سے مراد عشاء کے بعد باتیں کرنا ہے بخاری رحمہ اللہ اس طرح کبھی حدیث کے فائدہ پر تنبیہ کر دیتے ہیں۔ حافظ نے کہا ہے کہ ہوسکتا ہے یہ لفظ وہم ہو یا یہ اس حدیث کی طرف اشارہ ہو جو باب فضل صلوۃ العصر کے تحت گذر چکی ہے۔

"قوله من صلي البردين" بردین سے مراد نماز فجر اور نماز عصر ہے، انہیں وقت اور جماعت کی پابندی کے ساتھ پڑھنے کا حکم ہے دوسری نمازوں کے وقتوں میں کبھی کبھار تاخیر ہو جائے تو قابل برداشت ہوتی ہے لیکن ان دو نمازوں میں تاخیر نہیں ہونی چاہیئے انہیں بردین کہا گیا ہے کیونکہ یہ دو نمازیں صبح اور شام دو ٹھنڈے وقتوں میں ادا کی جاتی ہیں۔

۲۷۔ بَابُ وَقْتِ الْفَجْرِ:

باب: نماز فجر کا وقت

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انبلاج کے بعد فجر کا وقت ہو جاتا ہے۔ افضلیت میں اختلاف ہے احناف کہتے ہیں کہ افضل یہ ہے کہ اچھی طرح روشنی ہونے پر نماز پڑھی جائے تاکہ لوگ اس وقت آسانی سے جمع ہو جائیں۔ وقت کے اعتبار سے وہ بھی کہتے ہیں کہ فجر کے اول و آخر وقت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اگر لوگ جمع ہوں تو اول وقت نماز پڑھنا بہتر ہے، جیسا کہ رمضان کے مہینے میں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں تو اول وقت نماز پڑھی جائے۔ احناف کی کتابوں میں درج ہے کہ فجر اور ظہر کی نمازوں کی تاخیر اس لیے نہیں ہے کہ ان کے وقت میں کوئی کراہت ہو بلکہ یہ تاخیر لوگوں کے لئے ہے۔ اگر لوگ جلدی آجائیں تو نماز پہلے پڑھ لو، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غلس میں نماز پڑھتے تھے، کیونکہ اس وقت لوگوں کو شوق ہوتا تھا۔ لیکن اب لوگوں میں سستی پیدا ہوگئی ہے۔ اس لیے تاخیر کی جاتی ہے۔ وہ قولی روایت "أسفروا بالفجر [1]" پیش کرتے ہیں حالانکہ آپ کا یہ فرمان بھی ان لوگوں کے لئے تھا جو آپ کی اقتدا میں آپ کے پیچھے نماز

[1] ترمذی ۱۵۴ ج ۱ ص ۲۸۹۔

پڑھتے تھے۔ اور آپ کی نماز غلس میں ہوتی تھی تو صحابہ کی نماز بھی غلس میں ہی ہوتی تھی لہذا اسفار کا معنی آپ کے ہاں یہی تھا کہ تبین ہوجائے۔ ایک روایت میں "أصبحوا[1]" بھی آتا ہے جو أسفروا کے معنی میں ہے حنفی کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے غلس میں بھی نماز پڑھی اور اسفار میں بھی لیکن آپ نے حکم اسفار کا دیا ہے اس لیے اسفار میں نماز پڑھنی چاہیئے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ حکم اسفار کا دیں اور خود غلس میں نماز پڑھیں اس لیے اسفار سے مراد تبین اور تحقق ہے اس سے مراد روشنی میں نماز پڑھنا نہیں ہے حنفی عبداللہ بن مسعود کی حدیث پیش کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے مزدلفہ میں جو نماز پڑھی تھی وہ صبح ہونے کے بعد پڑھی اس سے پہلے اس وقت آپ نے کبھی یہ نماز نہیں پڑھی تھی، معلوم ہوتا ہے کہ انبلاج ہوتے ہی نماز پڑھنا آپ کی عادت نہیں تھی۔ لیکن اسکا جواب یہ ہے کہ آپ نے انبلاج ہونے پر ہی نماز پڑھی تھی، مگر لوگوں کو شبہ تھا "قائل يقول: طلع الفجر وقائل يقول: لم يطلع[2]" انبلاج اور تبین میں پانچ، دس منٹ کا فاصلہ ہوتا ہے۔ اور انبلاج سے مراد یہ ہے کہ نیچے سے روشنی نکلنی شروع ہوجائے اس کے بعد وہ آفاق میں پھیل جائے، یہ تبین ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اسفار سے مراد یہ ہے کہ روشنی گلیوں میں پھیل جائے۔ جتنی زیادہ پھیلے گی اتنا ہی اجر وثواب زیادہ ملیگا کیونکہ حدیث میں ہے "كلما أسفرتم كان أعظم للأجر[3]" حالانکہ کلما کا معنی ہے جب بھی تم اسفار کرو یعنی موسم گرما یا سرما کا فرق نہیں ہے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ ہاڑ میں اتنا اسفار کرتے کہ سیال میں اتنا نہیں کرتے تھے ایسی روایات ضعیف ہیں۔ اسفار کا کسی موسم سے خاص تعلق نہیں ہے ہر موسم میں ہی تبین فجر ہونا چاہیئے۔

طحاوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ فجر کی نماز غلس میں شروع کرنی چاہیئے اور اتنی لمبی کی جائے کہ اسفار ہوجائے اسفروا بالفجر سے یہ مراد ہے۔ شافعی کہتے ہیں کہ غلس میں شروع ہو اور غلس میں ہی ختم ہونا چاہیئے یہ عمل سنت کے مطابق ہے ویسے اسفار میں نماز پڑھنا کسی کے نزدیک منع نہیں ہے حدیث میں ہے کہ جبریل علیہ السلام نے پہلے دن انبلاج کے وقت فجر کی نماز پڑھائی اور دوسرے دن اسفار میں پڑھائی۔ لیکن یہ بھی آتا ہے کہ اس وقت ستارے موجود تھے۔ ستارے ہوتے ہوئے تو اسفار میں نماز ثابت ہے۔

انور شاہ نے کہا ہے حدیث میں آتا ہے۔ حتى مات ولم يعد إلي أن يسفر[4] "پھر آپ نے فوت ہونے تک اسفار نہیں کیا، اسکا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اتنا اسفار نہیں کیا جتنا اس دن کیا تھا جس کا ذکر جبریل کی روایت میں آتا ہے اس دن تو اتنا اسفار کیا کہ ہم نے سمجھا کہ سورج نکل آیا ہے اتنا اسفار کبھی نہیں کیا۔ حالانکہ یہ اس روایت میں نہیں ہے اس میں تو آتا ہے کہ تارے موجود تھے، سورج چڑھنے والی روایت الگ ہے جس دن آپ دیر سے آئے

---

(1) سنن أبي داود ۴۲۴ ج ۱ ص ۱۱۵۔

(2) بخاری ۱۶۸۳ ج ۲ ص ۱۶۶۔

(3) مصنف ابن ابی شیبہ ۳۲۵۳ ج ۱ ص ۲۸۴۔

(4) سنن أبي داود ۳۹۴ ج ۱ ص ۱۰۷۔

تھے گھر میں سوئے ہوئے تھے کہ خواب میں اللہ تعالی کی زیارت ہوئی[1]۔ دونوں روایات الگ الگ ہیں اس نے اس سے جوڑ دیا ہے۔

٥٧٥ ـ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَاصِمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ زَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ حَدَّثَهُ، «أَنَّهُمْ تَسَحَّرُوا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ، قُلْتُ: كَمْ بَيْنَهُمَا، قَالَ: قَدْرُ خَمْسِينَ أَوْ سِتِّينَ»، يَعْنِي آيَةً.

ہم سے عمرو بن عاصم نے یہ حدیث بیان کی، کہا ہم سے ہمام نے یہ حدیث بیان کی قتادہ سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ ان لوگوں نے (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سحری کھائی، پھر نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں نے دریافت کیا کہ ان دونوں کے درمیان کس قدر فاصلہ رہا ہو گا۔ فرمایا کہ جتنا پچاس یا ساٹھ آیت پڑھنے میں صرف ہوتا ہے اتنا فاصلہ تھا۔

"قولہ قلت کم بینھما؟ قال قدر خمسین" احناف بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں نماز جلدی پڑھ لینی چاہیئے کیونکہ لوگ صبح کے وقت بیدار ہوتے ہیں لیکن جو وقت رمضان میں نماز پڑھنے کا بتایا گیا ہے یہ بہت ہی ابتدائی وقت ہے یا پھر سحری کا وقت ممتد مانا جائے۔ بعض لوگ انبلاج اور تبین میں فرق کرتے ہیں کہتے ہیں کہ انبلاج کا وقت مشترک ہوتا ہے۔ یہ سحری کھانے اور نماز پڑھنے میں مشترک ہے، اور تبین کے بعد سحری منع اور نماز جائز ہو جاتی ہے۔ حدیث میں آتا ہے "الفجر فجران فجر یحرم فیه الطعام ویحل فیه الصلوۃ[2]" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس وقت نماز حلال ہوتی ہے کھانا اس وقت حرام ہو جاتا ہے اور ایک فجر میں کھانا حلال اور نماز حرام ہوتی ہے لہذا فجریں دو ہیں ایک صبح صادق اور دوسری صبح کاذب۔

بعض کا یہ قول کہ انبلاج کا وقت مشترک ہوتا ہے اس کی کوئی دلیل نہیں ہے۔ سوائے اس کے کہ انور شاہ نے کہا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب تک تبیُّن نہ ہوا ہو کھانا کھانا جائز ہے۔ ابن حزم نے اس پر تنقید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص کمرے کے اندر ہو اور کھانا کھالے تو اس میں کوئی حرج نہیں؟ جبکہ باہر فجر ہو چکی ہو!!! کیونکہ قرآن کریم میں آیا ہے "وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم[3]......" یعنی تمہارے لئے جائز ہے کہ فجر ظاہر ہونے تک کھاتے پیتے رہو، اب اندر والے کو پتہ نہ چلے تو کیا کھاتا پیتا رہے کیونکہ اس کے لئے تبین نہیں ہوا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ کوئی شخص دروازہ بند کر کے کھا پی سکتا ہے۔ یہ عجیب فقاہت ہے۔

حافظ نے کہا ہے کہ سحری کرنے اور نماز پڑھنے میں "ثلث خمس ساعة" ہوتا ہے۔ پانچواں حصہ نکالنے

---

1. ترمذی ٣٢٣٥ ج ٥ ص ٣٢١ (التفسیر)
2. صحیح ابن خزیمہ ٣٥٦ ج ١ ص ١٨٤۔
3. البقرہ ١٨٧۔

کے بعد پھر اسکا تیسرا حصہ نکالنے کے بعد چار منٹ بنتے ہیں، لیکن یہ مبالغہ پر محمول ہوگا یعنی بہت کم وقت تھا یہ نہیں کہ اتنا ہی تھا۔

٥٧٦ ـ ح حَدَّثَنَا حَسَنُ بْنُ صَبَّاحٍ، سَمِعَ رَوْحًا، حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ نَبِيَّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ تَسَحَّرَا، فَلَمَّا فَرَغَا مِنْ سَحُورِهِمَا قَامَ نَبِيُّ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الصَّلَاةِ فَصَلَّى»، قُلْنَا لِأَنَسٍ: كَمْ كَانَ بَيْنَ فَرَاغِهِمَا مِنْ سَحُورِهِمَا وَدُخُولِهِمَا فِي الصَّلَاةِ؟ قَالَ: قَدْرُ مَا يَقْرَأُ الرَّجُلُ خَمْسِينَ آيَةً.

ہم سے حسن بن صباح نے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے روح بن عبادہ سے سنا، انہوں نے کہا ہم سے سعید نے بیان کیا، انہوں نے قتادہ سے روایت کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سحری کھائی، پھر جب وہ سحری کھا کر فارغ ہوئے تو نماز کے لیے اٹھے اور نماز پڑھی۔ ہم نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ آپ کی سحری سے فراغت اور نماز کی ابتداء میں کتنا فاصلہ تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ اتنا کہ ایک شخص پچاس آیتیں پڑھ سکے۔

٥٧٧ ـ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ أَبِي أُوَيْسٍ، عَنْ أَخِيهِ، عَنْ سُلَيْمَانَ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، أَنَّهُ سَمِعَ سَهْلَ بْنَ سَعْدٍ، يَقُولُ: «كُنْتُ أَتَسَحَّرُ فِي أَهْلِي، ثُمَّ يَكُونُ سُرْعَةٌ بِي أَنْ أُدْرِكَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا اپنے بھائی عبدالحمید بن ابی اویس سے، انہوں نے سلیمان بن بلال سے، انہوں نے ابی حازم سلمہ بن دینار سے کہ انہوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ صحابی سے سنا، آپ نے فرمایا کہ میں اپنے گھر سحری کھاتا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر پانے کے لیے مجھے جلدی کرنی پڑتی تھی۔

٥٧٨ ـ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ أَخْبَرَتْهُ، قَالَتْ: «كُنَّ نِسَاءُ الْمُؤْمِنَاتِ يَشْهَدْنَ مَعَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ مُتَلَفِّعَاتٍ بِمُرُوطِهِنَّ، ثُمَّ يَنْقَلِبْنَ إِلَى بُيُوتِهِنَّ حِينَ يَقْضِينَ الصَّلَاةَ لَا يَعْرِفُهُنَّ أَحَدٌ مِنَ الْغَلَسِ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں لیث نے خبر دی، انہوں نے عقیل بن خالد سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے انہیں خبر دی کہ مسلمان عورتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر پڑھنے چادروں میں لپٹ کر آتی تھیں۔ پھر نماز سے فارغ ہو کر جب اپنے گھروں کو واپس ہوتیں تو انہیں

اندھیرے کی وجہ سے کوئی شخص پہچان نہیں سکتا تھا۔

قولہ کن نساء المؤمنات "کن" جمع کا صیغہ "أکلونی البراغیث" کے قبیل سے ہے اور لفظ "نساء" کو المؤمنات کی طرف مضاف کرکے بھی پڑھتے ہیں "ای نساء الأنفس المؤمنات" اور مؤمنات کو نساء کی صفت ہونے کی بناء پر مرفوع بھی پڑھتے ہیں، اضافت کی صورت میں موصوف کی اپنی صفت کی طرف اضافت ہے جسے بصری علماء جائز نہیں سمجھتے، اس لیے ان کے ہاں اصل میں نساء الانفس المؤمنات ہوگا گویا المؤمنات الانفس کی صفت ہے اور "الانفس" سے مراد مرد ہیں یعنی مومن مردوں کی عورتیں۔

قولہ من الغلس انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ لفظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نہیں ہے کسی نچلے راوی کا ہے کیونکہ ایک روایت میں "تعنی من الغلس" آتا ہے حالانکہ تعنی والی روایت عمرہ کی ہے اور یہ روایت عروہ کی ہے اس میں تعنی نہیں ہے لہٰذا یہ لفظ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ہی ہے [1]۔

۲۸۔بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الْفَجْرِ رَكْعَةً:

باب: فجر کی ایک رکعت کا پانے والا

۵۷۹ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، وَعَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، وَعَنِ الْأَعْرَجِ يُحَدِّثُونَهُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصُّبْحِ رَكْعَةً قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الصُّبْحَ، وَمَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الْعَصْرِ قَبْلَ أَنْ تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَقَدْ أَدْرَكَ الْعَصْرَ».



ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا امام مالک سے، انہوں نے زید بن اسلم سے، انہوں نے عطاء بن یسار اور بسر بن سعید اور عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج سے، ان تینوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے فجر کی ایک رکعت (جماعت کے ساتھ) سورج نکلنے سے پہلے پالی اس نے فجر کی نماز (باجماعت کا ثواب) پالیا۔ اور جس نے عصر کی ایک رکعت (جماعت کے ساتھ) سورج ڈوبنے سے پہلے پالی، اس نے عصر کی نماز (باجماعت کا ثواب) پالیا۔

"قولہ من أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس فقد أدرك الصبح" بیہقی میں ہے "من

[1] حافظ رحمہ اللہ نے اس حدیث کے فوائد بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازِ فجر کو اس کے اول وقت میں جلدی پڑھنا مستحب ہے۔ اور عورتوں کا رات کی نماز کے لئے مسجد میں جانا جائز ہے جبکہ رات کی نماز کے لئے مسجد میں جاسکتی ہے تو دن کی نماز کے لئے بالاولی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ تب ہے جبکہ ان پر فتنہ کا اندیشہ نہ ہو۔ اس سے بعض نے استدلال کیا ہے کہ عورت ناک منہ لپیٹ کر نماز پڑھ سکتی ہے۔ لیکن دوسرے کہتے ہیں کہ یہ تو ان کے واپس آنے کی حالت ذکر ہوئی ہے۔



أدرك من الصبح ركعة قبل أن تطلع الشمس وركعة بعد ماتطلع فقد أدرك الصبح[1]" اور اس سے بھی واضح روایت حضرت ابوہریرہؓ کی ہے "من صلي ركعة من صلوة العصر قبل أن تغرب الشمس فلم تفته قال مثل ذلك في الصبح[2]" حافظ نے کہا ہے کہ ان احادیث سے طحاوی کی تردید ہوتی ہے جس نے اس حدیث کو بچے کی بلوغت اور حائضہ کی طہارت اور کافر کے مسلمان ہونے سے خاص کیا ہے اور یہ احادیث امام ابوحنیفہ کے بھی خلاف ہیں جو کہتے ہیں کہ جس شخص پر فجر کی نماز پڑھتے ہوئے سورج طلوع ہوجائے تو اسکی نماز ہی باطل ہوجائے گی۔

۲۹۔بَابُ مَنْ أَدْرَكَ مِنَ الصَّلاَةِ رَكْعَةً:

باب: جو کوئی کسی نماز کی ایک رکعت پالے، اس نے وہ نماز پالی

۵۸۰۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ أَدْرَكَ رَكْعَةً مِنَ الصَّلاَةِ فَقَدْ أَدْرَكَ الصَّلاَةَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا ہم سے امام مالک نے ابن شہاب سے، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے ایک رکعت نماز (باجماعت) پالی اس نے نماز (باجماعت کا ثواب) پالیا۔

یہ باب عام ہے کیونکہ اس میں پانچوں نمازیں داخل ہیں جبکہ اس سے پہلے آنے والا باب خاص ہے، کرمانی نے کہا ہے کہ ان دونوں تراجم میں فرق یہ ہے کہ اس سے پہلا باب اس شخص کے بارہ میں ہے جو نماز کے وقت میں بقدرِ رکعت پالیتا ہے۔ اور یہ باب نماز کی ایک رکعت پانے کے بارہ میں ہے۔ عام حدیث میں کوئی قرینہ پایا جائے تو اس کا تعلق جماعت سے ہوسکتا ہے جیسا کہ مسلم میں ہے "من أدرك ركعة من الصلوة مع الامام[3]" اس میں تو قرینہ پایا گیا ہے ورنہ حدیث مطلق کا تعلق وقت سے ہے جس کا مطلب ہے کہ ایک رکعت وقت میں پالے، تو دوسری رکعت بعد میں پڑھ لے اس حدیث میں جمعہ کی نماز بھی داخل ہوسکتی ہے کہ نماز جمعہ کی ایک رکعت پالے تو اس نے جمعہ کی نماز پالی، اگر ایک رکعت نہ پائے تو جمعہ نہیں پائے گا۔

---

[1] بیہقی ۱۷۷۵۔

[2] مسند احمد ۸۴۵۸ ۷ ج ۱۲ ص ۴۲۵ (بمعناه)

[3] مسلم (۱۶۲) ۶۰۷ ج ۱ ص ۴۲۴۔

۳۰۔ بَابُ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ [1]

باب: اس بیان میں کہ صبح کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک نماز پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے؟

۵۸۱۔ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَبِي الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: شَهِدَ عِنْدِي رِجَالٌ مَرْضِيُّونَ وَأَرْضَاهُمْ عِنْدِي عُمَرُ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَشْرُقَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ»۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ شُعْبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، سَمِعْتُ أَبَا الْعَالِيَةِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَاسٌ بِهٰذَا.

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ہشام دستوائی نے بیان کیا، انہوں نے قتادہ بن دعامہ سے، انہوں نے ابو العالیہ رفیع سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے فرمایا کہ میرے سامنے چند معتبر حضرات نے گواہی دی، جن میں سب سے زیادہ معتبر میرے نزدیک عمر رضی اللہ عنہ تھے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فجر کی نماز کے بعد سورج بلند ہونے تک اور عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا۔ ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے شعبہ سے، انہوں نے قتادہ سے کہ میں نے ابو العالیہ سے سنا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھ سے چند لوگوں نے یہ حدیث بیان کی۔ (جو پہلے ذکر ہوئی)۔



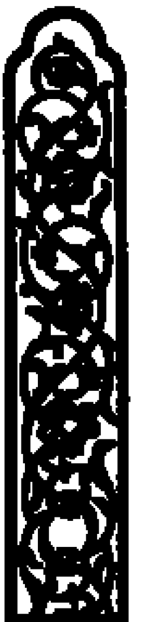
شرح بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ یہاں اوقاتِ مکروہ کا ذکر کرتے ہیں، اور اس میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں کہ اوقات مکروہ دو ہیں، بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ تین ہیں۔ احناف پانچ کے قائل ہیں، وہ کہتے ہیں کہ سورج کے طلوع، غروب اور استواء کے وقت نماز پڑھنا منع ہے۔ ہاں اس دن کی عصر کی نماز پڑھ سکتا ہے لیکن فجر اس دن کی بھی نہیں پڑھ سکتا، نہ نفل پڑھ سکتا ہے نہ قضائی دے سکتا ہے۔ اور نہ ہی نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ یہ تو ان تین وقتوں کے متعلق ہے، باقی عصر کے بعد اور فجر کے بعد قضاء نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ادا کر سکتا ہے۔ کیونکہ یہ سجدہ تلاوت کو واجب سمجھتے ہیں۔ امام مالک سجدہ تلاوت ان اوقات میں ممنوع سمجھتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک یہ سنت ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں جو نمازیں ذوات الاسباب ہیں وہ اس نہی سے مستثنیٰ ہیں، ان کے نزدیک دراصل اوقات

---

[1] حافظ نے اس ترجمہ کے بعد "یعنی ما حکمها"؟ مقدر مانا ہے کہ اس وقت نماز پڑھنے کا حکم کیا ہے؟ عینی نے اسی حکم کے لفظ کو شروع میں لا کر کہا "أی هٰذا باب فی بیان حکم الصلوٰۃ بعد صلوٰۃ الفجر إلی أن ترتفع الشمس" اور حافظ کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ہماری تقدیر سے ترجمہ باب کے بعد "ما حکمها" کی تقدیر کی ضرورت باقی نہیں رہ جاتی، حالانکہ یہ بھی تو تقدیر ہے جو عینی نے اختیار کی ہے صرف تقدیم و تاخیر کا فرق ہے، کہ حافظ نے اسے مؤخر مانا ہے اور عینی نے اسے مقدم کر دیا ہے۔



مکروہ تین ہیں۔ استواء اور طلوع سے پہلے فجر کے بعد اور عصر کے بعد غروب تک، مالکی دو وقت کہتے ہیں یہ استواء کو نکال دیتے ہیں۔ اور استواء کی روایات کو امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی نظر انداز کر دیا ہے حالانکہ یہ روایات مسلم وغیرہ میں ہیں۔ کیونکہ استواء کا وقت مجہول سا ہے۔ طلوع اور غروب کو تو دیکھا جاسکتا ہے کہ سورج طلوع ہو رہا ہے یا غروب ہو رہا ہے۔ استواء کا علم نہیں ہوتا۔ اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں نے مدینے کے علماء کو دیکھا کہ وہ اس وقت نماز پڑھنے کی تحری کرتے تھے، حالانکہ اسکی نہی کی روایت امام مالک نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ یہ ان کے ہاں کراہت تنزیہی ہوگی۔ اور امام مالک اہل مدینہ کے عمل کو حجت سمجھتے تھے۔ لیکن بخاری نے ان روایات کی طرف التفات نہیں کیا۔ کیونکہ وہ ان کی شرط پر نہیں ہیں اور یہ وقت ایک آن ہوتا ہے اور اس میں نماز پڑھی ہی نہیں جاسکتی علم ھیأۃ والوں نے ایک روایت بنائی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے جبریل سے پوچھا کیا سورج ڈھل گیا ہے؟ کہا أزالت الشمس جبریل علیہ السلام نے کہا لانعم پہلے کہا کہ نہیں زائل ہوا پھر نعم کہہ دیا گویا کہ اتنا ہی وقت ہے بہرحال احناف اور شوافع کا اختلاف ہے حنفی کہتے ہیں کہ طلوع اور غروب اور استواء کے وقت کچھ بھی نہیں پڑھ سکتا، اور بعد العصر اور بعد الفجر واجبات ادا کرسکتا ہے۔ انور شاہ نے عجیب بات کی ہے اور کہا کہ ہماری دلیل واجبات ادا کرنے کے جواز پر یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جس شخص کے وتر رہ جائیں وہ صبح کے وقت پڑھ لے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح کی نماز کے بعد نماز پڑھنا جائز ہے۔ حالانکہ اس حدیث میں صبح ہونا مراد ہے صبح کی نماز مراد نہیں ہے بعض روایات میں "من اصبح" کے لفظ آتے ہیں امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ صبح کی نماز سے پہلے وتر پڑھے جاسکتے ہیں حافظ نے کہا ہے کہ ذات الأسباب نمازیں پڑھی جاسکتی ہیں کیونکہ حدیث میں تحری سے روکا گیا ہے۔ اور ذات الاسباب نمازیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کی گئی ہیں ان میں تحری نہیں ہوتی، تحری مطلق نوافل میں ہوتی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ پیش کی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن خطبے کے دوران آنے والوں کو دو رکعت (تحیۃ المسجد) پڑھنے کی اجازت دی ہے حالانکہ دوران خطبہ نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوقات مکروھہ میں ذات الأسباب کی اجازت ہے حافظ رحمہ اللہ نے اسے عام کر دیا ہے شوکانی نے کہا ہے کہ یہ بات حافظ کے مذھب کے مطابق ہے ورنہ حدیث کا تقاضا تو یہ ہے کہ بالکل نماز نہ پڑھی جائے۔ نہ ذات الاسباب پڑھی جائیں اور نہ واجبات وغیرہ۔ گویا نہ حنفیوں کی استثنیٰ درست ہے اور نہ ہی شافعیوں کی۔ اور کہا ہے کہ ان اوقات مکروہ میں مسجد میں داخل ہی نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ عجیب بات کر دی ہے کہ عصر کے بعد اور فجر کے بعد غروب اور طلوع تک مسجد میں ہی نہ آئے۔ اور تحیۃ المسجد واجب نہیں اگر مسجد میں آئے اور تحیۃ المسجد نہ پڑھے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

موطا میں حدیث آتی ہے حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ کوہِ طور کی زیارت کے لئے گئے انہیں ابوبصرہ غفاری صحابی ملے انہوں نے کہا کہ آپ کوہِ طور پر کیوں گئے؟ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تین مساجد کے علاوہ کسی اور جگہ کا سفر نہیں کرنا چاہیئے "لاتشد الرحال الا الی ثلاثة مساجد المسجد الحرام والمسجد الاقصیٰ

---

[1] مصنف عبدالرزاق ۴۵۸۵ ج ۳ ص ۷۔

ومسجدی ھذا[1]" اس کے بعد عبداللہ بن سلام سے ملاقات ہوئی انہوں نے ساعت سے متعلق حدیث بیان کی کہ وہ ساعت جمعہ کے دن عصر کے بعد آتی ہے انہوں نے کہا کہ عصر کے بعد تو نماز نہیں پڑھی جاتی جبکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص اس ساعت میں نماز پڑھتے ہوئے دعاء کرے تو وہ دعا قبول ہوتی ہے عصر کے بعد تو نماز کا وقت ہی نہیں ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ جو شخص باوضوء مسجد میں بیٹھا ہو وہ نماز میں ہی ہوتا ہے[2]، لہذا اس طرح اس گھڑی کو عصر کے بعد پا سکتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ بڑی تاویل ہے اگر صحابی نے نہ کی ہوتی تو قابل تسلیم نہ ہوتی، میرا بیان کرنے کا مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عبداللہ بن سلام اس بات پر متفق ہو گئے ہیں کہ بعد از عصر نماز کا وقت نہیں ہے۔ تحیۃ المسجد اس وقت نہیں پڑھنی چاہیئے۔ اور تحیۃ المسجد کی احادیث کو اتنا عام نہیں کرنا چاہیئے، جتنا شافعی کرتے ہیں اور وہ اسے ہمیشہ جائز سمجھتے ہیں امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ اس وقت میں طواف کی سنتیں پڑھی جا سکتی ہیں، حنفی ان دو سنتوں کے قائل نہیں ہیں، کہتے ہیں کہ یہ طبعاً واجب ہوتی ہیں، مستقل واجب نہیں ہیں، اس طرح تو سجدہ تلاوت بھی مستقل واجب نہیں ہے آیت سجدہ پڑھنے کی وجہ سے کیا جا سکتا ہے جنازہ بھی طبعاً کسی کے مرنے پر پڑھا جاتا ہے وہ بھی اس وقت نہیں پڑھنا چاہیئے حالانکہ اس کی اجازت دیتے ہیں ابن حزم کا خیال یہ ہے کہ تمام اوقات مکروھہ میں نماز جائز ہے اور ممانعت "من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس" سے منسوخ ہے طحاوی "من أدرك ركعة من العصر قبل أن تغرب الشمس" حدیث کو منسوخ مانتا ہے ابن حزم اس حدیث کو ناسخ مانتا ہے۔

٥٨٢ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَ: أَخْبَرَنِي ابْنُ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَا تَحَرَّوْا بِصَلَاتِكُمْ طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے ہشام بن عروہ سے، انہوں نے کہا کہ مجھے میرے والد عروہ نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نماز پڑھنے کے لیے سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھے رہو۔

٥٨٣ ـ وَقَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَرْتَفِعَ، وَإِذَا غَابَ حَاجِبُ الشَّمْسِ فَأَخِّرُوا الصَّلَاةَ حَتَّى تَغِيبَ». تَابَعَهُ عَبْدَةُ.

عروہ نے کہا مجھ سے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب سورج کا اوپر کا کنارہ طلوع ہونے لگے تو نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ بلند ہو جائے۔ اور جب سورج

---

[1] مسند احمد ۲۳۸۵۰ ج۳۹ ص ۲۷۰ (اسنادہ صحیح)۔

[2] مؤطا مالک ۱۶ ج ۱ ص ۱۰۸۔ کتاب الجمعہ

ڈوبنے لگے اس وقت بھی نماز نہ پڑھو، یہاں تک کہ غروب ہو جائے۔ اس حدیث کو یحییٰ بن سعید قطان کے ساتھ عبدہ بن سلیمان نے بھی روایت کیا ہے۔

٥٨٤ ـ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ خُبَيْبِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى عَنْ بَيْعَتَيْنِ وَعَنْ لِبْسَتَيْنِ وَعَنْ صَلَاتَيْنِ نَهَى عَنِ الصَّلَاةِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ، وَعَنِ اشْتِمَالِ الصَّمَّاءِ، وَعَنِ الِاحْتِبَاءِ فِي ثَوْبٍ وَاحِدٍ يُفْضِي بِفَرْجِهِ إِلَى السَّمَاءِ، وَعَنِ الْمُنَابَذَةِ وَالْمُلَامَسَةِ».

ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے ابی اسامہ کے واسطے سے بیان کیا۔ انہوں نے عبیداللہ بن عمر سے، انہوں نے خبیب بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے حفص بن عاصم سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو طرح کی خرید و فروخت اور دو طرح کے لباس اور دو وقتوں کی نمازوں سے منع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور نماز عصر کے بعد غروب ہونے تک نماز پڑھنے سے منع فرمایا (اور کپڑوں میں) اشتمال صماء یعنی ایک کپڑا اپنے اوپر اس طرح لپیٹ لینا کہ شرمگاہ کھل جائے۔ اور (احتباء) یعنی ایک کپڑے میں گوٹ مار کر بیٹھنے سے منع فرمایا۔ (اور خرید و فروخت میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منابذہ اور ملامسہ سے منع فرمایا۔

شرح بخاری

قولہ لاتحروا بصلاتکم تحری کرنا منع ہے اس لیے امام شافعی نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص سویا ہوا اٹھا ہے تو وہ اس وقت نماز پڑھ لے جان بوجھ کو اس وقت نماز نہیں پڑھنی چاہیئے حنفی کہتے ہیں کہ اس دن کی عصر کی نماز پڑھ سکتا ہے شافعی کہتے ہیں کہ عذر کی بنا پر فجر کی نماز بھی پڑھ سکتا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ بھی تحری کو منع سمجھتا ہے اور ذات الأسباب نمازوں میں تحری نہیں ہوتی، کیونکہ وہ تو شریعت نے مقرر کی ہیں۔ انور شاہ نے بھی کہا ہے کہ ظاہر مذہب تو شافعیوں کا ہی ہے، مگر ہمارے مذہب میں بھی بات بن جاتی ہے۔ کیونکہ شریعت نے ان اوقات میں نماز سے منع کر دیا ہے۔ اگرچہ تحری نہ کرے لیکن وہ بمنزلہ تحری کے ہی ہے اس پر اعتراض یہ ہے کہ کوئی شخص نیند سے اٹھا ہے تو یہ تحری نہیں ہے۔

٣١۔ بَابُ لَا يَتَحَرَّى الصَّلَاةَ قَبْلَ غُرُوبِ الشَّمْسِ:

باب: اس بارے میں کہ سورج چھپنے سے پہلے قصد کر کے نماز نہ پڑھے

لایتحری کا فاعل محذوف ہے جو کہ المصلی ہے اور الصلوۃ مفعول ہے ایک نسخہ لاتتحری مجہول کے ساتھ ہے اس صورت میں "الصلوۃ" نائب فاعل ہوگا۔

٥٨٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ

رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا يَتَحَرَّى أَحَدُكُمْ فَيُصَلِّي عِنْدَ طُلُوعِ الشَّمْسِ وَلَا عِنْدَ غُرُوبِهَا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہ کہا ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کوئی تم میں سے انتظار میں نہ بیٹھا رہے کہ سورج طلوع ہوتے ہی نماز کے لیے کھڑا ہو جائے، اسی طرح سورج کے ڈوبنے کے انتظار میں بھی نہ رہنا چاہیے۔

٥٨٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءُ بْنُ يَزِيدَ الْجُنْدَعِيُّ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، يَقُولُ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «لَا صَلَاةَ بَعْدَ الصُّبْحِ حَتَّى تَرْتَفِعَ الشَّمْسُ، وَلَا صَلَاةَ بَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغِيبَ الشَّمْسُ».

ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے صالح سے یہ حدیث بیان کی، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے کہا مجھ سے عطاء بن یزید جندعی لیثی نے بیان کیا کہ انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا۔ انہوں نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ فجر کی نماز کے بعد کوئی نماز سورج کے بلند ہونے تک نہ پڑھی جائے، اسی طرح عصر کی نماز کے بعد سورج ڈوبنے تک کوئی نماز نہ پڑھی جائے۔



٥٨٧ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، قَالَ: سَمِعْتُ حُمْرَانَ بْنَ أَبَانَ يُحَدِّثُ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، قَالَ: «إِنَّكُمْ لَتُصَلُّونَ صَلَاةً لَقَدْ صَحِبْنَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَمَا رَأَيْنَاهُ يُصَلِّيهَا، وَلَقَدْ نَهَى عَنْهُمَا يَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ».

ہم سے محمد بن ابان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے غندر محمد بن جعفر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے حدیث بیان کی ابو التیاح یزید بن حمید سے، کہا کہ میں نے حمران بن ابان سے سنا، وہ معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کرتے تھے کہ انھوں نے فرمایا کہ تم لوگ تو ایک ایسی نماز پڑھتے ہو کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں رہے لیکن ہم نے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ نماز پڑھتے نہیں دیکھا۔ بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس سے منع فرمایا تھا۔ معاویہ رضی اللہ عنہ کی مراد عصر کے بعد دو رکعتوں سے تھی (جسے آپ کے زمانہ میں بعض لوگ پڑھتے تھے)۔



٥٨٨ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سَلَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدَةُ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ خُبَيْبٍ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «نَهَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

صَلَاتَيْنِ بَعْدَ الْفَجْرِ حَتَّى تَطْلُعَ الشَّمْسُ، وَبَعْدَ الْعَصْرِ حَتَّى تَغْرُبَ الشَّمْسُ».

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدہ نے بیان کیا، انہوں نے عبیداللہ سے خبر دی، انہوں نے خبیب سے، انہوں نے حفص بن عاصم سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو وقت نماز پڑھنے سے منع فرمایا، نماز فجر کے بعد سورج نکلنے تک اور نماز عصر کے بعد سورج غروب ہونے تک۔

"قوله فمارأيناه يصليها" کسی کا نہ دیکھنا نفی کی دلیل نہیں ہے، جبکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا ہے اور انہوں نے اسکا اثبات کیا ہے، آپ نے اس سے منع کیوں کیا ہے؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر عصر کے بعد نماز پڑھنے کی اجازت دیدی جائے تو لوگ غروب کے وقت بھی نماز پڑھنا شروع کردیں گے۔ اسی طرح نماز فجر کے بعد نماز کی اجازت دے دی جائے تو لوگ طلوع کے وقت بھی نماز پڑھنا شروع کردیں گے اس لیے روکا گیا ہے اصل میں طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھنا ممنوع ہے باقی وقتوں میں منع نہیں ہے۔ جیسا کہ ابوداؤد میں صحیح سند سے مروی ہے "ان النبی ﷺ نهي عن الصلوة بعد العصر الا والشمس مرتفعة[1]" لہٰذا سورج اونچا ہو تو پڑھ سکتا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ روکنے کی وجہ یہ ہے تاکہ سورج زرد ہونے پر نماز شروع نہ ہو جائے۔ فجر میں بھی طلوع کے وقت منع ہے۔

۳۲-بَابُ مَنْ لَمْ يَكْرَهِ الصَّلَاةَ إِلَّا بَعْدَ الْعَصْرِ وَالْفَجْرِ:

باب: اس شخص کی دلیل جس نے فقط عصر اور فجر کے بعد نماز کو مکروہ رکھا ہے

رَوَاهُ عُمَرُ، وَابْنُ عُمَرَ، وأبو سعيد، وأبو هريرة

اس کو عمر، ابن عمر، ابوسعید اور ابوہریرہ رضوان اللہ علیہم نے بیان کیا۔

۵۸۹۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: «أُصَلِّي كَمَا رَأَيْتُ أَصْحَابِي يُصَلُّونَ، لَا أَنْهَى أَحَدًا يُصَلِّي بِلَيْلٍ وَلَا نَهَارٍ مَا شَاءَ، غَيْرَ أَنْ لَا تَحَرَّوْا طُلُوعَ الشَّمْسِ وَلَا غُرُوبَهَا».

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے ایوب سے کہا، انہوں نے نافع سے، انہوں نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے، آپ نے فرمایا کہ جس طرح میں نے اپنے ساتھیوں کو نماز پڑھتے دیکھا، میں بھی اسی طرح نماز پڑھتا ہوں، کسی کو روکتا نہیں۔ دن اور رات کے جس حصہ میں جی چاہے نماز پڑھ سکتا ہے، البتہ سورج کے طلوع اور غروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو۔

امام مالک کے قول کے مطابق مکروہ وقت دو ہو گئے ایک بعد العصر غروب تک اور دوسرا بعد الفجر طلوع تک، استواء کو خارج کردیا۔ جن اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے وہ پانچ اوقات ہیں۔ طلوع کے وقت، غروب کے وقت، فجر کے

[1] سنن ابی داؤد ۱۲۷۴ ج ۲ ص ۲۴۔

بعد، عصر کے بعد اور استواء کے وقت۔ بعض نے انہیں تین بنادیا ہے۔ فجر کے بعد طلوع شمس تک، عصر کے بعد غروب شمس تک اور استواء کے وقت۔ گویا طلوع اور غروب کے وقت بھی اس میں داخل ہیں، بخاری رحمہ اللہ نے استواء کو ذکر نہیں کیا، ان کے نزدیک یہ احادیث ان کی شرط پر نہیں ہیں۔

۳۳۔بَابُ مَا يُصَلَّى بَعْدَ الْعَصْرِ مِنَ الْفَوَائِتِ وَنَحْوِهَا:

باب: عصر کے بعد قضاء نمازیں یا اس کے مانند مثلاً جنازہ کی نماز وغیرہ پڑھنا

قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ كُرَيْبٌ: عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ الْعَصْرِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَالَ: شَغَلَنِي نَاسٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ عَنِ الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الظُّهْرِ.

اور کریب نے ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے واسطہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد دو رکعات پڑھیں، پھر فرمایا کہ بنو عبد القیس کے وفد سے گفتگو کی وجہ سے ظہر کی دو رکعتیں نہیں پڑھ سکا تھا۔



عصر کی نماز کے بعد فوت شدہ نماز کی قضاء دی جاسکتی ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ قضاء واجبات کی ہوتی ہے۔ سنن یا نوافل کی قضاء نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عام لفظ ذکر کیا ہے۔ کیونکہ حدیث میں سنتوں کی قضاء کا ذکر ہے، بخاری نماز فجر کے بعد قضاء کا باب نہیں لائے، حالانکہ عصر اور فجر کے بعد قضاء کا حکم ایک ہی ہے۔ کیونکہ عصر کے بعد ظہر کی سنتیں قضاء تھیں جبکہ فجر کی سنتوں کو قضاء نہیں کہا جاسکتا، اس لیے کہ یہ انکا وقت ہوتا ہے جیسا کہ ظہر کی پہلی سنتیں اگر رہ جائیں تو ظہر کی نماز کے بعد پڑھ سکتا ہے اور بعد میں پڑھنے کو کوئی قضاء نہیں کہتا، حنفی بھی اسے اداء ہی کہتے ہیں اور انہیں پچھلی سنتیں پڑھنے کے بعد اداء کیا جائے گا اگر قضاء ہوتا تو انہیں مقدم کرنا چاہیئے۔ ایسے ہی صبح کی سنتیں پہلے رہ جائیں تو بعد میں اداء ہی ہونگی۔

شرح بخاری

قوله ونحوها حافظ نے اس سے ذوات الأسباب نمازیں مراد لی ہیں، حنفی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے مراد واجبات ہیں جیسے نماز جنازہ، سجدہ تلاوت وغیرہ۔

قوله صلى النبي ﷺ بعد العصر ركعتين نماز ظہر کے بعد والی دو رکعتیں رہ گئی تھیں جو آپ نے عصر کے بعد پڑھیں یہ ایک دن کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد ام المومنین نے سوال کیا "أنقضيهما إذا فاتتا؟ قال: لا"[1] کہتے ہیں کہ سیوطی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے، بعض اسے صحیح قرار نہیں دیتے۔ وہ کہتے ہیں کہ "أنقضيهما" کے جملہ کا اضافہ حماد کی طرف سے ہے اور حماد اس وقت متغیر ہوگیا تھا اس لئے صحیح نہیں ہے دیگر روایات میں یہ لفظ نہیں آتا اس لئے بخاری نے بھی ان الفاظ کو نظر انداز کردیا ہے۔ انہوں نے اسے نبی علیہ السلام کا خاصہ قرار نہیں دیا۔ بلکہ استدلال کیا ہے کہ عصر کے بعد فوت شدہ نماز پڑھی جاسکتی ہے۔



۵۹۰۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ أَيْمَنَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «وَالَّذِي ذَهَبَ بِهِ مَا تَرَكَهُمَا حَتَّى لَقِيَ اللهَ، وَمَا لَقِيَ اللهَ تَعَالَى حَتَّى

[1] مسند أبي يعلى ۷۰۲۸، ج ۱۲ ص ۴۵۷، مسند احمد ۲۶۶۷۸ ج ۴۴ ص ۲۷۶۔

ثَقُلَ عَنِ الصَّلَاةِ، وَكَانَ يُصَلِّي كَثِيرًا مِنْ صَلَاتِهِ قَاعِدًا تَعْنِي الرَّكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ. وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّيهِمَا. وَلَا يُصَلِّيهِمَا فِي الْمَسْجِدِ مَخَافَةَ أَنْ يُثَقِّلَ عَلَى أُمَّتِهِ، وَكَانَ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُمْ».

ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، کہ کہا ہم سے عبدالواحد بن ایمن نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے میرے باپ ایمن نے حدیث بیان کی کہ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، آپ نے فرمایا کہ اللہ کی قسم! جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے یہاں بلالیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد کی دو رکعات کو کبھی ترک نہیں فرمایا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم، اللہ پاک سے جاملے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات سے پہلے نماز پڑھنے میں بڑی دشواری پیش آتی تھی۔ پھر اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز ادا فرمایا کرتے تھے۔ اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں پوری پابندی کے ساتھ پڑھتے تھے لیکن اس خوف سے کہ کہیں (صحابہ بھی پڑھنے لگیں اور اس طرح) امت کو گراں باری ہو، انہیں آپ ﷺ مسجد میں نہیں پڑھتے تھے۔ آپ ﷺ کو اپنی امت کا ہلکا رکھنا پسند تھا۔

"قولہ تعنی الرکعتین بعد العصر" اس کا تعلق "ماترکھما حتی لقی اللہ" سے ہے، "وکان یصلی کثیرًا من صلوتہ قاعدًا" سے اسکا تعلق نہیں ہے لہذا یہ معنی نہیں ہے کہ عصر کے بعد کی رکعتیں آپ بیٹھ کر پڑھتے ہوں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اسے آپ کا خاصہ نہیں سمجھتی تھیں۔ ان کی رائے یہ تھی کہ ہم بھی انہیں پڑھ سکتے ہیں اور وہ پڑھتی تھیں عبداللہ بن زبیر کو بتایا وہ بھی پڑھتے تھے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ بھی پڑھتے تھے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے منع کیا تھا کہ کیوں پڑھتے ہو انہوں نے کہا کہ نبی کریم علیہ السلام نے فجر اور عصر کے بعد نماز پڑھنے سے اس لئے روکا ہے تاکہ نماز طلوع یا غروب کے وقت نہ ہوجائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا سارے لوگ آپ جیسے نہیں ہیں اس لیے نہ پڑھیں لوگ آپ کو پڑھتے ہوئے دیکھ کر کہیں گے کہ زبیر یہ نماز پڑھتا ہے وہ بھی پڑھیں گے ان کو کیا معلوم کہ کیوں منع کیا گیا ہے جبکہ نبی کریم علیہ السلام نے روکا ہے تو رک جانا چاہیئے علت نہیں دیکھنی چاہیئے کہ علت کیا ہے۔

ان سنتوں کے متعلق بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ بڑی موکد سنتیں ہیں۔ اور آپ نے ہمیشہ پڑھی ہیں گویا کہ فجر کی سنتوں کے برابر ہیں آپ نے ایک دن ظہر کی سنتیں عصر کے بعد پڑھی تھیں یہ تو قضاء تھی حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ یہ دراصل مستقل نماز ہے۔ اس لیے وہ ہمیشہ پڑھا کرتی تھیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خیال ہے کہ یہ نماز نبی اکرم ﷺ مسجد میں اس لئے نہیں پڑھتے تھے تاکہ لوگ دیکھ کر شروع نہ کردیں اور جس چیز سے روکا گیا ہے وہی نہ ہونے لگے۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام جو نماز شروع کرتے تھے اس پر مداومت کرتے تھے یہ مداومت کرنا عجیب ہے اس کا معنی دراصل جو میں نے سمجھا ہے وہ یہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام جو عمل کرتے تھے اس پر مداومت کرتے تھے، لہذا ظہر کے بعد کی ان دو رکعتوں پر بھی آپ مداومت کرتے تھے۔

ایک دن وفد کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے یہ دو رکعات چھوٹ گئیں۔ جو کہ مداومت کے خلاف تھا اس لیے آپ نے عصر کے بعد ان کی قضائی دی تاکہ مداومت برقرار رہے۔ یہ نہیں ایک دفعہ اگر یہ نماز چھوٹ جائے اور عشاء کے وقت قضائی دے تو ہمیشہ عشاء کے وقت ہی پڑھنا شروع کر دے۔ یہ اسکا مفہوم نہیں ہے۔

۵۹۱ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبِي، قَالَتْ عَائِشَةُ ابْنَ أُخْتِي «مَا تَرَكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ السَّجْدَتَيْنِ بَعْدَ الْعَصْرِ عِنْدِي قَطُّ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ قطان نے بیان کیا، کہا ہم سے ہشام بن عروہ نے بیان کیا، کہا کہ مجھے میرے باپ عروہ نے خبر دی، کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میرے بھانجے! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کے بعد کی دو رکعات میرے یہاں کبھی ترک نہیں کیں۔

۵۹۲ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ الْأَسْوَدِ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «رَكْعَتَانِ لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَعُهُمَا سِرًّا وَلَا عَلَانِيَةً، رَكْعَتَانِ قَبْلَ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَرَكْعَتَانِ بَعْدَ الْعَصْرِ»[1].

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا، کہا ہم سے شیبانی نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالرحمٰن بن اسود نے بیان کیا، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے فرمایا کہ دو رکعتوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ترک نہیں فرمایا، پوشیدہ ہو یا عام لوگوں کے سامنے، صبح کی نماز سے پہلے دو رکعات اور عصر کی نماز کے بعد دو رکعات۔

"قوله سرًّا و علانية" اس سے قبل آیا ہے کہ آپ یہ دو رکعتیں مسجد میں علانیہ نہیں پڑھتے تھے۔ یہاں ہے کہ آپ نے یہ رکعتیں سرًّا و علانیۃً چھوڑی نہیں مطلب یہ ہے کہ علانیہ بھی پڑھتے تھے تو اس کا جواب یہ ہے کہ آپ مسجد میں علانیہ نہیں پڑھتے تھے لیکن عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس سرًّا و علانیۃ پڑھتے تھے یعنی سرًّا و علانیۃ کا تعلق حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ہے کہ وہ دیکھتی ہوتیں یا نہ دیکھتی ہوتیں ہر حال میں پڑھتے تھے کیونکہ آپ یہ

---

[1] ان دو رکعتوں کے بارہ میں بیہقی نے کہا ہے کہ ان پر ہمیشگی نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ اصل قضاء آپ کے ساتھ خاص نہیں ہے ان کی قضائی عصر کے بعد اب بھی دی جاسکتی ہے۔ باقی جو حدیث ام سلمۃ سے مروی ہے "فقلت يارسول الله أنقضيهما إذا فاتتا؟ فقال: لا" بیہقی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔ اس پر شیخ ابن باز رحمہ اللہ نے اپنے بخاری کے مختصر حاشیہ میں کہا ہے کہ بیہقی کی بات درست نہیں ہے بلکہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث حسن درجے کی ہے جیسا کہ مسند احمد میں ہے لہذا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ظہر کی سنتوں کو عصر کے بعد قضاء کرنا نبی اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے۔ طحاوی بھی خصوصیت کے ہی قائل ہیں۔

رکعتیں گھر میں ہی پڑھتے تھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ خواہ میں دیکھوں یا نہ دیکھوں اس کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

٥٩٣ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَرْعَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ، قَالَ رَأَيْتُ الأَسْوَدَ، وَمَسْرُوقًا شَهِدَا عَلَى عَائِشَةَ، قَالَتْ: «مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينِي فِي يَوْمٍ بَعْدَ العَصْرِ إِلَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ».

ہم سے محمد بن عرعرہ نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے ابواسحاق سے بیان کیا، کہا کہ ہم نے اسود بن یزید اور مسروق بن اجدع کو دیکھا کہ انھوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس کہنے پر گواہی دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی میرے گھر میں عصر کے بعد تشریف لائے تو دو رکعت ضرور پڑھتے۔

٣٤۔ بَابُ التَّبْكِيرِ بِالصَّلاَةِ فِي يَوْمِ غَيْمٍ [1]

باب: بادل والے دنوں میں نماز کے لیے جلدی کرنا (یعنی سویرے پڑھنا)

٥٩٤ ۔ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، أَنَّ أَبَا المَلِيحِ حَدَّثَهُ، قَالَ: كُنَّا مَعَ بُرَيْدَةَ فِي يَوْمٍ ذِي غَيْمٍ، فَقَالَ: بَكِّرُوا بِالصَّلَاةِ فَإِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ تَرَكَ صَلَاةَ العَصْرِ حَبِطَ عَمَلُهُ».

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کیا، وہ قلابہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابوالملیح عامر بن اسامہ ہذلی نے ان سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم ابر کے دن ایک مرتبہ بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ صحابی کے ساتھ تھے، انہوں نے فرمایا کہ نماز سویرے پڑھا کرو۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس نے عصر کی نماز چھوڑی اس کا عمل اکارت ہو گیا۔

شرح بخاری

"قوله بکروا بالصلوة" یہ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے ورنہ نبی کریم علیہ السلام کی حدیث "من ترك صلوة العصر حبط عمله" ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت بریدة کے قول پر ترجمہ باب قائم کیا ہے چاہیے تھا کہ حدیث کے ساتھ ترجمہ باب لاتے۔ حافظ نے اسکا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کی عادت ہے کہ وہ حدیث

---

[1] اس ترجمہ باب سے متعلق حافظ نے کہا ہے کہ اس کا تعلق بریدہ رضی اللہ عنہ کے قول سے ہے جو حدیث کے ساتھ ذکر ہے اس کا تعلق حدیث سے نہیں ہے کیونکہ بخاری کبھی بعض ان لفظوں کے ساتھ بھی ترجمہ باب لے آتے ہیں جس پر لفظ حدیث مشتمل ہوتا ہے۔ اس پر عینی اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہاں تو ترجمہ باب نہ لفظ حدیث پر مشتمل ہے اور نہ اس کے بعض پر۔ جبکہ حافظ کی یہ مراد نہیں ہے کہ ترجمہ لفظ حدیث پر یا اس کے بعض پر مشتمل ہوتا ہے بلکہ حافظ کی مراد یہ ہے کہ کبھی ترجمہ باب ان دیگر الفاظ پر مشتمل ہوتا جن کو لفظ حدیث مشتمل ہوتا ہے جیسا کہ یہاں ترجمہ بریدة کے الفاظ سے متعلق ہے جسے لفظ حدیث مشتمل ہے۔

میں آنے والے الفاظ میں سے بعض کے ساتھ ترجمہ باب قائم کرتے ہیں، خواہ وہ الفاظ ذکر نہ کئے ہوں بلکہ اگرچہ ان کی شرط پر نہ ہوں۔ جبکہ بریدة کا قول نبی کریم علیہ السلام سے بھی ثابت ہے سنن سعید بن منصور میں عبدالعزیز بن رفیع سے مروی ہے وہ کہتے ہیں "بلغنا أن رسول الله ﷺ قال: عجلوا صلوة العصر فی یوم الغیم"[1] مرسل ہونے کے باوجود اسکی سند قوی ہے۔ اور تبکیر سے مراد یہ ہے کہ نماز کو اول وقت پڑھ لیا جائے اور بادل کے دن عصر کی نماز کو جلدی پڑھنے کا حکم ہے تاکہ تاخیر کی صورت میں سورج ہی زرد نہ ہو جائے۔

۳۵۔ بَابُ الْأَذَانِ بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ:

باب: وقت نکل جانے کے بعد نماز پڑھتے وقت اذان دینا

۵۹۵ ۔ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ فُضَيْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُصَيْنٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: سِرْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمِ: لَوْ عَرَّسْتَ بِنَا يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: «أَخَافُ أَنْ تَنَامُوا عَنِ الصَّلَاةِ، قَالَ بِلَالٌ: أَنَا أُوقِظُكُمْ، فَاضْطَجَعُوا وَأَسْنَدَ بِلَالٌ ظَهْرَهُ إِلَى رَاحِلَتِهِ فَغَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ فَنَامَ، فَاسْتَيْقَظَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَدْ طَلَعَ حَاجِبُ الشَّمْسِ، فَقَالَ: يَا بِلَالُ، أَيْنَ مَا قُلْتَ؟ قَالَ: مَا أُلْقِيَتْ عَلَيَّ نَوْمَةٌ مِثْلُهَا قَطُّ، قَالَ: إِنَّ اللهَ قَبَضَ أَرْوَاحَكُمْ حِينَ شَاءَ وَرَدَّهَا عَلَيْكُمْ حِينَ شَاءَ يَا بِلَالُ، قُمْ فَأَذِّنْ بِالنَّاسِ بِالصَّلَاةِ فَتَوَضَّأَ، فَلَمَّا ارْتَفَعَتِ الشَّمْسُ وَابْيَاضَّتْ قَامَ فَصَلَّى».

ہم سے عمران بن میسرہ نے روایت کیا، کہا ہم سے محمد بن فضیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حصین بن عبدالرحمٰن نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے باپ سے، کہا ہم (خیبر سے لوٹ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رات میں سفر کر رہے تھے۔ کسی نے کہا کہ یارسول اللہ! آپ اب پڑاؤ ڈال دیتے تو بہتر ہوتا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں نماز کے وقت بھی تم سوتے نہ رہ جاؤ۔ اس پر بلال رضی اللہ عنہ بولے کہ میں آپ سب لوگوں کو جگادوں گا۔ چنانچہ سب لوگ لیٹ گئے۔ اور بلال رضی اللہ عنہ نے بھی اپنی پیٹھ کجاوہ سے لگالی۔ اور ان کی بھی آنکھ لگ گئی اور جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے تو سورج کے اوپر کا حصہ نکل چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلال! تو نے کیا کہا تھا۔ وہ بولے آج جیسی نیند مجھے کبھی نہیں آئی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری ارواح کو جب چاہتا ہے قبض کر لیتا ہے اور جس وقت چاہتا ہے واپس کر دیتا ہے۔ اے بلال! اٹھ اور اذان دے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور جب سورج بلند ہو کر روشن ہو گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور نماز پڑھائی۔

[1] مصنف ابن ابی شیبہ، ج ۲، ص ۴۶، رقم الحدیث ۶۲۸۸۔ بلفظ "عجلوا صلاة النهار فی یوم الغیم"

یعنی نماز کا وقت گذر جانے کے بعد قضائی دینا ہو تو اذان اور اقامت کہہ سکتا ہے جبکہ جماعت میں زیادہ آدمی ہوں جیساکہ نبی اکرم ﷺ کی بمع صحابہ کرام فجر کی نماز رہ گئی تھی۔ پھر اذان کے بعد سنتیں ادا کیں، پھر اقامت کے ساتھ جماعت کرائی لیکن اگر اکیلا ہو اور نماز رہ گئی ہو تو اذان کہنے کی ضرورت نہیں ہے ہاں جنگل میں اکیلا ہو تو اذان کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

قوله فلما ارتفعت الشمس وابياضت قام فصلي احناف کے بقول آپ نے نماز اس لیے مؤخر کی کہ سورج زرد تھا لیکن دوسری حدیث میں ہے "فاستيقظوا بحر الشمس [1]" اس کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس سے مراد وہ گرمی ہے جو سورج طلوع کے وقت دیتا ہے حالانکہ وہ اتنی گرمی نہیں ہوتی کہ جس سے سونے والا بیدار ہو جائے۔

نماز فجر سے سوئے رہنے کا واقعہ ایک ہے بعض کہتے ہیں کہ ایک سے زائد مرتبہ پیش آیا ہے۔ اُصیلی نے ایک واقعہ کا جزم کیا ہے لیکن قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ابو قتادہ کا واقعہ عمران بن حصین کے قصے سے مختلف ہے، کیونکہ ابو قتادہ کے واقعہ میں حضرت ابو بکر اور حضرت عمر نبی کریم علیہ السلام کے ساتھ نہیں تھے اور قصہ عمران میں ساتھ تھے دوسرا فرق یہ ہے کہ قصہ عمران میں ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ بیدار ہوئے اور نبی اکرم ﷺ کو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تکبیر کہہ کر بیدار کیا تھا جبکہ ابو قتادہ کے واقعہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام کے پہلے بیدار ہونے کا ذکر ہے۔

انور شاہ نے تسلیم کیا ہے کہ واقعہ ایک ہے اگر واقعہ ایک ہو تو حدیث میں ہے کہ ہمیں سورج کی گرمی نے اٹھایا اس صورت حال میں یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ابھی سورج زرد ہو اور مکروہ وقت ہو، لہٰذا فلما ارتفعت الشمس میں سورج اونچا ہونے سے مراد یہ ہے کہ نماز ارتفاع شمس کے بعد پڑھی ہے یہ مراد نہیں ہے کہ سیر (آگے جانا) ارتفاع یعنی سورج اونچا ہونے کے لئے تھا، سیر یعنی آگے جانے کا سبب نبی اکرم ﷺ نے بیان کیا ہے کہ اس وادی میں شیطان ہے اسلئے آگے چلو اور اس وادی سے نکل جاؤ، احناف کہتے ہیں کہ تم لوگ شیطان کی وادی میں نماز نہیں پڑھتے، شیطان کے وقت میں پڑھ لیتے ہو، حالانکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ اس وادی میں شیطان ہے یہ نہیں فرمایا کہ یہ وقت شیطان کا ہے۔ طلوع کے وقت چونکہ سورج پرست، سورج کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان اپنا سر آگے کر دیتا ہے تاکہ سورج کے پوجاریوں کی عبادت شیطان کی عبادت ہو جائے اس لئے اس وقت نماز پڑھنے سے منع کیا گیا ہے۔

قوله قام فصلي ابوداؤد میں ہے "فصلي بالناس"۔

٣٦۔ بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ جَمَاعَةً بَعْدَ ذَهَابِ الْوَقْتِ:

باب: اس کے بارے میں جس نے وقت نکل جانے کے بعد قضاء نماز لوگوں کے ساتھ جماعت سے پڑھی

[1] سنن ابی داؤد ٤٤٣ ج ١ ص ١٢١۔

٥٩٦ ـ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ جَاءَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ فَجَعَلَ يَسُبُّ كُفَّارَ قُرَيْشٍ، قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ: «مَا صَلَّيْتُهَا، فَقُمْنَا إِلَى بُطْحَانَ فَتَوَضَّأَ لِلصَّلَاةِ وَتَوَضَّأْنَا لَهَا فَصَلَّى الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ».

ہم سے معاذ بن فضالہ نے حدیث نقل کی، انہوں نے کہا ہم سے ہشام دستوائی نے بیان کیا، انہوں نے یحیٰی بن ابی کثیر سے روایت کیا، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے موقع پر (ایک مرتبہ) سورج غروب ہونے کے بعد آئے اور وہ کفار قریش کو برا بھلا کہہ رہے تھے۔ اور آپ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! سورج غروب ہو گیا، اور نماز عصر پڑھنا میرے لیے ممکن نہ ہو سکا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں نے بھی نہیں پڑھی۔ پھر ہم وادی بطحان میں گئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز کے لیے وضو کیا، ہم نے بھی وضو بنایا۔ اس وقت سورج ڈوب چکا تھا۔ پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر پڑھائی اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔



قولہ ما کدت أصلي العصر حتی کادت الشمس تغرب اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے غروب شمس کے قریب عصر کی نماز پڑھ لی، کیونکہ "کاد" کے ساتھ جس چیز کا اثبات ہو وہ منفی ہوتا ہے اور جس چیز کی نفی ہو اسکا اثبات ہوتا ہے لہذا "ما کدت اصلی العصر میں نماز کی نفی سے مراد ہے کہ نماز پڑھ لی اور "کادت الشمس تغرب" سے مراد سورج کے غروب ہونے کی نفی ہے، مطلب یہ ہے کہ مشکل سے غروب سے پہلے نماز پڑھ لی ہے۔ یہ مراد نہیں کہ نماز پڑھی ہی نہیں۔

"قولہ ثم صلي بعدها المغرب" اس سے معلوم ہوا کہ نماز مغرب کا وقت ممتد ہے۔ اگر اس کا وقت بہت کم ہوتا تو وقتی نماز پہلے پڑھتے، کیونکہ احناف کے ہاں بھی پانچ نمازوں تک ترتیب ضروری ہے پانچ سے زیادہ ہوں تو ترتیب لازم نہیں ہوتی۔ اسی طرح نسیان کی صورت میں بھی ترتیب فوت ہو جاتی ہے، یا وقتی نماز کا وقت بہت کم باقی ہو یا نماز باجماعت ہو رہی ہو تو ترتیب ضروری نہیں ان صورتوں کے علاوہ اگر بغیر ترتیب کے نماز پڑھے گا تو نماز باطل ہو جائے گی یہاں آپ نے دو نمازیں ترتیب سے ادا کی ہیں۔



کرمانی نے کہا ہے کہ یہ حدیث نماز باجماعت پر دلالت نہیں کرتی حالانکہ ترجمہ باب فوت شدہ نماز کو جماعت سے ادا کرنے کا ہے۔ اس کے بعد اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ فوت شدہ (نماز عصر) وقتی نماز کی طرح ہے جو کہ نماز مغرب ہے جبکہ آپ نے اپنی عادت مبارکہ کے مطابق وقتی نماز کو جماعت سے ادا کیا ہے تو فوت شدہ نماز بھی



جماعت سے ہی ادا کی ہے۔ ابن منیر نے کہا ہے کہ "فتوضا للصلوۃ وتوضأنالها" سے فوت شدہ نماز کو باجماعت ادا کرنے کا اثبات ہوتا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسماعیلی کی روایت میں "فصلي بنا العصر" سے نماز باجماعت ثابت ہے۔

۳۷۔ بَابُ مَنْ نَسِيَ صَلاَةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا وَلاَ يُعِيدُ إِلاَّ تِلْكَ الصَّلاَةَ:

باب: جو شخص کوئی نماز بھول جائے تو جب یاد آئے اس وقت پڑھ لے اور فقط وہی نماز پڑھے

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ مَنْ تَرَكَ صَلاَةً وَاحِدَةً عِشْرِينَ سَنَةً لَمْ يُعِدْ إِلاَّ تِلْكَ الصَّلاَةَ الْوَاحِدَةَ.

اور فقط وہی نماز پڑھے اور ابراہیم نخعی نے کہا جو شخص بیس سال تک ایک نماز چھوڑ دے تو فقط وہی ایک نماز پڑھ لے۔

۵۹۷ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، وَمُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالاَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ نَسِيَ صَلاَةً فَلْيُصَلِّ إِذَا ذَكَرَهَا، لاَ كَفَّارَةَ لَهَا إِلَّا ذَلِكَ، وَأَقِمِ الصَّلاَةَ لِذِكْرِي»، قَالَ مُوسَى: قَالَ هَمَّامٌ: سَمِعْتُهُ يَقُولُ بَعْدُ وَأَقِمِ الصَّلاَةَ للذِّكْرَى، وَقَالَ حَبَّانُ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ.



ہم سے ابو نعیم فضل بن دکین اور موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، ان دونوں نے کہا کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے قتادہ سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی نماز پڑھنا بھول جائے تو جب بھی یاد آجائے اس کو پڑھ لے۔ اس قضاء کے سوا اور کوئی کفارہ اس کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ اور (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ) نماز میرے یاد آنے پر قائم کر۔ موسیٰ نے کہا کہ ہم سے ہمام نے حدیث بیان کی کہ میں نے قتادہ رضی اللہ عنہ سے سنا وہ یوں پڑھتے تھے نماز پڑھ میری یاد کے لیے۔ حبان بن ہلال نے کہا، ہم سے ہمام نے بیان کیا، کہا ہم سے قتادہ نے، کہا ہم سے انس رضی اللہ عنہ نے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے، پھر ایسی ہی حدیث بیان کی۔

جو شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر اسے پڑھ لے۔ اور اگر وقتی نماز پڑھ لینے کے بعد اسے یاد آئے کہ میری اس سے پہلے کی نماز بھول کر رہ گئی ہے تو اب اسی ایک نماز کو پڑھ لے۔ وقت پر پڑھی ہوئی نماز اس کے بعد لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے جبکہ امام مالک کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول گیا اس کے بعد اگلی نماز وقت پر پڑھ لی اب اسے یاد آیا کہ میری اس سے پہلے کی نماز بھول کر رہ گئی ہے تو اب وہ پہلے فوت شدہ نماز ادا کرے اس کے بعد وقتی نماز

کا اعادہ کرے تاکہ ترتیب برقرار رہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ یاد آنے پر فوت شدہ نماز کے پڑھنے کے قائل ہیں وقت پر پڑھی ہوئی نماز کے اعادہ کے قائل نہیں ہیں۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کل وقت پر بیدار ہونے پر اس نماز کے ساتھ ایک نماز اور پڑھ لو"فليصل معها مثلها[1]"بخاری اس کی تردید کرتے ہیں، کیونکہ اس روایت میں تعارض بھی ہے ایک جگہ آتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کل وقت پر بیدار ہونے پر اس کا اعادہ کریں؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں سود سے منع کرتا ہے وہ خود سود کا مطالبہ کیسے کرسکتا ہے؟ دوسری حدیث میں ہے"إذا سها أحدكم عن الصلوٰة فليصلها حين يذكرها ومن الغد للوقت[2]"بعض کہتے ہیں کہ دوبارہ پڑھنا مستحب ہے واجب نہیں ہے۔ اور ربوٰا والا اعتراض ضروری کہنے پر ہے۔

"قوله وقال ابراهيم: من ترك صلوٰة واحدة[3]"اس اثر کی ترجمہ باب سے مناسبت واضح ہے کیونکہ ترجمہ باب میں ہے۔

"من نسی صلوٰة فليصل إذا ذكر" اور یہ عام ہے خواہ اسے بھول کر چھوڑی ہوئی نماز مہینے بعد یاد آئے یا سال

---

① السنن الكبرىٰ للبيهقی ۳۱۷۳ ج ۲ ص ۳۰۷۔

② مسند احمد ۲۰۲۵۷ ج ۳۳ ص ۳۹۱، المعجم الكبير للطبرانی ۶۹۷۸ ج ۷ ص ۲۳۵ بمعناہ۔

③ اس باب میں بخاری رحمہ اللہ نے دو مسائل ذکر کئے ہیں۔ ایک یہ کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول جائے تو یاد آنے پر وہ اسکو ایک مرتبہ پڑھے گا دو دفعہ اعادہ نہیں کریگا۔ یہ جمہور اہل علم کا مذہب ہے۔ جبکہ سمرہ بن جندب سے مروی ہے کہ وہ ایک دفعہ یاد آنے پر اسے پڑھے گا اور دوسرے دن اس نماز کے وقت پر پھر اس کا اعادہ کرے گا۔ اس بارہ میں مسند احمد میں سمرہ بن جندب کی حدیث آتی ہے"قال رسول الله ﷺ من نسی صلوٰة فليصلها حين يذكرها ومن الغد للوقت"لیکن اسکی سند میں بشر بن حرب راوی ضعیف ہے۔ اور اس کے مرفوع ہونے میں بھی اختلاف ہے۔ ایک روایت مسند بزار میں ہے لیکن اس میں یوسف سمتی انتہائی ضعیف ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نماز پڑھنا بھول گیا ہو اس کے بعد متعدد نمازیں اپنے اوقات میں پڑھ لینے کے بعد اسے بھولی ہوئی نماز یاد آجائے تو وہ وہی بھولی ہوئی نماز ادا کریگا۔ ترتیب کے پیش نظر باقی پڑھی ہوئی نمازوں کا اعادہ نہیں کریگا، امام بخاری رحمہ اللہ نے ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کے قول سے اسی بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ باقی رہا یہ مسئلہ کہ فوت شدہ نمازوں کو ترتیب سے قضاء کرنا واجب ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں مستحب ہے واجب نہیں ہے اس بارہ میں ایک روایت امام احمد رحمہ اللہ کی بھی ہے لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ کے ہاں واجب ہے۔ جبکہ فوت شدہ نمازیں چھ سے کم ہوں اگر چھ یا اس سے زائد ہوں تو ترتیب ضروری نہیں، امام احمد رحمہ اللہ ہر حال میں تمام نمازوں میں ترتیب کو واجب کہتے ہیں اور کیا نسیان سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے یا نہیں؟ ابراہیم نخعی کہتے ہیں کہ نسیان سے ترتیب ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ بخاری نے ان کا قول نقل کیا ہے۔ بعض کہتے ہیں ساقط نہیں ہوتی بلکہ وہ فوت شدہ نماز اور بعد والی تمام نمازوں کا ترتیب سے اعادہ کرے گا"(فتح الباری۔ ابن رجب رحمہ اللہ ج ۳ ص ۳۴۶)

بعد یا بیس سال بعد، تو وہ بھول کر چھوڑی ہوئی نماز پڑھ لیگا۔ ترتیب کے پیش نظر باقی نمازوں کا اس کے بعد اعادہ نہیں کریگا اور بیس سال کا ذکر بھی مبالغہ کے لئے ہے۔

"قوله أقم الصلوة لذكرى" یہ قتادہ کی کلام ہے یا نبی کریم علیہ السلام کی۔ مسلم کی روایت میں ہے "قال قتادة أقم الصلوة لذكرى①" جبکہ مسلم میں ہی دوسری روایت میں ہے "عن قتادة عن انس قال رسول الله ﷺ إذا رقد أحدكم عن الصلوة أوغفل عنهافليصلها إذا ذكرهافان الله يقول :أقم الصلوة لذكرى②" اس سے معلوم ہوا کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی کلام ہے۔

٣٨۔ بَابُ قَضَاءِ الصَّلَوَاتِ الأُولَى فَالأُولَى:

باب: اگر کئی نمازیں قضاء ہو جائیں تو ان کو ترتیب کے ساتھ پڑھنا

٥٩٨ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى الْقَطَّانُ، أَخْبَرَنَا هِشَامٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى هُوَ ابْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «جَعَلَ عُمَرُ يَوْمَ الْخَنْدَقِ يَسُبُّ كُفَّارَهُمْ، وَقَالَ: مَا كِدْتُ أُصَلِّي الْعَصْرَ حَتَّى غَرَبَتْ، قَالَ: فَنَزَلْنَا بُطْحَانَ فَصَلَّى بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى الْمَغْرِبَ».

ہم سے مسدد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے، کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے حدیث بیان کی، کہا کہ ہم سے یحییٰ نے جو ابی کثیر کے بیٹے ہیں حدیث بیان کی ابوسلمہ سے، انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے موقع پر (ایک دن) کفار کو برا بھلا کہنے لگے۔ فرمایا کہ سورج غروب ہو گیا، لیکن میں (لڑائی کی وجہ سے) نماز عصر نہ پڑھ سکا۔ جابر رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ پھر ہم وادی بطحان کی طرف گئے۔ اور (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز) غروب شمس کے بعد پڑھی اس کے بعد مغرب پڑھی۔

یعنی فوت شدہ نمازوں کی قضا ترتیب سے دینا چاہیئے۔ اس کے استحباب میں سب کا اتفاق ہے، وجوب میں اختلاف ہے، حنفی وجوب کے قائل ہیں، شافعی کہتے ہیں کہ افعال مجردہ وجوب کے لئے نہیں ہوتے۔ ہاں "صلوا كمارأيتموني أصلي" سے استدلال ہوسکتا ہے۔

٣٩۔ بَابُ مَا يُكْرَهُ مِنَ السَّمَرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ:

باب: عشاء کی نماز کے بعد «سمر» یعنی دنیا کی باتیں کرنا مکروہ ہے

٥٩٩ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَوْفٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْمِنْهَالِ، قَالَ: انْطَلَقْتُ مَعَ أَبِي إِلَى أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ، فَقَالَ لَهُ: أَبِي حَدِّثْنَا، «كَيْفَ

① مسلم (٣١٤) ٦٨٤ ج ا ص ٤٧٧۔

② مسلم (٣١٦) ٦٨٤ ج ا ص ٤٧٧۔

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الْمَكْتُوبَةَ؟ قَالَ: كَانَ يُصَلِّي الْهَجِيرَ وَهِيَ الَّتِي تَدْعُونَهَا الْأُولَى حِينَ تَدْحَضُ الشَّمْسُ وَيُصَلِّي الْعَصْرَ، ثُمَّ يَرْجِعُ أَحَدُنَا إِلَى أَهْلِهِ فِي أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ، وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، قَالَ: وَكَانَ يَسْتَحِبُّ أَنْ يُؤَخِّرَ الْعِشَاءَ، قَالَ: وَكَانَ يَكْرَهُ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَالْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَكَانَ يَنْفَتِلُ مِنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ حِينَ يَعْرِفُ أَحَدُنَا جَلِيسَهُ وَيَقْرَأُ مِنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے، کہا ہم سے عوف اعرابی نے، کہا کہ ہم سے ابوالمنہال سیار بن سلامہ نے، انہوں نے کہا کہ میں اپنے باپ سلامہ کے ساتھ ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان سے میرے والد صاحب نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازیں کس طرح (یعنی کن کن اوقات میں) پڑھتے تھے۔ ہم سے اس کے بارے میں بیان فرمائیے۔ انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم «ھجیر» (ظہر) جسے تم صلوٰۃ اولیٰ کہتے ہو سورج ڈھلتے ہی پڑھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عصر پڑھنے کے بعد کوئی بھی شخص اپنے گھر واپس ہوتا اور وہ بھی مدینہ کے سب سے آخری کنارہ پر تو سورج ابھی صاف اور روشن ہوتا۔ مغرب کے بارے میں آپ نے جو کچھ بتایا مجھے یاد نہیں رہا۔ اور فرمایا کہ عشاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تاخیر پسند فرماتے تھے۔ اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات کرنے کو پسند نہیں کرتے تھے۔ صبح کی نماز سے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوتے تو ہم اپنے قریب بیٹھے ہوئے دوسرے شخص کو پہچان لیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر میں ساٹھ سے سو تک آیتیں پڑھتے تھے۔

یعنی عشاء کی نماز کے بعد قصے کہانیاں بیان کرنا اور بلاضرورت گفتگو کرنا مکروہ ہے اور سمر سے مراد جائز اور مباح گفتگو ہے جو عشاء کے بعد مکروہ ہے ورنہ حرام گفتگو تو ہر وقت ناجائز ہے اسکی کراہت عشاء کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور جو کلام یا گفتگو مستحب ہو اسکا جواز آنے والے باب سے ثابت ہے۔

"قوله کان یکره النوم قبلها" کیونکہ عشاء کی نماز سے قبل سونے سے نماز کا وقت نکل جانے کا احتمال ہوتا ہے یا وقت مختار نکل جانے کا ڈر ہوتا ہے اس لیے نماز عشاء سے پہلے سونا مکروہ ہے۔ اور عشاء کے بعد باتوں میں لگے رہنے کو ناپسند کیا گیا ہے کیونکہ اس کی وجہ سے وہ نماز فجر کو یا اس کے وقت مختار کو نہیں پا سکے گا۔ بلکہ قیام لیل سے بھی محروم رہے گا۔ اس لئے اس سے روکا گیا ہے۔

۴۰۔ بَابُ السَّمَرِ فِي الْفِقْهِ وَالْخَيْرِ بَعْدَ الْعِشَاءِ:

باب: اس بارے میں کہ مسئلے مسائل کی باتیں اور نیک باتیں عشاء کے بعد بھی کرنا درست ہے

علمی باتوں کو مجازاً سَمر کہا گیا ہے ورنہ سَمر سے مراد قصے کہانیاں ہوتی ہیں اس باب سے مقصود یہ ہے کہ نمازِ عشاء کے بعد علمی گفتگو کرنا یا علمی واقعہ بیان کرنا جائز ہے، فقہ اگرچہ لفظ خیر میں داخل ہے کیونکہ خیر کا لفظ عام ہے۔ لیکن علم فقہ کی اہمیت اور اس کی قدر و منزلت کی بنا پر اسے خاص کر کے ذِکر کیا ہے، ترمذی میں حدیث ہے کہ نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ اہل اسلام کے مسائل کے بارہ میں عشاء کے بعد گفتگو فرمایا کرتے تھے[1]۔

٦٠٠ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ الصَّبَّاحِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَلِيٍّ الْحَنَفِيُّ، حَدَّثَنَا قُرَّةُ بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: انْتَظَرْنَا الْحَسَنَ، وَرَاثَ عَلَيْنَا حَتَّى قَرُبْنَا مِنْ وَقْتِ قِيَامِهِ فَجَاءَ، فَقَالَ: دَعَانَا جِيرَانُنَا هَؤُلَاءِ، ثُمَّ قَالَ: قَالَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ: انْتَظَرْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ حَتَّى كَانَ شَطْرُ اللَّيْلِ يَبْلُغُهُ، فَجَاءَ فَصَلَّى لَنَا ثُمَّ خَطَبَنَا، فَقَالَ: «أَلَا إِنَّ النَّاسَ قَدْ صَلَّوْا ثُمَّ رَقَدُوا، وَإِنَّكُمْ لَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرْتُمُ الصَّلَاةَ»، قَالَ الْحَسَنُ: وَإِنَّ الْقَوْمَ لَا يَزَالُونَ بِخَيْرٍ مَا انْتَظَرُوا الْخَيْرَ. قَالَ قُرَّةُ: هُوَ مِنْ حَدِيثِ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے عبداللہ بن صباح نے بیان کیا، کہا ہم سے ابوعلی عبیداللہ حنفی نے، کہا ہم سے قرہ بن خالد سدوسی نے، انہوں نے کہا کہ ایک دن حسن بصری رحمہ اللہ نے بڑی دیر کی۔ اور ہم آپ کا انتظار کرتے رہے۔ جب ان کے اٹھنے کا وقت قریب ہو گیا تو آپ آئے اور (بطور معذرت) فرمایا کہ میرے ان پڑوسیوں نے مجھے بلا لیا تھا (اس لیے دیر ہو گئی) پھر بتلایا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ ہم ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے۔ تقریباً آدھی رات ہو گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، پھر ہمیں نماز پڑھائی۔ اس کے بعد خطبہ دیا۔ پس آپ نے فرمایا کہ دوسروں نے نماز پڑھ لی اور سو گئے۔ لیکن تم لوگ جب تک نماز کے انتظار میں رہے ہو گویا نماز ہی کی حالت میں رہے ہو۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اگر لوگ کسی خیر کے انتظار میں بیٹھے رہیں تو وہ بھی خیر کی حالت ہی میں ہیں۔ قرہ بن خالد نے کہا کہ حسن کا یہ قول بھی انس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا ہے جو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے۔

"قوله أبو علي" انکا نام عبید اللہ بن عبد المجید ہے، بنو حنیفہ قبیلے کی طرف منسوب ہیں۔

قوله راث علینا ای أبطأ علینا، یعنی دیر کردی۔

قوله من وقت قیامه، اس سے مراد وہ وقت ہے جس میں وہ علم سکھانے کے بعد اٹھا کرتے تھے۔ حسن بصری روزانہ رات کو تعلیم دینے کے لئے مسجد میں بیٹھا کرتے تھے لیکن ایک دن آنے میں دیر ہوگئی۔ جب آئے تو معذرت کی صورت میں کہا کہ ہمیں پڑوسیوں نے بلالیا تھا اور یہ حدیث بیان کی کہ نبی کریم علیہ السلام نے ایک مرتبہ دیر سے

---

[1] ترمذی ١٦٩

عشاء کی نماز پڑھائی اور خطبہ دیا۔

قولہ قال قرۃ ھو من حدیث أنس رضی اللہ عنہ یعنی حسن بصری کا یہ قول کہ لوگ جب تک نیکی کے انتظار میں رہیں وہ خیر اور نیکی میں ہی ہوتے ہیں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہے جوانہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ہے۔

٦٠١ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، وَأَبُو بَكْرِ ابْنُ أَبِي حَثْمَةَ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْعِشَاءِ فِي آخِرِ حَيَاتِهِ، فَلَمَّا سَلَّمَ قَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «أَرَأَيْتَكُمْ لَيْلَتَكُمْ هَذِهِ فَإِنَّ رَأْسَ مِائَةٍ لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ أَحَدٌ. فَوَهِلَ النَّاسُ فِي مَقَالَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى مَا يَتَحَدَّثُونَ مِنْ هَذِهِ الْأَحَادِيثِ عَنْ مِائَةِ سَنَةٍ، وَإِنَّمَا قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَبْقَى مِمَّنْ هُوَ الْيَوْمَ عَلَى ظَهْرِ الْأَرْضِ، يُرِيدُ بِذَلِكَ أَنَّهَا تَخْرِمُ ذَلِكَ الْقَرْنَ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا انہوں نے کہا کہ ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے زہری سے خبر دی، کہا کہ مجھ سے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اور ابوبکر بن ابی حثمہ نے حدیث بیان کی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز پڑھی اپنی زندگی کے آخری زمانے میں۔ سلام پھیرنے کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ اس رات کے متعلق تمہیں کچھ معلوم ہے؟ آج اس روئے زمین پر جتنے انسان زندہ ہیں۔ سو سال بعد ان میں سے کوئی بھی باقی نہیں رہے گا۔ لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سمجھنے میں غلطی کی اور مختلف باتیں کرنے لگے۔ (ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے یہ سمجھا کہ سو برس بعد قیامت آئے گی) حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد صرف یہ تھا کہ جو لوگ آج (اس گفتگو کے وقت) زمین پر بستے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی آج سے ایک صدی بعد باقی نہیں رہے گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ سو برس میں یہ قرن گزر جائے گا۔



"قولہ ابوبکر بن أبی حثمۃ" یہ دادے کی طرف نسبت ہے یہ ابوبکر بن سلیمان بن اَبی حثمہ ہیں۔

"قولہ وھل الناس" یعنی لوگوں نے آپ کا کلام سمجھنے میں غلطی کی۔ اور سو سال کے بارہ میں مختلف باتیں کرنے لگے۔

"قولہ عن مائۃ سنۃ" کچھ لوگوں نے اس حدیث کو سن کر یہ سمجھ لیا تھا کہ سو سال بعد قیامت آجائے گی جیسا کہ طبرانی میں ہے۔ جبکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ آج جو لوگ موجود ہیں یہ سو سال بعد باقی نہیں رہیں گے اور یہ قرن گذر جائے گا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطاب اپنی زندگی کے آخری سال میں کیا تھا۔ اور آپ کے صحابہ میں سے سب سے آخر میں فوت ہونے والے صحابی ابوالطفیل عامر بن واثلہ تھے۔ جو ۱۱۰ھ میں فوت ہوئے، یعنی نبی کریم علیہ السلام



کے خطاب سے سو سال بعد ان کی وفات ہوئی۔

"قوله تخرم ذلك القرن" یعنی آج سے سو سال بعد نئی نسل وجود میں آئے گی اور موجودہ نسل ختم ہوجائے گی لیکن عیسی علیہ السلام اس میں داخل نہیں ہیں کیونکہ وہ زمین پر نہیں ہیں بلکہ زندہ آسمان میں ہیں اور ابلیس لعین بھی اس میں داخل نہیں، کیونکہ وہ ہوا پر یا پانی پر ہے۔

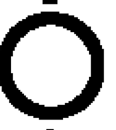
۴۱۔بَابُ السَّمَرِ مَعَ الضَّيْفِ وَالأَهْلِ:

باب: اپنی بیوی یا مہمان سے رات کو (عشاء کے بعد) گفتگو کرنا

۶۰۲ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرُ بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، حَدَّثَنَا أَبُو عُثْمَانَ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي بَكْرٍ، أَنَّ أَصْحَابَ الصُّفَّةِ كَانُوا أُنَاسًا فُقَرَاءَ، وَأَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ كَانَ عِنْدَهُ طَعَامُ اثْنَيْنِ فَلْيَذْهَبْ بِثَالِثٍ، وَإِنْ أَرْبَعٌ فَخَامِسٌ أَوْ سَادِسٌ، وَأَنَّ أَبَا بَكْرٍ جَاءَ بِثَلَاثَةٍ، فَانْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَشَرَةٍ، قَالَ: فَهُوَ أَنَا وَأَبِي وَأُمِّي، فَلَا أَدْرِي، قَالَ: وَامْرَأَتِي وَخَادِمٌ بَيْنَنَا وَبَيْنَ بَيْتِ أَبِي بَكْرٍ، وَإِنَّ أَبَا بَكْرٍ تَعَشَّى عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لَبِثَ حَيْثُ صُلِّيَتِ الْعِشَاءُ، ثُمَّ رَجَعَ فَلَبِثَ حَتَّى تَعَشَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَ بَعْدَ مَا مَضَى مِنَ اللَّيْلِ مَا شَاءَ اللهُ ، قَالَتْ لَهُ امْرَأَتُهُ: وَمَا حَبَسَكَ عَنْ أَضْيَافِكَ أَوْ قَالَتْ ضَيْفِكَ، قَالَ: أَوَمَا عَشَّيْتِيهِمْ، قَالَتْ: أَبَوْا حَتَّى تَجِيءَ، قَدْ عُرِضُوا فَأَبَوْا، قَالَ: فَذَهَبْتُ أَنَا فَاخْتَبَأْتُ، فَقَالَ: يَا غُنْثَرُ، فَجَدَّعَ وَسَبَّ، وَقَالَ كُلُوا لَا هَنِيئًا، فَقَالَ: وَاللهِ لَا أَطْعَمُهُ أَبَدًا وَايْمُ اللهِ مَا كُنَّا نَأْخُذُ مِنْ لُقْمَةٍ إِلَّا رَبَا مِنْ أَسْفَلِهَا أَكْثَرُ مِنْهَا، قَالَ: يَعْنِي حَتَّى شَبِعُوا وَصَارَتْ أَكْثَرَ مِمَّا كَانَتْ قَبْلَ ذَلِكَ، فَنَظَرَ إِلَيْهَا أَبُو بَكْرٍ فَإِذَا هِيَ كَمَا هِيَ أَوْ أَكْثَرُ مِنْهَا، فَقَالَ لِامْرَأَتِهِ: يَا أُخْتَ بَنِي فِرَاسٍ، مَا هَذَا ؟ قَالَتْ: لَا وَقُرَّةِ عَيْنِي، لَهِيَ الْآنَ أَكْثَرُ مِنْهَا قَبْلَ ذَلِكَ بِثَلَاثِ مَرَّاتٍ، فَأَكَلَ مِنْهَا أَبُو بَكْرٍ وَقَالَ: إِنَّمَا كَانَ ذَلِكَ مِنَ الشَّيْطَانِ يَعْنِي يَمِينَهُ، ثُمَّ أَكَلَ مِنْهَا لُقْمَةً، ثُمَّ حَمَلَهَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَصْبَحَتْ عِنْدَهُ، وَكَانَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمٍ عَقْدٌ فَمَضَى الأَجَلُ فَفَرَّقَنَا اثْنَا عَشَرَ رَجُلًا مَعَ كُلِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ أُنَاسٌ اللهُ أَعْلَمُ كَمْ مَعَ كُلِّ رَجُلٍ، فَأَكَلُوا مِنْهَا أَجْمَعُونَ أَوْ كَمَا قَالَ».

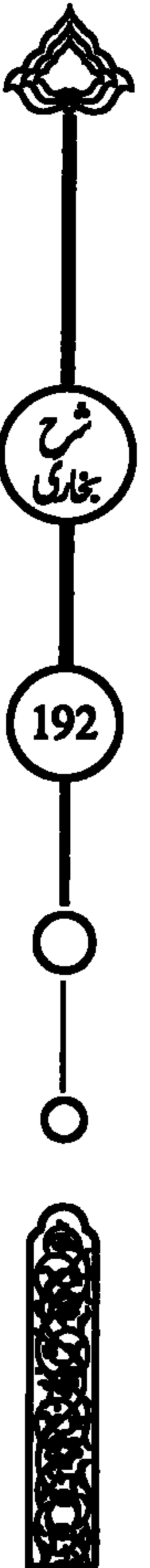
ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے معتمر بن سلیمان نے بیان کیا، ان سے ان کے باپ سلیمان بن طرخان نے، کہا کہ ہم سے ابوعثمان نہدی نے عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث بیان کی کہ اصحاب صفہ نادار مسکین لوگ تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے







گھر میں دو آدمیوں کا کھانا ہو تو وہ تیسرے (اصحاب صفہ میں سے کسی) کو اپنے ساتھ لیتا جائے۔ اور جس کے ہاں چار آدمیوں کا کھانا ہے تو وہ پانچویں یا چھٹے آدمی کو سائبان والوں میں سے اپنے ساتھ لے جائے۔ پس ابو بکر رضی اللہ عنہ تین آدمی اپنے ساتھ لائے۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دس آدمیوں کو اپنے ساتھ لے گئے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ گھر کے افراد میں اس وقت باپ، ماں اور میں تھا۔ ابو عثمان راوی کا بیان ہے کہ مجھے یاد نہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی بکر نے یہ کہا یا نہیں کہ میری بیوی اور ایک خادم جو میرے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ دونوں کے گھر کے لیے تھا یہ بھی تھے۔ خیر ابو بکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں ٹھہر گئے۔ (اور غالباً کھانا بھی وہیں کھایا۔ صورت یہ ہوئی کہ) نماز عشاء تک وہیں رہے۔ پھر (مسجد سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرہ مبارک میں آئے اور وہیں ٹھہرے رہے تا آنکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کھانا کھالیا۔ اور رات کا ایک حصہ گزر جانے کے بعد جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو آپ گھر تشریف لائے تو ان کی بیوی (ام رومان) نے کہا کہ کیا بات پیش آئی کہ مہمانوں کی خبر بھی آپ نے نہ لی، یا یہ کہ مہمان کی خبر نہ لی۔ آپ نے پوچھا، کیا تم نے ابھی انہیں رات کا کھانا نہیں کھلایا۔ ام رومان نے کہا کہ میں کیا کروں آپ کے آنے تک انہوں نے کھانے سے انکار کیا۔ کھانے کے لیے ان سے کہا گیا تھا لیکن وہ نہ مانے۔ عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہما نے بیان کیا کہ میں ڈر کر چھپ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے پکارا اے غنثر! (یعنی او پاجی) آپ نے برا بھلا کہا اور کوسنے دیئے۔ فرمایا کہ کھاؤ تمہیں مبارک نہ ہو! اللہ کی قسم! میں اس کھانے کو کبھی نہیں کھاؤں گا۔ (آخر مہمانوں کو کھانا کھلایا گیا) (عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کہا) اللہ گواہ ہے کہ ہم ادھر ایک لقمہ لیتے تھے اور نیچے سے پہلے سے بھی زیادہ کھانا ہو جاتا تھا۔ بیان کیا کہ سب لوگ شکم سیر ہو گئے۔ اور کھانا پہلے سے بھی زیادہ بچ گیا۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو کھانا پہلے ہی اتنا یا اس سے بھی زیادہ تھا۔ اپنی بیوی سے بولے۔ بنو فراس کی بہن! یہ کیا بات ہے؟ انہوں نے کہا کہ میری آنکھ کی ٹھنڈک کی قسم! یہ تو پہلے سے تین گنا ہے۔ پھر ابو بکر رضی اللہ عنہ نے بھی وہ کھانا کھایا اور کہا کہ میرا قسم کھانا ایک شیطانی وسوسہ تھا۔ پھر ایک لقمہ اس میں سے کھایا۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بقیہ کھانا لے گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ صبح تک آپ کے پاس رکھا رہا۔ عبدالرحمٰن نے کہا کہ ہم مسلمانوں کا ایک دوسرے قبیلے کے لوگوں سے معاہدہ تھا۔ اور معاہدہ کی مدت پوری ہو چکی تھی۔ (اس قبیلہ کا وفد معاہدہ سے متعلق بات چیت کرنے مدینہ میں آیا ہوا تھا) ہم نے ان میں سے بارہ آدمی جدا کئے اور ہر ایک کے ساتھ کتنے آدمی تھے اللہ کو ہی معلوم ہے ان سب نے ان میں سے کھایا۔ عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسا ہی کہا۔



یعنی نماز عشاء کے بعد جس گفتگو سے منع کیا گیا ہے وہ ہے جو بلا ضرورت ہو۔ ورنہ ضرورت کے لئے بیوی یا مہمانوں سے

گفتگو جائز ہے[1]۔

کتاب الأذان

کتاب اذان کے مسائل کے بیان میں

۱۔بَابُ بَدْءِ الأَذَانِ:

باب: اس بیان میں کہ اذان کیونکر شروع ہوئی

وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ سورة المائدة آية ۵۸ وَقَوْلُهُ: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سورة الجمعة آية ۹.

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وضاحت کہ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو، تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تمہیں جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے۔ (تو اللہ کی یاد کرنے کے لیے فوراً چلے آؤ۔)

امام بخاری رحمہ اللہ اذان کے احکام و مسائل ذکر کرنا چاہتے ہیں۔ اذان کا لغوی معنی اطلاع دینا ہوتا ہے، قرآن کریم میں ہے "وأذان من الله ورسوله" اور شرع میں "إعلام مخصوص بالفاظ مخصوصة فى أوقات مخصوصة" یعنی مخصوص اوقات میں مخصوص الفاظ کے ساتھ مخصوص اطلاع دینا اذان کہلاتا ہے۔

شرح بخاری

اذان مختصر الفاظ پر مشتمل ہے اس کے باوجود عقیدہ کے اہم امور پر دلالت کرتی ہے، اس میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی کا ذکر ہے جو اس کے وجود و کمال کو متضمن ہے، اس کے بعد توحید باری تعالیٰ کا اثبات اور شرک کی نفی ہے۔ اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اثبات ہے۔ اس کے بعد اطاعت مخصوصہ کا ذکر اور اس کی دعوت ہے۔ کیونکہ طاعت کے کاموں کا علم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی ہوتا ہے۔ پھر فلاح اور کامیابی کو حاصل کرنے کی دعوت دی گئی ہے اور فلاح سے مراد بقاء دائم یعنی ہمیشہ کی زندگی کا حصول ہے۔ اور اس میں ایمان بالآخرت کا اشارہ بھی ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی کبریائی اور توحید باری تعالیٰ کو تاکید کے لئے دہرایا گیا ہے۔

---

[1] گفتگو اور کلام مباح ہو گی یا حرام، اگر کلام حرام اور ناجائز ہو تو وہ ہر وقت ہی ممنوع ہے خواہ عشاء سے پہلے ہو یا بعد میں یا اس کے علاوہ، اور اگر کلام مباح ہو تو اسکی دو صورتیں ہیں۔ وہ کلام علمی اور فقہی ہو گی یا اس کے علاوہ ہو گی علمی اور فقہی کلام تو ہر وقت جائز ہے بلکہ مستحب ہے خواہ عشاء سے پہلے ہو یا بعد میں ہو یا اس کے علاوہ کسی وقت میں ہو۔ اور اگر وہ کلام علمی نہ ہو تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اس کلام کی ضرورت ہو گی یا نہیں؟ اگر وہ کلام ضرورت کے لئے ہو تو وہ عشاء کے بعد جائز ہے جیسے بیوی یا مہمان سے کلام کرنا اور اگر وہ کلام بلا ضرورت ہو تو اس سے روکا گیا ہے۔ اور ایسی کلام عشاء کے بعد جائز نہیں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ تأذین کی طرح أذان بھی مصدر ہے، اور دونوں کا معنی ایک ہے، اگرچہ یہ مصدر کا وزن نہیں ہے۔ امام ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اذان اسم مصدر ہے، ایک حاصل مصدر ہوتا ہے جس طرح سمجھنا مصدر ہے اور سمجھ حاصل مصدر ہے۔ اسی طرح تأذین مصدر ہے جس کا معنی اذان کہنا اور اذان کلمات کا نام ہے جو اذان کہنے سے حاصل ہوتے ہیں۔ اذان راجح قول کے مطابق اھ میں فرض ہوئی بعض ۲ھ کے قائل ہیں۔ اذان نماز کے وقت کے داخل ہونے کی اطلاع اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کی دعوت دینے اور شعائر اسلام کے اظہار کے لئے دی جاتی ہے۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ اذان کہنا افضل ہے یا امامت کرانا بعض اذان کہنے کو افضل عمل کہتے ہیں اور بعض امامت کرانے کو، ایک تیسرا قول یہ ہے کہ اگر امامت کے حقوق وواجبات ادا کر سکتا ہے تو امامت کرانا افضل ہے ورنہ اذان کہنا افضل ہے بعض لوگ موذن کے لئے امامت کرانا مکروہ سمجھتے ہیں اس بارہ میں ایک روایت بھی آتی ہے جو سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ حافظ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں کو جمع کرنا جائز ہے بعض خلاف اولی سمجھتے ہیں بعض مستحب کہتے ہیں۔



سنن کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کی اطلاع دینے کے بارہ میں لوگوں سے مشورہ کیا گیا کہ لوگوں کو نماز کے لئے کیسے بلایا جائے لوگوں نے مختلف آراء پیش کیں کسی نے کہا کہ نماز کے وقت مسجد سے باہر جھنڈا گاڑ دینا چاہیئے تاکہ لوگ دیکھ کر نماز کے لئے آجائیں۔ لیکن اس پر یہ اعتراض تھا کہ جو شخص دیکھنے کے لئے باہر نکلے گا اسے ہی پتہ چلے گا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ سب لوگوں کو اس سے علم نہیں ہو سکتا۔ بعض نے کہا کہ باہر آگ جلا دینی چاہیئے لیکن یہ مجوس کی علامت ہونے کی بنا پر رد کر دیا گیا۔ کسی نے ناقوس اور کسی نے بوق بجانے کی رائے دی لیکن انہیں یہود ونصاریٰ کی عادت ہونے کی بنا پر اختیار نہیں کیا گیا۔ کیونکہ ان کے بجانے سے یہ معلوم نہیں ہو سکے گا کہ یہ مسجد سے آواز آرہی ہے یا گرجا گھر سے، جبکہ آبادی مخلوط ہو تو امتیاز نہیں ہو سکتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کہا "أولا تبعثون رَجُلًا ينادئ بالصلوٰة"① یعنی کسی آدمی کو بھیجا کرو جو "الصلوٰة جَامِعَة" کہہ کر نماز کا اعلان کر دیا کرے، اس کے بعد عبد اللہ بن زید رضی اللہ عنہ کو خواب آیا کہ فرشتہ سبز پیراہن میں آسمان سے اترا، اس کے ہاتھ میں ناقوس تھا حضرت عبد اللہ بن زید نے اس سے کہا کہ یہ ناقوس مجھے دیدے۔ اس نے کہا تم اسے کیا کرو گے کہا لوگوں کو نماز کے لئے بلایا کریں گے، اس نے کہا کہ تمہیں اس سے بہتر چیز بتلاتا ہوں کہ نماز کا وقت ہونے پر اذان کہا کرو۔ یہ خواب نبی علیہ السلام کے پاس ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا "إنها لَرُؤيا حقٌّ" لہذا آپ کی تائید اور حکم سے اذان شروع ہوئی۔ اور آپ نے عبد اللہ بن زید سے کہا "فقُم مع بلال فالق عليه فانه أندى صوتاً مِنكَ"②۔

بعض روایات ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں شروع ہوئی ہے لیکن وہ

---

① صحیح بخاری ۶۰۴ ج۱ ص ۱۲۴۔

② ترمذی ۱۸۹ ج۱ ص ۵۸۔

روایات ضعیف ہیں۔ جیسا کہ طبرانی میں عبداللہ بن عمر سے مروی ہے لما أسری بالنبی ﷺ أوحی اللہ الیه الأذان فنزل به فعلمه بلالاً[1]" لیکن اس کی سند میں طلحہ بن زید ہے جو متروک ہے جیسا کہ حافظ نے کہا ہے اور دار قطنی نے أطراف میں ذکر کیا ہے۔ انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "ان جبریل أمر النبی ﷺ بالأذان حین فرضت الصلوۃ[2]" لیکن اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ مرفوع بیان کرتی ہیں "لما أسری بی أذن جبریل فظننت الملائکة أنه یصلي بهم فقدمنی فصلیت[3]" لیکن اس میں غیر معروف راوی ہے لہذا اس بارہ میں کوئی روایت بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لیے ابن منذر نے کہا ہے کہ آپ ہجرت سے پہلے مکہ میں بغیر اذان کے نمازیں پڑھتے رہے۔ مدینہ میں جاکر مشورہ ہوا پھر ابن زید کو خواب آیا۔

-بَابُ بَدْءُ الأَذَانِ:

باب: اس بیان میں کہ اذان کیونکر شروع ہوئی

وَقَوْلُهُ عَزَّ وَجَلَّ: وَإِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لا يَعْقِلُونَ سورة المائدة آية ٥٨ وَقَوْلُهُ: إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِنْ يَوْمِ الْجُمُعَةِ سورة الجمعة آية ٩.

اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی وضاحت کہ اور جب تم نماز کے لیے اذان دیتے ہو، تو وہ اس کو مذاق اور کھیل بنا لیتے ہیں۔ یہ اس وجہ سے کہ یہ لوگ ناسمجھ ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب تمہیں جمعہ کے دن نماز جمعہ کے لیے پکارا جائے۔ (تو اللہ کی یاد کرنے کے لیے فوراً چلے آؤ۔)

شرح بخاری

امام بخاری رحمہ اللہ یہ دو آیات لاکر دو باتوں کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں ایک یہ کہ اذان کا ذکر صرف احادیث میں ہی نہیں بلکہ قرآن کریم میں بھی اذان کی مشروعیت کا ذکر ہے۔ دوسرا یہ کہ اذان مدینہ منورہ جاکر مشروع ہوئی ہے مکہ میں بغیر اذان و اقامت کے ہی آپ نمازیں ادا کیا کرتے تھے کیونکہ یہ آیت مدنی ہے اور جمعہ کی ابتداء بھی مدینہ میں ہی ہوئی ہے دونوں آیات میں یہ فرق ہے کہ ایک اِلی کے ساتھ اور دوسری آیت لام کے ساتھ مستعمل ہے گویا اِلی انتہاء غایت کے لئے اور دوسری آیت میں لام اختصاص کے لئے ہے، یا لام، اِلی کے معنی میں یا اِلی، لام کے معنی میں ہے۔ کیونکہ حروف جر ایک دوسرے کے نائب بن کر استعمال ہوتے رہتے ہیں۔

"قوله اتخذوها هزوًا و لعبًا" کفار جب اذان سنتے تو اسکا مذاق اڑاتے تھے اور جب مسلمانوں کو رکوع اور سجدے میں دیکھتے تو استہزاء کے طور پر ہنستے تھے۔ ابن جریر وغیرہ نے سدی سے نقل کیا ہے کہ مدینے میں ایک عیسائی جب مؤذن سے "أشهد أن محمدا رسول الله" سنتا تو "حرق الکاذب" کہا کرتا تھا کہ جھوٹا آگ میں جلے ایک رات

---

1. فتح الباری ۲/ ۸۷۔
2. فتح الباری ۲/ ۸۷۔
3. فتح الباری ج ۲ ص ۸۷۔

اس کی خادمہ آگ لیے داخل ہوئی جبکہ وہ خود اور اس کا اہل وعیال سوئے ہوئے تھے، اچانک آگ کا انگارہ گرا جس سے وہ عیسائی بمع اہل وعیال جل گیا اور گھر بھی راکھ کا ڈھیر بن گیا[1]۔

بعض اہل تفسیر نے ذکر کیا ہے کہ یہود نے جب اذان سنی تو کہنے لگے "لقد ابتدعت شيئًا لم نسمع به فيما مضي[2] یعنی اس سے پہلے تو ناقوس یا بوق بجایا جاتا تھا آپ نے اذان کی بدعت نکال لی ہے تب یہ آیت نازل ہوئی "وإذا ناديتم إلي الصلوة اتخذوها هزوًا ولعبًا" گویا اللہ تعالی نے اذان کہنے کی تائید کردی۔

امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اذان عبداللہ بن زید بن عبد ربہ کے خواب سے مقرر نہیں ہوئی بلکہ وحی کے ذریعہ مقرر ہوئی ہے اس لیے انہوں نے آیت قرآنی پیش کی ہے کہ قرآن کریم میں بھی اسکا ذکر موجود ہے۔ اس بارہ میں جو روایات آتی ہیں وہ بھی دو قسم کی ہیں ایک روایت محمد بن اسحق والی ہے جو کہ اَقوی ہے اس میں اس اذان اور اقامت کا ذکر ہے جو شافعی کہتے ہیں بعض ضعیف روایات میں اس اذان واقامت کا ذکر ہے جو حنفی کہتے ہیں، احناف کہتے ہیں کہ ملك نازل من السماء کی اذان واقامت کو ہم نے اپنا مذہب بنایا ہے حالانکہ جن روایات میں اقامت دو، دو دفعہ کہنے کا ذکر آتا ہے وہ بنسبت ان روایتوں کے ضعیف ہیں جن میں اقامت فرادیٰ (اکہری اقامت) کا ذکر آتا ہے حنفی کہتے ہیں کہ اکہری اقامت کی روایات اختصار پر محمول ہیں جیسا کہ اذان سے متعلق بعض روایات اختصار پر محمول ہیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں ہے کہ جب موذن اللہ أکبر کہے تو تم بھی اللہ اکبر کہو، اور جب وہ أشهد أن لا اله الا الله کہے تو تم بھی أشهد أن لا اله الا الله کہو یہاں ایک دفعہ ذکر ہے حالانکہ دو دفعہ یہ کلمات کہے جاتے ہیں اسی طرح محمد بن اسحق کی حدیث جس میں اکہری اقامت کا ذکر آتا ہے وہ بھی اختصار پر محمول ہے ترمذی میں آتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کے زمانہ میں اقامت مثنٰی مثنٰی تھی، اس پر جرح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں عبدالرحمن بن ابی لیلی نے کہا ہے "حدثنا أصحابنا[3]" لہذا یہ روایت مرسل ہے، حالانکہ ایک حدیث میں اس نے حدثنا أصحاب محمد ﷺ کہا ہے[4] اس سے یہ روایت موصول ہوجاتی ہے اس میں اقامت مثنٰی مثنٰی کا ذکر ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ملك نازل من السماء والی روایت مختصر ہو اور مدت تک اقامت ایسے ہوتی رہی جب آپ مکہ میں تشریف لائے وہاں آپ نے ابو محذورہ کو اذان ترجیع سے سکھائی اور اقامت بھی دہری کہلائی، امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ پھر آپ نے مدینے میں آنے کے بعد ترجیع سے اذان نہیں کہلائی، مگر امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ہمارا عمل مدینہ میں ترجیع پر ہے۔ اور وہ ترجیع کے قائل ہیں ہوسکتا ہے کہ انہیں ابو محذورہ کی ترجیع والی حدیث پہنچ گئی ہو۔ امام احمد بن حنبل کی رائے یہ ہے کہ بلال کی اذان سابق حالت پر تھی، اس کے بعد مروی ہے "أمر بلال أن يشفع الأذان









---

1. تفسیر الطبری ۱۲۲۱۸، ج۱۰، ص ۴۳۲۔
2. تفسیر القرطبی ج۶ ص ۲۲۴، المائدۃ آیت ۵۸۔
3. مصنف ابن أبی شیبہ ۲۱۲۴ ج۱ ص۱۸۶۔
4. مصنف ابن أبی شیبہ ۲۲۴۸ ج۱ ص۱۹۶۔

ویوتر الاقامة" اور یہ حکم بعد کا ہے اور ابو محذورہ کو جب یہ بات پہنچی تو انہوں نے بھی اقامت فرادیٰ کر دی، کیونکہ مکہ مکرمہ میں عمل ترجیع اذان اور اقامت کے فرادیٰ ہونے پر تھا، اور یہ آخری عمل معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد حضرت بلال رضی اللہ عنہ کا خلیفہ سعد کرظ بھی اسی طرح اذان و اقامت کہتا رہا، اس سے نیچے سب خلفاء امام شافعی رحمہ اللہ کے زمانہ تک اقامت فرادیٰ فرادیٰ کہلاتے رہے، حنفی کہتے ہیں ہم نے ابو محذورہ کی اقامت لی ہے۔ حالانکہ وہ حکم پہلے کا ہے۔ بعد میں ابو محذورہ بھی اقامت فرادیٰ فرادیٰ کہتے تھے۔ حنفی ابو محذورہ کی اذان میں ترجیع کا یہ جواب دیتے ہیں کہ جب آپ نے ابو محذورہ کو اذان سکھائی تو اس نے اس اذان کے کلمات آہستہ کہے تھے اس لیے آپ نے کہا تھا "ارجع فامدد من صوتك" یا آپ نے تعلیم کے لئے دوبارہ کہلائے تھے۔ اس سے اس نے ترجیع سمجھ لی، انور شاہ کہتا ہے یہ سب باتیں فضول اور لغو ہیں کیونکہ ابو محذورہ اس وقت سے اذان و اقامت ایسے کہتے رہے۔ بعد میں نبی کریم علیہ السلام بھی حج کے موقع پر تشریف لائے اس کے بعد خلفاء جاتے رہے۔ کیا ان میں سے کسی کو پتہ نہ چل سکا کہ ابو محذورہ غلطی کرتا ہے اس لیے یہ کہنا چاہیئے کہ یہ بھی جائز ہے اور وہ بھی جائز ہے۔ اگرچہ افضل بلال رضی اللہ عنہ کی اقامت ہے کیونکہ بلال نے اس اذان اور اقامت پر مداومت کی ہے، حنفی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی اقامت کی طرف نہیں آتے، اذان ان کی لیتے ہیں اگر کہا جائے کہ ترجیع اذان میں کلمات زیادہ ہیں جس پر اجر بھی زیادہ ملتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ کوئی قاعدہ نہیں ہے، کیونکہ کبھی زائد عبادت سے کمی والی عبادت افضل ہوتی ہے یہ دیکھنا چاہیئے کہ عمل کس پر رہا ہے۔ یہ بات اس لیے بنائی ہے تاکہ رفع یدین کا اعتراض نہ آئے۔ کیونکہ رفع یدین کرنا عبادت ہے اور نہ کرنا ترکِ عبادت ہے۔ عبادت سے ترکِ عبادت کیسے افضل ہو سکتی ہے۔ یہاں بھی ترجیع میں کلمات زائد ہوتے ہیں چاہیئے تھا کہ یہ افضل ہو، اس پر کہا کہ کبھی کم چیز بھی افضل ہو جاتی ہے حالانکہ ترکِ رفع یدین کی روایات صحیح نہیں ہیں لہذا کمی والی عبادت افضل کیسے ہو سکتی ہے۔

انور شاہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ رفع یدین کرنے کی احادیث واقعی حدِ تواتر کو پہنچی ہوئی ہیں اور ہماری ڈیڑھ روایت عمل کے لحاظ سے تواتر کو پہنچی ہے سند کے اعتبار سے نہیں۔ ایک روایت عبداللہ بن مسعود کی۔ اور ایک عباد کی مرسل روایت ہے یہ ڈیڑھ ہوگئی ہے اور کہا ہے کہ دونوں طرح ثابت ہے۔ اور اہل الحدیث جو کہتے ہیں کہ ترک رفع یدین ثابت ہی نہیں ہے انکا مطلب ہے کہ حنفیوں کو جنت میں جگہ نہ ملے، کہتا ہے کہ ہمارا عمل بھی ثابت ہے باقی سنت کیا ہے فعل یا ترک؟ کہتا ہے یہ مجھے پتہ نہیں چلتا۔

خیر: اگر ملك نازل من السماء کی اذان اور اقامت حنفیوں والی ہو اس کے بعد یہ حکم دیدیا گیا "أمر بلال أن یشفع الأذان ویوتر الاقامة" تو ترجیع کا مسئلہ مدینے میں بھی آگیا۔ پھر ابو محذورہ نے اقامت فرادیٰ شروع کر دی، گویا شافعیوں والی اذان اور اقامت پر عمل تھا اور یہ آخری عمل تھا۔

احناف کہتے ہیں "أمر بلال أن یشفع الأذان ویوتر الاقامة" کا مطلب یہ ہے کہ دو کلمات ایک سانس میں کہنا چاہییں، گویا اذان کہتے ہوئے سانس لے تاکہ کلمات الگ الگ ہوں۔ اور اقامت میں سانس لینے میں ایتار

ہونا چاہیئے۔ یعنی دو کلمے ایک سانس میں کہے اور شفع اور ایتار میں سانس لینا مراد ہے یعنی اذان کہتے ہوئے ایک ایک کلمہ پر سانس لے اور اقامت میں دو، دو کلمات کو ملاتا جائے وہ شفع اور یہ ایتار ہے، اس پر اعتراض آتا ہے کہ حدیث میں "یوتر الاقامة" کے بعد "إلا الإقامة" آتا ہے۔ کیا اقامت کے دو کلمے ایک سانس میں نہ ملائے؟ کہتے ہیں "إلا الإقامة" کا مطلب یہ ہے کہ باقی اذان اور اقامت کے کلمات ایک جیسے ہوں سوائے اقامت کے یہ لفظ اذان سے زائد ہے یہ مطلب ہے إلا الإقامة کا مفہوم ایسا بنانا کہ جو کسی کو آسانی سے سمجھ نہ آسکے۔ حالانکہ مفہوم عام فہم ہونا چاہیئے۔

حافظ نے ذکر کیا ہے کہ یہ سوال عام کیا جاتا ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ نے اذان کہی ہے ترمذی میں ہے کہ آپ نے سفر میں اذان کہی ہے "ان النبی ﷺ أذن فی سفر و صلي بأصحابه وهم علی رواحلهم السماء من فوقهم والبلة من أسفلهم[1]" امام نووی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک مرتبہ سفر میں اذان کہی ہے۔ حافظ نے کہا ہے لیکن مسند احمد میں ترمذی کی سند کے ساتھ یہ حدیث یوں مروی ہے "فأمر بلالاً فأذن" اس کے پیش نظر معلوم ہوتا ہے کہ ترمذی کی روایت میں اختصار ہے لہذا ان النبی ﷺ أذن کا معنی یہ ہوگا "أمر بلالاً فأذن" جیسے کہا جاتا ہے "أعطی الخليفة فلاناً ألفاً" حالانکہ دینے والا اسکا نائب ہوتا ہے چونکہ حکم خلیفہ دیتا ہے اس لیے عطاء کرنے کی نسبت اسکی طرف کر دی جاتی ہے۔



٦٠٣ ـ حَدَّثَنَا عِمْرَانُ بْنُ مَيْسَرَةَ، حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، حَدَّثَنَا خَالِدُ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: ذَكَرُوا النَّارَ وَالنَّاقُوسَ، فَذَكَرُوا الْيَهُودَ، وَالنَّصَارَى: ذَكَرُوا النَّارَ «فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ».

ہم سے عمران بن میسرہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے خالد حذاء نے ابوقلابہ عبداللہ بن زید سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ (نماز کے وقت کے اعلان کے لیے) لوگوں نے آگ اور ناقوس کا ذکر کیا۔ پھر یہود و نصاریٰ کا ذکر آ گیا۔ پھر بلال رضی اللہ عنہ کو یہ حکم ہوا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور اقامت میں ایک ایک مرتبہ۔

"قوله ذكروا النار والناقوس" اس میں اختصار ہے کیونکہ نار کے ذکر کے بعد یہود و نصاری کو ذکر کیا گیا ہے اور یہود و نصاری کا نار سے تعلق نہیں ہے، نار سے تعلق مجوس کا ہے، جیسا کہ دیگر احادیث میں نار، ناقوس اور بوق کے بعد مجوس اور یہود و نصاری کا ذکر ہے، مجوس کا تعلق نار سے اور نصاری کا ناقوس سے اور یہود کا تعلق بوق سے ہے، بعض کہتے ہیں کہ یہودیوں کا بھی نار سے تعلق ہے کیونکہ وہ قربانی کے جانور آگ سے جلاتے تھے۔

"قوله أن يشفع الأذان و أن يوتر الاقامة" یہ بھی اختصار پر محمول ہے اس سے اصطلاحی اذان و اقامت مراد ہے یا الصلوة جامعة کہنا مراد ہے اگر الصلوة جامعة کہنا مراد ہو تو اختصار یہ ہوگا کہ اذان کب شروع ہوئی اس کے لئے عبداللہ بن



[1] فتح الباری لابن حجر رحمہ اللہ ج ۲ ص ۷۹۔

زید کا خواب ذکر ہوگا۔ اور اگر اصطلاحی اذان مراد ہو تو اختصار ایسے ہوگا کہ پہلے الصلوۃ جامعۃ کہتے رہے پھر عبداللہ بن زید کو خواب آئی اور اذان و اقامت ہوتی رہی۔ پھر مدت بعد آپ نے بلال کو حکم دیا۔ "أن يشفع الأذان ويوتر الاقامة" اور اصل عبارت یہ ہوگی جو ذکر کی ہے۔

٦٠٤ ـ حَدَّثَنَا مَحْمُودُ بْنُ غَيْلَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي نَافِعٌ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ، يَقُولُ: كَانَ الْمُسْلِمُونَ حِينَ قَدِمُوا الْمَدِينَةَ يَجْتَمِعُونَ فَيَتَحَيَّنُونَ الصَّلَاةَ لَيْسَ يُنَادَى لَهَا، فَتَكَلَّمُوا يَوْمًا فِي ذَلِكَ، فَقَالَ بَعْضُهُمْ: اتَّخِذُوا نَاقُوسًا مِثْلَ نَاقُوسِ النَّصَارَى، وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ بُوقًا مِثْلَ قَرْنِ الْيَهُودِ، فَقَالَ عُمَرُ: أَوَلَا تَبْعَثُونَ رَجُلًا يُنَادِي بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا بِلَالُ قُمْ فَنَادِ بِالصَّلَاةِ».

ہم سے محمود بن غیلان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالرزاق بن ہمام نے، کہا کہ ہمیں عبدالملک ابن جریج نے خبر دی، کہا کہ مجھے نافع نے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے تھے کہ جب مسلمان (ہجرت کر کے) مدینہ پہنچے تو وقت مقرر کر کے نماز کے لیے آتے تھے۔ اس کے لیے اذان نہیں دی جاتی تھی۔ ایک دن اس بارے میں مشورہ ہوا۔ کسی نے کہا نصاریٰ کی طرح ایک گھنٹہ لے لیا جائے اور کسی نے کہا کہ یہودیوں کی طرح نرسنگا (بگل بنالو، اس کو پھونک دیا کرو) لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ کسی شخص کو کیوں نہ بھیج دیا جائے جو نماز کے لیے پکار دیا کرے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسی رائے کو پسند فرمایا اور بلال سے) فرمایا کہ بلال! اٹھ اور نماز کے لیے اذان دے۔

شرح بخاری

"قوله قم فناد بالصلوة" قاضی عیاض نے کہا ہے کہ لفظ "قم" اس بات کی دلیل ہے کہ اذان کھڑے ہو کر دینی چاہیئے اور تمام علماء کا مذہب یہ ہے کہ بیٹھ کر اذان کہنا جائز نہیں ہے۔ لیکن نووی نے اسکا تعاقب کرتے ہوئے کہا ہے کہ "قم" کا معنی یہ ہے "اذهب إلي موضع بارزٍ فناد فيه بالصلوة" احناف کے ہاں کھڑے ہو کر اذان کہنا سنت ہے اگر بیٹھ کر اذان کہہ دے تو صحیح ہوگی۔ ابن المنذر نے کہا ہے کہ اذان کے لئے قیام کے سنت ہونے پر علماء کا اتفاق ہے۔ اور "بالصلوۃ" سے مراد الصلوۃ جامعۃ کہنا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہی ہے کہ اذان وحی کے ذریعے مقرر ہوئی ہے اور جن روایات میں عبداللہ بن زید کے خواب کا ذکر ہے انہیں انہوں نے نظر انداز کر دیا ہے۔

٢ـ بَابُ الأَذَانُ مَثْنَى مَثْنَى:

باب: اس بارے میں کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ دہرائے جائیں

٦٠٥ ـ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ سِمَاكِ بْنِ عَطِيَّةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ، إِلَّا الْإِقَامَةَ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا سماک بن عطیہ سے، انہوں نے ایوب سختیانی سے، انہوں نے ابوقلابہ سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو مرتبہ کہیں اور سوا «قد قامت الصلوۃ» کے تکبیر کے کلمات ایک ایک دفعہ کہیں۔

٦٠٦ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ الثَّقَفِيُّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا خَالِدٌ الْحَذَّاءُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: لَمَّا كَثُرَ النَّاسُ، قَالَ: «ذَكَرُوا أَنْ يَعْلَمُوا وَقْتَ الصَّلَاةِ بِشَيْءٍ يَعْرِفُونَهُ، فَذَكَرُوا أَنْ يُورُوا نَارًا أَوْ يَضْرِبُوا نَاقُوسًا، فَأُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ».

ہم سے محمد بن سلام نے بیان کیا، کہا ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا، کہا ہم سے خالد بن مہران حذاء نے ابوقلابہ عبدالرحمٰن بن زید حرمی سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ جب مسلمان زیادہ ہو گئے تو مشورہ ہوا کہ کسی ایسی چیز کے ذریعہ نماز کے وقت کا اعلان ہو جسے سب لوگ سمجھ لیں۔ کچھ لوگوں نے ذکر کیا کہ آگ روشن کی جائے۔ یا نرسنگا کے ذریعہ اعلان کریں۔ لیکن آخر میں بلال کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہیں اور تکبیر کے ایک ایک دفعہ۔



"اللہ أکبر، اللہ أکبر" ایک دفعہ کہا جائے پھر "اللہ أکبر اللہ أکبر" ایک دفعہ کہا جائے تو یہ مثنیٰ ہو جاتا ہے۔ اور اس کا علم امت کے عمل سے ہوتا ہے۔ شافعی اسی کے قائل ہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ تثنیہ تکبیر کے قائل ہیں کہ شروع میں اللہ أکبر اللہ أکبر بس دو دفعہ کہنا چاہیے، حنفیوں سے أبویوسف بھی تثنیہ تکبیر کے قائل ہیں۔ کیونکہ امام مالک سے گفتگو کے وقت مغلوب ہو گئے اور تثنیہ تکبیر کے قائل ہو گئے تھے صبح کی اذان کے متعلق بھی گفتگو ہوئی تھی اور قائل ہو گئے کہ صبح کی اذان آدھی رات کے بعد کہنی چاہیے۔ اور صاع کے مسئلہ میں بھی حجازی صاع کے قائل ہو گئے تھے۔

شرح بخاری

۳۔بَابُ الْإِقَامَةُ وَاحِدَةٌ، إِلَّا قَوْلَهُ قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ:

باب: اس بارے میں کہ سوائے «قد قامت الصلاۃ» کے اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہے جائیں

٦٠٧ ـ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَشْفَعَ الْأَذَانَ وَأَنْ يُوتِرَ الْإِقَامَةَ». قَالَ إِسْمَاعِيلُ: فَذَكَرْتُ لِأَيُّوبَ، فَقَالَ: إِلَّا الْإِقَامَةَ.



ہم سے علی بن عبداللہ بن مدینی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابراہیم بن علیہ نے بیان کیا، کہا ہم سے خالد حذاء نے ابوقلابہ سے بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا گیا کہ اذان کے کلمات دو دو دفعہ کہیں اور تکبیر میں یہی کلمات ایک ایک دفعہ۔ اسماعیل نے بتایا کہ میں

نے ایوب سختیانی سے اس حدیث کا ذکر کیا تو انہوں نے کہا مگر لفظ «قد قامت الصلوة» دو ہی دفعہ کہا جائے گا۔

فرادیٰ یا إیتار کی بجائے "واحدة" کا لفظ لا کر امام بخاری اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ احناف نے ایتار وغیرہ کی جو تاویل کی ہے وہ غلط ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ "أن یوتر الاقامة" میں ایتار سے مراد اقامت کے دو کلمات ایک سانس میں کہنا ہے اور یہ تاویل "واحدة" کے لفظ میں نہیں ہو سکتی لفظ "واحدة" ابن حبان اور دارقطنی میں وارد ہے۔ ابن حبان میں ہے "الأذان مثنی والاقامة واحدة[1]" اور دارقطنی میں ہے وأمره أن یقیم واحدة واحدة[2]"۔

۴۔ بَابُ فَضْلِ التَّأْذِينِ:

باب: اذان دینے کی فضیلت کے بیان میں

۶۰۸ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ أَدْبَرَ الشَّيْطَانُ وَلَهُ ضُرَاطٌ حَتَّى لَا يَسْمَعَ التَّأْذِينَ، فَإِذَا قَضَى النِّدَاءَ أَقْبَلَ حَتَّى إِذَا ثُوِّبَ بِالصَّلَاةِ أَدْبَرَ، حَتَّى إِذَا قَضَى التَّثْوِيبَ أَقْبَلَ حَتَّى يَخْطِرَ بَيْنَ الْمَرْءِ وَنَفْسِهِ، يَقُولُ اذْكُرْ كَذَا اذْكُرْ كَذَا لِمَا لَمْ يَكُنْ يَذْكُرُ حَتَّى يَظَلَّ الرَّجُلُ لَا يَدْرِي كَمْ صَلَّى».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کے کے لیے اذان دی جاتی ہے تو شیطان پادتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے۔ تاکہ اذان کی آواز نہ سن سکے اور جب اذان ختم ہو جاتی ہے تو پھر واپس آ جاتا ہے۔ لیکن جوں ہی تکبیر شروع ہوئی وہ پھر پیٹھ موڑ کر بھاگتا ہے۔ جب تکبیر بھی ختم ہو جاتی ہے تو شیطان دوبارہ آ جاتا ہے اور نمازی کے دل میں وسوسے ڈالتا ہے۔ کہتا ہے کہ فلاں بات یاد کر فلاں بات یاد کر۔ ان باتوں کی شیطان یاد دہانی کراتا ہے جن کا اسے خیال بھی نہ تھا اور اس طرح اس شخص کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھی ہیں۔

"قوله وله ضراط" یا تو عمداً گوز مارتا ہے تا کہ اسے اذان سنائی نہ دے اور قیامت کے دن موذن کے حق میں گواہی نہ دینی پڑے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ جو چیز بھی موذن کی اذان سنتی ہے وہ اس کے حق میں گواہی دے گی۔ یا مرعوب ہو کر اس کے گوز نکلتے ہیں۔ جیسا کہ بعض نے کہا ہے کہ اذان کے اثر سے مرعوب ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے گوز نکلتے ہیں۔ لہذا وہ اذان سے بچنے کے لئے آگے بھاگتا ہے۔ ادھر بھی اذان ہو رہی ہو تو اوپر چڑھ جاتا ہے جب اذان مکمل ہوتی ہے تو پھر آجاتا ہے اور جب اقامت ہوتی ہے تو پھر بھاگتا ہے قاضی عیاض نے کہا ہے کہ ولہ

---

[1] مصنف ابن أبي شیبة ۲۱۳۰ ج ۱ ص ۱۸۶۔

[2] دارقطنی ۹۰۸ ج ۱ ص ۴۴۲۔

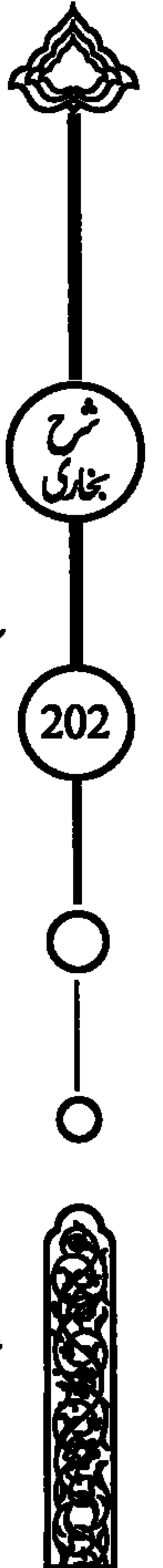
ضراط کو اپنے ظاہر پر محمول کیا جاسکتا ہے کیونکہ شیطان بھی ایسا جسم ہے جو کھاتا پیتا ہے لہذا اس سے ہوا کا نکلنا ممکن ہے یہاں شیطان سے مراد ابلیس ہے۔ جیسا کہ اکثر شارحین نے کہا ہے یا اس سے جنس شیطان بھی مراد ہو سکتی ہے۔ لہذا اس میں ہر سرکش جن اور انسان داخل ہے۔ لیکن اس حدیث میں سرکش جن مراد ہے۔

"قوله حتى لايسمع التأذين" وہ عمداً ایسا کرتا ہے تاکہ گوزوں کی آواز میں اسے اذان کی آواز نہ سنائی دے یا وہ ایسا اذان کی تخفیف اور تحقیر کے لئے کرتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ یہ چیز عمداً نہ ہو بلکہ اسے اذان کے وقت شدت خوف حاصل ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کے گوز نکلتے ہیں۔ یا وہ نماز کے لئے طہارت کے مقابلہ میں ایسی خلاف طہارت حرکت کرتا ہے اسی لیے اذان کہتے ہوئے آواز بلند کرنے کا حکم ہے تاکہ وہ اذان کی آواز کی حدود سے دور بھاگ جائے۔ مسلم میں جابر سے مروی ہے کہ وہ روحاء کی مثل دور بھاگ جاتا ہے۔ اور مدینہ سے روحاء جگہ چھتیس میل کے فاصلہ پر ہے۔

"قوله حتى إذا ثوب للصلوة" یہ ثوب سے ہے۔ پرانے زمانے میں جب دشمن کا خطرہ لاحق ہوتا تھا تو کپڑا کسی عصا پر یا لاٹھی پر رکھ کر پھیرا کرتے تھے۔ تاکہ دور سے دیکھنے والے سمجھ لیں کہ ہمارا دشمن آرہا ہے اور وہ اپنا بچاؤ کر لیں۔ یہ اعلام میں بڑا مبالغہ ہوتا تھا جسے زمانہ جاہلیت میں اختیار کیا جاتا تھا۔ اور جب اعلام میں تکرار ہو تو اس کو بھی تثویب سے تعبیر کرتے ہیں کیونکہ اس میں بھی مبالغہ پایا جاتا ہے۔ بنابریں اقامت کو بھی تثویب کہا جاتا ہے۔ اذان میں "الصلوة خير من النوم" کو بھی تثویب کہا جاتا ہے ایک صورت تثویب کی بدعت ہے اور وہ یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان لوگوں کو بلانے کے لئے "الصلوة، الصلوة" کہنا اسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے بدعت قرار دیا ہے۔

"قوله يقول اذكر كذا، اذكر كذا" یعنی جو چیز نماز سے قبل یاد نہیں ہوتی وہ اسے نماز میں یاد کراتا ہے۔ یہاں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے پاس ایک آدمی آیا اور اس نے شکایت پیش کی کہ میں نے زمین کے کسی گوشے میں مال دفن کیا تھا اب مجھے یاد نہیں آرہا کہ میں نے زمین کے کس گوشے میں دفن کیا تھا۔ اب کیا کروں تو امام صاحب نے اس حدیث سے استنباط کرتے ہوئے اسے کہا کہ وہ وضوء کر کے دو رکعت نماز پڑھے اور پوری کوشش کرے کہ اسے دنیا کی کسی چیز کا خیال نہ آئے اور نماز میں ہی توجہ رکھنے کی کوشش کرے جب تو ایسا کرے گا تو شیطان تجھے تیرا خزانہ یاد کرا دیگا۔ اس نے ایسا کیا کہ جھٹ خزانہ اسے یاد آگیا۔ اس پر انور شاہ ناراض ہو گیا کہ دیکھو حافظ ابن حجر امام ابو حنیفہ کے ایسے مناقب ذکر کرتا ہے جیسے کہ میدان گرم ہو اور ان کی رعایت نہیں کرتا۔ حالانکہ حافظ ابن حجر، امام ابو حنیفہ سے منحرف تو نہیں تھے جیسا کہ بعض محدثین ان سے منحرف تھے۔ ایک دفعہ اہل ظاہر سے ایک آدمی حافظ ابن حجر کے پاس آیا۔ اور کہا کہ مجھے خواب آیا ہے جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا ابن حجر اچھا آدمی ہے مگر اس کا میلان حنفیوں کی طرف ہو گیا ہے کہا واقعی یہ خواب دیکھا ہے کہا ہاں کہا واقعی میرا میلان حنفیوں کی طرف ہوا تھا اب میں اس سے توبہ کرتا ہوں حنفی کہتے ہیں دیکھو جی حافظ اہل ظاہر کے کہنے پر پھسل گیا ہے اگر وہ حنفی بن جاتا تو بڑا پکا کام ہو جاتا۔

شیطان لعین کا اذان و اقامت سن کر بھاگنا لیکن قرآن اور نماز میں ہونے والے ذکر سے نہ بھاگنا اس لیے ہے کہ



اذان و اقامت سن کر موذن کے حق میں گواہی دینا ہوگی اس لیے شیطان اس سے بچنے کے لئے بھاگتا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے "لایسمع مدی صوت المؤذن جن ولا إنس ولا شیئ إلا شهد له یوم القیامة[1]" یہ شہادت اذان و اقامت کے لئے ہی ہے۔

۵-بَابُ رَفْعِ الصَّوْتِ بِالنِّدَاءِ:

باب: اس بیان میں کہ اذان بلند آواز سے ہونی چاہیے

وَقَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ: أَذِّنْ أَذَانًا سَمْحًا وَإِلَّا فَاعْتَزِلْنَا[2].

عمر بن عبدالعزیز خلیفہ نے (اپنے موذن سے) کہا کہ سیدھی سادھی اذان دیا کر، ورنہ ہم سے علیحدہ ہو جا۔

٦٠٩ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي صَعْصَعَةَ الْأَنْصَارِيِّ، ثُمَّ الْمَازِنِيِّ عَنْ أَبِيهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ، قَالَ لَهُ: «إِنِّي أَرَاكَ تُحِبُّ الْغَنَمَ وَالْبَادِيَةَ، فَإِذَا كُنْتَ فِي غَنَمِكَ أَوْ بَادِيَتِكَ فَأَذَّنْتَ بِالصَّلَاةِ فَارْفَعْ صَوْتَكَ بِالنِّدَاءِ، فَإِنَّهُ لَا يَسْمَعُ مَدَى صَوْتِ الْمُؤَذِّنِ جِنٌّ وَلَا إِنْسٌ وَلَا شَيْءٌ إِلَّا شَهِدَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»، قَالَ أَبُو سَعِيدٍ: سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے عبدالرحمٰن بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن ابی صعصعہ انصاری سے خبر دی، پھر عبدالرحمٰن مازنی اپنے والد عبداللہ سے بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد نے انہیں خبر دی کہ ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ صحابی نے ان سے بیان کیا کہ میں دیکھتا ہوں کہ تمہیں بکریوں اور جنگل میں رہنا پسند ہے۔ اس لیے جب تم جنگل میں اپنی بکریوں کو لیے ہوئے موجود ہو اور نماز کے لیے اذان دو تو تم بلند آواز سے اذان دیا کرو۔ کیونکہ جن و انس بلکہ تمام ہی چیزیں جو موذن کی آواز سنتی ہیں قیامت کے دن اس پر گواہی دیں گی۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے۔

یعنی اذان کہتے ہوئے آواز کو بلند کرنا مستحب ہے تاکہ اس کے حق میں گواہی دینے والے زیادہ ہوں۔

"قوله فاعتزلنا" یعنی اذان کہتے ہوئے آواز بلند کرنا درست ہے لیکن گانا درست نہیں ہے اس لیے عمر بن عبدالعزیز نے موذن سے کہا سادہ اذان کہا کرو ورنہ اذان کا منصب چھوڑ دو، سمحًا سے مراد یہ ہے ان یسمح بترك التطریب ویمد صوته۔ حافظ نے کہا ہے یہ موذن ہوسکتا ہے کہ بنوسعد القرظ سے ہو، اور عمر بن عبدالعزیز نے

---

(1) صحیح البخاری ٦٠٩ ج ١ ص ١٢٥

(2) مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے "ان مؤذنًا أذن فطرّب فی أذانه فقال له عمر بن عبدالعزیز: أذّن أذانًا سَمْحًا وإلاّ فاعتزلنا" فتح الباری لابن رجب ٤٢٩/٣۔

اسے یہ حکم اس وقت دیا تھا جبکہ وہ مدینہ کے امیر تھے۔ کیونکہ گانے کی صورت میں اذان کہی جائے تو خشوع و خضوع نہیں رہتا اور اس میں فتنہ کا بھی ڈر ہوتا ہے۔ قرآن خوش الحانی سے پڑھا جاسکتا ہے کیونکہ قرآن میناروں یا بلند جگہوں پر نہیں پڑھا جاتا۔

"قوله اذا كنت فی باديتك فأذنت..." اس سے منفرد کے لئے اذان کہنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے جنگل میں منفرد کی اذان سے اگرچہ حاضرین کی امید نہیں ہوتی لیکن اس سے مؤذن کے لئے اس کی آواز سننے والوں یا جہاں تک اس کی آواز پہنچے وہاں تک ان چیزوں کے اس کے لئے گواہی دینے کا فائدہ حاصل ہوجاتا ہے۔

"قوله ولاشئ" یہ عام کا خاص پر عطف ہے اس سے فرشتے مراد ہیں بلکہ حجر شجر اور مدر سب اس میں آجاتے ہیں حتی کہ کافر بھی اس میں داخل ہیں وہ بھی گواہی دینے پر مجبور ہوں گے اسی لیے تو شیطان بھاگتا ہے تاکہ گواہی نہ دینی پڑے۔

٦-بَابُ مَا يُحْقَنُ بِالأَذَانِ مِنَ الدِّمَاءِ:
باب: اذان کی وجہ سے خون ریزی رکنا

٦١٠ - حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا غَزَا بِنَا قَوْمًا لَمْ يَكُنْ يَغْزُو بِنَا حَتَّى يُصْبِحَ وَيَنْظُرَ، فَإِنْ سَمِعَ أَذَانًا كَفَّ عَنْهُمْ، وَإِنْ لَمْ يَسْمَعْ [1] أَذَانًا أَغَارَ

[1] اذان فرض کفایہ ہے یا سنتِ مؤکدہ؟ اس بارہ میں علماء کے دو قول ہیں ایک یہ کہ فرض کفایہ ہے۔ یہ قول امام احمد رحمہ اللہ۔ اور داؤد رحمہ اللہ اور امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے بعض اصحاب اور امام مالک رحمہ اللہ امام شافعی رحمہ اللہ کے بعض ساتھیوں کا ہے۔ اور ان سے یہ بھی منقول ہے کہ اقامت، صحتِ نماز کی شرط ہے۔ اور جو اقامت کے بغیر نماز ادا کرے وہ نماز کا اعادہ کرے۔ لیکن جمہور اس بات کے قائل ہیں کہ اذان و اقامت کے بغیر پڑھی ہوئی نماز کے اعادہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اذان کو واجب کہنے والوں کا استدلال اس حدیث سے ہے "إذا حضرتِ الصلوة فليؤذن لكم أحد كم" خ رقم ٦٣١۔

دوسرا قول یہ ہے کہ اذان کہنا سنت مؤکدہ ہے یہ مالک رحمہ اللہ، شافعی رحمہ اللہ۔ ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا مذھب ہے اور ایک روایت احمد رحمہ اللہ کی بھی ہے۔ جو علماء فرض کفایہ کہتے ہیں ان کے نزدیک اگر کسی آبادی والے اس کے چھوڑنے پر اتفاق کرلیں تو ان سے قتال کیا جائیگا تاکہ وہ اس کے قائل وفاعل بن جائیں اور جو علماء اذان کو سنتِ مؤکدہ کہتے ہیں ان کے دو قول ہیں۔ بعض تارکین اذان سے قتال کے قائل ہیں۔ کیونکہ وہ اسلام کے ایک شعار کے چھوڑنے پر اتفاق کئے ہوئے ہیں۔ یہ محمد بن حسن اور ایک جماعت شافعیہ کا قول ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ ان سے باقی نوافل کے چھوڑنے کی طرح قتال نہیں کیا جائیگا۔ یہ ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور بعض شوافع کا قول ہے۔۔ ابو یوسف کے نزدیک انہیں سزا دی جائے لیکن قتال نہ کیا جائے کیونکہ اذان فرض نہیں مگر نوافل سے بڑھ کر ہے۔ جو علماء قتال کے قائل ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس آبادی سے اذان سنتے تھے ان سے قتال نہیں کرتے تھے۔ لہذا جس آبادی والے اذان کو چھوڑنے پر اتفاق کریں گے ان سے قتال مباح ہوجائے گا۔ فتح الباری۔ ابن رجب رحمہ اللہ ٣/٤٤٤۔

عَلَيْهِمْ. قَالَ: فَخَرَجْنَ إِلَى خَيْبَرَ فَانْتَهَيْنَا إِلَيْهِمْ لَيْلًا. فَلَمَّا أَصْبَحَ وَلَمْ يَسْمَعْ أَذَانًا رَكِبَ وَرَكِبْتُ خَلْفَ أَبِي طَلْحَةَ وَإِنَّ قَدَمِي لَتَمَسُّ قَدَمَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: فَخَرَجُوا إِلَيْنَا بِمَكَاتِلِهِمْ وَمَسَاحِيهِمْ. فَلَمَّا رَأَوُا النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالُوا: مُحَمَّدٌ وَاللهِ. مُحَمَّدٌ وَالْخَمِيسُ. قَالَ: فَلَمَّا رَآهُمْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: اللهُ أَكْبَرُ اللهُ أَكْبَرُ. خَرِبَتْ خَيْبَرُ. إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَاءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِينَ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا ہم سے اسماعیل بن جعفر انصاری نے حمید سے بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں ساتھ لے کر کہیں جہاد کے لیے تشریف لے جاتے، تو فوراً ہی حملہ نہیں کرتے تھے۔ صبح ہوتی اور پھر آپ انتظار کرتے اگر اذان کی آواز سن لیتے تو حملہ کا ارادہ ترک کر دیتے اور اگر اذان کی آواز نہ سنائی دیتی تو حملہ کرتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہم خیبر کی طرف گئے اور رات کے وقت وہاں پہنچے۔ صبح کے وقت جب اذان کی آواز نہیں سنائی دی تو آپ اپنی سواری پر بیٹھ گئے اور میں ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے بیٹھ گیا۔ چلنے میں میرے قدم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سے چھو چھو جاتے تھے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ خیبر کے لوگ اپنے ٹوکروں اور کدالوں کو لیے ہوئے (اپنے کام کاج کو) باہر نکلے۔ تو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اور چلا اٹھے کہ «محمد واللہ محمد» (صلی اللہ علیہ وسلم) پوری فوج سمیت آ گئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں دیکھا تو آپ نے فرمایا «اللہ أکبر، اللہ أکبر» خیبر پر خرابی آ گئی۔ بیشک جب ہم کسی قوم کے میدان میں اتر جائیں تو ڈرائے ہوئے لوگوں کی صبح بری ہو گی۔

حقن، بمعنی حبس ہے یعنی کسی آبادی والوں سے اذان کی آواز سن کر ان کے خون بہانے سے رک جانا، کیونکہ اذان میں شہادتین کا اقرار اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلمان ہیں۔

قولہ فان سمع أذانًا۔ بعض روایات میں "استمع" کا لفظ بھی آیا ہے کہ آپ کان لگا کر سنتے تھے بعض لوگوں نے

شرح بخاری

علماء کا اس بارہ میں بھی اختلاف ہے کہ اقامت کا بھی جواب دینا چاہیئے یا نہیں؟ قاضی ابو یعلیٰ۔ اور اکثر مالکیہ وغیرہ کا مذہب یہ ہے کہ اقامت کا جواب دیا جائیگا۔ ان کی دلیل ابوداؤد کی حدیث ہے کہ بلال ؓ نے اقامت کہی جب قد قامت الصلوۃ کہا تو نبی کریم علیہ السلام نے جواب میں "أقامها الله وأدامها" کہا لیکن یہ حدیث ضعیف ہے۔ اور اس کی سند میں تین علتیں ہیں۔ اس میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہے۔ اور وہ رجل من اہل الشام سے روایت کرتا ہے اور یہ رجل مجہول ہے۔ اور وہ شہر بن حوشب سے روایت کرتا ہے جو مختلف فیہ راوی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اقامت کا جواب مشروع نہیں ہے۔

اس سے استدلال کیا ہے کہ استماع مستلزم سماع نہیں ہے۔ کیونکہ اس کے بعد سمع اور لم یسمع دونوں لفظ آتے ہیں اگر مستلزم سماع ہوتو تفسیر الشئی لنفسه ولغیرہ لازم آتی ہے جو کہ منع ہے حالانکہ تاویل ہوسکتی ہے کہ استمع کے معنی مجازی ہیں، جیسا کہ "اذا قرأت القرآن فاستعذ بالله" کا معنی اذا أردت ان تقرء القرآن" ہے اسی طرح"إذا قمتم إلي الصلوة فاغسلوا" کا معنی إذا أردتم القيام إلي الصلوة فاغسلوا" ہے اسی طرح یہاں معنی أراد أن يسمع ہے یعنی جب سننے کا ارادہ ہوتا۔ یہ معنی قرینے کی بناپر ہے۔ ورنہ قمتم کا معنی أردتم نہیں ہے۔ لغت سے ثابت نہیں ہے کہ قام بمعنی أراد ہو یہ اصل میں مجازی معنی ہے۔ استمع اس وقت استعمال کیا جاتا ہے جبکہ انسان اچھی طرح سننے کی کوشش کرے اور جبکہ خارج میں کوئی چیز موجود ہوتو اسے سننے کی کوشش کی جائے حافظ نے کہا ہے کہ مستمع اور سامع میں فرق ہے۔ سامع عام ہے سننے کا قصد کرے یا نہ کرے اور مستمع تب بولا جاتا ہے جبکہ سننے کا قصد کرے۔ لہذا اسے خاص بنایا ہے۔ اور اگر استماع کو عام کہا جائے تو یہ نہیں کہ ہر جگہ عام ہو۔ جہاں کوئی شئ موجود ہو وہاں اگر استماع کا لفظ بولا جائے تو وہاں سماع کو مستلزم ہے اگر خارج میں کوئی شئ موجود نہ ہو جیسا کہ یہاں بولا گیا ہے کیونکہ اذان ہوئی نہیں پہلے ہی استمع آیا ہے اس کے بعد سمع اور لم یسمع آسکتا ہے۔ اور جہاں شئ موجود ہو وہاں یہ نہیں ہو سکتا کہ عدم سماع کو مستلزم ہو بلکہ سماع کو مستلزم ہوتا ہے جیسے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ تم سب جمعہ میں حاضر ہو جو سنتا ہے وہ سنے اور جو نہیں سنتا وہ بھی خطبہ کے لئے خاموش رہے۔ فان للمنصت اجر ما للمستمع یعنی منصت کو بھی مستمع کا اجر ملتا ہے۔

قولہ الخمیس لشکر کو خمیس کہتے ہیں جو کہ خمسۃ سے ہے کیونکہ لشکر کے بھی پانچ حصے بنائے جاتے تھے۔ مقدمہ، ساقہ، میمنہ، میسرہ اور قلب۔

٧- بَابُ مَا يَقُولُ إِذَا سَمِعَ الْمُنَادِي:

باب: اس بارے میں کہ اذان کا جواب کس طرح دینا چاہیے

٦١١ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَزِيدَ اللَّيْثِيِّ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمُ النِّدَاءَ فَقُولُوا مِثْلَ مَا يَقُولُ الْمُؤَذِّنُ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابن شہاب زہری سے خبر دی، انہوں نے عطاء بن یزید لیثی سے، انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ جب تم اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہتا ہے اسی طرح تم بھی کہو۔

٦١٢ - حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنِي عِيسَى بْنُ طَلْحَةَ، «أَنَّهُ سَمِعَ مُعَاوِيَةَ يَوْمًا فَقَالَ مِثْلَهُ إِلَى قَوْلِهِ، وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ» حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ رَاهَوَيْهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا وَهْبُ

بْنُ جَرِيرٍ. قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ. عَنْ يَحْيَى نَحْوَهُ.

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے یحیٰی بن ابی کثیر سے بیان کیا، انہوں نے محمد بن ابراہیم بن حارث سے کہا کہ مجھ سے عیسیٰ بن طلحہ نے بیان کیا کہ انھوں نے معاویہ بن ابی سفیان سے ایک دن سنا آپ (جواب میں) مؤذن کے ہی الفاظ کو دہرا رہے تھے۔ «اشھد أن محمدا رسول اللہ» تک۔ ہم سے اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے وہب بن جریر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے یحیٰی بن ابی کثیر سے اسی طرح حدیث بیان کی۔

٦١٣ ـ قَالَ يَحْيَى: وَحَدَّثَنِي بَعْضُ إِخْوَانِنَا، أَنَّهُ قَالَ: «لَمَّا قَالَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ». وَقَالَ: هَكَذَا سَمِعْنَا نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ.

یحیٰی نے کہا کہ مجھ سے میرے بعض بھائیوں نے حدیث بیان کی کہ جب مؤذن نے «حی علی الصلاۃ» کہا تو معاویہ رضی اللہ عنہ نے «لا حول ولا قوۃ إلا باللہ» کہا اور کہنے لگے کہ ہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا ہی کہتے سنا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جمہور کے مذہب کو ترجیح دینا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ سامع اذان کا جواب مؤذن کی طرح ہی دے لیکن حیعلتین پر لا حول ولا قوۃ إلا باللہ کہے بخاری پہلی ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث عام لائے ہیں اور معاویہ رضی اللہ عنہ کی حدیث خاص لائے ہیں اور خاص عام پر مقدم ہوتا ہے۔

"قولہ إذا سمعتم النداء" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کا جواب وہی دے گا جو مؤذن کی اذان سنے گا۔ اور نہ سننے والے پر جواب نہیں ہے مثلاً مؤذن اذان کے وقت منارہ پر ہو، اور دیکھنے والا جانتا ہو کہ وہ اذان کہہ رہا ہے لیکن بہرہ ہونے کی وجہ سے یا دور ہونے کی بنا پر اس کی اذان سنتا نہ ہو تو اس پر اذان کا جواب دینا لازم نہیں ہے۔

"قولہ ما یقول" یہاں قال ماضی کا صیغہ لانے کی بجائے مضارع کا صیغہ "یقول" لانا اس بات کی دلیل ہے کہ مؤذن کی اذان کا جواب ساتھ ساتھ دینا چاہیے لیکن اگر نماز پڑھ رہا ہو یا جماع اور خلاء کی حالت میں ہو تو اپنے اشغال سے فارغ ہو کر جواب دے، ان حالتوں میں اذان کا جواب نہ دے، کیونکہ نماز کے بارہ میں حدیث میں آتا ہے "إن فی الصلوۃ لشغلا[1]"۔

"قولہ مثل ما یقول" بعض علماء کے نزدیک اس سے حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح مستثنیٰ ہیں۔ کیونکہ اس مقام پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ کہنے کا ذکر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ مستثنیٰ نہیں ہے بلکہ سامع کے لئے جواب میں یہی لفظ کہنا بھی جائز ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ سامع کے لئے دونوں طرح کہنا جائز ہے۔ عمل الیوم واللیلۃ میں بھی دونوں طرح کہنا جائز لکھا ہے، بعض کہتے ہیں دونوں کو جمع کرلے لیکن یہ جائز نہیں ہے بہرحال اس حدیث کے عموم

---

[1] صحیح بخاری ١٢١٦ ج ٢ ص ٦٥

پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح کی جگہ پر سامع لاحول ولاقوۃ الا باللہ بھی کہہ سکتا ہے کیونکہ ان کلمات سے مقصود نماز کے لئے بلانا ہے اور یہ دعوت صرف موذن ہی دیتا ہے، جواب میں سامع کے حی علی الصلوۃ کہنے سے کسی کو نماز کی دعوت تو نہیں پہنچتی اس لئے سامع جواب میں لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہہ کر اس اجر وثواب کو حاصل کر لیتا ہے۔

٨۔بَابُ الدُّعَاءِ عِنْدَ النِّدَاءِ:

باب: اذان کی دعا کے بارے میں

٦١٤ ۔ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَيَّاشٍ ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعَيْبُ بْنُ أَبِي حَمْزَةَ ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْكَدِرِ، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «مَنْ قَالَ حِينَ يَسْمَعُ النِّدَاءَ: اللّٰهُمَّ رَبَّ هَذِهِ الدَّعْوَةِ التَّامَّةِ وَالصَّلَاةِ الْقَائِمَةِ آتِ مُحَمَّدًا الْوَسِيلَةَ وَالْفَضِيلَةَ وَابْعَثْهُ مَقَامًا مَحْمُودًا الَّذِي وَعَدْتَهُ، حَلَّتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

ہم سے علی بن عیاش ہمدانی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعیب بن ابی حمزہ نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن المنکدر سے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اذان سن کر یہ کہے «اللهم رب هذه الدعوة التامة والصلاة القائمة آت محمدا الوسيلة والفضيلة وابعثه مقاما محمودا الذي وعدته» اسے قیامت کے دن میری شفاعت ملے گی۔



أی عند تمام النداء، اور النداء سے مراد اذان ہے، یعنی اذان مکمل ہونے کے بعد کونسی دعاء پڑھنی چاہیئے۔ حدیث مذکور کی سند میں شعیب بن أبي حمزہ، محمد بن منکدر سے روایت کرنے میں منفرد ہے لہذا یہ حدیث، غریب ہونے کے باوجود صحیح ہے۔

"قوله حين يسمع النداء أی حين يسمع تمام النداء" یعنی مکمل اذان سننے کے وقت یہ دعاء پڑھے اگرچہ یہ لفظ مطلق ذکر ہوا ہے لیکن مطلق کامل اذان پر محمول ہے۔ اور مسلم میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی اس حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے "قولوا مثل مايقول ثم صلوا[1] على ثم سلوا الله لي الوسيلة" اس سے معلوم ہوا کہ

---

[1] مسلم میں یہ حدیث عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے "أنه سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم يقول: إذا سمعتم المؤذن فقولوا مثل مايقول ثم صلوا على فانه من صلي على صلوة صلي الله عليه بها عشرا ثم سلوا الله لي الوسيلة ......" اس حدیث میں لفظ "ثم" جو زبان نبوت سے صادر ہوا ہے اور جو تراخی پر دلالت کرتا ہے اس بات کی صریح دلیل ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود اذان کے بعد پڑھا جائیگا۔ اور اذان کے بعد ہی یہ دعاء پڑھی جائے گی جس طرح یہ دعاء اذان سے پہلے نہیں پڑھی جا سکتی۔ اسی طرح صلوۃ (درود) کو اذان سے پہلے پڑھنا بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے



اذان سے فراغت کے بعد نبی اکرم ﷺ پر درود پاک پڑھا جائیگا اور اس کے بعد یہ دعاء پڑھی جائے گی۔ اور قولوا امر کے صیغے سے معلوم ہوا کہ اس کا پڑھنا واجب ہے۔ بعض عدم وجوب کے قائل ہیں۔

"قوله رب هذه الدعوة التامة" اس دعوت تامہ سے مراد دعوت توحید ہے جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "له دعوة الحق" اسے تامہ کہا گیا ہے کیونکہ توحید شرک کے منافی ہے۔ اور شرک نقص کو مستلزم ہے اور توحید خالص ہی دعوت تامہ ہے یا تامہ سے مراد یہ ہے کہ اس دعوت میں قیامت تک کوئی تغیر و تبدل اور ترمیم نہیں ہوسکتی طیبی نے کہا ہے اذان شروع سے لے کر أشهد أن محمدًا رسول الله "تک دعوت تامہ ہے۔ اس دعا میں اس کے بعد "والصلوة القائمة" ہے جسکا ذکر "ويقيمون الصلوة" میں ہے یعنی حاضر نماز جو عنقریب قائم ہونے والی ہے۔

"قوله الوسيلة والفضيلة" وسیلہ سے مراد وہ چیز جس کے ذریعے کسی بڑے کا قرب حاصل کیا جائے جیسا کہ اعمال صالحہ اللہ تعالی کا قرب حاصل کرنے کا وسیلہ اور ذریعہ ہیں کبھی یہ لفظ بلند مرتبہ کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ یہاں اس سے مراد جنت کا بلند درجہ ہے جہاں ساری مخلوقات سے صرف ایک شخص داخل ہوگا۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا امید ہے کہ وہ میں ہونگا۔ جیسا کہ مسلم میں عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "فانها منزلة في الجنة لاتنبغي إلا لعبد من عباد الله وأرجو أن أكون أناهو[1]" اور فضیلۃ سے مراد وہ مرتبہ جو تمام مخلوقات سے بڑھ کر ہو یا یہ "الوسيلة" کی ہی تفسیر ہے۔

"قوله وابعثه مقامًا محمودًا" اس مقام محمود کا قرآن کریم میں یوں ذکر آیا ہے "عسى أن يبعثك ربك مقامًا محمودًا[2]" اور یہ وہ مقام ہے جہاں کھڑے ہوکر آپ سفارش کریں گے[3]۔

اس فرمان کے خلاف ہے۔ آپ کے فرمان کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے اللہ سبحانہ و تعالی کا نام بلند کیا جائے بعد میں آپ پر درود پڑھنے کی سعادت حاصل کی جائے۔ اور درود کونسا پڑھا جائے؟ یہ مسئلہ بھی زمانہ نبوت میں حل ہوچکا ہے۔ بخاری شریف میں ہے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "سألنا رسول الله ﷺ فقلنا يارسول الله كيف الصلوة عليكم أهل البيت فان الله قد علمنا كيف نسلم، قال: قولوا: اللهم صَلِّ على محمد و على آل محمد كما صلّيت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد۔ اللهم بارك على محمد و على آل محمد كما باركت على ابراهيم و على آل ابراهيم انك حميد مجيد" (۳۳۷۰) یہ درود پاک جو نبی اکرم ﷺ نے سکھایا ہے۔ یا اس کے علاوہ درود پاک کے وہ الفاظ جو آپ کی زبان نبوت سے صادر ہوئے ہوں ایسے درود کا اذان کے بعد یا اس کے علاوہ دیگر اوقات میں پڑھنا باعث اجر ہے۔ دین اسلام کی تکمیل کے بعد کسی کو یہ اجازت نہیں ہے کہ وہ خود ساختہ درود کے الفاظ بنا کر لوگوں میں پھیلائے، کیونکہ جعلی درود پڑھنا اور پڑھانا اور اسے لوگوں میں پھیلانا منصب نبوت پر ڈاکہ زنی کے مترادف ہے۔ امتی کا کام اتباع ہے۔ جعلی دین بنانا اسے زیب نہیں دیتا۔

(1) مسلم (۱۱) ۳۸۴ ج ۱ ص ۲۸۸، ترمذی ۳۶۱۴ ج ۶ ص ۱۳۔

(2) الاسراء: ۷۹۔

(3) علماء نے نبی اکرم ﷺ کی سفارش کی متعدد اقسام ذکر کی ہیں۔ ا۔ محشر کی ہولناکیوں اور سختیوں سے راحت و اطمینان

"قوله حلت له شفاعتی" حلت بمعنی وجبت ولزمت ہے حلال ہونے کے معنی میں نہیں ہے کیونکہ آپ کی سفارش پہلے بھی حلال ہے یہ تو نہیں کہ پہلے حرام ہو اور اب حلال ہوئی ہو۔ بیہقی وغیرہ میں آخر میں "إنك لا تخلف المیعاد[1]" بھی آتا ہے لیکن وارزقنا شفاعته یوم القیامة یہ الفاظ حدیث میں نہیں آتے۔ اور والدرجة الرفیعة کا لفظ بھی خود ساختہ ہے۔

۹۔ بَابُ الاِسْتِهَامِ فِي الأَذَانِ:

باب: اذان کے لیے قرعہ ڈالنے کا بیان

وَيُذْكَرُ أَنَّ أَقْوَامًا اخْتَلَفُوا فِي الأَذَانِ فَأَقْرَعَ بَيْنَهُمْ سَعْدٌ.

اور کہتے ہیں کہ اذان دینے پر کچھ لوگوں میں اختلاف ہوا تو سعد بن وقاص نے (فیصلہ کے لیے) ان میں قرعہ ڈلوایا۔

اگر کسی مسجد کا موذن فوت ہوجائے اور اس کی سیٹ پر موذنین کی درخواستیں زیادہ آجائیں تو ان کے درمیان قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا جاسکتا ہے جس شخص کا قرعہ نکل آئے اسے مقرر کر دیا جائے۔

"قوله یذکر أن أقواماً اختلفوا فی الأذان" جنگِ قادسیہ میں ایک موذن شہید ہوگیا تھا بہت سے لوگ اس کی جگہ اذان دینے کے لئے تیار ہو گئے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس کیس آیا تو انہوں نے ان کے درمیان قرعہ اندازی سے فیصلہ کیا تھا، چونکہ استہام فی الأذان کے دو معانی ہوسکتے تھے ایک قرعہ اندازی کرنا اور تیر اندازی کرنا یعنی لوگوں کو اگر اذان کی فضیلت کا علم ہوجائے تو وہ موذن مقرر ہونے میں لڑیں اور آپس میں تیر اندازی شروع کر دیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا یہ اثر لاکر پہلے معنی کو ترجیح دینا چاہتے ہیں کہ اسکا معنی قرعہ اندازی کرنا ہے

کے لئے آپ کا سفارش کرنا۔ اور یہ آپ کے ساتھ ہی خاص ہے۔ ۲۔ ایک قوم کو بغیر حساب کے جنت میں داخل کرنے کی سفارش کرنا۔ ۳۔ حساب و کتاب کے بعد ایک قوم عذاب کی مستحق ہو چکی ہو گی انہیں عذاب سے نجات دینے کے لئے آپ کا سفارش کرنا۔ ۴۔ بعض لوگ جو اپنی نافرمانیوں کیوجہ سے دوزخ میں داخل کر دیئے گئے ہوں گے انہیں دوزخ سے نکالنے کی سفارش کرنا۔ ۵۔ بعض لوگوں کے لئے جنت میں رفع درجات کی سفارش کرنا۔ ۶۔ ابوطالب کے لئے تخفیفِ عذاب کی سفارش کرنا۔ ۷۔ اہل مدینہ کے لئے سفارش کرنا جیسا کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "ولا یثبت علی لأوائها أحد إلا کنت له شهیداً أو شفیعًا" مسلم اور ترمذی میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے "من استطاع منکم أن یموت بالمدینة فلیمت بها فانی أشفع لمن یموت بها" ترمذی ۳۹۱۷ (صحیح)
۹۔ آپ کا اہل کبائر کے لئے سفارش کرنا۔ یہ تیسری یا چوتھی قسم میں ہی داخل ہے۔ ۱۰۔ آپ کا اپنی امت کے لئے باقی لوگوں سے قبل جنت میں داخل کرنے کی سفارش کرنا۔ ۱۱۔ جن لوگوں کی نیکیاں اور بدیاں برابر ہوں گی انہیں جنت میں داخل کرنے کی سفارش کرنا۔ ۱۲۔ ان لوگوں کی سفارش کرنا جنہوں نے کلمہ توحید پڑھا ہو گا لیکن کسی نیک عمل سے تہی دامن ہوں گے۔ (کوثر المعانی الدراری ج۸ ص ۲۵۵)

[1] السنن الکبری للبیہقی ۱۹۳۳ ج ۱ ص ۶۰۳۔

تیراندازی کا معنی یہاں مراد نہیں ہے۔

"قادسیہ" عراق میں ایک معروف مقام ہے جہاں مسلمانوں کی اہل فارس کے ساتھ عظیم جنگ ہوئی تھی اور یہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا دورِ خلافت تھا۔ حضرت سعد اس وقت لوگوں کے امیر تھے اور یہ واقعہ ۱۵ھ کا ہے۔

٦١٥ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الأَوَّلِ ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا عَلَيْهِ لَاسْتَهَمُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک نے سمی سے جو ابوبکر عبدالرحمٰن بن حارث کے غلام تھے خبر دی، انہوں نے ابوصالح ذکوان سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہوتا کہ اذان کہنے اور نماز پہلی صف میں پڑھنے سے کتنا ثواب ملتا ہے۔ پھر ان کے لیے قرعہ ڈالنے کے سوائے اور کوئی چارہ نہ باقی رہتا، تو البتہ اس پر قرعہ اندازی ہی کرتے اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ نماز کے لیے جلدی آنے میں کتنا ثواب ملتا ہے تو اس کے لیے دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے۔ اور اگر لوگوں کو معلوم ہو جاتا کہ عشاء اور صبح کی نماز کا ثواب کتنا ملتا ہے، تو ضرور چوتڑوں کے بل گھسیٹتے ہوئے ان کے لیے آتے۔

"قوله ولو یعلمون مافی التهجیر" یہ ہاجرہ سے ہے اور یہ دوپہر کی سخت گرمی کو کہتے ہیں اور اس سے مراد نماز ظہر کو اول وقت ادا کرنا ہے۔ اور ابراد کی رخصت نرمی کے لئے ہے۔

"قوله لاستبقوا الیه" اس سے سبقت معنوی مراد ہے ورنہ سبقتِ حسی تیز چلنے کو کہتے ہیں جس سے نماز کے لئے آتے وقت روکا گیا ہے۔

١٠- بَابُ الْكَلَامِ فِي الْأَذَانِ:

باب: اذان کے دوران بات کرنے کے بیان میں

وَتَكَلَّمَ سُلَيْمَانُ بْنُ صُرَدٍ فِي أَذَانِهِ، وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ يَضْحَكَ وَهُوَ يُؤَذِّنُ أَوْ يُقِيمُ.

اور سلیمان بن صرد صحابی نے اذان کے دوران بات کی اور حسن بصری نے کہا کہ اگر ایک شخص اذان یا تکبیر کہتے ہوئے ہنس دے تو کوئی حرج نہیں۔

اذان کا حکم نماز والا نہیں ہے۔ نماز میں کلام کرنا منع ہے اور کسی شخص سے گفتگو کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ لیکن اذان میں کلام ہو سکتی ہے اور کلام کرنے سے اذان نہیں ٹوٹتی۔ اور اذان کا اعادہ نہیں کرنا پڑے گا لیکن اذان میں

کلام کرنا خلافِ اولیٰ ہے بخاری رحمہ اللہ نے حتمی فیصلہ نہیں کیا کہ اذان میں کلام کرنا جائز ہے یا نہیں؟ لیکن انہوں نے جو آثار پیش کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جواز کے قائل ہیں [1]۔

"قوله وتكلم سليمان بن صرد فی أذانه" بخاری رحمہ اللہ اسے تاریخ میں لائے ہیں۔ انه كان يؤذن فی العسكر فيأمر غلامه بالحاجة فی أذانه"۔

"قوله وقال الحسن :لابأس أن يضحك وهو يؤذن أويقيم" حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اذان یا اقامت میں ہنسی آجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ جبکہ ہنسی آواز کے ساتھ ہو تو اس سے کوئی حرف یا زیادہ حروف ظاہر ہوجاتے ہیں جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے لیکن اذان یا اقامت میں ضحک سے فساد لازم نہیں آتا۔ اور اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ قصداً نماز میں ضحک سے نماز باطل ہوجاتی ہے اگرچہ اس سے کوئی حرف ظاہر نہ ہو لیکن اذان باطل نہیں ہوتی۔

٦١٦ - حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ أَيُّوبَ، وَعَبْدِ الْحَمِيدِ صَاحِبِ الزِّيَادِيِّ، وَعَاصِمٍ الْأَحْوَلِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، قَالَ: «خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ رَدْغٍ، فَلَمَّا بَلَغَ الْمُؤَذِّنُ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، فَأَمَرَهُ أَنْ يُنَادِيَ الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ، فَقَالَ: فَعَلَ هَذَا مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنْهُ وَإِنَّهَا عَزْمَةٌ».



ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے ایوب سختیانی اور عبدالحمید بن دینار صاحب الزیادی اور عاصم احول سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن حارث بصریٰ سے، انہوں نے کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک دن ہم کو جمعہ کا خطبہ دیا۔ بارش کی وجہ سے اس دن اچھی خاصی کیچڑ ہو رہی تھی۔ مؤذن جب «حی علی الصلاة» پر پہنچا تو آپ نے اس سے «الصلاة فی الرحال» کہنے کے لیے فرمایا کہ لوگ نماز اپنی قیام گاہوں پر پڑھ لیں۔ اس پر لوگ ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا کہ اسی طرح مجھ سے جو افضل تھے، انہوں نے بھی کیا تھا اور اس میں شک نہیں کہ جمعہ واجب ہے۔

---

[1] اذان و اقامت میں کلام کے جواز، عدم جواز کے بارہ میں علماء کے تین اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ اذان و اقامت میں کلام کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے یہ قول حسن بصری اور اوزاعی کا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اذان و اقامت دونوں میں کلام کرنا مکروہ ہے۔ یہ قول محمد بن سیرین، شعبی، نخعی، ابو حنیفہ مالک، شافعی اور ثوری کا ہے اور ایک روایت احمد کی بھی ہے۔ یہ تمام علماء اقامت میں کلام کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اس کے باوجود اگر کلام کسی مصلحت کے لئے ہو جیسے سلام کا جواب دینا یا چھینک کا جواب دینا تو امام ثوری وغیرہ اسے مکروہ نہیں سمجھتے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اقامت میں کلام کرنا مکروہ ہے اذان میں مکروہ نہیں ہے۔ یہ امام احمد کا مشہور مذھب ہے۔ انکا استدلال سلیمان بن صرد کے فعل سے ہے۔ فتح الباری لابن رجب ج۳ص۴۹۰۔



"قولہ ردغ" را کی فتحہ اور دال کے سکون کے ساتھ، اکثر رزغ پڑھتے ہیں جو را کی فتحہ اور زا کے سکون کے ساتھ ہے کیچڑ کے معنی میں ہے۔

"قولہ فلما بلغ المؤذن حی علی الصلوۃ" یعنی جب مؤذن نے حی علی الصلوۃ کہنے کا ارادہ کیا تو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے اسے حکم دیا کہ وہ الصلوۃ فی الرحال" کہے ای صلوا الصلوۃ فی الرحال" ابن علیہ کی روایت میں ہے "اذا قلت: أشهد أن محمدًا رسول الله "فلا تقل: حی علی الصلوۃ قل صلوا فی بیوتکم [1] اور ابوداود میں ہے"ان ابن عباس قال لمؤذنه فی یوم مطیر: اذا قلت: أشهد أن محمدًا رسول الله، فلاتقل حی علی الصلوة، قل صلوا فی بیوتکم " لیکن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث جو باب الأذان للمسافرین میں آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مکمل اذان کہنے کے بعد ألاصلوا فی الرحال کہا جائے گا۔

اس حدیث میں ہے "أذن ابن عمر فی لیلة باردة بضجنان ثم قال: صلوا فی رحالکم "فاخبرنا أن رسول الله ﷺ کان یأمر مؤذنا یؤذن ثم یقول علی إثره "ألاصلوا فی الرحال [2]" فی اللیلة الباردة أوالمطیرة فی السفر" امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کلمہ اذان میں کہنا چاہیئے جبکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے بعد کہنا چاہیئے لہذا دونوں طرح جائز ہے لیکن بعد میں کہنا اَحسن ہے تاکہ نظم اذان برقرار رہے۔

"قولہ من ھو خیر منہ" منہ کی ضمیر سے عبداللہ بن عباس مراد ہیں اور من ھو خیر سے مراد نبی اکرم ﷺ ہیں۔ یا منہ کی ضمیر سے مراد یہ مؤذن ہے اور من ھو خیر سے مراد نبی اکرم ﷺ کا مؤذن ہے ایک روایت میں منھم وارد ہے اس سے مراد مؤذن اور قوم ہوگی۔

"قولہ إنها عزمة" یعنی جمعہ پڑھنا لازم اور واجب ہے۔ ھا ضمیر سے مراد جمعہ ہے اور اس پر دلیل "خطبنا ابن عباس " ہے اور یہ خطبہ جمعہ تھا، اس حدیث کے بعض طرق میں "إن الجمعة عزمة [3]" آیا ہے، ابوداؤد کی حدیث میں "إن الجمعة عزمة" کی صراحت آئی ہے، کہ جمعہ فرض ہے اور اذان سن کر آنا ضروری ہو جائیگا جو کہ بارش کی وجہ سے مشکل ہے داؤدی نے اس حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مطابقت کا انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس حدیث میں اذان کے دوران کلام کے جواز کی کوئی دلیل نہیں ہے لیکن اسکا تعاقب کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ "الصلوۃ فی الرحال یاصلوا فی بیوتکم" اذان کے کلمات سے نہیں ہے بلکہ لوگوں سے کلام ہے۔ جب ضرورت کے لئے یہ کلام اذان میں جائز ہے، تو ضرورت کے لئے دیگر کلام بھی دوران اذان کی جاسکتی ہے۔ جیسے سلام یا چھینک کا جواب دینا۔

---

(1) بخاری ۹۰۱ ج ۲ ص ٦، مسلم ٦٩٩ ج ۱ ص ۴۸۵۔

(2) بخاری ٦٣٢، ایضاً بخاری ٦٦٦۔

(3) بخاری ۹۰۱ ج ۲ ص ٦، مسلم ٦٩٩ ج ۱ ص ۴۸۵۔

١١-بَابُ أَذَانِ الأَعْمَى إِذَا كَانَ لَهُ مَنْ يُخْبِرُهُ:

باب: اس بیان میں کہ نابینا شخص اذان دے سکتا ہے اگر اسے کوئی وقت بتانے والا آدمی موجود ہو

نابینا آدمی کو اگر کوئی شخص نماز کے وقت کی خبر دینے والا ہو تو اسکی اذان بلا کراہت جائز ہے کیونکہ اذان کہی جاتی ہے جبکہ نماز کا وقت ہو جائے اور اس کے لئے مشاہدہ ضروری ہے جو نابینے سے ممکن نہیں ہے اس لیے اسے کوئی خبر دینے والا ہونا چاہیئے اور ابن ابی شیبہ وغیرہ میں آتا ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ وغیرہ نے نابینے کی اذان کو مکروہ سمجھا ہے [1] اور یہ تب ہے جبکہ اسے کوئی شخص نماز کا وقت بتانے والا نہ ہو ورنہ کوئی کراہت نہیں ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے جو منقول ہے کہ وہ نابینے کی اذان کو درست نہیں سمجھتے تھے یہ بات ان سے غلط منسوب کر دی گئی ہے ہاں محیط وغیرہ میں حنفیہ کے بارہ میں آتا ہے کہ اسکی اذان مکروہ ہے۔

٦١٧ - حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ، ثُمَّ قَالَ: وَكَانَ رَجُلًا أَعْمَى لَا يُنَادِي حَتَّى يُقَالَ لَهُ أَصْبَحْتَ أَصْبَحْتَ».



ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا امام مالک سے، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے اپنے والد عبداللہ بن عمر سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال تو رات رہے اذان دیتے ہیں۔ اس لیے تم لوگ کھاتے پیتے رہو۔ یہاں تک کہ ابن ام مکتوم اذان دیں۔ راوی نے کہا کہ وہ نابینا تھے اور اس وقت تک اذان نہیں دیتے تھے جب تک ان سے کہا نہ جاتا کہ صبح ہو گئی۔ صبح ہو گئی۔

شرح بخاری

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صبح کی دو اذانیں ہوتی تھیں، پہلی اذان اس لئے ہوتی تھی کہ جو کسی حاجت کے لئے باہر گئے ہیں وہ واپس آجائیں۔ اور جو لوگ سوئے ہوئے ہیں وہ اٹھ کھڑے ہوں۔ اور جو کسی کام میں مشغول ہیں وہ رک جائیں اور جان لیں کہ اب نماز کا وقت قریب ہے۔ اس کے بعد پھر دوسری اذان ہوتی اس کا مطلب یہ ہوتا تھا کہ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔

پہلی اور دوسری اذان میں وقفہ اور فاصلہ کتنا ہوتا تھا؟ اس بارہ میں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فاصلہ اتنا ہی ہوتا تھا کہ ایک اذان کہہ کر اتر آتا اور دوسرا اذان کے لئے اوپر چلا جاتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاصلہ تھوڑا ہوتا تھا لیکن یہ دراصل مبالغہ پر محمول ہے یعنی فاصلے کی کمی میں مبالغہ کرنا مقصود ہے لیکن اس قدر کم فاصلہ کا فائدہ کیا ہے؟ اس لئے امام نووی رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ جب بلال رضی اللہ عنہ اذان کہتا تو صبح ہونے کے انتظار میں



[1] مصنف ابن ابی شیبہ ٢٢٥٤ ج ١ ص ١٩٧ ۔ و ٢٢٥٢

اوپر ہی بیٹھا رہتا تھا، تا کہ ابن ام مکتوم کو صبح صادق ہونے کی خبر دے سکے۔ اور جب وہ دیکھتا کہ صبح ہوگئی ہے تو اتر آتا اور ابن ام مکتوم کو وقت ہونے کی خبر دیتا، تو عبداللہ بن ام مکتوم وضوء وغیرہ کر کے تیار ہو کر اذان کہنے کے لئے اوپر چلے جاتے۔ اس طرح دونوں اذانوں میں آدھا گھنٹہ کے قریب وقفہ ہو جاتا ہے۔

نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ آدھی رات کو اذان کہنی جائز ہے آدھی رات تک عشاء کی نماز کا غیر مکروہ وقت ہوتا ہے۔ لہذا جب عشاء کا مستحب وقت ختم ہو جائے تو اذان کہہ سکتے ہیں، سبکی کا قول ہے جب صبح کاذب ہو جائے اور رات کا چھٹا حصہ باقی ہو تو اذان کہی جاسکتی ہے۔

اس مسئلہ میں اختلاف ہو گیا ہے ایک تو اذان کے تکرار میں اختلاف ہے۔ ایک یہ کہ وقت سے پہلے اذان کہنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر کوئی وقت سے پہلے اذان کہہ دے تو اس اذان پر اکتفاء کرنا جائز ہے یا نہیں؟

اس بات پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ صبح کی نماز کے علاوہ باقی نمازوں میں وقت سے پہلے اذان کہنا جائز نہیں ہے، اگر کوئی شخص وقت سے پہلے اذان کہہ دے تو اس کا اعادہ کرنا چاہیئے، اور صبح کی اذان کے متعلق شوافع کی رائے یہ ہے کہ اذان وقت سے پہلے کہنی چاہیئے۔ امام احمد کے نزدیک وقت سے پہلے اذان تب جائز ہے جبکہ دوسری اذان بھی کہنی ہو، شافعی اور مالکی کہتے ہیں کہ اگر ایک ہی اذان کہنی ہو اور وہ وقت سے پہلے کہہ دے تو اس پر اکتفا جائز ہے۔ باقی رہا تکرار کا مسئلہ تو صبح کے علاوہ باقی نمازوں میں اذان کا تکرار سب کے نزدیک جائز ہے۔ مثلاً جامع مسجد ہو تو اس کے چاروں کونوں میں ضرورت کے لئے یکے بعد دیگرے اذان جائز ہے نووی رحمہ اللہ کے نزدیک چار تک جائز ہے، اور اگر بہت بڑی مسجد ہو تو اس سے زائد بھی جائز ہے۔ جس طرح کہ قبل ازیں بیت اللہ میں یکے بعد دیگرے سات جگہ اذان ہوتی تھی۔ لیکن ایک موذن اللہ اکبر کہے پھر دوسرا اللہ اکبر کہے پھر تیسرا اللہ اکبر کہے اسکا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ موطا میں حدیث آتی ہے جس میں "سَكَتَ الْمُؤَذِّنُونَ" کالفظ آتا ہے[1] اس سے استدلال کیا گیا ہے کہ موذن ایک سے زیادہ ہو سکتے ہیں، حالانکہ اس میں تو ایک موذن اور باقی لوگ جو مُجِيْبُوْنَ (اذان کا جواب دینے والے) ہیں وہ سب مراد ہیں چونکہ وہ بھی جواب دیتے ہوئے اذان ہی کہتے ہیں اس لیے جمع کا صیغہ آیا ہے۔

شوافع اور مالکی حضرات کہتے ہیں کہ صبح کی پہلی اذان کے بعد دوسری کی ضرورت نہیں ہے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ دوسری اذان ضرور کہنی چاہیئے، حنفی کہتے ہیں کہ پہلی اذان سحری کی تھی نماز کے لئے نہیں تھی اس لیے ماہِ رمضان میں ہو سکتی ہے۔ انور شاہ نے تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ اسے سحری کی اذان کہنا ثابت نہیں ہے۔ اذان تو نماز کے لئے ہوتی ہے کیونکہ اذان میں "حی علی الصلوۃ" کہا جاتا ہے۔ حی علی التسحیر تو نہیں کہا جاتا۔ حافظ نے کہا ہے ایک چیز کے متعدد اسباب ہو سکتے ہیں ہو سکتا ہے کہ سحری کے لئے ہو اور صبح کے لئے بھی ہو، کہتا ہے کہ یہ کوئی جواب نہیں ہے اصل بات یہ ہے کہ سحری کی اذان نہیں بلکہ صبح کے لئے ہے لیکن وہ سحری سے مانع نہیں ہے "لایمنعنکم من

[1] موطا مالک ج ۱ ص ۱۰۳، کتاب الجمعہ ایضاً صحیح بخاری ۶۸۳۰ ج ۸ ص ۱۶۸۔

سحورکم أذان بلالٍ[1]" لیکن یہ مطلب نہیں کہ سحری کھانے کے لئے ہے۔

احناف نے جو ماہ رمضان کا مسئلہ بنایا ہے یہ بھی درست نہیں ہے کیونکہ اس زمانے میں لوگ رمضان کے علاوہ ہمیشہ نفلی روزے رکھا کرتے تھے۔ ایک حدیث میں آتا ہے "إن أراد أحد منکم أن یصوم فلا یمنعنکم أذان بلال" لہذا رمضان کی خصوصیت نہیں ہے۔ بعض حنفی کہتے ہیں کہ بلال پہلے اور کلمات کہا کرتا تھا وہ کلمات اذان کے نہیں ہوتے تھے، حالانکہ حدیث میں آتا ہے "إن بلالًا یؤذن بلیلٍ[2]" بلال رات کو اذان کہتا ہے لہذا وہ اذان کے کلمات ہی تھے۔ بعض لوگ پہلی اذان کو تہجد کی کہہ دیتے ہیں حالانکہ تہجد کی اذان نہیں ہوتی، گکھڑوی صاحب کہا کرتے تھے کہ الصلوة خیر من النوم صبح کی اذان میں کہنا چاہیئے جیسا کہ ابوداود میں ہے کہ یہ الفاظ صبح کی اذان میں کہنا چاہئیں۔ میں نے کہا اذان صبح کی ہی ہوتی ہے، بلال ذرا پہلے کہتا تھا، ابن اُم مکتوم بعد میں کہتا تھا، سحری کھانے کے لئے کوئی الگ اذان نہیں ہے، بعض حنابلہ کا خیال ہے کہ سحری کھانے کے لئے ہے، چنانچہ حرم مدنی میں ہمیشہ پہلے اذان ہوتی ہے، اس کے بعد دوسری اذان ہوتی ہے، شافعی ایک اذان ہی کہتے ہیں خواہ پہلے ہو یا بعد میں، اذانیں دو ثابت ہیں لیکن پہلی تہجد کی نہیں ہے۔

۱۲۔بَابُ الأَذَانِ بَعْدَ الْفَجْرِ:

باب: صبح ہونے کے بعد اذان دینا



٦١٨ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: أَخْبَرَتْنِي حَفْصَةُ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا اعْتَكَفَ الْمُؤَذِّنُ لِلصُّبْحِ وَبَدَا الصُّبْحُ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ أَنْ تُقَامَ الصَّلَاةُ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا مجھے ام المؤمنین حفصہ رضی اللہ عنہا نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ جب مؤذن صبح کی اذان صبح صادق کے طلوع ہونے کے بعد دے چکا ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اذان اور تکبیر کے بیچ نماز قائم ہونے سے پہلے دو ہلکی سی رکعتیں پڑھتے۔



٦١٩ ـ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ عَائِشَةَ «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ بَيْنَ النِّدَاءِ وَالْإِقَامَةِ مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ».



ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شیبان نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان



---

1. ترمذی ۷۰۶ ج ۳ ص ۷۷۔
2. صحیح بخاری ۶۱۷ ج ۱ ص ۱۲۷، نیز رقم ۶۲۲۔

کیا، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف سے، انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی اذان اور اقامت کے درمیان دو ہلکی سی رکعتیں پڑھتے تھے۔

٦٢٠ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُنَادِي بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُنَادِيَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک نے عبداللہ بن دینار سے خبر دی، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، دیکھو بلال رضی اللہ عنہ رات رہے میں اذان دیتے ہیں، اس لیے تم لوگ (سحری) کھا پی سکتے ہو۔ جب تک ابن ام مکتوم اذان نہ دیں۔

یعنی اذان کا وقت فجر کے بعد ہے، اسی لیے بخاری نے بعد الفجر کے ترجمہ باب کو اس کے بعد آنے والے "قبل الفجر" کے ترجمہ باب سے مقدم کیا ہے جو کہ ترتیب وجودی کے خلاف ہے، کیونکہ اصل یہی ہے کہ اذان دخول وقت کے بعد ہونی چاہیئے۔

"قوله اعتكف المؤذن" حافظ نے کہا ہے کہ اعتکاف دراصل سَكَتَ سے بدل کر آیا ہے۔ سكت المؤذن ہونا چاہیئے کیونکہ موطا میں "كان إذا سكت المؤذن من الأذان لصلوة الصبح" آتا ہے، لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اعتکف رک جانے کے معنی میں ہو، یعنی جب صبح کی اذان کہنے والا موذن رک جاتا اور صبح واضح ہو جاتی تو آپ صبح کی دو مختصر رکعات ادا کرتے یا اس سے مراد طلوع فجر کے انتظار میں بیٹھنا اور اپنے آپ کو روک لینا ہے اس حدیث میں "بدا الصبح" سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان بعد الفجر ہوتی تھی اور یہ اس وقت کا واقعہ ہے جبکہ ایک ہی اذان ہوتی تھی۔

۱۳-بَابُ الأَذَانِ قَبْلَ الْفَجْرِ:

باب: صبح صادق سے پہلے اذان دینے کا بیان

٦٢١ ۔ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ التَّيْمِيُّ، عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «لَا يَمْنَعَنَّ أَحَدَكُمْ أَوْ أَحَدًا مِنْكُمْ أَذَانُ بِلَالٍ مِنْ سَحُورِهِ، فَإِنَّهُ يُؤَذِّنُ أَوْ يُنَادِي بِلَيْلٍ لِيَرْجِعَ قَائِمَكُمْ وَلِيُنَبِّهَ نَائِمَكُمْ، وَلَيْسَ أَنْ يَقُولَ الْفَجْرُ أَوِ الصُّبْحُ. وَقَالَ: بِأَصَابِعِهِ وَرَفَعَهَا إِلَى فَوْقُ وَطَأْطَأَ إِلَى أَسْفَلُ حَتَّى يَقُولَ هَكَذَا». وَقَالَ زُهَيْرٌ: بِسَبَّابَتَيْهِ إِحْدَاهُمَا فَوْقَ الْأُخْرَى ثُمَّ مَدَّهَا عَنْ يَمِينِهِ وَشِمَالِهِ.

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے زہیر بن معاویہ جعفی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سلیمان بن طرخان تیمی نے بیان کیا ابوعثمان عبدالرحمٰن نہدی سے، انہوں نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال کی اذان تمہیں سحری کھانے سے نہ روک دے کیونکہ وہ رات رہے سے اذان دیتے ہیں یا(یہ کہا کہ) پکارتے ہیں۔ تاکہ جو لوگ عبادت کے لیے جاگے ہیں وہ آرام کرنے کے لیے لوٹ جائیں اور جو ابھی سوئے ہوئے ہیں وہ ہوشیار ہو جائیں۔ کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ فجر یا صبح صادق ہو گئی اور آپ نے اپنی انگلیوں کے اشارے سے (طلوع صبح کی کیفیت) بتائی۔ انگلیوں کو اوپر کی طرف اٹھایا اور پھر آہستہ سے انہیں نیچے لائے اور پھر فرمایا کہ اس طرح (فجر ہوتی ہے) زہیر راوی نے بھی شہادت کی انگلی ایک دوسری پر رکھی، پھر انہیں دائیں بائیں جانب پھیلا دیا۔

٦٢٢ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا أَبُو أُسَامَةَ، قَالَ: عُبَيْدُ اللهِ حَدَّثَنَا، عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، وَعَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:

مجھ سے اسحاق بن راہویہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہمیں ابواسامہ حماد بن اسامہ نے خبر دی، کہا ہم سے عبداللہ بن عمر نے بیان کیا، انہوں نے قاسم بن محمد سے اور انہوں نے عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بیان کیا اور نافع نے ابن عمر سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (بلال رات رہے میں اذان دیتے ہیں۔ عبداللہ ابن ام مکتوم کی اذان تک تم (سحری) کھا پی سکتے ہو)۔



٦٢٣ ـ ح وحَدَّثَنِي يُوسُفُ بْنُ عِيسَى الْمَرْوَزِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عُمَرَ، عَنالْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ، قَالَ: «إِنَّ بِلَالًا يُؤَذِّنُ بِلَيْلٍ، فَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يُؤَذِّنَ ابْنُ أُمِّ مَكْتُومٍ».

(دوسری سند) امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھ سے یوسف بن عیسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے فضل بن موسیٰ نے، کہا کہ ہم سے عبیداللہ بن عمر نے قاسم بن محمد سے بیان کیا، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بلال رات رہے میں اذان دیتے ہیں۔ عبداللہ ابن ام مکتوم کی اذان تک تم (سحری) کھا پی سکتے ہو۔

یعنی فجر سے پہلے بھی اذان ہو سکتی ہے جیسا کہ شافعیوں اور مالکیوں کا مذہب ہے۔ اور وہ اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب بلال رضی اللہ عنہ اکیلا موذن تھا تو اس نے وقت سے پہلے اذان کہہ دی تھی تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے کہا تھا، جا کر یہ اعلان کرو "ألا إن العبد قد نام [1]" یعنی میں غافل تھا اچھی طرح ہوش نہیں آئی تھی کیونکہ ابھی نیند سے بیدار ہوا تھا گویا نیند میں ہی تھا، کہ اذان کہہ دی، اور بلال کو آپ نے دوبارہ اذان کہنے کا حکم نہیں دیا تھا اس سے



[1] سنن أبي داود ٥٣٢ ج ١ ص ١٤٦۔

معلوم ہوا کہ اگر صبح کی اذان وقت سے پہلے کہہ دی جائے تو اس پر اکتفاء ہو سکتا ہے لیکن إن العبد قد نام کے ساتھ اعلان کر دینا چاہیئے تا کہ لوگوں کو مغالطہ نہ لگ جائے اور لوگ یا عورتیں گھروں میں نماز پڑھنا شروع نہ کر دیں، ہاں اگر لوگوں کو بتایا ہو کہ اذان پانچ یا دس منٹ پہلے ہو گی تو پھر کوئی حرج نہیں ہے۔

"قوله لیرجع قائمکم" قائم سے مراد وہ لوگ ہیں جو نماز کا قیام کرنے والے اور تہجد اداء کرنے والے ہیں۔ انہوں نے اگر روزہ رکھنا ہے تو قیام چھوڑ کر واپس چلے جائیں۔ یا واپس جا کر کچھ آرام کر لیں تا کہ نمازِ فجر نشاط سے پڑھ سکیں۔ ایک حدیث میں لیرجع غائبکم آتا ہے یعنی بستر چھوڑ کر بول و براز کے لئے باہر گئے ہیں انہیں معلوم ہو جائے کہ نماز کا وقت قریب ہے اور وہ جلدی نماز کے لئے لوٹ آئیں، ولینبہ نائمکم اور تا کہ اس اذان سے سونے والے بیدار ہو جائیں۔

"قوله حتی یؤذن ابن أم مکتوم" ان کا نام عمرو تھا۔ جیسا کہ صیام اور فضائل قرآن میں آئے گا۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کا نام حصین تھا اور نبی اکرم ﷺ نے ان کا نام عبد اللہ رکھا تھا، ہو سکتا ہے کہ ان کے دو نام ہوں۔ اور ان کے باپ کا نام قیس بن زائدہ ہے اور ان کی والدہ کا نام عاتکہ بنت عبد اللہ مخزومیہ ہے، نبی اکرم ﷺ ابن ام مکتوم کا بڑا احترام کرتے تھے۔ اور سفر کے وقت انہیں مدینہ میں اپنا جانشین بنایا کرتے تھے۔

حافظ نے ایک روایت اس حدیث مذکور کے برعکس ذکر کی ہے اس میں ہے کہ عبد اللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ رات کی اذان کہتے تھے اور بلال رضی اللہ عنہ صبح کی اذان کہتے تھے۔ لہذا بلال اذان کہے تو کھانا پینا چھوڑ دیا کرو، حافظ نے اسکا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ ہو سکتا ہے تبدیلی ہوتی رہتی ہو، پہلے بلال اذان کہتا ہو پھر کبھی ابن ام مکتوم کو آگے کر دیتا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اصل مؤذن بلال ہی تھے کبھی ان کی بیماری یا دیگر عذر کی حالت میں عبد اللہ بن ام مکتوم کہہ دیتے تھے ورنہ بلال پہلی اذان کہتے تھے۔ اور ابن ام مکتوم وقت پر اذان کہتے تھے۔ اس لیے فرمایا کہ عبد اللہ بن ام مکتوم کی اذان پر کھانا پینا چھوڑ دو۔

۱۴۔ بَابُ كَمْ بَيْنَ الأَذَانِ وَالإِقَامَةِ وَمَنْ يَنْتَظِرُ الإِقَامَةَ:

باب: اس بیان میں کہ اذان اور تکبیر کے درمیان کتنا فاصلہ ہونا چاہیے؟

۶۲۴ ـ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ الْمُزَنِيِّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ ثَلَاثًا لِمَنْ شَاءَ».

ہم سے اسحاق بن شاہین واسطی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے خالد بن عبد اللہ طحان نے سعد بن ایاس جریری سے بیان کیا، انہوں نے عبد اللہ بن بریدہ سے، انہوں نے عبد اللہ بن مغفل مزنی سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا کہ ہر دو اذانوں (اذان واقامت) کے درمیان ایک نماز (کا فصل) دوسری نماز سے ہونا چاہیے (تیسری مرتبہ فرمایا کہ) جو شخص ایسا کرنا چاہے۔

كَمْ استفہامیہ ممیز ہے۔ اور اس کی تمیز سَاعَةً یاصَلٰوةً محذوف ہے۔ گویاامام بخاری رحمہ اللہ یہ باب لاکر اس حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرناچاہتے ہیں [1] جو ترمذی وغیرہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا "اجعل بين أذانك وإقامتك قدر مايفرغ الأكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر من حاجته [2]"۔ اس مفہوم کی دیگر روایات بھی ضعیف ہیں اس لئے بخاری رحمہ اللہ اس باب کے تحت وہ احادیث لائے ہیں جو ان کی شرطوں کے مطابق ہیں۔

"قوله بين كل أذانين صلوة" أذانين سے مراد اذان اور اقامت ہے اور اقامت پر اَذان کااطلاق تغلیباً ہے جیسے شمس و قمر کو قمرین کہہ دیاجاتاہے اور شمس پر قمر کااطلاق تغلیباً ہوتاہے۔

"قوله صلوة" اس سے مراد نماز کاوقت ہے یانفلی نماز مراد ہے جوکم ازکم دورکعتیں ہوتی ہیں یعنی اذان اور اقامت کے درمیان کم ازکم دورکعت پڑھنے کافاصلہ ہوناچاہیئے۔ اورصلوۃ کونکرہ لایاگیاہے تاکہ یہ لفظ ہراس تعداد کوشامل ہوجائے جسکی نمازی نیت کرے خواہ وہ دورکعت ہوں یاچار یااس سے زائد۔

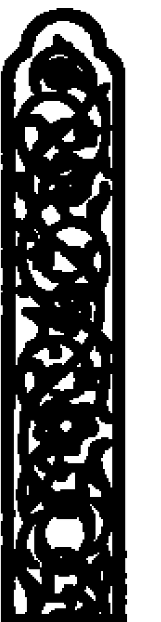
"قوله ثلاثًا" أي قالها ثلاثًا ترجمہ باب میں "من ينتظر الاقامة" کا یہاں ذکر کرنا غلطی ہے کیونکہ ان الفاظ کے ساتھ اس کے بعد باب آرہاہے اس لیئے اکثرنسخوں میں یہاں یہ الفاظ موجود نہیں ہیں۔



٦٢٥ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْأَنْصَارِيَّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «كَانَ الْمُؤَذِّنُ إِذَا أَذَّنَ قَامَ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبْتَدِرُونَ السَّوَارِيَ حَتَّى يَخْرُجَ

[1] اس باب کے تحت حافظ رحمہ اللہ نے کہاہے "لعلّه أشار بذلك إلي ماروى عن جابر أن النبى ﷺ قال لبلالٍ: اجعل بين أذانك وإقامتك قدر مايفرغ الاكل من أكله والشارب من شربه والمعتصر إذا دخل لقضاء حاجته" أخرجه الترمذى والحاكم لكن إسناده ضعيف" عینی رحمہ اللہ نے حافظ کی مراد کو سمجھانہیں اوراس پر تنقید کرتے ہوئے کہاہے "قلت هذا كلام عجيب لأنه كيف يترجم بابا ويورد فيه حديثًا صحيحًا على شرطه ويشير بذلك إلي حديث ضعيف؟ فأى شئ هنا يدل على هذه الاشارة" یعنی حافظ کی کلام حیران کن ہے، یہ کیسے ہوسکتاہے کہ بخاری ترجمہ باب قائم کریں اوراس میں اپنی شرط کے مطابق صحیح حدیث لائیں اور اشارہ کریں ضعیف حدیث کی طرف، یہاں کون سی چیز ہے جواس اشارے پر دلالت کرتی ہے، حالانکہ حافظ کامقصود یہ ہے کہ امام بخاری یہ ترجمہ باب اور اس کے تحت آنے والی احادیث کولاکر ترمذی اور حاکم کی حدیث کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کرناچاہتے ہیں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے عنقریب ہی بعد میں اسکی صراحت کرتے ہوئے کہاہے "فكأنه أشار إلي أن التقدير بذلك لم يثبت" گویابخاری نے اس کے ساتھ اشارہ کیاہے کہ (ترمذی اور حاکم کی حدیث کے ساتھ) جو تحدید کی گئی ہے وہ ثابت نہیں ہے۔ عینی نے حافظ کی اس صراحت کو نظر انداز کرتے ہوئے تنقید شروع کردی ہے۔

[2] السنن الکبری للبیہقی ۲۲۸۲ ج۲ ص ۱۳۱۔



النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُمْ كَذَلِكَ يُصَلُّونَ الرَّكْعَتَيْنِ قَبْلَ الْمَغْرِبِ، وَلَمْ يَكُنْ بَيْنَ الْأَذَانِ وَالْإِقَامَةِ شَيْءٌ». قَالَ عُثْمَانُ بْنُ جَبَلَةَ: وَأَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، لَمْ يَكُنْ بَيْنَهُمَا إِلَّا قَلِيلٌ.

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے محمد بن جعفر غندر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ بن حجاج نے بیان کیا، کہا کہ میں نے عمرو بن عامر انصاری سے سنا، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا کہ (عہد رسالت میں) جب مؤذن اذان دیتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ستونوں کی طرف لپکتے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے حجرہ سے باہر تشریف لاتے تو لوگ اسی طرح نماز پڑھتے ہوئے ملتے۔ یہ جماعت مغرب سے پہلے کی دو رکعتیں تھیں۔ اور (مغرب میں) اذان اور تکبیر میں کوئی زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا۔ اور عثمان بن جبلہ اور ابوداؤد طیالسی نے شعبہ سے اس (حدیث میں یوں نقل کیا ہے کہ) اذان اور تکبیر میں بہت تھوڑا سا فاصلہ ہوتا تھا۔

قولہ أذن ایک روایت میں ہے "إذا أخذ المؤذن في أذان المغرب" قولہ قام ناس "نسائی میں ہے "قام كبار أصحاب رسول الله ﷺ [1]" قولہ يبتدرون السواري "یعنی وہ ستونوں کو سترہ بنانے کے لئے جلدی کرتے تھے کیونکہ وہ یہ دو رکعتیں اکیلے اکیلے پڑھا کرتے تھے مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے "فيجئ الغريب فيحسب أن الصلوة قد صليت من كثرة من يصليهما [2]"۔

"قولہ شئ" اس کی تنوین تعظیم کے لئے ہے أي شئ كثير۔ یعنی اذان و اقامت کے درمیان زیادہ فاصلہ نہیں ہوتا تھا جیسا کہ شعبہ سے مروی ہے "لم يكن بينهما إلا قليل [3]" مطلب یہ ہے کہ تھوڑا ہی فاصلہ ہوتا تھا جس میں دو رکعتیں پڑھی جائیں۔ اس حدیث میں باقی نمازوں کے سمیت مغرب کی نماز کے ساتھ بھی دو رکعتیں پڑھنے کا ذکر ہے۔ حیان بن عبید اللہ کی روایت میں جو وہ عبداللہ بن بریدہ سے اور وہ اپنے باپ بریدہ سے بیان کرتے ہیں إلا المغرب کے ساتھ مغرب کی نماز کا استثناء آتا ہے دارقطنی اور بیہقی میں ہے "إن عند كل أذانين ركعتين ما خلا المغرب" اس میں حیان بن عبید اللہ ضعیف ہے، ابن جوزی نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ ایک راوی حیان بن عبداللہ ہے وہ ثقہ ہے جبکہ "إلا المغرب" والی روایت میں ضعیف راوی ہے۔

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے بریدہ رضی اللہ عنہ کی استثناء والی روایت اگر درست ہوتی تو وہ خود اسکی مخالفت نہ کرتے جبکہ بریدہ رضی اللہ عنہ خود نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے، قرطبی وغیرہ نے کہا ہے کہ حدیث انس رضی اللہ عنہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں ادا کرنا ایسا عمل ہے جس پر نبی اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ کرام کو برقرار رکھا ہے اور

(1) شرح مشکل الآثار ۵۴۹۹ ج ۱۴ ص ۱۱۹۔

(2) مستخرج أبي عوانة ۲۱۲۰ ج ۲ ص ۸۔

(3) بخاری ۶۲۵ ج ۱ ص ۱۲۷۔

صحابہ اس عمل میں ایک دوسرے سے سبقت کیا کرتے تھے۔ اور یہ چیز ان دو رکعتوں کے استحباب پر دلالت کرتی ہے۔ اور کسی کا نہ پڑھنا ان کے استحباب کی نفی نہیں کرتا، امام احمد، اسحٰق اور اہل حدیث ان دو رکعتوں کے استحباب کے قائل ہیں۔

ابوداود میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں "مارأيت أحداً على عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم يصليهما[1]"

میں نے نبی کریم علیہ السلام کے دور میں کسی کو یہ دو رکعتیں پڑھتے نہیں دیکھا، اور خلفاء اربعہ اور صحابہ کی ایک جماعت بھی یہ دو رکعتیں نہیں پڑھتے تھے۔ اس بنا پر بعض مالکیوں وغیرہ نے ان کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے[2]

---

[1] سنن أبی داؤد ۱۲۸۴ ج ۲ ص ۱۲۶۔ (ضعیف)

[2] احناف کی یہ عادت ہے کہ جب کوئی حدیث ان کے مذھب کے خلاف ہو تو اسے منسوخ قرار دینے کی کوشش کرتے ہیں۔ یا اس کی بے تکی تاویلیں کر کے اپنے مذھب کو بچانے کی سعی کرتے ہیں۔ اور یہ طریقہ واردات احناف نے اپنے پیشرو کرخی سے لیا ہے۔ جن کے بارہ میں ذھبی لکھتے ہیں "بعض مقلدین کی جسارت یہاں تک بڑھ گئی ہے کہ وہ اپنے اماموں کے اقوال کو ایسے دیکھتے ہیں جیسے شارع کی نصوص کو دیکھا جاتا ہے۔ اور وہ اپنی تمام تر علمی جد وجہد اپنے امام کے مذھب کی نصرت و تائید میں صرف کر دیتے ہیں اور مخالف کے مذھب کو باطل کرنے میں ان کی توانائیاں خرچ ہو جاتی ہیں۔ آیات احکام میں بھی ایسی تاویلیں کر کے انہیں اپنے مذھب کے موافق بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور کبھی تو نصوصِ شارع کو منسوخ قرار دے دیتے ہیں اور یہ تب ہوتا ہے جبکہ تاویلات کے راستے بند ہو جاتے ہیں، ان میں سے ایک عبداللہ کرخی ہے جو حنفی مذھب میں بڑا متعصب ہے اس نے یہاں تک کہہ دیا ہے "كل اية أوحديث يخالف ماعليه أصحابنا فهو مؤول أو منسوخ "التفسير والمفسرون ج ۲ ص ۴۳۴) ہر آیت قرآنی یا حدیث نبوی جو ہمارے حنفی ساتھیوں کے خلاف ہو گی اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ قرار دیدیا جائے گا۔ (معاذ اللہ) نماز مغرب سے پہلے دو رکعتیں پڑھنے کی حدیث چونکہ حنفی مذہب کے خلاف ہے جسے بعض لوگ بڑی ڈھٹائی سے منسوخ کہہ دیتے ہیں ان کے اس قول کی تردید میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کہتے ہیں "دعوى النسخ لا دليل عليها" منسوخ کہنے کا دعوی بلا دلیل ہے۔ لیکن عینی حنفی منسوخ کہنے والوں کی حمایت کرتے ہوئے لکھتے ہیں "يستأنس لتأييد قول هذا القائل بمارواه ابوداؤد عن طاؤس قال سئل ابن عمر عن الركعتين قبل المغرب ؟ فقال: مارأيت أحدًا على عهد رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم يصليهما" ۵/۲۰۴۔ حالانکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی رؤیت کی نفی کی ہے کہ میں نے نہیں دیکھا۔ لیکن حضرت انس رضی اللہ عنہ جیسے صحابہ کرام جنہوں نے صحابہ کو پڑھتے ہوئے دیکھا ہے ان کی صحیح بخاری میں آنیوالی حدیث رسول کی عینی رحمہ اللہ کے نزدیک کوئی اہمیت نہیں ہے کیونکہ مذہب حنفی کے خلاف پڑتی ہے۔ رہا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا نہ دیکھنا تو وہ بھی ایک عذر کی بنا پر تھا وہ چونکہ اکثر نفلی روزے رکھا کرتے تھے۔ اور جب لوگ اذان مغرب کے بعد مسجد میں یہ دو رکعت ادا کر رہے ہوتے تھے اس وقت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ گھر میں روزہ افطار کر رہے ہوتے تھے لہذا ان کا نہ دیکھنا ان دو رکعتوں کے نسخ یا کراہت کی دلیل نہیں بن سکتا۔

وہ کہتے ہیں یہ دو رکعتیں شروع میں پڑھی جاتی تھیں جب عصر کے بعد غروب تک نماز پڑھنے سے روکا گیا تھا اس لئے سورج غروب ہونے کے بعد وقت جواز بیان کرنے کے لئے یہ دو رکعتیں پڑھنے کی اجازت دی گئی، لیکن ان لوگوں کا نسخ کا دعوی بلا دلیل ہے اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے اگر ان کی نفی مروی ہے تو حدیث انس رضی اللہ عنہ سے ان کا اثبات منقول ہے اور مثبت مقدم ہوتا ہے اور خلفاء اربعہ کا نہ پڑھنے کا قول ابراہیم نخعی کا ہے جو منقطع ہے اور اگر ثابت بھی ہو تو یہ نسخ یا کراہت کی دلیل نہیں ہوسکتا، عقبہ بن عامر سے ان دو رکعتوں کے بارہ میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں یہ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے کہا گیا اب کیا مانع ہے؟ کہا مشغولیت کی وجہ سے نہیں پڑھتے۔ اور ہوسکتا ہے دیگر نہ پڑھنے والوں کا عذر بھی مشغولیت ہو، محمد بن نصر وغیرہ نے قوی اسانید سے روایت کی ہے کہ عبدالرحمن بن عوف، سعد بن ابی وقاص، ابی بن کعب، ابوالدرداء اور ابوموسیٰ وغیرہ ان دو رکعتوں پر ہمیشگی کرتے تھے جو لوگ کہتے ہیں کہ ان دو رکعتوں کے پڑھنے سے مغرب کی نماز لیٹ ہو جاتی ہے تو یہ انکا خیال فاسد ہے جو سنت کے منافی ہے کیونکہ یہ دو رکعتیں مختصر پڑھی جاتی ہیں ان سے نماز لیٹ نہیں ہوتی۔

١٥-بَابُ مَنِ انْتَظَرَ الإِقَامَةَ:

باب: اذان سن کر جو شخص (گھر میں بیٹھا) تکبیر کا انتظار کرے

٦٢٦ - حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُرْوَةُ بْنُ الزُّبَيْرِ، أَنَّ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا سَكَتَ الْمُؤَذِّنُ بِالأُولَى مِنْ صَلَاةِ الْفَجْرِ قَامَ فَرَكَعَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ قَبْلَ صَلَاةِ الْفَجْرِ بَعْدَ أَنْ يَسْتَبِينَ الْفَجْرُ، ثُمَّ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الأَيْمَنِ حَتَّى يَأْتِيَهُ الْمُؤَذِّنُ لِلإِقَامَةِ».

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے زہری سے، انہوں نے کہا کہ مجھے عروہ بن زبیر نے خبر دی کہ ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب مؤذن صبح کی دوسری اذان دے کر چپ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوتے اور فرض سے پہلے دو رکعت (سنت فجر) ہلکی پھلکی ادا کرتے صبح صادق روشن ہو جانے کے بعد پھر داہنی کروٹ پر لیٹ رہتے۔ یہاں تک کہ مؤذن تکبیر کہنے کی اطلاع دینے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا۔

"قوله ثم اضطجع على شقه الأيمن حتى يأتيه المؤذن" اس جملہ کا ترجمہ باب سے تعلق ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی دو رکعت سنت پڑھ کر اقامت کے انتظار میں لیٹ جاتے حتی کہ مؤذن آکر اقامت کی اطلاع دیتا تو آپ مسجد میں تشریف لاتے، اور یہ انتظار امام کے لئے ہے ورنہ مقتدیوں کو جلدی آکر پہلی صف کی فضیلت پانے کی ترغیب دی گئی ہے۔

"قوله إذا سكت المؤذن بالأولي" اى عن الأولي" اور با عن کے معنی میں ہے جیسا کہ فاسئل به خبيرا[1]"

---

[1] الفرقان:٥٩۔

میں بہ بمعنی عنہ ہے۔ اور الاولی سے مراد وہ اذان ہے جو نماز کا وقت داخل ہونے پر کہی جاتی ہے، اور یہ اقامت کے مقابلہ میں پہلی اذان ہے۔ کیونکہ اقامت پر بھی اذان کا اطلاق ہو جاتا ہے جیسے "بين كل أذانين صلوة[1]" اگرچہ فجر سے پہلے ہونے والی اذان کے مقابلہ میں یہ دوسری اذان ہے۔

"قوله اضطجع علی شقه الأيمن" آپ دائیں کروٹ پر لیٹتے تھے تاکہ نیند میں استغراق پیدا نہ ہو کیونکہ دل بائیں جانب ہوتا ہے اور دائیں کروٹ پر لیٹنے سے دل معلق رہتا ہے اور استغراق حاصل نہیں ہوتا۔ اور نبی اکرم ﷺ امت کی تعلیم کے لئے دائیں کروٹ پر لیٹتے تھے ورنہ آپ کی نیند تو مستغرق ہوتی ہی نہیں تھی۔ کیونکہ آپ کا دل نہیں سوتا تھا، بعض کہتے ہیں کہ آپکا یہ لیٹنا راحت اور فجر کی نماز میں نشاط کے لئے تھا۔ اس لیے یہ لیٹنا تہجد پڑھنے کی وجہ سے ہے جیسا کہ ابن عربی کا خیال ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ کا یہ لیٹنا سنت فجر اور نماز فجر میں فاصلہ کرنے کے لئے تھا لہٰذا یہ تہجد پڑھنے والے کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ سب کے لئے مستحب ہے۔ نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ظاہر حدیث کو دیکھتے ہوئے اسکا سنت ہونا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ ابوداود اور ترمذی میں صحیح سند کے ساتھ مروی ہے جو شرط شیخین پر ہے " قال رسول الله ﷺ إذا صلي أحدكم الركعتين قبل الصبح فليضطجع علی يمينه[2]" لیکن ابن حزم رحمہ اللہ نے اسے صحت نماز کی شرط بنا کر افراط سے کام لیا ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے بعض دفعہ اسکا چھوڑنا بھی ثابت ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ یہ لیٹنا گھر میں مستحب ہے مسجد میں نہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ سے مسجد میں سنتوں کے بعد لیٹنا ثابت نہیں ہے۔

بعض احادیث میں یہ بھی آتا ہے أن النبي ﷺ كان يصلي بالليل إحدی عشرة ركعة يوتر منها بواحدة فاذا فرغ منها اضطجع علی شقه حتی يأتيه المؤذن فيصلي ركعتين خفيفتين[3]" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کبھی آپ قیام لیل کے بعد فجر کی سنتوں سے پہلے لیٹتے تھے اور کبھی فجر کی سنتوں کے بعد لیٹتے تھے اور کبھی لیٹتے ہی نہیں تھے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "إن كنت مستيقظة حدثني وإلا اضطجع[4]" میں بیدار ہوتی تو مجھ سے باتیں کرتے ورنہ لیٹ جاتے۔

١٦۔ بَابٌ بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ لِمَنْ شَاءَ:

باب: ہر اذان اور تکبیر کے بیچ میں جو کوئی چاہے (نفل) نماز پڑھ سکتا ہے

٦٢٧ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا كَهْمَسُ بْنُ الْحَسَنِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ

---

(1) سنن أبي داود ١٢٨٣ ج ٢ ص ٢٦۔

(2) سنن أبي داود ١٢٦١ ج ٢ ص ٢١۔

(3) سنن أبي داود ١٢٦٢ ج ٢ ص ٢١۔ بمعناه

(4) صحيح بخاري ١١٦٧ ج ٢ ص ٥٥۔

بُرَيْدَةَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مُغَفَّلٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، بَيْنَ كُلِّ أَذَانَيْنِ صَلَاةٌ، ثُمَّ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ لِمَنْ شَاءَ».

ہم سے عبداللہ بن یزید مقری نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے کہمس بن حسن نے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن بریدہ سے، انہوں نے عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر دو اذانوں (اذان و تکبیر) کے بیچ میں نماز ہے۔ ہر دو اذانوں کے درمیان نماز ہے۔ پھر تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی پڑھنا چاہے۔

١٧۔ بَابُ مَنْ قَالَ لِيُؤَذِّنْ فِي السَّفَرِ مُؤَذِّنٌ وَاحِدٌ:

باب: جو یہ کہے کہ سفر میں ایک ہی شخص اذان دے

٦٢٨ ۔ حَدَّثَنَا مُعَلَّى بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفَرٍ مِنْ قَوْمِي، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ لَيْلَةً وَكَانَ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا رَأَى شَوْقَنَا إِلَى أَهَالِينَا، قَالَ: «ارْجِعُوا فَكُونُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَصَلُّوا، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ».

ہم سے معلی بن سعد اسد بصری نے بیان کیا، کہا ہم سے وہیب بن خالد نے ابوایوب سے بیان کیا، انہوں نے ابوقلابہ سے، انہوں نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے، کہا کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنی قوم (بنی لیث) کے چند آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوا اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت شریف میں بیس راتوں تک قیام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رحم دل اور ملنسار تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے اپنے گھر پہنچنے کا شوق محسوس کر لیا تو فرمایا کہ اب تم جا سکتے ہو۔ وہاں جا کر اپنی قوم کو دین سکھاؤ اور (سفر میں) نماز پڑھتے رہنا۔ جب نماز کا وقت آ جائے تو تم میں سے ایک شخص اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

شرح بخاری

مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سفر میں بھی فجر کی دو اذانیں کہلاتے تھے۔ اور وہ حضر و سفر میں کوئی فرق نہیں کرتے تھے لیکن اس باب کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سفر میں اذان مکرر نہیں ہوگی اور فجر و غیر فجر کا کوئی فرق نہیں ہے کیونکہ حدیث میں "فاذا حضرت الصلوة فليؤذن لكم أحدكم [1]" عام ہے۔ جو آپ سے جدا ہونے کے بعد سفر میں ایک اذان کہنے پر دلالت کرتا ہے۔ آئندہ آنے والے باب کے تحت آنے والی حضرت مالک بن حویرث کی حدیث سفر کے بارہ میں اس سے واضح ہے اس میں ہے "إذا أنتما خرجتما

---

[1] بخاری ٦٣١۔

فأذنا[1]" أی من أحب منکما أن یؤذن فلیؤذن۔ کیونکہ دونوں فضیلت میں برابر تھے۔

١٨۔ بَابُ الأَذَانِ لِلْمُسَافِرِ إِذَا كَانُوا جَمَاعَةً، وَالإِقَامَةِ، وَكَذَلِكَ بِعَرَفَةَ وَجَمْعٍ:

باب: اگر کئی مسافر ہوں تو نماز کے لیے اذان دیں اور تکبیر بھی کہیں اور عرفات اور مزدلفہ میں بھی ایسا ہی کریں

وَقَوْلِ الْمُؤَذِّنِ الصَّلاَةُ فِي الرِّحَالِ، فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ.

اور جب سردی یا بارش کی رات ہو تو مؤذن یوں پکار دے کہ اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔

بعض کی روایت "للمسافر" مفرد کے صیغے سے ہے۔ اس وقت اس کا الف ولام جنس کے لئے ہوگا تا کہ "إذا کانوا جماعة" کے موافق ہو جائے اور "والاقامة" کا عطف "الأذان" پر ہے اس ترجمہ باب سے مقصود سفر میں لوگوں کی جماعت کے لئے اذان کہنے کی مشروعیت کو بیان کرنا ہے۔ اور سفر میں ایک آدمی کے لئے اذان کی مشروعیت اس سے قبل "باب رفع الصوت بالنداء" میں ذکر ہو چکی ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ اگر کوئی شخص جنگل میں اذان کہہ دے اور اقامت کہہ کر کھڑا ہو جائے تو فرشتے اس کے پیچھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اس سے پہلے باب میں بتایا گیا ہے کہ اذان ایک ہونی چاہیئے۔ اسے مؤذن واحد سے تعبیر کیا ہے۔ کیونکہ جو لوگ فجر کی دو اذانوں کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ مؤذن دو ہونا چاہئیں۔ اس لیے بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کر دیا کہ دو اذانیں دو مؤذن دیں گے، اور جب مؤذن ایک ہو تو ایک اذان ہوگی، مقصد یہ ہے کہ سفر میں ایک اذان ہونی چاہیئے، کیونکہ سفر میں لوگوں کو اکٹھا نہیں کرنا پڑتا۔

"قوله وكذلك بعرفة وجمع" یہ مسلم میں جابر کی لمبی حدیث کی طرف اشارہ ہے جو صفت حج کے بارہ میں ہے۔ أذن بلال ثم اقام فصلي الظهر ثم أقام فصلي العصر[2]۔ اور جمع سے مراد مزدلفہ ہے جس میں عید کی رات حاجیوں کا اجتماع ہوتا ہے اور اس سے کتاب الحج میں آنے والی عبداللہ بن مسعود کی حدیث کی طرف اشارہ ہے اس میں ہے "انه صلي المغرب بأذان وإقامة والعشاء بأذان وإقامة قال: رأيت رسول الله ﷺ يفعله[3]" حنفی کہتے ہیں کہ اذان ایک اور اقامتیں دو ہوں گی لیکن بخاری رحمہ اللہ نے اسکو ترجیح دی ہے کہ اذانیں بھی متعدد ہونی چاہئیں اور اقامت بھی متعدد ہو اور جس حدیث میں ایک اقامت کا ذکر آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایک کے لئے ایک اقامت ہو۔

٦٢٩ ۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْمُهَاجِرِ أَبِي الْحَسَنِ،

[1] بخاری ٦٣٠۔

[2] مسلم (١٤٧) ١٢١٨ ج ٢ ص ٨٨٦، ابوداود ١٩٠٥ ج ٢ ص ١٨٢۔

[3] بخاری ١٦٧٥ ج ٢ ص ١٦٤ (بمعناه)

عَنْ زَيْدِ بْنِ وَهْبٍ، عَنْ أَبِي ذَرٍّ، قَالَ: «كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ فَأَرَادَ الْمُؤَذِّنُ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، ثُمَّ أَرَادَ أَنْ يُؤَذِّنَ، فَقَالَ لَهُ: أَبْرِدْ، حَتَّى سَاوَى الظِّلُّ التُّلُولَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ شِدَّةَ الْحَرِّ مِنْ فَيْحِ جَهَنَّمَ».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے مہاجر ابوالحسن سے بیان کیا، انہوں نے زید بن وہب سے، انہوں نے ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے۔ مؤذن نے اذان دینی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ٹھنڈا ہونے دے۔ پھر مؤذن نے اذان دینی چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر یہی فرمایا کہ ٹھنڈا ہونے دے۔ یہاں تک کہ سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گرمی کی شدت دوزخ کی بھاپ سے پیدا ہوتی ہے۔

"قوله حتى ساوى الظل التلول" یعنی سایہ ٹیلوں کے برابر ہو گیا، چونکہ ٹیلے اونچے ہوتے ہیں سورج ڈھلنے کے وقت ان پر سایہ چھا جاتا ہے تو ان کے برابر معلوم ہوتا ہے یا معنی یہ ہے ساوى الظل التلول أى فى الظهور یعنی جیسے ٹیلے ظاہر ہوتے ہیں سایہ کے ڈھلنے کا بھی پتہ چلتا تھا، ظاہر معنی تو یہ ہے کہ سایہ مثل ہو گیا تھا اور سفر میں ایسا ہو سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ سفر میں نمازوں کو جمع کرنا بھی جائز ہے۔

حدیث مذکور میں نبی اکرم ﷺ نے مؤذن کو ابراد کا حکم دیا ہے لیکن اذان چھوڑنے کا حکم نہیں دیا، لہذا اس سے سفر میں اذان کہنے کا اثبات ہوتا ہے۔

٦٣٠ - حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: أَتَى رَجُلَانِ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُرِيدَانِ السَّفَرَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أَنْتُمَا خَرَجْتُمَا فَأَذِّنَا، ثُمَّ أَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا».

ہم سے محمد بن یوسف فریابی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان ثوری نے خالد حذاء سے، انہوں نے ابوقلابہ عبداللہ بن زید سے، انہوں نے مالک بن حویرث سے، انہوں نے کہا کہ دو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے یہ کسی سفر میں جانے والے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ دیکھو جب تم سفر میں نکلو تو (نماز کے وقت راستے میں) اذان دینا پھر اقامت کہنا، پھر جو شخص تم میں عمر میں بڑا ہو نماز پڑھائے۔

"قوله فأذنا، تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے، کیونکہ ایک اذان کہے گا اور دوسرا اذان کا جواب دیگا، یا ان میں ہر ایک علی سبیل البدلیت اذان کہہ سکتا ہے اس پر نسائی نے باب باندھ دیا ہے کہ سفر میں دو اذانیں ہونی چاہئیں لیکن یہ کسی کا

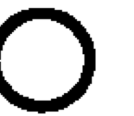
مذہب نہیں ہے۔

٦٣١ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْمُثَنَّى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكٌ. أَتَيْنَا إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ مُتَقَارِبُونَ، فَأَقَمْنَا عِنْدَهُ عِشْرِينَ يَوْمًا وَلَيْلَةً، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا رَفِيقًا، فَلَمَّا ظَنَّ أَنَّا قَدِ اشْتَهَيْنَا أَهْلَنَا أَوْ قَدِ اشْتَقْنَا سَأَلَنَا عَمَّنْ تَرَكْنَا بَعْدَنَا، فَأَخْبَرْنَاهُ، قَالَ: «ارْجِعُوا إِلَى أَهْلِيكُمْ، فَأَقِيمُوا فِيهِمْ وَعَلِّمُوهُمْ وَمُرُوهُمْ، وَذَكَرَ أَشْيَاءَ أَحْفَظُهَا أَوْ لَا أَحْفَظُهَا وَصَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ».

ہم سے محمد بن مثنیٰ نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں عبدالوہاب نے خبر دی، کہا کہ ہمیں ابوایوب سختیانی نے ابوقلابہ سے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہم سے مالک بن حویرث نے بیان کیا، کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ ہم سب ہم عمر اور نوجوان ہی تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مبارک میں ہمارا بیس دن و رات قیام رہا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی رحم دل اور ملنسار تھے۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ہمیں اپنے وطن واپس جانے کا شوق ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ تم لوگ اپنے گھر کسے چھوڑ کر آئے ہو۔ ہم نے بتایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اچھا اب تم اپنے گھر جاؤ اور ان گھر والوں کے ساتھ رہو اور انہیں بھی دین سکھاؤ اور دین کی باتوں پر عمل کرنے کا حکم کرو۔ مالک نے بہت سی چیزوں کا ذکر کیا جن کے متعلق ابوایوب نے کہا کہ ابوقلابہ نے یوں کہا وہ باتیں مجھ کو یاد ہیں یا یوں کہا مجھ کو یاد نہیں۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسی طرح نماز پڑھنا جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے اور جب نماز کا وقت آ جائے تو کوئی ایک اذان دے اور جو تم میں سب سے بڑا ہو وہ نماز پڑھائے۔



٦٣٢ ـ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي نَافِعٌ، قَالَ: أَذَّنَ ابْنُ عُمَرَ فِي لَيْلَةٍ بَارِدَةٍ بِضَجْنَانَ، ثُمَّ قَالَ: صَلُّوا فِي رِحَالِكُمْ، فَأَخْبَرَنَا أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ مُؤَذِّنًا يُؤَذِّنُ، ثُمَّ يَقُولُ عَلَى إِثْرِهِ: «أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ فِي اللَّيْلَةِ الْبَارِدَةِ أَوِ الْمَطِيرَةِ فِي السَّفَرِ».



ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے عبیداللہ بن عمر عمری سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے نافع نے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک سرد رات میں مقام ضجنان پر اذان دی پھر فرمایا «ألا صلوا فی الرحال» کہ لوگو! اپنے اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو اور ہمیں آپ نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مؤذن سے اذان کے لیے فرماتے اور یہ بھی فرماتے کہ مؤذن



اذان کے بعد کہہ دے کہ لوگو! اپنے ٹھکانوں میں نماز پڑھ لو۔ یہ حکم سفر کی حالت میں یا سردی یا برسات کی راتوں میں تھا۔

۶۳۳ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: أَخْبَرَنَا جَعْفَرُ بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْعُمَيْسِ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ، فَجَاءَهُ بِلَالٌ فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، ثُمَّ خَرَجَ بِلَالٌ بِالْعَنَزَةِ حَتَّى رَكَزَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْأَبْطَحِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ».

ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں جعفر بن عون نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابوالعمیس نے بیان کیا، انہوں نے عون بن ابی جحیفہ سے ابوجحیفہ کے واسطہ سے بیان کیا، کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابطح میں دیکھا کہ بلال حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی خبر دی پھر بلال رضی اللہ عنہ برچھی لے کر آگے بڑھے اور اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (بطور سترہ) مقام ابطح میں گاڑ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس کو سترہ بنا کر) نماز پڑھائی۔

"قوله وصلوا كما رأيتموني اصلي" یہ حضرت مالک بن حویرث کی حدیث ہے ان سے رفع الیدین اور جلسہ استراحت کی حدیث بھی مروی ہے، احناف کا قول ہے کہ نبی علیہ السلام بوڑھے ہو گئے تھے اس لیے جلسہ استراحت کرتے اور بیٹھ کر اٹھتے تھے، گویا ان کے ہاں یہ بوڑھوں کے لئے سنت ہے جوانوں کے لئے نہیں چونکہ مالک بن حویرث متاخر الاسلام ہیں۔ احناف کے اس قول سے رفع یدین کا کرنا بھی آپ کی آخر عمر میں ثابت ہو جائیگا کہ آپ آخر عمر تک رفع یدین کرتے رہے ہیں۔ تو حنفیہ کا نسخ رفع یدین کا دعویٰ باطل ہوا۔

شرح بخاری

۱۹۔ بَابُ هَلْ يَتَتَبَّعُ الْمُؤَذِّنُ فَاهُ هَاهُنَا وَهَاهُنَا، وَهَلْ يَلْتَفِتُ فِي الْأَذَانِ[1]

---

[1] امام بخاری رحمہ اللہ نے اس باب میں تین مسائل ذکر کئے ہیں، ۱۔ اذان میں دائیں، بائیں التفات کرنا۔ جمہور علماء کے ہاں سنت یہی ہے کہ قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر اذان کہی جائے اور حی علی الصلوٰۃ، حی علی الفلاح کہتے ہوئے دائیں، بائیں منہ پھیرے، لیکن سینہ پھیرنے سے گریز کرے، اور اقامت میں دائیں، بائیں منہ پھیرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اقامت حاضرین کے لئے ہوتی ہے جبکہ اذان غائبین کے لئے ہوتی ہے۔ ۲۔ انگلیاں کانوں میں ڈالنا، اکثر علماء اس کے استحباب کے قائل ہیں، امام بخاری رحمہ اللہ نے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا اثر نقل کر کے اس کے عدم استحباب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اوزاعی اقامت میں بھی اس کے قائل ہیں۔ ۳۔ بغیر وضو کے اذان کہنا، نخعی کا قول ہے کہ بغیر وضو کے اذان کہنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث لا کر اسی کو ترجیح دی ہے، امام مالک رحمہ اللہ، حسن بصری، قتادہ، نخعی، سفیان، حماد، ابن مبارک رخصت کے قائل ہیں اور امام شافعی، مجاہد، اوزاعی کراہت کے قائل ہیں۔ امام احمد کے نزدیک اذان بغیر وضو کے کہی جا سکتی ہے، اور اقامت باوضو ہی کہنی چاہیئے۔ جنبی کا اذان کہنا سخت مکروہ ہے، بعض ذکر واجب اور غیر

باب: کیا مؤذن اذان میں اپنا منہ ادھر ادھر (دائیں بائیں) پھرائے اور کیا اذان کہتے وقت ادھر ادھر دیکھ سکتا ہے؟

وَيُذْكَرُ عَنْ بِلَالٍ، أَنَّهُ جَعَلَ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَجْعَلُ إِصْبَعَيْهِ فِي أُذُنَيْهِ، وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ: لَا بَأْسَ أَنْ يُؤَذِّنَ عَلَى غَيْرِ وُضُوءٍ، وَقَالَ عَطَاءٌ: الْوُضُوءُ حَقٌّ وَسُنَّةٌ، وَقَالَتْ عَائِشَةُ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُ اللهَ عَلَى كُلِّ أَحْيَانِهِ.

اور بلال رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے اذان میں اپنی دونوں انگلیاں اپنے کانوں میں داخل کیں۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اذان میں کانوں میں انگلیاں نہیں ڈالتے تھے۔ اور ابراہیم نخعی نے کہا کہ بے وضو اذان دینے میں کوئی برائی نہیں اور عطاء نے کہا کہ اذان میں وضو ضروری اور سنت ہے۔ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب وقتوں میں اللہ کو یاد فرمایا کرتے تھے۔

٦٣٤ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّهُ رَأَى بِلَالًا يُؤَذِّنُ، فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُ فَاهُ هَهُنَا وَهَهُنَا بِالْأَذَانِ».

ہم سے محمد بن یوسف فریابی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان ثوری نے عون بن ابی جحیفہ سے بیان کیا، انہوں نے اپنے باپ سے کہا انھوں نے بلال رضی اللہ عنہ کو اذان دیتے ہوئے دیکھا۔ وہ کہتے ہیں میں بھی ان کے منہ کے ساتھ ادھر ادھر منہ پھیرنے لگا۔

شرح بخاری

یعنی اذان کا حکم نماز والا نہیں ہے، اسی لیے مؤذن حیعلتین پر دائیں اور بائیں التفات کرتا ہے جبکہ نماز میں التفات نہیں چاہیئے۔ نماز میں التفات کی تین صورتیں ہیں ایک یہ کہ آنکھ سے ہی اشارۃً دیکھنا یہ ضرورت کے لئے جائز ہے ورنہ اس سے بچنا چاہیئے، دوسرا یہ کہ نماز میں دیکھتے وقت سر پھیر لے یہ مکروہ ہے اگرچہ اس سے نماز باطل نہیں ہوتی، تیسرا یہ کہ نماز میں سینہ ہی پھیر لے اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن صلوۃِ خوف اس سے مستثنیٰ ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بھی ایک موقع پر التفات کا ذکر آتا ہے لیکن وہ بھی ضرورت کے لئے تھا۔

"قوله يتتبع" باب تفعل سے مضارع کا صیغہ ہے جسکا معنی یہ ہے کہ کیا مؤذن، اذان میں اپنا منہ ادھر اور ادھر (دائیں، بائیں) پھیرے؟ اور کیا وہ اذان کہتے ہوئے ادھر، ادھر دیکھ سکتا ہے؟

"قوله ويذكر عن بلال أنه جعل إصبعيه" کیونکہ کانوں میں انگلیاں ڈال کر اذان دینے سے آواز اونچی نکلتی ہے اور بہرے کو بھی علم ہو جاتا ہے کہ اذان ہو رہی ہے ابن ماجہ میں ہے "أنه ﷺ أمر بلالاً أن يجعل اصبعيه في أذنيه" لیکن اس کی سند ضعیف ہے، اور انگلیوں سے مراد انگلیوں کے پورے ہیں جو اذان کے وقت کانوں میں ڈالے جاتے ہیں۔

"قوله وكان ابن عمر لا يجعل" اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے وقت کانوں میں انگلیاں ڈالنا اذان کا رکن نہیں

واجب میں فرق کرتے ہیں۔ فتح الباری لابن رجب جلد ۳ صفحہ ۵۵۵۔

ہے۔اذان کے وقت ہاتھ کانوں پر رکھنا بھی آواز اونچی نکالنے کا سبب ہے ہاتھ چھوڑ کر اذان کہے تو بھی درست ہے۔

"قوله قال إبراهيم لابأس" کیونکہ اذان ذکر ہی ہے اور اللہ تعالی کا ذکر بغیر وضوء کے بھی کیا جاسکتا ہے اس بارہ میں ترمذی میں مرفوع حدیث بھی آتی ہے جو کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔لیکن وہ حدیث ضعیف ہے [1]۔

"قوله قال عطاء الوضوء حق وسنة" حق سے مراد ہے کہ ثابت ہے اور آثار میں اس کا ذکر آتا ہے اور سنت سے مراد ہے کہ رکن نہیں ہے۔

"قوله يذكر الله على كل أحيانه [2]" جبکہ اذان بھی ذکر ہے تو اس کے لئے وضوء یا استقبال قبلہ شرط نہیں ہے جیسا کہ باقی اذکار کے لئے وضوء یا استقبال قبلہ شرط نہیں ہے۔

٢٠۔بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ فَاتَتْنَا الصَّلاَةُ:

باب:یوں کہنا کیسا ہے کہ نماز نے ہمیں چھوڑ دیا؟

وَكَرِهَ ابْنُ سِيرِينَ أَنْ يَقُولَ فَاتَتْنَا الصَّلاَةُ وَلَكِنْ لِيَقُلْ لَمْ نُدْرِكْ. وَقَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَصَحُّ.

امام ابن سیرین رحمہ اللہ نے اس کو مکروہ جانا ہے کہ کوئی کہے کہ نماز نے ہمیں چھوڑ دیا۔بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ ہم نماز نہ پاسکے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہی زیادہ صحیح ہے۔

٦٣٥ ۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: بَيْنَمَا نَحْنُ نُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ سَمِعَ جَلَبَةَ رِجَالٍ، فَلَمَّا صَلَّى، قَالَ: مَا شَأْنُكُمْ ؟، قَالُوا: اسْتَعْجَلْنَا إِلَى الصَّلاَةِ، قَالَ: «فَلاَ تَفْعَلُوا، إِذَا أَتَيْتُمُ الصَّلاَةَ فَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ، فما أدركتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا».

ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شیبان بن عبدالرحمٰن نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے والد ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لوگوں کے چلنے پھرنے اور بولنے کی آواز سنی۔ نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا قصہ ہے لوگوں نے کہا کہ ہم نماز کے لیے جلدی کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایسا نہ کرو۔ بلکہ جب تم نماز کے لیے آؤ تو وقار اور سکون کو ملحوظ رکھو، نماز کا جو حصہ پاؤ اسے پڑھو اور اور جو رہ جائے اسے (بعد) میں پورا کرلو۔

---

[1] ترمذی ٢٠٠ ج ١ ص ٣٨٩ (ضعیف)

[2] مسلم (١١٧) ٣٧٣، ج ١ ص ٢٨٢۔

شرح بخاری

محمد بن سیرین رحمہ اللہ کے نزدیک فاتتنا الصلوۃ لفظ کا استعمال مکروہ تھا، وہ کہتے تھے یہ لفظ نہیں کہنا چاہیئے بلکہ لم ندرك الصلوۃ کہنا چاہیئے۔ امام بخاری رحمہ اللہ اسکی تردید کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ سے اس لفظ کا استعمال ثابت ہے اور آپ نے فرمایا ہے "ماأدرکتم فصلوا ومافاتکم فأتموا" اور یہ اس کے جواز کی دلیل ہے۔

"قوله وقول النبی ﷺ أصح" أصح یہاں اسم تفضیل کے معنی میں نہیں ہے بلکہ صحیح کے معنی میں ہے یعنی نبی اکرم ﷺ کی بات صحیح ہے۔ ابن سیرین کی بات صحیح نہیں ہے۔ أصح کو اگر اپنے اصل میں لیا جائے تو اسکا مطلب یہ ہوگا کہ نبی اکرم ﷺ کی بات زیادہ صحیح ہے اور ابن سیرین کی بات صحیح ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے امام بخاری رحمہ اللہ ابن سیرین کی بات کی تردید کررہے ہیں۔

"قوله إذا اتیتم الصلوۃ فعلیکم بالسکینة" سکینت سے یہ مراد نہیں ہے کہ بالکل حرکت نہ ہو بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ بے جا حرکتیں نہ کرو۔ ورنہ چل کر نماز کے لئے آنے کی حرکت کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ اس کے بعد آنے والی حدیث میں ہے "إذا سمعتم الاقامة فامشوإلي الصلوۃ وعلیکم بالسکینة" اس سے امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ جولوگ "اسکنوا فی الصلوۃ" سے ترکِ رفع الیدین پر استدلال کرتے ہیں وہ درست نہیں ہے کیونکہ جب مشی إلی الصلوۃ یعنی نماز کے لئے چل کر آنے کی حرکت سکون کے خلاف نہیں ہے تو رفع یدین کی حرکت مشی سے بڑھ کر تو نہیں ہے وہ بھی سکون کے خلاف نہیں ہے۔

"قوله ومافاتکم فأتموا" حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جولوگ یہ کہتے ہیں کہ مسبوق کی نماز کا پہلا حصہ رہ جاتا ہے وہ "فاتکم" کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں لہذا امام کے سلام پھیرنے کے بعد اٹھ کر وہ پہلی نماز پڑھے گا۔ اور جولوگ کہتے ہیں کہ مسبوق کی نماز کا پچھلا رہ جاتا ہے وہ "أتموا" کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں، جسکا معنی ہے أکملوا وحدکم "کیونکہ اتمام کا تعلق آخر شئ سے ہوتا ہے حنفیوں کے نزدیک جو نماز رہ جائے وہ پہلی ہوتی ہے اور شافعیوں کے نزدیک جو نماز رہ جائے وہ پچھلی ہوتی ہے۔ اور امام کے ساتھ جو نماز پائے گا وہ پہلی ہوگی۔ حافظ نے ایک حدیث نقل کی ہے "ما أدرکت مع الامام فهو أول صلوتك[1]" بعض کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے "ما أدرکت مع الامام فهو أول صلوتك واقض ماسبقك به من القرآن[2]" یعنی پہلی رکعتوں کی اگر قراءت رہ گئی ہے (کیونکہ قراءت پہلی رکعتوں میں ہوتی ہے) اور تو پچھلی رکعتوں میں آیا ہے، تو اٹھ کر پچھلی دو رکعتیں پڑھے گا (ہونگی وہ پچھلی ہی) لیکن آپ ان میں سورت بھی پڑھ سکتے ہیں (گویا سورت جوڑنے میں وہ پہلی ہوگئیں) بعض کہتے ہیں ان دو رکعتوں میں سورت نہ جوڑے۔ کیونکہ پچھلی رکعتوں میں قراءت نہیں ہوتی۔ لیکن مذکورہ اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ جوڑ سکتا ہے۔

بعض روایات میں "مافاتکم فاقضوا" بھی آتا ہے لیکن یہ لفظ کم آتا ہے جبکہ "مافاتکم فأتموا" زیادہ

---

(1) فتح الباری لابن حجر رحمہ اللہ ج ۲ ص ۱۱۹۔

(2) السنن الکبری للبیہقی ۳۶۴۳ ج ۲ ص ۴۲۵۔

شرح بخاری

آتا ہے۔ اور "فاقضوا" کالفظ قضاء کی طرح اداء کے معنی میں بھی آتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "إذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الأرض[1]" یہاں قضاء بمعنی اداء ہے۔ اسی طرح "فاذا قضیتم مناسککم فاذکروا اللہ[2]" میں بھی اداء کے معنی میں ہے لہذا یہ لفظ قضاء عرفی پر دلالت کرتا ہے تو اداء کے معنی میں بھی آتا ہے۔ حدیث مذکور سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ نماز ترتیب سے پڑھنی چاہیئے جیسا کہ شافعی کہتے ہیں احناف کے نزدیک اگر دو رکعتیں امام کے ساتھ پڑھی ہیں تو دو رکعتیں جو اٹھ کر پڑھے گا وہ پہلی ہوں گی لہذا اٹھ کر یہ سبحانك اللھم سے شروع کرے، اور سورت بھی جوڑے، دوسری رکعت میں بھی سورت جوڑے، احسن الکلام میں لکھا ہے کہ جس حدیث میں "لاصلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب خلف الامام[3]" آتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جو رکعتیں پڑھو ان میں سورۃ فاتحہ پڑھو، پھر حنفی مذہب میں ساتھ سورت بھی جوڑنی چاہیئے۔ جبکہ اس سے پہلے لکھا ہے کہ اس حدیث میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور "خلف الامام" کالفظ آیا جو مقتدی پر دلالت کرتا ہے تو حدیث کی تاویل کردی ہے۔ حالانکہ ان دو رکعتوں میں حنفی مذہب کے اعتبار سے سورت بھی جوڑنی چاہیئے۔ اس نے فاتحہ پڑھنے کو ہی ذکر کیا ہے۔

٢١۔ بَابُ لاَ يَسْعَى إِلَى الصَّلاَةِ، وَلْيَأْتِ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ:

باب: اس بیان میں کہ نماز کا جو حصہ (جماعت کے ساتھ) پاسکو اسے پڑھ لو اور جو نہ پا سکو اسے بعد میں پورا کرلو

وَقَالَ: مَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا، قَالَهُ أَبُو قَتَادَةَ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

شرح بخاری

نماز کا جو حصہ (جماعت کے ساتھ) پاسکو اسے پڑھ لو اور جو نہ پاسکو اسے بعد میں پورا کرلو۔ یہ مسئلہ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

٦٣٦ ـ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ. حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا سَمِعْتُمُ الْإِقَامَةَ فَامْشُوا إِلَى الصَّلَاةِ وَعَلَيْكُمْ بِالسَّكِينَةِ وَالْوَقَارِ وَلَا تُسْرِعُوا، فَمَا أَدْرَكْتُمْ فَصَلُّوا، وَمَا فَاتَكُمْ فَأَتِمُّوا».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب نے بیان کیا، کہا کہ ہم

[1] الجمعۃ ١٠۔
[2] البقرہ ٢٠٠۔
[3] القراءۃ خلف الامام (١١٨) ١٣٣ صحیح لغیرہ)

سے امام زہری نے سعید بن مسیب سے بیان کیا، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے (دوسری سند) اور زہری نے ابوسلمہ سے، انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم لوگ تکبیر کی آواز سن لو تو نماز کے لیے (معمولی چال سے) چل پڑو۔ سکون اور وقار کو (بہر حال) پکڑے رکھو اور دوڑ کے مت آؤ۔ پھر نماز کا جو حصہ ملے اسے پڑھ لو، اور جو نہ مل سکے اسے بعد میں پورا کر لو۔

"قوله ماأدركتم فصلوا ومافاتكم فأتموا" حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جو لوگ کہتے ہیں کہ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی وہ اس سے استدلال کرتے ہیں۔ کیونکہ جب رکوع میں شامل ہو گا تو قیام اور قراءت دونوں رہ جائیں گے۔ رکعت تو تب ہی ہوگی جب امام کے ساتھ قیام کرے، امام بخاری رحمہ اللہ اور بعض شافعی اس طرف گئے ہیں۔ لیکن بعض علماء کہتے ہیں کہ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے حالانکہ وہ وجوب فاتحہ کے قائل ہیں ان کے نزدیک رکوع میں اگر شامل ہو جائے تو اسکی رکعت ہو جاتی ہے حنفی بھی اس کے قائل ہیں انکا استدلال حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ وہ صف سے پیچھے ہی رکوع میں چلے گئے۔ اللہ اکبر بھی کہا ہو گا اگرچہ اس حدیث میں ان کے اللہ اکبر کہنے کا ذکر نہیں آتا۔ اس کے بعد چل کر صف میں شامل ہو گئے۔ نماز کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ دوڑ کر آنے والا کون ہے، انہوں نے کہا میں تھا ایک روایت میں ہے کہ انہوں نے کہا "خشيت أن يفوتني الركعة معك" یعنی اس لیے ایسا کیا تا کہ صف تک جاتے ہوئے امام کھڑا نہ ہو جائے اور رکعت رہ جائے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے۔ جو علماء رکوع کی رکعت کے قائل نہیں ہیں ان کے ہاں اس حدیث میں "خشيت أن يفوتني الركعة" سے مراد رکعت نہیں ہے بلکہ اس سے مراد رکوع ہے کہ ابوبکرہ نے کہا میں ڈرا کہیں آپ کے ساتھ میرا رکوع نہ رہ جائے۔ کیونکہ رکعت کا لفظ رکوع کے معنی میں بھی آتا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا تو نے جلدی کی، اگر رکعت رہ جاتی تو بعد میں پڑھ لیتا لہٰذا پیچھے ہی رکوع نہ کیا کر، گویا آپ نے اسے یہ حکم آئندہ کے لئے دیا ہے۔ اگر آپ کا حکم اسی وقت کے لئے ہوتا تو وہ اٹھ کر رکعت پڑھ لیتا۔ لیکن اس کا پڑھنا کسی نے نقل نہیں کیا۔ دوسرے کہتے ہیں کہ اس نے پڑھی ہو گی اگرچہ کسی نے نقل نہیں کیا۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی ان کے ہاں حدیث میں "مافاتكم فأتموا" آیا ہے کہ جو چیز رہ گئی ہے اسے پورا کرو اور مدرک رکوع سے قیام فوت ہو گیا ہے اسے چاہیئے کہ اس کو پورا کرے لیکن وہ صرف قیام کر کے نماز ختم نہیں کر سکتا بلکہ پوری رکعت پڑھ کر سلام پھیرے گا۔ جیسا کہ قومہ میں امام کے ساتھ ملنے والا پوری رکعت پڑھتا ہے۔ صرف قیام اور رکوع کر کے نماز ختم نہیں کر سکتا۔ لہٰذا "مافاتكم فأتموا" کا مطلب یہ ہے کہ پوری رکعت پڑھے۔ باقی رہے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ تو آپ نے اسے اٹھ کر رکعت پڑھنے کا حکم اب اس لیے نہیں دیا کیونکہ آپ نے پہلے "مافاتكم فأتموا" کہہ کر حکم دیدیا تھا اور یہ بھی فرما دیا تھا کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی وہی حکم کافی تھا۔

احناف کے ہاں قیام پانا ضروری ہے اور اگر بغیر قیام کے اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلا جائے تو رکعت شمار نہیں

ہوگی۔ حالانکہ ابو بکرہ کی حدیث میں قیام کا ذکر نہیں ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ اگرچہ قیام کا اس میں ذکر نہیں ہے لیکن قیام تو فرض ہے، دوسرے علماء کہتے ہیں کہ اگرچہ اس میں سورۃ فاتحہ کا ذکر نہیں ہے لیکن فاتحہ پڑھنا تو فرض ہے۔ مولانا عبدالحی نے امام شوکانی رحمہ اللہ کی عبارت نقل کی ہے کہ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ اس طرح مقبلی سے نقل کیا ہے کہ مدرک رکوع کی رکعت نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ میں نے احادیث میں بڑا غور وخوض کیا ہے لیکن مجھے مدرک رکوع کی رکعت ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملی۔ ہمارے استاد مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ اور مولانا عبدالوھاب رحمہ اللہ بھی رکعت ہونے کے قائل تھے جمہور علماء اسی کے قائل ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں مدرکِ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی۔ مولانا شمس الحق رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میں دِلّی گیا اور میاں سید نذیر حسین رحمہ اللہ سے ملاقات کی ان سے ذکر کیا کہ مولانا عبدالجبار غزنوی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رکوع کی رکعت ہو جاتی ہے میاں صاحب رحمہ اللہ نے کہا واپس جاکر ان سے کہنا میرے پاس آکر حدیث پڑھے۔

دلائل کا تقاضا یہی ہے کہ رکوع میں ملنے سے رکعت نہیں ہوتی۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فاتحہ کی فرضیت کا اعلان اس واقعہ کے بعد ہوا ہو، نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا کہ مدینے کی گلیوں میں اعلان کردو "لاصلوۃ إلابفاتحة الكتاب ومازاد" کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی [1] اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ۷ھ میں مسلمان ہوئے ہیں، جبکہ ابو بکرہ ۸ھ میں آئے تھے، بکرہ، کنویں کی پھرکی کو کہتے ہیں جس کے ذریعے وہ طائف کے قلعے سے نکل کر آئے تھے۔ ان کے ساتھ بائیس آدمی اور بھی تھے جو نکل کر آئے تھے اس لئے ان کو ابو بکرہ کہا جاتا ہے اور انہوں نے ۸ھ میں اسلام قبول کیا تھا، ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ پہلے کا ہو، اس کے بعد آپ نے اعلان کرایا ہو، حنفی کہتے ہیں کہ اگرچہ اس حدیث میں قیام اور تکبیر کہنے کا ذکر نہیں ہے لیکن دوسری جگہ ذکر ہو گیا ہے، تکبیر اور قیام کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس لئے اسے اس سے ملا لیتے ہیں۔ حالانکہ اس حدیث میں ذکر نہیں تو نہیں ماننا چاہیئے کہ قیام اور تکبیر تحریمہ کی ضرورت نہیں ہے۔ نبی علیہ السلام نے بھی ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے اس بارہ میں دریافت نہیں کیا تھا۔

شافعیوں کے نزدیک تو اللہ اکبر کہہ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے تو رکعت ہو جاتی ہے۔ لیکن حنفیوں کے نزدیک نہیں ہوتی کیونکہ ان کے نزدیک رکعت پانے کے لئے قیام فرض ہے۔ اور امام فرائض کا متحمل نہیں ہوتا۔ لہذا مقتدی کو فرض ضرور ادا کرنا چاہیئے۔ اگر واجب رہ جائے تو ان کے ہاں نماز ناقص ہوتی ہے۔ فرض کے بغیر نہیں ہوتی اور قیام فرض ہے۔ اور اس حدیث میں حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کے قیام کرنے کا کوئی ذکر نہیں ہے ہاں رکوع کرنے کا ذکر ہے جو یہ نقل کرتے ہیں کہ اس نے کہا کہ میں نے جو نماز رہ گئی تھی بعد میں پڑھی۔ اس کے متعلق حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے موقوف آئی ہے "لاتعتد بها حتى تدرك الامام قائمًا [2]" اما المرفوع فلا أصل له" مرفوع کا کوئی اصل نہیں، نقل تو کرتے ہیں "من أدرك الامام راكعًا فليركع

---

[1] القراءۃ خلف الامام للبخاری ص ۳ رقم ۷۔

[2] القراءۃ خلف الامام للبخاری ۹۵ ج ۱ ص ۳۶۔

معه ولیعد الرکعة " ان الفاظ کے متعلق حافظ نے کہا ہے لا اصل له ہاں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے "لاتعتد بها حتی تدرك الامام قائمًا" حنفی کہتے ہیں کہ رکوع کا معنی جھکنا ہے یعنی رکوع کا مصدری معنی مراد ہے حاصل مصدر کے معنی میں نہیں ہے حالانکہ رکوع تو هیأة کذائی کا نام ہے، هیأة کذائی میں پائے تو نماز نہیں ہوتی۔ جب قیام پاکر جائے تو نماز ہوجاتی ہے۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے قول "لاتعتد بتلك الرکعة حتی تدرك الامام قائمًا" کا یہ مطلب ہے۔ مؤطا کی روایت میں ہے "من أدرك الرکعة فقد أدرك السجدة من فاته قراءة أم القرآن فقد فاته خیر کثیر[1]" ان دونوں احادیث میں تعارض آگیا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں رکعت سے مراد رکوع کرنا ہے یعنی قیام میں پائے اور امام کے ساتھ رکوع میں شامل ہوجائے۔

احناف نے فرض اور واجب میں جو فرق نکالا ہے یہ بھی بڑا غلط مسئلہ ہے مولانا عبدالحیٔ رحمہ اللہ نے زیادہ اعتماد اسی پر کیا ہے کہ جن روایات میں آتا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی یہ واجب پر بولا جاسکتا ہے اور یہاں لا صلوة کاملة کا معنی کیا جائیگا لہٰذا نماز ناقص ہوجاتی ہے کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے "من کان له امام فقراءة الامام له قراءة[2]" یہ قرائن ہیں کہ نماز ہوجاتی ہے لیکن فاتحہ کا پڑھنا اچھا ہے، اس کے بغیر نماز کامل نہیں ہوتی، ناقص ہوجاتی ہے۔ مدرک رکوع کے بارہ میں احتیاط کا تقاضا بھی یہی ہے کہ رکعت دوبارہ پڑھنی چاہیئے۔

۲۲-بَابُ مَتَى يَقُومُ النَّاسُ إِذَا رَأَوُا الإِمَامَ عِنْدَ الإِقَامَةِ:

باب: نماز کی تکبیر کے وقت جب لوگ امام کو دیکھیں تو کس وقت کھڑے ہوں



امام بخاری رحمہ اللہ بتانا چاہتے ہیں کہ لوگوں کو چاہیئے کہ امام کو دیکھ کر کھڑے ہوں، اور امام کو نہ دیکھیں تو کھڑے نہ ہوں، کیونکہ امام کو گھر میں کوئی عذر بھی پیش آسکتا ہے جس کی وجہ سے وہ لیٹ ہوسکتا ہے لہٰذا اسے گھر سے آتے ہوئے دیکھ کر کھڑے ہونا چاہیئے، اور جب نمازی امام کو دیکھ لیں کہ وہ گھر سے مسجد میں آگیا ہے تو کب کھڑے ہوں، کیا امام مصلیٰ پر آجائے تب کھڑے ہونا چاہیئے، یا اقامت کے شروع میں یا اس کے درمیان یا اس کے آخر میں کھڑے ہوں؟ اس بارہ میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ "قد قامت الصلوٰۃ" پر کھڑے ہونا چاہیئے۔ بعض کے نزدیک جب اقامت مکمل ہوجائے تب کھڑے ہونا چاہیئے، امام مالک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس میں کوئی حد معین نہیں ہے، کیونکہ لوگوں کی حالت مختلف ہوتی ہے۔ بعض لوگ قوی اور طاقتور ہوتے ہیں جو زیادہ دیر کھڑے ہوسکتے ہیں لہٰذا وہ شروع اقامت میں کھڑے ہوسکتے ہیں، اور بعض کمزور ہوتے ہیں وہ بعد میں کھڑے ہوسکتے ہیں، یہ مسئلہ آداب کا ہے، فرض کا نہیں ہے، لیکن یہ ضروری ہے کہ امام کو دیکھے بغیر کھڑے نہ ہوں، جیسا کہ حدیث میں ہے "إذا أقیمت الصلوة فلا تقوموا حتی تروني[3]" یہ آپ نے اس وقت فرمایا جبکہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ آپ کے آنے سے پہلے ہی اقامت کہہ دیتا اور لوگ

---

[1] مؤطا مالک ۱۸ ج ۱ ص ۱۰۔

[2] سنن ابن ماجہ ۸۵۰ ج ۱ ص ۲۷۷۔

[3] صحیح بخاری ۶۳۷ ج ۱ ص ۱۲۹۔

کھڑے ہو جاتے تو آپ نے فرمایا مجھے دیکھ کر کھڑے ہوا کرو۔

بعض روایات میں آتا ہے کہ لوگ آپ کے آنے سے پہلے اقامت سن کر کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور جب نبی اکرم ﷺ تشریف لاتے تو صفیں بالکل برابر اور درست ہوتی تھیں حافظ نے کہا ہے کہ یہ بیان جواز کے لئے ہے کہ پہلے کھڑا ہونا جائز ہے، گویا مذکورہ نہی تحریمی نہیں ہے، ظاہر بات یہی ہے کہ امام کو دیکھ کر کھڑے ہونا چاہیئے۔

اور اگر امام مسجد میں ہی ہو اور نظر آرہا ہو تو لوگ کب کھڑے ہوں؟ بعض علماء کے نزدیک جب وہ مصلیٰ کی طرف بڑھے تب کھڑے ہونا چاہیئے۔ لیکن یہ بھی ضروری نہیں ہے بلکہ اقامت سن کر بھی کھڑے ہو سکتے ہیں اور اگر کوئی شخص "قد قامت الصلوۃ" کہنے تک بیٹھا رہے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بعض صحابہ سے نقل کیا ہے۔

رہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث جو "باب الامام تعرض له الحاجة بعد الاقامة" میں آرہی ہے کہ نماز کی اقامت ہو گئی تھی اور نبی اکرم ﷺ ایک آدمی کے ساتھ گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ لوگ بیٹھے بیٹھے سونے لگے تب آپ اٹھے اور نماز پڑھائی تو ایسا شاذونادر ہی ہوتا ہے یا یہ بیان جواز کے لئے ہے۔

۶۳۷ ۔ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، قَالَ: كَتَبَ إِلَيَّ يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا تَقُومُوا حَتَّى تَرَوْنِي».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے بیان کیا، کہا مجھے یحییٰ نے عبداللہ عبدالوہاب بن ابی قتادہ سے یہ حدیث لکھ کر بھیجی کہ وہ اپنے باپ (ابوقتادہ) سے بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے تکبیر کہی جائے تو اس وقت تک نہ کھڑے ہو جب تک مجھے نکلتے ہوئے نہ دیکھ لو۔

"قوله كتب إلي يحيى" یہ کتابت ہے جو طرق تحمل حدیث میں سے ایک طریق ہے اسکی صورت یہ ہے کہ شیخ اپنی مسموع حدیث اپنے خط سے یا اپنے حکم سے لکھ کر کسی حاضر یا غائب کو دے یہ مقرون بالاجازہ ہو تو مناولہ کی طرح اسکا روایت کرنا صحیح ہوتا ہے۔ اور اگر مجرد عن الاجازہ ہو تو اس میں اختلاف ہے۔ اہل حدیث کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ اسکا روایت کرنا بھی جائز ہے۔

۲۴۔ بَابُ هَلْ يَخْرُجُ مِنَ الْمَسْجِدِ لِعِلَّةٍ:

باب: کیا مسجد سے کسی ضرورت کی وجہ سے اذان یا اقامت کے بعد بھی کوئی شخص نکل سکتا ہے؟

۶۳۹ ۔ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ صَالِحِ بْنِ كَيْسَانَ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ وَعُدِّلَتِ الصُّفُوفُ، حَتَّى إِذَا قَامَ فِي مُصَلَّاهُ انْتَظَرْنَا أَنْ يُكَبِّرَ انْصَرَفَ، قَالَ: عَلَى مَكَانِكُمْ، فَمَكَثْنَا عَلَى هَيْئَتِنَا حَتَّى خَرَجَ إِلَيْنَا يَنْطِفُ رَأْسُهُ مَاءً، وَقَدِ اغْتَسَلَ».

ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابراہیم بن سعد نے بیان کیا، وہ صالح بن کیسان سے، وہ ابن شہاب سے، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (ایک دن حجرے سے) باہر تشریف لائے، اقامت کہی جاچکی تھی اور صفیں برابر کی جاچکی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مصلے پر کھڑے ہوئے تو ہم انتظار کر رہے تھے کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر کہتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اپنی اپنی جگہ پر ٹھہرے رہو۔ ہم اسی حالت میں ٹھہرے رہے یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوبارہ تشریف لائے، تو سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا تھا۔

علت سے مراد ضرورت ہے۔ یعنی مسجد میں اذان کے بعد کسی شخص کو بول و براز کی ضرورت پیش آگئی ہے تو کیا مسجد سے جاسکتا ہے اسی طرح گھر میں کوئی فرد بیمار ہوگیا ہے اور اس کے لئے بلالیا گیا ہے یا کسی دوسری مسجد کا امام ہے اور یہ سمجھتا ہے کہ اگر میں اس مسجد میں نہ پہنچا تو انہیں نماز پڑھانے والا کوئی نہیں ہے یا سمجھتا ہے کہ اقامت میں دیر ہے اور میں فلاں کام کر کے واپس آجاؤں گا۔ تو ایسی ضروریات پیش آنے پر مسجد سے باہر جاسکتا ہے۔ اور اگر بلاعذر واپس نہ آنے کے ارادے سے نکل جائے تو ایسا شخص مجرم ہے۔ جیسا کہ حافظ نے طبرانی اوسط کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے جسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوع بیان کرتے ہیں " لایسمع النداء فی مسجدی هذا ثم یخرج منه الالحاجة ثم لایرجع إلیه إلا منافق[1]" معلوم ہوا کہ بلاوجہ مسجد سے نکلنا جبکہ واپس آنے کا ارادہ نہ ہو، منافقوں کا کام ہے۔ لیکن اگر عذر کی بنا پر جائے جیسے مثلاً جنبی ہو یا بے وضوء ہو تو جانا جائز ہے اسی لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے "لعلةٍ" کی قید لگائی ہے۔

صحیح مسلم اور ابوداود وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو دیکھا جو اذان کے بعد مسجد سے نکل گیا تھا تو آپ نے فرمایا "أما هذا فقد عصي أبا القاسم[2]" اور طبرانی نے "الأوسط" میں اسے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوع بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "لایسمع النداء فی مسجدی هذا ثم یخرج منه الالحاجة ثم لایرجع إلیه إلا منافق" اس سے معلوم ہوا کہ اذان کے بعد شرعی عذر کے بغیر مسجد سے نکل جانا جائز نہیں ہے۔

"قوله خرج وقد أقیمت الصلوة" ہوسکتا ہے کہ اقامت کے دوران چلے گئے ہوں۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقامت کے بعد گئے ہیں۔ یہ احتمال راجح ہے آئندہ حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے اس میں ہے "قال

---

1. المعجم الأوسط للطبرانی ۳۸۴۲ ج ۴ ص ۱۴۹۔
2. نسائی ۶۸۳۔

اقیمت الصلوۃ فسوی الناس صفوفهم فخرج رسول الله ﷺ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اقامت کے بعد گئے تھے۔

"قوله انتظرنا أن یکبر" یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آپ تکبیر کہنے سے اور نماز میں داخل ہونے سے پہلے چلے گئے تھے لیکن ابوداود کی حدیث اس کے معارض ہے اس میں ہے "أن النبی ﷺ دخل فی صلوۃ الفجر فکبر ثم أوما ألیهم[1]" اور عطاء بن یسار سے مرسل مروی ہے "أنه صلي الله علیه وسلم کبر فی صلوۃ من الصلوات ثم أشار بیده أن امکثوا[2]" دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ کبّر سے مراد "أراد أن یکبر" ہو، گویا تکبیر کہنے اور نماز شروع کرنے سے پہلے گئے ہیں۔ بعض نے ان دو احادیث کو دو واقعات پر محمول کیا ہے۔ ورنہ صحیح کی حدیث کو سنن کی حدیث پر تقدم حاصل ہے[3]۔

٢٥۔ بَابُ إِذَا قَالَ الإِمَامُ مَكَانَكُمْ. حَتَّى رَجَعَ انْتَظَرُوهُ:

باب: اگر امام مقتدیوں سے کہے کہ تم لوگ اسی حالت میں ٹھہرے رہو تو جب تک وہ لوٹ کر آئے اس کا انتظار کریں (اور اپنی حالت پر ٹھہرے رہیں)

٦٤٠ ۔ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَسَوَّى النَّاسُ صُفُوفَهُمْ، فَخَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَقَدَّمَ وَهُوَ جُنُبٌ، ثُمَّ قَالَ: عَلَى مَكَانِكُمْ، فَرَجَعَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ وَرَأْسُهُ يَقْطُرُ مَاءً فَصَلَّى بِهِمْ».

ہم سے اسحاق بن منصور نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں محمد بن یوسف فریابی نے خبر دی کہ کہا ہم سے اوزاعی

---

[1] ابوداود ٢٣٤ ج ١ ص ٦٠۔

[2] مسند الشافعی (السندی) ٣٤١ ج ١ ص ١١٤۔

[3] اس حدیث سے اور آئندہ حدیث سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ایک یہ کہ تشریع کے لئے انبیاء کرام پر نسیان ممکن ہے، دوسرا یہ کہ ماءِ مستعمل پاک ہے۔ اور اقامت اور نماز کے درمیان فاصلہ ہو سکتا ہے۔ اور دین کے بارہ میں شرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور مقتدیوں کو چاہیئے کہ ایسا عذر پیش آنے پر امام کا انتظار کریں، کسی اور کو امام نہ بنائیں۔ اور محتلم کو مسجد سے نکلنے کے لئے تیمم کرنے کی ضرورت نہیں۔ نیز اقامت اور نماز شروع کرنے کے درمیان کلام جائز ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ بعض نسخوں میں یہاں یہ بھی آتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ اگر کسی کو ایسا عذر پیش آجائے تو کیا وہ اس پر عمل کر سکتا ہے؟ کہا ہاں۔ ان سے پوچھا گیا کیا لوگ ایسی صورت میں کھڑے ہو کر امام کا انتظار کریں یا بیٹھ بھی سکتے ہیں۔ انہوں نے جواب دیا کہ اگر تو یہ صورت نماز شروع کرنے سے پہلے پیش آجائے تو بیٹھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر تکبیر کے بعد ایسا ہو تو کھڑے ہو کر ہی انتظار کریں۔

نے ابن شہاب زہری سے، بیان کیا، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے فرمایا کہ نماز کے لیے اقامت کہی جاچکی تھی اور لوگوں نے صفیں سیدھی کرلی تھیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور آگے بڑھے۔ لیکن حالت جنابت میں تھے (مگر پہلے خیال نہ رہا) اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم لوگ اپنی اپنی جگہ ٹھہرے رہو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کئے ہوئے تھے اور سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

"قوله على مكانكم" ظاہر یہی ہے کہ وہ کھڑے ہوکر انتظار کرتے رہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ بیٹھ گئے تھے ابوداود کی حدیث میں ہے کہ آپ نے "اللہ اکبر" کہہ دیا تھا اس کے بعد چلے گئے تھے واپس آکر پھر نماز شروع کردی، انہیں نئے سرے سے تکبیر کہنے کا نہیں کہا، اس سے شافعی استدلال کرتے ہیں کہ اگر امام نے تکبیر کہہ دی ہو پھر عذر کی بنا پر چلا جائے تو واپس آکر اسی پر بناء کرسکتا ہے۔

٢٦۔ بَابُ قَوْلِ الرَّجُلِ مَا صَلَّيْنَا:

باب: آدمی یوں کہے کہ ہم نے نماز نہیں پڑھی تو اس طرح کہنے میں کوئی قباحت نہیں ہے

٦٤١۔ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا سَلَمَةَ، يَقُولُ: أَخْبَرَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَهُ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَوْمَ الْخَنْدَقِ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَاللهِ مَا كِدْتُ أَنْ أُصَلِّيَ حَتَّى كَادَتِ الشَّمْسُ تَغْرُبُ وَذَلِكَ بَعْدَ مَا أَفْطَرَ الصَّائِمُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَاللهِ مَا صَلَّيْتُهَا، فَنَزَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى بُطْحَانَ وَأَنَا مَعَهُ، فَتَوَضَّأَ ثُمَّ صَلَّى يَعْنِي الْعَصْرَ بَعْدَ مَا غَرَبَتِ الشَّمْسُ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَهَا الْمَغْرِبَ».

ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شیبان نے یحیٰی کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوسلمہ سے سنا، وہ کہتے تھے کہ ہمیں جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ غزوہ خندق کے دن حاضر ہوئے اور عرض کی یارسول اللہ! قسم اللہ کی سورج غروب ہونے کو ہی تھا کہ میں اب عصر کی نماز پڑھ سکا ہوں۔ آپ جب حاضر خدمت ہوئے تو روزہ افطار کرنے کا وقت آ چکا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم اللہ کی میں نے بھی تو نماز عصر نہیں پڑھی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بطحان کی طرف گئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، پھر عصر کی نماز پڑھی۔ سورج ڈوب چکا تھا۔ پھر اس کے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔

ابن بطال نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب ابراہیم نخعی کے قول کی تردید کے لئے قائم کیا ہے کیونکہ وہ "ماصلینا" یالم نصل کہنے کو مکروہ سمجھتے تھے، امام بخاری رحمہ اللہ حدیث سے اس قول کے جواز کو ثابت کرتے ہیں۔

"قوله وذلك بعد ماأفطر الصائم" اس سے مراد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کا وقت ہے ورنہ آپکے نماز پڑھنے کا وقت تو اس سے قبل سورج غروب ہونے کے قریب تھا جیسا کہ اسی حدیث میں ہے "ما كدت أن أصلي حتى كادت الشمس تغرب" یعنی سورج غروب ہونے کے قریب نماز پڑھی، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ما صليتها" میں نے ابھی تک پڑھی ہی نہیں پھر آپ بطحان وادی میں ٹھہرے پہلے عصر کی نماز سورج غروب ہونے کے بعد پڑھی اس کے بعد مغرب کی نماز ادا فرمائی۔

۲۷۔بَابُ الإِمَامِ تَعْرِضُ لَهُ الحَاجَةُ بَعْدَ الإِقَامَةِ:

باب: اگر امام کو تکبیر ہو چکنے کے بعد کوئی ضرورت پیش آئے تو کیا کرے؟

٦٤٢ ـ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ عَبْدُ اللهِ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ صُهَيْبٍ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنَاجِي رَجُلًا فِي جَانِبِ الْمَسْجِدِ، فَمَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ حَتَّى نَامَ الْقَوْمُ».

ہم سے ابو معمر عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن صہیب نے انس رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ نماز کے لیے تکبیر ہو چکی تھی اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی شخص سے مسجد کے ایک گوشے میں چپکے چپکے کان میں باتیں کر رہے تھے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے جب تشریف لائے تو لوگ سو رہے تھے۔

یعنی امام کو اقامت کے بعد کوئی ضرورت پیش آجائے تو کیا وہ نماز سے پہلے اپنی اس ضرورت کو پورا کرسکتا ہے یا نہیں؟ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ درپیش حاجت کو پورا کیا جاسکتا ہے، اور نئی اقامت کی ضرورت نہیں ہے۔ احناف کے ہاں اگر فاصلہ لمبا ہو تو اقامت از سرنو کہنی چاہیے۔ جبکہ صحیح یہ ہے کہ اگر لوگ منتشر ہوجائیں تو نئی اقامت کہی جاسکتی ہے۔ اور اگر لوگ وہیں ہوں تو کوئی ضرورت نہیں ہے خواہ فاصلہ لمبا ہی ہو اس حدیث میں بھی اعادہ کا ذکر نہیں ہے۔

"قوله أقيمت الصلوة والنبی صلی اللہ علیہ وسلم يناجی رجلاً" یہ عشاء کی نماز تھی جیسا کہ مسلم میں ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس آدمی کا نام معلوم نہیں ہوسکا۔ انورشاہ نے کہا ہے کہ مجھے معلوم ہوگیا ہے لیکن بتایا نہیں کہ کون تھا، کہتا ہے کہ الأدب المفرد میں اسکا ذکر آتا ہے۔ میں نے ساری کتاب دیکھی ہے کہیں اسکا نام ذکر نہیں ہے۔

۲۸۔بَابُ الْكَلَامِ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ:

باب: تکبیر ہو چکنے کے بعد کسی سے باتیں کرنا

٦٤٣ ـ حَدَّثَنَا عَيَّاشُ بْنُ الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، قَالَ:

سَأَلْتُ ثَابِتًا الْبُنَانِيَّ عَنِ الرَّجُلِ يَتَكَلَّمُ بَعْدَ مَا تُقَامُ الصَّلَاةُ، فَحَدَّثَنِي عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَعَرَضَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ، فَحَبَسَهُ بَعْدَ مَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ».

ہم سے عیاش بن ولید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالاعلیٰ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حمید طویل نے بیان کیا، کہا کہ میں نے ثابت بنانی سے ایک شخص کے متعلق مسئلہ دریافت کیا جو نماز کے لیے تکبیر ہونے کے بعد گفتگو کرتا رہے۔ اس پر انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ انہوں نے فرمایا کہ تکبیر ہو چکی تھی۔ اتنے میں ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے راستہ میں ملا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کے لیے تکبیر کہی جانے کے بعد بھی روکے رکھا۔

۲۹۔ بَابُ وُجُوبِ صَلَاةِ الْجَمَاعَةِ:

باب: جماعت سے نماز پڑھنا فرض ہے

وَقَالَ الْحَسَنُ: إِنْ مَنَعَتْهُ أُمُّهُ عَنِ الْعِشَاءِ فِي الْجَمَاعَةِ شَفَقَةً لَمْ يُطِعْهَا.

اور امام حسن بصری نے کہا کہ اگر کسی شخص کی ماں اس کو محبت کی بنا پر عشاء کی نماز باجماعت کے لیے مسجد میں جانے سے روک دے تو اس شخص کے لیے ضروری ہے کہ اپنی ماں کی بات نہ مانے۔

شرح بخاری

محدثین کرام کے نزدیک وجوب اور فرض ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں اس باب سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز پڑھنا فرض ہے۔ اور بخاری نے حسن بصری کا قول پیش کیا ہے "إن منعته أمه عن العشاء فی الجماعة شفقة لم یطعها" کہ اگر کسی شخص کو اس کی ماں ازراہِ ترحم عشاء کی نماز باجماعت سے روکے تو اس بارہ میں اسکی بات نہ مانے" اس اثر سے بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ باجماعت نماز ادا کرنا ہر مسلمان مرد پر فرض عین ہے حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس اثر کو حسین بن حسن مروزی نے اپنی "کتاب الصیام" میں نقل کیا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہوا ہو اور اس کی ماں اسے روزہ چھوڑنے کا حکم دے تو وہ کیا کرے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ چھوڑ دے اور قضائی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اسے روزے کا اجر حاصل ہو جائیگا۔ ان سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی شخص کی ماں اسے عشاء کی نماز باجماعت سے منع کرے تو وہ کیا کرے؟ انہوں نے کہا وہ ایسا نہ کرے بلکہ نماز کے لئے جائے۔ کیونکہ نماز باجماعت ادا کرنا فرض ہے، اس بارہ میں احناف کا ایک قول یہ ہے کہ نماز باجماعت سنت موکدہ ہے دوسرا ان کا قول یہ ہے کہ واجب ہے پھر کہتے ہیں کہ سنت موکدہ کا اعلیٰ حصہ اور وجوب کا ادنی حصہ برابر ہیں گویا ایک چیز کو واجب بھی کہہ سکتے ہیں اور سنت موکدہ بھی بعض کہتے ہیں کہ یہ سنت موکدہ اس لیے ہے کہ اسکا وجوب سنت سے ثابت ہوا ہے، شوافع کا ایک قول یہ ہے کہ فرض کفایہ ہے دوسرا قول انکا سنت موکدہ ہونے کا ہے بعض مستحب کہتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کے نزدیک نماز باجماعت ادا کرنا فرض عین ہے اور جماعت کو چھوڑنے والا گناہ گار ہوتا ہے ان

کی ایک روایت یہ ہے کہ بلاشرعی عذر جماعت چھوڑنے والے کی نماز ہی نہیں ہوتی۔

انور شاہ نے ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ نماز کی فرضیت کے لئے کچھ شرطیں ہوتی ہیں اور کچھ عذر ہوتے ہیں جن کی وجہ سے فرضیت اٹھ جاتی ہے۔ ان اعذار کو ملحوظ رکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ فرض نہ ہو، اس لیے کوئی فرض کہتا ہے اور کوئی سنت کہتا ہے، حالانکہ اگر یہ بات ہو تو کوئی چیز بھی فرض نہ ہو۔ کیونکہ ہر جگہ عذر تو ہوتے ہی ہیں اور یہ بات ہر جگہ جاری ہوگی لہٰذا یہ نکتہ جو بیان کیا ہے لغو ہے اہل ظاہر کے نزدیک نماز باجماعت ادا کرنا نماز کی صحت کے لئے شرط ہے امام بخاری رحمہ اللہ اسے فرض کہتے ہیں۔ لیکن نماز کی صحت کے لئے شرط قرار نہیں دیتے۔

"قولہ و قال الحسن ان منعتہ أمہ عن العشاء ......" یہ حکم تمام نمازوں کا ہے اور عشاء کی نماز کو خاص کر کے ذکر کیا ہے کیونکہ عشاء کی نماز منافقوں پر بڑی گراں ہوتی ہے۔ اور یہ حکم ماں اور باپ دونوں کا ہے۔ یعنی باپ بھی روکے تو اسکی اطاعت بھی نہیں کی جائے گی۔ اور اس اثر میں صرف ماں کو خاص کیا گیا ہے کیونکہ بچوں پر ماں، ان کے باپ سے بڑھ کر شفقت کرنے والی ہوتی ہے لیکن ماں یا باپ اپنی اولاد کو نماز باجماعت سے اگر روکیں تو ان کی بات نہیں مانی جائے گی۔ حالانکہ ماں، باپ کی اطاعت ضروری ہے لیکن اگر دنیا کے کاموں کو ترجیح دیتے ہوئے اپنی اولاد کو نماز سے روکیں تو یہ معصیت اور نافرمانی کا حکم ہے اور معصیت میں ماں، باپ کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ حدیث میں ہے "لاطاعة لمخلوق فی معصیة الخالق[1]"۔

٦٤٤ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ آمُرَ بِحَطَبٍ فَيُحْطَبَ، ثُمَّ آمُرَ بِالصَّلَاةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا، ثُمَّ آمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ، ثُمَّ أُخَالِفَ إِلَى رِجَالٍ فَأُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوتَهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ يَعْلَمُ أَحَدُهُمْ أَنَّهُ يَجِدُ عَرْقًا سَمِينًا أَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ لکڑیوں کے جمع کرنے کا حکم دوں۔ پھر نماز کے لیے کہوں، اس کے لیے اذان دی جائے پھر کسی شخص سے کہوں کہ وہ امامت کرے اور میں ان لوگوں کی طرف جاؤں (جو نماز باجماعت میں حاضر نہیں ہوتے) پھر انہیں ان کے گھروں سمیت جلا دوں۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر یہ جماعت میں نہ شریک ہونے والے لوگ اتنی بات جان لیں کہ انہیں مسجد میں ایک اچھے قسم کی گوشت والی ہڈی مل جائے گی یا دو عمدہ کھر ہی مل جائیں گے تو یہ عشاء کی جماعت کے لیے مسجد میں ضرور حاضر ہو جائیں

[1] مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۷/۳۳۳ ج ۶ ص ۵۴۵، حم ۱۰۹۵ ج ۲ ص ۳۳۳۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے نماز باجماعت کے فرض عین ہونے پر استدلال کیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں نماز باجماعت چھوڑنے والوں کو آگ میں جلانے کی وعید کا ذکر ہے اور یہ وعید فرضِ عین چھوڑنے پر ہی ہوسکتی ہے اس لیے کہ اگر جماعت سے نماز پڑھنا سنت ہوتا تو سنت کے چھوڑنے پر آگ میں جلانے کی سخت وعید کا ذکر نہ ہوتا۔ اور اگر یہ فرض کفایہ ہوتا جیسا کہ بعض کا خیال ہے تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اتنے لوگ تو موجود ہی تھے جن کے نماز پڑھنے سے فرض کفایہ ادا ہوجاتا تو آگ میں جلانے کی وعید کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہ وعید فرض عین چھوڑنے پر ہی ہوسکتی ہے۔ مسند احمد میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ آئی ہے "لولا ما فی البیوت من النساء والذریة لأقمت صلوة العشاء وأمرت فتیانی یحرقون ما فی البیوت بالنار[1]" یعنی اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں ان لوگوں پر گھروں کو جلا دیتا جو نماز باجماعت کے لئے حاضر نہیں ہوتے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کے دس جواب نقل کئے ہیں اور اعتماد اس پر کیا ہے کہ یہ حدیث منافقوں کے بارہ میں ہے اور اس سے مراد نفاق اعتقادی نہیں ہے۔ بلکہ نفاق عملی مراد ہے کیونکہ اعتقادی نفاق والا شخص تو گھر میں نماز پڑھتا ہی نہیں ہے جبکہ اس حدیث میں گھروں میں نماز پڑھنے والے مراد ہیں۔ شافعی فرض کفایہ کے قائل ہیں حالانکہ اگر فرض کفایہ مراد ہوتا تو اتنے لوگ تو آپ کے ساتھ موجود تھے جن سے فرض کفایہ ادا ہوسکتا تھا اس کا جواب دیتے ہیں کہ اگرچہ اتنے آدمی موجود تھے لیکن آپ نے یہ وعید اس لئے فرمائی تاکہ آہستہ آہستہ کہیں سارے لوگ آنا بند نہ کردیں اور فرض کفایہ بھی ادا نہ ہوسکے۔ بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ میں چند آدمیوں کو ساتھ لے کر جاؤں، اور نماز سے پیچھے رہنے والوں کے گھروں کو جلادوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت فرض نہیں ہے۔ اس کا جواب حافظ رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ آپ کا چند افراد کے ساتھ جانا ضرورت کے لئے تھا۔ اور جن لوگوں کو آپ نے ساتھ لے جانا تھا ان کے ساتھ آپ بعد میں الگ جماعت کرا لیتے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ نے اس پر عمل نہیں کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فرض نہیں ہے لیکن اسکی وجہ آپ نے بیان کردی ہے کہ گھروں میں عورتیں اور بچے ہیں اس لئے اس وعید پر عمل نہیں کیا۔

"قوله لقد هممت" یہ لام جواب قسم میں آیا ہے۔ مسلم میں ہے "أنه فقد ناسًا فی بعض الصلوات فقال: لقد هممت[2]......"۔

"قوله فأحرق علیهم بیوتهم" مسلم میں ہے ثم تحرق بیوت علی من فیها[3]"۔

"قوله عرقًا" عین کی فتحہ اور را کے سکون کے ساتھ، بغیر گوشت کے ہڈی کو عراق کہتے ہیں اور اگر اس پر گوشت ہو تو اسے عرق کہتے ہیں۔ "قوله مرماتین" مرماۃ کا تثنیہ ہے اس سے مراد وہ گوشت جو بکری کی دو کھریوں کے درمیان

---

[1] مسند احمد ۸۷۹۶ ج ۱۴ ص ۳۹۸ وفیہ أبو معشر سیئ الحفظ۔
[2] مسلم (۲۵۱) ۶۵۱ ج ۱ ص ۴۵۱۔
[3] مسلم (۲۵۳) ۶۵۱ ج ۱ ص ۴۵۲۔

ہوتا ہے یعنی انہیں نماز باجماعت میں اتنا فائدہ بھی نظر نہیں آتا جتنا بکری کی کھریوں میں نظر آتا ہے۔

۳۰۔بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْجَمَاعَةِ:

باب: نماز باجماعت کی فضیلت کا بیان

وَكَانَ الْأَسْوَدُ إِذَا فَاتَتْهُ الْجَمَاعَةُ ذَهَبَ إِلَى مَسْجِدٍ آخَرَ، وَجَاءَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ إِلَى مَسْجِدٍ قَدْ صُلِّيَ فِيهِ فَأَذَّنَ وَأَقَامَ وَصَلَّى جَمَاعَةً.

اسود رضی اللہ عنہ سے جب جماعت فوت ہو جاتی تو آپ کسی دوسری مسجد میں تشریف لے جاتے (جہاں نماز باجماعت ملنے کا امکان ہوتا) اور انس بن مالک رضی اللہ عنہ ایک ایسی مسجد میں حاضر ہوئے جہاں نماز ہو چکی تھی۔ آپ نے پھر اذان دی، اقامت کہی اور جماعت کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس سے پہلا باب وجوب صلوۃ کا تھا۔ اور یہ باب نماز کی فضیلت کے بارہ میں ہے اور کسی چیز کا وجوب اس کی فضیلت کے منافی نہیں ہے۔ ہاں شرطیت کے منافی ہے گویا نماز باجماعت ادا کرنا فرض ہے شرط نہیں ہے اور شرط کہنے والوں کے نزدیک کہا جاسکتا ہے کہ یہ علی سبیل الفرض ہے یعنی اگر فرض کیا جائے کہ اکیلے کی نماز ہو جاتی ہے تو جماعت سے پڑھنے کا ثواب اس قدر ہے اس طرح یہ حدیث شرطیت کے منافی بھی نہیں ہوگی۔

أسود سے مراد اسود بن یزید نخعی ہیں جو کبار تابعین سے ہیں، ان کا یہ اثر ابن أبی شیبہ نے صحیح سند کے ساتھ ذکر کیا ہے کہ جب وہ اپنی قوم کی مسجد میں نماز باجماعت نہ پاتے تو اس کے لئے وہ دوسری مسجد میں جاتے تاکہ وہاں نماز باجماعت ادا کر سکیں امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر کسی کی نماز باجماعت مسجد حرام یا مسجد نبوی یا مسجد قدس میں رہ جائے تو ان مساجد سے نہ نکلے بلکہ ان میں اکیلا ہی نماز پڑھ لے، کیونکہ ان تین مساجد میں نماز کا اجر نماز باجماعت سے بڑھ کر ہے۔

اور حضرت انس کے اثر کو بھی ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے، اور ابو یعلی نے بھی اپنی مسند میں اسے موصول بیان کیا ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ ان دونوں آثار سے امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ حدیث میں مذکور نماز باجماعت کی یہ فضیلت تب حاصل ہوتی ہے جبکہ مسجد میں نماز باجماعت ادا کرے لیکن گھر یا بازار میں نماز باجماعت ادا کرنے سے یہ فضیلت حاصل نہیں ہوگی۔ کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو أسود کو دوسری مسجد میں جانے کی ضرورت نہ ہوتی وہ گھر میں ہی جماعت کرا لیتے۔ ایسے ہی حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بھی مسجد بنی رفاعہ میں جانے کی ضرورت نہ ہوتی۔

"قوله وجاء أنس ...و صلي جماعةً" امام احمد رحمہ اللہ اور اسحٰق کے نزدیک جس مسجد میں جماعت ہو گئی ہو وہاں دوسری جماعت کرانا جائز ہے۔ جیسا کہ ترمذی، ابوداؤد میں ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "جاء رجل وقد صلي رسول الله ﷺ فقال: ألا رجل يتصدق على هذا فيصلي معه فقام رجل فصلي معه[1]" نبی اکرم ﷺ نماز ادا کر کے بیٹھے ہوئے تھے۔ بعد میں ایک آدمی آیا جس نے نماز نہیں پڑھی تھی تو آپ نے فرمایا، کون

[1] مسند احمد ۱۱۶۱۳ ج ۱۸ ص ۱۵۷، و ۲۲۱۸۹۔ سنن أبی داؤد ۵۷۴ ج ۱ ص ۱۵۷۔

اس پر صدقہ کرتے ہوئے اس کے ساتھ مل کر نماز پڑھے گا، تو ایک آدمی اٹھا اور اس نے اس کے ساتھ جماعت کرائی، اور اس کے ساتھ مل کر جماعت کرانے والے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے، حنفیوں کا خیال یہ ہے کہ دوسری جماعت نہیں ہوسکتی۔ ہاں اگر ایسی مسجد ہو جہاں کوئی امام نہ ہو یا وہ مسجد لوگوں کے راستے میں ہو تو ایسی مسجد میں دوسری جماعت ہوسکتی ہے۔ بلکہ ایسی مسجد میں جتنی چاہو جماعتیں کرالو لیکن جس مسجد میں باقاعدہ جماعت ہوتی ہو وہاں دوبارہ جماعت نہیں ہونی چاہیئے۔ اور وہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے اثر کی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ انہوں نے ایسی مسجد میں نماز پڑھی ہوگی جہاں کوئی امام نہیں ہوگا اور پہلی جماعت اتفاقاً ہوئی ہوگی۔ لہذا انہوں نے بھی دوسری جماعت کرالی، یہ بات بنائی ہے احناف کے ہاں اگر دوسری جماعت کی اجازت دیدی جائے تو لوگ سستی کریں گے۔ اور دوبارہ جماعت کے بہانے پیچھے رہیں گے۔

٦٤٥ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً».

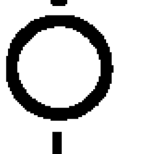
ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی، انہوں نے نافع سے، انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت کے ساتھ نماز اکیلے نماز پڑھنے سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔



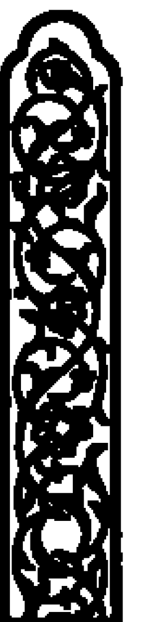
٦٤٦ ـ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا اللَّيْثُ، حَدَّثَنِي ابْنُ الْهَادِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ خَبَّابٍ، عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ، أَنَّهُ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «صَلَاةُ الْجَمَاعَةِ تَفْضُلُ صَلَاةَ الْفَذِّ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً».

شرح بخاری

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے لیث نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے یزید بن باد نے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن خباب سے، انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ جماعت سے نماز تنہا نماز پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔




٦٤٧ ـ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا صَالِحٍ، يَقُولُ: سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ، يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «صَلَاةُ الرَّجُلِ فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلَى صَلَاتِهِ فِي بَيْتِهِ وَفِي سُوقِهِ خَمْسًا وَعِشْرِينَ ضِعْفًا، وَذَلِكَ أَنَّهُ إِذَا تَوَضَّأَ فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الْمَسْجِدِ لَا يُخْرِجُهُ إِلَّا الصَّلَاةُ، لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً إِلَّا رُفِعَتْ لَهُ بِهَا دَرَجَةٌ وَحُطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةٌ، فَإِذَا صَلَّى لَمْ تَزَلِ الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَيْهِ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ، اللَّهُمَّ



صَلِّ عَلَيْهِ اللَّهُمَّ ارْحَمْهُ، وَلَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا انْتَظَرَ الصَّلَاةَ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالواحد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوصالح سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کی جماعت کے ساتھ نماز گھر میں یا بازار میں پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ بہتر ہے۔ وجہ یہ ہے کہ جب ایک شخص وضو کرتا ہے اور اس کے تمام آداب کو ملحوظ رکھ کر اچھی طرح وضو کرتا ہے پھر مسجد کا راستہ پکڑتا ہے اور سوا نماز کے اور کوئی دوسرا ارادہ اس کا نہیں ہوتا، تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بڑھتا ہے اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے اور جب نماز سے فارغ ہو جاتا ہے تو فرشتے اس وقت تک اس کے لیے برابر دعائیں کرتے رہتے ہیں جب تک وہ اپنے مصلے پر بیٹھا رہے۔ کہتے ہیں «اللهم صل عليه، اللهم ارحمه» اے اللہ! اس پر اپنی رحمتیں نازل فرما۔ اے اللہ! اس پر رحم کر اور جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہو گویا تم نماز ہی میں مشغول ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر کی اس حدیث میں نماز باجماعت کی فضیلت ستائیس درجے آئی ہے جبکہ اس کے بعد حضرت ابو سعید خدری کی حدیث میں پچیس درجے کا ذکر ہے۔ اس کے بعد حضرت ابوہریرہ کی حدیث میں پچیس ضعف کا ذکر ہے کہیں جزء کا لفظ آتا ہے بعض علماء کہتے ہیں کہ درجہ اور جزء میں تفاوت ہے اور درجہ، جزء سے چھوٹا ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ اگر نماز کے لئے دور سے آئے تو ستائیس کا ثواب ہے اور اگر قریب سے آئے تو پچیس درجے اجر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ نماز میں خشوع وخضوع کے اعتبار سے یہ فرق ہوتا ہے یا لوگوں کی قلت وکثرت کے لحاظ سے یہ فرق ہوتا ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جہری نمازوں کا اجر ستائیس درجے اور سری نمازوں کا اجر پچیس درجے ہوتا ہے۔ حافظ نے اسی کو ترجیح دی ہے [1]۔

---

[1] حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ نماز باجماعت پچیس درجے والی اس لئے ہے کہ اس میں نمازی پچیس اعمال سر انجام دیتا ہے۔ اور وہ پچیس اعمال یہ ہیں۔ ۱۔ نماز باجماعت ادا کرنے کی نیت سے مؤذن کی اذان کا جواب دینا۔ ۲۔ اور اول وقت نماز کے لئے جانا۔ ۳۔ اور سکون و وقار کے ساتھ مسجد کی طرف جانا۔ ۴۔ اور مسجد میں داخل ہوتے وقت دخولِ مسجد کی دعاء پڑھنا۔ ۵۔ اور تحیۃ المسجد کی نماز پڑھنا۔ ۶۔ جماعت کا انتظار کرنا۔ ۷۔ اور فرشتوں کا اس کے لئے دعاء و استغفار کرنا۔ ۸۔ اور فرشتوں کا اس کے حق میں گواہ بننا۔ ۹۔ اقامت کا جواب دینا۔ ۱۰۔ اور شیطان کے شر سے محفوظ ہو جانا کیونکہ وہ اذان و اقامت سن کر بھاگ جاتا ہے۔ ۱۱۔ اور امام کی تکبیر تحریمہ کا انتظار کرنا۔ یا جس حالت میں اسے پائے اس کے ساتھ شامل ہو جانا۔ ۱۲۔ اس کے ساتھ تکبیر تحریمہ کو پانا۔ ۱۳۔ اور صفوں کو درست کرنا اور ان کے درمیان شگاف کو پر کرنا۔ ۱۴۔ امام کے "سمع اللہ لمن حمدہ" کہنے کا جواب دینا۔ ۱۵۔ عام طور پر نماز باجماعت میں سہو نسیان سے محفوظ ہو جانا اگر امام بھول جائے تو اسے لقمہ دیکر یا سبحان اللہ کہہ کر خبردار کرنا۔ ۱۶۔ اور خشوع وخضوع کا حاصل ہونا۔ ۱۷۔ وضع قطع کو خوبصورت بنانا۔ ۱۸۔ اور فرشتوں کا صفوں کو گھیر لینا۔ ۱۹۔ امام سے قراءۃ قرآن میں تجوید کو بلکہ

بعض علماء نے کہا ہے کہ جماعت کم از کم تین آدمیوں سے ہوتی ہے ان میں سے ہر ایک کی نماز دس درجے ہوتی ہے تو یہ تیس درجے ہوگئے ان میں سے تین کی اکیلی اکیلی نماز چھوڑ دو تو باقی ستائیس درجے ہوگئے۔

شاہ ولی اللہ کہتے ہیں کہ دراصل آپ کو کئی دفعہ کسی چیز کا انکشاف ہوتا تھا کہ اس چیز کا بڑا ثواب ہے آپ اسے عدد میں ضبط کر دیتے تھے، اور ضبط کرنے کے طریقے مختلف ہوتے ہیں اور جماعت کو ضبط یوں کیا جاتا ہے

27=3x9=3+3+3

اس میں تین سے مراد جماعت کے تین فائدے ہیں ان میں سے کچھ فائدے انفرادی طور پر ہر شخص کو حاصل ہوتے ہیں اور وہ تہذیب نفس، قہر بہیمیت اور ظہور ملکیت ہیں۔ ان کا فائدہ ہر ایک کو ہوتا ہے کچھ فائدے جماعت اور معاشرے کو حاصل ہوتے ہیں جیسا کہ ایک دوسرے سے تعاون کرنا اور تعارف حاصل ہونا اور نظم و ضبط پیدا ہونا، اور ملت کو بھی فائدہ ہوتا ہے، ملت میں تروتازگی کا حصول ملتِ راشدہ کے لوگوں میں شیوع اور تحریف سے بچ جانا، ان کی تشریح کرتے ہوئے کہا ہے کہ انفرادی نماز کے فائدہ میں تین چیزیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور ملأ أعلیٰ کا قرب اور کتابۃ الحسنات اور تکفیر السیئات اور معاشرے کے تین فائدے نظم پیدا ہونا، انتشار سے بچ جانا اور نزول برکات اور تعاون علی البر۔ یہی تعاون علی البر قیامت کے دن ایکدوسرے کی شفاعت کے رنگ میں ظاہر ہوجائے گا۔ ملت کے تین فائدے۔ جیسا کہ گذرے ہیں یہ نوفوائد ہوگئے، ان پر تین تین فائدے حاصل ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا، فرشتوں کی دعاء اور انخناس شیاطین یہ 3x9=27 ہوگئے۔

ایک طریقہ جماعت کے فوائد کا ہے جو کہ پانچ ہیں۔ استقامت نفوس۔ تألف جماعت، ملت کا قیام، ملائکہ کا انبساط اور شیاطین کا انخساف، ان پانچ میں آگے ہر ایک میں پانچ پانچ فوائد ہیں مثال کے طور پر گناہوں کا معاف ہونا، نیکیوں کا لکھا جانا نبیوں اور فرشتوں کا قیامت کے دن سفارش کرنا وغیرہ تو یوں 5x5=25 ہوگئے۔ گویا پچیس اور ستائیس میں ضبط کا طریقہ مختلف ہے اور ان میں نبی کریم علیہ السلام نے اہمیت کالحاظ رکھا ہے۔ ورنہ ان کے علاوہ بہت سے فوائد ہیں۔ شاہ ولی اللہ نے اسے حجۃ اللہ البالغہ میں ذکر کیا ہے۔

۳۱۔ بَابُ فَضْلِ صَلاَةِ الْفَجْرِ فِي جَمَاعَةٍ:

باب: فجر کی نماز باجماعت پڑھنے کی فضیلت کے بارے میں

نماز کے ارکان و اجزاء کو سیکھنا۔ ۲۰۔ امور اسلام کا اظہار کرنا۔ ۲۱۔ اجتماعی عبادت ادا کر کے شیطان کو ذلیل وخوار کرنا۔ ۲۲۔ نفاق سے سلامتی حاصل کرنا اور لوگوں کی طرف سے تارکِ نماز کی بدظنی سے محفوظ ہو جانا۔ ۲۳۔ اور امام کے ساتھ نماز سے سلام پھیرنا اور امام پر سلام لوٹانا۔ ۲۴۔ لوگوں کی اجتماعی دعاؤں سے فائدہ اٹھانا۔ ۲۵۔ اور آپس میں محبت والفت کا پیدا ہونا۔ یہ پچیس خصلتیں ہیں اور دو مزید خصلتیں جہری نمازوں میں پائی جاتی ہیں۔ ۲۶۔ امام کی قراءت کو خاموش ہو کر سننا۔ ۲۷۔ امام کے ساتھ آمین کہنا تاکہ وہ فرشتوں کی آمین کے موافق ہو جائے۔ اس لئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جہری نماز کا اجر ستائیس درجے اور سری نماز کا اجر پچیس درجے ہوتا ہے۔

٦٤٨ ـ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ، وَأَبُو سَلَمَةَ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أن أباهريرة، قَالَ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقُولُ: «تَفْضُلُ صَلَاةُ الْجَمِيعِ، صَلَاةَ أَحَدِكُمْ وَحْدَهُ بِخَمْسٍ وَعِشْرِينَ جُزْءًا، وَتَجْتَمِعُ مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ»، ثُمَّ يَقُولُ أَبُو هُرَيْرَةَ: فَاقْرَءُوا إِنْ شِئْتُمْ: إِنَّ قُرْءَانَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا سورة الإسراء آية ٧٨.

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعیب نے، انہوں نے کہا ہم سے زہری نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن نے خبر دی کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جماعت سے نماز اکیلے پڑھنے سے پچیس درجہ زیادہ بہتر ہے۔ اور رات دن کے فرشتے فجر کی نماز میں جمع ہوتے ہیں۔ پھر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر تم پڑھنا چاہو تو (سورۃ بنی اسرائیل) کی یہ آیت پڑھو «إن قرآن الفجر كان مشهودا» یعنی فجر میں قرآن پاک کی تلاوت پر فرشتے حاضر ہوتے ہیں۔



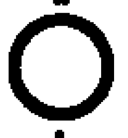
٦٤٩ ـ قَالَ شُعَيْبٌ: وَحَدَّثَنِي نَافِعٌ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ، قَالَ: تَفْضُلُهَا بِسَبْعٍ وَعِشْرِينَ دَرَجَةً.

شعیب نے فرمایا کہ مجھ سے نافع نے ابن عمر رضی اللہ عنہما کے واسطہ سے اس طرح حدیث بیان کی کہ جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ستائیس درجہ زیادہ فضیلت رکھتی ہے۔

شرح بخاری

٦٥٠ ـ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمًا، قَالَ: سَمِعْتُ أُمَّ الدَّرْدَاءِ، تَقُولُ: «دَخَلَ عَلَيَّ أَبُو الدَّرْدَاءِ وَهُوَ مُغْضَبٌ، فَقُلْتُ: مَا أَغْضَبَكَ؟ فَقَالَ: وَاللهِ مَا أَعْرِفُ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا إِلَّا أَنَّهُمْ يُصَلُّونَ جَمِيعًا».

ہم سے عمر بن حفص نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اعمش نے بیان کیا، کہا کہ میں نے سالم سے سنا۔ کہا کہ میں نے ام الدرداء سے سنا، آپ نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) ابودرداء آئے، بڑے ہی خفا ہو رہے تھے۔ میں نے پوچھا کہ کیا بات ہوئی، جس نے آپ کو غضبناک بنا دیا۔ فرمایا: اللہ کی قسم! محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کی کوئی بات اب میں نہیں پاتا۔ سوا اس کے کہ جماعت کے ساتھ یہ لوگ نماز پڑھ لیتے ہیں۔





٦٥١ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو أُسَامَةَ، عَنْ بُرَيْدِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِي بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «أَعْظَمُ النَّاسِ

أَجْرًا فِي الصَّلَاةِ أَبْعَدُهُمْ فَأَبْعَدُهُمْ مَمْشًى، وَالَّذِي يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ حَتَّى يُصَلِّيَهَا مَعَ الْإِمَامِ أَعْظَمُ أَجْرًا مِنَ الَّذِي يُصَلِّي ثُمَّ يَنَامُ».

ہم سے محمد بن علاء نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابواسامہ نے برید بن عبداللہ سے بیان کیا، انہوں نے ابوبردہ سے، انہوں نے ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز میں ثواب کے لحاظ سے سب سے بڑھ کر وہ شخص ہوتا ہے، جو (مسجد میں نماز کے لیے) زیادہ سے زیادہ دور سے آئے اور جو شخص نماز کے انتظار میں بیٹھا رہتا ہے اور پھر امام کے ساتھ پڑھتا ہے اس شخص سے اجر میں بڑھ کر ہے جو (پہلے ہی) پڑھ کر سو جائے۔

اس باب کے تحت بخاری رحمہ اللہ نے تین احادیث ذکر کی ہیں۔ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نمازِ فجر کی فضیلت کا صریح طور پر ذکر ہے اور ابوالدرداء کی حدیث کے عموم میں نمازِ فجر بھی داخل ہے۔ اور ابوموسیٰ اشعری کی حدیث کا ترجمہ باب سے تعلق استنباط کے طریق سے ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ دور سے چل کر مسجد میں نماز کے لئے آنا زیادہ اجر وثواب کا باعث ہے۔ اس لئے کہ دور سے آنے میں مشقت اٹھانا پڑتی ہے۔ اور یہ مشقت نمازِ فجر کے لئے آنے میں زیادہ پائی جاتی ہے اگرچہ عشاء کی نماز کے لئے اندھیرے میں آنے میں بھی مشقت پائی جاتی ہے لیکن نمازِ فجر کے لئے آنے میں اندھیرے میں آنے کے علاوہ پسندیدہ نیند کو بھی چھوڑنا پڑتا ہے لہٰذا اس میں اجر زیادہ ہے۔

۳۲۔ بَابُ فَضْلِ التَّهْجِيرِ إِلَى الظُّهْرِ:

باب: ظہر کی نماز کے لیے سویرے جانے کی فضیلت کا بیان

۶۵۲۔ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ السَّمَّانِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «بَيْنَمَا رَجُلٌ يَمْشِي بِطَرِيقٍ وَجَدَ غُصْنَ شَوْكٍ عَلَى الطَّرِيقِ، فَأَخَّرَهُ فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ.

ہم سے قتیبہ بن سعید نے امام مالک سے بیان کیا، انہوں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے غلام سمی نامی سے، انہوں نے ابوصالح سمان سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کہیں جا رہا تھا۔ راستے میں اس نے کانٹوں کی بھری ہوئی ایک ٹہنی دیکھی، پس اسے راستے سے دور کر دیا۔ اللہ تعالیٰ (صرف اسی بات پر) راضی ہو گیا اور اس کی بخشش کر دی۔

۶۵۳۔ ثُمَّ قَالَ: الشُّهَدَاءُ خَمْسَةٌ الْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ وَالْغَرِيقُ وَصَاحِبُ الْهَدْمِ وَالشَّهِيدُ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَقَالَ: لَوْ يَعْلَمُ النَّاسُ مَا فِي النِّدَاءِ وَالصَّفِّ الْأَوَّلِ، ثُمَّ لَمْ يَجِدُوا إِلَّا أَنْ يَسْتَهِمُوا لَاسْتَهَمُوا عَلَيْهِ.

پھر آپ نے فرمایا کہ شہداء پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ طاعون میں مرنے والے، پیٹ کے عارضے (ہیضے وغیرہ) میں مرنے والے اور ڈوب کر مرنے والے اور جو دیوار وغیرہ کسی بھی چیز سے دب کر مر جائے اور اللہ کے راستے میں (جہاد

کرتے ہوئے) شہید ہونے والے اور آپ نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان دینے اور پہلی صف میں شریک ہونے کا ثواب کتنا ہے اور پھر اس کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہو کہ قرعہ ڈالا جائے تو لوگ ان کے لیے قرعہ ہی ڈالا کریں۔

٦٥٤ ـ وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا إِلَيْهِ. وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا».

اور اگر لوگوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ ظہر کی نماز کے لیے سویرے جانے میں کیا ثواب ہے تو اس کے لیے ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں اور اگر یہ جان جائیں کہ عشاء اور صبح کی نماز کے فضائل کتنے ہیں، تو گھٹنوں کے بل گھسٹتے ہوئے ان کے لیے آئیں۔

اس متن میں تین احادیث ہیں۔ ایک کانٹے دار جھاڑی وغیرہ کو راستے سے ہٹانے والے کی حدیث، دوسری الشہداء خمسة تیسری حدیث جو اذان کی ترغیب اور نماز کے لئے سبقت کرنے پر مشتمل ہے۔ اور اسی کا ترجمہ باب سے تعلق ہے موطا میں پہلا حصہ ذکر ہے آخری حصہ ذکر نہیں کیا حالانکہ اسکی باب سے مناسبت تھی۔ کیونکہ وہاں نماز کی فضیلت ذکر ہو رہی ہے ہو سکتا ہے کہ پہلے حصے کو اس لئے ذکر کیا ہو کہ راستے سے کانٹوں وغیرہ کو ہٹانے سے نمازیوں کو راحت اور آرام حاصل ہوتا ہے[1]۔

٣٣ـ بَابُ احْتِسَابِ الْآثَارِ:

باب: (جماعت کے لیے) ہر ہر قدم پر ثواب ملنے کا بیان

٦٥٥ ـ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ حَوْشَبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدٌ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا بَنِي سَلِمَةَ، أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ؟».

ہم سے محمد بن عبداللہ بن حوشب نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالوہاب ثقفی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے حمید طویل نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے بنو سلمہ والو! کیا تم اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے؟

٦٥٦ ـ وَقَالَ مُجَاهِدٌ فِي قَوْلِهِ: وَنَكْتُبُ مَا قَدَّمُوا وَآثَارَهُمْ. قَالَ خُطَاهُمْ. وَقَالَ ابْنُ أَبِي

---

[1] "قوله الشهداء خمسة" ان سے مراد شہید الاٰخرۃ ہیں۔ جو آخرت میں شہادت کا اجر عطاء کئے جائیں گے۔ لیکن دنیا میں ان پر شہادت کے احکام جاری نہیں ہوتے۔ اور شہید الدنیا والاٰخرۃ وہ ہے جو اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے کفار سے جنگ کرتے ہوئے قتل ہو جائے۔ اور شہید الدنیا وہ ہے جو کفار سے لڑتے ہوئے مارا جائے لیکن وہ مخلص نہ ہو بلکہ ریاکاری یا حصول شہرت یا حصول دنیا کے لئے لڑنے والا ہو۔ یہ دنیاوی حکم کے اعتبار سے شہید سمجھا جائے گا لیکن آخرت میں شہادت کا مرتبہ نہیں پائے گا۔

مَرْيَمَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ أَيُّوبَ، حَدَّثَنِي حُمَيْدٌ، حَدَّثَنِي أَنَسٌ، أَنَّ بَنِي سَلِمَةَ أَرَادُوا أَنْ يَتَحَوَّلُوا عَنْ مَنَازِلِهِمْ فَيَنْزِلُوا قَرِيبًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: فَكَرِهَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُعْرُوا الْمَدِينَةَ، فَقَالَ: أَلَا تَحْتَسِبُونَ آثَارَكُمْ؟ قَالَ مُجَاهِدٌ: خُطَاهُمْ آثَارُهُمْ أَنْ يُمْشَى فِي الْأَرْضِ بِأَرْجُلِهِمْ.

اور ابن ابی مریم نے بیان میں یہ زیادہ کہا ہے کہ مجھے یحییٰ بن ایوب نے خبر دی، کہا کہ مجھ سے حمید طویل نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ بنو سلمہ والوں نے یہ ارادہ کیا کہ اپنے مکان (جو مسجد سے دور تھے) چھوڑ دیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ رہیں۔ (تاکہ باجماعت کے لیے مسجد نبوی کا ثواب حاصل ہو) لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ کا اجاڑ دینا برا معلوم ہوا۔ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ اپنے قدموں کا ثواب نہیں چاہتے؟ مجاہد نے کہا (سورۃ یٰسین میں) «وآثارھم» سے قدم مراد ہیں۔ یعنی زمین پر چلنے سے پاؤں کے نشانات۔

باب احتساب الآثار" أي إلي الصلوة" بخاری رحمہ اللہ نے یہ قید نہیں لگائی تا کہ یہ ہر سفر طاعت کو شامل ہو سکے۔ اور مراد اس سے یہ ہے کہ جتنے زیادہ قدم چل کر مسجد میں نماز کے لئے آئے گا اتنا ہی زیادہ اجر وثواب پائے گا۔ کئی لوگ اس کے ظاہر کے پیش نظر کہہ دیتے ہیں کہ زیادہ نیکیاں حاصل کرنے کے لئے چھوٹے چھوٹے قدم رکھے۔ لیکن پھر تو نیکیاں بھی چھوٹی ہونگی۔

"قولہ یابنی سلمة ألاتحتسبون آثارکم" دراصل بنو سلمہ مسجد سے ایک میل کے فاصلہ پر سلع میں رہتے تھے اور وہ نماز کی خاطر مسجد کے قریب گھر خریدنا چاہتے تھے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں روکدیا اور فرمایا "ان لکم بکل خطوة درجة"

۳۵۔ بَابُ اثْنَانِ فَمَا فَوْقَهُمَا جَمَاعَةٌ:

باب: دو یا زیادہ آدمی ہوں تو جماعت ہو سکتی ہے

یہ حدیث کے لفظ ہیں لیکن یہ حدیث بخاری رحمہ اللہ کی شرط پر نہیں ہے بلکہ یہ ضعیف ہے۔ ابن ماجہ، بیہقی، دارقطنی وغیرہ [1] میں آتی ہے ابن ماجہ کی روایت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے جسے ابن حزم نے ساقط الاعتبار کہا ہے اور بیہقی کی روایت بھی ضعیف ہے، اور دارقطنی کی روایت کے متعلق ابن حزم نے کہا ہے کہ صحیح نہیں۔

٦٥٨ ۔ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأَذِّنَا وَأَقِيمَا، ثُمَّ لِيَؤُمَّكُمَا أَكْبَرُكُمَا».

---

[1] ابن ماجہ ۹۷۲ ج ۱ ص ۳۱۲، بیہقی ۵۰۰۸ ج ۳ ص ۹۷، دارقطنی ۱۰۸۷ ج ۲ ص ۲۴، اس میں ربیع بن بدر اور اس کا باپ دونوں ضعیف ہیں۔

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے خالد حذاء نے ابوقلابہ عبداللہ بن زید سے، انہوں نے مالک بن حویرث سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب نماز کا وقت آجائے تو تم دونوں اذان دو اور اقامت کہو، پھر جو تم میں بڑا ہے وہ امام بنے۔

یہ حدیث اس سے قبل باب الأذان للمسافرین میں حضرت مالک بن حویرث سے ان الفاظ کے ساتھ گذر چکی ہے "قال أتى رجلان النبی ﷺ یریدان السفر فقال النبی ﷺ إذا أنتما خرجتما فأذنا ثم أقیما ثم لیؤمکما أکبرکما"۔

اس حدیث پر اعتراض یہ ہے کہ اسکی ترجمہ باب سے مناسبت نہیں ہے کیونکہ اس میں دو آدمیوں کی نماز کے جماعت ہونے کا ذکر نہیں ہے اسکا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ دو آدمیوں کی نماز باجماعت ہوسکتی ہے کیونکہ آپ نے دو آدمیوں کو نماز باجماعت کا حکم دیا تھا اور فرمایا "ثم لیؤمکما أکبرکما" گویا ایک کے امام بننے سے معلوم ہوا کہ ان کی نماز باجماعت ہوگی۔ اور دو کا جماعت ہونا ثابت ہوا۔ کیونکہ ان کی نماز باجماعت نہ ہوتی بلکہ انفرادی نماز ہوتی تو آپ "صَلِّيَا" کہہ کر مطلق نماز ادا کرنے کا حکم دیدیتے اور ان میں سے ایک کے امام بننے کا حکم نہ دیتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ کم از کم جماعت دو آدمیوں سے ہوسکتی ہے جن میں سے ایک امام ہوگا اور دوسرا مقتدی ہوگا خواہ مقتدی مرد ہو یا عورت یا بچہ ہو بشرطیکہ نماز کا مکلف ہو۔

٣٦۔ بَابُ مَنْ جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُ الصَّلَاةَ، وَفَضْلِ الْمَسَاجِدِ:

باب: جو شخص مسجد میں نماز کے انتظار میں بیٹھے اس کا بیان اور مساجد کی فضیلت

٦٥٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «الْمَلَائِكَةُ تُصَلِّي عَلَى أَحَدِكُمْ مَا دَامَ فِي مُصَلَّاهُ مَا لَمْ يُحْدِثْ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ، لَا يَزَالُ أَحَدُكُمْ فِي صَلَاةٍ مَا دَامَتِ الصَّلَاةُ تَحْبِسُهُ، لَا يَمْنَعُهُ أَنْ يَنْقَلِبَ إِلَى أَهْلِهِ إِلَّا الصَّلَاةُ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا امام مالک سے، انہوں نے ابوالزناد سے، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ملائکہ تم میں سے اس نمازی کے لیے اس وقت تک یوں دعا کرتے رہتے ہیں۔ جب تک (نماز پڑھنے کے بعد) وہ اپنے مصلے پر بیٹھا رہے «اللهم اغفر له، اللهم ارحمه» کہ اے اللہ! اس کی مغفرت کر۔ اے اللہ! اس پر رحم کر۔ تم میں سے وہ شخص جو صرف نماز کی وجہ سے رکا ہوا ہے۔ گھر جانے سے سوا نماز کے اور کوئی چیز اس کے لیے مانع نہیں، تو اس کا (یہ سارا وقت) نماز ہی میں شمار ہوگا۔

٦٦٠ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ بُنْدَارٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي

خُبَيْبُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: «سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، الْإِمَامُ الْعَادِلُ، وَشَابٌّ نَشَأَ فِي عِبَادَةِ رَبِّهِ، وَرَجُلٌ قَلْبُهُ مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ. وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ، وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ، فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ أَخْفَى حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے عبیداللہ بن عمر عمری سے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے خبیب بن عبدالرحمٰن نے بیان کیا حفص بن عاصم سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات طرح کے آدمی ہوں گے۔ جن کو اللہ اس دن اپنے سایہ میں جگہ دے گا۔ جس دن اس کے سایہ کے سوا اور کوئی سایہ نہ ہو گا۔ اول انصاف کرنے والا بادشاہ، دوسرے وہ نوجوان جو اپنے رب کی عبادت میں جوانی کی امنگ سے مصروف رہا، تیسرا ایسا شخص جس کا دل ہر وقت مسجد میں لگا رہتا ہے، چوتھے دو ایسے شخص جو اللہ کے لیے باہم محبت رکھتے ہیں اور ان کے ملنے اور جدا ہونے کی بنیاد یہی «للّٰهی» (اللہ کے لیے محبت) محبت ہے، پانچواں وہ شخص جسے کسی باعزت اور حسین عورت نے (برے ارادہ سے) بلایا لیکن اس نے کہہ دیا کہ میں اللہ سے ڈرتا ہوں، چھٹا وہ شخص جس نے صدقہ کیا، مگر اتنے پوشیدہ طور پر کہ بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوئی کہ داہنے ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔ ساتواں وہ شخص جس نے تنہائی میں اللہ کو یاد کیا اور (بے ساختہ) آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔



٦٦١ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ جَعْفَرٍ، عَنْ حُمَيْدٍ، قَالَ: «سُئِلَ أَنَسٌ، هَلِ اتَّخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا؟، فَقَالَ: نَعَمْ، أَخَّرَ لَيْلَةً صَلَاةَ الْعِشَاءِ إِلَى شَطْرِ اللَّيْلِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْنَا بِوَجْهِهِ بَعْدَ مَا صَلَّى، فَقَالَ: صَلَّى النَّاسُ وَرَقَدُوا وَلَمْ تَزَالُوا فِي صَلَاةٍ مُنْذُ انْتَظَرْتُمُوهَا»، قَالَ: فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى وَبِيصِ خَاتَمِهِ.





ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن جعفر نے بیان کیا حمید طویل سے، انہوں نے کہا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی انگوٹھی پہنی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں! ایک رات عشاء کی نماز میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدھی رات تک دیر کی۔ نماز کے بعد ہماری طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا، لوگ نماز پڑھ کر سو چکے ہوں گے۔ اور تم لوگ اس وقت تک نماز ہی کی حالت میں تھے جب تک تم نماز کا انتظار کرتے رہے۔ انس رضی اللہ عنہ نے



فرمایا جیسے اس وقت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی چمک دیکھ رہا ہوں (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کی چمک کا سماں میری آنکھوں میں ہے)۔

٣٧۔بَابُ فَضْلِ مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَمَنْ رَاحَ:

باب: مسجد میں صبح اور شام آنے جانے کی فضیلت کا بیان

٦٦٢ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُطَرِّفٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «مَنْ غَدَا إِلَى الْمَسْجِدِ وَرَاحَ أَعَدَّ اللهُ لَهُ نُزُلَهُ مِنَ الْجَنَّةِ كُلَّمَا غَدَا أَوْ رَاحَ».

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یزید بن ہارون واسطی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں محمد بن مطرف نے زید بن اسلم سے خبر دی، انہوں نے عطاء بن یسار سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسجد میں صبح شام بار بار حاضری دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں اس کی مہمانی کا سامان کرے گا۔ وہ صبح شام جب بھی مسجد میں جائے۔

٣٨۔بَابُ إِذَا أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَلَا صَلَاةَ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ:

باب: جب نماز کی تکبیر ہونے لگے تو فرض نماز کے سوا اور کوئی نماز نہیں پڑھ سکتا

شرح بخاری

یہ ترجمہ باب حدیث کے الفاظ ہیں جسے بخاری رحمہ اللہ اپنی صحیح میں نہیں لائے۔ اور جزء القراءۃ میں اسے صحیح قرار دیا ہے امام مسلم رحمہ اللہ اس حدیث کو اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ اس کے مرفوع اور موقوف ہونے میں اختلاف تھا کہا گیا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کے اسے نہ لانے کا یہی سبب ہے اور اس کے صحیح ہونے کی بنا پر اسے ترجمہ باب میں ذکر کیا ہے۔ بعض احناف کے بقول بخاری رحمہ اللہ کو اس کے مرفوع ہونے میں توقف ہے۔ حالانکہ جزء القراءۃ میں انہوں نے اسے صحیح کہا ہے، بہرصورت یہ حدیث عام ہے اور ہر نماز کو شامل ہے۔ اور "المکتوبۃ" سے مراد فرضی نماز ہے یعنی جب فرضی نماز کی اقامت ہو جائے تو نوافل وغیرہ ادا کرنا صحیح نہیں ہے اگرچہ مکتوبہ کا لفظ وقتی اور فوت شدہ نماز دونوں کو شامل ہے لیکن یہاں مراد وقتی نماز ہے کیونکہ مسند احمد وغیرہ میں اسی حدیث میں یہ لفظ وارد ہے "إذا أقيمت الصلوة فلاصلوة إلا التي أقيمت[1]" حافظ رحمہ اللہ نے ایک حدیث نقل کی ہے جس میں "ولا ركعتي الفجر[2]" آتا ہے کہ فرضی نماز کی اقامت ہو جائے تو فجر کی سنتیں بھی نہیں پڑھنی چاہئیں۔ حافظ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ ایک حدیث احناف

---

1. مسند احمد ٨٦٢٣ ج ١٤ ص ٢٧١ (اس میں ابن لھیعہ ضعیف ہے)
2. فتح الباری ج ٢ ص ١٤٩۔

نے بیہقی کے حوالے سے نقل کی ہے جس میں فجر کی سنتوں کا استثناء ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "ان رسول اللہ ﷺ قال: إذا أقيمت الصلوة فلاصلوة إلا المكتوبة إلاركعتى الفجر" لیکن امام بیہقی نے اسکی استثناء کو ضعیف قرار دیتے ہوئے کہا ہے "قال البيهقى : هذه الزيادة لاأصل لهاوحجاج و عباد ضعيفان[1]" یہ زائد لفظ بے اصل ہے کیونکہ اسکی سند میں حجاج بن نصیر اور عباد بن کثیر دونوں ضعیف ہیں۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ حدیث صرف اس قدر ہی ہے "إذا أقيمت الصلوة فلا صلوة إلا المكتوبة" مگر چونکہ فجر کی دو رکعتوں کی بڑی تاکید کی گئی ہے اس لئے بعض نے "إلا ركعتى الفجر" کہہ دیا ہے اور بعض راویوں نے "ولاركعتى الفجر" کہہ دیا کیونکہ وہ اسی کے قائل تھے لیکن یہ دونوں اضافے درست نہیں ہیں۔ "لاركعتى الفجر" کا اضافہ تو اس لئے درست نہیں ہے کہ یہ حدیث مذکور کے عموم میں آجاتا ہے۔ جبکہ دوسرا اضافہ حدیث کے عموم کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر ایک رکعت امام کے ساتھ پاسکتا ہو تو مسجد کے باہر دو رکعتیں پڑھ لے، گویا انہوں نے دو قیدیں لگائی ہیں ایک یہ کہ ایک رکعت امام کے ساتھ پاسکتا ہو اور دوسری قید یہ ہے کہ خارجِ مسجد پڑھے۔ امام ابوحنیفہ کا اصل مذہب یہی ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر التحیات پاسکتا ہے تو دو رکعت پڑھ لے۔ اور طحاوی نے کہا ہے کہ مسجد کے اندر بھی ذرا پیچھے ہٹ کر پڑھ سکتا ہے ابوحنیفہ کی دو قیود سے ایک محمد

[1] عینی نے ان کی توثیق نقل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ یحیٰی بن معین نے حجاج بن نصیر فساطیطی بصری کو صدوق کہا ہے اور ابن حبان نے اسے ثقات میں ذکر کیا ہے اور عباد بن کثیر کے بارہ میں کہا ہے "كان من الصالحين" یہ صالحین سے تھا۔ عمدۃ القاری ۵/ ۲۷۰۔ احناف کے ہاں ان دونوں کی جرح مفسر نہیں ہے اور جرح مفسر نہ ہو تو توثیق مقدم ہوتی ہے، حالانکہ حجاج بن نصیر کی جرح مفسر ہے۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں "حجاج بن نصير (بضم النون) الفساطيطى القيسى أبو محمد البصرى ضعيف، كان يقبل التلقين" تقریب التہذیب ص ۶۵، یہ ضعیف ہے کیونکہ تلقین قبول کرلیا کرتا تھا اور تلقین قبول کرنے والے راوی کی روایت قبول نہیں کی جاتی۔ جیسا کہ فن رجال کے علماء نے کہا ہے "لا تقبل رواية من عرف بقبول التلقين فى الحديث بأن يلقن الشيئ فيحدث به من غير أن يعلم أنه من حديثه" اسی لیے امام نسائی اور دار قطنی، ابن سعد، ابوحاتم، ابوداؤد وغیرہ نے اسے ضعیف قرار دیا ہے۔ قال ابن قانع ضعيف، لين الحديث "تہذیب التہذیب ۲/ ۲۰۸۔ قال البخاری: سكتوا عنه قال النسائى ضعيف وقال مرة ليس بثقة "میزان الاعتدال للذہبی ۱/ ۴۶۵، ابن حبان نے اگر اسے ثقات میں ذکر کیا ہے تو ساتھ یہ بھی کہا "يخطئ ويهم" میزان الاعتدال ۱/ ۴۶۵۔ اور حجاج بن نصیر کے بارہ میں جب جرح مفسر ہے تو جرح اسکی توثیق سے مقدم ہے۔ اور جمہور علماء نے اسے ضعیف ہی کہا ہے۔ اور عباد بن کثیر کے بارہ میں عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ کہتے ہیں "انتهيت إلي شعبة فقال: هذا عباد بن كثير فاحذروه" مقدمہ مسلم، رقم ۳۸، رہا عینی کا یہ کہنا کہ یہ صالحین میں سے ہے تو یہ چیز اس کی حدیث میں ثقاہت کی دلیل نہیں ہے۔ یحیٰی بن سعید قطان رحمہ اللہ کہتے ہیں "لم نَرَ الصالحين فى شيئ أكذب منهم فى الحديث" مقدمہ مسلم رقم ۴۰۔ یعنی صالحین سے حدیث بیان کرنے میں سب سے زیادہ جھوٹ صادر ہوتا ہے۔ لہٰذا امام بیہقی کا ان دونوں کو ضعیف کہنا ہی برحق ہے جن کی وجہ سے یہ روایت ضعیف ہے۔

نے اٹھادی اور دوسری قید طحاوی نے اٹھادی ہے۔ انور شاہ کہتا ہے، میرا مذہب وہی ہے جو امام ابوحنیفہ کا ہے کہ اگر ایک رکعت پاسکتا ہے تو خارجِ مسجد پڑھ سکتا ہے۔

ایک روایت عینی نے نقل کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے لوگوں کو دو رکعتیں پڑھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا"صلوتان معًا فنهي أن تصليا في المسجد إذا اقيمت الصلوة"لیکن حافظ نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور اس میں "فی المسجد" نہیں ہے۔ اس میں یہ لفظ ہیں "نهي أن يصليا إذا أقيمت الصلوة" اس لئے انور شاہ کو شبہ پڑھ گیا، کہتا ہے کہ یہ لفظ بالکل صریح ہے مگر عینی زود نویس آدمی تھا، اس نے قدوری ایک دن میں لکھی تھی، اس لئے ہو سکتا ہے کہ غلطی سے یہ لفظ پڑ گیا ہو۔ یہ نہیں کہا کہ حافظ نے جو روایت نقل کی ہے اس میں یہ لفظ نہیں ہے تا کہ حافظ کا ان پر احسان نہ ہوجائے۔ اگر عینی کے زود نویس ہونے کی وجہ سے غلطی ہوگئی ہے تو ہر جگہ اسکی بات کا اعتبار نہیں ہونا چاہیئے۔ زود نویس ہونے کی وجہ سے دیگر مقامات میں بھی غلطی ہوسکتی ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کے بعد سنتیں پڑھی جاسکتی ہیں اس لئے وہ پہلے پڑھنے کی صورت نہیں نکالتے کیونکہ ان کے نزدیک اگر پہلے رہ جائیں تو بعد میں انکا تدارک ہوسکتا ہے۔ امام محمد رحمہ اللہ کا ایک قول ہے کہ نماز کے بعد بیٹھا رہے، جب سورج طلوع ہوجائے تب پڑھے، اور جو علماء پہلے رہ جانے کی صورت میں بعد از نماز پڑھنا جائز سمجھتے ہیں وہ إذا أقيمت الصلوة فلاصلوة إلا المكتوبة کے عموم پر عمل کرتے ہیں، ابن حزم رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ اگر التحیات میں بیٹھا ہو اور اقامت ہوجائے تو نماز میں شامل ہوجائے۔ سلام پھیرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ اقامت ہونے سے اسکی شروع کی ہوئی نماز باطل ہوجاتی ہے۔ شوافع میں سے ابو حامد اسفرائینی کی بھی یہی رائے ہے۔

اس بارہ میں صحیح بات یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے اقامت سے پہلے نماز شروع کی ہوئی ہے اور امام کے ساتھ جلدی مل سکتا ہے بایں طور کہ جماعت کی فضیلت فوت نہ ہو تو نماز پوری کرسکتا ہے۔ اور جماعت کی فضیلت آمین کو امام کے ساتھ پانے سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے "ان النبی ﷺ قال إذا أمن الامام فأمنوا فانه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفرله ماتقدم من ذنبه[1]"یعنی جو شخص امام کے ساتھ آمین کہے اس کے گذشتہ گناہ معاف ہوجاتے ہیں۔ گویا آمین مرکز ہے جو شخص آمین پاسکتا ہے وہ نماز پوری کرلے اور اگر وہ سمجھتا ہو کہ میرے رکعت پورا کرتے ہوئے آمین نہیں پاسکوں گا تو سنت نماز بعد میں پڑھ لے۔ اس مسئلہ میں شوافع اور حنابلہ کے ہاں آسانی پائی جاتی ہے کیونکہ ان کے ہاں اگر کسی عذر کی بنا پر پہلے سنتیں رہ جائیں تو بعد میں پڑھ سکتا ہے لیکن احناف اور مالکیہ کے ہاں دقت پائی جاتی ہے۔ بعض مالکیہ کے ہاں اگر فرض نماز کی دونوں رکعتیں پالے تو پڑھ سکتا ہے، ابن عربی کے ہاں اگر التحیات پالے تو پڑھ سکتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے کیونکہ وہ بعد میں پڑھنے کے قائل نہیں ہیں۔ امام شافعی بھی پہلے، بعد میں پڑھنے کے قائل نہیں تھے۔ لیکن جب انہوں نے حدیث کو دیکھا تو کہا کہ جو

[1] صحیح البخاری ۷۸۰، ج ۲ ص ۲۶۲ مع الفتح

بات حدیث میں آگئی ہے اسے ہی مناط قرار دینا چاہیئے۔ اور نماز کی اقامت ہی دیگر نماز کی نفی کا مدار ہے۔

ایک حدیث میں "فلا إذًا"① آتا ہے اسے ابن حبان نے موصول بیان کیا ہے۔ حنفی اسکا معنی "فلا تصل اذًا" کرتے ہیں۔ دوسرے علماء کے ہاں اسکا معنی "فلا منع اذًا" ہے اور یہی معنی راجح ہے کیونکہ ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے "فسکت رسول اللہ ﷺ"② اور نبی اکرم ﷺ کی اسپر خاموشی آپکی اس پر رضا کی دلیل ہے۔ لہذا فلا اذًا کا معنی "فلا منع إذًا" ہی اس حدیث کے موافق ہے۔ جیسا کہ اہل کتاب کے برتنوں کے بارہ میں صحابہ نے جب کہا کہ ہمیں ان کی ضرورت پڑجاتی ہے تو آپ نے فرمایا "فلا إذًا" یعنی "فلامنع یافلاحرج إذًا" باقی رہا اس روایت میں انقطاع کا احتمال تو وہ اٹھ گیا ہے کیونکہ عون المعبود میں ابن حبان کی موصول سند ذکر کی گئی ہے۔ اگر کوئی شخص باجماعت نماز پڑھ چکا ہو بعد میں کچھ لوگ آکر نماز باجماعت شروع کر دیں۔ تو اب وہ نماز سنت یا نفل ان کے پاس پڑھ سکتا ہے لیکن اگر اس نے اکیلے نماز پڑھی ہو تو پھر ان کے پاس الگ یہ نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ ایک حدیث میں ذکر ہے کہ جب تم نے اکیلے نماز پڑھ لی ہو پھر مسجد میں آؤ اور مسجد میں نماز باجماعت شروع ہو تو جماعت کے ساتھ شامل ہو جاؤ اور اگر باجماعت نماز پڑھ چکا ہے تو پھر ان کے پاس نفل پڑھ سکتا ہے۔

٦٦٣ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ حَفْصِ بْنِ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَالِكٍ ابْنِ بُحَيْنَةَ، قَالَ: مَرَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَجُلٍ، قَالَ: ح وحَدَّثَنِي عَبْدُ الرَّحْمَنِ، قَالَ: حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي سَعْدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: سَمِعْتُ حَفْصَ بْنَ عَاصِمٍ، قَالَ: «سَمِعْتُ رَجُلًا مِنَ الْأَزْدِ، يُقَالُ لَهُ: مَالِكُ ابْنُ بُحَيْنَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى رَجُلًا وَقَدْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاثَ بِهِ النَّاسُ، وَقَالَ لَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الصُّبْحَ أَرْبَعًا، الصُّبْحَ أَرْبَعًا»، تَابَعَهُ غُنْدَرٌ وَمُعَاذٌ، عَنْ شُعْبَةَ فِي مَالِكٍ، وَقَالَ: ابْنُ إِسْحَاقَ، عَنْ سَعْدٍ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْعَبْدِ اللهِ ابْنِ بُحَيْنَةَ، وَقَالَ حَمَّادٌ، أَخْبَرَنَا سَعْدٌ، عَنْ حَفْصٍ، عَنْ مَالِكٍ.





ہم سے عبدالعزیز بن عبداللہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابراہیم بن سعد نے اپنے باپ سعد بن ابراہیم سے بیان کیا، انہوں نے حفص بن عاصم سے، انہوں نے عبداللہ بن مالک بن بحینہ سے، کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایک شخص پر ہوا (دوسری سند) امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ مجھ سے عبدالرحمٰن بن بشر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے بہز بن اسد نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ مجھے سعد

---

① الأحاد والمثانی لابن ابی عاصم ٢١٥٧ ج ٤ ص ١٧٧

② سنن أبی داؤد ١٢٦٧ ج ٢ ص ٢٢ (صحیح)

بن ابراہیم نے خبر دی، کہا کہ میں نے حفص بن عاصم سے سنا، کہا کہ میں نے قبیلہ ازد کے ایک صاحب سے جن کا نام مالک بن بحینہ رضی اللہ عنہ تھا، سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک ایسے نمازی پر پڑی جو تکبیر کے بعد دو رکعت نماز پڑھ رہا تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز سے فارغ ہو گئے تو لوگ اس شخص کے اردگرد جمع ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا صبح کی چار رکعتیں پڑھتا ہے؟ کیا صبح کی چار رکعتیں ہو گئیں؟ اس حدیث کی متابعت غندر اور معاذ نے شعبہ سے کی ہے جو مالک سے روایت کرتے ہیں۔ ابن اسحاق نے سعد سے، انہوں نے حفص سے، وہ عبداللہ بن بحینہ سے اور حماد نے کہا کہ ہمیں سعد نے حفص کے واسطہ سے خبر دی اور وہ مالک کے واسطہ سے۔

بحینۃ مالک کی بیوی ہے اصل میں عبداللہ بن بحینہ ہے۔ یہ راوی کی غلطی ہے کہ اس نے مالک بن بحینہ کہہ دیا ہے۔ ابن ماجہ میں عبداللہ بن بحینہ آتا ہے۔ حالانکہ عبداللہ بن بحینہ والی روایت بھی بخاری میں آتی ہے شعبہ نے کہا ہے کہ راوی نے جو لفظ ذکر کئے ہوں وہی آگے نقل کرنا چاہئیں۔ اگرچہ وہ غلط ہوں۔ کیونکہ اگر راوی اپنی طرف سے اسے صحیح کرلے تو روایت کے لفظ نہیں رہیں گے۔ جیسے استاد نے بولا ہو ویسے نقل کرنا روایت ہے۔ قولہ آالصبح أربعًا "ای أتصلي الصبح أربعًا" اس سے مراد یہ ہے کہ جب اقامت ہوجائے تو دوسری کوئی نماز نہیں ہوتی وہی نماز ہوتی ہے جسکی اقامت ہوئی ہو تو کیا تو نے فجر کی چار رکعات پڑھی ہیں۔ دو جماعت کے ساتھ اور دو رکعت اکیلے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ صبح کی نماز پر مشتمل حدیث لائے ہیں کیونکہ یہ بھی "إذا أقيمت الصلوة فلاصلوة إلا المكتوبة" میں داخل ہے۔

٣٩-بَابُ حَدِّ الْمَرِيضِ أَنْ يَشْهَدَ الْجَمَاعَةَ:

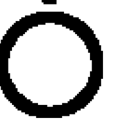
باب: بیمار کو کس حد تک جماعت میں آنا چاہیے

٦٦٤ حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصِ بْنِ غِيَاثٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: «كُنَّا عِنْدَ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا فَذَكَرْنَا الْمُوَاظَبَةَ عَلَى الصَّلَاةِ وَالتَّعْظِيمَ لَهَا، قَالَتْ: «لَمَّا مَرِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَأُذِّنَ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، وَأَعَادَ فَأَعَادُوا لَهُ، فَأَعَادَ الثَّالِثَةَ، فَقَالَ: إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَخَرَجَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى فَوَجَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً، فَخَرَجَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَأَنِّي أَنْظُرُ رِجْلَيْهِ تَخُطَّانِ مِنَ الْوَجَعِ، فَأَرَادَ أَبُو بَكْرٍ أَنْ يَتَأَخَّرَ، فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ مَكَانَكَ، ثُمَّ أُتِيَ بِهِ حَتَّى جَلَسَ إِلَى جَنْبِهِ، قِيلَ لِلْأَعْمَشِ: وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي

وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاتِهِ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ. فَقَالَ بِرَأْسِهِ: نَعَمْ»، رَوَاهُ أَبُو دَاوُدَ، عَنْ شُعْبَةَ، عَنِ الأَعْمَشِ بَعْضَهُ. وَزَادَ أَبُو مُعَاوِيَةَ جَلَسَ، عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا.

ہم سے عمرو بن حفص بن غیاث نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے میرے باپ حفص بن غیاث نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اعمش نے ابراہیم نخعی سے بیان کیا کہ اسود بن یزید نخعی نے کہا کہ ہم عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر تھے۔ ہم نے نماز میں ہمیشگی اور اس کی تعظیم کا ذکر کیا۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں جب نماز کا وقت آیا اور اذان دی گئی تو فرمایا کہ ابو بکر سے کہو کہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ابو بکر بڑے نرم دل ہیں۔ اگر وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ کھڑے ہوں گے تو نماز پڑھانا ان کے لیے مشکل ہو جائے گی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر وہی حکم فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پھر وہی بات دہرا دی گئی۔ تیسری مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تو بالکل یوسف کی ساتھ والی عورتوں کی طرح ہو۔ (کہ دل میں کچھ ہے اور ظاہر کچھ اور کر رہی ہو) ابو بکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ آخر ابو بکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے کے لیے تشریف لائے۔ اتنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض میں کچھ کمی محسوس کی اور دو آدمیوں کا سہارا لے کر باہر تشریف لے گئے۔ گویا میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں کو دیکھ رہی ہوں کہ تکلیف کی وجہ سے زمین پر لکیر کرتے جاتے تھے۔ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھ کر چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے انہیں اپنی جگہ رہنے کے لیے کہا۔ پھر ان کے قریب آئے اور بازو میں بیٹھ گئے۔ جب اعمش نے یہ حدیث بیان کی، ان سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی۔ اور ابو بکر رضی اللہ عنہ نے آپ کی اقتداء کی اور لوگوں نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی اقتداء کی؟ اعمش نے سر کے اشارہ سے بتلایا کہ ہاں۔ ابو داؤد طیالسی نے اس حدیث کا ایک ٹکڑا شعبہ سے روایت کیا ہے اور شعبہ نے اعمش سے اور ابو معاویہ نے اس روایت میں یہ زیادہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھے۔ پس ابو بکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔







٦٦٥ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ يُوسُفَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عُبَيْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: قَالَتْ عَائِشَةُ «لَمَّا ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاشْتَدَّ وَجَعُهُ اسْتَأْذَنَ أَزْوَاجَهُ أَنْ يُمَرَّضَ فِي بَيْتِي، فَأَذِنَّ لَهُ فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ تَخُطُّ رِجْلَاهُ الأَرْضَ، وَكَانَ بَيْنَ العَبَّاسِ وَرَجُلٍ آخَرَ»، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَذَكَرْتُ ذَلِكَ لِابْنِ عَبَّاسٍ مَا قَالَتْ عَائِشَةُ، فَقَالَ لِي: وَهَلْ تَدْرِي مَنِ

الرَّجُلُ الَّذِي لَمْ تُسَمِّ عَائِشَةُ؟ قُلْتُ: لَا، قَالَ: هُوَ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ».

ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں ہشام بن یوسف نے خبر دی معمر سے، انہوں نے زہری سے، کہا کہ مجھے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ بن مسعود نے خبر دی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہو گئے اور تکلیف زیادہ بڑھ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے اس کی اجازت لی کہ بیماری کے دن میرے گھر میں گزاریں۔ انہوں نے اس کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجازت دے دی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم زمین پر لکیر کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت عباس رضی اللہ عنہ اور ایک اور شخص کے بیچ میں تھے (یعنی دونوں حضرات کا سہارا لیے ہوئے تھے) عبیداللہ راوی نے بیان کیا کہ میں نے یہ حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی، تو آپ نے فرمایا اس شخص کو بھی جانتے ہو، جن کا نام عائشہ رضی اللہ عنہا نے نہیں لیا۔ میں نے کہا کہ نہیں! آپ نے فرمایا کہ وہ دوسرے آدمی علی رضی اللہ عنہ تھے۔

اس باب میں بیمار کی بیماری کی وہ حد بیان کرنا مقصود ہے جب بیمار اس حد کو پہنچ جائے تو اس کے لئے نماز باجماعت میں حاضر ہونا ضروری نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بیماری کے ضعف کے باوجود مسجد میں آنا دوسروں کے سہارے سے ممکن ہوا۔ اس سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جب مریض کی مرض اس حد کو پہنچ جائے تو اسے جماعت میں حاضری کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں ہاں اگر اسے سہارا دیکر لانے والا میسر ہو تو آنا چاہیئے۔

اور اگر اسکی مرض بے ہوشی تک پہنچادے، یا سلسل بول کی مرض ہو یا استطلاق بطن ہو یا مسلسل نکسیر بہنے کی مرض ہو، جس سے مسجد کے ملوث ہونے کا ڈر ہو تو اسے نہیں آنا چاہیئے، اور اگر یہ خطرہ نہ ہو تو آسکتا ہے، ویسے اسے گھر میں نماز پڑھنے کی رخصت ہے۔

بعض علماء نے یہاں حد کو حدت کے معنی میں کیا ہے۔ جس سے جماعت میں حاضری کی ترغیب دینا مراد ہے۔ بعض نے اسے جد بمعنی کوشش کہا ہے۔ یعنی اسے جماعت میں حاضر ہونے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

"قوله لما مرض النبي صلی اللہ علیہ وسلم" آپکی مرض وفات کی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض روایات کی اسانید صحیح ہیں لیکن وہ باہم متعارض ہیں۔ اس لئے امام بخاری رحمہ اللہ نے ترجیح سے کام لیا ہے۔ اور راجح روایات ذکر کی ہیں اور حدیث مذکور سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جو نماز پڑھانے کا حکم دیا تھا اسی نماز میں آپ گھر سے نکلے تھے اور مسجد میں آئے تھے اور یہ عشاء کی نماز تھی، بخاری میں باب انما جعل الامام ليؤتم به میں ایک روایت آرہی ہے اس میں ہے کہ آپ ظہر کی نماز کے لئے نکلے تھے "فصلي ابوبكر تلك الأيام ثم ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم وجد من نفسه خفة فخرج بين رجلين أحدهما العباس لصلوة الظهر" اور

بعض نے صبح کی نماز کہا ہے، اور ابن ماجہ میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وأخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ أبو بكر [1] " حافظ نے اسکی سند کو حسن کہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی شمولیت جہری نماز میں تھی جبکہ ظہر کی نماز جہری نہیں ہے۔ حافظ نے جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے قریب آئے تو ابوبکر نے وہ آیت اونچی پڑھ دی جس تک وہ پہنچے تھے تاکہ آپ کو پتہ چل جائے تو وہاں سے آپ نے قراءت شروع کر دی۔ لیکن یہ بھی ایک تاویل ہی ہے اصل بات یہ ہے کہ ابن ماجہ کی حدیث میں قراءۃ سے مراد صلوۃ یعنی نماز ہے یعنی آپ نے نماز وہاں سے ہی شروع کی جہاں ابوبکر پہنچے تھے، اور نماز توڑ کر نئے سرے سے شروع نہیں کرائی، بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تکبیر تحریمہ پر ہی بنا کر لی، شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اگر ایک امام نے قراءت شروع کی ہو اس کے بعد امام راتب آجائے اور پہلا امام آگے قراءت نہ کر سکے تو وہ پیچھے ہٹ جائے اور دوسرا امام آگے قراءت شروع کر دے اور جتنی قراءت پہلے امام نے کی اسکا اعادہ لازم نہیں ہے ان کے ہاں تو رکوع کی رکعت بھی ہو جاتی ہے اور یہاں بھی کہتے ہیں کہ جتنا حصہ امام سورۃ فاتحہ کا پڑھ چکا ہے خواہ وہ آدھی فاتحہ پڑھی یا ساری وہ آنے والے مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے۔ ان کے ہاں تو یہ مستثنیٰ صورت ہے۔ لیکن اہلحدیث اس بات کے قائل ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی ان کے ہاں اس حدیث میں قراءت سے مراد نماز ہی ہے جیسا کہ "فاقرؤا ماتیسر" میں زمخشری نے فاقرؤا کا معنی صلوا کیا ہے [2]۔ قراءت چونکہ نماز کا رکن ہے اس لئے قراءت سے مراد نماز لی گئی ہے، اور جزء بول کر کل مراد لیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح فسبح بحمد ربك میں تسبیح سے مراد بھی نماز ہے۔ کیونکہ تسبیح بھی نماز کا جزء ہے سورۃ مزمل میں آیت مذکورہ سے پہلے بھی چونکہ نماز کا ذکر ہو رہا ہے ارشاد باری تعالی ہے "إن ربك يعلم أنك تقوم أدنى من ثلثى الليل ونصفه وثلثه [3] " اس کے بعد "فاقرؤا ماتيسر من القرآن" آتا ہے اور قراءت کی تخفیف سے نماز کی تخفیف ہوتی ہے اس لیے قراءت کا ذکر کر دیا ہے ورنہ قراءت سے مراد نماز ہے، اسی طرح ابن ماجہ کی حدیث میں بھی "أخذ رسول الله ﷺ القراءة" سے مراد نماز ہے۔ بہر حال مرض الوفات کی روایات میں اختلاف بہت پایا جاتا ہے اس لئے ترجیح دیئے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور بخاری جن احادیث کو لائے ہیں وہی راجح ہیں دوسری روایات سے ان کا مقابلہ کرنا درست نہیں ہے۔ حافظ کا خیال یہ ہے کہ آپ کی شمولیت ایک ہی نماز میں ہوئی ہے اور وہ ظہر کی نماز ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ آپ کی حاضری چار نمازوں میں ہے۔ لیکن اس سے ان کو کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ ثابت تو یہ کرنا ہے کہ پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ امام تھے پھر نبی کریم علیہ السلام امام بن گئے۔ یہ ان روایات میں سے کسی میں نہیں آتا۔ جو انہوں نے متبادر روایت بنائی ہے اس میں ہو سکتا ہے مگر اس میں بھی ظہر کی صراحت آگئی ہے آپ نے گھر میں ہوتے ہوئے جو نماز ابوبکر کی اقتداء کر کے پڑھی ہے اس سے بھی





---

(1) سنن ابن ماجہ ۱۲۳۵ ج ۱ ص ۳۹۱۔

(2) الکشاف ج ۴ ص ۶۴۳

(3) المزمل: ۲۰۔

ان کو فائدہ نہیں کیونکہ اس میں نبی کریم علیہ السلام امام نہیں تھے۔ عشاء کی نماز میں ثابت ہو تو فائدہ ہے مگر صحیح بات یہ ہے کہ اس میں آپ کی حاضری ثابت نہیں ہے۔ حافظ کی تاویل اپنے مذہب کو ملحوظ رکھ کر ہے کہ ایک آیت اونچی پڑھی ہوگی اور فرض کرنے کی بات ہے۔ اور ان کا مذہب یہی ہے کہ امام کی قراءت جہاں پہنچ چکی ہے تو نائب بننے والا اس سے آگے شروع کردے۔ پہلا پڑھا ہوا اس سے ساقط ہو جاتا ہے اہلحدیث کے ہاں یہ نماز ظہر کی تھی جس میں پتہ نہیں چلتا کہ پہلا امام کہاں پہنچا ہے اس لئے آپ نے اللہ اکبر کہہ کر فاتحہ پڑھ لی ہوگی۔

"قولہ إنکن صواحب یوسف" یعنی باطن کے خلاف بات ظاہر کرنے میں صواحب یوسف علیہ السلام جیسی ہو، اور وجہ مشابہت یہ ہے کہ جیسے زلیخا نے مصر کی عورتوں کو بلایا تھا اور ان کے لئے دعوت اور ضیافت کا اظہار کیا تھا اور باطن میں اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ یوسف علیہ السلام کے حسن کو دیکھ کر زلیخا کو یوسف کی محبت میں معذور سمجھیں ایسے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے باپ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے امامت کو ہٹانے میں ظاہر یہ کیا کہ وہ نماز میں رونے کی وجہ سے لوگوں کو قراءت نہیں سنا سکیں گے لیکن باطن میں اس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ جو شخص نبی کریم علیہ السلام کی وفات کے بعد امامت کے لئے آپ کے مصلیٰ پر کھڑا ہوگا۔ لوگ اسے نامبارک سمجھیں گے کیونکہ اس میں وہ برکات تو نہیں ہونگی جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے لوگوں کو حاصل ہیں اس لئے وہ اپنے باپ سے امامت کو پھیرنا چاہتی تھیں۔ ایک حدیث میں خود عائشہ رضی اللہ عنہا نے ابوبکر رضی اللہ عنہ سے امامت پھیرنے کی یہی وجہ بیان کی ہے[1] اس حدیث کے مذکورہ جملہ میں اگرچہ جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے لیکن مراد اس سے واحد ہے کیونکہ "صواحب" سے مراد صرف زلیخا ہے اسی طرح "کن" ضمیر سے مراد صرف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ یا باقی گھر والے بھی ان کی اس رائے میں ان کے موافق تھے اس لئے جمع کا صیغہ لایا گیا ہے۔

"قولہ قال هو علي بن أبي طالب" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سہارا لے کر آئے، ایک حدیث میں بریرہ رضی اللہ عنہا اور نوبہ غلام کا ذکر ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ گھر سے مسجد تک بریرہ اور نوبہ کا سہارا لے کر آئے تھے آگے عباس رضی اللہ عنہ اور علی رضی اللہ عنہ نے سہارا دے کر مصلے تک پہنچایا۔ یہ تطبیق ہے یا پھر اسے تعدد واقعہ پر محمول کیا جائیگا۔ اور اس کی تائید دارقطنی کی حدیث سے ہوتی ہے کیونکہ اس میں اسامہ بن زید اور فضل بن عباس کے سہارے نکلنے کا ذکر ہے مسلم کی حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ اور فضل بن عباس کے درمیان چلنے کا ذکر ہے تو یہ آپ کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر آنے پر محمول ہے۔

۴۰۔ بَابُ الرُّخْصَةِ فِي الْمَطَرِ وَالْعِلَّةِ أَنْ يُصَلِّيَ فِي رَحْلِهِ:

باب: بارش اور کسی عذر کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ لینے کی اجازت کا بیان

فی المطر والعلة میں عام کا خاص پر عطف ہے۔ اور علت سے مرض یا سخت آندھی یا راستے میں کسی ظالم کا ڈر یا درندے کا ڈر یا سخت کیچڑ کا عذر مراد ہے یعنی بارش یا ایسے عذروں کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھنا جائز ہے گھر میں جماعت

[1] مسلم (۹۳) ۴۱۸، (۹۴) ۴۱۸، (۹۵) ۴۱۸۔

سے نماز پڑھے یا اکیلا ہی ادا کرے، شامی نے بیس کے قریب عذر ذکر کئے ہیں جن کی وجہ سے گھر میں نماز پڑھ سکتا ہے، اکثر ان میں سے وہی ہیں جن کا بیماری سے تعلق ہے اور ان کی تفصیل ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایک جانب ماری ہوئی ہو یا ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں، بیمار کی تیمارداری کر رہا ہو یا مال ضائع ہونے کا ڈر ہو یا قرض خواہ تنگ کرتا ہو۔ ایسی باتیں بھی لکھدی ہیں۔

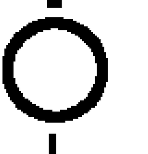
٦٦٦ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ نَافِعٍ، أَنَّ ابْنَ عُمَرَ أَذَّنَ بِالصَّلَاةِ فِي لَيْلَةٍ ذَاتِ بَرْدٍ وَرِيحٍ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ، ثُمَّ قَالَ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «كَانَ يَأْمُرُ الْمُؤَذِّنَ إِذَا كَانَتْ لَيْلَةٌ ذَاتُ بَرْدٍ وَمَطَرٍ يَقُولُ أَلَا صَلُّوا فِي الرِّحَالِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے نافع سے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک ٹھنڈی اور برسات کی رات میں اذان دی، پھر یوں پکار کر کہہ دیا «آلا صلوا فی الرحال» کہ لوگو! اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو۔ پھر فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردی و بارش کی راتوں میں مؤذن کو حکم دیتے تھے کہ وہ اعلان کر دے کہ لوگو اپنی قیام گاہوں پر ہی نماز پڑھ لو۔



٦٦٧ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ كَانَ يَؤُمُّ قَوْمَهُ وَهُوَ أَعْمَى، وَأَنَّهُ قَالَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنَّهَا تَكُونُ الظُّلْمَةُ وَالسَّيْلُ وَأَنَا رَجُلٌ ضَرِيرُ الْبَصَرِ، فَصَلِّ يَا رَسُولَ اللّٰهِ فِي بَيْتِي مَكَانًا أَتَّخِذُهُ مُصَلًّى، فَجَاءَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ؟ فَأَشَارَ إِلَى مَكَانٍ مِنَ الْبَيْتِ فَصَلَّى فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے اسماعیل بن ابی عتبان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے امام مالک رحمہ اللہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے ابن شہاب نے بیان کیا، انہوں نے محمود بن ربیع انصاری سے کہ بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نابینا تھے اور وہ اپنی قوم کے امام تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اندھیری اور سیلاب کی راتیں ہوتی ہیں اور میں اندھا ہوں، اس لیے آپ میرے گھر میں کسی جگہ نماز پڑھ لیجئے تاکہ میں وہیں اپنی نماز کی جگہ بنالوں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لائے اور پوچھا کہ تم کہاں نماز پڑھنا پسند کرو گے۔ انہوں نے گھر میں ایک جگہ بتلادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں نماز پڑھی۔





اس حدیث میں "اَعمٰی" سے مراد ضریر البصر ہے۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے "وأنا رجل ضرير البصر[1]" وہ

---

[1] صحیح البخاری ٦٦٧ ج ١ ص ١٣٤۔

کمزور نظر والے تھے۔ ان کو نبی اکرم ﷺ نے عذر کی بنا پر گھر نماز پڑھنے کی اجازت دیدی تھی۔ لیکن عبداللہ بن ام مکتوم کو اجازت نہیں دی تھی۔ حالانکہ وہ نابینا تھے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے انہوں نے گھر نماز پڑھنے کی اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کیا آپ اذان سنتے ہیں کہا ہاں، فرمایا پھر نماز کے لئے آیا کر، لیکن عتبان رضی اللہ عنہ کو اجازت دینے کی وجہ یہ تھی کہ اس کا عذر زیادہ سخت تھا کیونکہ انہوں نے کہا تھا، میں ضریر البصر ہوں اور میرے گھر اور مسجد کے درمیان سیلاب بہتا ہے اس لئے میں نہیں آسکتا لیکن ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے سیلاب کا عذر پیش نہیں کیا بلکہ کہا تھا کہ میرا قائد کوئی نہیں ہے۔
دوسری وجہ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ شروع سے نابینا تھے اور وہ راستے کے عادی ہو چکے تھے ان کے لئے آنا ممکن تھا لیکن عتبان رضی اللہ عنہ بعد میں ضریر البصر ہوئے تھے اور جو بعد میں ہو اس کے لئے آنا مشکل ہوتا ہے۔
"قولہ ثم قال ألاصلوا فی الرحال" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے "ألاصلوا فی الرحال" اذان کے بعد کہا تھا، لیکن اس سے قبل باب الکلام فی الأذان" میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "فلما بلغ المؤذن حی علی الصلوۃ فأمرہ أن ینادی الصلوۃ فی الرحال" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اذان کے درمیان یہ لفظ کہا ہے لہذا دونوں طرح جائز ہے۔

۴۱۔بَابُ هَلْ يُصَلِّي الإِمَامُ بِمَنْ حَضَرَ وَهَلْ يَخْطُبُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ فِي الْمَطَرِ:

باب: جو لوگ (بارش یا اور کسی آفت میں) مسجد میں آجائیں تو کیا امام ان کے ساتھ نماز پڑھ لے اور برسات میں جمعہ کے دن خطبہ پڑھے یا نہیں؟

٦٦٨ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ عَبْدِ الْوَهَّابِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْحَمِيدِ صَاحِبُ الزِّيَادِيِّ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ الْحَارِثِ، قَالَ: «خَطَبَنَا ابْنُ عَبَّاسٍ فِي يَوْمٍ ذِي رَدْغٍ، فَأَمَرَ الْمُؤَذِّنَ لَمَّا بَلَغَ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، قَالَ: قُلِ الصَّلَاةُ فِي الرِّحَالِ، فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ فَكَأَنَّهُمْ أَنْكَرُوا، فَقَالَ: كَأَنَّكُمْ أَنْكَرْتُمْ هَذَا، إِنَّ هَذَا فَعَلَهُ مَنْ هُوَ خَيْرٌ مِنِّي يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنَّهَا عَزْمَةٌ وَإِنِّي كَرِهْتُ أَنْ أُحْرِجَكُمْ»، وَعَنْ حَمَّادٍ، عَنْ عَاصِمٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَحْوَهُ، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: كَرِهْتُ أَنْ أُؤَثِّمَكُمْ، فَتَجِيئُونَ تَدُوسُونَ الطِّينَ إِلَى رُكَبِكُمْ.

ہم سے عبداللہ بن عبدالوہاب بصریؒ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالحمید صاحب الزیادی نے بیان کیا کہ کہا میں نے عبداللہ بن حارث بن نوفل سے سنا، انہوں نے کہا کہ ہمیں ایک دن ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جب کہ بارش کی وجہ سے کیچڑ ہو رہی تھی خطبہ سنایا۔ پھر موذن کو حکم دیا اور جب وہ «حی علی الصلاۃ» پر پہنچا تو آپ نے فرمایا کہ آج یوں پکار دو «الصلاۃ فی

الرحال» کہ نماز اپنی قیام گاہوں پر پڑھ لو۔ لوگ ایک دوسرے کو (حیرت کی وجہ سے) دیکھنے لگے۔ جیسے اس کو انہوں نے ناجائز سمجھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم نے شاید اس کو برا جانا ہے۔ ایسا تو مجھ سے بہتر ذات یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی کیا تھا۔ بیشک جمعہ واجب ہے مگر میں نے یہ پسند نہیں کیا کہ «حی علی الصلاۃ» کہہ کر تمہیں باہر نکالوں (اور تکلیف میں مبتلا کروں) اور حماد عاصم سے، وہ عبداللہ بن حارث سے، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، اسی طرح روایت کرتے ہیں۔ البتہ انہوں نے اتنا اور کہا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مجھے اچھا معلوم نہیں ہوا کہ تمہیں گنہگار کروں اور تم اس حالت میں آؤ کہ تم مٹی میں گھٹنوں تک آلودہ ہو گئے ہو۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ بارش اور کیچڑ اگرچہ مسجد میں نماز باجماعت سے پیچھے رہنے میں عذر ہیں۔ لیکن یہ عذر آنے والے لوگوں کے لئے ہیں۔ امام کو چاہیئے کہ وہ مسجد میں موجود لوگوں کے ساتھ نماز باجماعت کا اہتمام کرے۔ اسی طرح جمعہ کے دن بارش جیسے عذر کے باوجود اسے چاہیے کہ جو لوگ حاضر ہو جائیں ان کے لئے خطبہ دے، اور مسجد میں نماز جمعہ باجماعت ادا کرے، اور مسجد میں اسلامی شعار کو قائم کرے، ایسے عذروں کے درپیش ہونے پر مسجد میں جمعہ اور جماعت کا قائم کرنا بجائے فرضِ عین کے فرض کفایہ ہوگا۔ جیسا کہ امام احمد رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر جمعہ کے دن عید کی نماز ادا کی جائے تو عید کی نماز میں حاضر ہونے سے نمازِ جمعہ کی حاضری ساقط ہو جائے گی۔ لیکن امام کو خطبہ اور نماز جمعہ کا موجود لوگوں کے ساتھ اہتمام کرنا چاہیئے۔ اس دن جمعہ کی ادائیگی فرض کفایہ ہوگی۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بارش وغیرہ میں جمعہ کی ادائیگی ثابت ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے [1] کہ لوگوں نے آپ سے خطبہ جمعہ کے دوران بارش کی دعاء کا مطالبہ کیا آپ نے دعاء کی اور بارش شروع ہو گئی۔ آئندہ جمعہ تک بارش ہوتی رہی، آپ نے بارش کے باوجود دوسرا جمعہ کا خطبہ دیا اور لوگوں نے آپ سے بارش کی کثرت کی شکایت کی تو آپ نے خطبہ کے دوران اللہ تعالیٰ سے بارش کی بندش کی دعاء کی اور مدینے سے بارش رک گئی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کو بارش وغیرہ کے باوجود مسجد میں جمعہ اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

"قولہ خطبنا ابن عباس" اس سے معلوم ہوا کہ امام کو بارش کے دن بھی حاضر ہونے والے لوگوں کے ساتھ خطبہ اور نماز جمعہ ادا کرنی چاہیئے۔

"قولہ أن أحرجکم" یہ حرج سے ہے جسکا معنی شدت اور تنگی ہے یعنی میں نے تمہیں سختی اور تنگی میں ڈالنا ناپسند کیا۔

"قولہ أن أوثمکم" یہ باب اِفعال اور تفعیل دونوں سے ہو سکتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی رائے یہ تھی کہ جمعہ کے دن بارش اور کیچڑ کے باوجود جب اذان ہو جائے تو لوگوں کے لئے مسجد میں آنا لازم ہو جاتا ہے لیکن مؤذن کے اذان میں "الصلوۃ فی الرحال" کہنے سے پیچھے رہنا جائز ہو جاتا ہے۔

٦٦٩ حَدَّثَنَا مُسْلِمُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، قَالَ:

---

[1] صحیح بخاری ۹۳۳ ج ۲ ص ۱۲۔

سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ فَقَالَ: جَاءَتْ سَحَابَةٌ فَمَطَرَتْ حَتَّى سَالَ السَّقْفُ، وَكَانَ مِنْ جَرِيدِ النَّخْلِ، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ» فَرَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْجُدُ فِي الْمَاءِ وَالطِّينِ حَتَّى رَأَيْتُ أَثَرَ الطِّينِ فِي جَبْهَتِهِ».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے یحیٰی بن کثیر سے بیان کیا، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے (شب قدر کو) پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ بادل کا ایک ٹکڑا آیا اور برسا یہاں تک کہ (مسجد کی چھت) ٹپکنے لگی جو کھجور کی شاخوں سے بنائی گئی تھی۔ پھر نماز کے لیے تکبیر ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کیچڑ اور پانی میں سجدہ کر رہے تھے۔ کیچڑ کا نشان آپ کی پیشانی پر بھی میں نے دیکھا۔

اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ باوجودیکہ رمضان کے مہینے میں رات کو بارش ہوئی اور چھت پانی سے ٹپکنے لگی اور مسجد کے فرش میں کیچڑ بن گیا۔ لیکن نبی اکرم ﷺ نے حاضر ہونے والے لوگوں کے ساتھ اذان اور اقامت کے بعد نماز باجماعت ادا فرمائی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بارش وغیرہ کے عذر کی بنا پر ان لوگوں کے لئے پیچھے رہنے کی رخصت ہے جو مسجد سے دور رہنے والے ہیں اور ان کے لئے مسجد میں آنا باعثِ مشقت ہے لیکن امام اور مسجد کے قریب رہنے والوں کو چاہیئے کہ وہ مسجد کو خالی نہ چھوڑیں اور مسجد میں نماز باجماعت کا اہتمام کریں۔

٦٧٠ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ سِيرِينَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسًا، يَقُولُ: قَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: إِنِّي لَا أَسْتَطِيعُ الصَّلَاةَ مَعَكَ وَكَانَ رَجُلًا ضَخْمًا، «فَصَنَعَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَعَامًا فَدَعَاهُ إِلَى مَنْزِلِهِ، فَبَسَطَ لَهُ حَصِيرًا وَنَضَحَ طَرَفَ الْحَصِيرِ صَلَّى عَلَيْهِ رَكْعَتَيْنِ»، فَقَالَ رَجُلٌ مِنْ آلِ الْجَارُودِ لِأَنَسٍ: أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى، قَالَ: مَا رَأَيْتُهُ صَلَّاهَا إِلَّا يَوْمَئِذٍ.

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے انس بن سیرین نے بیان کیا، کہا کہ میں نے انس رضی اللہ عنہ سے سنا کہ انصار میں سے ایک مرد نے عذر پیش کیا کہ میں آپ کے ساتھ نماز میں شریک نہیں ہو سکتا اور وہ موٹا آدمی تھا۔ اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک چٹائی بچھا دی اور اس کے ایک کنارہ کو (صاف کر کے) دھو دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بوریے پر دو رکعتیں پڑھیں۔ آل جارود کے ایک شخص (عبدالحمید) نے انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چاشت کی نماز پڑھتے تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس دن کے سوا اور کبھی میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے نہیں دیکھا۔

"قولہ وکان رجلًا ضخمًا" بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد عتبان بن مالک ہے لیکن بظاہر معلوم

ہوتا ہے کہ یہ آدمی عتبان کے علاوہ ہے کیونکہ عتبان کا عذر موٹا ہونا نہیں تھا بلکہ انہوں نے تو یہ عذر پیش کیا تھا کہ میں نابینا ہوں اور میرا گھر مسجد سے دور ہے اور گھر اور مسجد کے درمیان سیلاب بہتا ہے۔

اس حدیث کو لانے سے مقصود یہ ہے کہ باوجود اس معذور آدمی کے مسجد سے غائب ہونے کے آپ نے باقی حاضرین کے ساتھ نماز باجماعت کا مسجد میں اہتمام کیا ہے۔ اور موٹاپے کے عذر کے ساتھ ہو سکتا ہے کہ اس آدمی کا گھر مسجد سے دور ہو۔ اس لئے اس کے لئے مسجد میں آنا دشوار ہو[1]۔

۴۲۔ بَابُ إِذَا حَضَرَ الطَّعَامُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ:

باب: جب کھانا حاضر ہو اور نماز کی تکبیر ہو جائے تو کیا کرنا چاہئے؟

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَبْدَأُ بِالْعَشَاءِ، وَقَالَ أَبُو الدَّرْدَاءِ: مِنْ فِقْهِ الْمَرْءِ إِقْبَالُهُ عَلَى حَاجَتِهِ حَتَّى يُقْبِلَ عَلَى صَلَاتِهِ وَقَلْبُهُ فَارِغٌ.

اور ابن عمر رضی اللہ عنہما تو ایسی حالت میں پہلے کھانا کھاتے تھے اور ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ عقلمندی یہ ہے کہ پہلے آدمی اپنی حاجت پوری کر لے تاکہ جب وہ نماز میں کھڑا ہو تو اس کا دل فارغ ہو۔

٦٧١ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ هِشَامٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، قَالَ: سَمِعْتُ عَائِشَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: «إِذَا وُضِعَ الْعَشَاءُ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ، فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ».



ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحیٰی بن سعید قطان نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے میرے باپ نے بیان کیا، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے سنا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر شام کا کھانا سامنے رکھا جائے اور ادھر نماز کے لیے تکبیر بھی ہونے لگے تو پہلے کھانا کھالو۔

٦٧٢ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قُدِّمَ الْعَشَاءُ فَابْدَءُوا بِهِ قَبْلَ أَنْ تُصَلُّوا صَلَاةَ الْمَغْرِبِ، وَلَا تَعْجَلُوا عَنْ عَشَائِكُمْ».

---

[1] وہ عذر جن کی وجہ سے نماز باجماعت سے پیچھے رہنے کی رخصت ہے وہ حسبِ ذیل ہیں۔ ۱۔ وہ مرض جو مسجد میں آنے سے مانع ہو۔ ۲۔ بھوک کی حالت میں کھانا حاضر ہو جائے۔ ۳۔ نماز کی ادائیگی یاد نہ رہے اور بھول جائے۔ ۴۔ حد سے زیادہ موٹاپا طاری ہو جانا۔ ۵۔ حاجت انسانی کا عارضہ لاحق ہونا۔ ۶۔ مسجد کے راستے میں جان یا مال کے خوف کا لاحق ہونا۔ ۷۔ سخت سردی درپیش ہو جسکی وجہ سے مسجد میں آنا دشوار ہو۔ ۸۔ تکلیف دہ بارش ہونا۔ ۹۔ اندھیری رات جس میں چل کر آنا خطرے کا باعث ہو۔ ۱۰۔ پیاز یا تھوم جیسی چیز کھانا، مسجد میں آتے وقت جن کے کھانے سے روکا گیا ہے"۔ (عمدۃ القاری ۵/۲۸۷)۔



ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے عقیل سے، انہوں نے ابن شہاب سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب شام کا کھانا حاضر کیا جائے تو مغرب کی نماز سے پہلے کھانا کھالو اور کھانے میں بے مزہ بھی نہ ہونا چاہئے اور اپنا کھانا چھوڑ کر نماز میں جلدی مت کرو۔

٦٧٣ حَدَّثَنَا عُبَيْدُ بْنُ إِسْمَاعِيلَ، عَنْ أَبِي أُسَامَةَ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا وُضِعَ عَشَاءُ أَحَدِكُمْ وَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَابْدَءُوا بِالْعَشَاءِ، وَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهُ، وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوضَعُ لَهُ الطَّعَامُ وَتُقَامُ الصَّلَاةُ فَلَا يَأْتِيهَا حَتَّى يَفْرُغَ، وَإِنَّهُ لَيَسْمَعُ قِرَاءَةَ الْإِمَامِ».

ہم سے عبید بن اسماعیل نے بیان کیا ابو اسامہ حماد بن اسامہ سے، انہوں نے عبید اللہ سے، انہوں نے نافع سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کا شام کا کھانا تیار ہو چکا ہو اور تکبیر بھی کہی جاچکی ہو تو پہلے کھانا کھالو اور نماز کے لیے جلدی نہ کرو، کھانے سے فراغت کر لو۔ اور عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے لیے کھانا رکھ دیا جاتا، ادھر اقامت بھی ہو جاتی لیکن آپ کھانے سے فارغ ہونے تک نماز میں شریک نہیں ہوتے تھے۔ آپ امام کی قرآت برابر سنتے رہتے تھے۔

٦٧٤ وَقَالَ زُهَيْرٌ، وَوَهْبُ بْنُ عُثْمَانَ: عَنْ مُوسَى بْنِ عُقْبَةَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِذَا كَانَ أَحَدُكُمْ عَلَى الطَّعَامِ فَلَا يَعْجَلْ حَتَّى يَقْضِيَ حَاجَتَهُ مِنْهُ وَإِنْ أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ»، رَوَاهُ إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، عَنْ وَهْبِ بْنِ عُثْمَانَ، وَوَهْبٌ مَدِينِي.

زہیر اور وہب بن عثمان نے موسیٰ بن عقبہ سے بیان کیا، انہوں نے نافع سے، انہوں نے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی کھانا کھا رہا ہو تو جلدی نہ کرے، بلکہ پوری طرح کھالے گو (اگرچہ) نماز کھڑی کیوں نہ ہو گئی ہو۔ ابو عبد اللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا اور مجھ سے ابراہیم بن المنذر نے وہب بن عثمان سے یہ حدیث بیان کی اور وہب مدنی ہیں۔

٦٧٥ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ، عَنْ صَالِحٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي جَعْفَرُ بْنُ عَمْرِو بْنِ أُمَيَّةَ، أَنَّ أَبَاهُ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ ذِرَاعًا يَحْتَزُّ مِنْهَا، فَدُعِيَ إِلَى الصَّلَاةِ، فَقَامَ فَطَرَحَ السِّكِّينَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے عبد العزیز بن عبد اللہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابراہیم بن سعد نے صالح بن کیسان سے بیان

کیا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے کہا کہ مجھ کو جعفر بن عمرو بن امیہ نے خبر دی کہ ان کے باپ عمرو بن امیہ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کی ران کا گوشت کاٹ کاٹ کر کھا رہے تھے۔ اتنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے بلائے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور چھری ڈال دی، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھائی اور وضو نہیں کیا۔

یعنی اگر کھانا حاضر ہو اور ادھر نماز کی اقامت ہو جائے تو کیا کرے؟ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ مختلف حالات پر محمول ہے، کھانا حاضر ہونے کی حالت میں نماز سے اس لئے روکا گیا ہے تاکہ نماز میں خیال کھانے کی طرف ہی نہ رہے، لہذا اگر بھوک زیادہ لگی ہوئی ہو تو پہلے کھانا کھالے اس کے بعد نماز پڑھ لے۔ تاکہ نماز خشوع وخضوع سے ادا کرے۔ لیکن اگر بھوک کی شدت نہ ہو اور نماز میں کھانے کی طرف توجہ نہ ہو تو پہلے نماز پڑھ لے بعد میں کھانا کھالے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مروی ہے کہ آپ کھانا کھا رہے تھے ادھر نماز کا وقت ہو گیا تو آپ نے کھانا چھوڑ دیا اور نماز کے لئے تشریف لے گئے۔ جیسا کہ حدیث عنقریب آرہی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت ابو الدرداء کا قول اسی لئے ذکر کیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ کھانا حاضر ہونے کی صورت میں نماز سے روکنے کی اصل وجہ شُغلِ قلب ہے۔ اگر شغل قلب کا ڈر ہو تو کھانا پہلے کھالینا چاہیئے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ نماز میں کھانے کی طرف ہی خیال رہے اور ساری نماز ہی کھانا بن جائے، خاص طور پر اگر روزہ افطار کیا ہو تو لوگوں کو کھانے کے لئے وقت دینا چاہیئے۔ اور اگر شغل قلب نہ ہو تو پہلے نماز پڑھنی چاہیئے۔

۴۳۔ بَابُ إِذَا دُعِيَ الإِمَامُ إِلَى الصَّلاَةِ وَبِيَدِهِ مَا يَأْكُلُ:

باب: جب امام کو نماز کے لیے بلایا جائے اور اس کے ہاتھ میں کھانے کی چیز ہو تو وہ کیا کرے؟

اس باب سے بخاری رحمہ اللہ اس بات کی طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ باب مذکور کی احادیث میں "فابدأوا کا امر کا صیغہ ندب واستحباب کے لئے ہے۔ وجوب کے لئے نہیں ہے لہذا کھانا چھوڑ کر نماز کے لئے جانا جائز ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ حکم امام کے ساتھ خاص ہو، کیونکہ اس نے نماز پڑھانا ہوتی ہے امام کے علاوہ باقی لوگوں کے لئے کھانے کو مقدم کرنے کا حکم شامل ہو۔

۴۴۔ بَابُ مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَهْلِهِ فَأُقِيمَتِ الصَّلاَةُ فَخَرَجَ:

باب: اس آدمی کے بارے میں جو اپنے گھر کے کام کاج میں مصروف تھا کہ تکبیر ہوئی اور نماز کے لیے نکل کھڑا ہوا

اس باب سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ دوسرے کاموں کا حکم کھانے کے حکم کی طرح نہیں ہے۔ کھانا حاضر ہو جائے تو

نماز مؤخر کی جاسکتی ہے لیکن اگر اس کے علاوہ کسی دیگر کام میں مشغول ہو تو کام چھوڑ کر نماز ادا کرنا چاہیئے۔ اگرچہ بعض کام کھانے کے حکم میں ہوتے ہیں۔ جیسا کہ کوئی شخص ہنڈیا پکا رہا ہو اور سمجھتا ہو کہ اگر ایسے چھوڑ کر جاؤنگا تو یہ جل جائے گی یا اور کسی خرابی کا ڈر ہو۔

٦٧٦ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَكَمُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصْنَعُ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: «كَانَ يَكُونُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ، فَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حکم بن عتبہ نے ابراہیم نخعی سے بیان کیا، انہوں نے اسود بن یزید سے، انہوں نے کہا کہ میں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر میں کیا کیا کرتے تھے آپ نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر کے کام کاج یعنی اپنے گھر والیوں کی خدمت کیا کرتے تھے اور جب نماز کا وقت ہوتا تو فوراً (کام کاج چھوڑ کر) نماز کے لیے چلے جاتے تھے۔

"قوله فی مهنة أهله" میم کی فتحہ اور کسرہ دونوں سے پڑھا گیا ہے۔ اسکا معنی خدمت ہے شمائل ترمذی میں اس خدمت کی وضاحت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے یوں آئی ہے "ما كان إلا بشرا من البشر يفلي ثوبه ويحلب شاته ويخدم[1] نفسه" اور مسند احمد اور ابن حبان میں "يخيط ثوبه ويخصف نعله[2]" بھی آتا ہے اور ابن حبان نے "ويرقع دلوه" زیادہ کیا ہے۔

شرح بخاری

٤٥۔ بَابُ مَنْ صَلَّى بِالنَّاسِ وَهُوَ لَا يُرِيدُ إِلَّا أَنْ يُعَلِّمَهُمْ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُنَّتَهُ:

باب: کوئی شخص صرف یہ بتلانے کے لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیوں کر پڑھا کرتے تھے اور آپ کا طریقہ کیا تھا نماز پڑھائے تو کیسا ہے؟

٦٧٧ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: «جَاءَنَا مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ فِي مَسْجِدِنَا هَذَا، فَقَالَ: إِنِّي لَأُصَلِّي بِكُمْ، وَمَا أُرِيدُ الصَّلَاةَ أُصَلِّي، كَيْفَ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي؟ فَقُلْتُ: لِأَبِي قِلَابَةَ، كَيْفَ كَانَ يُصَلِّي؟ قَالَ: مِثْلَ شَيْخِنَا هَذَا، قَالَ: وَكَانَ شَيْخًا يَجْلِسُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ قَبْلَ أَنْ يَنْهَضَ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى».

1. مسند احمد ۲۶۱۹۴ ج ۴۳ ص ۲۶۳۔
2. صحیح ابن حبان ۵۶۷۷ ج ۱۲ ص ۴۹۰۔

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے وہیب بن خالد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ایوب سختیانی نے ابوقلابہ عبداللہ بن زید سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مالک بن حویرث (صحابی) ایک دفعہ ہماری اس مسجد میں تشریف لائے اور فرمایا کہ میں تم لوگوں کو نماز پڑھاؤں گا اور میری نیت نماز پڑھنے کی نہیں ہے، میرا مقصد صرف یہ ہے کہ تمہیں نماز کا وہ طریقہ سکھادوں جس طریقہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا کرتے تھے۔ میں نے ابوقلابہ سے پوچھا کہ انہوں نے کس طرح نماز پڑھی تھی؟ انہوں نے بتلایا کہ ہمارے شیخ (عمر بن سلمہ) کی طرح۔ شیخ جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو ذرا بیٹھ جاتے پھر کھڑے ہوتے۔

"قوله وماأريد الصلوة" اس سے بطورِ تعلیم پڑھی جانے والی نماز کے قربت اور باعث اجر ہونے کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ غیروقت میں اس نماز کے پڑھنے کا سبب بیان کرنا مقصود ہے۔ اس لئے کہا "أصلي كيف رأيت النبي ﷺ يصلي" یعنی میں اس لئے نماز پڑھنا چاہتا ہوں تاکہ تمہیں دکھاؤں کہ نبی اکرم ﷺ کیسے نماز ادا فرمایا کرتے تھے، یعنی باعث نماز تعلیم دینا ہے۔ اور زبانی تعلیم دینے سے بالفعل تعلیم دینا زیادہ واضح ہوتا ہے۔

"قوله مثل شيخنا هذا" اس شیخ سے مراد عمرو بن سلمۃ ہے جیسا کہ باب المكث بين السجدتين، کے تحت آنے والی حدیث میں اسکی صراحت موجود ہے۔ یہاں انورشاہ نے مذاق کی صورت میں کہا ہے یہ وہی عمرو بن سلمہ ہے جس کے بچپن میں نماز پڑھاتے ہوئے چوتڑ ننگے ہوجاتے تھے۔ کیونکہ ان کی اس حدیث میں جلسہ استراحت کا ذکر ہے۔



"قوله كان شيخًا يجلس إذا رفع رأسه" یہ جلسہ استراحت اگرچہ شیخ عمرو بن سلمہ کرتے تھے لیکن اسکا تعلق نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ہے کہ آپ جلسہ استراحت کرتے تھے۔ شوافع اور اہلحدیث اس کے قائل ہیں۔ امام احمد کی دو روایات ہیں۔ خلال کے بقول امام احمد اس کے قائل ہوگئے تھے۔ حنفی کہتے ہیں آپ بیٹھ کر اس لئے اٹھتے تھے کہ آپ بوڑھے ہوگئے تھے لیکن اسکی صراحت اور وضاحت کہیں نہیں ملتی کہ آپ نے بڑھاپے کی وجہ سے جلسہ استراحت کیا ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ اگر جلسہ استراحت مشروع ہے تو اس کے بعد اٹھتے ہوئے تکبیر تحریمہ کہہ کر اٹھنا چاہیئے لیکن شوافع نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ جلسہ استراحت نہایت مختصر ہوتا ہے اور یہ قیام کے لئے اٹھنے کے لئے کیا جاتا ہے لہذا تکبیر تحریمہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

۴۶-بَابُ أَهْلُ الْعِلْمِ وَالْفَضْلِ أَحَقُّ بِالإِمَامَةِ:

باب: امامت کرانے کا سب سے زیادہ حقدار وہ ہے جو علم اور (عملی طور پر بھی) فضیلت والا ہو

یہ قرآن کریم کی آیت "ولايأتل أولوالفضل منكم والسعة[1]" کی طرف اشارہ ہے۔ اور یہ آیت حضرت



[1] النور: ۲۲۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے وہ صاحب فضل تھے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں نماز کی امامت کرانے کا حکم دیا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ عالم فاضل شخص کو امامت کے لئے آگے کرنا چاہیئے ایک حدیث میں اَقرء کی امامت کا ذکر ہے[1]۔ اگر سب اَقرء ہوں تو اَعلم بالسنۃ کو امام بنانا چاہیئے اگر اس میں بھی برابر ہوں تو اسے امام بنانا چاہیئے جو عمر میں بڑا ہو۔ اس کے بعد ہجرت کا ذکر آتا ہے۔ خیرالقرون میں جو عالم، فاضل ہوتے تھے وہی اَقرء ہوتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اہل علم وفضل تھے اور وہ اَقرء بھی تھے اور اَقرء سے مراد وہ شخص ہے جسے قرآن کریم کے مفاہیم بہتر طور پر معلوم ہوں اور وہ شان نزول وغیرہ کو بھی جانتا ہو۔

٦٧٨ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ بْنُ نَصْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حُسَيْنٌ، عَنْ زَائِدَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو بُرْدَةَ، عَنْ أَبِي مُوسَى، قَالَ: «مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاشْتَدَّ مَرَضُهُ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّهُ رَجُلٌ رَقِيقٌ، إِذَا قَامَ مَقَامَكَ لَمْ يَسْتَطِعْ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، قَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَعَادَتْ، فَقَالَ: مُرِي أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ، فَصَلَّى بِالنَّاسِ فِي حَيَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے اسحاق بن نصر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حسین بن علی بن ولید نے زائدہ بن قدامہ سے بیان کیا، انہوں نے عبدالملک بن عمیر سے، کہا کہ مجھ سے ابوبردہ عامر نے بیان کیا، انہوں نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے، آپ نے فرمایا کہ آپ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوئے اور جب بیماری شدت اختیار کر گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس پر عائشہ رضی اللہ عنہا بولیں کہ وہ نرم دل ہیں جب آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو ان کے لیے نماز پڑھانا مشکل ہو گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے پھر وہی بات کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں، تم لوگ صواحب یوسف (زلیخا) کی طرح (باتیں بناتی) ہو۔ آخر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بلانے آیا اور آپ نے لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی نماز پڑھائی۔

"قولہ فانکن صواحب یوسف" یعنی بظاہر تم کچھ کہتی ہو اور باطن میں تمہارا مقصد کچھ اور ہے بظاہر تم یہ کہتی ہو کہ ابوبکر صدیق جماعت نہیں کرا سکے گا۔ کیونکہ وہ رقیق القلب ہے آپکے مصلے پر کھڑا ہو کر روتا ہی رہے گا۔ اور ان کے رونے کی وجہ سے لوگوں کو قرآن کا پتہ نہیں چلے گا، اور اصل تمہارا مقصد یہ ہے کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امام نہ بنایا جائے، کیونکہ جو نمازوں کا امام بنے گا وہی خلیفہ بنے گا۔ اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جانشین ہوگا، لیکن ان کی وجہ سے لوگوں کو وہ برکات تو حاصل نہیں ہوں گی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے انہیں حاصل ہیں اور لوگ باتیں بنائیں گے کہ جب سے یہ

---

[1] صحیح مسلم (٢٩٠)٦٧٣ ج١ ص٤٦٥۔

شوم آیا ہے اس وقت سے کام خراب ہو گیا ہے اور امامت سے ہٹانے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مقصد بھی یہ تھا، اس لئے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی کہا تھا کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام امام بنانا چاہتے ہیں تم ایسی کوشش کرو کہ مجھ سے یہ کام ہٹا دیا جائے۔ کیونکہ یہ بوجھ اٹھانا مشکل ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کوشش کی لیکن وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ اس سے قبل ایک دفعہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے کہا تھا کہ ابوبکر صدیق اور اپنے بھائی کو بلاؤ تا کہ میں ان کے لئے ایک تحریر لکھدوں، پھر آپ نے یہ کہہ کر یہ تحریر لکھنا چھوڑ دیا کہ "یأبی اللہ ویدفع المؤمنون الا أبابکر [1]" اللہ تعالی اور مومنین ابوبکر صدیق کے علاوہ کسی کو قبول نہیں کریں گے۔ اور اپنی مرض الوفات میں بھی آپ نے لکھنے کا ارادہ کیا تھا لیکن اہل بیت کے اختلاف کی وجہ سے چھوڑ دیا تھا۔ مسجد میں آکر ابوبکر رضی اللہ عنہ کی فضیلت بھی بیان کی تھی آپ کا ارادہ یہی تھا کہ ابوبکر صدیق کو خلیفہ بنایا جائے لیکن اس بات کی صراحت اس لئے نہیں کی تا کہ لوگوں کا حق انتخاب ضائع نہ ہو، بہر حال آپ نے اپنے ارادے کا اظہار تو کر دیا تھا۔



٦٧٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، أَنَّهَا قَالَتْ: «إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ. قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ، فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ قُولِي لَهُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ، فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. فَقَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ سے خبر دی، انہوں نے اپنے باپ عروہ بن زبیر سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں فرمایا کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) سے نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ ابوبکر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو روتے روتے وہ (قرآن مجید) سنا نہ سکیں گے، اس لیے آپ عمر رضی اللہ عنہ سے کہئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ آپ فرماتی تھیں کہ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ وہ بھی کہیں کہ اگر ابوبکر آپ کی جگہ کھڑے ہوئے تو روتے روتے لوگوں کو (قرآن) نہ سنا سکیں گے۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ سے کہئے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا (ام المؤمنین اور عمر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی) نے بھی اسی طرح کہا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاموش رہو۔ تم صواحب یوسف کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ

[1] صحیح بخاری ٥٦٦٦ ج ٧ ص ١١٩۔

لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ پس حفصہ رضی اللہ عنہ نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ بھلا مجھ کو کہیں تم سے بھلائی پہنچ سکتی ہے؟

"قوله ما كنت لأصيب منك خيرًا" کیونکہ اس سے قبل شہد کا واقعہ پیش آیا تھا[1] قرآن کریم میں اس پر بہت مذمت وارد ہوئی تھی اور فرمایا گیا تھا "إن تتوبا إلى الله فقد صغت قلوبكما[2]" حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ بھی میں نے آپ کے کہنے پر کہا تھا اور اب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امامت سے ہٹانے کے لئے بھی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے ساتھ ملالیا۔ جس پر نبی کریم ﷺ ناراض ہوئے یہ واقعہ آپ کی آخری مرض ۱۱ھ کا ہے جبکہ شہد پینے سے روکنے کا واقعہ اس سے پہلے ۹ھ میں پیش آیا تھا۔

٦٨٠ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ، وَكَانَ تَبِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَخَدَمَهُ وَصَحِبَهُ، «أَنَّ أَبَا بَكْرٍ كَانَ يُصَلِّي لَهُمْ فِي وَجَعِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ حَتَّى إِذَا كَانَ يَوْمُ الِاثْنَيْنِ وَهُمْ صُفُوفٌ فِي الصَّلَاةِ، فَكَشَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِتْرَ الْحُجْرَةِ يَنْظُرُ إِلَيْنَا وَهُوَ قَائِمٌ كَأَنَّ وَجْهَهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ، ثُمَّ تَبَسَّمَ يَضْحَكُ فَهَمَمْنَا أَنْ نَفْتَتِنَ مِنَ الْفَرَحِ بِرُؤْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ الصَّفَّ وَظَنَّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَارِجٌ إِلَى الصَّلَاةِ، فَأَشَارَ إِلَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ وَأَرْخَى السِّتْرَ فَتُوُفِّيَ مِنْ يَوْمِهِ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں شعیب بن ابی حمزہ نے زہری سے خبر دی، کہا کہ مجھے انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے خبر دی .... آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کرنے والے، آپ کے خادم اور صحابی تھے .... کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الموت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے تھے۔ پیر کے دن جب لوگ نماز میں صف باندھے کھڑے ہوئے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حجرہ کا پردہ ہٹائے کھڑے ہوئے، ہماری طرف دیکھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک (حسن و جمال اور صفائی میں) گویا مصحف کا ورق تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا کر ہنسنے لگے۔ ہمیں اتنی خوشی ہوئی کہ خطرہ ہو گیا کہ کہیں ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے ہی میں نہ مشغول ہو جائیں اور نماز توڑ دیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر صف کے ساتھ آملنا چاہتے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لا رہے ہیں، لیکن آپ صلی اللہ

---

1. صحیح بخاری ۵۲۶۸ ج ۷ ص ۴۴۔
2. التحریم: ۴

علیہ وسلم نے ہمیں اشارہ کیا کہ نماز پوری کر لو۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ڈال دیا۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اسی دن ہو گئی۔ (« اناللہ و انا الیہ راجعون »)

"قوله كان وجهه ورقة مصحف" یعنی حسن و جمال میں اور چہرے کی صفائی میں مصحف کے ورق جیسا تھا۔

"قوله أن نفتتن من الفرح" نبی اکرم ﷺ کو اس وقت دیکھ کر آپ کی طرف توجہ کا ہو جانا اور نماز میں اللہ تعالی سے توجہ کے ہٹنے کو صحابہ نے فتنہ سے تعبیر کیا ہے۔ ایسے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ نماز میں نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام یا کسی اور شخصیت کا خیال آنے سے نماز کے اصل مقصود میں حرج واقع ہو جاتا ہے حالانکہ نماز میں توجہ إلی اللہ ہونی چاہیئے اور نماز میں پڑھے جانے والے الفاظ کی طرف توجہ ہونی چاہیئے کیونکہ نماز اللہ تعالی کی عبادت کے لئے فرض کی گئی ہے اور جب نماز میں غیر کا خیال آئے گا خواہ وہ اچھی چیز کا ہو یا بری چیز کا تو نماز کے اصل مقصد سے روکے گا بلکہ اچھا خیال تو نماز کے مقصود سے زیادہ روکتا ہے کیونکہ اس کی طرف توجہ زیادہ مبذول رہتی ہے جبکہ بری چیز یا گدھے وغیرہ کے خیال سے دلچسپی نہیں ہوتی۔ لہذا اس کا خیال آئیگا تو جلد ہی زائل ہو جائیگا۔ اور اچھی چیز کا خیال زیادہ دیر تک رہتا ہے لہذا جتنا اچھے خیال سے نماز کے مقصد میں حرج ہوتا ہے اتنا حرج بری چیز کے خیال آنے میں نہیں ہوتا۔ اور نماز میں توجہ نہیں رہتی انہوں نے تو بڑا عمدہ نکتہ بیان کیا تھا جسے غبی لوگ سمجھ نہیں سکے۔



"قوله أن أتموا صلوتكم" اس نماز میں نبی اکرم ﷺ نے گھر میں ہی اقتدا کی تھی مسجد میں نہیں آئے تھے۔

٦٨١ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «لَمْ يَخْرُجِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا، فَأُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَقَدَّمُ، فَقَالَ نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بِالْحِجَابِ فَرَفَعَهُ، فَلَمَّا وَضَحَ وَجْهُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا نَظَرْنَا مَنْظَرًا كَانَ أَعْجَبَ إِلَيْنَا مِنْ وَجْهِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ وَضَحَ لَنَا، فَأَوْمَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ إِلَى أَبِي بَكْرٍ أَنْ يَتَقَدَّمَ وَأَرْخَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحِجَابَ فَلَمْ يُقْدَرْ عَلَيْهِ حَتَّى مَاتَ».

ہم سے ابو معمر عبداللہ بن عمر منقری نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن صہیب نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، آپ نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ایام بیماری میں) تین دن تک باہر تشریف نہیں لائے۔ ان ہی دنوں میں ایک دن نماز قائم کی گئی۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ آگے بڑھنے کو تھے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حجرہ مبارک کا) پردہ اٹھایا۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک دکھائی دیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے پاک و مبارک سے زیادہ حسین منظر ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ (قربان اس حسن و جمال کے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھنے کے لیے اشارہ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے



پردہ گرادیا اور اس کے بعد وفات تک کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے پر قادر نہ ہو سکا۔

٦٨٢ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سُلَيْمَانَ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي يُونُسُ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ حَمْزَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «لَمَّا اشْتَدَّ بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَعُهُ قِيلَ لَهُ فِي الصَّلَاةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ رَقِيقٌ إِذَا قَرَأَ غَلَبَهُ الْبُكَاءُ، قَالَ: مُرُوهُ فَيُصَلِّي، فَعَاوَدَتْهُ، قَالَ: مُرُوهُ فَيُصَلِّي، إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ»، تَابَعَهُ الزُّبَيْدِيُّ، وَابْنُ أَخِي الزُّهْرِيِّ، وَإِسْحَاقُ بْنُ يَحْيَى الْكَلْبِيُّ، عَنِالزُّهْرِيِّ، وَقَالَ عُقَيْلٌ، وَمَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ حَمْزَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے یحییٰ بن سلیمان نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے یونس بن یزید ایلی نے ابن شہاب سے بیان کیا، انہوں نے حمزہ بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے باپ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری شدت اختیار کر گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نماز کے لیے کہا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ابوبکر کچے دل کے آدمی ہیں۔ جب وہ قرآن مجید پڑھتے ہیں تو بہت رونے لگتے ہیں۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان ہی سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ دوبارہ انہوں نے پھر وہی عذر دہرایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ ان سے نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ تم تو بالکل صواحب یوسف کی طرح ہو۔ اس حدیث کی متابعت محمد بن ولید زبیدی اور زہری کے بھتیجے اور اسحاق بن یحییٰ کلبی نے زہری سے کی ہے اور عقیل اور معمر نے زہری سے، انہوں نے حمزہ بن عبداللہ بن عمر سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

"قولہ تابعہ الزبیدی" یعنی یونس کی زبیدی اور امام زہری کے بھتیجے محمد بن عبداللہ نے اور اسحق کلبی نے بھی متابعت کی ہے۔ اور ان سب نے بھی یونس کی طرح اس حدیث کو زہری سے روایت کیا ہے۔

"قولہ وقال عقیل ومعمر" یعنی انہوں نے اس حدیث کو یونس وغیرہ کے خلاف مرسل بیان کیا ہے۔

٤٧۔ بَابُ مَنْ قَامَ إِلَى جَنْبِ الْإِمَامِ لِعِلَّةٍ:

باب: جو شخص کسی عذر کی وجہ سے صف چھوڑ کر امام کے بازو میں کھڑا ہو

امام کو مقتدیوں سے آگے ہونا چاہیے لیکن کسی سبب کی بنا پر امام، مقتدی کے برابر کھڑا ہو سکتا ہے، مثال کے طور پر جگہ تنگ ہو یا مقتدی ایک ہی ہو، یا سب برہنہ ہوں تو امام مقتدیوں کے برابر کھڑا ہو سکتا ہے۔

٦٨٣ حَدَّثَنَا زَكَرِيَّاءُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ نُمَيْرٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هِشَامُ بْنُ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «أَمَرَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبَا بَكْرٍ أَنْ

يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ فِي مَرَضِهِ فَكَانَ يُصَلِّي بِهِمْ، قَالَ عُرْوَةُ: فَوَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ، فَإِذَا أَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّ النَّاسَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ اسْتَأْخَرَ فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ كَمَا أَنْتَ، فَجَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِذَاءَ أَبِي بَكْرٍ إِلَى جَنْبِهِ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ».

ہم سے زکریا ابن یحییٰ البلخی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبداللہ بن نمیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں ہشام بن عروہ نے اپنے والد عروہ سے خبر دی، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیماری میں حکم دیا کہ ابوبکر لوگوں کو نماز پڑھائیں۔ اس لیے آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے۔ عروہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن اپنے آپ کو کچھ ہلکا پایا اور باہر تشریف لائے۔ اس وقت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے۔ انہوں نے جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے انہیں اپنی جگہ قائم رہنے کا حکم فرمایا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بازو میں بیٹھ گئے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی پیروی کرتے تھے۔



"قوله قال عروة" یہ مذکورہ سند کے ساتھ ہی مروی ہے۔ بعض نے اسے معلق کہا ہے اور یہ ان کا وہم ہے۔

بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ مرسل ہے لیکن ابن ابی شیبہ نے اسے سند کے ساتھ متصل بیان کیا ہے اور ابن ماجہ نے بھی اسے اسی سند کے ساتھ متصل ذکر کرتے ہوئے کہا ہے "حدثنا ابوبکر بن أبي شيبة حدثنا عبدالله بن نمير عن هشام بن عروة عن أبيه عن عائشة قالت أمر رسول الله ﷺ أبابكر ان يصلي بالناس في مرضه فكان يصلي بهم فوجد رسول الله ﷺ خفة فخرج[1] ......"۔

"قوله كما أنت" اس میں "ما" موصولہ ہے اور أنت مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے أي كما أنت عليه اور کاف تشبیہ کے لئے ہے۔ أي يكون حالك في المستقبل مشابهًا لحالك في الماضي" ہوسکتا ہے کہ کاف زائد ہو اور معنی یہ ہوگا "التزم الحال التي أنت عليها وهي الامامة"۔

"قوله حذاء أبي بكر" اى محاذيا لأبي بكر "یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے برابر بیٹھ گئے۔



۴۸۔ بَابُ مَنْ دَخَلَ لِيَؤُمَّ النَّاسَ فَجَاءَ الإِمَامُ الأَوَّلُ فَتَأَخَّرَ الأَوَّلُ أَوْ لَمْ يَتَأَخَّرْ جَازَتْ صَلَاتُهُ:

باب: ایک شخص نے امامت شروع کر دی پھر پہلا امام آ گیا اب پہلا شخص (مقتدیوں میں

[1] سنن ابن ماجہ ۱۲۳۳ ج ۱ ص ۳۸۹ (صحیح)

ملنے کے لیے) پیچھے سرک گیا یا نہیں سرکا، بہر حال اس کی نماز جائز ہو گی

فِيهِ عَائِشَةُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔

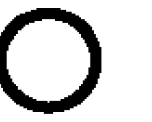
جاء الامام الأول" سے مراد امام راتب ہے۔ اور تاخر الاول میں اول سے مراد وہ امام ہے جو امام راتب کا نائب بنا ہے اور جماعت کرانے کے لئے آگے کھڑا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر امام راتب غائب ہو اور دوسرا امام جماعت کرانے کے لئے مصلی پر کھڑا ہو اس کے بعد امام راتب بھی آجائے تو نائب امام پیچھے ہٹے یا نہ ہٹے دونوں صورتوں میں نماز ہو جائے گی۔ احناف کے ہاں وہ پیچھے نہیں ہٹ سکتا۔ اگر پیچھے ہٹے گا تو نماز باطل ہو جائے گی۔ لیکن اس پر اعتراض آتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے تھے اور نماز باطل نہیں ہوئی۔ تو اسکا وہ جواب دیتے ہیں کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے تو ابو بکر قراءت سے محصور ہو گئے تھے اور قراءت کر ہی نہیں سکے تھے۔ اور امام اگر قراءت سے محصور ہو جائے اور بقدر فرض نہ پڑھ سکا ہو جو کہ تین آیات ہیں، تو پھر وہ پیچھے ہٹ سکتا ہے اور کوئی دوسرا امام بن سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ تین آیات پڑھ کر محصور ہوا ہے پھر کوئی دوسرا آگے نہیں ہو سکتا، اسکا رد یہ ہے کہ یہ نماز ظہر کی تھی اس میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے محصور ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، احناف نے یہ بات بلا دلیل ہی بنالی ہے کہ ابو بکر محصور ہو گئے تھے۔ حدیث میں یہ تو آتا ہے کہ اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم علیہ السلام سے کہا تھا کہ ابو بکر جب آپ کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو رونے کی وجہ سے قراءت نہیں کر سکیں گے۔ اس سے مقصود انکا یہ تھا کہ انہیں امام نہ بنایا جائے جیسا کہ عنقریب گذرا ہے۔ اور اس کا تعلق ابتداءِ صلوۃ سے ہے۔ لیکن یہ کہنا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ محصور ہو گئے تھے یہ خود ساختہ بات ہے۔ اسکا ذکر کسی حدیث میں نہیں ہے۔ شوافع کے ہاں امام راتب کے آنے پر نائب امام پیچھے ہٹ سکتا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا مسلک بھی یہی ہے۔ کئی دفعہ امام ایسا ہوتا ہے جسے قراءت آتی نہیں، اور اگر آتی ہو تو بعض وقت جو آتی ہے وہ بھی بھول جاتی ہے، تو دوسرا آگے ہو کر نماز مکمل کرا سکتا ہے۔

٦٨٤ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي حَازِمِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَهَبَ إِلَى بَنِي عَمْرِو بْنِ عَوْفٍ لِيُصْلِحَ بَيْنَهُمْ، فَحَانَتِ الصَّلَاةُ فَجَاءَ الْمُؤَذِّنُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ، فَقَالَ: أَتُصَلِّي لِلنَّاسِ فَأُقِيمَ، قَالَ: نَعَمْ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ فِي الصَّلَاةِ فَتَخَلَّصَ حَتَّى وَقَفَ فِي الصَّفِّ، فَصَفَّقَ النَّاسُ، وَكَانَ أَبُو بَكْرٍ لَا يَلْتَفِتُ فِي صَلَاتِهِ. فَلَمَّا أَكْثَرَ النَّاسُ التَّصْفِيقَ الْتَفَتَ فَرَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. فَأَشَارَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِ امْكُثْ مَكَانَكَ، فَرَفَعَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللهَ عَلَى مَا أَمَرَهُ بِهِ رَسُولُ اللهِ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ ذَلِكَ، ثُمَّ اسْتَأْخَرَ أَبُو بَكْرٍ حَتَّى اسْتَوَى فِي الصَّفِّ. وَتَقَدَّمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: يَا أَبَا بَكْرٍ، مَا مَنَعَكَ أَنْ تَثْبُتَ إِذْ أَمَرْتُكَ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: مَا كَانَ لِابْنِ أَبِي قُحَافَةَ أَنْ يُصَلِّيَ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا لِي رَأَيْتُكُمْ أَكْثَرْتُمُ التَّصْفِيقَ مَنْ رَابَهُ شَيْءٌ فِي صَلَاتِهِ فَلْيُسَبِّحْ، فَإِنَّهُ إِذَا سَبَّحَ الْتُفِتَ إِلَيْهِ، وَإِنَّمَا التَّصْفِيقُ لِلنِّسَاءِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابوحازم سلمہ بن دینار سے خبر دی، انہوں نے سہل بن سعد ساعدی (صحابی رضی اللہ عنہ) سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی عمرو بن عوف میں (قباء میں) صلح کرانے کے لیے گئے، پس نماز کا وقت آ گیا۔ مؤذن (بلال رضی اللہ عنہ نے) ابوبکر رضی اللہ عنہ سے آ کر کہا کہ کیا آپ نماز پڑھائیں گے۔ میں تکبیر کہوں۔ ابوبکر رضی اللہ نے فرمایا کہ ہاں چنانچہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کر دی۔ اتنے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے تو لوگ نماز میں تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صفوں سے گزر کر پہلی صف میں پہنچے۔ لوگوں نے ایک ہاتھ کو دوسرے پر مارا (تاکہ ابوبکر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد پر آگاہ ہو جائیں) لیکن ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں کسی طرف توجہ نہیں دیتے تھے۔ جب لوگوں نے متواتر ہاتھ پر ہاتھ مارنا شروع کیا تو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ متوجہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے انہیں اپنی جگہ رہنے کے لیے کہا۔ (کہ نماز پڑھائے جاؤ) لیکن انہوں نے اپنے ہاتھ اٹھا کر اللہ کا شکر کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو امامت کا اعزاز بخشا، پھر بھی وہ پیچھے ہٹ گئے اور صف میں شامل ہو گئے۔ اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھائی۔ نماز سے فارغ ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر جب میں نے آپ کو حکم دے دیا تھا پھر آپ ثابت قدم کیوں نہ رہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بولے کہ ابوقحافہ کے بیٹے (یعنی ابوبکر) کی یہ حیثیت نہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نماز پڑھا سکیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کی طرف خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ عجیب بات ہے۔ میں نے دیکھا کہ تم لوگ بکثرت تالیاں بجا رہے تھے۔ (یاد رکھو) اگر نماز میں کوئی بات پیش آ جائے تو سبحان اللہ کہنا چاہئے جب وہ یہ کہے گا تو اس کی طرف توجہ کی جائے گی اور یہ تالی بجانا عورتوں کے لیے ہے۔







"قولہ ذهب إلى بني عمرو بن عوف" یہ واقعہ ۳ھ کا ہے۔ اور بنی عمرو بن عوف۔ مالک بن اَوس کی اولاد سے ہیں جو قباء میں رہتے تھے۔ اور انصار کے دو قبیلوں میں سے اوس قبیلے سے تعلق رکھتے تھے۔ بنو عمرو بن عوف میں چونکہ لڑائی واقعہ ہو گئی تھی اس لئے آپ ان کی صلح کرانے کے لئے گئے تھے۔ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے کہہ گئے تھے کہ اگر



عصر کا وقت ہو جائے اور میں نہ آسکوں تو ابوبکر صدیق سے کہنا کہ وہ لوگوں کو عصر کی نماز پڑھادیں جیسا کہ ابوداؤد[1] میں ہے۔

"قوله فحانت الصلوة" اس سے عصر کی نماز مراد ہے جیسا کتاب الأحکام میں ہے "فلما حضرت صلوة العصر فأذن بلال[2]"۔

"قوله ما كان لابن أبي قحافة أن يصلي بين يدي رسول الله" اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹ گئے تھے۔ اور نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ امام راتب کے آنے پر نائب کا پیچھے ہٹنا جائز ہے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو "أن امكث مكانك" کا اشارہ کیا تھا۔ اور نماز کے بعد یہ بھی فرمایا تھا "ما منعك أن تثبت إذ أمرتك" جس سے معلوم ہوا کہ نائب کا پیچھے نہ ہٹنا بھی جائز ہے۔ یہی بخاری رحمہ اللہ نے ترجمہ باب قائم کیا ہے۔

أبوقحافہ کا نام عثمان بن عامر قرشی تھا، جو فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہے اور ۱۴ھ میں فوت ہوئے۔

"قوله إنما التصفيق للنساء" یعنی دستک دینا عورتوں کے لئے ہے، مردوں کے لئے نہیں۔ مردوں کو بوقت ضرورت سبحان اللہ کہنا چاہیئے۔ مثلاً امام بیٹھنے کی بجائے اٹھنے لگا ہے تو مرد سبحان اللہ کہہ کر اسے متنبہ کر دیں۔ اور عورتیں دستک دیدیں۔ تا کہ امام کو پتہ چل جائے کہ مجھے اٹھنا نہیں چاہیئے۔

"قوله فرفع أبوبكر يديه" یعنی اللہ تعالی کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے اجازت دیدی ہے لیکن میں آپ کے آگے نہیں ہو سکتا اور پیچھے ہٹ گئے۔ اس سے امام نووی رحمہ اللہ نے استدلال کیا ہے کہ نماز میں ہاتھ اٹھا کر دعاء کی جا سکتی ہے اور ہاتھ اٹھانا نماز کے منافی نہیں ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ نبی کریم علیہ السلام نے اسکا انکار کیا تھا لہذا دخل رفع اليدين فی الانکار" حالانکہ یہ رفع خاص تھا، مطلق رفع اس سے مراد نہیں ہے[3]۔

---

[1] سنن أبي داؤد ۹۴۱ ج ۱ ص ۲۴۸ (صحیح)۔

[2] صحیح بخاری ۷۱۹۰ ج ۹ ص ۷۴۔

[3] (حافظ نے کہا ہے کہ اس حدیث سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ ۱۔ لوگوں میں کوئی لڑائی یا جھگڑا ہو جائے تو امام کو چاہیئے کہ ان میں صلح کرادے، تا کہ فتنہ مزید نہ بڑھ جائے۔ ۲۔ امام کو خود صلح کرانے کے لئے جانا چاہیئے یہ ضروری نہیں کہ لوگ اس کے پاس آئیں تب ہی صلح کرائے۔ ۳۔ ایک نماز دو اماموں کی اقتداء میں جائز ہے۔ جبکہ ایسا عذر پیش آجائے جو اس حدیث میں ذکر ہے۔ ۴۔ امام راتب کہیں جاتے ہوئے غیر کو اپنا نائب بنا سکتا ہے۔ اور اگر وہ نائب کے نماز شروع کرنے کے بعد آجائے تو اسے امامت کرانے اور نائب کی اقتداء میں نماز ادا کرنے کا اختیار ہے۔ اور کسی کی نماز باطل نہیں ہوگی۔ ۵۔ ایک آدمی بعض نماز میں امام اور بعض میں مقتدی ہو سکتا ہے۔ ۶۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ اور تمام امت مسلمہ سے افضل ہیں۔ ۷۔ اقامت کہنا اور امام کو بلانا موذن کا حق ہے۔

۴۹۔بَابُ إِذَا اسْتَوَوْا فِي الْقِرَاءَةِ فَلْيَؤُمَّهُمْ أَكْبَرُهُمْ:

باب: اس بارے میں کہ اگر جماعت کے سب لوگ قرآت میں برابر ہوں تو امامت بڑی عمر والا کرے

٦٨٥ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ الْحُوَيْرِثِ، قَالَ: قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَنَحْنُ شَبَبَةٌ فَلَبِثْنَا عِنْدَهُ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ لَيْلَةً، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِيمًا، فَقَالَ: «لَوْ رَجَعْتُمْ إِلَى بِلَادِكُمْ فَعَلَّمْتُمُوهُمْ مُرُوهُمْ فَلْيُصَلُّوا صَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَصَلَاةَ كَذَا فِي حِينِ كَذَا، وَإِذَا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ فَلْيُؤَذِّنْ لَكُمْ أَحَدُكُمْ، وَلْيَؤُمَّكُمْ أَكْبَرُكُمْ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں حماد بن زید نے خبر دی ایوب سختیانی سے، انہوں نے ابوقلابہ سے، انہوں نے مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ملک سے حاضر ہوئے۔ ہم سب ہم عمر نوجوان تھے۔ تقریباً بیس راتیں ہم آپ کی خدمت میں ٹھہرے رہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے ہی رحم دل تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہماری غربت کا حال دیکھ کر) فرمایا کہ جب تم لوگ اپنے گھروں کو جاؤ تو اپنے قبیلہ والوں کو دین کی باتیں بتانا اور ان سے نماز پڑھنے کے لیے کہنا کہ فلاں نماز فلاں وقت اور فلاں نماز فلاں وقت پڑھیں۔ اور جب نماز کا وقت ہو جائے تو کوئی ایک اذان دے اور جو عمر میں بڑا ہو وہ امامت کرائے۔

شرح بخاری

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس حدیث میں ترجمہ باب کا ذکر نہیں ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ ترجمہ باب اس حدیث سے اخذ کیا ہے جو مسلم میں ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "يؤم القوم أقرؤهم لكتاب الله فان كانت قراءتهم سواء فليؤمهم أقدمهم هجرة فان كانوا في الهجرة سواء فليؤمهم أكبرهم سناً[1]" اور اس حدیث میں استواء فی القراءت کا ذکر ہے۔ لیکن یہ حدیث بخاری کی شرط پر

۸۔ نماز میں سبحان اللہ یا الحمد للہ کہنا جائز ہے۔ خواہ کسی کو کسی بات کی اطلاع دینے کے لئے ہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔ ۹۔ نماز میں رفع یدین کرنا اور ہاتھ اٹھانا نماز کے منافی نہیں اور اس سے نماز میں کوئی نقص نہیں آتا۔ ۱۰۔ نماز میں ضرورت کے لئے التفات ہو سکتا ہے۔ ۱۱۔ امام کے لئے صفیں کراس کر کے آگے جانا جائز ہے غیر امام کو اس سے بچنا چاہیئے۔ ۱۲۔ مفضول، فاضل کی امامت کرا سکتا ہے۔ ۱۳۔ نماز میں عمل قلیل جائز ہے۔ ۱۴۔ نماز میں اگر پیچھے ہٹنا پڑے تو الٹے پاؤں ہٹے، قبلہ کی طرف پشت نہ ہونے دے۔ ۱۵۔ امام اگر قراءت میں غلطی کرے یا بھول جائے تو اسے لقمہ دینا جائز ہے کیونکہ جب سبحان اللہ کہہ کر اسے متنبہ کیا جا سکتا ہے تو تلاوت میں لقمہ دینا بالاولی جائز ہے۔

[1] مسلم (۲۹۱) ۶۷۳۔

نہیں تھی اس لئے وہ اسے اپنی صحیح میں نہیں لائے۔

مسلم کی حدیث میں "أقرء" سے مراد أفقہ ہے اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھانے کے لئے باقی صحابہ پر مقدم کیا تھا، حالانکہ آپ نے "أقرؤکم أبی [1]" کہہ کر حضرت اُبی کو اقرء قرار دیا تھا۔ امام نووی رحمہ اللہ نے کہاہے کہ ہمارے نزدیک افقہ امامت کرانے میں أقرء سے مقدم ہے۔ اور بعض نے أقرء کو اپنے ظاہر پر محمول کیاہے اور اسے مقدم کیاہے۔

۵۰۔ بَابُ إِذَا زَارَ الإِمَامُ قَوْمًا فَأَمَّهُمْ:

باب: اس بارے میں کہ جب امام کسی قوم کے ہاں گیا اور انہیں (ان کی فرمائش پر) نماز پڑھائی (تو یہ جائز ہو گا)

٦٨٦ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ، قَالَ: سَمِعْتُ عِتْبَانَ بْنَ مَالِكٍ الأَنْصَارِيَّ، قَالَ: «اسْتَأْذَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَذِنْتُ لَهُ، فَقَالَ: أَيْنَ تُحِبُّ أَنْ أُصَلِّيَ مِنْ بَيْتِكَ؟ فَأَشَرْتُ لَهُ إِلَى الْمَكَانِ الَّذِي أُحِبُّ، فَقَامَ وَصَفَفْنَا خَلْفَهُ ثُمَّ سَلَّمَ وَسَلَّمْنَا».

ہم سے معاذ بن اسد نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں عبد اللہ بن مبارک نے خبر دی، کہا کہ ہمیں معمر نے زہری سے خبر دی، کہا کہ مجھے محمود بن ربیع نے خبر دی، کہا کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (میرے گھر تشریف لانے کی) اجازت چاہی اور میں نے آپ کو اجازت دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگ اپنے گھر میں جس جگہ پسند کرو میں نماز پڑھ دوں میں جہاں چاہتا تھا اس کی طرف میں نے اشارہ کیا۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور ہم نے آپ کے پیچھے صف باندھ لی۔ پھر آپ نے جب سلام پھیرا تو ہم نے بھی سلام پھیرا۔

یعنی امام أعظم کسی قوم کی زیارت کے لئے جائے تو وہ وہاں اس قوم کی امامت کرا سکتا ہے۔ اور یہ اجازت ہر شخص کے لئے نہیں ہے۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے "من زار قوما فلایؤمھم ولیؤمھم رجل منھم [2]"، بعض کہتے ہیں کہ اگر قوم والے لوگ کہیں اور امامت کرانے کی اجازت دیں تو ان کی امامت کرا سکتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ان کی اجازت کے باوجود ان کی امامت نہ کرائے۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ اگر وہ اجازت دیں تو امامت کرا سکتا ہے امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام أعظم امامت کرا سکتا ہے کیونکہ منع کی حدیث میں یہ لفظ بھی وارد ہے "لایؤمن الرجل الرجل فی سلطانہ ولایقعد فی بیتہ علی تکرمتہ إلا باذنہ [3]" یعنی کسی دوسرے شخص کی سلطنت

[1] شرح السنۃ للبغوی ج۱۴ ص۱۸۵۔

[2] سنن أبي داود ۵۹۶ ج۱ ص۱۵۲۔ جامع ترمذی ۳۵۶ ج۲ ص۱۸۷۔

[3] مسلم (۲۹۰) ۶۷۳ ج۱ ص۴۶۵۔

میں امامت نہ کرائے اور امام اعظم کی سلطنت تو اپنے ملک کی ہر جگہ میں ہوتی ہے۔ لہذا وہ ہر جگہ امامت کرا سکتا ہے، حدیث مذکور میں "إلا باذنه" کی استثناء میں اختلاف ہے کہ اسکا تعلق دونوں جملوں سے ہے یا صرف ایک جملہ سے، بعض کہتے ہیں کہ اس کا تعلق پہلے جملہ سے ہے، اور بعض کے نزدیک اسکا تعلق دونوں سے ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں جملوں سے متعلق ہے۔ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک امام اعظم اس سے مستثنیٰ ہے جیسا کہ ترجمہ باب کی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے امامت کرائی اور ان سے اجازت نہیں لی۔ بعض کہتے ہیں کہ عتبان بن مالک نے آپ کو بلایا ہی نماز کے لئے تھا۔ اور یہ اجازت پر دلالت کرتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ آپکا ارادہ نماز پڑھنے کا تھا۔ جماعت کرانے کا ارادہ نہیں تھا۔ آپ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو آپ کے پیچھے لوگ بھی تبرک کے لئے کھڑے ہو گئے۔

بعض کہتے ہیں کہ جب آپ نے عتبان رضی اللہ عنہ سے کہا تھا "أين تحب أن أصلي من بيتك" تو کہاں چاہتا ہے کہ میں نماز پڑھوں تو انہوں نے ایک جگہ کی طرف اشارہ کیا کہ یہاں نماز پڑھیں۔ یہ اجازت ہو گئی، حنابلہ کا یہ استدلال ہے کہ آپ نے اجازت سے نماز پڑھائی۔ امام بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ آپ نے امام اعظم ہونے کی حیثیت سے نماز ادا کی ہے۔ اور اسے اجازت ہوتی ہے جہاں بھی ہو امامت کرا سکتا ہے۔ کیونکہ آپ نے امامت کرانے کا نہیں پوچھا تھا بلکہ نماز کی جگہ کے بارہ میں پوچھا تھا، امامت آپ نے امام اعظم ہونے کی وجہ سے کرائی ہے۔

٥١-بَابُ إِنَّمَا جُعِلَ الإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ:

باب: امام اس لیے مقرر کیا جاتا ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں

وَصَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ بِالنَّاسِ وَهُوَ جَالِسٌ، وَقَالَ ابْنُ مَسْعُودٍ: إِذَا رَفَعَ قَبْلَ الإِمَامِ يَعُودُ فَيَمْكُثُ بِقَدْرِ مَا رَفَعَ ثُمَّ يَتْبَعُ الإِمَامَ. وَقَالَ الحَسَنُ: فِيمَنْ يَرْكَعُ مَعَ الإِمَامِ رَكْعَتَيْنِ وَلَا يَقْدِرُ عَلَى السُّجُودِ يَسْجُدُ لِلرَّكْعَةِ الآخِرَةِ سَجْدَتَيْنِ، ثُمَّ يَقْضِي الرَّكْعَةَ الأُولَى بِسُجُودِهَا، وَفِيمَنْ نَسِيَ سَجْدَةً حَتَّى قَامَ يَسْجُدُ.

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض وفات میں لوگوں کو بیٹھ کر نماز پڑھائی (لوگ کھڑے ہوئے تھے) اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جب کوئی امام سے پہلے سر اٹھالے (رکوع میں سجدے میں) تو پھر وہ رکوع یا سجدے میں چلا جائے اور اتنی دیر ٹھہرے جتنی دیر سر اٹھائے رہا تھا پھر امام کی پیروی کرے۔ اور امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ اگر کوئی شخص امام کے ساتھ دو رکعات پڑھے لیکن سجدہ نہ کر سکے، تو وہ آخری رکعت کے لیے دو سجدے کرے۔ پھر پہلی رکعت سجدہ سمیت دہرائے اور جو شخص سجدہ کئے بغیر بھول کر کھڑا ہو گیا تو وہ سجدے میں چلا جائے۔

٦٨٧ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ، عَنْ مُوسَى بْنِ أَبِي عَائِشَةَ، عَنْ

عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ. قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَقُلْتُ: أَلَا تُحَدِّثِينِي عَنْ مَرَضِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَتْ: بَلَى، "ثَقُلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ، قُلْنَا: لَا. هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ، قَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ. قَالَتْ: فَفَعَلْنَا، فَاغْتَسَلَ فَذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصَلَّى النَّاسُ، قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ، قَالَتْ: فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ. ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ، قُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ. فَقَالَ: ضَعُوا لِي مَاءً فِي الْمِخْضَبِ، فَقَعَدَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ ذَهَبَ لِيَنُوءَ فَأُغْمِيَ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَفَاقَ فَقَالَ: أَصَلَّى النَّاسُ، فَقُلْنَا: لَا، هُمْ يَنْتَظِرُونَكَ يَا رَسُولَ اللهِ، وَالنَّاسُ عُكُوفٌ فِي الْمَسْجِدِ يَنْتَظِرُونَ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَام لِصَلَاةِ الْعِشَاءِ الْآخِرَةِ، فَأَرْسَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَأَتَاهُ الرَّسُولُ فَقَالَ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْمُرُكَ أَنْ تُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: وَكَانَ رَجُلًا رَقِيقًا، يَا عُمَرُ صَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: أَنْتَ أَحَقُّ بِذَلِكَ، فَصَلَّى أَبُو بَكْرٍ تِلْكَ الْأَيَّامَ، ثُمَّ إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ مِنْ نَفْسِهِ خِفَّةً فَخَرَجَ بَيْنَ رَجُلَيْنِ أَحَدُهُمَا الْعَبَّاسُ لِصَلَاةِ الظُّهْرِ وَأَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَتَأَخَّرَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِأَنْ لَا يَتَأَخَّرَ، قَالَ: أَجْلِسَانِي إِلَى جَنْبِهِ، فَأَجْلَسَاهُ إِلَى جَنْبِ أَبِي بَكْرٍ، قَالَ: فَجَعَلَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي وَهُوَ يَأْتَمُّ بِصَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ"، قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: فَدَخَلْتُ عَلَى عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ فَقُلْتُ لَهُ: أَلَا أَعْرِضُ عَلَيْكَ مَا حَدَّثَتْنِي عَائِشَةُ عَنْ مَرَضِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: هَاتِ فَعَرَضْتُ عَلَيْهِ حَدِيثَهَا، فَمَا أَنْكَرَ مِنْهُ شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّهُ قَالَ: أَسَمَّتْ لَكَ الرَّجُلَ الَّذِي كَانَ مَعَ الْعَبَّاسِ، قُلْتُ: لَا. قَالَ: هُوَ عَلِيٌّ.

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں زائدہ بن قدامہ نے موسیٰ بن ابی عائشہ سے خبر دی، انہوں نے عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ سے، انہوں نے کہا کہ میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا، کاش! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کی حالت آپ ہم سے بیان کرتیں، (تو اچھا ہوتا) انہوں نے فرمایا کہ ہاں ضرور سن لو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بڑھ گیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی؟ ہم نے عرض کی جی نہیں یا رسول اللہ! لوگ آپ کا انتظام کر رہے ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لیے ایک لگن میں پانی رکھ دو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ہم نے پانی رکھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر غسل کیا۔ پھر آپ اٹھنے لگے، لیکن آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش ہوا تو پھر آپ نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ہم نے عرض کی نہیں، یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پھر) فرمایا کہ لگن میں میرے لیے پانی رکھ دو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہم نے پھر پانی رکھ دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر غسل فرمایا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی لیکن (دوبارہ) پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ جب ہوش ہوا تو آپ نے پھر یہی فرمایا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہے۔ ہم نے عرض کی کہ نہیں یارسول اللہ! لوگ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر فرمایا کہ لگن میں پانی لاؤ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹھ کر غسل کیا۔ پھر اٹھنے کی کوشش کی، لیکن پھر آپ بیہوش ہو گئے۔ پھر جب ہوش ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی ہم نے عرض کی کہ نہیں یارسول اللہ! وہ آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔ لوگ مسجد میں عشاء کی نماز کے لیے بیٹھے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کر رہے تھے۔ آخر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس آدمی بھیجا اور حکم فرمایا کہ وہ نماز پڑھا دیں۔ بھیجے ہوئے شخص نے آکر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو نماز پڑھانے کے لیے حکم فرمایا ہے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ بڑے نرم دل انسان تھے۔ انہوں نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ تم نماز پڑھاؤ، لیکن عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ آپ اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ آخر (بیماری) کے دنوں میں ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھاتے رہے۔ پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مزاج کچھ ہلکا معلوم ہوا تو دو مردوں کا سہارا لے کر جن میں ایک عباس رضی اللہ عنہ تھے ظہر کی نماز کے لیے گھر سے باہر تشریف لائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، جب انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے انہیں روکا کہ پیچھے نہ ہٹو! پھر آپ نے ان دونوں مردوں سے فرمایا کہ مجھے ابوبکر کے بازو میں بٹھا دو۔ چنانچہ دونوں نے آپ کو ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بازو میں بٹھا دیا۔ راوی نے کہا کہ پھر ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نماز کی پیروی کر رہے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے بیٹھے نماز پڑھ رہے تھے۔ عبیداللہ نے کہا کہ پھر میں عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں گیا اور ان سے عرض کی کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری کے بارے میں جو حدیث بیان کی ہے کیا میں وہ آپ کو سناؤں؟ انہوں نے فرمایا کہ ضرور سناؤ۔ میں نے یہ حدیث سنا دی۔ انہوں نے کسی بات کا انکار نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان صاحب کا نام بھی تم کو بتایا جو عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ میں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا وہ علی رضی اللہ عنہ تھے۔

امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود اس باب سے یہ ہے کہ تمام افعال میں مقتدی کو اپنے امام کی پیروی کرنی چاہیئے، بلکہ اقوال میں بھی پیروی چاہیئے کیونکہ وہ بھی امام کا فعل ہے۔ ہاں جو اقوال مستثنیٰ ہیں ان میں پیروی نہیں ہوگی۔ جیسا کہ امام کی جہر میں پیروی نہیں ہوگی۔ امام قراءت کرتا ہے تو مقتدی بھی قراءت فاتحہ کرے گا صرف جہری نمازوں میں امام کے پیچھے سورت نہیں پڑھ سکتا، جو فاتحہ سے زائد ہو، سری نماز میں فاتحہ کے ساتھ سورت بھی پڑھ سکتا ہے لیکن جہری میں صرف فاتحہ پڑھے اس کے ساتھ سورت نہ پڑھے۔ یہ مستثنیٰ ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کے قول کے مطابق امام کے ساتھ مقتدی "سمع الله لمن حمده" بھی سرًا کہے اور آمین بھی کہے، اور الله اکبر بھی کہے۔ جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "إنما جعل الامام ليؤتم به فاصنعوا كمايصنع الامام إذا كبر فكبروا وإذا ركع فاركعوا" مسلم میں إذا قرء فانصتوا[1]" بھی آتا ہے جو کہ اکثر احادیث میں نہیں آتا۔ ابوموسیٰ اشعری اور ابوہریرۃ کی روایت میں یہ لفظ آتا ہے لیکن عبداللہ بن عمر، جابر اور انس وغیرہ کی روایت میں یہ لفظ نہیں آتا۔ حضرت انس کی جس روایت میں یہ آتا ہے وہ ضعیف روایت ہے۔

"قوله وصلي النبي ﷺ في مرضه الذى توفى فيه بالناس وهو جالس" یعنی نبی اکرم ﷺ نے مرض کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ آپ کے پیچھے کھڑے تھے۔ فاصنعوا كمايصنع الامام سے یہ بھی مستثنیٰ ہوگا لہٰذا عذر کی بنا پر امام اگر بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدی کھڑے ہوکر اس کی اقتداء میں نماز پڑھیں گے اگرچہ آپ نے ایک موقع پر یہ حکم دیا تھا "إذا صلي جالسًا فصلو جلوسًا[2]" لیکن یہ حکم پہلے کا ہے جبکہ آپ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے زخمی ہوگئے تھے اور گھر میں نماز پڑھی تھی آپ نے بالاخانے میں نماز پڑھی اور جو لوگ آپ کے پاس موجود تھے انہوں نے آپ کے پیچھے بیٹھ کر نماز ادا کی۔ اس کے بعد جب آپ نے اپنی مرض الوفاۃ میں نماز پڑھائی تو آپ نے بیٹھ کر پڑھائی اور آپ کے پیچھے نماز پڑھنے والوں نے کھڑے ہوکر نماز پڑھی تھی۔ لہٰذا اس کے ساتھ پہلا حکم منسوخ ہے۔ امام احمد کہتے ہیں کہ منسوخ نہیں ہے بلکہ دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ اگر امام نماز کھڑا ہوکر شروع کرے پھر کسی عذر کی بنا پر بیٹھ جائے تو پیچھے مقتدیوں کو کھڑے ہوکر نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور اگر شروع میں ہی بیٹھ کر نماز پڑھائے تو مقتدیوں کو بیٹھ کر ہی نماز ادا کرنی چاہیئے۔ امام احمد کے علاوہ باقی سارے امام اس کے نسخ کے قائل ہیں، بلکہ امام مالک تو کہتے ہیں کہ امام کے لئے بیٹھ کر نماز پڑھانا جائز ہی نہیں ہے۔ باقی دو امام کہتے ہیں امام کی نماز عذر کی وجہ سے بیٹھ کر جائز ہے لیکن اس کے پیچھے لوگ کھڑے ہوکر نماز پڑھیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں امام کی متابعت بیٹھنے میں منسوخ ہے۔

"قوله وقال الحسن فيمن يركع مع الامام ركعتين" حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہاں دو مسئلے ہیں: ایک اس شخص کے بارہ میں جو امام کے ساتھ جمعہ کی نماز ادا کرتا ہے لیکن لوگوں کے ازدحام کی وجہ سے سجدہ پر قادر نہیں ہے تو

---

[1] مسلم (۶۳) ۴۰۴ ج ۱ ص ۳۰۴۔

[2] صحیح بخاری ۶۸۹ ج ۱ ص ۱۳۹۔

اسے چاہیئے کہ لوگوں کے نماز سے فارغ ہونے کے بعد پہلی رکعت کے دو سجدے کرلے، پھر دوسری رکعت دو سجدوں کے ساتھ ادا کرلے، کیونکہ امام دوسروں کی طرف سے ارکان نماز کا متحمل نہیں ہوسکتا، لہٰذا جو شخص اس کے ساتھ سجدے نہیں کرسکا، اسکی رکعت نہیں ہوگی دوسرا مسئلہ اس شخص کے بارہ میں ہے جو شروع نماز میں سجدہ کرنا بھول جائے اور بھولا ہوا سجدہ اسے آخری رکعت میں پہنچ کر یاد آئے تو تین سجدے کرے اور اگر سلام سے پہلے یاد آئے تو ایک سجدہ کرے اور اگر نماز مکمل کرنے کے بعد یاد آئے تو از سر نو نماز پڑھے۔

"قوله ثم يقضي الركعة الأولي" یعنی دوسری رکعت بعد میں پڑھے، درمیان میں ہی شروع نہ کردے، احناف کے ہاں درمیان میں ہی پڑھ لے، جب امام اور مقتدی کھڑے ہوجائیں گے اس وقت سجدہ کرلے جیسا کہ صلوۃ خوف میں ہوتا ہے کہ اگلی صف سجدہ کرتی ہے اور پچھلی صف کھڑی رہتی ہے۔ اور جب وہ سجدہ کرچکیں تو پچھلی صف والے سجدہ میں پڑجاتے ہیں۔ بلکہ یہاں اگر کسی کی پیٹھ پر بھی کرسکتا ہے تو کرلے، یہ ضروری نہیں کہ زمین پر ہی کرے۔ لیکن حسن بصری رحمہ اللہ کا قول وہ ہے جو بخاری رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔

"قوله فيمن نسى سجدة حتى قام" اس سے پہلے مسئلہ کا تعلق تو امام کی متابعت کے ساتھ تھا، اور اس مسئلہ میں اختلاف ہے، کہ اسکا متابعت امام سے تعلق ہے یا ویسے ہی ذکر کردیا ہے حسن بصری سے کسی نے پوچھا تھا کہ اگر کوئی شخص اکیلا نماز پڑھتا ہو اور وہ دو سجدوں میں سے ایک سجدہ کرنا بھول جائے اور ایک سجدہ کرکے کھڑا ہوجائے تو کیا کرے



انہوں نے کہا کہ سجدہ کرلے پھر اٹھ کر دوسری رکعت شروع کرے اور سہو کے دو سجدے بھی کرے گا۔ حنفی کہتے ہیں کہ اس کی ضرورت نہیں بلکہ جب دوسری رکعت کے سجدے کرے گا تو وہاں تین سجدے کرلے کیونکہ ان کے ہاں نماز کے ارکان میں ترتیب ضروری نہیں ہے۔ اور اس کا تعلق جماعت سے بھی ہوسکتا ہے۔ کہ امام کے پیچھے کھڑا تھا اسے نیند آگئی یا بہرہ تھا کہ امام کی آواز نہیں سنی، دو سجدے ہونے کے بعد اٹھا ہے اور امام کھڑا ہے تو وہ سجدے میں پڑجائے اور اگر کھڑا ہوگیا پھر یاد آیا تو سجدہ کرکے پھر امام کی متابعت کرے، حنفی کہتے ہیں وہ امام کے ساتھ دوسری رکعت میں تین سجدے کرلے، کیونکہ ارکان نماز میں ترتیب کوئی ضروری نہیں ہے۔ پہلی کی بجائے دوسری رکعت میں سجدہ ہوگیا ہے تو کوئی حرج نہیں۔

باقی یہ مسئلہ ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں مقتدی کو امام کی متابعت میں "سمع الله لمن حمده" بھی کہنا چاہیے اور "ربنا ولك الحمد" بھی پڑھنا چاہیئے۔ دارقطنی میں اس بارہ میں صریح حدیث بھی آتی ہے۔ باقی ائمہ کہتے ہیں کہ مقتدی "سمع الله لمن حمده" نہ کہے کیونکہ حدیث میں ہے "إذا قال سمع الله لمن حمده "فقولوا ربناولك الحمد" اسکا مفہوم یہ ہے کہ تم سمع اللہ لمن حمدہ" نہ کہو اور "انما جعل الامام ليؤتم به" کا تقاضا ہے کہ جو امام کہے تم بھی کہو، دارقطنی میں صریح بھی آتا ہے کہ صحابہ کہتے ہیں، ہم آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہوئے "سمع الله لمن حمده" کہا کرتے تھے ایک روایت میں "سمع الله لمن حمده" کہنے کا حکم بھی آتا ہے۔



٦٨٨ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، أَنَّهَا قَالَتْ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ وَهُوَ شَاكٍ، فَصَلَّى جَالِسًا وَصَلَّى وَرَاءَهُ قَوْمٌ قِيَامًا فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنِ اجْلِسُوا، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا».

ہم سے عبداللہ بن یوسف نے بیان کیا کہا کہ ہم سے امام مالک رحمہ اللہ نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا۔ انہوں نے اپنے باپ عروہ سے انہوں نے ام المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ بیماری کی حالت میں میرے ہی گھر میں نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھ رہے تھے اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بیٹھنے کا اشارہ کیا اور نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس لیے جب وہ رکوع میں جائے تو تم بھی رکوع میں جاؤ اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی سر اٹھاؤ اور جب وہ «سمع اللہ لمن حمدہ» کہے تو تم «ربنا ولك الحمد» کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔



٦٨٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَصُرِعَ عَنْهُ فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، فَصَلَّى صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ».

قَالَ أَبُو عَبْد اللهِ: قَالَ الْحُمَيْدِيُّ: قَوْلُهُ إِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا هُوَ فِي مَرَضِهِ الْقَدِيمِ، ثُمَّ صَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسًا وَالنَّاسُ خَلْفَهُ قِيَامًا لَمْ يَأْمُرْهُمْ بِالْقُعُودِ، وَإِنَّمَا يُؤْخَذُ بِالْآخِرِ فَالْآخِرِ مِنْ فِعْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک رحمہ اللہ نے ابن شہاب سے خبر دی، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے گر پڑے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں پہلو پر زخم آئے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی نماز پڑھی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر پڑھ رہے تھے۔ اس لیے



ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو فرمایا کہ امام اس لیے مقرر کیا گیا ہے کہ اس کی اقتداء کی جائے۔ اس لیے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ رکوع سے سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ «سمع اللہ لمن حمدہ» کہے تو تم «ربناولک الحمد» کہو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ ابوعبداللہ (امام بخاری رحمہ اللہ) نے کہا کہ حمیدی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول جب امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم بھی بیٹھ کر پڑھو۔ کے متعلق کہا ہے کہ یہ ابتداء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرانی بیماری کا واقعہ ہے۔ اس کے بعد آخری بیماری میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بیٹھ کر نماز پڑھی تھی اور لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو کر اقتداء کر رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت لوگوں کو بیٹھنے کی ہدایت نہیں فرمائی اور اصل یہ ہے کہ جو فعل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری ہو اس کو لینا چاہئے اور پھر جو اس سے آخری ہو۔

"قولہ وھوشاك" حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا نے شکوی اور آپ کی مرض کو ذکر نہیں کیا۔ لیکن آنے والی حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں اس مرض کو بیان کیا گیا ہے اور وہ آپ کا گھوڑے سے گرنا تھا۔ اور جابر کی حدیث میں ہے کہ گرنے کی وجہ سے آپ کے پاؤں میں موچ آگئی تھی، جس کی وجہ سے آپ نے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور پچھلوں نے بھی بیٹھ کر پڑھی تھی جو آپ کی عیادت کے لئے آئے تھے لیکن یہ حدیث آپکی مرض قدیم سے متعلق ہے۔ جو کہ منسوخ ہے جیسا کہ بخاری نے، امام حمیدی سے نقل کیا ہے اور اس سے قبل حدیث اس کی ناسخ ہے کیونکہ وہ آپ کی مرض الوفات سے متعلق ہے اس میں نبی اکرم ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور آپ کے پیچھے مقتدیوں نے کھڑے ہو کر نماز ادا کی تھی۔ اس لیے امام بخاری رحمہ اللہ نے امام حمیدی رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے کہا ہے "إنما یؤخذ بالأخر فالاخر من فعل النبی ﷺ۔

شرح بخاری

۵۲-بَابُ مَتَى يَسْجُدُ مَنْ خَلْفَ الإِمَامِ:

باب: امام کے پیچھے مقتدی کب سجدہ کریں؟

قَالَ أَنَسٌ: فَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا.

اور انس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ جب امام سجدہ کرے تو تم لوگ بھی سجدہ کرو (یہ حدیث پہلے گزر چکی ہے)۔

امام سے مسابقت سب کے نزدیک منع ہے، حنفی مقارنت کے قائل ہیں۔ دیگر ائمہ کرام معاقبت کے قائل ہیں، حنفی کہتے ہیں معاقبت ضروری نہیں ہے ہاں سلام پھیرنے اور تکبیر میں معاقبت کے قائل ہیں یعنی تکبیر اور سلام امام کے بعد ہو، امام بخاری حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث "باب ایجاب التکبیر" میں مفصل لائے ہیں، "انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذاصلی قائمافصلو قیامًا واذا رکع فارکعوا واذا رفع فارفعوا، واذا سجد

فاسجدوا[1]" حضرت انس کی یہ مرفوع حدیث معاقبت پر دلالت کرتی ہے۔

٦٩٠ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ سُفْيَانَ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: حَدَّثَنِي عَبْدُ اللهِ بْنُ يَزِيدَ، قَالَ: حَدَّثَنِي الْبَرَاءُ وَهُوَ غَيْرُ كَذُوبٍ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، لَمْ يَحْنِ أَحَدٌ مِنَّا ظَهْرَهُ حَتَّى يَقَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَاجِدًا، ثُمَّ نَقَعُ سُجُودًا بَعْدَهُ». حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، عَنْ سُفْيَانَ، عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ نَحْوَهُ بِهَذَا.

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یحیٰی بن سعید نے سفیان سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے ابواسحاق نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن یزید نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، وہ جھوٹے نہیں تھے۔ (بلکہ نہایت ہی سچے تھے) انہوں نے بتلایا کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم «سمع اللہ لمن حمدہ» کہتے تو ہم میں سے کوئی بھی اس وقت تک نہ جھکتا جب تک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں نہ چلے جاتے پھر ہم لوگ سجدہ میں جاتے۔ ہم سے ابونعیم نے بیان کیا، کہا ہم سے سفیان ثوری نے، انہوں نے ابواسحٰق سے جیسے اوپر گزرا۔

"قوله وهوغير كذوب" یہ حضرت براء کے بارہ میں عبداللہ بن یزید کی کلام ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایسی عبارت اس شخص کے بارہ میں کہی جاسکتی ہے جسکی عدالت میں شک کی گنجائش ہو جبکہ صحابہ کرام کی عدالت شک و شبہ سے بالا ہے۔ اور وہ سب عادل ہیں اس لیے یہ لفظ حضرت براء سے روایت کرنے والے عبداللہ بن یزید کے بارہ میں ہے۔ لیکن ظاہر یہی ہے کہ یہ لفظ حضرت براء بن عازب کے بارہ میں ہے اس سے راوی کا متہم ہونا لازم نہیں آتا بلکہ یہ حدیث کی تقویت کا فائدہ دیتا ہے۔ شاہ ولی اللہ کہتے ہیں ایسا لفظ صحابہ کرام کے بارہ میں بولا جائے تو اس سے مراد وہم کی نفی کرنا ہوتا ہے لہذا هوغير كذوب کا معنی ہے ای غیرواهم في الحديث بل ضابط حسن الضبط" کیونکہ صحابہ کرام مقبول و معتبر اور عادل ہیں۔ اور کذب وغیرہ سے مامون و محفوظ ہیں۔

"قوله لم يحن أحد مناظهره" یعنی نبی اکرم ﷺ جب پیشانی زمین پر رکھ دیتے تب ہم سجدے کے لئے جھکا کرتے تھے اور "ثم نقع سجودًا بعده" کا لفظ معاقبت کے بارہ میں صریح ہے، لیکن احناف کہتے ہیں کہ یہ اس وقت کا عمل ہے جبکہ آپ بوڑھے ہو گئے تھے۔ مگر یہ عجیب بات ہے کہ رواۃ نے آپ کی آخر عمر کی حدیث نقل کر دی ہے پہلی عمر کی احادیث نقل نہیں کیں۔ احناف کا ایسی احادیث کو آپ کے بڑھاپے سے خاص کرنا بلا دلیل ہے۔

٥٣- بَابُ إِثْمِ مَنْ رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ:

باب: (رکوع یا سجدہ میں) امام سے پہلے سر اٹھانے والے کا گناہ کتنا ہے؟

٦٩١ حَدَّثَنَا حَجَّاجُ بْنُ مِنْهَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ زِيَادٍ، سَمِعْتُ أَبَا

[1] صحیح بخاری ٧٣٢

شرح بخاری

هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَمَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ أَوْ لَا يَخْشَى أَحَدُكُمْ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ قَبْلَ الإِمَامِ أَنْ يَجْعَلَ اللهُ رَأْسَهُ رَأْسَ حِمَارٍ أَوْ يَجْعَلَ اللهُ صُورَتَهُ صُورَةَ حِمَارٍ».

ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے محمد بن زیاد سے بیان کیا، کہا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم میں وہ شخص جو (رکوع یا سجدہ میں) امام سے پہلے اپنا سر اٹھالیتا ہے اس بات سے نہیں ڈرتا کہ کہیں اللہ پاک اس کا سر گدھے کے سر کی طرح بنادے یا اس کی صورت کو گدھے کی سی صورت بنادے۔

امام سے مسابقت کرنا بالاتفاق ممنوع ہے۔ اور اس سے انسان گناہگار ہوتا ہے اور گناہگار ہونے سے مراد یہ ہے کہ اسے نماز باجماعت کا اجر نہیں ملتا۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جماعت کا ثواب مل جائے اور گناہ گار بھی ہو۔

۵۴- بَابُ إِمَامَةِ الْعَبْدِ وَالْمَوْلَى:

باب: غلام کی اور آزاد کئے ہوئے غلام کی امامت کا بیان



وَكَانَتْ عَائِشَةُ يَؤُمُّهَا عَبْدُهَا ذَكْوَانُ مِنَ الْمُصْحَفِ وَوَلَدِ الْبَغِيِّ وَالْأَعْرَابِيِّ وَالْغُلَامِ الَّذِي لَمْ يَحْتَلِمْ، لِقَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَؤُمُّهُمْ أَقْرَؤُهُمْ لِكِتَابِ اللهِ.

شرح بخاری

اور عائشہ رضی اللہ عنہا کی امامت ان کا غلام ذکوان قرآن دیکھ کر کیا کرتا تھا اور ولد الزنا اور گنوار اور نابالغ لڑکے کی امامت کا بیان کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کتاب اللہ کا سب سے بہتر پڑھنے والا امامت کرائے اور غلام کو بغیر کسی خاص عذر کے جماعت میں شرکت سے نہ روکا جائے گا۔

۶۹۲ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَنَسُ بْنُ عِيَاضٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: «لَمَّا قَدِمَ الْمُهَاجِرُونَ الْأَوَّلُونَ الْعُصْبَةَ مَوْضِعٌ بِقُبَاءٍ قَبْلَ مَقْدَمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ يَؤُمُّهُمْ سَالِمٌ مَوْلَى أَبِي حُذَيْفَةَ، وَكَانَ أَكْثَرَهُمْ قُرْآنًا».



ہم سے ابراہیم بن المنذر حزامی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے انس بن عیاض نے بیان کیا انہوں نے عبیداللہ عمری سے، انہوں نے نافع سے انہوں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہ جب پہلے مہاجرین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے بھی پہلے قباء کے مقام عصبہ میں پہنچے تو ان کی امامت ابوحذیفہ کے غلام سالم رضی اللہ عنہ کیا کرتے تھے۔ آپ کو قرآن مجید سب سے زیادہ یاد تھا۔

مولیٰ آزاد شدہ غلام کو کہتے ہیں جس پر معتق کی ولاء ہوتی ہے اور عبد سے مراد وہ غلام جو آزاد نہ ہو اس باب میں امام بخاری

رحمہ اللہ نے چند مسائل ذکر کئے ہیں۔ پہلا مسئلہ غلام اور مولیٰ کی امامت کے بارہ میں ہے۔ اس پر امام بخاری رحمہ اللہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا اثر پیش کیا ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا غلام مصحف سے ان کی امامت کراتا تھا، اس غلام کا نام ذکوان اور کنیت ابوعمرو تھی۔ یہ ایام حرہ میں فوت ہوا یا شہید ہوا تھا جمہور علماء غلام کی امامت کے جواز کے قائل ہیں امام مالک کے نزدیک غلام، آزاد لوگوں کی امامت نہیں کرا سکتا ہاں اگر وہ قاری ہو اور دیگر لوگ قاری نہ ہوں تو انکی امامت کرا سکتا ہے لیکن نماز جمعہ میں امامت نہ کرائے کیونکہ غلام پر جمعہ واجب نہیں ہے اشہب نے اس بارہ میں مالک رحمہ اللہ کی مخالفت کی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ اس پر جمعہ واجب نہیں لیکن اگر وہ جمعہ میں حاضر ہو تو کفایت کر جاتا ہے۔

"قوله وكانت عائشة يؤمها عبدها" اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ نے اس غلام کو مدبر بنا دیا تھا جیسا کہ مصنف ابن أبي شیبہ میں ہے "ان عائشة أعتقت غلامًا عن دبر فكان يؤمها في رمضان في المصحف[1]" اور اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے لئے مصحف سے دیکھ کر امامت کرانا جائز ہے۔

احناف کے ہاں غلام یا مولیٰ کی امامت مکروہ ہے لیکن اگر وہ امامت کرائے تو نماز صحیح ہو جاتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ فرضی نماز میں امام نہیں بن سکتا، نفلی نماز اس کے پیچھے جائز ہے امام بخاری رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں اور انکا استدلال "يؤمهم أقرؤهم لكتاب الله" سے ہے اور اَقرء کا لفظ غلام اور مولیٰ کو بھی شامل ہے۔ اس پر گنگوہی اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر اَقرء کا لفظ غلام کو شامل ہے تو پھر کافر اور عورت کو بھی شامل ہے ان کی امامت بھی جائز ہونی چاہیئے۔ حالانکہ ان کو شامل نہ ہونے کے تو دلائل موجود ہیں کہ یہ امام نہیں بن سکتے، قرآن کریم میں ہے "قال إني جاعلك للناس إمامًا قال ومن ذريتي قال لاينال عهدي الظالمين[2]" یعنی ظالم امام نہیں بن سکتا اور کافر ظالم ہوتا ہے اور عورتوں کے بارہ میں ہدایہ میں ہے "أخروهن من حيث أخرهن الله[3]" لیکن غلام کے استثناء پر کوئی دلیل نہیں۔ علماء کے اقوال ہیں مگر وہ حدیث کے مقابلہ میں پیش نہیں ہو سکتے۔

"قوله من المصحف" وہ غلام تراویح کی امامت قرآن سے دیکھ کر کراتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر قرآن زبانی یاد نہ ہو تو نماز تراویح میں دیکھ کر جماعت کرا سکتا ہے۔ ابن حزم نے کہا ہے کہ امام اگر قرآن پکڑے گا تو نماز باطل ہو جائے گی وہ کہتے ہیں کہ "اَقرء" وہی ہوتا ہے جسے قرآن زبانی یاد ہو، بعض صحابہ سے بھی آتا ہے کہ یہ اہل کتاب کی عادت تھی انہیں اپنی کتاب زبانی یاد نہیں ہوتی تھی اس لئے وہ دیکھ کر پڑھتے تھے، اسلام میں ایسا جائز نہیں ہے لیکن جو علماء اسے جائز کہتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ "يؤمهم أقرؤهم لكتاب الله[4]" اسے بھی شامل ہے۔ اس کے خلاف

---

1. مصنف ابن ابی شیبہ ۷۲۱۷ ج ۲ ص ۱۲۳۔
2. البقرہ: ۱۲۴۔
3. الضعیفۃ والموضوعۃ ۹۱۸ ج ۲ ص ۳۱۹۔
4. مسلم (۲۹۱) ۶۷۳۔

کوئی نص نہیں ہے ایک صحابی کا قول اس لئے حجت نہیں کہ دوسرے صحابی کا قول اس کے خلاف ہے۔

دوسرا مسئلہ ولد البغی یعنی ولد الزنا کی امامت کا ہے۔ البغی زانیہ کو کہتے ہیں، یہ أقرء ہو تو امامت کرا سکتا ہے کیونکہ اسکا کوئی قصور نہیں، قصور تو اسے جننے والوں کا ہے۔ ابن أبی شیبہ نے ذکر کیا ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کہا "لیس علیه من وزر أبویه شیئ[1]" لہذا اگر اقرء ہو تو جماعت کرا سکتا ہے امام مالک رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسے جماعت نہیں کرانی چاہیئے کیونکہ لوگ اسے ولد الزنا کے لفظ سے ذکر کریں گے اور گناہ گار ہوں گے۔ انہوں نے یہ وجہ بیان کی ہے لیکن یہ نہیں کہتے کہ اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، ان کے ہاں اسے امام راتب نہیں بنانا چاہیئے۔ جمہور علماء ولد الزنا کی امامت کے صحت کے قائل ہیں جبکہ وہ أقرء ہو۔

تیسرا مسئلہ أعرابی کی امامت کا ہے، اس کی امامت میں اختلاف ہے۔ امام احمد، اسحق، ثوری امام شافعی وغیرہ جواز کے قائل ہیں، جبکہ وہ اقرء ہو، حافظ نے کہا ہے کہ جمہور اسکی امامت کے جواز کی طرف گئے ہیں امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے اعرابی کی امامت کو مکروہ کہا ہے کیونکہ ان پر جہالت غالب ہوتی ہے۔

چوتھا مسئلہ نابالغ لڑکے کی امامت کا ہے اگر أقرء ہو تو اسکی امامت جائز ہے۔ بشرطیکہ ممیز ہو، امام بخاری رحمہ اللہ کا ان سب کی امامت کے جواز پر استدلال "یؤمهم أقرؤهم لکتاب الله[2]" سے ہے۔ اور اس کے عموم میں یہ سب داخل ہیں۔ اور عموم سے ہمیشہ استدلال کیا جاتا ہے۔ کافر اور عورت دوسرے دلائل سے اس کے عموم سے خارج ہیں۔ ابن حزم کے نزدیک نابالغ جماعت نہیں کرا سکتا، کیونکہ اس پر نماز فرض نہیں ہوتی اور حدیث میں آتا ہے "صلوا اصلوۃ ائمتکم" یعنی جو نماز امام کی ہے وہ پڑھو، جبکہ نابالغ پر نماز فرض نہیں ہوتی لہذا پچھلے اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ کیونکہ ان کی نماز فرض ہوتی ہے حالانکہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔



حنفی دلیل پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ امام ضامن ہوتا ہے۔ اور ضامن وہی ہوگا جو مقتدی کی نماز کو ضمن میں لے اور ضمن میں اسی چیز کو لیا جا سکتا ہے جو اس سے کم ہو یا کم از کم اس کے برابر ہو۔ لہذا فرض نماز، فرض نماز کو اور نفل نماز کو ضمن میں لے سکتی ہے لیکن نفل نماز فرض کو ضمن میں نہیں لے سکتی۔ کیونکہ فرض نماز اقوی ہوتی ہے اس لئے کہ فرض میں دو چیزیں پائی جاتی ہیں ایک نماز دوسری اس کی فرضیت، اور نفل میں صرف نماز ہی ہوتی ہے، حالانکہ اس میں بھی نماز اور نفلیت دو چیزیں پائی جاتی ہیں ھدایہ میں نماز کے بارہ میں تو یہ جواب دیا ہے۔ آگے چل کر جب مضاربت کا مسئلہ آیا تو وہاں اس کے خلاف کہا ہے وہاں یہ رائے پیش کی ہے کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے کو اپنا مال مضاربت پر دے تو وہ آگے کسی کو مضاربت پر نہیں دے سکتا، کیونکہ متضمن چیز اسی کو ہوتی ہے جو اس سے کم ہو، اور مثل کو بھی متضمن نہیں ہوتی۔ یہاں یہ کہا ہے لہذا مضاربت آگے مضاربت کو ضمن میں نہیں لے سکتی۔ کیونکہ وہ اس کی ہم مثل اور اس کے برابر ہے، کوئی چھوٹی چیز ضمن میں آسکتی ہے جبکہ نماز کے مسئلہ میں کہا ہے کہ مثل کو شامل ہو سکتی ہے۔

---

1. السنن الکبری للبیہقی ۱۹۹۹۲ ج ۱۰ ص ۱۰۰، مصنف ابن أبی شیبہ۔ ۶۰۹۶ ج ۲ ص ۳۰۔
2. مسلم (۲۹۱) ۶۷۳۔

بعض کہتے ہیں کہ مضاربت میں بھی جائز ہے کیونکہ اس نے مال مضاربت کے لئے ہی دیا ہے لہذا وہ آگے مضاربت پر دے سکتا ہے۔

ضامن کا دوسرا معنی یہ کیا ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کو صحۃً وفساداً ضمن میں لے لیتی ہے۔ یہ قید زیادہ کر دی ہے کہ مقتدی کی نماز کے فساد اور صحت کو امام کی نماز ضمن میں لے لیتی ہے۔ یہ اپنے پاس سے معنی بنالیا گیا، حالانکہ امام کے ضامن ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امام کو ایسی نماز پڑھنی چاہیئے کہ مقتدیوں کی تکلیف کا باعث نہ ہو۔ اور مقتدی آرام سے نماز ادا کر سکیں۔ جیسا کہ ایک حدیث میں "واقتد بأضعفهم [1]" آتا ہے یعنی امام کو چاہیئے کہ وہ مقتدیوں میں سے ضعیف کی اقتداء کرے، اس طرح امام من وجہ مقتدی بن جاتا ہے کہ وہ ضعیف کی اقتداء کرتا اور اس کا خیال رکھتا ہے۔ الامام ضامن [2] مستدرک کی حدیث ہے جیسا کہ کہا گیا ہے "رواه الحاكم مُصَحِّحًا"

ابن حزم کے نزدیک نابالغ کی اذان بھی جائز نہیں ہے۔

حنفی حضرت عمرو بن سلمہ کی حدیث کا جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس میں یہ ذکر نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر پہنچی ہو۔ بلکہ لوگوں نے اپنے اجتہاد سے اسے اُقرء سمجھ کر امام بنالیا تھا، اس کا جواب تو یہ ہے کہ اگرچہ نبی اکرم ﷺ کو یہ خبر نہ پہنچی ہو لیکن اللہ تعالیٰ کو تو علم تھا کیونکہ وہ علام الغیوب ہے اگر نابالغ کی امامت جائز نہ ہوتی تو قرآن نازل کر کے نبی کریم علیہ السلام کو مطلع کر دیا جاتا تاکہ آپ انہیں اس سے روکیں مگر ایسا نہیں ہوا جیسا کہ عزل کے بارہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے [3]۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے عمرو بن سلمہ [4] کی حدیث یہاں ذکر نہیں کی کیونکہ وہ اکثر اخفیٰ کو اجلیٰ پر ترجیح دیتے ہیں۔ عموم سے استدلال کرنا اخفیٰ ہے اور اس حدیث کو یہاں ذکر کرنا بیّن اور واضح تھا اس لئے وہ اخفیٰ کو ترجیح دیتے ہوئے اس حدیث کو یہاں نہیں لائے۔

٦٩٣ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، حَدَّثَنَا يَحْيَى، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو التَّيَّاحِ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «اسْمَعُوا وَأَطِيعُوا، وَإِنِ اسْتُعْمِلَ حَبَشِيٌّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے ابوالتیاح یزید بن حمید ضبعی نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اپنے حاکم کی) سنو اور اطاعت کرو، خواہ ایک ایسا حبشی (غلام تم پر) کیوں نہ حاکم بنا دیا جائے جس کا سر سوکھے ہوئے انگور کے برابر ہو۔

---

1. سنن أبي داود ۵۳۱ ج ۱ ص ۱۴۶۔
2. سنن أبي داود ۵۱۷ ج ۱ ص ۱۴۳ ترمذی ۲۰۷ ج ۱ ص ۲۸۲۔
3. صحیح بخاری ۵۲۰۸۔
4. صحیح بخاری ۴۳۰۲ ج ۷ ص ۳۳۔

"قوله اسمعوا وأطيعوا" ای فيما فيه طاعة لله تعالىٰ

قوله وإن استعمل حبشیؓ كتاب الاحکام میں "وان استعمل عليكم عبد حبشیؓ" آتا ہے[1] اور مسلم میں "يقودكم بكتاب الله[2]" وارد ہے۔ اور اس حدیث سے استدلال یہ ہے کہ جب غلام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جبکہ وہ امیر ہو تو اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے کا بھی حکم ہے کیونکہ امیر ہی نماز کی امامت کرایا کرتا تھا، یہ استدلال باللازم ہے کہ جب اس کی امارت قابل برداشت ہے تو اسکی امامت بھی برداشت ہونا چاہیئے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ یہاں امامت صغری کو امامت کبریٰ پر قیاس کیا گیا ہے۔ حالانکہ قیاس نہیں ہے۔ بلکہ اس وقت جو امیر ہوتا تھا وہی امام ہوتا تھا جبکہ وہ امیر ہو سکتا ہے تو امام بھی ہو سکتا ہے۔

٥٥۔بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الإِمَامُ وَأَتَمَّ مَنْ خَلْفَهُ:

باب: اگر امام اپنی نماز کو پورا نہ کرے اور مقتدی پورا کریں

٦٩٤ حَدَّثَنَا الْفَضْلُ بْنُ سَهْلٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْحَسَنُ بْنُ مُوسَى الْأَشْيَبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ دِينَارٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «يُصَلُّونَ لَكُمْ، فَإِنْ أَصَابُوا فَلَكُمْ، وَإِنْ أَخْطَئُوا فَلَكُمْ وَعَلَيْهِمْ».

ہم سے فضل بن سہل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حسن بن موسیٰ اشیب نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوعبدالرحمٰن بن عبداللہ بن دینار نے بیان کیا زید بن اسلم سے، انہوں نے عطاء بن یسار سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام لوگوں کو نماز پڑھاتے ہیں۔ پس اگر امام نے ٹھیک نماز پڑھائی تو اس کا ثواب تمہیں ملے گا اور اگر غلطی کی تو بھی (تمہاری نماز کا) ثواب تم کو ملے گا اور غلطی کا وبال ان پر رہے گا۔



یعنی امام ارکان نماز کو اچھی طرح ادا نہیں کرتا، اور مقتدی ارکان کو اچھی طرح ادا کرتا ہے یعنی مقتدی تعدیل ارکان کرتا ہے لیکن امام تعدیل نہیں کرتا۔ تو امام کی نماز اگرچہ باطل ہے۔ لیکن مقتدی کی نماز صحیح ہوگی، حنفی کہتے ہیں کہ اس حدیث کا تعلق ارکان سے نہیں ہے بلکہ سنن اور مستحبات سے ہے، کہ مقتدی اگر سنن و مستحبات ادا کرتا ہے۔ امام نہیں کرتا تو مقتدی کی نماز پوری ہو جائے گی۔ امام کی نماز پوری نہیں ہوگی۔ لیکن امام کی نماز اگر باطل ہو تو اسکا اثر مقتدی کی نماز تک پہنچتا ہے۔ امام شافعی کہتے ہیں کہ اسکا اثر مقتدی کی طرف نہیں پہنچتا۔ مثال کے طور پر اگر امام بے وضو نماز پڑھاتا ہے اور مقتدی کو علم نہیں ہے کہ وہ بے وضو نماز پڑھا رہا ہے۔ نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ اس نے بے وضو نماز پڑھائی

① صحیح بخاری ٧١٤٢ ج ٩ ص ٦٢۔

② مسلم (٣١١) ١٢٩٨ ج ٢ ص ٩٤٤۔

ہے تو امام شافعی کے نزدیک مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔ جیسا کہ موطا میں[1] آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فجر کی نماز لوگوں کو پڑھائی اس کے بعد ضحیٰ کے وقت اپنے کپڑے میں احتلام کا اثر دیکھا، تو انہوں نے فجر کی نماز دوبارہ پڑھی لیکن مقتدیوں کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ لہذا امام محدث ہو یا جنبی ہو۔ اور اس نے نماز پڑھادی ہو تو امام شافعی کے نزدیک مقتدی پر اعادہ نہیں ہے۔ امام مالک اور امام احمد کا بھی یہی مذہب ہے، یہ تینوں امام اس مسئلہ میں متفق ہیں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ پتہ چلنے کے بعد نماز کا اعادہ ضروری ہے۔ ہاں اگر رکن چھوڑ دے تو امام مالک اور امام احمد کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کی نماز باطل ہو گی۔ کیونکہ رکن چھوڑنے سے امام کی نماز باقی نہیں رہی، تو مقتدی کی اقتداء کس چیز میں ہے؟ امام شافعی کہتے ہیں کہ مقتدی کی نماز ہو جائے گی جبکہ اس نے وہ رکن ادا کیا ہو جو امام نے چھوڑا ہے، احناف کے ہاں اس کا تعلق سنن و مستحبات سے ہے یا اوقات سے ہے کہ آنیوالے اُمراء بے وقت نمازیں پڑھیں گے، اور نمازوں کو اپنے اوقات سے متاخر کر دیں گے۔ ان کے ہاں اس کا تعلق ارکان سے نہیں ہے۔ لیکن حافظ رحمہ اللہ نے مسند احمد کے حوالے سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ ”فان صلوا الصلوة لوقتها فأتموا الركوع والسجود فهي لكم ولهم[2]“ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا تعلق ارکان سے بھی ہے۔ باقی تین ائمہ کے نزدیک اسکا تعلق جنابت یا حدث سے ہے کہ جماعت کرانے کے بعد اس کا علم ہو تو مقتدی کی نماز ہو جائے گی، اس پر ان کا اتفاق ہے۔ اور اگر نماز کے دوران اسکا علم ہو جائے تو امام احمد کے نزدیک بناء کر لے، یعنی علم ہونے پر اس کی اقتداء چھوڑ کر اپنی الگ نماز شروع کر لے اور اگر نماز پڑھنے کے بعد پتہ چلے تو اسکی نماز صحیح ہو گی۔

اگر امام فاسق و فاجر ہو یا بدعت اعتقادی کا مرتکب ہو تو اس کا ذکر عنقریب آرہا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کے نزدیک اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ امام احمد کا بھی ایک قول یہ ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز نہیں ہوتی دوسرا قول ہے کہ ہو جاتی ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بھی فاسق کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے لیکن اسے امام نہیں بنانا چاہیئے۔ امام بہتر اور پسندیدہ ہونا چاہیے۔ اور اگر کہیں ایسا شخص امام ہے تو اس کے پیچھے نماز ہو جائے گی جیسے حجاج کے پیچھے لوگ نماز پڑھتے تھے حالانکہ اسے سب لوگ ظالم اور فاسق کہتے تھے۔ بخاری کا مسلک بھی یہی ہے کہ نماز جائز ہے اگرچہ وہ فاسق ہو لیکن اگر اس کا اعتقاد کافروں والا ہے پھر اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔

۵۶- بَابُ إِمَامَةِ الْمَفْتُونِ وَالْمُبْتَدِعِ:

باب: باغی اور بدعتی کی امامت کا بیان

وَقَالَ الْحَسَنُ: صَلِّ وَعَلَيْهِ بِدْعَتُهُ.

اور بدعتی کے متعلق امام حسن بصری رحمہ اللہ نے کہا کہ تو اس کے پیچھے نماز پڑھ لے اس کی بدعت اس کے سر رہے گی۔

۶۹۵ قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَقَالَ لَنَا: مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنَا

---

[1] موطا مالک ۸۰ ج ۱ ص ۴۹۔

[2] مسند احمد ۱۷۳۲۳ ج ۲۸ ص ۵۶۰۔

الزُّهْرِيُّ، عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ خِيَارٍ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ وَهُوَ مَحْصُورٌ، فَقَالَ: إِنَّكَ إِمَامُ عَامَّةٍ، وَنَزَلَ بِكَ مَا نَرَى، وَيُصَلِّي لَنَا إِمَامُ فِتْنَةٍ وَنَتَحَرَّجُ، فَقَالَ: «الصَّلَاةُ أَحْسَنُ مَا يَعْمَلُ النَّاسُ، فَإِذَا أَحْسَنَ النَّاسُ فَأَحْسِنْ مَعَهُمْ، وَإِذَا أَسَاءُوا فَاجْتَنِبْ إِسَاءَتَهُمْ»، وَقَالَ الزُّبَيْدِيُّ: قَالَ الزُّهْرِيُّ: لَا نَرَى أَنْ يُصَلَّى خَلْفَ الْمُخَنَّثِ إِلَّا مِنْ ضَرُورَةٍ لَا بُدَّ مِنْهَا.

امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ ہم سے محمد بن یوسف فریابی نے کہا کہ ہم سے امام اوزاعی نے بیان کیا، کہا ہم سے امام زہری نے حمید بن عبدالرحمٰن سے نقل کیا۔ انہوں نے عبیداللہ بن عدی بن خیار سے کہ وہ خود عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ جب کہ باغیوں نے ان کو گھیر رکھا تھا۔ انہوں نے کہا کہ آپ ہی عام مسلمانوں کے امام ہیں مگر آپ پر جو مصیبت ہے وہ آپ کو معلوم ہے۔ ان حالات میں باغیوں کا مقررہ امام نماز پڑھا رہا ہے۔ ہم ڈرتے ہیں کہ اس کے پیچھے نماز پڑھ کر گنہگار نہ ہو جائیں۔ عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب دیا نماز تو جو لوگ کام کرتے ہیں ان کاموں میں سب سے بہترین کام ہے۔ تو وہ جب اچھا کام کریں تم بھی اس کے ساتھ مل کر اچھا کام کرو اور جب وہ برا کام کریں تو تم ان کی برائی سے الگ رہو اور محمد بن یزید زبیدی نے کہا کہ امام زہری نے فرمایا کہ ہم تو یہ سمجھتے ہیں کہ ہیجڑے کے پیچھے نماز نہ پڑھیں۔ مگر ایسی ہی لاچاری ہو تو اور بات ہے جس کے بغیر کوئی چارہ نہ ہو۔



مفتون سے مراد وہ شخص ہے جو امام کی بغاوت کے فتنہ میں مبتلا ہو، مطلب یہ ہے کہ کیا باغی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ بعض نے اسے عام رکھا ہے کہ خواہ باغی ہو یا کوئی اور فتنہ کا کام کرے۔ اور "مبتدع" سے مراد وہ شخص ہے جو اہل سنت کے اعتقاد کے خلاف کوئی عقیدہ رکھنے والا ہو، جیسے خارجی، رافضی اور مرجئی ہو ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے؟ اس میں اختلاف ہے، شافعی کہتے ہیں کہ نماز ہو جاتی ہے بشرطیکہ ان کی بدعت مکفرہ نہ ہو، اگر ان کی بدعت مکفرہ ہو تو پھر ان کے پیچھے نماز نہیں ہوتی۔ شوکانی کے نزدیک پھر بھی نماز ہو جاتی ہے۔

کیونکہ ہر ایک مبالغہ کرتے ہوئے دوسرے کو کافر کہہ دیتا ہے، اگر منع کر دیا جائے پھر تو کسی کے پیچھے نماز نہ ہوئی لیکن شوکانی کا مذہب اجماع کے خلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ بدعتِ مکفرہ کے مرتکب کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور بدعت مکفرہ نہ ہو تو اس کے مرتکب کے پیچھے بھی امام مالک کے نزدیک نماز نہیں ہوتی۔ امام احمد کا بھی یہی قول ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہو جاتی ہے۔ حنفی مکروہ سمجھتے ہیں۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ ہماری کتابوں میں مکروہ لکھا ہے لیکن اس سے مراد مکروہ تحریمی لینا چاہیئے۔ تاکہ ہم مالکیوں کے قریب ہو جائیں۔ اور مالکی حرام سمجھتے ہیں کہ بدعتی کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں ہے۔ حدیث میں ہے "صلوا خلف کل برّ و فاجر[1]" لیکن یہ حدیث ضعیف ہے کیونکہ مکحول کا ابوہریرۃ سے



[1] سنن دارقطنی ۱۷۶۸ ج ۲ ص ۴۰۴۔

سماع نہیں ہے۔صحابہ کرام کاعمل بھی بتاتا ہے کہ فاسق کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے۔امام احمد کا ایک قول ہے کہ اگر وہ اپنی بدعت کا اعلان کرتا ہو تو اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی اور اگر اعلان نہ کرتا ہو تو ہو جاتی ہے۔اسی طرح شرابی اور زانی کے پیچھے بھی نماز نہیں ہوتی۔

"قوله صل وعليه بدعته اى عليه اثم بدعته.قوله قال لنامحمد بن يوسف"امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ حدیث محمد بن یوسف فریابی سے مذاکرہ کی صورت میں اخذ کی ہے یا مناولہ یا اجازہ یا عرض کی صورت میں لی ہے اس لئے "قال" سے تعبیر کیا ہے۔

"قوله امام عامة اى امام جماعة.قوله امام فتنة اى رئيس فتنة" یہ امام فتنہ عبدالرحمن بن عدیس بلوی ہے جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والے مصریوں میں سے ایک تھا یا اس سے مراد کنانہ بن بشر ہے جو ان کے رؤساء میں تھا اور انہیں نماز پڑھاتا تھا۔

"قوله الصلوة أحسن مايعمل الناس"بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کے ساتھ نماز پڑھنے کی اجازت دی ہے، یعنی اگر وہ نیکی کا کام کرے تو اس میں اس کی موافقت کر، اور اس کے فتنہ سے دور رہ، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا محاصرہ کرنے والے لوگ مجرم اور باغی تھے بلکہ انہیں کافر کہا جائے تو بعید نہیں ہے۔بعض نرمی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مناقب ابھی مشہور نہیں ہوئے تھے۔اس بنا پر وہ معذور ہو سکتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کافر نہیں کہا تھا بلکہ فاسق سمجھا تھا اور فاسق کے پیچھے ان کے نزدیک نماز ہوجاتی ہے۔مالکیوں کے نزدیک نہیں ہوتی۔وہ کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جواب اسلوبِ حکیم کی صورت میں دیا ہے ان کا مطلب یہ تھا کہ احسن نماز وہ ہوتی ہے جو فتنہ پرور امام نہ پڑھائے کوئی دوسرا پڑھائے اس لئے فرمایا "فاذا أحسن الناس فأحسن معهم [1]" جب لوگ اچھا اور نیکی کا کام کریں تو تم بھی ان کے ساتھ وہ نیکی کا کام کرو، اور فتنہ والوں کا نماز پڑھانا کوئی اچھا کام نہیں ہے۔لہذا اس میں ان کے ساتھ شامل نہ ہو وو، یہ ان کا مقصد تھا، مالکی اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں۔کیونکہ مالکیوں کے نزدیک فاسق و فاجر کے پیچھے نماز نہیں ہوتی، جبکہ کافر کے پیچھے تو کسی کے نزدیک نہیں ہوتی۔حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے انہیں کافر نہیں سمجھا بلکہ یہ خیال کیا کہ مال کے بارہ میں پروپیگنڈہ زیادہ ہوا ہے۔اس سے متاثر ہو کر یہ لوگ آگئے ہیں اس لئے انہیں معذور سمجھا۔بہرصورت وہ باغی تو تھے اور باغی اور عاصی کے پیچھے ان کے ہاں نماز ہو جاتی ہے، جبکہ حقیقت حال یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والا کافر ہے، کیونکہ ان کے مناقب تواتر کو پہنچ گئے ہیں، جن کا انکار کفر ہے جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے خوارج کے متعلق پوچھا گیا جو ان کی مخالفت کرتے تھے کہ کیا یہ لوگ کافر ہیں انہوں نے کہا "من الكفر فرّوا" وہ کفر سے بچنے کے لئے تو مجھے کافر کہتے ہیں تا کہ ہم کافر نہ ہو جائیں اس لئے وہ کافر نہیں ہیں۔حالانکہ خارجیوں کے بارہ میں اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ وہ کافر ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ وہ مسلمان ہیں لیکن یہ شاذ قول ہے۔بعض علماء نے کہا ہے کہ خارجی بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ جو متواترات کا انکار کرتے ہیں یہ تو کافر

شرح بخاری

---

[1] صحیح بخاری ۶۹۵ ج ا ص ۱۴۱۔

ہیں۔ اس لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو برا کہنے والے کافر ہیں۔ کیونکہ حضرت علی کے مناقب درجہ تواتر کو پہنچ گئے ہیں ان کا انکار کفر ہے اور جن کو ان کے مناقب تواتر سے نہیں پہنچے تھے اور غلط فہمی کی بنا پر ان سے مخالفت کرتے اور کافر کہتے تھے انہیں کافر نہیں کہہ سکتے۔ جیسا کہ تحکیم کے مسئلہ میں مخالفت کرنے والے کہتے تھے کہ انہوں نے لوگوں کو حاکم بنالیا ہے "إن الحكم إلا لله ①" حکم تو اللہ تعالی کے لئے ہے، یہ ان کو غلط فہمی ہوگئی تھی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کہتے تھے "كلمة حق أريد به الباطل" ان کے بارہ میں کہا "من الكفر فرّوا" ان لوگوں نے کفر سے بچنے کے لئے تو یہ سارا کام کیا ہے۔ اس لئے ہم ان کو کافر نہیں کہہ سکتے۔

"قوله خلف المخنث إلا من ضرورة" المخنث نون کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ منقول ہے۔ اگر نون مکسور ہو تو اس سے مراد وہ شخص جس میں تکسر اور تثنی اور عورتوں سے تشبہ ہو اور اس میں عورتوں جیسی عادتیں ہوں، اور فتحہ کے ساتھ اس سے مراد وہ ہے جو لواطت کراتا ہو، اس کے پیچھے نماز نہیں ہوتی مگر ضرورت کے وقت ہو جاتی ہے اور ضرورت سے مراد یہ ہے کہ وہ حاکم بن گیا ہو جسے ہم پیچھے نہیں کر سکتے۔ زہری کا خیال ہے کہ ایسی صورت میں اس کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے اگرچہ وہ فاسق ہو ویسے اسے امام مقرر نہیں کرنا چاہیئے۔ چونکہ مخنث فتنہ کا باعث بنتا ہے اس لئے بخاری رحمہ اللہ نے اسے اس باب میں ذکر کیا ہے۔



٦٩٦ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ أَبَانَ، حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، عَنْ شُعْبَةَ عَنْ أَبِي التَّيَّاحِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي ذَرٍّ: «اسْمَعْ وَأَطِعْ وَلَوْ لِحَبَشِيٍّ كَأَنَّ رَأْسَهُ زَبِيبَةٌ».

ہم سے محمد بن ابان نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے غندر محمد بن جعفر نے بیان کیا شعبہ سے، انہوں نے ابوالتیاح سے، انہوں نے انس بن مالک سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوذر سے فرمایا (حاکم کی) سن اور اطاعت کر۔ خواہ وہ ایک ایسا حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو جس کا سر منقے کے برابر ہو۔

شرح بخاری

"قوله ولو حبشي كأن رأسه زبيبة أي ولو كان الأمر لحبشي أو لو كان الطاعة لحبشي" اس کی ترجمہ باب سے مطابقت یہ ہے کہ یہ صفات عام طور پر نو مسلم میں پائی جاتی ہیں جو دین سے جاہل ہوتا ہے۔ اور ایسا شخص بدعات کا ارتکاب کرتا ہے یا فتنہ میں مبتلا ہوتا ہے۔ اس کی سمع و طاعت کا حکم ہے اور اس کی امامت میں نماز ادا کرنا بھی اس میں داخل ہے۔

"قوله كأن رأسه زبيبة" یعنی جس کا سر منقّے کی طرح ہے تو ایسا شخص احمق ہوگا۔ ایسا شخص اگر غلبے سے امام بن جائے تو فاسق بھی ہوا جسکی اطاعت کا حکم ہے، گویا فاسق اور احمق کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے، کیونکہ امیر ہی امام ہوتا ہے شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بدعات کو سنت سمجھ کر کرنے والا حقیقی بدعتی ہوتا ہے اگر سنت سمجھ کر نہ کرے تو مبتدع حقیقی نہیں بلکہ حکمی بدعتی ہوتا ہے۔ ایسے ہی جو لوگ تقلید کو سنت ہی نہیں بلکہ واجب سمجھ کر کرتے ہیں وہ مبتدع

① سورۃ یوسف: ٤٠۔

ہو جائیں گے۔

٥٧-بَابُ يَقُومُ عَنْ يَمِينِ الإِمَامِ بِحِذَائِهِ سَوَاءً إِذَا كَانَا اثْنَيْنِ:

باب: جب صرف دو ہی نمازی ہوں تو مقتدی امام کے دائیں جانب اس کے برابر کھڑا ہو

٦٩٧ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ. قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، قَالَ: سَمِعْتُ سَعِيدَ بْنَ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «بِتُّ فِي بَيْتِ خَالَتِي مَيْمُونَةَ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعِشَاءَ، ثُمَّ جَاءَ فَصَلَّى أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ نَامَ، ثُمَّ قَامَ فَجِئْتُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى خَمْسَ رَكَعَاتٍ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ نَامَ حَتَّى سَمِعْتُ غَطِيطَهُ أَوْ قَالَ خَطِيطَهُ، ثُمَّ خَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے حکم سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے سعید بن جبیر سے سنا، وہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کرتے تھے کہ انہوں نے بتلایا کہ ایک رات میں اپنی خالہ ام المؤمنین میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر رہ گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عشاء کی نماز کے بعد جب ان کے گھر تشریف لائے تو یہاں چار رکعت نماز پڑھی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے پھر نماز (تہجد کے لیے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے (اور نماز پڑھنے لگے) تو میں بھی اٹھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں طرف کھڑا ہو گیا، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی داہنی طرف کر لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانچ رکعت نماز پڑھی۔ پھر دو رکعت (سنت فجر) پڑھ کر سو گئے اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹے کی آواز بھی سنی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز کے لیے برآمد ہوئے۔

٥٨-بَابُ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الإِمَامِ، فَحَوَّلَهُ الإِمَامُ إِلَى يَمِينِهِ لَمْ تَفْسُدْ صَلَاتُهُمَا:

باب: اگر کوئی شخص امام کے بائیں طرف کھڑا ہو اور امام اسے پھر دائیں طرف کر لے تو دونوں میں سے کسی کی بھی نماز فاسد نہیں ہو گی

٦٩٨ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ وَهْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَمْرٌو، عَنْ عَبْدِ رَبِّهِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ مَخْرَمَةَ بْنِ سُلَيْمَانَ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «نِمْتُ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَهَا تِلْكَ اللَّيْلَةَ فَتَوَضَّأَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي فَقُمْتُ عَلَى يَسَارِهِ فَأَخَذَنِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً، ثُمَّ نَامَ حَتَّى نَفَخَ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ ثُمَّ أَتَاهُ الْمُؤَذِّنُ فَخَرَجَ فَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ»، قَالَ عَمْرٌو: فَحَدَّثْتُ بِهِ بُكَيْرًا، فَقَالَ: حَدَّثَنِي كُرَيْبٌ بِذَلِكَ.

ہم سے احمد بن صالح نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبداللہ بن وہب نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عمرو بن حارث مصری نے عبدربہ بن سعید سے بیان کیا، انہوں نے مخرمہ بن سلیمان سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کریب سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے۔ آپ نے بتلایا کہ میں ایک رات ام المؤمنین میمونہ کے ہاں سو گیا۔ اس رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی وہیں سونے کی باری تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکڑ کر دائیں طرف کر دیا۔ پھر تیرہ رکعت (وتر سمیت) نماز پڑھی اور سو گئے۔ یہاں تک کہ خراٹے لینے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے۔ پھر مؤذن آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد (فجر کی) نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔ عمرو نے بیان کیا میں نے یہ حدیث بکیر بن عبداللہ کے سامنے بیان کی تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حدیث مجھ سے کریب نے بھی بیان کی تھی۔

یعنی امام کے ساتھ مقتدی ایک ہو اور وہ امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے اور امام اسے حرکت دیکر اپنی دائیں جانب کھڑا کر لے تو اتنی حرکت سے کسی کی نماز باطل نہیں ہوگی کیونکہ یہ حرکت اصلاحی ہے، دوسری چیز یہ بھی ہے کہ امام جب مقتدی کو کھینچ کر دائیں جانب لائے گا تو مقتدی امام کے پیچھے اکیلا ہو کر آئیگا اور اکیلا کھڑا ہونے والے کی نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن یہ اکیلا ہونا عارضی ہے اس لئے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے دو باب قائم کئے ہیں ایک یہ باب ہے اور ایک اس سے قبل۔ ایک میں فعل کی طرف اشارہ ہے اور دوسرے میں یہ اشارہ ہے کہ تھوڑی دیر پیچھے ہو جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

٥٩- بَابُ إِذَا لَمْ يَنْوِ الإِمَامُ أَنْ يَؤُمَّ ثُمَّ جَاءَ قَوْمٌ فَأَمَّهُمْ [1]:

[1] یہ باب دو اختلافی مسائل کو متضمن ہے ایک یہ کہ جو شخص شروع نماز میں امامت کی نیت نہ کرے تو غیر کا اس کی اقتداء کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ امام مالک، شافعی، ثوری اور امام احمد کی ایک روایت بھی یہ ہے کہ یہ جائز ہے، امام کا امامت کی نیت کرنا شرط نہیں ہے، بلکہ مقتدی کا منفرد کی اقتداء کی نیت کرنا جائز ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ جائز نہیں ہے، یہ امام احمد کا ظاہر مذہب ہے اور ایک قول ثوری کا بھی ہے، ان کا استدلال یہ ہے کہ نماز باجماعت عبادت ہے اور یہ عبادت امام اور مقتدی کے ساتھ ہی منعقد ہوتی ہے، لہٰذا یہ بغیر نیت کے حاصل نہیں ہو سکتی، کیونکہ حدیث میں ہے: انما الاعمال بالنیات۔ تیسرا قول یہ ہے کہ یہ نفلی نماز میں جائز ہے فرضی میں نہیں جس پر ابن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث دلالت کرتی ہے، جیسا کہ امام احمد کی روایت ہے۔ چوتھا قول یہ ہے کہ آدمی کی امامت میں نیت کی ضرورت نہیں ہے، لیکن عورت کی امامت کرانے میں نیت کی ضرورت ہے، یہ امام ابو حنیفہ اور صاحبین کا قول ہے۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ ایک شخص اکیلا تکبیر تحریمہ کہتا ہے پھر اس کے بعد کسی کی امامت کی نیت کرتا ہے تو اس میں بھی چند

باب: نماز شروع کرتے وقت امامت کی نیت نہ ہو، پھر کچھ لوگ آجائیں اور وہ ان کی امامت کرنے لگے (تو کیا حکم ہے)

٦٩٩ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «بِتُّ عِنْدَ خَالَتِي فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ، فَقُمْتُ أُصَلِّي مَعَهُ فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ بِرَأْسِي فَأَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابراہیم نے ایوب سختیانی سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن سعید بن جبیر سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہ آپ نے بتلایا کہ میں نے ایک دفعہ اپنی خالہ میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گذاری۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز میں شریک ہو گیا۔ میں (غلطی سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا تھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر پکڑ کے دائیں طرف کر دیا۔ (تاکہ صحیح طور پر کھڑا ہو جاؤں)۔

شرح بخاری

اس ترجمہ باب سے مراد یہ ہے کہ امام اکیلا نماز پڑھ رہا تھا، اس کی جماعت کرانے کی نیت نہیں تھی، بعد میں کچھ لوگ اس کے پیچھے آکر کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کی وجہ سے امام نے اونچی تکبیر کہنا شروع کر دی اور پچھلوں کو اونچی قراءت سنانا شروع کر دی، جس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اس نے ان کی اقتداء کی نیت کر لی ہے۔ تو اس کی امامت میں نماز درست ہے گویا شروع نماز میں ان کی امامت کی نیت کوئی ضروری نہیں ہے۔ اثناءِ صلوۃ بھی کوئی شخص آکر کھڑا ہو جائے اور وہ اس کا امام بن جائے تو جائز ہے، اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ اس باب کی حدیث میں ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے نماز شروع کی تھی تو ابن عباس رضی اللہ عنہ کی نیت نہیں کی تھی، کیونکہ اسے آپ سویا ہوا چھوڑ کر آئے تھے، لیکن جب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ آکر بائیں جانب کھڑے ہو گئے تو آپ نے اسے اپنی دائیں جانب کر لیا۔ گویا آپ نے ان کی امامت کی نیت کر لی تھی۔

اقوال ہیں۔ ایک قول کے مطابق یہ جائز نہیں ہے، کیونکہ امام کی نیت شروع نماز میں ہونی چاہیئے۔ دوسرا قول جواز کا ہے۔ جیسا کہ امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام مالک کا قول ہے کیونکہ ان کے ہاں امام کے لئے امامت کی نیت شرط نہیں ہے۔ تیسرا قول امام احمد کا ہے کہ یہ نفلی نماز میں جائز ہے فرضی میں نہیں۔ جیسا کہ عبداللہ بن عباس کی اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں بائیں سے دائیں طرف لاکر مقتدی کی جگہ پر کھڑا کیا تھا۔ اور اس پر عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث بھی دلالت کرتی ہے۔ جس میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے آدھی رات مسجد میں نمازِ تہجد شروع کی تو لوگ بھی آپ کی اقتداء میں نماز پڑھنے لگے، تین راتیں ایسا ہوا، چوتھی رات آپ ﷺ تشریف نہ لائے اور نماز فجر پڑھانے کے بعد فرمایا "خیشت ان تفرض علیکم فتعجزوا عنھا" صحیح بخاری ٢٠١٢۔ فتح الباری لابن رجب، ج ٤ صفحہ ١٩٨۔

٦٠- بَابُ إِذَا طَوَّلَ الإِمَامُ وَكَانَ لِلرَّجُلِ حَاجَةٌ فَخَرَجَ فَصَلَّى:

باب: اگر امام لمبی سورۃ شروع کر دے اور کسی کو کام ہو وہ اکیلے نماز پڑھ کر چل دے تو یہ کیسا ہے؟

اس ترجمہ باب سے مقصود یہ ہے کہ اگر امام نماز میں لمبی قراءت شروع کر دے اور اس کی اقتداء میں نماز پڑھنے والا مقتدی جلدی جانے والا ہو، اگر وہ امام کے ساتھ لمبی نماز پڑھے گا تو مثلاً قافلے سے رہ جائیگا یا وہ ایسا مسافر ہو کہ تاخیر کی وجہ سے گاڑی نکل جانے کا ڈر ہو اور وہ ایسے امام کی اقتداء چھوڑ کر اپنی نماز پڑھ کر چلا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ایسے امام کی اقتداء توڑنے کے بارہ میں علماء کے دو قول ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ پڑھی ہوئی نماز پر بناء رکھ کر اپنی نماز پوری کر کے چلا جائے اور بعض کے نزدیک اسکی اقتداء چھوڑنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز توڑ کر الگ ہو جائے اور اپنی نماز پڑھ کر چلتا بنے، نووی رحمہ اللہ نے "سَلَّمَ[1]" کا لفظ نقل کیا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھنے والے نے سلام پھیر دیا تھا گویا اس نے نماز توڑ دی اور الگ ہو کر اپنی نماز پڑھ لی تھی، لیکن دیگر علماء "سَلَّمَ" کے کلمہ کو شاذ قرار دیتے ہیں، جبکہ یہ لفظ شاذ ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے صف سے پیچھے ہٹ کر اسی پر بناء کر کے نماز مکمل کر لی، بخاری رحمہ اللہ نے بھی سلام سے تعرض نہیں کیا، بخاری نے فخرج فصلي کا لفظ استعمال کیا ہے خَرَجَ کا معنی خَرَجَ عن الصفِّ بھی ہو سکتا ہے۔ اور اس سے مراد خَرَجَ عن القدوة بھی ہو سکتا ہے، مسلم میں "سَلَّمَ" کا لفظ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز سے ہی نکل گیا تھا۔

٧٠٠ حَدَّثَنَا مُسْلِمٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ. «أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ».

ہم سے مسلم بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے عمرو بن دینار سے بیان کیا، انہوں نے جابر بن عبداللہ سے کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے پھر واپس آ کر اپنی قوم کی امامت کیا کرتے تھے۔

یہ مسلم بن ابراہیم ہے جسکی روایت شعبہ سے مختصر ہے امام بخاری اسے علو اسناد کی بنا پر لائے ہیں اور اس میں اس نماز کی صراحت بھی نہیں ہے جو حضرت معاذ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے پڑھتے تھے جبکہ اس کے بعد آنے والی حدیث جو محمد بن بشار سے مروی ہے اس میں عشاء کی نماز کی صراحت ہے جو وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھ کر پھر اپنی قوم کو پڑھاتے تھے، گویا معاذ عشاء آخرۃ نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں پڑھنے پر ہمیشگی کرتے تھے اور پھر وہی نماز اپنی قوم کی مسجد میں آ کر پڑھاتے تھے کیونکہ منصور کی روایت میں "فيصلي بهم تلك الصلوة[2]" آتا ہے اور الأدب میں "فيصلي بهم الصلوة" وارد ہے جس سے مراد صلوۃ مذکورہ ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے تھے

[1] صحیح مسلم (١٧٨) ٤٦٥ ج ١ ص ٣٣٩۔

[2] صحیح مسلم (١٨٠) ٤٦٥

جو وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ پڑھ کر آتے تھے۔ اور اس سے ان لوگوں کا رد ہوتا ہے جو کہتے ہیں کہ وہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک نماز پڑھتے تھے اور اپنی قوم بنوسلمہ کو اس کے علاوہ دیگر نماز پڑھاتے تھے۔

٧٠١ حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرٍو، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: «كَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَرْجِعُ فَيَؤُمُّ قَوْمَهُ، فَصَلَّى الْعِشَاءَ فَقَرَأَ بِالْبَقَرَةِ فَانْصَرَفَ الرَّجُلُ، فَكَأَنَّ مُعَاذًا تَنَاوَلَ مِنْهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: فَتَّانٌ، فَتَّانٌ، فَتَّانٌ، ثَلَاثَ مِرَارٍ، أَوْ قَالَ: فَاتِنًا، فَاتِنًا، فَاتِنًا، وَأَمَرَهُ بِسُورَتَيْنِ مِنْ أَوْسَطِ الْمُفَصَّلِ». قَالَ عَمْرٌو: لَا أَحْفَظُهُمَا.

(دوسری سند) اور مجھ سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے غندر محمد بن جعفر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے عمرو سے بیان کیا، کہا کہ میں نے جابر بن عبد اللہ انصاری سے سنا، آپ نے فرمایا کہ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ (فرض) نماز پڑھتے پھر واپس جا کر اپنی قوم کے لوگوں کو (وہی) نماز پڑھایا کرتے تھے۔ ایک بار عشاء میں انہوں نے سورۃ البقرہ شروع کی۔ (مقتدیوں میں سے) ایک شخص نماز توڑ کر چل دیا۔ معاذ رضی اللہ عنہ اس کو برا کہنے لگے۔ یہ خبر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی (اس شخص نے جا کر معاذ کی شکایت کی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو فرمایا تو بلا میں ڈالنے والا ہے، بلا میں ڈالنے والا، بلا میں ڈالنے والا تین بار فرمایا۔ یا یوں فرمایا کہ تو فسادی ہے، فسادی، فسادی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ کو حکم فرمایا کہ مفصل کے بیچ کی دو سورتیں پڑھا کرے۔ عمرو بن دینار نے کہا کہ مجھے یاد نہ رہیں (کہ کون سی سورتوں کا آپ نے نام لیا۔)

شرح بخاری

احناف کا خیال یہ ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے نفل نماز پڑھتے تھے اور اپنی قوم کو جا کر فرض پڑھاتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ انہوں نے جا کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ہوئے سورۃ بقرہ شروع کر دی، ایک آدمی نے لمبی سورت شروع کرنے کی وجہ سے صف سے پیچھے ہٹ کر اپنی نماز الگ پڑھ لی، اور چلتا بنا، نماز سے فارغ ہو کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے کہا۔ نماز سے پیچھے ہٹنے والا شخص منافق ہے۔ اس آدمی نے نبی اکرم ﷺ کے پاس جا کر اس کی شکایت کی تو آپ نے حضرت معاذ کو بلا کر فرمایا کیا تو لوگوں کو فتنہ میں ڈالنا چاہتا ہے۔ اور آپ نے اسے سورۃ الشمس اور سورۃ الاعلی جیسی سورتیں پڑھنے کا حکم دیا۔

بعض حافظ قرآن صلوۃ التراویح پڑھانے والے آدھا پارہ نماز عشاء میں پڑھ دیتے ہیں باقی آدھا پارہ نماز تراویح میں پڑھ دیتے ہیں یہ بھی غلط طریقہ ہے، بلکہ منع ہے۔ کیونکہ عشاء کی نماز فرض ہے۔ اور نماز تراویح سنت ہے۔ اور بعض بیمار لوگ عشاء کی نماز باجماعت پڑھنے کے لئے آتے ہیں۔ اور لمبی قراءت کی وجہ سے وہ فرض نماز میں شمولیت بھی چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ عذر یا بیماری کی وجہ سے ان کے لئے لمبا قیام دشوار ہو جاتا ہے۔ خیر: احناف کے ہاں ان کی نماز

نفلی ہوتی تھی اور قوم کو فرض پڑھاتے تھے۔ ان سے کہا جائے کہ تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ وہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے پیچھے نفل پڑھتے تھے؟ تو کہتے ہیں کہ تمہیں کیسے پتہ چل گیا کہ فرض پڑھتے تھے اور قوم کو نفل پڑھاتے تھے؟ جس طرح تمہیں پتہ نہیں، ہمیں بھی پتہ نہیں۔ ایک جیسے ہو گئے، اگرچہ نماز عشاء کی تھی لیکن نیت کا کوئی پتہ نہیں ہے، ایک روایت میں آتا ہے "هي له تطوع ولهم فريضة [1]" طحاوی نے کہا ہے کہ یہ روایت ابن جریج کی ہے۔ اور ابن جریج کا یہ مذہب تھا کہ مفترض، متنفل کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ مدرج ہے اگر کہا جائے کہ یہ لفظ جابر رضی اللہ عنہ کا ہے تو جابر رضی اللہ عنہ کو کیسے پتہ چلا کہ وہ متنفل تھے، ایسی بات طحاوی نے کر دی ہے حالانکہ ظاہر یہی ہے کہ حدیث میں آنے والا لفظ جابر رضی اللہ عنہ کا ہے۔ جیسا کہ مصنف عبدالرزاق، طحاوی، دارقطنی میں ابن جریج کے طریق سے مروی ہے وہ عمرو بن دینار سے اور وہ حضرت جابر سے روایت کرتے ہیں اس میں یہ زائد لفظ بھی ہیں "هي له تطوع ولهم فريضة" یہ صحیح حدیث ہے عبدالرزاق کی روایت میں ابن جریج کے سماع کی صراحت بھی ہے، لہذا تدلیس کا احتمال بھی باقی نہ رہا، اور بلا دلیل ادراج کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا۔

طحاوی نے کہا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ معاذ کی نماز نفلی ہوتی تھی تو وہ اس وقت اپنی قوم کو وہی نماز پڑھاتے تھے، جبکہ ایک نماز کو دو دفعہ پڑھنا جائز تھا۔ اس کے بعد آپ نے "لا تصلوا صلوة في يوم مرتين [2]" کہہ کر دو دفعہ نماز پڑھنے سے روک دیا تھا۔ حالانکہ "لا تصلوا صلوة مرتين" کا مطلب یہ ہے کہ ایک نماز فرض کی نیت سے دو مرتبہ نہ پڑھا کرو، لیکن حضرت معاذ پہلی مرتبہ فرض کی نیت سے پڑھتے تھے اور اپنی قوم کو پڑھاتے ہوئے نفل کی نیت سے پڑھایا کرتے تھے۔ لہذا حضرت معاذ کا عمل اس حدیث کی ممانعت میں داخل نہیں ہے۔



تیسرا جواب یہ دیا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام نے معاذ کو منع کر دیا تھا اور فرمایا تھا "اما أن تصلي معي و إما أن تخفف على قومك [3]" طحاوی نے اسکا معنی یہ کیا ہے "اما أن تصلي معنا فلا تصل بقومك وإما أن تخفف" یعنی یا تو ہمارے ساتھ نماز پڑھ اور اپنی قوم کو نہ پڑھا یا ان کو پڑھا اور تخفیف کیا کر، یعنی ایک جگہ ہی نماز پڑھا کر، اگرچہ معاذ کی نماز نفلی تھی۔ لیکن آپ کو علم نہیں تھا، جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے منع کر دیا، حافظ نے اسکا یہ معنی کیا ہے کہ یا تو ہمارے ساتھ نماز پڑھا کر اور ان کو نہ پڑھا اور اگر ہمارے ساتھ پڑھ کر ان کو بھی پڑھانی ہے تو تخفیف کیا کر۔ یہ معنی موزوں ہے کیونکہ احادیث میں دوبارہ نماز کی اجازت دی گئی ہے۔



مالکیوں کا مذہب بھی حنفیوں کی طرح ہے وہ کہتے ہیں کہ حدیث میں آیا ہے کہ امام کی مخالفت نہ کرو، جب امام رکوع میں جائے پھر تم رکوع میں جاؤ جب وہ سجدہ کرے پھر تم سجدہ میں جاؤ، جب افعال میں اسکی مخالفت جائز نہیں ہے تو نیت کا معاملہ اس سے اہم ہے اس میں بالاولیٰ امام کی موافقت ہونی چاہیئے اور اسکی مخالفت سے بچنا چاہیئے۔



---

1. شرح معانی الآثار ۲۳۶۰ ج ۱ ص ۴۰۹۔
2. سنن أبي داود ۵۷۹ ج ۱ ص ۱۵۸۔
3. مسند احمد ۲۰۶۹۹ ج ۳۴ ص ۳۰۷۔

انور شاہ نے عجیب بات بنائی ہے۔ اس نے کہا ہے کہ معاذ، نبی کریم علیہ السلام کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھتے تھے، جیسا کہ ترمذی میں آتا ہے اور اپنی قوم کو جا کر عشاء کی نماز پڑھاتے تھے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ انہوں نے عشاء کی نماز نبی کریم علیہ السلام کے پیچھے پڑھی پھر جا کر اپنی قوم کو پڑھائی، اس دن آپ نے اسے منع کر دیا، آپ کے پیچھے عشاء کی نماز پڑھنا اس کی عادت نہیں تھی، بلکہ وہ آپ کے پیچھے مغرب کی نماز پڑھتا تھا جیسا کہ ترمذی میں ہے "كان يصلي مع رسول الله ﷺ المغرب[1]" ایک دن اتفاق ایسا ہوا کہ عشاء کی نماز پڑھی اور پھر جا کر قوم کو پڑھائی۔ نبی کریم علیہ السلام کو پتہ چلا تو آپ نے اس سے منع کر دیا، حالانکہ احادیث میں "فيصلي بهم تلك الصلوة[2]" آتا ہے کہ وہ عشاء کی نماز آپ کے پیچھے پڑھ کر پھر وہی نماز اپنی قوم کو پڑھاتا تھا۔ بعض حنفی اسکی تاویل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تلك الصلوة سے مراد یہ ہے کہ اسی طرح کی لمبی نماز پڑھاتا تھا یہ مطلب نہیں کہ وہی نماز پڑھاتا تھا، حالانکہ اس پر اعتراض یہ ہے کہ اگر نبی اکرم ﷺ بھی لمبی چوڑی نماز پڑھاتے تھے ویسے ہی معاذ لمبی نماز پڑھاتا تھا، تو اس پر اعتراض کیا ہی نہیں جا سکتا، کیونکہ وہ نبی اکرم ﷺ کی طرح ہی لمبی نماز پڑھاتا تھا، اسکا جواب نہیں دیا، لیکن اس کا جواب انکی طرف سے یہ دیا جا سکتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے پیچھے اتنی لمبی نماز لوگ برداشت کر لیتے تھے لیکن حضرت معاذ کے پیچھے برداشت نہیں کر سکتے تھے اس لئے اعتراض کر دیا۔ مگر اس کا رد یہ ہے کہ نبی کریم علیہ السلام خود بھی لوگوں کو نماز پڑھاتے ہوئے تخفیف کو اختیار کرتے تھے۔ جیسا کہ كان يحب التخفيف آتا ہے بلکہ تخفیف کا حکم دیتے تھے، عشاء کی نماز میں آپ اوساط سورتیں پڑھا کرتے تھے۔ ہاں صبح کی نماز اور ظہر کی نماز لمبی ہوتی تھی ہدایہ میں بھی ہے کہ ظہر کی نماز فجر کی نماز کی طرح ہے۔ شاہ ولی اللہ نے حجۃ اللہ البالغۃ میں نقل کیا ہے کہ حدیث میں آتا ہے کہ صحابہ کرام کہتے ہیں، ہم حاجت انسانی کے لئے چلے جاتے جب واپس آتے تو لوگ ابھی پہلی رکعت میں ہی ہوتے تھے۔ لیکن عشاء کی نماز میں لمبی قراءت نہیں ہونی چاہیئے کیونکہ اس کے بعد سونے کا وقت ہوتا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے اعادہ کا مسئلہ شروع کر دیا ہے۔ یہ غلطی ہے کیونکہ یہ اعادہ کا مسئلہ نہیں ہے۔ اعادہ تب ہوتا ہے جبکہ نماز میں کوئی کمی پیدا ہو جائے اس کمی کو پورا کرنے کے لئے دوبارہ نماز پڑھی جائے، مثلاً نماز میں کسی واجب کو چھوڑ دیا جائے تو اعادہ واجب کا واجب ہوتا ہے۔ لیکن اگر یہاں عشاء کی نماز پڑھے، دوسری جگہ جا کر لوگوں کو عشاء کی نماز پڑھائے تو یہ اعادہ نہیں ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ہم اعادہ کے قائل نہیں ہیں۔ حالانکہ حنفی بھی اعادہ کے قائل ہیں۔ عصر اور فجر کے بعد چونکہ نفلی نماز نہیں ہے ان میں ہم اعادہ کے قائل نہیں ہیں۔ اور مغرب کی نماز چونکہ تین رکعت ہے۔ اور نفل تین رکعات نہیں ہوتے اس لئے اس میں بھی اعادہ کے قائل نہیں ہیں۔ ہاں ظہر اور عشاء کی نماز کوئی شخص پڑھ کر آئے تو ان میں جماعت پالے تو جماعت میں شامل ہو سکتا ہے۔

شوافع کے نزدیک ساری نمازوں میں شامل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے کہ دو آدمی گھر میں نماز پڑھ کر

---

(1) ترمذی ۵۸۳ ج ۱ ص ۲۳۷۔

(2) مسلم (۱۸۰) ۴۶۵ ج ۱ ص ۳۴۰۔

مسجد میں آئے اور جماعت سے پیچھے بیٹھے رہے۔ آپ نے ان سے اسکی وجہ پوچھی تو انہوں نے کہا کہ ہم گھر میں نماز پڑھ کر آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو، کسی وجہ سے اکیلے نماز پڑھی ہو پھر جماعت کو پالو، تو جماعت کے ساتھ نماز میں شامل ہو جایا کرو، آپ نے فجر کی نماز میں بھی شامل ہونے کا حکم دیا ہے۔ جس حدیث میں مغرب کی نماز پڑھنے کا ذکر ہے حافظ نے اسکا جواب دیا ہے کہ یا تو تعدد قصہ پر محمول ہے یا مجازاً اس میں مغرب سے مراد عشاء ہے ورنہ تعارض لازم آئے گا اور تعارض کی صورت میں صحیحین کی حدیث کو ترجیح حاصل ہوتی ہے۔ جبکہ مسلم میں صراحت کے ساتھ یہ لفظ مذکور ہے "كان يصلي مع رسول الله ﷺ العشاء ثم يؤم قومه[1] تلك الصلوة" میری (محدث گوندلوی رحمہ اللہ کی) رائے میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی قوم بنو سلمہ وہ مغرب کی نماز پڑھتے ہی نبی اکرم ﷺ کے پیچھے تھے اور معاذ رضی اللہ عنہ بھی مغرب آپ کے پیچھے پڑھتے تھے جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہم مغرب کی نماز آپ کی اقتداء میں پڑھتے تھے پھر تیر اندازی کرتے اور جہاں تیر گرتا نظر آجاتا تھا، یہ واقعہ بنو سلمہ کا ہے جو معاذ کی قوم تھی، لیکن یہ سب مغرب پڑھ کر چلے جاتے۔ اور حضرت معاذ یہیں رہتے تھے اور عشاء کی نماز بھی آپ کی اقتداء میں پڑھ کر جاتے تھے اور جا کر اپنی قوم کو عشاء کی نماز پڑھاتے تھے۔ اس طرح "مغرب" کی نماز کا لفظ بھی صحیح ثابت ہو جاتا ہے مگر اس صورت میں روایت میں اختصار ہو جائیگا کہ اس میں عشاء کا لفظ نہیں آیا، بخاری و مسلم کی روایت میں عشاء کا لفظ آیا ہے[2]۔

٦١۔ بَابُ تَخْفِيفِ الإِمَامِ فِي الْقِيَامِ وَإِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالسُّجُودِ:

باب: امام کو چاہئے کہ قیام ہلکا کرے (مختصر سورتیں پڑھے) اور رکوع اور سجود پورے پورے ادا کرے

---

[1] مسند احمد ۱۴۲۴۱ ج ۲۲ ص ۱۴۳۔ و صحیح مسلم (۱۸۰) ۴۶۵۔

[2] "قوله فانصرف الرجل" اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر امام نماز میں قراءت لمبی کر دے اور مقتدی کام کاج کی وجہ سے تھکا ہوا ہو، یا اس پر اونگھ غالب ہو، یا اسے اپنی بکریوں پر بھیڑیئے کا ڈر ہو، یا اپنا مال یا جانور چوری ہونے کا خطرہ ہو، ایسے ہی اپنے بچہ پر کسی درندے کے حملہ کا اندیشہ ہو، یا مقتدی کو کوئی مرض لاحق ہو جائے یا گھر میں آگ لگنے کی خبر سنے، یا آگ پر رکھے ہوئے کھانے کے خراب ہونے کا احتمال ہو، یا مسجد کے گیٹ پر بندھی سواری کے دوڑ جانے کا ڈر ہو یا کھیت کو پانی دینے کی باری کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو۔ تو ایسے عذروں کی بنا پر وہ جماعت چھوڑ کر اکیلا نماز پڑھ کر نکل جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ مسجد میں نماز باجماعت ہو رہی ہو۔ معذور آدمی سے ان عذروں کی وجہ سے نماز باجماعت ساقط ہو جائے گی۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام کی عادت فرضی نماز میں بعض سورت پڑھنے کی نہیں تھی بلکہ وہ جو سورت شروع کرتے تھے تو اسے نماز میں مکمل تلاوت کیا کرتے تھے اسی لیے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جب سورۃ بقرہ شروع کی تو آنے والے آدمی نے جسکا نام حرام یا سلیم یا حزم بن ابی کعب تھا، سمجھا کہ معاذ رضی اللہ عنہ یہ سورت مکمل پڑھیں گے جو اس کے لئے دشواری کا باعث تھا لہذا وہ نماز اکیلا پڑھ کر چلا گیا۔

۷۰۲ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ يُونُسَ ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ ، قَالَ: سَمِعْتُ قَيْسًا، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو مَسْعُودٍ ، أَنَّ رَجُلًا، قَالَ: وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنْ صَلَاةِ الْغَدَاةِ مِنْ أَجْلِ فُلَانٍ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا، فَمَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَوْعِظَةٍ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَأَيُّكُمْ مَا صَلَّى بِالنَّاسِ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ».

ہم سے احمد بن یونس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے زہیر بن معاویہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابی خالد نے بیان کیا، کہا کہ میں نے قیس بن ابی حازم سے سنا، کہا کہ مجھے ابو مسعود انصاری نے خبر دی کہ ایک شخص نے کہا کہ یارسول اللہ! قسم اللہ کی میں صبح کی نماز میں فلاں کی وجہ سے دیر میں جاتا ہوں، کیونکہ وہ نماز کو بہت لمبا کر دیتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ (کبھی بھی) غضب ناک نہیں دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے کچھ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ (عوام کو عبادت سے یا دین سے) نفرت دلا دیں، خبردار تم میں لوگوں کو جو شخص بھی نماز پڑھائے تو ہلکی پڑھائے۔ کیونکہ نمازیوں میں کمزور، بوڑھے اور ضرورت والے سب ہی قسم کے لوگ ہوتے ہیں۔

شرح بخاری

نماز میں تخفیف کا تعلق قیام سے ہے کیونکہ قیام ہی قراءت کی وجہ سے لمبا ہوتا ہے۔ اس میں تخفیف چاہیئے اور قراءت لمبی نہ کی جائے، رکوع اور سجدے میں تخفیف نہیں کیونکہ اس میں ادنیٰ حد مقرر ہے۔ اور وہ تعدیل ارکان ہے، احناف کے نزدیک تعدیل بھی ضروری نہیں ہے بلکہ جھکنا ہی کافی ہے۔ باقی تین ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان ضروری ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک ایک مرتبہ تسبیح بھی واجب ہے۔ باقی امام کہتے ہیں کہ ایک تسبیح بھی واجب نہیں بلکہ سنت ہے۔ ابن حزم کے نزدیک ایک مرتبہ تسبیح کہنا فرض ہے۔ حنفی تعدیل کو بھی ضروری نہیں سمجھتے اور وہ نماز تراویح امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے مطابق پڑھتے ہیں، تعدیل ارکان نہیں کرتے۔ حالانکہ تعدیل ارکان کو واجب سمجھتے ہیں اور ترک واجب سے انسان گناہگار ہوتا ہے، جتنے واجبات چھوڑیں گے اتنے ہی گناہ لیکر جائیں گے، بیس تراویح میں ہر رکن کو چھوڑنے میں ایک گناہ ہوا۔ اس طرح متعدد گناہ لیکر جاتے ہیں، اصل گناہگار امام ہے جو تعدیل کو چھوڑتا ہے۔

"قوله فليتجوز" اى فليتجوز فى القراءة وتكثير الأوراد والأذكار وليتم الركوع والسجود،

۶۲- بَابُ إِذَا صَلَّى لِنَفْسِهِ فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ:

باب: جب اکیلا نماز پڑھے تو جتنی چاہے طویل کر سکتا ہے

۷۰۳ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِلنَّاسِ فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ مِنْهُمُ الضَّعِيفَ وَالسَّقِيمَ وَالْكَبِيرَ، وَإِذَا صَلَّى أَحَدُكُمْ لِنَفْسِهِ

فَلْيُطَوِّلْ مَا شَاءَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جب کوئی تم میں سے لوگوں کو نماز پڑھائے تو تخفیف کرے کیونکہ جماعت میں ضعیف بیمار اور بوڑھے (سب ہی) ہوتے ہیں، لیکن اکیلا پڑھے تو جس قدر جی چاہے طول دے سکتا ہے۔

یعنی اکیلا نماز پڑھنے والا جتنی برداشت کر سکتا ہے لمبی کر لے، جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "اکلفوا من العمل ما تطیقون[1]" طاقت کے مطابق قراءت لمبی کر سکتا ہے۔ اور امام ہونے کی صورت میں مقتدیوں کا لحاظ رکھنا چاہیے۔ لیکن اس میں بھی تخفیف سنت کے مطابق ہونی چاہیے۔ تخفیف سے مراد یہ نہیں کہ ٹھونگے مارنے لگ جائے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ رکوع و سجود میں تین تسبیحات پڑھنی چاہیئے۔ رکوع، سجدے میں یہی تخفیف ہے۔ ویسے تخفیف کا اصل تعلق قیام سے ہے۔ صحابہ کرام تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے دس، دس تسبیحات پڑھتے تھے۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ٹھیک کہا ہے کہ نماز میں تخفیف سنت کے مطابق ہونی چاہیئے۔ جس طرح نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نمازیں پڑھائی ہیں ویسے ہی پڑھانی چاہئیں، تخفیف سے یہی مراد ہے آپ لوگوں کو تخفیف کا حکم دیتے تھے اور خود بھی اس پر عمل کرتے تھے۔ تخفیف کا معیار آپ سے جداگانہ نہیں بنانا چاہیئے۔

٦٣- بَابُ مَنْ شَكَا إِمَامَهُ إِذَا طَوَّلَ:

باب: اس کے بارے میں جس نے امام سے نماز کے طویل ہو جانے کی شکایت کی

وَقَالَ: أَبُو أُسَيْدٍ: طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ.

ایک صحابی ابو اسید (مالک بن ربیعہ) نے اپنے بیٹے (منذر) سے فرمایا بیٹا تو نے نماز کو ہم پر لمبا کر دیا۔

٧٠٤ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْمَاعِيلَ بْنِ أَبِي خَالِدٍ، عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ أَبِي مَسْعُودٍ، قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي لَأَتَأَخَّرُ عَنِ الصَّلَاةِ فِي الْفَجْرِ مِمَّا يُطِيلُ بِنَا فُلَانٌ فِيهَا، فَغَضِبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مَا رَأَيْتُهُ غَضِبَ فِي مَوْضِعٍ كَانَ أَشَدَّ غَضَبًا مِنْهُ يَوْمَئِذٍ، ثُمَّ قَالَ: «يَا أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّ مِنْكُمْ مُنَفِّرِينَ فَمَنْ أَمَّ النَّاسَ فَلْيَتَجَوَّزْ، فَإِنَّ خَلْفَهُ الضَّعِيفَ وَالْكَبِيرَ وَذَا الْحَاجَةِ».

ہم سے محمد بن یوسف فریابی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان ثوری نے بیان کیا اسماعیل بن ابی خالد سے، انہوں نے قیس بن ابی حازم سے، انہوں نے ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے، آپ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ! میں فجر کی نماز میں تاخیر کر کے اس

[1] سنن أبی داود ١٣٦٨ ج ٢ ص ٤٨۔

لیے شریک ہوتا ہوں کہ فلاں صاحب فجر کی نماز بہت طویل کر دیتے ہیں۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر غصہ ہوئے کہ میں نے نصیحت کے وقت اس دن سے زیادہ غضب ناک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو! تم میں بعض لوگ (نماز سے لوگوں کو) دور کرنے کا باعث ہیں۔ پس جو شخص امام ہو اسے ہلکی نماز پڑھنی چاہیئے اس لیے کہ اس کے پیچھے کمزور، بوڑھے اور ضرورت والے سب ہی ہوتے ہیں۔

٧٠٥ حَدَّثَنَا آدَمُ بْنُ أَبِي إِيَاسٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُحَارِبُ بْنُ دِثَارٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللهِ الْأَنْصَارِيَّ، قَالَ: أَقْبَلَ رَجُلٌ بِنَاضِحَيْنِ وَقَدْ جَنَحَ اللَّيْلُ، فَوَافَقَ مُعَاذًا يُصَلِّي، فَتَرَكَ نَاضِحَهُ وَأَقْبَلَ إِلَى مُعَاذٍ فَقَرَأَ بِسُورَةِ الْبَقَرَةِ أَوِ النِّسَاءِ، فَانْطَلَقَ الرَّجُلُ وَبَلَغَهُ أَنَّ مُعَاذًا نَالَ مِنْهُ، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَكَا إِلَيْهِ مُعَاذًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «يَا مُعَاذُ، أَفَتَّانٌ أَنْتَ أَوْ أَفَاتِنٌ ثَلَاثَ مِرَارٍ، فَلَوْلَا صَلَّيْتَ بِسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ وَالشَّمْسِ وَضُحَاهَا وَاللَّيْلِ إِذَا يَغْشَى فَإِنَّهُ يُصَلِّي وَرَاءَكَ الْكَبِيرُ وَالضَّعِيفُ وَذُو الْحَاجَةِ أَحْسِبُ هَذَا فِي الْحَدِيثِ»، قَالَ أَبُو عَبْدِ اللهِ: وَتَابَعَهُ سَعِيدُ بْنُ مَسْرُوقٍ، وَمِسْعَرٌ، وَالشَّيْبَانِيُّ، قَالَ: عَمْرٌو، وَعُبَيْدُ اللهِ بْنُ مِقْسَمٍ، وَأَبُو الزُّبَيْرِ، عَنْ جَابِرٍ قَرَأَ مُعَاذٌ فِي الْعِشَاءِ بِالْبَقَرَةِ، وَتَابَعَهُ الْأَعْمَشُ، عَنْ مُحَارِبٍ.

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے محارب بن دثار نے بیان کیا، کہا کہ میں نے جابر بن عبداللہ انصاری سے سنا، آپ نے بتلایا کہ ایک شخص پانی اٹھانے والا دو اونٹ لیے ہوئے آیا، رات تاریک ہو چکی تھی۔ اس نے معاذ رضی اللہ عنہ کو نماز پڑھاتے ہوئے پایا۔ اس لیے اپنے اونٹوں کو بٹھا کر (نماز میں شریک ہونے کے لیے) معاذ رضی اللہ عنہ کی طرف بڑھا۔ معاذ رضی اللہ عنہ نے نماز میں سورۃ البقرہ یا سورۃ نساء شروع کی۔ چنانچہ وہ شخص نیت توڑ کر چل دیا۔ پھر اسے معلوم ہوا کہ معاذ رضی اللہ عنہ نے مجھ کو برا بھلا کہا ہے۔ اس لیے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور معاذ کی شکایت کی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے فرمایا، معاذ! کیا تم لوگوں کو فتنہ میں ڈالتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ («فتان» یا «فاتن») فرمایا: «سبح اسم ربک، والشمس وضحاها، والليل إذا يغشى» (سورتیں) تم نے کیوں نہ پڑھیں، کیونکہ تمہارے پیچھے بوڑھے، کمزور اور حاجت مند نماز پڑھتے ہیں۔ شعبہ نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ یہ آخری جملہ (کیونکہ تمہارے پیچھے الخ) حدیث میں داخل ہے۔ شعبہ کے ساتھ اس کی متابعت سعید بن مسروق، مسعر اور شیبانی نے کی ہے اور عمرو بن دینار، عبیداللہ بن مقسم اور ابوالزبیر نے بھی اس حدیث کو جابر کے واسطہ سے بیان کیا ہے کہ معاذ

نے عشاء میں سورۃ البقرہ پڑھی تھی اور شعبہ کے ساتھ اس روایت کی متابعت اعمش نے محارب کے واسطہ سے کی ہے۔

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ اگر امام نماز لمبی پڑھاتا ہے تو اس کی شکایت کرنا غیبت میں داخل نہیں ہے۔

"قوله وقال أبو أسيد طولت بنا يا بني" ابواسید جن کا نام مالک بن ربیعہ انصاری ہے یہ اپنے بیٹے منذر کے پیچھے نماز پڑھا کرتے تھے جب کبھی وہ قراءت لمبی کر دیتے تو یہ کہا کرتے "طَوَّلْتَ بِنَا يَا بُنَيَّ"۔

٦٤۔ بَابُ الإِيجَازِ فِي الصَّلاَةِ وَإِكْمَالِهَا:

باب: نماز مختصر اور پوری پڑھنا (یعنی رکوع و سجود اچھی طرح کرنا)

٧٠٦ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوجِزُ الصَّلاَةَ وَيُكْمِلُهَا».

ہم سے ابومعمر عبداللہ بن عمرو نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالوارث بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالعزیز بن صہیب نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کو مختصر اور پوری پڑھتے تھے۔

یعنی تخفیف کے باوجود نماز مکمل ادا ہونی چاہیئے۔ اتنی جلدی نماز نہ پڑھے کہ نماز کے اکمال کا ادنی درجہ بھی حاصل نہ ہو، اور وہ یہ ہے کہ تعدیل ارکان سے نماز ادا کرے۔ اس سے کم نہ ہو۔ جو شخص تخفیف و اختصار میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ اختیار کرنے والا ہو اس سے طوالت نماز کا شکوہ نہیں کیا جاسکتا۔



٦٥۔ بَابُ مَنْ أَخَفَّ الصَّلاَةَ عِنْدَ بُكَاءِ الصَّبِيِّ:

باب: جس نے بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو مختصر کر دیا

٧٠٧ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْوَلِيدُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَوْزَاعِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنِّي لأَقُومُ فِي الصَّلاَةِ أُرِيدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلاَتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلَى أُمِّهِ»، تَابَعَهُ بِشْرُ بْنُ بَكْرٍ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَبَقِيَّةُ، عَنِ الأَوْزَاعِيِّ [1].

[1] سفیان ثوری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ جو شخص نفلی نماز میں چار رکعات پڑھنے کی نیت سے داخل ہو، پھر کسی عذر کی وجہ سے یا بغیر عذر کے دو رکعتیں پڑھنے پر اکتفا کرے تو یہ جائز ہے۔ جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص نماز میں اطالت کی نیت سے داخل ہو تو مصلحت کے لئے وہ اس میں تخفیف کر سکتا ہے۔ ایسے ہی کوئی شخص مال صدقہ کرنے کی نذر مانے اور نیت ہزار روپے کی ہو تو ہزار لازم نہیں ہو گا بلکہ نذر پوری کرنے کے لئے جتنا ہو سکے اتنا مال صدقہ کر دے تو کافی ہو جائے گا۔ (فتح الباری لابن رجب ٤/٢٢٢)



ہم سے ابراہیم بن موسیٰ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ولید بن مسلم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے امام عبدالرحمٰن بن عمرو اوزاعی نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابوقتادہ حارث بن ربعی سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز دیر تک پڑھنے کے ارادہ سے کھڑا ہوتا ہوں۔ لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سن کر نماز کو ہلکی کر دیتا ہوں، کیونکہ اس کی ماں کو (جو نماز میں شریک ہو گی) تکلیف میں ڈالنا برا سمجھتا ہوں۔ ولید بن مسلم کے ساتھ اس روایت کی متابعت بشر بن بکر، بقیہ بن ولید اور ابن مبارک نے اوزاعی کے واسطہ سے کی ہے۔

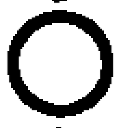
٧٠٨ حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ مَخْلَدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ بِلَالٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَرِيكُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: سَمِعْتُ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ، يَقُولُ: «مَا صَلَّيْتُ وَرَاءَ إِمَامٍ قَطُّ أَخَفَّ صَلَاةً وَلَا أَتَمَّ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِنْ كَانَ لَيَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَيُخَفِّفُ مَخَافَةَ أَنْ تُفْتَنَ أُمُّهُ».

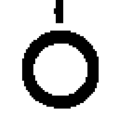
ہم سے خالد بن مخلد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سلیمان بن بلال نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شریک بن عبداللہ بن ابی نمر قریشی نے بیان کیا، کہا کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ ہلکی لیکن کامل نماز میں نے کسی امام کے پیچھے کبھی نہیں پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بچے کے رونے کی آواز سن لیتے تو اس خیال سے کہ اس کی ماں کہیں پریشانی میں نہ مبتلا ہو جائے نماز مختصر کر دیتے۔



٧٠٩ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ».

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سعید بن ابی عروبہ نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نماز شروع کر دیتا ہوں۔ ارادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز طویل کروں، لیکن بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ مجھے معلوم ہے کہ ماں کے دل پر بچے کے رونے سے کیسی چوٹ پڑتی ہے۔







٧١٠ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَدِيٍّ، عَنْ سَعِيدٍ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ

فَأُرِيدُ إِطَالَتَهَا، فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ».
وَقَالَ مُوسَى: حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَهُ.

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں محمد بن ابراہیم بن عدی نے سعید بن ابی عروبہ کے واسطہ سے خبر دی، انہوں نے قتادہ سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نماز کی نیت باندھتا ہوں، ارادہ یہ ہوتا ہے کہ نماز کو طویل کروں گا، لیکن بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتا ہوں کیونکہ میں اس درد کو سمجھتا ہوں جو بچے کے رونے کی وجہ سے ماں کو ہو جاتا ہے۔ اور موسیٰ بن اسماعیل نے کہا ہم سے ابان بن یزید نے بیان کیا، کہا ہم سے قتادہ نے، کہا ہم سے انس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی حدیث بیان کی۔

یعنی اگر امام مقتدیوں میں سے کسی عورت کے بچے کے رونے کی وجہ سے قراءت مختصر کر دے تا کہ بچے کی ماں پریشان نہ ہو، تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اور نہ ہی اس سے شرک لازم آتا ہے۔ اسی طرح اگر بعض نمازی نماز میں شامل ہونے کے لئے آ رہے ہوں اور ان کو نماز میں شامل کرنے کے لئے ذرا قراءت لمبی کر دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں ہے۔ عینی نے ذکر کیا ہے کہ ابو یوسف نے اس بارہ میں ابو حنیفہ سے پوچھا تو انہوں نے کہا "أخشی علیه أمرًا عظیمًا یعنی الشرك" میں ڈرتا ہوں کہیں یہ شرک نہ ہو، حالانکہ یہ شرک نہیں ہے بلکہ تعاون علی البرّ ہے، جس پر قرآن کریم میں ترغیب دی گئی ہے۔ لیکن یہ تعاون کی صورت ہونی چاہیئے یہ نہ ہو کہ کسی بڑے آدمی کی ناراضگی سے بچنے کے لئے یا اس سے لالچ کے لئے یا اس سے ڈر کر ایسا کرے تو یہ جائز نہیں ہے۔



"قوله أرید أن أطول فیها" اس سے مراد وہ طوالت نہیں ہے جس سے روکا گیا ہے بلکہ اس سے مراد عام عادت کے مطابق نماز کو مکمل کرنا ہے۔

"قوله أن تفتن أمه" اس فتنہ سے مراد نماز سے غافل ہونا ہے کیونکہ بچے کے رونے کے وقت ماں کا دل ادھر مشغول ہو جاتا ہے۔

٦٦- بَابُ إِذَا صَلَّى ثُمَّ أَمَّ قَوْمًا:

باب: ایک شخص نماز پڑھ کر دوسرے لوگوں کی امامت کرے

٧١١ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، وَأَبُو النُّعْمَانِ، قَالَا: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ جَابِرٍ، قَالَ: «كَانَ مُعَاذٌ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ».



ہم سے سلیمان بن حرب اور ابو النعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سختیانی سے، انہوں نے عمرو بن دینار سے، انہوں نے جابر رضی اللہ عنہ سے

فرمایا کہ معاذ رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے پھر واپس آ کر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے تھے۔

٦٧-بَابُ مَنْ أَسْمَعَ النَّاسَ تَكْبِيرَ الإِمَامِ:

باب: باب اس سے متعلق جو مقتدیوں کو امام کی تکبیر سنائے

٧١٢ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ دَاوُدَ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «لَمَّا مَرِضَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَضَهُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَتَاهُ بِلَالٌ يُوذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ، قُلْتُ: إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ إِنْ يَقُمْ مَقَامَكَ يَبْكِي فَلَا يَقْدِرُ عَلَى الْقِرَاءَةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ، فَقُلْتُ: مِثْلَهُ، فَقَالَ: فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ إِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ، فَصَلَّى وَخَرَجَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَيْهِ يَخُطُّ بِرِجْلَيْهِ الأَرْضَ، فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ يَتَأَخَّرُ فَأَشَارَ إِلَيْهِ أَنْ صَلِّ فَتَأَخَّرَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، وَقَعَدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى جَنْبِهِ وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُ النَّاسَ التَّكْبِيرَ»، تَابَعَهُ مُحَاضِرٌ، عَنِ الأَعْمَشِ.

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبداللہ بن داؤد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اعمش نے ابراہیم نخعی سے بیان کیا، انہوں نے اسود سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ آپ نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض الوفات میں بلال رضی اللہ عنہ نماز کی اطلاع دینے کے لیے حاضر خدمت ہوئے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ میں نے عرض کیا کہ ابوبکر کچے دل کے آدمی ہیں اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے تو رو دیں گے اور قرآت نہ کر سکیں گے۔ آپ نے فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھائیں۔ میں نے وہی عذر پھر دہرایا۔ پھر آپ نے تیسری یا چوتھی مرتبہ فرمایا کہ تم لوگ تو بالکل صواحب یوسف کی طرح ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ خیر ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کرادی۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اپنا مزاج ذرا ہلکا پا کر) دو آدمیوں کا سہارا لیے ہوئے باہر تشریف لائے۔ گویا میری نظروں کے سامنے وہ منظر ہے کہ آپ کے قدم زمین پر نشان کر رہے تھے۔ ابوبکر آپ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنے لگے۔ لیکن آپ نے اشارہ سے انہیں نماز پڑھانے کے لیے کہا۔ ابوبکر پیچھے ہٹ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے بازو میں بیٹھے۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکبیر سنا رہے تھے۔ عبداللہ بن داؤد کے ساتھ اس حدیث کو محاضر نے بھی اعمش سے روایت کیا ہے۔

٦٨-بَابُ الرَّجُلُ يَأْتَمُّ بِالإِمَامِ وَيَأْتَمُّ النَّاسُ بِالْمَأْمُومِ:

باب: ایک شخص امام کی اقتداء کرے اور لوگ اس کی اقتداء کریں (تو کیسا ہے؟)

وَيُذْكَرُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. ائْتَمُّوا بِي وَلْيَأْتَمَّ بِكُمْ مَنْ بَعْدَكُمْ.

اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (پہلی صف والوں سے) فرمایا تم میری پیروی کرو اور تمہارے پیچھے جو لوگ ہیں وہ تمہاری پیروی کریں۔

٧١٣ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنِ الْأَسْوَدِ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «لَمَّا ثَقُلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ بِلَالٌ يُوذِنُهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى مَا يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، فَقُلْتُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ رَجُلٌ أَسِيفٌ وَإِنَّهُ مَتَى يَقُمْ مَقَامَكَ لَا يُسْمِعُ النَّاسَ فَلَوْ أَمَرْتَ عُمَرَ، قَالَ: إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ مُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ، فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ وَجَدَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي نَفْسِهِ خِفَّةً، فَقَامَ يُهَادَى بَيْنَ رَجُلَيْنِ وَرِجْلَاهُ يَخُطَّانِ فِي الْأَرْضِ حَتَّى دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَلَمَّا سَمِعَ أَبُو بَكْرٍ حِسَّهُ ذَهَبَ أَبُو بَكْرٍ يَتَأَخَّرُ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَاءَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى جَلَسَ عَنْ يَسَارِ أَبِي بَكْرٍ، فَكَانَ أَبُو بَكْرٍ يُصَلِّي قَائِمًا وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي قَاعِدًا يَقْتَدِي أَبُو بَكْرٍ بِصَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ مُقْتَدُونَ بِصَلَاةِ أَبِي بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ».



ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابومعاویہ محمد بن حازم نے بیان کیا، انہوں نے اعمش کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے ابراہیم نخعی سے، انہوں نے اسود سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے۔ آپ نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بیمار ہو گئے تھے تو بلال رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی خبر دینے آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ میں نے کہا کہ یارسول اللہ! ابوبکر ایک نرم دل آدمی ہیں اور جب بھی وہ آپ کی جگہ کھڑے ہوں گے لوگوں کو (شدت گریہ کی وجہ سے) آواز نہیں سنا سکیں گے۔ اس لیے اگر عمر رضی اللہ عنہ سے کہتے تو بہتر تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوبکر سے نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ پھر میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم کہو کہ ابوبکر نرم دل آدمی ہیں اور اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوئے تو لوگوں کو اپنی آواز نہیں سنا سکیں گے۔ اس لیے اگر عمر سے کہیں تو بہتر ہو گا۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم



لوگ صواحب یوسف سے کم نہیں ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ نماز پڑھائیں۔ جب ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مرض میں کچھ ہلکا پن محسوس فرمایا اور دو آدمیوں کا سہارا لے کر کھڑے ہو گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں زمین پر نشان کر رہے تھے۔ اس طرح چل کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں داخل ہوئے۔ جب ابوبکر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ پائی تو پیچھے ہٹنے لگے اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے روکا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بیٹھ گئے تو ابوبکر کھڑے ہو کر نماز پڑھ رہے تھے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ ابوبکر رضی اللہ عنہ کی اقتداء۔

یعنی جس طرح امام نماز پڑھے ویسے اس کی اقتداء کرتے ہوئے تم نماز پڑھو اور پچھلی صف میں آنے والے لوگ تمہاری پیروی کریں اگرچہ اقتداء اور پیروی تمام لوگ امام ہی کی کرتے ہیں لیکن بعض دفعہ پچھلی صفوں والوں کو امام نظر نہیں آتا بلکہ کئی دفعہ اُن کو امام کی تکبیرات بھی سنائی نہیں دیتیں، اگلی صف والے امام کے قریب ہونے کی وجہ سے امام کو دیکھتے اور اس کی تکبیرات کو سنتے ہیں لہٰذا پچھلی صف والے اگلی صف والوں کو دیکھ کر رکوع اور سجدہ کرتے ہیں۔ یأتم الناس بالمأموم سے یہی مراد ہے شعبی وغیرہ کا خیال ہے کہ اگلی صف والے پچھلی صف والوں کے امام ہوتے ہیں لہٰذا اگر کوئی شخص اگلی صف والوں کے رکوع سے سر اٹھانے سے پہلے تکبیر تحریمہ کہہ لے تو وہ اس رکعت کو پالے گا اگرچہ امام نے اس سے پہلے سر اٹھا لیا ہو کیونکہ بعض دیگر بعض کے امام ہوتے ہیں۔ لیکن یہ بات درست نہیں ہے۔ کیونکہ امام سب کا ایک ہی ہوتا ہے۔

٦٩۔بَابُ هَلْ يَأْخُذُ الإِمَامُ إِذَا شَكَّ بِقَوْلِ النَّاسِ:

باب: اس بارے میں کہ اگر امام کو شک ہو جائے تو کیا مقتدیوں کی بات پر عمل کر سکتا ہے؟

٧١٤ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكِ بْنِ أَنَسٍ، عَنْ أَيُّوبَ بْنِ أَبِي تَمِيمَةَ السَّخْتِيَانِيِّ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ مِنَ اثْنَتَيْنِ، فَقَالَ لَهُ ذُو الْيَدَيْنِ: «أَقَصُرَتِ الصَّلَاةُ أَمْ نَسِيتَ يَا رَسُولَ اللهِ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَصَدَقَ ذُو الْيَدَيْنِ، فَقَالَ النَّاسُ: نَعَمْ، فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى اثْنَتَيْنِ أُخْرَيَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ كَبَّرَ فَسَجَدَ مِثْلَ سُجُودِهِ أَوْ أَطْوَلَ».

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا، انہوں نے امام مالک بن انس سے بیان کیا، انہوں نے ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی سے، انہوں نے محمد بن سیرین سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ظہر کی نماز میں) دو رکعت پڑھ کر نماز ختم کر دی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذوالیدین نے کہا کہ یارسول اللہ! کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپ بھول گئے ہیں؟ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اور لوگوں کی طرف دیکھ کر) پوچھا کیا ذوالیدین صحیح کہتے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ ہاں! پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور دوسری دو رکعتیں بھی پڑھیں۔ پھر سلام پھیرا۔ پھر تکبیر کہی اور سجدہ کیا پہلے کی طرح یا اس سے کچھ لمبا سجدہ۔

امام تردّد کی صورت میں لوگوں کی بات کو قبول کرسکتا اور اس پر عمل کرسکتا ہے۔ لیکن اگر اسے یقین ہو کہ میں نے نماز مکمل پڑھی ہے تو پھر لوگوں کی بات کی پرواہ نہ کرے۔

"قوله أقصرت الصلوة أم نسيت" ذوالیدین کے خبر دینے سے آپ کو شک لاحق ہوئی تو آپ نے اسکا یقین حاصل کرنے کے لئے لوگوں سے پوچھا، جب انہوں نے اسکی تصدیق کی تو آپ کو اس کی بات کا یقین ہوگیا۔ اور اسے قبول کرتے ہوئے دو رکعت نماز ادا کی جو بھول کر رہ گئی تھی اور سہو کے دو سجدے ادا کئے۔

۷۱۵ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سَعْدِ بْنِ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الظُّهْرَ رَكْعَتَيْنِ، فَقِيلَ: «صَلَّيْتَ رَكْعَتَيْنِ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ، ثُمَّ سَلَّمَ، ثُمَّ سَجَدَ سَجْدَتَيْنِ».



ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے سعد بن ابراہیم سے بیان کیا، وہ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، وہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، آپ نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) ظہر کی صرف دو ہی رکعتیں پڑھیں (اور بھول سے سلام پھیر دیا) پھر کہا گیا کہ آپ نے صرف دو ہی رکعتیں پڑھی ہیں۔ پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں اور پڑھیں پھر سلام پھیرا۔ پھر دو سجدے کئے۔

شرح بخاری

۷۰۔ بَابُ إِذَا بَكَى الإِمَامُ فِي الصَّلاَةِ:

باب: جب امام نماز میں رو دے (تو کیسا ہے؟)

وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ شَدَّادٍ: سَمِعْتُ نَشِيجَ عُمَرَ وَأَنَا فِي آخِرِ الصُّفُوفِ يَقْرَأُ إِنَّمَا أَشْكُو بَثِّي وَحُزْنِي إِلَى اللهِ.

اور عبداللہ بن شداد رحمہ اللہ (تابعی) نے بیان کیا کہ میں نے نماز میں عمر رضی اللہ عنہ کے رونے کی آواز سنی حالانکہ میں آخری صف میں تھا۔ آپ آیت شریفہ «إنما أشكو بثي وحزني إلى الله» پڑھ رہے تھے۔



۷۱۶ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا مَالِكُ بْنُ أَنَسٍ، عَنْ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ عَائِشَةَ أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ فِي مَرَضِهِ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ

يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ. فَقَالَ: مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. قَالَتْ عَائِشَةُ لِحَفْصَةَ: قُولِي لَهُ إِنَّ أَبَا بَكْرٍ إِذَا قَامَ فِي مَقَامِكَ لَمْ يُسْمِعِ النَّاسَ مِنَ الْبُكَاءِ فَمُرْ عُمَرَ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. فَفَعَلَتْ حَفْصَةُ. فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَهْ إِنَّكُنَّ لَأَنْتُنَّ صَوَاحِبُ يُوسُفَ، مُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ لِلنَّاسِ. قَالَتْ حَفْصَةُ لِعَائِشَةَ: مَا كُنْتُ لِأُصِيبَ مِنْكِ خَيْرًا».

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے امام مالک بن انس نے ہشام بن عروہ سے بیان کیا، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں فرمایا کہ ابوبکر سے لوگوں کو نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے عرض کی کہ ابوبکر اگر آپ کی جگہ کھڑے ہوئے تو رونے کی وجہ سے لوگوں کو اپنی آواز نہ سنا سکیں گے۔ اس لیے آپ عمر رضی اللہ عنہ سے فرمائیے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ آپ نے پھر فرمایا کہ نہیں ابوبکر ہی سے نماز پڑھانے کے لیے کہو۔ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے حفصہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ تم بھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرو کہ اگر ابوبکر آپ کی جگہ کھڑے ہوئے تو آپ کو یاد کر کے گریہ وزاری کی وجہ سے لوگوں کو قرآن نہ سنا سکیں گے۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ سے کہیے کہ وہ نماز پڑھائیں۔ حفصہ رضی اللہ عنہا نے بھی کہہ دیا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ بس چپ رہو، تم لوگ صواحب یوسف سے کسی طرح کم نہیں ہو۔ ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ بعد میں حفصہ رضی اللہ عنہا نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا۔ بھلا مجھ کو تم سے کہیں بھلائی ہونی ہے۔

شرح بخاری

اس باب سے مقصود یہ بیان کرنا ہے کہ اگر امام نماز میں قراءت کرتے ہوئے رو پڑے تو کیا نماز صحیح ہوگی یا نہیں؟ مالکی اور حنفی کہتے ہیں کہ اگر رونا خشیتِ الٰہی کی وجہ سے ہو یا عذاب سے ڈرتے ہوئے روئے تو کوئی حرج نہیں ہے، نماز فاسد نہیں ہوگی، شوافع کے نزدیک رونے میں اگر دو حرف ظاہر ہوجائیں تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ ورنہ نہیں، صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالی کے ڈر سے نماز میں رونے سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ کوئی کلام نہیں ہے کلام الناس سے نماز فاسد ہوتی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ روتے ہوئے اگر منہ بند ہو تو نماز فاسد نہیں ہوتی اور اگر منہ کھلا ہو تو فاسد ہو جاتی ہے جبکہ دو حرف ظاہر ہو جائیں۔ لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ رونا کلام نہیں ہے۔

"قوله وقال عبداللہ بن شداد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی کے غم کو یاد کر کے بھی رونا آجاتا ہے۔

"قوله مروا أبابكر فليصل بالناس" اس حدیث سے مقصود یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ہی نماز پڑھانے کا حکم دیا حالانکہ آپ کو بتایا گیا کہ وہ نماز میں رونے کی وجہ سے لوگوں کو قراءت نہیں سنا سکیں گے۔ جس سے معلوم ہوا کہ نماز میں رونے سے نماز صحیح ہو جاتی ہے۔

٧١- بَابُ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ عِنْدَ الإِقَامَةِ وَبَعْدَهَا:

باب: تکبیر ہوتے وقت اور تکبیر کے بعد صفوں کا برابر کرنا

٧١٧ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ هِشَامُ بْنُ عَبْدِ الْمَلِكِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَمْرُو بْنُ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ سَالِمَ بْنَ أَبِي الْجَعْدِ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ، يَقُولُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَتُسَوُّنَّ صُفُوفَكُمْ أَوْ لَيُخَالِفَنَّ اللهُ بَيْنَ وُجُوهِكُمْ [1]».

---

[1] اسلام میں نماز کے دوران بلکہ بعض دیگر مواقع میں بھی صف بندی کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جہاد کے موقع پر اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے اپنی محبت کا اظہار کرتے ہیں جو اس کے دین کی خاطر صف بستہ جہاد کرتے ہیں۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِهِ صَفًّا كَأَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوصٌ" (الصف:۴) بے شک اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو دوست رکھتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ جہاد کرتے ہیں۔ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف فرشتوں کی صفوں کا تذکرہ کرتے ہوئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: يُتِمّونَ الصفوفَ الأولي ويتراصّون في الصف "مسلم" وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور صف میں آپس میں (سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح) مل کر کھڑے ہوتے ہیں۔ اور ایسے صف بستہ کھڑے ہونے والے فرشتوں کی قسم اٹھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "وَالصَّافَاتِ صَفًّا" جس سے واضح ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کو بندوں کا مل جل کر رہنا اور عبادت کے وقت سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح صف بندی کرنا بہت محبوب ہے اسی لئے ہماری صفوں کو فرشتوں کی صفوں کی طرح بنادیا گیا ہے۔ نبی اکرم ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے "جُعِلت صفوفنا كصفوف الملائكة" (مسلم) اور اس کی ترغیب دیتے ہوئے نبی کریم علیہ السلام فرمایا کرتے تھے "الا تصفّون كما تصفّ الملائكة عند ربها" (مسلم) تم ویسے صفیں کیوں نہیں بناتے جیسے فرشتے اپنے رب تعالیٰ کے ہاں صفیں بناتے ہیں، وہ پہلی صفوں کو مکمل کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہوتے ہیں، رسولِ اکرم ﷺ نماز شروع کرنے سے قبل مقتدیوں کی صفوں کو درست فرمایا کرتے اور ان کو کندھوں سے پکڑ کر آپس میں ملایا کرتے تھے۔ ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں: "كان رسول الله ﷺ يمسح مناكبنا في الصلوٰة ويقول: استووا ولا تختلفوا فتختلف قلوبكم" گویا نماز باجماعت میں باہمی اختلاف دلوں میں دوری اور اختلاف کا باعث بنتا ہے، دورِ حاضر میں مسلمانوں کے باہمی اختلاف اور نفرت و دُوری کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے بھی آپس میں مل کر کھڑا ہونے کو پسند نہیں کرتے۔ اور صف کے درمیان فاصلے چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں جبکہ نبی اکرم ﷺ نمازیوں کو صفوں کے درمیان خلل اور رخنے چھوڑنے سے منع کیا کرتے تھے، آپ فرماتے: "سوّوا صفوفكم و حاذوا بين مناكبكم و لينوا في أيدي اخوانكم و سدّو الخلل، فإن الشيطان يدخل فيما بينكم بمنزلة الخذف يعني أولاد الضان الصغار" مسند احمد یعنی اپنی صفوں کو سیدھا کرو، اور ایک دوسرے کے ساتھ کندھے برابر کر کے کھڑے ہو جاؤ، اور اپنے ساتھ ملانے والے اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرم ہو جایا کرو، اور صفوں کے درمیان چھوڑے ہوئے خلل اور رخنوں کو پُر کرو، شیطان ان رخنوں اور فاصلوں کے





ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے سالم بن ابوالجعد سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے سنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ نماز میں اپنی صفوں کو برابر کرلو، نہیں تو اللہ تعالیٰ تمہارا منہ الٹ دے گا۔

درمیان (تمہاری نماز خراب کرنے کے لئے) بھیڑ کے چھوٹے بچوں کی مثل گھس آتا ہے، نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا: "جو شخص نماز کی صف میں اپنے مسلمان بھائی سے ملنے کے لئے جو قدم اٹھاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے، (ابوداؤد) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "أقيموا الصفوف و حاذوا بين المناكب و سُدّوا الخلل و لينوا بأيدى إخوانكم، ولا تذروا فُرجات الشيطٰن" د۔ن، صفوں کو سیدھا کیا کرو، کندھوں کو ایک دوسرے کے برابر کیا کرو، درمیان میں چھوڑے ہوئے رخنوں کو بند کیا کرو اور اپنے بھائیوں کے ہاتھوں میں نرمی اختیار کرو، اور صفوں کے درمیان شیطانی رخنے اور فاصلے نہ چھوڑا کرو، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے بعد ہم صف بندی کا بہت اہتمام کرتے تھے، "كان أحدنا يلزق منكبه بمنكب صاحبه و قدمه بقدمه" ہم میں سے ہر ایک اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا پاؤں اس کے پاؤں سے ملاتا تھا۔ بخاری ۷۲۵۔ رسول اکرم ﷺ نے نماز باجماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑے ہونے والوں کے لئے دُعا اور درمیانی فاصلے چھوڑ کر صف کو توڑنے والوں پر بددُعا کرتے ہوئے فرمایا: "من وَصَل صفًّا وصله الله ومن قطعه قَطَعه الله" ابوداؤد۔ جو شخص صف میں اپنے ساتھی سے مل کر کھڑا ہو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے ملائے، اور جو شخص صف میں اپنے ساتھی سے کٹ کر کھڑا ہو اللہ تعالیٰ اسے اپنی رحمت سے کاٹ دے، دیکھئے یہ تمام احادیث مبارکہ نماز باجماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر کھڑا ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور کوئی ایک بھی ایسی حدیث نہیں ہے جو درمیان میں فاصلہ چھوڑنے کے جواز پر دلالت کرتی ہو اس کے باوجود مسلمانوں کی کثیر تعداد نے رخنے اور فاصلے چھوڑنے کو اپنا مذہب بنایا ہوا ہے، شاید وہ نماز باجماعت میں ایک دوسرے سے پاؤں ملانے کو گناہ سمجھتے ہیں، حالانکہ درمیان میں فاصلے چھوڑنا اور ایک دوسرے سے نہ ملنا باعث گناہ ہے، نماز باجماعت سے مراد بھی آپس میں جمع ہونا اور مل کر نماز ادا کرنا ہے لیکن اس کے برعکس اگر صف کے درمیان فاصلے اور رخنے چھوڑے جائیں تو یہ جمع نہیں بلکہ تفریق بین المسلمین ہے جس سے بچنا ہر مسلمان پر ضروری ہے، جبکہ صورتِ حال یہ ہے کہ اگر نماز میں ساتھ کھڑا ہونے والے سے پاؤں ملایا جائے تو وہ اپنے پاؤں دُور ہٹالیتا ہے، جو ایک مسلمان کی دل آزاری کے ساتھ ساتھ نبی اکرم ﷺ کی مذکورہ احادیث مبارکہ کی مخالفت بھی ہے، اس مخالفت سے بچنے کے لئے ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ نماز باجماعت ادا کرتے ہوئے صف بندی کا اہتمام کرے اور فإنّ لك فى الحياة أن تقول لا مِساس کی کیفیت سے نکل کر دیگر مسلمانوں سے صف میں مل کر نماز باجماعت ادا کرنے کو اپنا شعار بنائے کیونکہ یہی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب اور پسندیدہ ہے۔ اور اسی پر عمل پیرا ہونے سے نبی اکرم ﷺ کی اطاعت و اتباع کا حق ادا ہوتا ہے، اور ائمہ کرام کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو آپ ﷺ کی احادیث سے باخبر کریں اور ان پر عمل کرنے کی انہیں تلقین کریں۔

صفۃ الصلوۃ کو شروع کرنے سے پہلے امام بخاری رحمہ اللہ نماز میں صف بندی کی اہمیت کو ذکر کرنا چاہتے ہیں جیسا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں ہے "قال رسول الله ﷺ سوّوا صفوفكم فان تسوية الصفوف من إقامة الصلوة[1]" یعنی اللہ تعالی نے قرآن کریم میں أقيموا الصلوة" سے اقامت صلوۃ اور نماز کی پابندی کا حکم دیا ہے اور اقامت صلوۃ کے اس حکم میں صفوں کی درستی بھی داخل ہے جسکا اللہ تعالی نے حکم دیا ہے، اقامت کے وقت صفیں درست ہوں، اگر اقامت کے وقت نہ ہو سکیں، تو اقامت کے بعد نماز شروع کرنے سے پہلے درست ہو جانی چاہئیں، اور تسویہ صفوف سے مراد نمازیوں کا ایک ہی لائن میں برابر کھڑے ہونا ہے اور صفوں کے درمیان فاصلوں اور رخنوں کو بند کرنا ہے۔

"قوله بين وجوهكم" اس سے مراد حسی طور پر چہروں کا پچھلی جانب ہونا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "من قبل أن نطمس وجوهًا فنردّها على أدبارها[2]" یا مجازًا اس سے مراد دلوں میں عداوت اور بُغض اور اختلاف واقع ہونا ہے۔

۷۱۸ حَدَّثَنَا أَبُو مَعْمَرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ، عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَقِيمُوا الصُّفُوفَ فَإِنِّي أَرَاكُمْ خَلْفَ ظَهْرِي».

ہم سے ابو معمر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبد الوارث نے عبد العزیز بن صہیب سے بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ صفیں سیدھی کر لو۔ میں تمہیں اپنی پیٹھ کے پیچھے سے دیکھ رہا ہوں۔

بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ "أري" "أعلم" کے معنی میں ہے۔ بعض کے ہاں اس سے دیکھنا مراد ہے اور یہ دیکھنا نماز کی حالت میں نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خاص تھا، اور یہ رؤیت خرق عادت پر محمول ہے۔

۷۲۔ بَابُ إِقْبَالِ الإِمَامِ عَلَى النَّاسِ عِنْدَ تَسْوِيَةِ الصُّفُوفِ:

باب: صفیں برابر کرتے وقت امام کا لوگوں کی طرف منہ کرنا

۷۱۹ حَدَّثَنَا أَحْمَدُ ابْنُ أَبِي رَجَاءٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعَاوِيَةُ بْنُ عَمْرٍو، قَالَ: حَدَّثَنَا زَائِدَةُ بْنُ قُدَامَةَ. قَالَ: حَدَّثَنَا حُمَيْدُ الطَّوِيلُ، حَدَّثَنَا أَنَسٌ. قَالَ: أُقِيمَتِ الصَّلَاةُ فَأَقْبَلَ عَلَيْنَا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِوَجْهِهِ، فَقَالَ: «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ وَتَرَاصُّوا فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي».

ہم سے احمد بن ابی رجاء نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے معاویہ بن عمرو نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے زائدہ بن قدامہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے حمید طویل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے انس بن

---

1. صحیح بخاری ۷۲۳، ج ۱ ص ۱۴۵۔ مسلم (۱۲۴) ۴۳۳، ج ۱ ص ۳۲۴
2. النساء: ۴۷۔

مالک رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ نماز کے لیے تکبیر کہی گئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا منہ ہماری طرف کیا اور فرمایا کہ اپنی صفیں برابر کر لو اور مل کر کھڑے ہو جاؤ۔ میں تم کو اپنی پیٹھ کے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

"قولہ تَرَاصُّوا" أی تلاصقوا یعنی آپس میں مل جائیں اور درمیان میں سوراخ نہ چھوڑیں۔ حنفی کہتے ہیں کہ نماز میں مل کر کھڑا ہونے کا مسئلہ غیر مقلدوں نے بنالیا ہے۔ حالانکہ شامی میں بھی لکھا ہے کہ امام کو چاہیئے کہ وہ لوگوں کو تراص اور سدِّ خلل کا حکم دے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ دو پاؤں کے درمیان فاصلہ چار انگلیوں کا ہونا چاہیئے۔ اور کہا ہے کہ ٹخنے سے ٹخنہ ملانے کی حدیث کا تعلق جماعت سے ہے، اسکا مطلب یہ ہے کہ احناف بھی مانتے ہیں کہ جماعت میں ملنا چاہیئے، ویسے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ نماز باجماعت میں ایک سیدھ میں کھڑا ہونا چاہیئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پاؤں سے پاؤں بھی جوڑنا چاہیئے۔ کیونکہ پاؤں سے پاؤں بغیر تکلف کے مل سکتا ہے۔ لیکن ٹخنے ملانے میں تکلف پایا جاتا ہے۔ لہذا ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے سے مراد صف کو سیدھا کرنا ہے۔ ایک دوسرے کے ساتھ ٹخنے ملا کر دیکھ لیا جائے کہ صف سیدھی ہے یا نہیں؟ یہ مطلب نہیں کہ ساری نماز میں ٹخنے جڑے رہیں، سوائے قیام کی حالت کے وہ جڑے رہ بھی نہیں سکتے، قیام میں ہو سکتا ہے اور اس میں بھی تکلف پایا جاتا ہے۔ آج کل لوگ جب رکوع میں جاتے ہیں تو ٹخنے ملانے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ ٹخنے ملاتے ہوئے کعبہ سے ہی منحرف ہو جائے، کعبے سے سینہ پھر جائے تو نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اس لئے ٹخنے جوڑنے کے تکلف سے بچنا چاہیئے یہ صرف صف سیدھی کرنے کے لئے ہے، نبی اکرم ﷺ جب نماز پڑھاتے تو اس سے پہلے ٹخنہ سے ٹخنہ ملانے کا حکم دیتے، اور صف برابر تب ہوتی ہے جبکہ سب کے ٹخنے ایک لائن میں ہوں، لہذا ٹخنے جوڑنے کا عمل صف سیدھی کرنے کے لئے ہے یعنی نماز شروع کرنے سے پہلے ٹخنے ملا کر صف سیدھی کی جائے گی، یہ نہ ہو کہ پاؤں کی خنصر ملا کر صف سیدھی کریں بلکہ ٹخنے ملائے جائیں اور کندھے بھی نہیں جڑ سکتے کیونکہ لوگ چھوٹے بڑے ہوتے ہیں۔ ہاں پاؤں سے پاؤں بغیر تکلف کے مل سکتے ہیں، لہذا نماز باجماعت میں ایک دوسرے کے ساتھ پاؤں ملے ہونا چاہئیں، جو ممکن ہے اس پر عمل کرنا چاہیئے۔

"فاتقوا اللہ ما استطعتم" کی روشنی میں قاعدہ یہ ہے کہ اپنی طاقت کے مطابق عمل کرو، نعمان بن بشیر کی حدیث بھی یہ ہے کہ جب آپ صفیں سیدھی کرنے کا حکم دیتے تو ہم کندھے سے کندھا اور ٹخنے سے ٹخنہ جوڑتے۔ مطلب یہ ہے کہ ایسا کر کے ہم دیکھ لیتے کہ صف سیدھی ہے یا نہیں۔ اور پاؤں ملے رہیں تاکہ تراصوا پر عمل ہو سکے اور خلل ڈالنے سے بچا جا سکے۔

۷۳۔ بَابُ الصَّفِّ الأَوَّلِ:

باب: صف اول (کے ثواب کے بیان)

۷۲۰ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «الشُّهَدَاءُ الْغَرِقُ وَالْمَطْعُونُ وَالْمَبْطُونُ

وَالْهَدِمُ.

ہم سے ابوعاصم ضحاک بن مخلد نے امام مالک کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے سمی سے، انہوں نے ابوصالح ذکوان سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ڈوبنے والے، پیٹ کی بیماری میں مرنے والے، طاعون میں مرنے والے اور دب کر مرنے والے شہید ہیں۔

۷۲۱وَقَالَ: وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي التَّهْجِيرِ لَاسْتَبَقُوا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الْعَتَمَةِ وَالصُّبْحِ لَأَتَوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا، وَلَوْ يَعْلَمُونَ مَا فِي الصَّفِّ الْمُقَدَّمِ لَاسْتَهَمُوا».

فرمایا کہ اگر لوگ جان لیں جو ثواب نماز کے لیے جلدی آنے میں ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھیں اور اگر عشاء اور صبح کی نماز کے ثواب کو جان لیں تو اس کے لیے ضرور آئیں۔ خواہ سرین کے بل آنا پڑے اور اگر پہلی صف کے ثواب کو جان لیں تو اس کے لیے قرعہ اندازی کریں۔

۷۴-بَابُ إِقَامَةِ الصَّفِّ مِنْ تَمَامِ الصَّلَاةِ:

باب: صف برابر کرنا نماز کا پورا کرنا ہے

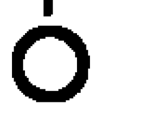


۷۲۲حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَعْمَرٌ، عَنْ هَمَّامٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهُ قَالَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ فَلَا تَخْتَلِفُوا عَلَيْهِ، فَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ، وَأَقِيمُوا الصَّفَّ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ إِقَامَةَ الصَّفِّ مِنْ حُسْنِ الصَّلَاةِ».

ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم کو عبدالرزاق نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ہمیں معمر نے ہمام بن منبہ کے واسطہ سے خبر دی، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے ہوتا ہے تاکہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے تم اس سے اختلاف نہ کرو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ «سمع اللہ لمن حمدہ» کہے تو تم «ربنا لک الحمد» کہو اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو۔ اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر پڑھو اور نماز میں صفیں برابر رکھو، کیونکہ نماز کا حسن صفوں کے برابر رکھنے میں ہے۔



۷۲۳حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «سَوُّوا صُفُوفَكُمْ فَإِنَّ تَسْوِيَةَ الصُّفُوفِ مِنْ إِقَامَةِ الصَّلَاةِ».



ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا کہ ہم کو شعبہ نے قتادہ کے واسطہ سے خبر دی، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ صفیں برابر رکھو کیونکہ صفوں کا برابر رکھنا نماز کے قائم کرنے میں داخل ہے۔

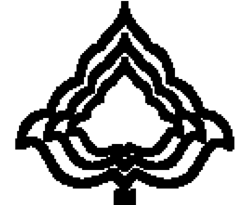


نماز کی تکمیل تب ہوتی ہے جبکہ صف درست کی جائے۔ اس لئے صف درست کرنا فرض ہے کیونکہ اسی سے نماز پوری ہوتی ہے، بعض کہتے ہیں کہ لفظ "تمام" تمامِ ذاتی پر بھی بولا جاتا ہے اور تمام وصفی پر بھی۔ اگر اس سے مراد تمام وصفی ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ صف کی درستی کے بغیر نماز ناقص ہوگی اور اگر تمام ذاتی مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ نماز باطل ہوگی جیسا کہ ابن حزم وغیرہ کا خیال ہے۔ حافظ کی رائے بھی یہی ہے کہ یہاں تمام ذاتی مراد ہے تمام وصفی مراد نہیں ہے۔ ایمان کی بحث میں انور شاہ نے بھی کہا ہے کہ تمام ذات کے پورا کرنے کو کہتے ہیں اور کمال وصف کو پورا کرنے کا نام ہے۔ یہاں تمام کا لفظ استعمال ہوا ہے تو مطلب یہ ہے کہ صف کی درستی کے بغیر ذات نماز نہیں پائی جائے گی اور نماز باطل ہوگی۔

"قوله فان إقامة الصف من حسن الصلوة" یہاں حسن سے مراد حسن ذاتی ہے، گویا اقامت صف سے ذات نماز میں حسن پیدا ہوگا۔

٧٥-بَابُ إِثْمِ مَنْ لَمْ يُتِمَّ الصُّفُوفَ:

باب: اس بارے میں کہ صفیں پوری نہ کرنے والوں کا گناہ

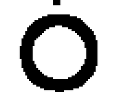


٧٢٤ حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ أَسَدٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا الْفَضْلُ بْنُ مُوسَى، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَعِيدُ بْنُ عُبَيْدٍ الطَّائِيُّ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ أَنَّهُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ، فَقِيلَ لَهُ: «مَا أَنْكَرْتَ مِنَّا مُنْذُ يَوْمِ عَهِدْتَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. قَالَ: مَا أَنْكَرْتُ شَيْئًا، إِلَّا أَنَّكُمْ لَا تُقِيمُونَ الصُّفُوفَ». وَقَالَ عُقْبَةُ بْنُ عُبَيْدٍ، عَنْ بُشَيْرِ بْنِ يَسَارٍ قَدِمَ عَلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْمَدِينَةَ بِهَذَا.

ہم سے معاذ بن اسد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے فضل بن موسیٰ نے بیان کیا، انہوں نے کہا ہم سے سعید بن عبید طائی نے بیان کیا بشیر بن یسار انصاری سے، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے کہ جب وہ (بصرہ سے) مدینہ آئے، تو آپ سے پوچھا گیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک اور ہمارے اس دور میں آپ نے کیا فرق پایا۔ فرمایا کہ اور تو کوئی بات نہیں صرف لوگ صفیں برابر نہیں کرتے۔ اور عقبہ بن عبید نے بشیر بن یسار سے یوں روایت کیا کہ انس رضی اللہ عنہ ہمارے پاس مدینہ تشریف لائے۔ پھر یہی حدیث بیان کی۔

شرح بخاری





٧٦-بَابُ إِلْزَاقِ الْمَنْكِبِ بِالْمَنْكِبِ وَالْقَدَمِ بِالْقَدَمِ فِي الصَّفِّ:

باب: صف میں کندھے سے کندھا اور قدم سے قدم ملا کر کھڑے ہونا

وَقَالَ النُّعْمَانُ بْنُ بَشِيرٍ: رَأَيْتُ الرَّجُلَ مِنَّا يُلْزِقُ كَعْبَهُ بِكَعْبِ صَاحِبِهِ.

اور نعمان بن بشیر صحابی نے کہا کہ میں نے دیکھا (صف میں) ایک آدمی ہم میں سے اپنا ٹخنہ اپنے قریب والے



دوسرے آدمی کے ٹخنہ سے ملا کر کھڑا ہوتا۔

٧٢٥ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ خَالِدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا زُهَيْرٌ، عَنْ حُمَيْدٍ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَقِيمُوا صُفُوفَكُمْ فَإِنِّي أَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي، وَكَانَ أَحَدُنَا يُلْزِقُ مَنْكِبَهُ بِمَنْكِبِ صَاحِبِهِ وَقَدَمَهُ بِقَدَمِهِ».

ہم سے عمرو بن خالد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے زہیر بن معاویہ نے حمید سے بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، صفیں برابر کرلو۔ میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں اور ہم میں سے ہر شخص یہ کرتا کہ (صف میں) اپنا کندھا اپنے ساتھی کے کندھے سے اور اپنا قدم (پاؤں) اس کے قدم (پاؤں) سے ملا دیتا تھا۔

حنفی کہتے ہیں کہ یہاں منکب کو قدم کے ساتھ ذکر کرکے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں "الزاق" کا حقیقی معنی مراد نہیں ہے کیونکہ کندھوں میں الزاق حقیقی مراد نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا الزاق قدم سے بھی حقیقی معنی مراد نہیں ہے حالانکہ جہاں حقیقی معنی ممکن ہو وہاں حقیقی معنی ہی مراد لینا چاہیے، مجاز وہاں مراد ہوتا ہے جہاں حقیقت مراد نہ ہوسکتی ہو، کندھوں میں اگر حقیقت مراد نہیں ہوسکتی تو یہاں مجاز مراد لیا جاسکتا ہے لیکن قدموں کو ملانا ممکن ہے۔ لہٰذا یہاں حقیقی معنی ہی مراد ہوگا، مناکب میں الزاق سے مراد اگر مجاز ہے تو اسکا یہ مطلب نہیں کہ پاؤں ملانے کو بھی مجاز پر محمول کر لیا جائے۔ پاؤں آپس میں ملائے جاسکتے ہیں لہٰذا اسے حقیقت پر ہی محمول کیا جائے گا۔ انورشاہ نے ایک بات کی ہے جو بالکل ہی لغو بات ہے۔ کہا ہے کہ اگر تمہارے ہاں الزاق سے مراد یہ ہے کہ درمیان میں فاصلہ نہ ہو بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ پاؤں ملے ہوئے ہونا چاہئیں تو بتاؤ "مَرَرْتُ بِزَيْدٍ" کا کیا معنی ہوگا۔ اس کا معنی یہی ہے "مررت بالمكان الذى يقرب منه زيد" حالانکہ انورشاہ نے سمجھا نہیں ہے۔ یہ مثال تو علماء نحو نے مجاز کی دی ہے۔ یہ حقیقی معنی کی مثال نہیں ہے جبکہ الزاق اقدام سے حقیقی معنی مراد ہے۔ اس نے مجاز کی مثال پیش کرکے اعتراض کر دیا ہے جو کہ فضول ہے۔

٧٧- بَابُ إِذَا قَامَ الرَّجُلُ عَنْ يَسَارِ الإِمَامِ، وَحَوَّلَهُ الإِمَامُ خَلْفَهُ إِلَى يَمِينِهِ، تَمَّتْ صَلاَتُهُ:

باب: اگر کوئی شخص امام کے بائیں طرف کھڑا ہو اور امام اپنے پیچھے سے اسے دائیں طرف کر دے تو نماز ہو جائے گی

٧٢٦ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا دَاوُدُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ دِينَارٍ، عَنْ كُرَيْبٍ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ، فَقُمْتُ عَنْ يَسَارِهِ فَأَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

بِرَأْسِي مِنْ وَرَائِي فَجَعَلَنِي عَنْ يَمِينِهِ فَصَلَّى وَرَقَدَ. فَجَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے داؤد بن عبدالرحمٰن نے عمرو بن دینار سے بیان کیا، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے غلام کریب سے انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے،، آپ نے بتلایا کہ ایک رات میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلمکے ساتھ (آپ کے گھر میں تہجد کی) نماز پڑھی۔ میں آپ کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیچھے سے میرا سر پکڑ کر مجھے اپنے دائیں طرف کر دیا۔ پھر نماز پڑھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے جب موذن (نماز کی اطلاع دینے) آیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور وضو نہیں کیا۔

یہ باب اس سے قبل حدیث ۶۹۸ پر گذر چکا ہے اور وہاں اس سے مراد یہ تھی کہ اگر کوئی شخص امام کی بائیں جانب کھڑا ہو جائے اور امام اسے کھینچ کر اپنی دائیں جانب کر لے۔ تو یہ عمل قلیل ہے اس سے دونوں کی نماز باطل نہیں ہوگی اور اس ترجمہ باب میں بخاری رحمہ اللہ نے "خَلْفَةً" کا لفظ ذکر کیا ہے اور یہاں مراد یہ ہے کہ بائیں جانب کھڑا ہونے والے مقتدی کو جب امام دائیں جانب لائیگا، تو مقتدی امام کے پیچھے سے ہو کر دائیں جانب آئے گا۔ لیکن اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ حالانکہ امام کے پیچھے اکیلے کی نماز نہیں ہوتی۔ لیکن یہاں ضرورت کے لئے اس کے پیچھے ہونے کے باوجود نماز مکمل ہو جائے گی۔ کیونکہ یہاں یہ عمل نماز کی اصلاح کے لئے ہوا ہے۔

۷۸- بَابُ الْمَرْأَةُ وَحْدَهَا تَكُونُ صَفًّا:

باب: اس بارے میں کہ عورت اکیلی ایک صف کا حکم رکھتی ہے

۷۲۷ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مُحَمَّدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنْ إِسْحَاقَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: «صَلَّيْتُ أَنَا وَيَتِيمٌ فِي بَيْتِنَا خَلْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأُمِّي أُمُّ سُلَيْمٍ خَلْفَنَا».

ہم سے عبداللہ بن محمد مسندی نے بیان کیا، ان سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، وہ اسحٰق بن عبداللہ بن ابی طلحہ سے وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے انہوں نے بتلایا کہ میں نے اور ایک یتیم لڑکے (ضمیرہ بن ابی ضمیرہ) نے جو ہمارے گھر میں موجود تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی اور میری والدہ ام سلیم ہمارے پیچھے تھیں۔

عورت اگر اکیلی ہو اور اس کے ساتھ کھڑی ہونیوالی دوسری عورت نہ ہو تو وہ مردوں کے پیچھے اکیلی کھڑی ہو کر نماز پڑھے تو اس کی نماز صحیح ہوگی۔ کیونکہ عورت مردوں کے ساتھ صف نہیں بنا سکتی جبکہ آدمی اکیلا کھڑا نہیں ہو سکتا۔ اگر صف میں جگہ ہو تو صف میں شامل ہو جائے اگر اکیلا نماز پڑھے گا تو اسکی نماز باطل ہوگی ہاں اگر صف میں جگہ نہ ہو تو اس میں

اختلاف ہے۔ احناف کی رائے یہ ہے کہ صف میں سے کسی کو پیچھے کھینچ لے۔ لیکن کھینچنے کی روایت ضعیف ہے [1]۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہاہے کہ یہ روایت صحیح حدیث کے بھی خلاف ہے کیونکہ صحیح حدیث میں صف توڑنے سے منع کیا گیا ہے، لہذا جب کوئی آدمی صف سے کسی کو پیچھے کھینچے گا تو صف کو توڑے گا اور یہ جائز نہیں ہے اس لئے اگلی صف سے کسی کو نہیں کھینچنا چاہیے۔ اگر صف میں جگہ نہ ہو تو پیچھے اکیلا کھڑا ہو جائے۔ اگر صف میں جگہ ہونے کے باوجود پیچھے اکیلا نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ امام احمد بن حنبل کا یہ مذہب ہے۔ بعض کہتے ہیں جب عورت اکیلی ہو اور اس کے ساتھ دوسری عورت نہ ہو تو مردوں کے پیچھے اکیلی صف بنا سکتی ہے اور اس کی نماز ہو جاتی ہے تو اسی طرح جب کوئی مرد اکیلا ہو اور اس کے ساتھ کوئی دوسرا مرد نہ ہو اور اگلی صف میں جگہ نہ ہونے کی صورت میں اکیلا صف بنالے اور اکیلا نماز پڑھ لے تو اس کی نماز بھی بالاولی ہو جائے گی۔

"قوله صليت انا ويتيم" یتیم سے مراد ضمیرہ بن سعد الحمیری ہے۔

٧٩-بَابُ مَيْمَنَةِ الْمَسْجِدِ وَالإِمَامِ:

باب: مسجد اور امام کی داہنی جانب کا بیان

٧٢٨ حَدَّثَنَا مُوسَى، حَدَّثَنَا ثَابِتُ بْنُ يَزِيدَ، حَدَّثَنَا عَاصِمٌ، عَنِ الشَّعْبِيِّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «قُمْتُ لَيْلَةً أُصَلِّي عَنْ يَسَارِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَخَذَ بِيَدِي أَوْ بِعَضُدِي حَتَّى أَقَامَنِي عَنْ يَمِينِهِ، وَقَالَ: بِيَدِهِ مِنْ وَرَائِي».



ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ثابت بن یزید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عاصم احول نے عامر شعبی سے بیان کیا، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، آپ نے بتلایا کہ میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں) نماز (تہجد) پڑھنے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا سر یا بازو پکڑ کر مجھ کو اپنی دائیں طرف کھڑا کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ سے اشارہ کیا تھا کہ پیچھے سے گھوم آؤ۔

"قوله حتى أقامني عن يمينه" اس سے معلوم ہوا کہ امام جب نماز پڑھ رہا ہو تو اس کی دائیں جانب یمین ہے اور وہی مسجد کا یمین ہے۔ ورنہ جب وہ منبر پر کھڑا ہو کر خطاب کر رہا ہو تو اس کا یمین اور ہوتا ہے وہ یہاں مراد نہیں ہے اور دائیں جانب چونکہ افضل ہے اس لئے ایک مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا کیا جاتا ہے۔

٨٠-بَابُ إِذَا كَانَ بَيْنَ الإِمَامِ وَبَيْنَ القَوْمِ حَائِطٌ أَوْ سُتْرَةٌ [2]



[1] مسند أبی یعلی ١٥٨٨ ج٣ ص ١٦٢۔ (السری بن اسماعیل ضعیف ہے)

[2] اس باب میں دو مسئلے ذکر ہوئے ہیں، ایک یہ کہ امام اور مقتدی کے درمیان کوئی نہر یا روڈ حائل ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے، مقتدی کی اقتداء درست ہوگی، نہر حائل ہونے کی صورت میں نماز کا جواز حسن بصری کے قول سے ثابت ہے اور دیوار حائل ہونے کی صورت میں اقتداء کا جواز ابو مجلز کے قول سے ثابت ہے، اس کا نام لاحق بن حمید بن سعید بصری ہے، جو

باب: جب امام اور مقتدیوں کے درمیان کوئی دیوار حائل ہو یا پردہ ہو (تو کچھ قباحت نہیں)

وَقَالَ الْحَسَنُ: لَا بَأْسَ أَنْ تُصَلِّيَ وَبَيْنَكَ وَبَيْنَهُ نَهْرٌ. وَقَالَ أَبُو مِجْلَزٍ: يَأْتَمُّ بِالْإِمَامِ وَإِنْ كَانَ بَيْنَهُمَا طَرِيقٌ أَوْ جِدَارٌ إِذَا سَمِعَ تَكْبِيرَ الْإِمَامِ.

اور امام حسن بصری نے فرمایا کہ اگر امام کے اور تمہارے درمیان نہر ہو جب بھی نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں اور ابو مجلز تابعی نے فرمایا کہ اگر امام اور مقتدی کے درمیان کوئی راستہ یا دیوار حائل ہو جب بھی اقتداء کر سکتا ہے بشرطیکہ امام کی تکبیر سن سکتا ہو۔

یعنی امام اور مقتدی کے درمیان کوئی دیوار یا دیگر رکاوٹ حائل ہو تو امام کی اقتداء کر سکتا ہے۔ احناف کے ہاں نہر یا شارع عام نہیں ہونا چاہیے۔ راستے میں اگر صفیں بن جائیں درمیان میں فاصلہ نہ ہو تو کوئی حرج نہیں اگر درمیان میں خالی جگہ ہو تو جائز نہیں سمجھتے۔ دیگر علماء جائز سمجھتے ہیں، دیوار وغیرہ حائل ہو تو حنفی بھی جائز کہتے ہیں۔ امام کی تکبیرات کہنے کی آواز سنائی دینی چاہیے۔



٧٢٩ حَدَّثَنَا مُحَمَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدَةُ، عَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيدٍ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ عَمْرَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ فِي حُجْرَتِهِ وَجِدَارُ الْحُجْرَةِ قَصِيرٌ، فَرَأَى النَّاسُ شَخْصَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَامَ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ فَأَصْبَحُوا فَتَحَدَّثُوا بِذَلِكَ، فَقَامَ اللَّيْلَةَ الثَّانِيَةَ فَقَامَ مَعَهُ أُنَاسٌ يُصَلُّونَ بِصَلَاتِهِ، صَنَعُوا ذَلِكَ لَيْلَتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا حَتَّى إِذَا كَانَ بَعْدَ ذَلِكَ جَلَسَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَخْرُجْ فَلَمَّا أَصْبَحَ ذَكَرَ ذَلِكَ النَّاسُ فَقَالَ: إِنِّي خَشِيتُ أَنْ تُكْتَبَ عَلَيْكُمْ صَلَاةُ اللَّيْلِ».

شرح بخاری

ہم سے محمد بن سلام بیکندی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدہ بن سلیمان نے یحیٰی بن سعید انصاری کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے عمرہ بنت عبدالرحمٰن سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، آپ نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات میں اپنے حجرہ کے اندر (تہجد کی) نماز پڑھتے تھے۔ حجرے کی دیواریں پست تھیں اس لیے لوگوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا اور کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ



کہ تابعین سے ہے، اوزاعی نے کہا ہے کہ اگر دو کشتیاں دریا میں چل رہی ہوں اور امام اگلی کشتی میں ہو تو پچھلی کشتی والے اس کی اقتداء میں نماز ادا کر سکتے ہیں اگرچہ درمیان میں فاصلہ ہو۔ ہشام بن عروہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد اور حمید بن عبدالرحمن کو دیکھا کہ وہ حمید کے گھر میں امام کی اقتداء میں نماز جمعہ پڑھ رہے تھے حالانکہ درمیان میں دیوار تھی۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جب امام اور مقتدی کے درمیان ایسی رکاوٹ ہو جو امام کو دیکھنے سے مانع ہو تو امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو مجلز کے اثر سے اس کے جواز کی طرف اشارہ کیا ہے جبکہ امام کی تکبیر سنائی دیتی ہو گویا مقتدی کا امام کو دیکھنا ضروری نہیں ہے۔

وسلم کی اقتداء میں نماز کے لیے کھڑے ہو گئے۔ صبح کے وقت لوگوں نے اس کا ذکر دوسروں سے کیا۔ پھر جب دوسری رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوئے تو کچھ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں اس رات بھی کھڑے ہو گئے۔ یہ صورت دو یا تین رات تک رہی۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ رہے اور نماز کے مقام پر تشریف نہیں لائے۔ پھر صبح کے وقت لوگوں نے اس کا ذکر کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں ڈرا کہ کہیں رات کی نماز (تہجد) تم پر فرض نہ ہو جائے۔ (اس خیال سے میں نے یہاں کا آنا ناغہ کر دیا)۔

حافظ نے یہاں اعتراض اٹھایا ہے کہ معراج کی رات پانچ نمازیں فرض ہوگئیں تھیں۔ اس کے بعد اللہ تعالی نے فرمادیا تھا "لَایُبَدِّلُ الْقَولُ لَدَیَّ[1]" کہ ان میں تبدیلی نہیں ہوگی، جبکہ اور نمازیں فرض ہونے کا احتمال باقی نہیں رہا تھا تو آپ مزید فرضیت سے کیوں ڈرے؟ اسکا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ پانچ کے علاوہ کسی نماز کے فرض ہونے سے نہیں ڈرے تھے بلکہ رات کی نماز کی ادئیگی کے لئے مسجد کے شرط ہوجانے سے ڈرے یا اس کے لئے جماعت سے ادا کرنے کی شرط لاگو ہونے سے ڈرے تھے، پھر "لایبدل القول لدی" بھی پانچ وقت کی نمازوں کے بارہ میں ہے کہ پانچ کے ساتھ کسی چھٹی نماز کے فرض ہونے کا ڈر تو نہیں تھا، لیکن یہ ڈر تھا کہ رمضان میں پڑھی جانے والی یہ سنوی نماز فرض نہ ہو جائے۔ اس لئے فرمایا "خشیت ان تکتب علیکم صلوۃ اللیل[2]" یا لوگوں کی اس نماز پر مواظبت کی وجہ سے اس کے فرض ہونے سے ڈرے، کیونکہ مواظبت کی بنا پر ایک چیز لازم ہوسکتی ہے۔

٨١۔ بَابُ صَلَاةِ اللَّيْلِ:

باب: رات کی نماز

٧٣٠ حَدَّثَنَا إِبْرَاهِيمُ بْنُ الْمُنْذِرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي فُدَيْكٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنِ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهَا، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَهُ حَصِيرٌ يَبْسُطُهُ بِالنَّهَارِ وَيَحْتَجِرُهُ بِاللَّيْلِ فَثَابَ إِلَيْهِ نَاسٌ فَصَلَّوْا وَرَاءَهُ».

ہم سے ابراہیم بن المنذر نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے محمد بن اسماعیل بن ابی فدیک نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی ذئب نے بیان کیا، مقبری کے واسطہ سے، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک چٹائی تھی۔ جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دن میں بچھاتے تھے اور رات میں اس کا پردہ کر لیتے تھے۔ پھر چند لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے ہوئے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جھکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

1. صحیح بخاری ٣٣٩ ج ١ ص ٧٨۔
2. صحیح بخاری ٧٢٩ ج ١ ص ١٤٦۔

پیچھے نماز پڑھنے لگے۔

٧٣١ حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى بْنُ حَمَّادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، عَنْ سَالِمٍ أَبِي النَّضْرِ، عَنْ بُسْرِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، «أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ حُجْرَةً. قَالَ: حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ: مِنْ حَصِيرٍ فِي رَمَضَانَ فَصَلَّى فِيهَا لَيَالِيَ فَصَلَّى بِصَلَاتِهِ نَاسٌ مِنْ أَصْحَابِهِ. فَلَمَّا عَلِمَ بِهِمْ جَعَلَ يَقْعُدُ فَخَرَجَ إِلَيْهِمْ. فَقَالَ: قَدْ عَرَفْتُ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ صَنِيعِكُمْ فَصَلُّوا أَيُّهَا النَّاسُ فِي بُيُوتِكُمْ. فَإِنَّ أَفْضَلَ الصَّلَاةِ صَلَاةُ الْمَرْءِ فِي بَيْتِهِ إِلَّا الْمَكْتُوبَةَ». قَالَ عَفَّانُ: حَدَّثَنَا وُهَيْبٌ، حَدَّثَنَا مُوسَى، سَمِعْتُ أَبَا النَّضْرِ، عَنْ بُسْرٍ، عَنْ زَيْدٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

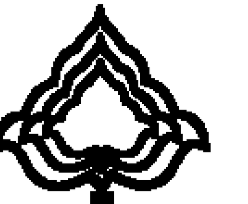
ہم سے عبدالاعلیٰ بن حماد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے وہیب بن خالد نے بیان کیا، کہا ہم سے موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا، ابوالنضر سالم سے، انہوں نے بسر بن سعید سے، انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان میں ایک حجرہ بنالیا یا اوٹ (پردہ) بسر بن سعید نے کہا میں سمجھتا ہوں وہ بوریئے کا تھا۔ آپ نے کئی رات اس میں نماز پڑھی۔ صحابہ میں سے بعض حضرات نے ان راتوں میں آپ کی اقتداء کی۔ جب آپ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے بیٹھ رہنا شروع کیا (نماز موقوف رکھی) پھر برآمد ہوئے اور فرمایا تم نے جو کیا وہ مجھ کو معلوم ہے، لیکن لوگو! تم اپنے گھروں میں نماز پڑھتے رہو کیونکہ بہتر نماز آدمی کی وہی ہے جو اس کے گھر میں ہو۔ مگر فرض نماز (مسجد میں پڑھنی ضروری ہے) اور عفان بن مسلم نے کہا کہ ہم سے وہیب نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے موسیٰ بن عقبہ نے بیان کیا، کہا کہ میں نے ابوالنضر ابن ابی امیہ سے سنا، وہ بسر بن سعید سے روایت کرتے تھے، وہ زید بن ثابت سے، وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

یہاں یہ باب صلوۃ اللیل کے عنوان سے صرف مستملی کی روایت میں ہے۔ باقی کسی نے اسے یہاں ذکر نہیں کیا، کیوں کہ یہ ترجمہ باب کتاب الصلوۃ کے آخر میں مستقل طور پر آرہا ہے، لہٰذا یہاں اسے ذکر کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے، اس لئے کہ سابقہ ابواب میں اقامتِ صفوف کا ذکر ہو رہا ہے اور اس باب کے تحت آنے والی احادیث کا تعلق بھی امام کے پیچھے صف بندی کرنے سے ہے جیسا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں "فصلو وراءہ [1]" کے بدلے فصفوا وراءہ "بھی مروی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ یہ باب کسی راوی کی طرف سے ہے، کیونکہ اس باب سے قبل آنے والی حدیث کے آخر میں "صلوۃ اللیل" کا لفظ آیا ہے، وہی لفظ کسی سے مکرر لکھا گیا ہے، اور باب بنادیا ہے ورنہ یہاں صلوۃ اللیل کو ذکر کرنے کا محل نہیں ہے۔ بعض نے اس باب کی بابِ سابق سے مناسبت

---

[1] بخاری ۷۳۰ ج ا ص ۱۴۷۔

ذکر کرنے کا تکلف کیا ہے اور کہا ہے کہ اس سے پہلے باب میں امام اور قوم کے درمیان دیوار وغیرہ حائل ہونے کا ذکر تھا جس کی وجہ سے امام نظر نہیں آتا، صرف اس کی آواز سن کر اسکی اقتداء کی جاتی ہے جو کہ جائز ہے۔ اور صلوۃ اللیل میں بھی اندھیرا ہونے کی وجہ سے امام نظر نہیں آتا صرف اس کی آواز سن کر اسکی اقتداء کرنا جائز ہے۔ اور ایک احتمال حافظ نے ذکر کیا ہے کہ یہ اصل میں "باب صلوۃ اللیل جماعۃ" ہے۔ گویا یہاں صلوۃ اللیل میں جماعت کے جواز کو ثابت کرنا مقصود ہے جبکہ کتاب الصلوۃ کے آخر میں آنے والے ابواب صلوۃ اللیل میں صلوۃ لیل کا حکم اسکی کیفیت اور عددِ رکعات وغیرہ کا ذکر ہوگا۔ واللہ تعالی أعلم۔









أبواب صفة الصلوة

امام بخاری رحمہ اللہ نماز باجماعت اور اقامت وغیرہ نیز نماز میں صف بندی کے احکام ذکر کرنے کے بعد اب صفتِ صلوۃ اور اس کے متعلقات کو شروع کر رہے ہیں۔

۸۲-بَابُ إِيجَابِ التَّكْبِيرِ وَافْتِتَاحِ الصَّلَاةِ:

باب: تکبیر کا واجب ہونا اور نماز کا شروع کرنا

۷۳۲ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ الْأَنْصَارِيُّ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكِبَ فَرَسًا فَجُحِشَ شِقُّهُ الْأَيْمَنُ، قَالَ أَنَسٌ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ: فَصَلَّى لَنَا يَوْمَئِذٍ صَلَاةً مِنَ الصَّلَوَاتِ وَهُوَ قَاعِدٌ فَصَلَّيْنَا وَرَاءَهُ قُعُودًا، ثُمَّ قَالَ لَمَّا سَلَّمَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا صَلَّى قَائِمًا فَصَلُّوا قِيَامًا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے یہ بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعیب نے زہری کے واسطہ سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے انس بن مالک انصاری رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک گھوڑے پر سوار ہوئے اور (گر جانے کی وجہ سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں پہلو میں زخم آ گئے۔ انس رضی اللہ عنہ نے بتلایا کہ اس دن ہمیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نماز پڑھائی، چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے، اس لیے ہم نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر سلام کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس لیے جب وہ کھڑے ہو کر نماز پڑھے تو تم بھی کھڑے ہو کر پڑھو اور جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی کرو اور جب وہ «سمع اللہ لمن حمدہ» کہے تو تم «ربنا ولک الحمد» کہو۔

شرح بخاری

نماز کی شرطیں ذکر کرنے کے بعد اب نماز کی کیفیت اور صفت بیان کرتے ہیں۔ باب ایجاب التکبیر وافتتاح الصلوۃ میں واؤ تفسیریہ ہے یا عاطفہ؟ اس میں اختلاف ہے، واؤ تفسیریہ ہو تو مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہنے کے ساتھ ہی نماز شروع ہو جاتی ہے، واؤ عاطفہ ہو تو اسکا عطف مضاف یعنی "ایجاب" پر ہے، یا مضاف الیہ "التکبیر" پر ہے، مضاف پر عطف ڈالنا اَولیٰ ہے، یا واؤ بمعنی "مع" ہے یعنی تکبیر کا واقع کرنا نماز شروع کرنے کے ساتھ ہے۔ بعض افتتاح الصلوۃ سے دعاء استفتاح مراد لیتے ہیں جو کہ واجب نہیں ہے جبکہ تکبیر واجب ہے، عینی نے کہا ہے کہ واؤ بمعنی باء ہے، یا لام تعلیل کے معنی میں ہے، عینی نے حافظ کی تردید میں کچھ نہ کچھ کہنا ہی ہوتا ہے، "ایجاب" سے مراد وجوب تکبیر ہے یا اس

سے مراد ایقاع تکبیر ہے۔ ایقاع تکبیر اور افتتاح الصلوۃ میں واؤ بیانیہ ہوجائے گی یعنی تکبیر کہنا نماز کا شروع کرنا ہے۔
تکبیر احرام امام مالک، امام شافعی اور امام احمد اور جمہور علماء کے نزدیک نماز کا رکن ہے، امام ابوحنیفہ کے نزدیک شرط ہے، بعض کے نزدیک سنت ہے ابن المنذر نے کہا ہے کہ سوائے زہری کے اسکا کوئی قائل نہیں ہے۔

علماء کا اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا تکبیر کے علاوہ کسی دوسرے لفظ سے نماز شروع کی جاسکتی ہے جو اللہ تعالی کی تعظیم پر دلالت کرے، مالک شافعی اور احمد وغیرہ کے نزدیک "اللہ أکبر" کے علاوہ کوئی اور لفظ کفایت نہیں کرتا۔ شافعی کے ہاں اللہ الأکبر۔ الف ولام کے ساتھ بھی کہا جاسکتا ہے۔ ابویوسف کے نزدیک اللہ اکبر، اللہ الأکبر۔ اور اللہ الکبیر بھی جائز ہے۔ لیکن ابوحنیفہ کے نزدیک ہر وہ لفظ جو اللہ تعالی کی عظمت پر دلالت کرتا ہے اس سے نماز شروع کی جاسکتی ہے۔ مثلاً اللہ اکبر یا اللہ أعظم یا اللہ اجل کے ساتھ نماز شروع کی جاسکتی ہے۔ ابویوسف کہتے کہ تکبیر کے لفظ سے جو لفظ مشتق ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے جبکہ امام احمد کہتے ہیں کہ صرف "اللہ اکبر" ہی کہنا چاہیئے اور اس پر الف ولام بھی داخل نہیں کرنا چاہیئے۔ کیونکہ حدیث میں ہے " أنه لاتتم صلوة لأحد من الناس حتى يتوضأ فيضع الوضوء مواضعه ثم يكبر[1]" اور ترمذی میں ہے "كان رسول الله ﷺ إذا قام إلي الصلوة اعتدل قائمًا ورفع يديه ثم قال: الله أكبر[2]" لہذا اللہ اکبر کہنے سے نماز میں داخل ہوگا۔ ورنہ نہیں ہوگا۔ صحیح بات یہی ہے انورشاہ نے بھی کہا ہے۔ اللہ اکبر کہنا چاہیئے ہم یہی کہتے ہیں باقی عقلی باتیں ہیں اور جس پر تعامل ہے اصل چیز وہی ہے۔ اور تعامل "اللہ أکبر" سے نماز شروع کرنے پر ہے، باقی الفاظ پر تعامل نہیں ہے۔ لیکن ان کے خیال میں ان سے بھی نماز ہو جائے گی۔ بعض نے "وذكر اسم ربه فصلي[3]" سے استدلال کیا ہے، کہ اللہ تعالی کا نام لے کر نماز پڑھے خواہ اللہ اکبر کہہ لے یا کوئی اور نام لے لے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر شرط ہے، نماز تکبیر کے بعد شروع ہوتی ہے۔ لیکن بعض نے کہا ہے کہ یہ فاویسے ہی ہے جیسے أطعمه فأشبعه یاسقاه فأرواه " اسے کھلایا پس سیر کر دیا یا اسے پلایا پس سیراب کر دیا۔ یہ ایک محاورہ ہے کھانا کھلانے سے سیر ہو جاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ بعد میں سیر ہوتا ہو اور پانی پلانے سے ہی سیراب ہوجاتا ہے یہ مطلب نہیں کہ پانی پہلے پیئے اور سیرابی بعد میں حاصل ہو۔

اس ترجمہ باب میں دو چیزوں کا ذکر ہے ایک تکبیر کہنے کا اور دوسرا افتتاح صلوۃ کا پہلی حدیث میں تکبیر کا ذکر نہیں ہے۔ لیکن "فاذا صلي قائمًا فصلوا قيامًا" میں افتتاح الصلوۃ کا ذکر ہوگیا، کہ نماز کھڑے ہو کر شروع کرنی چاہیئے۔ بیٹھ کر نہیں۔ گویا نماز قیام سے شروع ہوتی ہے۔ حافظ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے۔ اس سے اگلی حدیث مفصل ہے اس میں "اذا كبر فكبروا" میں تکبیر کا ذکر ہو گیا ہے تو پہلی حدیث افتتاح صلوۃ کیلئے لائے ہیں۔

٧٣٣ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ،

---

[1] سنن أبي داود ٨٥٧ ج ١ ص ٢٢٦۔

[2] جامع ترمذی ٣٠٤ ج ١ ص ٣٩٥۔

[3] الأعلیٰ: ١٥۔

أَنَّهُ قَالَ: خَرَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ فَرَسٍ فَجُحِشَ فَصَلَّى لَنَا قَاعِدًا فَصَلَّيْنَا مَعَهُ قُعُودًا، ثُمَّ انْصَرَفَ فَقَالَ: «إِنَّمَا الْإِمَامُ أَوْ إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا رَفَعَ فَارْفَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب زہری سے بیان کیا، انہوں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ گھوڑے سے گر گئے اور آپ ﷺ زخمی ہو گئے، اس لیے آپ ﷺ نے بیٹھ کر نماز پڑھی اور ہم نے بھی آپ ﷺ کی اقتداء میں بیٹھ کر نماز پڑھی۔ پھر نماز پڑھ کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اس لیے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو۔ جب وہ سر اٹھائے تو تم بھی اٹھاؤ اور جب وہ «سمع الله لمن حمده» کہے تو تم «ربنا لك الحمد» اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی کرو۔

٧٣٤ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «إِنَّمَا جُعِلَ الْإِمَامُ لِيُؤْتَمَّ بِهِ، فَإِذَا كَبَّرَ فَكَبِّرُوا، وَإِذَا رَكَعَ فَارْكَعُوا، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَإِذَا سَجَدَ فَاسْجُدُوا، وَإِذَا صَلَّى جَالِسًا فَصَلُّوا جُلُوسًا أَجْمَعُونَ».

ہم سے ابوالیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں شعیب نے خبر دی، انہوں نے کہا کہ ابوالزناد نے مجھ سے بیان کیا اعرج کے واسطہ سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، امام اس لیے ہے کہ اس کی پیروی کی جائے، اس لیے جب وہ تکبیر کہے تو تم بھی تکبیر کہو۔ جب وہ رکوع کرے تو تم بھی رکوع کرو اور جب وہ «سمع الله لمن حمده» کہے تو تم «ربنا ولك الحمد» اور جب وہ سجدہ کرے تو تم بھی سجدہ کرو اور جب وہ بیٹھ کر نماز پڑھے تو تم سب بھی بیٹھ کر نماز پڑھو۔

"قوله فاذا كبر فكبروا" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تکبیر کہنا واجب اور فرض ہے۔ لیکن اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ اس میں "واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد" بھی آیا ہے لہذا یہ کہنا بھی فرض ہو گا حالانکہ اس کے فرض ہونے کا کوئی بھی قائل نہیں ہے، سوائے ابن حزم کے وہ اس کا قائل ہے۔ امام احمد بن حنبل بھی واجب کہتے ہیں۔ فرض نہیں کہتے۔ دیگر ائمہ سنت کہتے ہیں۔ ایک جگہ فرض اور دوسری جگہ غیر فرض۔ یہ استدلال کیسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہو سکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ دونوں کو فرض سمجھتے ہوں ان کے استاد کا مذہب بھی یہی ہے ممکن ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک نماز کے اجزاء کی تقسیم فرض اور سنت کی طرف ہو۔ احناف کے نزدیک فرض، واجب اور سنت کی طرف ہے۔ شافعی اور مالکی کہتے ہیں کہ دو ہی اجزاء ہیں فرض یا سنت، جبکہ ایک چیز سنت نہیں تو وہ

فرض ہوگی۔ امام احمد تسمیع و تحمید کو واجب کہتے ہیں۔ اہل ظاہر اسے فرض کہتے ہیں ہوسکتا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ بھی فرض کہتے ہوں۔

دوسری بات یہ ہے کہ تسمیع و تحمید کے فرض نہ ہونے کی دلیل اجماع ہے کہ ان کے فرض نہ ہونے پر اجماع ہے۔ اجماع کی وجہ سے یہ فرضیت سے خارج ہوجائیں گے۔ باقی تکبیر رہ جائے گی وہ فرض ہوگی اور اسے سب فرض کہتے ہیں۔ اور جو اسے سنت کہتے ہیں ان کا قول شاذ ہے۔

٨٣-بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ فِي التَّكْبِيرَةِ الأُولَى مَعَ الافْتِتَاحِ سَوَاءً:

باب: تکبیر تحریمہ میں نماز شروع کرتے ہی برابر دونوں ہاتھوں کا (کندھوں یا کانوں تک) اٹھانا

٧٣٥ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَالِمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، إِذَا افْتَتَحَ الصَّلَاةَ وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَهُمَا. كَذَلِكَ أَيْضًا، وَقَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ. وَكَانَ لَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ».



ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا، انہوں نے امام مالک سے، انہوں نے ابن شہاب زہری سے، انہوں نے سالم بن عبداللہ سے، انہوں نے اپنے باپ (عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع کرتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھاتے، اسی طرح جب رکوع کے لیے «اللہ اکبر» کہتے اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تو دونوں ہاتھ بھی اٹھاتے (رفع یدین کرتے) اور رکوع سے سر مبارک اٹھاتے ہوئے «سمع اللہ لمن حمدہ، ربنا ولک الحمد» کہتے تھے۔ سجدہ میں جاتے وقت رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

ترجمہ باب سے مقصود یہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز شروع کرے تو تکبیر کے ساتھ رفع یدین بھی کرے اور رفع یدین تکبیر افتتاح کے ساتھ ہونی چاہیئے۔ جیسا کہ امام شافعی کا مذہب ہے، حنفی کہتے ہیں کہ رفع یدین پہلے اور تکبیر بعد میں ہونی چاہیئے، کیونکہ رفع یدین بمنزلہ نفی کے ہے اور تکبیر بمنزلہ اثبات کے ہے۔ نفی پہلے ہونی چاہیئے اور اثبات بعد میں جیسا کہ لا الہ الا اللہ میں نفی پہلے اور اثبات بعد میں ہے۔

رفع یدین کے وقت کے بارہ میں احادیث مختلف مروی ہیں۔ ایک حدیث میں "رفع یدیہ ثم کبر" مروی ہے۔ دوسری روایت میں "کبر ثم رفع یدیہ" آتا ہے۔ اور بعض احادیث میں مقارنت کا ذکر ہے۔ لیکن یہ کسی کا قول نقل نہیں کیا گیا کہ وہ کہتے ہوں کہ تکبیر پہلے اور رفع یدین بعد میں ہونی چاہیئے۔ حنفی کہتے ہیں کہ رفع یدین پہلے تکبیر بعد میں ہونی چاہیئے۔ شافعی مقارنت کے قائل ہیں کہ دونوں ایک ساتھ ہونی چاہیئے۔ لیکن رفع یدین کو تکبیر کے پیچھے



کرنے کا کوئی قائل نہیں ہے۔ شامی میں بھی یہ لکھا ہے کہ اس میں تین قول ہیں۔ ایک قول پہلے کا، دوسرا ساتھ کا، تیسرا قول بعد کا۔لیکن اسکا نام ذکر نہیں کیا کہ یہ کس کا قول ہے۔ انور شاہ کہتا ہے اسکا کوئی بھی قائل نہیں ہے۔ لہذا جو شخص تکبیر کہہ لے تو بعد میں رفع یدین نہ کرے، کیونکہ اسکا محل فوت ہوگیا ہے۔ حالانکہ احادیث میں تینوں طرح آتا ہے۔ "رَفَعَ ثم کبَّر[1]" "کبّر ثم رَفَعَ[2]" "کَبَّرَ وَ رَفَعَ[3]" بخاری، شوافع کی طرح ساتھ کے قائل ہیں۔

رفع یدین کی حکمت کیا ہے؟ احناف کے ہاں رفع یدین کی حقیقت یہ ہے کہ نمازیوں میں بعض نابینے اور بعض بہرے بھی ہوتے ہیں لہذا تکبیر نابینے سن کر سمجھ جائیں گے کہ نماز شروع ہوگئی ہے۔ اور رفع یدین کرنے سے بہرے لوگ دیکھ لیتے ہیں کہ نماز شروع ہوگئی ہے اور وہ بھی نماز میں داخل ہوجائیں گے۔ یہ اسکا فلسفہ ہے۔ بعض علماء کے نزدیک رفع یدین دراصل فعلی تکبیر ہے۔ جس طرح زبان سے "اللہ اکبر" کہنا قولی تکبیر ہے اسی طرح ہاتھ اٹھانا فعلی تکبیر ہے۔ اسی لئے تشہد میں انگلی اٹھائی جاتی ہے اور رمی جمار کے وقت زبان سے "اللہ اکبر" کہا جاتا ہے، گویا قول اور فعل دونوں کو جمع کیا جاتا ہے۔ شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب انسان کا قول اور فعل دونوں متحد ہوجائیں تو اسکا اثر دل پر زیادہ ہوتا ہے۔ یعنی جب وہ اللہ اکبر کہنے کے ساتھ رفع یدین بھی کرتا ہے تو وہ اپنے دل کو اللہ تعالی کی طرف متوجہ کرنے کے لئے تنبیہ کرتا ہے، شافعی کہتے ہیں رفع یدین کرنا اللہ تعالی کی تعظیم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

پہلی رفع یدین کے متعلق تو علماء کا اتفاق ہے کہ نماز شروع کرتے وقت رفع یدین کرنی چاہیئے۔ اگرچہ امام مالک رحمہ اللہ کے تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ کسی تکبیر میں رفع یدین نہ کی جائے نہ پہلی تکبیر میں رفع یدین کی جائے اور نہ ہی دوسری میں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ پہلی دفعہ رفع یدین کی جائے پھر نہ کی جائے۔ ان کا یہ قول حنفیوں کی طرح ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ تینوں جگہ رفع یدین کی جائے۔ شروع نماز میں بھی، اور رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت بھی۔ اور دو رکعت کے بعد تیسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت بھی رفع یدین کی جائے، جیسا کہ ابن عبدالحکم کی امام مالک سے روایت ہے، اور دوسرے قول کی روایت عبدالرحمان بن قاسم نے امام مالک سے کی ہے۔ موطا میں بھی رفع یدین کرنے کی حدیث روایت کی ہے۔ اگرچہ یہ مختصر ہے۔ کیونکہ اس میں دو دفعہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے کہ پہلی دفعہ رفع یدین کی پھر رکوع سے سر اٹھا کر کی۔ رکوع کو جاتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ لہذا اسے اختصار پر محمول کیا جائے گا۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ اختصار نہیں ہے بلکہ یہ بھی ایک صورت ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اختصار ہے۔

پہلی دفعہ کی رفع یدین چھوڑنے سے انسان گناہگار ہوتا ہے۔ جیسا کہ بعض کا مذہب ہے۔ خارجی اس کے قائل ہی نہیں ہیں۔ بعض علماء اسے فرض کہتے ہیں، ابن المنذر نے کہا ہے کہ شروع نماز میں رفع یدین کرنے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور اس نے اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ ابن سیار نے کہا ہے کہ اگر تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین نہ کرے تو

شرح بخاری

---

[1] صحیح مسلم (۲۲) ۳۹۰۔

[2] مسلم (۲۴) ۳۹۱ ج۱ ص ۲۹۳۔

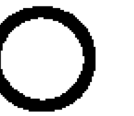
[3] صحیح بخاری ۷۳۷۔

اسکی نماز نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ رفع یدین کرنا واجب ہے۔ جیساکہ ابن حزم نے بھی کہا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت رفع یدین کرنا فرض ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اوزاعی سے بھی یہی مروی ہے لیکن جمہور اس کے استحباب کے قائل ہیں۔

رفع یدین کی مقدار میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض احادیث میں سینہ تک رفع یدین کرنے کا ذکر ہے بعض میں کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ کانوں تک اٹھانے کا ذکر بھی ہے۔ حنفی کانوں تک اٹھانے کے قائل ہیں کیونکہ پہلی رفع یدین کو وہ بھی مانتے ہیں۔ ایک دفعہ مناظرہ میں احناف نے کہا تم لوگ سجدے میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ اس کا ذکر بھی آتا ہے میں نے کہا سجدے کی رفع یدین سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ اٹھا کر لائے، گھسیٹ کر نہ لائے۔ اسے خیال ہوا کہ میں بھی رکوع کی رفع یدین کی تاویل کروں، کہنے لگا رکوع کی رفع یدین سے مراد بھی یہ ہے کہ بس نیچے تک کرے۔ میں نے کہا چلو اتنی تو شروع کرو باقی کے بارہ میں بعد میں دیکھ لیں گے۔ اس وقت حنفی ہی اس کے خلاف ہو گئے کہ یہ کیا کر رہے ہو۔ امام مالک، شافعی، احمد وغیرہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں۔ امام بخاری بھی کندھوں تک رفع یدین قائل ہیں۔ اور ہر تکبیر کیساتھ رفع یدین کرنے کی حدیث صحیح نہیں ہے۔

رفع یدین کی حکمت کے بارہ میں شوافع اور احناف کا قول ذکر ہو چکا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ رفع یدین سے مراد طرح الدنیا ہے کہ دنیا کو پیچھے پھینک کر اللہ تعالی کی طرف متوجہ ہو رہا ہے۔ بعض کے نزدیک اسکا مقصد استسلام ہے۔ گویا یہ انقیاد اور تابع ہونے کی علامت ہے۔ جیسے ناکامی کے وقت فوجی ہاتھ کھڑے کر دیتے ہیں، اور اس طرح وہ تابع ہو جانے کا اظہار کرتے ہیں۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے رفع یدین پر لکھے جانے والے اپنے رسالہ میں رفع یدین پر قرآن کریم سے استدلال کرتے ہوئے کہا ہے کہ قرآن کریم میں ہے "فما استکانوا لربھم[1]" اور استکانوا سے مراد کسی کے سامنے عاجز ہو جانا ہے۔ اور عاجزی کے اظہار کے لئے ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں۔ گویا رفع یدین کرنے والا اللہ تعالی کے سامنے اپنے عاجز ہونے کا اظہار کرتا ہے۔ اس لئے رفع یدین کی جاتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رفع یدین کرنا نماز کی زینت ہے۔ حضرت عقبہ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دفعہ رفع یدین کرنے سے دس نیکیاں حاصل ہوتی ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے "من جاء بالحسنة فله عشر أمثالها[2]" لہذا جتنی بار رفع یدین کریگا، اتنی ہی زیادہ نیکیاں حاصل کرے گا۔ ابن بطال نے کہا ہے کہ رفع یدین کرنا امر تعبدی ہے، بعض کے نزدیک یہ توحید باری تعالی کی طرف اشارہ ہے۔





تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرنے کے تو سب ہی قائل ہیں، رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین میں اختلاف ہے۔ اکثر ائمہ اس کے قائل ہیں۔ احناف قائل نہیں ہیں، ان کا استدلال "مالي أراكم رافعي أيديكم كأنها أذناب خيل شمس اسكنوا في الصلوة[3]" سے ہے۔ خارجیوں نے بھی اس سے استدلال



---

[1] المومنون ۷۶

[2] الأنعام ۱۶۰۔

[3] مسلم (۱۱۹) ۴۳۰ ج ۱ ص ۳۲۲۔

کیاہے کہ رفع یدین نہیں ہونی چاہیے۔ حالانکہ یہ حدیث اگر رکوع کی رفع یدین کی نفی کرتی ہے تو اس میں پہلی رفع یدین اور عیدین اور نماز وتر کی رفع یدین کی بھی نفی ہو جانی چاہیئے۔ جبکہ احناف ان مقامات میں رفع یدین کے قائل ہیں لہذا رفع یدین ایسی قبیح چیز نہ ہوئی اور نبی اکرم ﷺ اسے ایسے قبیح لفظوں سے تعبیر نہیں کر سکتے اور اسے سرکش گھوڑوں کی دموں کے ساتھ تشبیہ نہیں دے سکتے۔ اس لئے امام بخاری نے کہا ہے کہ جو شخص اس حدیث سے رکوع کی رفع یدین کے خلاف استدلال کرتا ہے اسکا علم میں کوئی حصہ نہیں ہے یعنی وہ جاہل آدمی ہے کیونکہ اس سے مراد کوئی ایسی رفع یدین ہے جو نبی اکرم ﷺ نے کبھی نہیں کی۔ اور لوگوں نے شروع کر دی تھی اور وہ سلام پھیرتے وقت لوگوں کا دائیں، اور بائیں ہاتھ اٹھانا ہے اسے آپ نے سرکش گھوڑوں کی دموں سے تشبیہ دی ہے، فتاوی عالمگیری کے ایک حنفی شارح نے بھی لکھا ہے کہ اس حدیث کا طرز بیان بتاتا ہے کہ اس سے ایسی رفع یدین مراد ہے جو نبی کریم علیہ السلام نے کبھی نہیں کی۔ مگر وہ رفع یدین جو آپ خود کیا کرتے تھے اس کے بارہ میں آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ سرکش گھوڑوں کی دموں کے ہلنے کی طرح ہے۔

۸۴۔ بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا كَبَّرَ وَإِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ:

باب: رفع یدین تکبیر تحریمہ کے وقت، رکوع میں جاتے اور رکوع سے سر اٹھاتے وقت کرنا (سنت ہے)

۷۳۶ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ مُقَاتِلٍ، قَالَ: أَخْبَرَنَا عَبْدُ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يُونُسُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، أَخْبَرَنِي سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ فِي الصَّلَاةِ رَفَعَ يَدَيْهِ حَتَّى يَكُونَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَكَانَ يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يُكَبِّرُ لِلرُّكُوعِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَيَقُولُ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي السُّجُودِ».

ہم سے محمد بن مقاتل نے بیان کیا، کہا کہ ہم کو عبداللہ بن مبارک نے خبر دی، کہا کہ ہم کو یونس بن یزید ایلی نے زہری سے خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے خبر دی، انہوں نے بتلایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب آپ ﷺ نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو تکبیر تحریمہ کے وقت آپ ﷺ نے رفع یدین کیا۔ آپ ﷺ کے دونوں ہاتھ اس وقت مونڈھوں (کندھوں) تک اٹھے اور اسی طرح جب آپ ﷺ رکوع کے لیے تکبیر کہتے اس وقت بھی (رفع یدین) کرتے۔ اس وقت آپ ﷺ کہتے «سمع اللہ لمن حمدہ» البتہ سجدہ میں آپ رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

۷۳۷ حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، عَنْ خَالِدٍ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، «أَنَّهُ رَأَى مَالِكَ بْنَ الْحُوَيْرِثِ إِذَا صَلَّى كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا أَرَادَ أَنْ يَرْكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَحَدَّثَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ هَكَذَا».

ہم سے اسحاق بن شاہین واسطی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے خالد بن عبداللہ طحان نے بیان کیا خالد حذاء سے، انہوں نے ابوقلابہ سے کہ انہوں نے مالک بن حویرث صحابی کو دیکھا کہ جب وہ نماز شروع کرتے تو تکبیر تحریمہ کے ساتھ رفع یدین کرتے، پھر جب رکوع میں جاتے اس وقت بھی رفع یدین کرتے اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تب بھی کرتے اور انہوں نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح کیا کرتے تھے۔

دوسرے مقام کی رفع یدین کے استنباط کے لئے یہ باب قائم کیا ہے۔[1] پہلی رفع یدین کے کرنے پر تو اتفاق ہے۔ رکوع کی رفع یدین میں اختلاف ہے۔ امام مالک کی تین روایات ہیں جیسا کہ ابھی گذرا ہے۔ ایک ہے کہ تینوں جگہ نہیں کرنی چاہیئے۔ دوسری ہے کہ پہلی دفعہ رفع یدین کریں پھر نہ کریں تیسری روایت تینوں جگہ کرنے کی ہے[2]۔



1 (امام بخاری رحمہ اللہ رفع یدین کے بارہ میں عبداللہ بن عمر اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہما کی احادیث لائے ہیں۔ اس موضوع پر اپنی دوسری کتاب میں بہت سی احادیث مرفوعہ اور آثار موقوفہ نقل کئے ہیں۔ اسی طرح بہت سے اہل حدیث کے ائمہ نے رفع یدین کرنے کے بارہ میں کتابیں تصنیف کی ہیں جیسا کہ امام نسائی اور مروزی رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ ہیں۔ اور یہ اس لئے کہ حجاز، یمن، مصر، عراق کے مسلمان رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کے قائل ہیں، صرف اہل کوفہ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے علماء نے اس مسئلہ پر دلائل ذکر کئے ہیں اور مخالفین کی تردید پیش کرنے کا اہتمام کیا ہے۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ حجاز، شام اور بصرہ کے علماء اس بات پر متفق ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نماز شروع کرتے وقت اور رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کیا کرتے تھے۔ صرف اہل کوفہ اس کے خلاف ہیں۔ امام بخاری نے اپنی کتاب جزء رفع یدین میں ذکر کیا ہے کہ مکہ اور مدینہ نیز یمن اور عراق والے رفع یدین کرنے پر متفق ہیں۔ اور امام بیہقی نے اپنی سند کے ساتھ امام اوزاعی سے نقل کیا ہے کہ ان کا سفیان ثوری رحمہ اللہ سے مکہ میں مسئلہ رفع یدین پر مناظرہ ہو گیا۔ آخر کار امام اوزاعی نے غصے کی حالت میں امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے کہا۔ آئیں مقام ابراہیم کے پاس مباہلہ کرتے ہیں کہ کون حق پر ہے۔ تو سفیان ثوری رحمہ اللہ، اوزاعی کے غصے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ امام زھری کی حدیث جو وہ سالم سے اور وہ عبداللہ بن عمر سے نبی اکرم ﷺ کی رفع یدین کے بارہ میں حدیث بیان کرتے ہیں اسکی صحت اور تلقی بالقبول پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ اوزاعی اور ابن مبارک جیسے ائمہ اسلام اس پر اعتماد کرتے ہیں"۔ (فتح الباری لابن رجب ج۴ ص ۳۰۲)



2 اگرچہ امام مالک رحمہ اللہ کی ایک روایت ترک رفع یدین کی بھی ہے۔ جیسا کہ ابن رُشد نے ان سے نقل کیا ہے لیکن ترک رفع یدین امام مالک رحمہ اللہ کی وہ رائے ہے جس سے انہوں نے بعد میں رجوع کر لیا تھا اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کی طرح وہ بھی آخر میں رکوع کو جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنے کے قائل ہو گئے تھے اور یہ ان کا آخری قول تھا جیسا کہ خطابی فرماتے ہیں "ذَهَبَ أكثر العلماء إلي أنّ الأيدى

محدثین کرام، امام شافعی، امام احمد رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کے قائل ہیں۔ امام ابوحنیفہ قائل نہیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں اہل کوفہ رفع یدین چھوڑ چکے تھے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ میں رہے ہیں انہوں نے علی رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین لیا ہو گا۔ مگر ان سے جو روایات نقل کرتے ہیں ان کی صحت میں کلام ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جو روایت پیش کرتے ہیں اس میں عاصم بن کلیب متفرد ہے۔ اس روایت میں آتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھی، پہلی رفع یدین کی، پھر

ترفع عند الركوع وعند رفع الرأس منه وهو قول أبي بكر الصديق وعلي بن أبي طالب وابن عمر وأبي سعيد الخدري وابن عباس وأنس وابن الزبير وبه قال الأوزاعي ومالك في اخر أمره والشافعي وأحمد واسحق" معالم السنن ج۱ ص۱۹۳۔ اکثر علماء نماز میں رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کے قائل ہیں۔ چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق، علی بن ابی طالب، عبداللہ بن عمر، ابو سعید خدری، عبداللہ بن عباس، انس، عبداللہ بن زبیر کا یہی قول ہے امام اوزاعی، امام شافعی، امام احمد، اسحاق بن راھویہ اور امام مالک اپنی آخری رائے کے مطابق رفع یدین کرنے کے قائل ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ سے امام مالک کا ترک رفع یدین کے قول سے رجوع نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قال ابن عبدالبر: لم يرو أحد عن مالك ترك الرفع فيهما إلا ابن القاسم والذي نأخذ به الرفع على حديث ابن عمر وهو الذي رواه ابن وهب وغيره عن مالك ولم يحك الترمذي عن مالك غيره۔ و نقل الخطابي و تبعه القرطبي في المفهم أنه اخر قولي مالك ولم أر للمالكية دليلًا على تركه ولا متمسكًا إلّا بقول ابن القاسم" فتح الباری ج۲ ص ۲۲۰۔ یعنی امام مالک رحمہ اللہ کا آخری قول رکوع کو جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنے کا ہے، چونکہ امام مالک نے ترک رفع یدین کے قول سے رجوع کر لیا تھا اور ان کا آخری قول رکوع کی رفعیدین کرنے کا ہے اس لئے امام ترمذی نے ان سے رفعیدین کرنے کا قول نقل کرنے پر ہی اکتفاء کیا ہے جیسا کہ جامع ترمذی میں ہے "قال أبو عيسى: حديث ابن عمر حديث حسن صحيح، و به يقول مالك و معمر والأوزاعي، وعبدالله بن المبارك، والشافعي وأحمد واسحق" جامع الترمذی مع عارضۃ الأحوذی ۲/ ۵۷۔ ہر مسلمان کو چاہیئے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی بات پر اکتفاء کرے۔ لیکن اگر اماموں کی تقلید ہی کرنی ہے تو تین امام (مالک، شافعی، احمد) رکوع کی رفعیدین کرنے کے قائل ہیں۔ صرف ایک امام ابوحنیفہ نہ کرنے کے قائل ہیں۔ تو تین کی رائے کو قبول کرنا چاہیئے جو اس مسئلہ میں ایک دوسرے کی تائید کرنے والے ہیں۔ اور ایک پر تین کی رائے کو ترجیح دینا چاہیئے۔ عبداللہ دمشقی اس بارہ میں فیصلہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں "رفع اليدين في تكبيرات الركوع والرفع منه سنة عند مالك والشافعي وأحمد" (رحمۃ الأمۃ ص۳۸)۔ یعنی رکوع جاتے ہوئے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کرنا امام شافعی اور امام احمد کی طرح امام مالک کے نزدیک بھی سنت ہے۔

نہیں کی۔ اس روایت کا سفیان ثوری نے بھی انکار کیا ہے حالانکہ وہ بھی رفع یدین کے قائل نہیں ہیں۔ اور کوفہ کے رہنے والے ہیں۔ دارمی وغیرہ محدثین نے کہا ہے کہ حضرت علی سے ترک رفع یدین کی روایت کے تمام طرق ضعیف ہیں۔ اور جو روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مرفوع آتی ہے اس میں وہ نبی کریم علیہ السلام سے رفع یدین کرنا نقل کرتے ہیں۔ جبکہ وہ نبی علیہ السلام سے رفع یدین کرنے کو نقل کرتے ہیں تو ان سے ترکِ رفع یدین کی روایت کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

امام بیہقی نے اعتراض کیا ہے کہ یہ لوگ ضعیف روایت کو صحیح حدیث پر ترجیح دے دیتے ہیں جو مناسب نہیں ہے۔ جوہر نقی والے حنفی عالم نے کہا ہے کہ تمہاری روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث میں عبدالرحمن بن أبی الزناد ہے جو کمزور حافظہ والا تھا، بخاری نے اس کی معلق روایت ذکر کی ہے۔ لہذا بیہقی کا اعتراض درست نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ عبدالرحمن بن أبی الزناد کی دو حالتیں ہیں۔ ایک حالت مدینہ کی اور دوسری حالت بغداد کی ہے۔ مدینہ میں ہوتے ہوئے یہ حجت تھا، امام مالک کے پاس ایک آدمی علم حاصل کرنے کے لئے آیا تو انہوں نے فرمایا "عَلَيْكَ بِعَبْدِ الرَّحْمَان بن أبی الزناد" اس کے بارہ میں لکھا ہے "وثقه مالك" اور جب عبدالرحمان ہشام سے روایت کرتا ہے تو وہ أثبت الناس اور حجت ہے۔ اور جب بغداد میں گیا تو اس وقت وہاں اس کا حافظہ ذرا کمزور ہو گیا تھا۔ جبکہ اس کی دو حالتیں ہیں تو ایک حالت کے اعتبار سے کم درجہ ہو سکتا ہے، لیکن پہلی حالت کے اعتبار سے یہ أوثق ہے۔ باقی یہ بات کہ نہشلی ثقہ ہے تو کبھی ثقہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔ اور ثقہ کی روایت بعض دفعہ شاذ ہو جاتی ہے۔ بعض دفعہ وہ ایک چیز کا عادی ہوتا ہے جسکی وجہ سے اسکی زبان سے وہ لفظ نکل جاتا ہے۔



بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ ہماری روایتوں کے راوی بڑے ثقہ ہیں محدثین ان کو وہم کہہ دیتے ہیں اور اپنی روایت کم درجہ ہوتی ہے اسے صحیح کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ کسی بھی حدیث میں دو چیزوں کو دیکھا جاتا ہے۔ ایک حدیث کا طریق، دوسرا اس کے راویوں کا ثقہ ہونا، طریق دیکھنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی سند کو دیکھا جاتا ہے کہیں اس میں انقطاع تو نہیں ہے۔ اگر راوی بڑا ثقہ ہو لیکن سند منقطع ہو تو اس کی حدیث ضعیف ہو جاتی ہے۔ وہاں ثقہ کا لحاظ نہیں کیا جاتا۔ لیکن اگر سند قوی ہو اور کوئی انقطاع نہ ہو اور ملاقات ثابت ہو تو اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے خواہ راوی اعلیٰ درجہ کا نہ بھی ہو۔ لہذا جوہر نقی والے کا یہ کہنا کہ تمہاری روایت ضعیف ہے یہ فضول بات ہے۔ کبھی ثقہ کی روایت بھی ضعیف ہو سکتی ہے جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے اور کبھی ایک راوی کا درجہ کم ہوتا ہے اور اس کی روایت صحیح ہوتی ہے۔ جیسا کہ یہاں ہے ہو سکتا ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایسا نقل ہوا ہو کیونکہ کوفہ والے تمام تارکِ رفع ہیں۔ وکیع اور سفیان ثوری جیسے بڑے بڑے محدث بھی تارکین میں داخل ہیں۔ اس کے باوجود یہ لوگ رفع یدین کی احادیث ذکر کرتے تھے اسے معیوب نہیں سمجھتے تھے۔ رفع یدین پر عمل نہ ہونے کے باوجود یہ ان پر اعتراض نہیں کرتے تھے برخلاف امام ابوحنیفہ کے وہ رفع یدین کرنے والوں پر اعتراض کرتے تھے جیسا کہ عبداللہ بن مبارک نے ایک دفعہ نماز پڑھی اور رکوع جاتے اور اس سے سر اٹھاتے ہوئے رفع یدین کی، تو امام ابوحنیفہ انہیں کہنے لگے "كِدتَّ أن تَطِيرَ فی الصلوٰة" تو رفع یدین کر کے نماز میں اڑنے لگا تھا، تو عبداللہ بن مبارک نے جواب دیا۔ آپ شروع نماز میں رفع یدین کرتے

شرح بخاری





ہوئے نہیں اُڑتے تو میں پچھلی رفع یدین سے کیسے اُڑسکتا ہوں۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا کہ عبداللہ بن مبارک حاضر جواب تھے۔حنفی کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مبارک امام ابوحنیفہ کے شاگرد تھے اور ابوحنیفہ کا قول رد کرنے والوں پر لعنت کیا کرتے تھے لعنة ربنا علی من رد قول أبي حنيفة کو عبداللہ بن مبارک کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔ نامعلوم ان کا قول ہے بھی یا نہیں ؟یہ امام ابوحنیفہ سے احادیث بیان کیا کرتے تھے لیکن اخیر عمر میں انہوں نے ان سب روایات پر قلم پھیر دیا تھا۔ کسی نے ان سے سوال کیا کہ آپ ان سے روایات بیان کیا کرتے تھے اب ان پر قلم کیوں پھیر دیا ہے؟تو انہوں نے جواب دیا" كُنَّا لَا نَعْرِفهُ. فلما عرفناه تَرَكْنَاهُ" پہلے ان کے بارہ میں ہمیں علم نہیں تھا جب پتہ چل گیا ہے تو ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے۔

رفع یدین پر احناف نے ایک مناظرہ بھی نقل کر دیا ہے۔ اور مسند ابی حنیفہ کا حوالہ دیا ہے جس کا مصنف حارثی ہے، یہ ملقب بالاستاذ ہے۔ عبدالحی لکھنوی اور شاہ اسماعیل نے لکھا ہے کہ اسے جھوٹ بولنے کی عادت تھی، کسی حدیث کے لئے سند خود ہی بنالیتا تھا۔ اس کی کتاب میں اس مناظرہ کا ذکر ہے۔لیکن مسند میں ابوحنیفہ سے اسکی سندیں ذکر کر دی ہیں۔ نیچے سند حذف کر دی ہے تا کہ پتہ ہی نہ چل سکے کہ امام صاحب تک پہنچتی بھی ہے یا نہیں۔بعض کہہ دیتے ہیں کہ اوپر والی سند دیکھنی چاہیئے نیچے والی سند دیکھنے کی کیا ضرورت ہے۔اس کا مطلب تو یہ ہوگا کہ احادیث میں نبی کریم علیہ السلام کا نام لینا ہی کافی ہے نیچے راویوں کو دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دیکھنا تو یہ ہے کہ اس کی سند امام ابوحنیفہ تک پہنچتی بھی ہے یا نہیں۔ اس لئے نیچے راویوں کی ضرورت ہے۔ زبیدی کی کتاب" عقود الجواهر المنيفة في أدلة مذهب أبي حنيفة" میں اسکی سند ذکر کی گئی ہے۔ کہ حارثی بیان کرتا ہے ایک آدمی سے وہ آدمی روایت کرتا ہے سلیمان شاذکونی سے۔ اس سلیمان کے متعلق امام بخاری نے کہا ہے "أضعف من كل ضعيف" بلکہ اسے جھوٹ بولنے کی بھی عادت تھی یہ سلیمان شاذکونی آگے سفیان سے بیان کرتا ہے کہ سفیان نے کہا میں دارِ حنّاطین میں تھا وہاں امام اوزاعی اور امام ابوحنیفہ جمع ہوئے۔ امام اوزاعی نے کہا "مالكم يا أهل العراق لا ترفعون أيديكم في الصلوة" تم عراقی لوگ نماز میں رفع یدین کیوں نہیں کرتے۔ مطلب ان کا یہ تھا کہ باقی سب لوگ رفع یدین کرتے ہیں تم کیوں نہیں کرتے۔ امام ابوحنیفہ نے کہا اس بارہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے اس لئے ہم نہیں کرتے۔ (حالانکہ اس بارہ میں صحیح حدیث موجود ہے) معلوم ہوتا ہے کہ انہیں حدیث کے بارہ میں زیادہ معلومات نہیں تھیں اس لئے کہا کہ کوئی حدیث ثابت نہیں ہے، اور ان کو حدیث نہیں پہنچی ہو گی۔ امام اوزاعی نے انہیں رفع یدین کے بارہ میں حدیث پیش کی "حدثنا الزهري قال أخبرني سالم بن عبدالله عن عبدالله بن عمر رضی اللہ عنہ قال رأيت رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم إذا قام في الصلوة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع ويفعل ذلك اذا رفع رأسه من الركوع" اب چاہیئے تھا کہ امام صاحب حدیث کو مان لیتے یا اس کے کسی راوی پر جرح کرتے، لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی طرف سے یہ حدیث پیش کر دی کہ حماد بیان کرتا ابراہیم سے وہ علقمہ سے اور وہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے اور اس میں ہے کہ پہلی رفع یدین کی پھر نہیں کی، معلوم

ہوتا ہے کہ جس نے یہ مناظرہ گھڑا ہے اس نے یہ سند بنائی ہے کیونکہ امام صاحب کی کتاب میں یہ سند نہیں ہے۔ محمد بن جابر کی جس سند میں عبداللہ بن مسعود کا ذکر ہے اس میں محمد بن جابر کو کذاب کہا گیا ہے۔ اور ابوداؤد کی روایت میں ابوداؤد نے کہا ہے "لیس هو بصحیح علی هذا اللفظ [1]" اس مناظرہ میں یہ بھی ذکر ہے کہ امام ابوحنیفہ نے کہا کہ میری سند کے راوی زیادہ فقیہ ہیں۔ حماد، زہری سے أفقہ ہے اور ابراہیم، سالم سے أفقہ ہے، اور اگر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو صحبت کا شرف حاصل نہ ہوتا تو میں کہہ دیتا کہ علقمہ زیادہ فقیہ ہے۔ آگے عبداللہ بن مسعود تو عبداللہ بن مسعود ہی ہے۔ یہ مناظرہ بنایا گیا ہے۔ اس میں ایسی باتیں ذکر ہوئی ہیں جو علم والا شخص نہیں کرسکتا۔ اول تو یہ کہنا کہ اس بارہ میں کوئی حدیث ہی ثابت نہیں یہ بات کوئی عالم نہیں کہہ سکتا۔ جبکہ مولوی حسین علی نے اس مناظرہ کے پیش نظر یہ لکھ دیا ہے کہ ہم لوگ رفع یدین کے بارہ میں یہ نہیں کہتے کہ یہ منسوخ ہوگئی ہے۔ بلکہ یہ ثابت ہی نہیں ہے جیسا کہ اس مناظرہ میں امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ اس بارہ میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ امام اوزاعی نے جو حدیث پیش کی ہے، اسکا جواب کیا ہے؟ وہ صحیح ثابت ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ نے فقاہت کی بنا پر اپنی روایت کو ترجیح دی ہے۔ اس پر امام رازی نے کہا ہے کہ اس مسئلہ میں فقاہت کا کوئی دخل ہی نہیں ہے۔ رفع یدین حسی چیز ہے جس میں آنکھ سے دیکھنے کو دخل ہے، عام آدمی بھی دیکھ کر سمجھ لیتا ہے کہ رفع یدین کی ہے، فقاہت کی ضرورت قولی حدیث میں ہوتی ہے۔ تیسری بات یہ ہے کہ یہ مناظرہ روایت کے اعتبار سے ہی ثابت نہیں ہے۔ کیونکہ اسکا روایت کرنے والا حارثی کذاب ہے اور اس میں سلیمان شاذکونی "أضعف من کل ضعیف" ہے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ میں رفع یدین کرنے کا رواج نہیں تھا۔ اسی بنا پر یہ مناظرہ بنایا گیا ہے۔

ویسے یہ بات تو ثابت ہے کہ امام ابوحنیفہ رفع یدین کرنے کے قائل نہیں تھے۔ اسی لیے عبداللہ بن مبارک کو انہوں نے کہا تھا "کدت أن تطیر فی الصلوة" رفع یدین کر کے تو اڑنے لگا تھا۔ باقی ان کا یہ کہنا کہ میری سند کے راوی زیادہ فقیہ ہیں یہ بات بھی واقعہ کے خلاف ہے بلکہ امام اوزاعی کی پیش کردہ حدیث کے راوی زیادہ فقیہ ہیں کیونکہ امام زہری وہ شخصیت ہیں جن کے بارہ میں کہا گیا ہے۔ "متفق علی إتقانه وجلالته" برخلاف حماد کے اس کے متعلق کہا گیا ہے "صدوق له أوهام" اسکا طبقہ بھی خامسہ ہے جبکہ زہری کا طبقہ ثالثہ ہے اور زہری صغار تابعین سے ہے۔ انہوں نے بعض صحابہ کو دیکھا ہے۔ حماد نے صحابہ کو نہیں دیکھا جبکہ حماد تابعی نہیں بنتا تو ان کے شاگرد ابوحنیفہ کیسے تابعی بن سکتے ہیں۔ بعض لوگ امام ابوحنیفہ کو تابعی بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور حماد سے اوپر ابراہیم نخعی کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ صغار تابعین سے ہیں جنہوں نے ایک، دو صحابہ کو دیکھا ہے مگر ان کا ان صحابہ سے سماع ثابت نہیں ہے۔ یہ ابراہیم کا حال ہے تو ابوحنیفہ تابعی کیسے بن سکتے ہیں۔

پھر ابراہیم کے متعلق کہتے ہیں۔ "حجة إلا إذا أرسل عن عبدالله فلیس بحجة" یعنی اسکی جو روایت عبداللہ بن مسعود سے مرسل ہو وہ حجت نہیں ہے۔ جبکہ سالم مدینہ کے فقہاء سبعہ میں سے ہیں۔ اور یہ عبداللہ بن عمر

[1] سنن أبي داؤد: ۷۴۸، ج ۱ ص ۱۹۹۔

کے بیٹے ہیں۔ پھر علقمہ کی صحابی رسول حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ اور یہ کہنا "لولا فضل صحبتِهٖ لقلت: علقمة أفضل من عبد اللّٰه" یہ لغو بات ہے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابو حنیفہ نے یہ باتیں نہیں کیں، اور نہ وہ کر سکتے تھے یہ باتیں مناظرہ گھڑنے والوں کی بنائی ہوئی ہیں۔

رفع یدین کرنے کی حدیث بخاری و مسلم کی ہے۔ بلکہ صحاح ستہ میں موجود ہے۔ موطا میں ذرا اختصار کے ساتھ ہے۔ یحیٰ کے نسخہ میں اس قدر ہے کہ شروع میں رفع یدین کی اور رکوع کو جاتے ہوئے کرنے کا ذکر نہیں ہے، اٹھتے وقت کرنے کا ذکر ہے۔ تین، چار نسخوں میں یہ لفظ ہیں۔ اور یہ اختصار ہے۔ اس حدیث پر کوئی اعتراض نہیں۔ بعض مالکیوں نے بات بنائی ہے وہ بات حنفیوں نے بھی ذکر کرنا شروع کر دی وہ یہ کہ آگے نافع کی روایت آ رہی ہے نافع کی روایت میں شاگردوں کا آپس میں اختلاف ہے بعض شاگرد موقوف بیان کرتے ہیں یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل نقل کرتے ہیں اور بعض شاگرد فعل کے آگے نبی علیہ السلام تک پہنچا دیتے ہیں۔ اس طرح اختلاف نہیں کہ ایک حدیث میں عبداللہ بن عمر کا فعل ہو۔ اور دوسری میں نبی کریم علیہ السلام کا فعل ہو بلکہ اختلاف اس طرح ہے کہ ایک میں عبداللہ بن عمر کا فعل ہے دوسری میں عبداللہ بن عمر کے فعل کے بعد اسکو مرفوع بھی کر دیا ہے۔ یعنی ایک روایت مطول ہے دوسری مختصر ہے یہ اختلاف ہے ایسا نہیں کہ نافع کے شاگردوں میں ایک مرفوع بیان کرتا ہو اور دوسرا موقوف بیان کرتا ہو۔ اس میں بحث ہو سکتی ہے کہ ایک شاگرد مرفوع دوسرا موقوف بیان کرتا ہو تو دیکھنا ہو گا کہ یہ صحیح ہے یا وہ، بلکہ جو مرفوع بیان کرتا ہے وہ موقوف بھی ساتھ ہی بیان کرتا ہے۔ صرف اس میں مرفوع بیان کرنا ثقہ کی زیادتی ہے۔ یعنی ایک شخص نے موقوف بیان کی ہے۔ اور دوسرے نے موقوف کے ساتھ مرفوع بھی بیان کی ہے۔ یہ ثقہ کی زیادتی ہوتی ہے۔ لہذا اس میں اختلاف پڑ گیا کہ نافع کی روایت موقوف صحیح ہے یا مرفوع۔ اور ثقہ کی زیادتی بھی مقبول ہوتی ہے۔ زیادہ راوی موقوف بیان کرتے ہیں۔ بخاری کا ایک راوی عبدالاعلیٰ اسے مرفوع بیان کرتا ہے۔ عبدالوہاب ثقفی، معتمر اور ایک تیسرا راوی ہے یہ موقوف ہی بیان کرتے ہیں۔ عبدالاعلیٰ موقوف کے بعد مرفوع بھی بیان کرتا ہے۔ بخاری کا خیال ہے کہ زیادتی ثقہ کی ہے۔ گویا روایت میں اختصار ہے، اختلاف نہیں۔ آگے عبید اللہ کے ساتھ امام مالک، امام لیث، ابن جریج یہ تینوں بھی موقوف بیان کرتے ہیں۔ ایوبؒ کے شاگردوں میں پھر اختلاف ہے۔ بعض شاگرد اس کو مرفوع بیان کرتے ہیں اور بعض موقوف۔ بخاری نے اس اختلاف کو آگے جا کر ذکر کر دیا ہے۔ مالکی اس اختلاف کو ادھر کھینچ لاتے ہیں کہ نافع اور سالم کا اختلاف بنا دیتے ہیں۔ نافع کی روایت موقوف ہے اور سالم کی مرفوع ہے۔ اس میں اختلاف ہو گیا کہ نافع کی روایت کو ترجیح ہونی چاہیئے یا سالم کی روایت کو۔ بعض لوگ نافع کو اَقوی سمجھتے ہیں اور اکثر لوگ سالم کو اَقوی کہتے ہیں۔ زرقانی نے کہا ہے کہ ابن حجر کا یہ کہنا کہ مالکیوں کے پاس ترک رفع یدین کی کوئی حدیث نہیں ہے صرف ابن قاسم کا قول ہے یہ ہم مالکیوں پر تحامل ہے۔ ہمارے پاس دلیل موجود ہے۔ حالانکہ یہ کوئی دلیل نہیں ہے۔ یہ ایک فعل نقل کر رہا ہے اور ایک شخص نبی علیہ السلام کا فعل نقل کرتا ہے۔ یہ دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ یہ ایک روایت نہیں کہ ایک روایت کو وہ موقوف بیان کرتا ہے دوسرا مرفوع، بلکہ نافع نے عبداللہ بن عمر کو دیکھا

ان کا فعل نقل کر دیا۔ سالم نے عبداللہ بن عمر سے حدیث سنی وہ بیان کر دی۔ پھر وہ اکیلا بھی نہیں ہے۔ بلکہ اس کے ساتھ لیث، طاؤس، محارب بن دثار وغیرہ چھ سات آدمی ہیں۔ یہ سب رفع یدین کی احادیث بیان کرتے ہیں۔ اس لئے علی بن مدینی نے کہا ہے کہ جس شخص کو یہ حدیث پہنچے اس پر لازم ہے کہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی نقص نہیں ہے۔

مخالفین اعتراض کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر کی جو روایت طبرانی میں آتی ہے اس میں سجدوں کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے اس میں آتا ہے "كان يرفع يديه في الركوع والسجود[1]" اس طرح مالک بن حویرث کی حدیث پر بھی ایسا ہی اعتراض کرتے ہیں کہ ان کی حدیث جو نسائی میں ہے اس میں سجدے کی رفع یدین کا بھی ذکر ہے اس پر عمل کیوں نہیں کرتے۔ حالانکہ سجدے کے بارہ میں رفع کی جو احادیث آتی ہیں وہ صحیح نہیں ہیں۔ محقق محدثین ان کو صحیح نہیں سمجھتے۔ اہل ظاہر ان کو صحیح سمجھتے ہیں کیونکہ اہل ظاہر شذوذ کو علت نہیں سمجھتے۔

شذوذ کی متعدد صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ راوی کی زیادتی دوسرے کے خلاف ہو۔ اسے بالاتفاق محدثین رد کر دیتے ہیں۔ ایک قسم یہ ہے کہ زیادتی ثقہ کی ہو لیکن دوسرے کی مخالف نہ ہو۔ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت یہ ہے کہ وہ حدیث تواتر سے آئی ہو۔ ایک شاگرد اس میں کوئی لفظ زیادہ کر دیتا ہے جیسے إذا قرء فانصتوا کو قتادہ کے چھ سات شاگردوں میں سے سوائے سلیمان تیمی کے کوئی بھی اسے بیان نہیں کرتا، صرف سلیمان تیمی اسے بیان کرتا ہے، لہٰذا اس شذوذ میں اختلاف واقع ہو گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ثقہ کی زیادتی ہے قبول ہونی چاہیئے۔ اور بعض علماء اسے وہم قرار دیتے ہیں چنانچہ امام بخاری، امام بیہقی، امام دارقطنی اور ابو علی نیسابوری وغیرہ اسے وہم قرار دیتے ہیں ایک صورت یہ ہے کہ وہ روایت تواتر سے نہ آئی ہو۔ ایک راوی اسے بیان کرتا ہے یا دو، تین بیان کرتے ہیں اور دوسرا کوئی راوی اس میں ایک لفظ زیادہ کر دیتا ہے۔ اس صورت میں بھی اختلاف ہے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہے یا نہیں۔ اس لئے ابوداؤد نے عبدالاعلیٰ کی مرفوع کرنے کی زیادتی کو ٹھیک نہیں سمجھا لیکن بخاری نے اسے درست سمجھا ہے کیونکہ ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے یہ اس طرح نہیں جو تواتر کے خلاف آئے۔



ابن حزم مدلس کی روایت کو بھی صحیح قرار دیتا ہے، خواہ کسی درجہ کا مدلس ہو، لیکن ثقہ ہو، ضعیف نہ ہو، خواہ وہ سمعت کے ساتھ بیان کرے یا عَنْ کے ساتھ، جب تک اس کے نہ سننے کا خارجی قرینہ نہ ہو تو اس کی حدیث کو صحیح قرار دیا جائے گا۔ لیکن محدثین کا اصول یہ ہے کہ جو مدلس تیسرے درجہ کا ہو اگرچہ ثقہ ہو لیکن جب تک وہ سمعت یا أخبرني کے ساتھ اپنے سماع کی صراحت نہ کرے تو اسکی روایت کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ ہاں مدلس کے سماع کی صراحت ہو جائے تو اسکی حدیث کو قبول کر لیں گے۔ لہٰذا محدثین نے قتادہ کو تیسرے طبقہ میں شمار کیا ہے اور سفیان کو پہلے یا دوسرے طبقہ کا مدلس قرار دیا ہے۔ پہلے یا دوسرے طبقے کے مدلس سے مراد یہ ہے کہ اسکی تدلیس کی عام عادت نہیں ہے تو اسکی ایک دو روایات کو سماع پر محمول کیا جائیگا، یہی حکم دوسرے طبقہ کا ہے۔ کیونکہ ایسا مدلس جب کسی کو چھوڑتا ہے تو



---

[1] مصنف ابن أبي شيبة ۲۴۴۴ ج۱ ص ۲۱۳۔

ثقہ کو ہی چھوڑتا ہے۔ تیسرے طبقہ کا مدلّس جس راوی کو چھوڑتا ہے کبھی وہ ثقہ ہوتا ہے تو کبھی ضعیف یا وضاع اور کذاب وغیرہ ہوتا ہے، ان کی روایات محدثین نہیں لیتے۔ جب تک کہ وہ سمعت وغیرہ کے ساتھ سماع کی صراحت نہ کرے۔ اہل ظاہر شذوذ کا اعتبار نہیں کرتے اور اسے علت نہیں سمجھتے اور وہ مدلّس کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں۔ اور ابن حزم نے اسی لیے عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ابن حزم کہتا ہے کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں، راوی اور مروی عنہ کی ملاقات بھی ہے۔ اس میں انقطاع بھی نہیں ہے۔ صرف اتنی بات ہے کہ سفیان نے عاصم بن کلیب کے سب راویوں کی مخالفت کی ہے۔ یہ ثقہ کی زیادتی بھی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود نے اسود اور علقمہ کو اپنے دائیں اور بائیں کھڑا کر کے نماز پڑھائی۔ ”كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ ثُمَّ رَكَعَ وَطَبَّقَ بَيْنَ يَدَيْهِ[1]“ گویا اس میں پہلی دفعہ رفع یدین کرنے کا ذکر ہے، دوسری دفعہ رفع یدین کرنے کا ذکر نہیں ہے۔ اس عدم ذکر کو سفیان نے ترکِ رفع سے تعبیر کر دیا ہے۔ لہٰذا اس نے مذکورہ الفاظ کی بجائے یہ کہہ دیا ”كَبَّرَ وَرَفَعَ ثُم لم يَعُدْ“ اس لیے اس پر امام ابوداؤد نے یہ باب باندھا ہے ”باب مَن لم يَذكُرِ رَفع اليَدَين“ یعنی جو رفع یدین ذکر نہیں کرتا اسکا بیان، گویا اس میں عدم ذکر ہے۔ اسی لیے ابوداؤد نے وہاں یہ بھی کہا ہے ”هٰذا حديث مختصر وليس بصحيح على هٰذا اللفظ أو على هٰذا المعنى“ ابوداود کے جو نسخے احناف نے چھپوائے ہیں ان میں یہ الفاظ نہیں پائے جاتے۔ عون المعبود والا نسخہ جو اہلِ حدیث نے چھاپا ہے اس میں یہ الفاظ موجود ہیں۔ اور یہ الفاظ تلخیص اور مشکوۃ میں بھی ہیں۔ اور دیگر علماء جو ان سے ابوداؤد کی حدیث روایت کرتے ہیں وہ یہ الفاظ بھی نقل کرتے ہیں۔ بہرحال اس حدیث میں اختلاف واقع ہے اہلِ حدیث اس کے شذوذ کی وجہ سے اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔ سفیان اگرچہ ثقہ ہے لیکن ان الفاظ میں وہ متفرد ہے۔ کیونکہ کسی حدیث کی صحت کے لئے پانچ شرطیں ہیں۔ اس کے راوی عادل ہوں، ضابط ہوں، متصل الاسناد ہوں معلول اور شاذ نہ ہو، مذکورہ روایت چونکہ شاذ ہے اس لئے ضعیف ہے، گویا راوی ثقہ ہونے کے باوجود بھی روایت ضعیف ہو جاتی ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی اثباتِ رفع یدین کے بارہ میں حدیث کے راویوں پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہے۔ مولوی شمس الدین کے ایک ہمنشین نے بتایا کہ مولوی شمس الدین کہا کرتے تھے۔ صحیح بات یہ ہے کہ ہمارے پاس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کا کوئی معقول جواب نہیں ہے۔ لیکن مولوی حسین علی نے جواب بنالیا کہتا ہے أفقہ الناس نے لم یثبت کہہ دیا ہے، کہ رفع یدین ثابت ہی نہیں ہے۔ کیونکہ نافع اور سالم کا اختلاف ہے۔ اور نافع کی بات معتبر ہے۔ اس کو ترجیح دیدی ہے۔ باقی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل ہے، وہ کیوں کرتے تھے؟ اس کے جواب میں کہا کہ وہ ہاتھ جب گھٹنوں سے اٹھاتے تھے تو وہ اوپر ہو جاتے تھے، بس یہی رفع یدین تھی، اس طرح کی گپیں ہانکتے ہیں، جیسا کہ التحیات کے بارہ میں کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے انگلی نہیں اٹھائی تھی بلکہ عبداللہ بن عمر کا ہاتھ ٹیڑھا ہو گیا تھا۔ ایسی باتیں حدیث کا مذاق اڑانے کے مترادف ہیں۔ حالانکہ اس بارہ میں عبداللہ بن عمر کے علاوہ دیگر صحابہ کرام سے بھی احادیث آتی ہیں۔

---

[1] مسند احمد: ۳۹۷۴ ج ۷ ص ۸۳۔

رفع یدین کے بارہ میں انور شاہ نے کہا ہے کہ چھوٹے چھوٹے لوگ رفع یدین پر زور دیتے تھے جیسے عبداللہ بن عمر اور عبداللہ بن زبیر وغیرہ، چھوٹوں کی ایسی عادت ہوتی ہے بڑے بڑے لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسے رفع یدین نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے رفع یدین کرنے کی حدیث "خلافیات بیہقی" میں آتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "ألا أصلي بكم صلوة رسول الله ﷺ كان يصليها" كان يأمر بها کے لفظ بھی وہاں آتے ہیں۔ اس میں ان کے رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ زیلعی نے نصب الرایہ میں خلافیات بیہقی کا حوالہ دیا ہے۔ عبداللہ بن عمر سے بھی مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رفع یدین کیا کرتے تھے ان سے نہ کرنے کی روایت نہشلی کی ہے اس میں ثوری نے اس کی تردید کی ہے۔ ثوری بھی اوپر عبید اللہ سے روایت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہشلی کی غلطی ہے۔ اور حضرت علی کی ترک کی روایت میں عاصم بن کلیب متفرد ہے۔ ابن المدینی نے کہا ہے کہ جس روایت میں یہ متفرد ہو وہ حجت نہیں ہوتی۔ اگرچہ ثقہ ہے۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ علی بن مدینی، اسحٰق بن راھویہ، اور یحیٰ بن معین اس بات پر متفق ہیں کہ کسی صحابی سے بسند صحیح ترک رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ جن راویوں سے ترک آیا ہے ان سے فعل بھی مروی ہے، سوائے ابن مسعود کے، ان سے ترک کی روایت آئی ہے فعل کی نہیں آئی۔ لیکن وہ صحیح نہیں ہے۔ احناف تو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کو ہی تارک بنا دیتے ہیں کہتے ہیں کہ مجاہد کہتا ہے کہ میں عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دس سال رہا ہوں۔ میں نے ان کو رفع یدین کرتے نہیں دیکھا۔ انور شاہ کہتا ہے اس روایت کو خوب یاد رکھو کہ دس سال رفع یدین کرتے نہیں دیکھا ہے، کہا ہے کہ یہ روایت طحاوی نے اپنی کتاب میں ذکر کی ہے۔ میں نے ساری طحاوی دیکھی ہے کہیں نہیں آتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بات غلط ہے۔ مولانا عبدالحی نے بھی کہا ہے کہ اس دس سال والی روایت کی کوئی سند نہیں ہے۔ ایک روایت آتی ہے جو کہ ضعیف ہے کہ مجاہد کہتا ہے۔ میں نے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی ان کو دیکھا کہ انہوں نے پہلی دفعہ رفع یدین کی، پھر نہیں کی، اس پر امام بخاری نے جرح کی ہے کہ اس میں ابوبکر بن عیاش ہے اس کا حافظہ جب درست تھا تو اسے عبداللہ بن مسعود سے نقل کیا کرتا تھا۔ اس میں عن ابراہیم عن عبداللہ آتا ہے جو کہ منقطع سند ہے، اور جب حافظہ کے بگاڑ میں مبتلا ہوا تو اس نے حسین سے اس نے مجاہد سے اور اس نے عبداللہ بن عمر سے بیان کرنا شروع کر دیا۔ حنفی کہتے ہیں کہ یہ روایت حافظہ بگڑنے سے پہلی کی ہے، اس کی دلیل کسی کتاب میں تو نہیں کہ ابوبکر بن عیاش سے یہ روایت حافظ کمزور ہونے سے پہلی کی ہے، عقلی دلیل ہے اور وہ یہ کہ امام بخاری نے ابوبکر بن عیاش سے بہت سی روایات لی ہیں۔ جبکہ بخاری نے اسکی روایات لی ہیں۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حافظہ خراب ہونے سے پہلی کی روایات لیتے ہیں۔ اور ابوبکر کی جو روایات بخاری میں آتی ہیں ان میں احمد بن یونس ہے جو ان کا شاگرد ہے معلوم ہوا کہ احمد بن یونس تغیر سے پہلے کا راوی ہے۔ اور اس حدیث کو طحاوی نے بھی ابوبکر بن عیاش سے احمد بن یونس کے واسطہ سے نقل کیا ہے، لہٰذا یہ روایت حافظہ بگڑنے سے پہلے کی ہے یہ عقلی دلیل دی ہے حالانکہ ابوبکر بن عیاش کی جو روایات آئی ہیں وہ متابعۃً آئی ہیں۔ احمد بن یونس کی روایت بھی متابعۃً آئی ہے۔ اگر بخاری استشہاداً روایت ذکر کرتے اور اس میں احمد بن یونس ہوتا تو یہ اٹکل لگایا جاسکتا





تھا۔ مگر ایسا نہیں ہے، بہرصورت مجاھد کا اثر ابوبکر بن عیاش کی وجہ سے کمزور ہے۔ اور جو اثر عبداللہ بن مسعود سے نقل کرتے ہیں اس کی سند میں انقطاع ہے۔ لیکن حنفی کہتے ہیں کہ جب ابراہیم، عبداللہ سے بیان کرے تو وہ حدیث متواتر ہوتی ہے۔ کیونکہ ابراہیم نے کہا تھا جب میں کہوں کہ عبداللہ بن مسعود نے بیان کیا ہے تو اس وقت جماعت نے مجھے وہ حدیث سنائی ہوتی ہے۔ حالانکہ جماعت کا اطلاق دو یا تین پر بھی ہو جاتا ہے۔ اگر وہ ضعیف ہوں تو روایت ضعیف ہوگی حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے بھی رفع یدین کی حدیث آتی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث کی بیہقی نے سند نقل کی ہے۔ أخبرنا أبوعبدالله الحافظ (اس سے مراد امام حاکم ہیں جو بیہقی کے استاد ہیں اخیر عمر میں امام بیہقی نے امام حاکم سے علم حاصل کیا ہے) قال حدثنا أبوعبدالله محمد بن عبدالله الصفار الزاهد إملاءً من أصل كتابه قال قال أبو اسماعيل محمد بن إسماعيل السلمى صليت خلف أبى النعمان محمد بن الفضل فرفع يديه حين افتتح الصلوة وحين ركع و حين رفع رأسه من الركوع فسألته عن ذلك فقال صليت خلف حماد بن زيد فرفع يديه حين افتتح الصلوة وحين ركع وحين رفع رأسه من الركوع فسألته فقال صليت خلف أيوب السختيانى وكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة واذا ركع واذا رفع رأسه من الركوع فسألته فقال رأيت عطاء بن أبى رباح يرفع يديه إذا افتتح الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع فسألته فقال صليت خلف عبدالله بن الزبير وكان يرفع يديه إذا افتتح واذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع فسألته فقال عبدالله بن الزبير صليت خلف أبى بكر الصديق وكان يرفع يديه إذا افتتح الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع قال أبوبكر صليت مع رسول الله ﷺ وكان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع" أخرجه البيهقى فى سننه وقال رجاله ثقات[1] " یہ سند ایسی ہے جو مسلسل بالعمل ہے۔

---

[1] حضرۃ الأستاذ محدث گوندلوی۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کی مسئلہ رفع یدین پر "التحقيق الراسخ فى أن أحاديث رفع اليدين ليس لها ناسخ" کے نام سے جامع تصنیف موجود ہے جس میں انہوں نے مرتب اور منظم طریقے سے اس مسئلہ پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس میں انہوں نے پہلے اثبات رفع الیدین کی احادیث نقل کر کے ان کے خلاف اڑائے جانے والے غبار کو صاف کیا اور مخالفین کے اعتراضات کا رد پیش کیا ہے، اس کے بعد ترکِ رفع یدین کے دلائل کو ذکر کر کے ان کی عدم حجیت پر محققانہ اور محدثانہ گفتگو فرمائی ہے۔ ہم ان کی اس تصنیف سے طرفین کے دلائل کو اختصار کے ساتھ پیش کرتے ہیں تاکہ ایک منصف مسلمان کے لئے حق بات تک رسائی آسان ہو سکے۔ احادیث اثبات رفع الیدین:۔ وہ احادیث نبویہ جو رفع یدین کے دوام کو ثابت کرتی ہیں ان میں سے چند حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ حدیث عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ:۔ قال: رأيت رسول الله ﷺ اذا قام فى الصلوة رفع يديه حتى يكونا حذو منكبيه وكان يفعل ذلك حين يكبر للركوع ويفعل ذلك إذا رفع رأسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده۔ ولا يفعل ذلك فى السجود۔ أخرجه الستة ومالك ومحمد فى الموطأ

شرح بخاری

والدارمي والدارقطني والبيهقي وغيرهم۔ اس حدیث کے راوی زھری، سالم بن عبد اللہ اور عبد اللہ بن عمرؓ سب رفع یدین کے قائل وفاعل تھے۔ اس حدیث کی صحت کے پیش نظر علی بن المدینیؒ نے فرمایا ہے "هذا الحديث حجة على الخلق كل من سمعه فعليه أن يعمل به لأنه ليس في اسناده شيئ" یہ حدیث اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر حجت ہے۔ جو اسے سنے اسے چاہیئے کہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس کی سند میں کوئی نقص یا عیب نہیں ہے۔

اعتراض: بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث شوافع اور اہلحدیث پر حجت ہے کیونکہ اہلحدیث سجدہ کے وقت رفع یدین کے قائل نہیں ہیں حالانکہ طبرانی میں عبد اللہ بن عمرؓ سے مروی ہے "وعند التكبير حين يهوى ساجدًا" اور اس حدیث کو ھیثمیؒ نے مجمع الزوائد میں صحیح کہا ہے۔

جواب: اسکا جواب اوّلاً تو یہ ہے کہ یہ روایت طبقہ ثالثہ کی ہے اور طبقہ اولیٰ کی حدیث اس کے مخالف ہے جس میں سجدوں کی رفع یدین کی نفی صاف لفظوں میں یوں آتی ہے "ولا يفعل ذلك في السجود" لہٰذا بخاری کی حدیث کو ترجیح ہے۔

ثانیًا: ھیثمی کی تصحیح محل نظر ہے کیونکہ حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے "فان له أوهامًا" کذا فی التاج الکامل ص ۴۷۔

ثالثًا: جن روایات میں سجدہ کی تکبیر کے وقت رفع یدین کا ذکر ہے ان میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے، ان میں سے ایک روایت وائل بن حجرؓ کی دارقطنی میں ان الفاظ کے ساتھ ہے "أنه رأى رسول الله ﷺ يرفع يديه حين يفتتح الصلوٰة وإذا ركع وإذا سجد" اور ابو ھریرہؓ کی روایت ابن ماجہ میں ہے جس میں حين يركع وحين يسجد کے لفظ ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ بعض احادیث میں رکوع سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض میں رکوع سے سر اٹھانے کے بعد کا ذکر ہے۔ جیسے ابوداؤد میں ہے "وبعد ما يرفع راسه من الركوع" تو اس کا معنی ہوگا "بعد از رکوع قبل از سجود" لہٰذا رکوع کے بعد کی رفع یدین بوجہ قلتِ فصل کے دونوں سے منضم ہو سکتی ہے۔



رابعًا: سجدہ کے وقت رفع یدین کرنے کی روایات صحیح نہیں ہیں۔ کیونکہ وائلؓ کی روایت کی سند میں حصین بن عبد الرحمن ہے اسکا حافظہ آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا جیسا کہ تقریب میں ہے۔ اور ابو ھریرہؓ کی حدیث کی سند میں اسماعیل بن عیاش ہے جسکی حدیث غیر شامیوں سے ضعیف ہے۔ جیسا کہ نصب الرایہ میں ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ عبد اللہ بن عمرؓ سے عدم رفع بھی مروی ہے جیسا کہ مجاہد نے کہا میں نے ابن عمرؓ کے پیچھے نماز پڑھی وہ تکبیر اولیٰ کے علاوہ رفع یدین نہیں کرتے تھے (طحاوی و مؤطا محمد) اسکا جواب یہ ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں ہیں۔ مجاہد کی روایت میں ابو بکر بن عیاش ہے جسکا حافظہ آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا جیسا کہ مولنا عبد الحی لکھنویؒ نے تعلیق الممجد میں کہا ہے۔ اور اختلاط کی وجہ سے ابن مسعودؓ کی بجائے ابن عمرؓ کہہ دیا ہے، جبکہ مجاہد خود رفع یدین کے قائل تھے "جزء رفع یدین ص ۱۳۔

۲۔ حدیث مالک بن الحویرث: "عن أبي قلابة أنه رأى مالك بن الحويرث إذا صلي كبر ورفع يديه وإذا أراد أن يركع رفع يديه وإذا رفع رأسه من الركوع رفع يديه، وحدث أن رسول الله ﷺ صنع هكذا" صحیح بخاری و مسلم۔ یہ حدیث اس بات کی زبردست دلیل ہے کہ رفع یدین منسوخ نہیں ہے۔ اور یہ نماز میں



سکون کے بھی منافی نہیں ہے کیونکہ حضرت مالک بن حویرث کے مدینہ آنے سے پہلے آیت کریمہ "قد أفلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون" نازل ہو چکی تھی اور تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے خشوع کا معنی سکون کیا ہے، خاشعون ای ساکنون، اس آیت کے نزول کے بعد بھی جب مالک بن حویرث نبی اکرم ﷺ سے رفع یدین کرنا ثابت کر رہے ہیں تو معلوم ہوا کہ رفع یدین نماز میں سکون کے منافی نہیں ہے۔ اگر منافی ہوتی تو آپ اس آیت کے نزول کے بعد رکوع کی رفع یدین نہ کرتے۔ اور یہی لفظ جابر بن سمرۃ کی حدیث میں آئے ہیں ای اسکنوا فی الصلوۃ جسے حنفیہ رفع یدین کے خلاف پیش کرتے ہیں لیکن مالک بن حویرث کی یہ حدیث قاطع للنزاع ہے اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کی رفع یدین نماز میں سکون کے منافی نہیں ہے۔ جو اس آیت کے نزول کے بعد بھی آپ سے ثابت ہے بلکہ اس حدیث جابر سے وہ رفع یدین مراد ہے جو لوگ سلام کے وقت کیا کرتے تھے۔

فتح الباری میں ہے کہ مالک بن حویرث اپنی قوم میں غزوہ تبوک کے موقع پر وفد بن کر آئے تھے۔ جبکہ نبی کریم علیہ السلام غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔ اور غزوہ تبوک ۹ھ میں ہوا ہے اور مالک نے نبی کریم علیہ السلام کو اس موقع پر رفع یدین کرتے دیکھا ہے۔ تو گویا آپ آخر عمر تک رفع یدین کرتے رہے ہیں۔ اس کے نسخ کا دعوی جہالت پر مبنی ہے۔ علامہ سندھی فرماتے ہیں۔ مالک بن حویرث اور وائل بن حجر رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم ﷺ کے ساتھ آخر عمر میں نماز ادا کی ہے۔ لہذا ان کی حدیث جو رکوع کو جاتے اور اس سے سر اٹھاتے وقت رفع یدین کرنے کے بارہ میں ہے یہ رفع یدین کے بقاء کی اور اس کے نسخ کے دعوے کے باطل ہونے کی دلیل ہے۔ (تعلیق سندھی علی النسائی) کیونکہ اسی مالک رضی اللہ عنہ نے نبی کریم علیہ السلام سے جلسہ استراحت کی حدیث روایت کی ہے جسے ان لوگوں نے نبی کریم علیہ السلام کی آخر عمر سے خاص کیا ہے تو اسی مالک رضی اللہ عنہ کی رفع یدین کی حدیث کو نبی کریم علیہ السلام کی آخر عمر سے بھی متعلق کرنا چاہیئے تو جب آپ نے آخر عمر میں بھی رفع یدین کی ہے تو منسوخ نہ ہوئی۔

بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ مالک بن حویرث اور وائل بن حجر جو حدیثِ رفع یدین کے راوی ہیں یہ ملازم صحبت نہیں ہیں کچھ دن آپ کے پاس رہے ہیں جبکہ ترک رفع کے راوی عبداللہ بن مسعود ملازم صحبت ہیں لہذا ملازم صحبت کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ جواب اولًا یہ ہے کہ ترک رفع کی روایت نبی اکرم ﷺ سے صحت کے ساتھ ثابت ہی نہیں ہے تو ترجیح کیسی؟ ثانیًا ملازم صحبت صحابہ کرام سے بھی رفع یدین ثابت ہے جیسے عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ، حضرت انس جو دس سال نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں رہے۔ اسی طرح آپ کے یار غار ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، ابو اسید رضی اللہ عنہ، ابو حمید رضی اللہ عنہ جو آپ کے ساتھ اکثر غزوات میں شامل رہے، ثالثًا رفع یدین کے دوام و بقاء اور عدم ثبوت نسخ کے لئے مالک رضی اللہ عنہ اور وائل کی احادیث شاہد عدل ہیں ملازم ہوں یا نہ ہوں کیونکہ مالک بن حویرث غزوہ تبوک ۹ھ میں آپکے پاس تشریف لائے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ قریبًا ۱۹ مہینے عالم حیات میں رہے۔ اب رفع کو منسوخ کہنے والے کو چاہیئے کہ وہ اس دوران بسند صحیح ترک رفع ثابت کرے اگرچہ غیر ملازم سے ہی کرے۔

۳۔ حدیث أبی حمید الساعدی: عن أبی حمید الساعدی قال فی عشرة من أصحاب النبی ﷺ أنا أعلمکم بصلوة رسول الله ﷺ قالوا فاعرض قال کان النبی ﷺ إذا قام إلی الصلوة رفع یدیه حتی یحاذی

بهما منكبيه معتدلًا فلا يصبي رأسه ولا يقنع ثم يرفع رأسه فيقول سمع الله لمن حمده، ثم يرفع يديه ....رواه ابوداؤد یہ حدیث چار اختلافی مسائل پر مشتمل ہے ا۔ تین مقامات میں رفع یدین ۲۔ اطمینان یعنی تعدیل ارکان۔ ۳۔ جلسہ استراحت۔ ۴۔ تورک فی التشہد الأخیر۔ شوافع ان کے قائل ہیں لیکن احناف ان کے منکر ہیں اس لئے حنفیہ نے اس حدیث کو ضعیف بنانے کی بہت کوشش کی ہے، حالانکہ یہ حدیث اعلیٰ درجہ کی صحیح ہے۔ ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ اعتراض: ان کا کہنا ہے کہ یہ حدیث مضطرب الإسناد ہے کیونکہ ابوداؤد میں محمد بن عمرو اور أبوحمید کے درمیان کوئی واسطہ نہیں ہے اور طحاوی میں بروایت عطاف عن محمد، رجل مجہول کا واسطہ ہے بلاواسطہ والی روایت کو عبدالحمید عن محمد بن عمرو بیان کرتا ہے۔ اور عبدالحمید ضعیف ہے۔ یحیٰی بن معین نے اسے مطعون کیا ہے۔

جواب: اگر حدیث کی سند یا متن میں کچھ اختلاف ہو جائے تو تطبیق یا ترجیح ممکن ہونے کی صورت میں وہ مضطرب نہیں ہوتی۔ بلکہ راجح محفوظ اور مرجوح شاذ کہلاتی ہے۔ بنابریں یہاں تطبیق ممکن ہے کہ عطاف سے جو رجل مجہول ہے اس کی تصریح دوسری روایت میں آچکی ہے کہ وہ عباس بن سہل ہے ممکن ہے کہ محمد نے خود بھی ابوحمید سے اس حدیث کو سنا ہو۔ اور عباس سے بھی سنا ہو جیسا کہ تلخیص الحبیر میں ہے۔ باقی رہی عبدالحمید پر جرح تو وہ کوئی مضر نہیں ہے کیونکہ ابن معین نے اسکو صرف قدریت کا الزام لگایا ہے۔ اس کے حفظ وعدالت میں کوئی جرح نہیں ہے۔ ویسے اسکو سب ثقہ مانتے ہیں۔ تہذیب التہذیب میں ہے "قال احمد: ثقة ليس به بأس، سمعت يحى بن سعيد يقول كان سفيان يضعفه من أجل القدر" اور بدعتی جب اپنی بدعت کا مبلغ نہ ہو تو اس کی حدیث قبول کرلی جاتی ہے بشرطیکہ وہ اس کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔

دوسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ ابوحمید ملازم صحبت نہیں تھے کیونکہ دوسرے صحابہ نے کہا آپ ہم سے زیادہ نبی کریم علیہ السلام کے پاس نہیں رہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس سے ملازم صحبت کی نفی نہیں ہوتی۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ وہ نسبۃً ابوحمید رضی اللہ عنہ سے زیادہ رسول کریم علیہ السلام کے پاس رہے ہوں۔ اس سے حضرت ابوحمید سے ملازم صحبت کی نفی نہیں ہوتی پھر ابوحمید کے نبی اکرم ﷺ کی نماز پیش کرنے پر سب نے "صَدَقْتَ هٰكَذَا كان يصلي" کہہ کر مہر تصدیق ثبت کردی ہے تو اب حضرت ابوحمید کے ملازم صحبت ہونے یا نہ ہونے کی بحث کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

تیسرا اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابہ کا رفع یدین پر عمل نہ تھا ورنہ ابوحمید کا اس کو ذکر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ بعض لوگ بعض امور میں سستی کے مرتکب ہوتے تھے جیسے تکبیرات انتقال وغیرہ میں، اس طرح ممکن ہے کہ بعض لوگ رفع یدین میں بھی سستی کرتے ہوں۔ اس لئے حضرت ابوحمید رضی اللہ عنہ نے اس حدیث میں تعدیل ارکان تکبیرات انتقال، تورک جلسہ استراحت، قراءت تسبیح وغیرہ کو ذکر کیا ہے۔ اور ان پر عمل کرکے دکھایا اور سب نے ان کی تصدیق کی انہیں ان کا علم تھا تب ہی تصدیق کی اور یہ کیسے ممکن ہے کہ ان صحابہ کرام کو علم ہو لیکن ان پر عمل نہ کرتے ہوں؟ گویا تمام ملازمین صحبت سے رفع یدین کرنا ثابت ہو گیا، اگر منسوخ ہوتی تو ان میں سے کوئی ایک صحابی اس کے نسخ کی وضاحت کرتا، بلکہ انہوں نے "هكذا كان يصلي رسول الله ﷺ" کہہ کر اس کے دوام کو بیان کیا ہے۔

۴۔ حدیث أبی بکر صدیق رضی اللہ عنہ :۔قال عبدالله بن الزبير صليت خلف أبي بكر الصديق و كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع قال أبوبكر صليت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم و كان يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع" اخرجه البيهقى فى سننه وقال رجاله ثقات۔

یہ وہی حدیث ہے جو اس بحث کے آغاز میں اوپر متن میں تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکی ہے۔ اس حدیث سے واضح ہے کہ قدیم الاسلام جلیل القدر صحابی آپ کا یارِ غار آپ کے ساتھ ہمیشہ رہنے والے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ "كان يرفع يديه" کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے رفع یدین کو نقل کر رہے ہیں۔ جس سے متنازع فیہ رفع یدین کے دوام میں کوئی شبہ باقی نہیں رہ جاتا۔ اور اس حدیث کے تمام رواۃ رفع یدین کے قائل وفاعل ہیں، کوئی بھی اسے منسوخ نہیں سمجھتا۔

اعتراض: بعض حنفیہ نے لکھاہے کہ اس حدیث کی سند میں ابو اسماعیل السلمی کو دار قطنی نے متکلم فیہ کہاہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ سلمی کو نسائی وغیرہ نے ثقہ کہاہے اور جب جرح وتعدیل میں تعارض ہو تو جرح غیر مفسر کا اعتبار نہیں کیا جاتا، دوسرا یہ کہ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے دار قطنی اور ابو حاتم کو متشددین میں شمار کیاہے اور متعنتین ومتشددین کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جاتا، ان کی تعدیل معتبر ہوتی ہے۔ دیکھئے الرفع والتکمیل ص ۸۔

دوسرا اعتراض: بعض حنفیہ نے کہاہے کہ اس کی سند میں محمد بن فضل سدوسی کا حافظہ آخر عمر میں متغیر ہو گیا تھا اس لئے یہ قابل احتجاج نہیں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اختلاط کے بعد اس کی کوئی حدیث منکر ثابت نہیں ہوئی اور دار قطنی رحمہ اللہ کا فیصلہ ہے جیسا کہ مقدمہ فتح الباری ص ۵۱۸ میں ہے "قال الدارقطني: تغير باخره وماظهر له بعد اختلاط حديث منكر وهو ثقة"۔

تیسرا اعتراض: بعض نے کہاہے کہ اس میں ابو عبداللہ صفّار ہے جو کہ متفرد ہے جو قال سے روایت کرتاہے، جو سماع پر صریح نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ ابو عبداللہ صفار ثقہ ہے اور مدلس نہیں ہے اور سلمی سے اسکا سماع ثابت ہے لہٰذا یہ روایت موصول ہے اور ثقہ کا تفرد مضر نہیں ہے۔ علامہ ابن الترکمانی جوہر النقی ۱/۱۷۱ میں لکھتے ہیں "جمهور اهل الحديث على أن من أدرك شخصًا فروىٰ عنه كانت روايته محمولة على الاتصال سواء كانت بلفظ قالَ أو عَنْ أو غيرهما"

چوتھا اعتراض: بعض حنفیہ نے لکھاہے کہ ابو بکر صدیق خود رفع یدین نہیں کرتے تھے جیسا کہ دار قطنی میں ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جس روایت میں ابو بکر صدیق کے عدم رفع کا ذکر ہے اسے ابن الجوزی نے محمد بن جابر کی وجہ سے موضوع کہاہے۔ امام دار قطنی اس روایت کے بعد خود لکھتے ہیں "محمد بن جابر عن حماد عن ابراهيم ضعيف" لہٰذا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا رفع یدین کرنا صحیح ثابت ہے۔

۵۔ حدیث علی بن أبی طالب: عن علي عن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم أنه كان إذا قام إلي الصلوة المكتوبة كبر ورفع يديه حذو منكبيه ويصنع مثل ذلك إذا قضيٰ قراءته وأراد أن يركع ويصنعه إذا فرغ ورفع من الركوع ولا يرفع يديه فى شئ من صلوته وهو قاعد و اذا قام من السجدتين رفع

یدیه كذلك و كبر" اخرجه الترمذی وقال حسن صحیح والبیهقی والطحاوی۔ اس حدیث کے راوی ملازم صحبت حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔

اعتراض: بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں عبدالرحمن بن ابی الزناد ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ نے مضطرب الحدیث کہا ہے، لہٰذا یہ حدیث ضعیف ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ابن ابی الزناد کو اگرچہ بعض علماء نے ضعیف کہا ہے لیکن امام ذھبی رحمہ اللہ نے اسے حسن الحدیث کہا ہے۔ میزان میں ہے "قد ثناه جماعة وعدلوه و كان من الحفاظ المكثرين ولا سيما عن أبيه وهشام بن عروة حتى قال ابن معين هو أثبت الناس فی هشام ثانیًا: خود امام احمد رحمہ اللہ نے اسے مضطرب الحدیث کہنے کے باوجود اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ لہٰذا یہ ایسا ضعف نہیں ہے جسکی وجہ سے حدیث ضعیف ہو سکے۔ بعض دفعہ راوی ضعیف ہوتا ہے لیکن اسکی حدیث مقبول ہوتی ہے جیسے معتزلہ وغیرہ کی حدیث قبول کی جاتی ہے۔

دوسرا اعتراض: بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ عاصم بن کلیب کی روایت جسے طحاوی نے بسند صحیح نقل کیا ہے اس میں ہے کہ حضرت علی پہلی تکبیر میں رفع یدین کرتے تھے بعد میں نہیں کرتے تھے لہٰذا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا عمل اس حدیث کے خلاف ہے۔ تو اسکا جواب اولًا یہ ہے کہ امام دارمی نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ترکِ رفع یدین کی روایات کی سندیں واہی اور  کمزور ہیں۔ ثانیًا اس میں عاصم بن کلیب منفرد ہے ابن المدینی نے کہا ہے کہ تفرد کی صورت میں عاصم بن کلیب قابل احتجاج نہیں ہے: ثالثًا: ثوری جو کوفہ کے رہنے والے ہیں وہ بھی ترک کی روایت کا انکار کرتے ہیں قال عبدالرحمان بن مہدی، ذكرت للثوری حديث النهشلي عن عاصم بن كليب فأنكر" جزء رفع الیدین ص۵۔

۶: حدیث وائل بن حجر رضی اللہ عنہ: عن وائل بن حجر رضی اللہ عنہ قال: صليت مع رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم فكان إذا كبر رفع يديه قال ثم التحف ثم أخذ شماله بيمينه وأدخل يديه فی ثوبه قال فاذا أراد أن يركع أخرج يديه ثم رفعهما وإذا أراد أن يرفع رأسه من الركوع رفع يديه" ابوداؤد نسائی۔

یہ حدیث متأخر الاسلام وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، علامہ عینی نے کہا ہے "وائل بن حجر أسلم فی المدينة فی سنة تسع من الهجرة" عمدۃ القاری ۳/۹۔ اسے امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور یہ حدیث بھی رفع یدین کے دوام پر دلالت کرتی ہے۔



اعتراض: بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مختلف طرق سے مروی ہے۔ بعض میں مختلف فیہ رفع یدین کا ذکر ہے اور بعض میں نہیں۔ اور بعض میں سجدوں میں رفع یدین کا بھی ذکر آتا ہے۔ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے یہ حدیث اپنے مدلول میں قطعی نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ایسے اختلافات سے اس کی قطعیت میں فرق نہیں آتا، جبکہ امام مسلم اس کی صحت کے حق میں ہیں محدثین کرام کے ہاں مسلمہ اصول ہے کہ ایک حدیث میں ایک چیز کا عدم ذکر اس کی نفی کو مستلزم نہیں ہے۔





رفع یدین بین السجدتین کا ذکر اگرچہ ابوداؤد میں ہے لیکن صحیح مسلم میں نہیں ہے۔ ابوداؤد نے بھی اس کے شذوذ کی طرف اشارہ کیا ہے۔ "روى هذا الحديث همام عن ابن جحادة ولم يذكر الرفع مع الرفع من

السجود" ابوداؤد ا/۲۶۴۔ لہذا رفع بین السجدتین کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے۔ بلکہ صحیحین میں اسکی نفی مروی ہے۔ بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ حضرت وائل بن حجر ملازم صحبت اور فقیہ صحابہ سے نہیں ہیں، ابراہیم نخعی کے سامنے جب اس حدیث کا ذکر ہوا تو انہوں نے کہا کہ اگر وائل بن حجر نے ایک مرتبہ رفع یدین کرتے دیکھا ہے تو عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے پچاس مرتبہ نہ کرتے دیکھا ہے۔ اسکا جواب اُولاً تو یہ ہے کہ حضرت وائل بن حجر رضی اللہ عنہ جلیل القدر صحابی اور ان کا نبی کریم علیہ السلام کو دیکھنا متعدد بار ثابت ہے۔ ابوداؤد میں ہے "ثم بعد ذلك في زمان فيه برد شديد" ایک روایت میں ہے "ثم أتيتهم فرأيتهم" باقی رہا حضرت عبداللہ بن مسعود کا پچاس مرتبہ دیکھنا یہ بھی ابراہیم کا خیال ہے ورنہ ان کا ایک مرتبہ بھی نبی کریم علیہ السلام سے ترک رفع نقل کرنا صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہے۔ ابراہیم نخعی کی ان سے کب ملاقات ہوئی ہے؟ کب انہوں نے فرمایا تھا کہ میں نے پچاس مرتبہ دیکھا ہے؟ صرف انکا فعل عدم رفع مروی ہے وہ بھی صحیح نہیں ہے۔ پھر حضرت وائل کا فقیہ ہونا بھی ثابت ہے۔

دوسرا اعتراض: بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ اس کی سند میں عاصم بن کلیب متکلم فیہ ہے۔

جواب اسکا یہ ہے کہ اگرچہ عاصم متکلم فیہ ہے مگر یہ تفرد کی حالت میں قابل حجت نہیں ہے۔ جبکہ یہاں علقمہ بن وائل سے بسند صحیح بھی مروی ہے جیسا کہ مسلم میں ہے۔ ایک طریق کی تضعیف سے دوسرے طریق پر اس کا اثر نہیں پڑتا۔

ثانیاً: بوقتِ رفع یدین حنفیہ کانوں تک ہاتھ اٹھانے کے قائل ہیں اور وائل کی اس حدیث کو پیش کرتے ہیں لیکن جب تین مقامات میں رفع یدین کا ذکر اس حدیث میں آتا ہے تو اس پر جرحیں شروع کر دیتے ہیں جبکہ کندھوں تک ہاتھ اٹھانے کی حدیث حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی صحیحین میں ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔

۷۔ "حدیث انس رضی اللہ عنہ: عن أنس أن النبي ﷺ كان يرفع يديه إذا دخل في الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع" أخرجه ابن خزيمة في صحيحه والبخاري في جزئه "قال الهيثمي في مجمع الزوائد رجاله رجال الصحيحين"

حضرت انس رضی اللہ عنہ وہ جلیل القدر صحابی ہیں جو ملازم الصحبت ہیں جو مدینہ منورہ میں دس سال تک نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں رہے۔ ان کی یہ حدیث رفع یدین کے دوام اور بقاء کی واضح دلیل ہے۔

اعتراض: اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ اس حدیث کے مرفوع ہونے میں کلام ہے صحیح یہ ہے کہ یہ موقوف ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ اسے ابن خزیمہ اپنی صحیح میں مرفوع لائے ہیں بعض روایات میں رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر نہیں ہے تو یہ اختصار پر محمول ہے۔

۸۔ حدیث أبي ہریرۃ رضی اللہ عنہ: عن أبي هريرة أنه قال كان رسول الله إذا كبر للصلوة جعل يديه حذو منكبيه وإذا ركع فعل مثل ذلك وإذا رفع للسجود فعل مثل ذلك وإذا قام من الركعتين فعل مثل ذلك" أخرجه أبو داؤد وقال الحافظ في التلخيص رجاله رجال الصحيح"۔

اس حدیث میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے رکوع کو جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ جو متأخر الاسلام ہیں۔ لہذا یہ حدیث بھی رفع یدین کے دوام وبقاء اور عدم نسخ کی واضح دلیل ہے۔

اعتراض: بعض حنفیہ نے اعتراض کیا ہے کہ اس کی سند میں یحیٰ بن ایوب غافقی ہے جو مختلف فیہ ہے اسکا جواب یہ ہے کہ حافظ نے تلخیص میں رجالہ رجال الصحیح کہا ہے، اور تقریب میں اس کی نسبت کہا ہے صدوق ربما أخطا" اور مختلف فیہ راوی کی روایت مخالفین کے ہاں بھی حسن ہوتی ہے۔

۹۔ حدیث أبي موسی الأشعري رضي الله عنه: عن أبی موسی رضي الله عنه قال هل أریکم صلوة رسول الله ﷺ فکبر ورفع یدیه ثم کبر ورفع یدیه للرکوع ثم قال: سمع الله لمن حمده ورفع یدیه ثم قال: هکذا فاصنعوا ولا یرفع بین السجدتین "أخرجه الدارقطنی قال الحافظ رجاله ثقات" قال انور شاہ فی العرف الشذی: هي صحیحة ص ۱۲۵۔

حضرت ابو موسیٰ أشعری وہ صحابی ہیں جن کو نبی اکرم ﷺ نے یمن میں عامل بنا کر بھیجا تھا۔ آپ نے نبی کریم علیہ السلام کی طرح نماز پڑھ کر فرمایا"هکذا فاصنعوا" یہ صریح دلیل ہے کہ رفعیدین منسوخ نہیں ہے اور یہ اس کے دوام پر دلالت کرتی ہے۔

فائدہ زائدہ: احناف کی طرف سے نسخ رفع یدین کا دعویٰ کسی صحیح ثابت دلیل پر مبنی نہیں ہے، بلکہ اس کے نسخ کا دعویٰ عبداللہ کرخی کے قول پر منحصر ہے جو حنفی مذھب کے متعصب لوگوں میں سے ایک ہیں، ان کا یہ غالی قول ہے۔ "کل ایة أوحدیث یخالف ما علیه أصحابنا فهو مؤول أو منسوخ" التفسیر والمفسرون للذھبی ص ۴۴۳ ج ۲۔ یعنی



قرآن کریم کی جو آیت یا نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کی جو حدیث، ہمارے حنفی بزرگوں کے خلاف ہوگی اس کی تاویل کی جائے گی یا اسے منسوخ قرار دے دیا جائے گا چاہیئے تو یہ کہ قرآن و حدیث کو اصل بنا کر اپنے اپنے مذھب کے اقوال و افعال کو کتاب و سنت پر پیش کیا جائے جو قول و فعل ان کے خلاف ہو اسے ترک کر دیا جائے۔ لیکن یہاں الٹی گنگا بہہ رہی ہے کہ جو آیت کریمہ یا حدیث نبوی مذھب حنفی کے خلاف ہوگی اس کی تاویلیں گھڑ کر اسے حنفی مذھب کے موافق بنایا جائے گا یا پھر اس آیت اور حدیث کو منسوخ قرار دے دیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ جو حدیث حنفی مذھب کے خلاف پڑتی ہو اسے منسوخ کہہ دیا جاتا ہے خواہ رفع یدین سے متعلق ہو یا آمین بالجہر وغیرہ سے متعلق ہو۔

ترک رفع یدین کے دلائل اور انکا جواب: اب ان دلائل پر گفتگو کی جاتی ہے جنہیں ترک رفع یدین کی دلیل کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنکی مسئلہ متنازع فیہ سے دور کی بھی نسبت نہیں ہے اور بعض دلائل سند کے اعتبار ثابت ہی نہیں۔



حنفیہ کی پہلی دلیل: "عن جابر بن سمرة قال خرج علینا رسول الله ﷺ ونحن یعنی رافعوا أیدینا فی الصلوة فقال: ما بالهم رافعین أیدیهم فی الصلوة کأنها أذناب خیل شمس اسکنوا فی الصلوة" اخرجہ النسائی و مسلم و ابوداؤد۔



جواب: حضرت جابر کی اس حدیث کے سیاق میں اختلاف ہے ایک حدیث کے لفظ وہی ہیں جو نقل کئے گئے ہیں۔ اس میں تشہد اور سلام کا ذکر نہیں ہے۔ دوسری حدیث کے لفظ یہ ہیں "کنا نصلي خلف النبي ﷺ فنسلم بأیدینا فقال: ما بال هؤلاء یسلمون بأیدهم کانها أذناب خیل شمس أما یکفی أحدهم أن یضع یده علی

فخذه ثم يقول :السلام عليكم السلام عليكم " أخرجه مسلم والنسائي۔ اس میں تشہد اور سلام کاذکر ہے۔
دونوں احادیث میں اختلاف متعدد امور میں ہے۔۱۔ پہلی حدیث میں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام گھر سے نکلے دوسری میں آپکے نکلنے کاذکر نہیں ہے۔ بلکہ صحابہ کے آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کاذکر ہے۔ ۲۔ پہلی حدیث میں سلام کاذکر نہیں ہے جبکہ دوسری حدیث میں سلام کاذکر ہے۔ ۳۔ پہلی حدیث میں ہے کہ ہم نماز میں ہاتھ اٹھاتے تھے جبکہ دوسری میں سلام پھیرتے وقت ہاتھ اٹھانے کاذکر ہے۔ ۴۔ پہلی میں "اسکنوا فی الصلوة " کے لفظ ہیں جبکہ دوسری میں یہ لفظ نہیں بلکہ مسند احمد میں ألا یسکن أحد کم فی الصلوة " ہے ان اختلافات کے باوجود محدثین کی متفقہ رائے میں یہ دونوں احادیث، دراصل ایک ہی حدیث ہے۔ ان میں الفاظ کا اختلاف صرف تعدد رواۃ کی بناپر ہے امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع یدین میں اسی بات کو اختیار کیا ہے۔ گویا اصل میں حدیث یوں ہے کہ نبی کریم علیہ السلام گھر سے نکلے۔ اور ہمیں نماز پڑھائی اور ہم نے آپ کے پیچھے نماز اداکی، توہم نے نماز سے سلام پھرتے وقت ہاتھ اٹھائے تو آپ نے فرمایامیں تمہیں نماز میں ہاتھ اٹھاتے کیوں دیکھ رہاہوں۔ نماز میں سکون اختیار کرو۔
اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے بعض رواۃ نے کچھ لفظ چھوڑ دیئے دوسرے بعض نے کچھ دیگر الفاظ چھوڑ دیئے۔ بعض نے نماز سے سلام پھیرتے ہوئے ہاتھ اٹھانے کو نماز میں ہاتھ اٹھانے سے تعبیر دیا۔ عام طور پر اس قسم کا اختلاف تعدد رواۃ کی وجہ سے ہوجایاکرتا ہے، جیساکہ حدیث سہو میں اختلاف ہے ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے تین رکعت پر سلام پھیر دیاجیساکہ مسلم میں ہے اور بخاری میں ہے کہ دور کعت پر سلام پھیرا۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ کمرہ میں داخل ہوگئے، دوسری میں لکڑی سے ٹیک لگانے کاذکر ہے۔ ان میں بظاہر تعارض ہے بعض لوگ ایسے تعارض کے وقت تعدد کا حکم لگادیتے ہیں جبکہ محدثین وقت نظر سے کام لیتے ہوئے توفیق یاترجیح کواختیار کرتے ہیں۔
حقیقت یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ایک دفعہ منع کرنے پر دوسری دفعہ صحابہ اس فعل کو کیسے کرسکتے تھے؟ یہ زبردست دلیل ہے کہ یہ واقعہ ایک دفعہ کا ہے (یعنی آپ کے پیچھے نماز پڑھنے کاواقعہ ہے) یعنی آپ نے ایک ہی دفعہ منع کیا ہے۔
اس حدیث کی نظیر کعب بن اشرف کی حدیث ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ محمد بن مسلمہ گئے اور کعب سے باتیں کرتے رہے مثلاً انہوں نے تنگی میں ڈال دیا ہے اور اس پر قابو پاکر اسے قتل کر دیا۔ بخاری میں ہے "فلم یزل یکلمہ حتی استمکن منہ فقتلہ، دوسری حدیث میں ہے کہ محمد بن مسلمہ اس کے ساتھ باتیں کرنے کے بعد واپس آگئے، دوسری دفعہ اپنے ساتھ کچھ آدمی لیکر رات کو گئے اسے بلایااور موقع پاکر اسے قتل کر دیا۔ ان دونوں حدیثوں میں اگرچہ تعارض ظاہری ہے لیکن واقعہ ایک ہی ہے کیونکہ کعب ایک ہی دفعہ قتل ہوا ہے۔ لہذا پہلی حدیث میں اختصار ماننا پڑے گا۔ ایسے ہی جابر کی حدیث میں ایک ہی واقعہ مراد ہے اور اس سے مراد عند السلام رفع یدین سے روکنا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے جزء رفع یدین میں لکھاہے کہ جو شخص اس حدیث سے رکوع کی رفع یدین کے ترک پر استدلال کرتا ہے وہ جاہل آدمی ہے۔
اگر کہاجائے کہ لفظ عام ہے اور اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص مورد کا۔ تواس کا جواب یہ ہے کہ بے شک عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے لیکن اس سے مراد مطلق رفع یدین سے روکنا نہیں بلکہ اس رفع یدین سے روکنا مقصود ہے جو "کأنہا أذناب خیل شمس " سرکش گھوڑوں کی دُموں کی طرح ہو۔ اور وہ ایسی رفع یدین ہے جو دائیں اور بائیں

ہو کیونکہ یہ نماز میں سکون کے منافی ہے۔ لیکن رکوع کی رفع یدین مراد نہیں ہے۔ کیونکہ حنفیہ خود عیدین میں اور قنوت وتر میں اس رفع یدین کے قائل وفاعل ہیں جو سکون کے منافی نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ اس رفع یدین سے مراد وہ ہے جو نہ نماز کے اول میں جائز ہوسکتی ہے نہ درمیان میں اور نہ آخر میں۔ اور یہ وہ ہے جو سرکش گھوڑوں کی دمیں ہلنے کی طرح دائیں بائیں ہو، جبکہ رکوع کی رفع یدین تو تکبیر تحریمہ کی رفع یدین کے مشابہ ہے۔ اگر رکوع کی رفع یدین حدیث جابر کا مصداق ہونے کی بناپر ممنوع ہے تو تکبیر تحریمہ کے وقت جو رفع یدین کی جاتی ہے جس کے احناف بھی قائل ہیں وہ حدیث جابر سے کیسے خارج ہوگئی؟ اگر نماز کے درمیان سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھانا جائز نہیں ہے تو تکبیر تحریمہ کے وقت سرکش گھوڑوں کی دموں کی طرح ہاتھ اٹھانا کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اگر کہا جائے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت جو رفع یدین کی جاتی ہے وہ خارج صلوۃ ہے۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ جو رفع یدین نماز کے درمیان جائز نہیں ہے اس کے ساتھ نماز کیسے شروع کی جاسکتی ہے؟ حنفیہ کی دوسری دلیل: عن ابن مسعودؓ قال: ألا أصلي بكم صلوة رسول الله ﷺ فصلي فلم يرفع يديه إلّا في أول مرة۔ وفي لفظ۔ وكان يرفع يديه أول مرة ثم لا يعود" أخرجه الترمذي وحسنه وأبو داؤد والنسائي وصححه ابن حزم۔



حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس حدیث پر حنفیہ کا دارومدار ہے۔ تمام محدثین میں سے صرف امام ترمذی نے اسے حسن کہا ہے، یا ابن حزم نے اسکی تصحیح کی ہے۔ حالانکہ ان کی یہ دلیل کئی اعتبار سے محل بحث ہے۔

پہلی بحث: اس حدیث پر محدثین نے متناً اور سنداً کئی جرحیں کی ہیں لہٰذا یہ معرض استدلال میں پیش نہیں ہوسکتی، پہلی جرح یہ ہے کہ یہ روایت سفیان ثوری کا وہم ہے، علل ابن أبی حاتم میں ہے "سألت أبي عن حديث رواه الثوري عن عاصم بن كليب عن عبدالرحمن بن الأسود عن علقمة عن عبدالله ان النبي ﷺ قام فكبر فرفع يديه ثم لم يعد" قال أبي: هذا خطأ وقال وهم فيه الثوري روى هذا الحديث عن عاصم جماعة فقالوا كلهم أن النبي ﷺ افتتح الصلوة فرفع يديه ثم ركع فطبق وفعلهما بين ركبتيه ولم يقل أحد ما رواه الثوري" علامہ زیلعی ؒ نے تخریج ہدایہ میں اور حافظ ابن حجر ؒ نے تلخیص میں أبو حاتم کا یہ قول نقل کیا ہے۔ امام بخاری ؒ نے سفیان کے وہم کی یہ دلیل ذکر کی ہے کہ عاصم سے عبداللہ بن ادریس بھی روایت کرتے ہیں۔ اور امام احمد ؒ نے یحییٰ سے نقل کیا ہے کہ ابن ادریس کی کتاب میں نے دیکھی ہے اس میں یہ لفظ "ثم لم يعد" موجود نہیں ہے۔ جبکہ سفیان کی روایت زبانی ہے اور اصول یہ ہے کہ کتاب کو حفظ پر ترجیح حاصل ہے، جزء رفع یدین ص۹)



بعض حنفیہ نے ابو حاتم، بخاری اور امام احمد کے اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔

۱۔ ابن ادریس کی کتاب میں جو روایت ہے وہ اور ہے جو ثوری سے مختلف ہے۔ ۲۔ سفیان، ابن ادریس سے احفظ ہے اس لئے اسے ترجیح ہے۔ ۳۔ ثم لم یعد کی زیادتی ثقہ کی ہے لہٰذا مقبول ہے۔

پہلے جواب کا جواب الجواب یہ ہے کہ جب علم حدیث کے ماہر محدثین ان دونوں روایات کو اختلاف سیاق کے باوجود سفیان

کا وہم قرار دیتے ہیں تو یقیناً یہ وہم ہی ہے۔
دوسرے جواب کا جواب الجواب یہ ہے کہ عبداللہ بن ادریس کی حدیث کو دو اعتبار سے ترجیح حاصل ہے پہلی وجہ یہ ہے جو امام ابو حاتم نے بیان کی ہے کہ سفیان کی روایت کو عاصم سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے کسی نے یہ لفظ بیان نہیں کیا۔ گویا سفیان اس لفظ میں اپنے ساتھیوں سے متفرد ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ابن ادریس کی روایت کتاب سے ہے اور سفیان کی زبانی ہے۔ اور کتابت کو حفظ پر ترجیح ہوا کرتی ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ سفیان اتنا بڑا محدث ہے اسے غلطی کیسے لگ سکتی ہے یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ وہم بڑے بڑے لوگوں کو ہو سکتا ہے آدم علیہ السلام کو غلطی لگ گئی تھی "نَسِيَ اٰدم ونسيتْ ذريّتهٗ"
تیسری بات کا جواب یہ ہے کہ زیادتی ثقہ کی مطلقاً قبول نہیں ہوتی اگر مطلقاً مقبول ہو تو کسی حدیث کی زیادتی پر معلل کا حکم لگانا صحیح نہیں ہو گا۔ حالانکہ بسا اوقات محدثین ایسی حدیث کو معلل کہتے ہیں جس میں ثقہ کی زیادتی ہوتی ہے۔ لہٰذا ثقہ کی زیادتی اس وقت مقبول ہوتی ہے جبکہ اس پر کسی محدث نے وہم کا حکم نہ لگایا ہو۔ یہاں تو بڑے بڑے محدثین نے اس پر وہم کا حکم لگایا ہے تو یہ مقبول کیونکر ہو سکتی ہے۔؟
دوسری جرح یہ ہے کہ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ثابت ہے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ترک رفع کی حدیث ثابت نہیں ہے جیسا کہ ترمذی شریف میں ہے۔ تیسری جرح یہ ہے کہ حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا مدار عاصم بن کلیب پر ہے اور عاصم تفرد کی صورت میں قابل احتجاج نہیں ہے۔ میزان میں ہے "قال ابن المديني: لا يحتج بما انفرد به" علامہ ابن عبد البر نے التمہید میں عاصم کے تفرد کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے۔
دوسری بحث "لا يعود" میں یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے دوسری رکعت کے لئے اٹھتے وقت رفع یدین نہیں کی کیونکہ دوسری رکعت کی ابتداء پہلی رکعت کی ابتداء کے مشابہ ہے جیسا کہ بذل المجہود والے نے کہا ہے "لاحتمال التاويل المشهور بأن معنى "لا يعود" عدم الرفع في ابتداء الركعة الثانية كما كان في الأول ذكره صاحب الفتوحات ونقل عنه صاحب تنوير العينين" پھر انہوں نے اسکا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔
تیسری بحث: اگر حدیثِ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو زیادہ سے زیادہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے رفع یدین نہیں کی۔ باقی رہی یہ بات کہ نبی کریم علیہ السلام نے بھی نہیں کی، تو اس پر یہ حدیث نص نہیں ہے اگرچہ ظاہر یہی ہے۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر اور مالک بن حویرث کی احادیث نبی کریم علیہ السلام کے رفع یدین کرنے کے بارہ میں نص ہیں اور اصول کے اعتبار سے نص اور ظاہر میں تعارض واقع ہو جائے تو نص کو ترجیح دی جاتی ہے لہٰذا آپ کا رفع یدین کرنا راجح ہے۔
حنفیہ کی تیسری دلیل: عن البراء بن عازب قال: كان النبي ﷺ اذا كبر لافتتاح الصلوة رفع يديه حتى يكون ابهاماه قريبًا من شحمة أذنيه ثم لا يعود" رواه الطحاوي وابوداؤد، والدارقطني وأحمد وابن أبي شيبة،

جواب: یہ حدیث ضعیف ہونے کی وجہ سے قابل استدلال نہیں ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں یزید بن أبی زیاد ہے "ثم لایعود" کی زیادتی اسی کی طرف سے ہے۔ اصل حدیث میں یہ لفظ نہیں ہے، مکہ میں جب یہ حدیث بیان کرتا تھا، تو اس لفظ کو ذکر نہیں کیا کرتا تھا۔ جب یہ کوفہ میں گیا تو اسے اس لفظ کی تلقین کی گئی تو پھر یہ لفظ ذکر کرنے لگ گیا، اس لئے محدثین کرام سب متفق ہیں کہ یہ لفظ مدرج ہے، تلخیص الحبیر میں ص ۸۳ میں ہے "واتفق الحفاظ علی أن قوله ثم لم یعد مدرج فی الخبر من قول یزید بن أبی زیاد ورواه عنه بدونها شعبة والثوری وخالد الطحان وزهیر وغیرهم من الحفاظ وقال الحمیدی إنما روی هذه الزیادة یزید ویزید یزید. وقال عثمان الدارمي عن احمد بن حنبل لا یصح، وکذا ضعفه البخاری واحمد ویحیٰ والدارمي والحمیدی وغیر واحد وقال یحی بن محمد بن یحیٰ سمعت أحمد بن حنبل یقول هذا حدیث واه، قد کان یزید یحدث به برهة من دهره لا یقول فیه "ثم لا یعود فلما لقنوه تلقن فکان یذکره"۔

تخریج هدایہ میں زیلعی حنفی لکھتے ہیں "قال ابن حبان فی کتاب الضعفاء: یزید بن أبی زیاد کان صدوقا إلا انه لما کبر تغیر فکان یلقن فیتلقن فسماع من سمع منه قبل دخوله الکوفة فی أول عمره صحیح وسماع من سمع منه فی آخر قدومه الکوفة لیس بشئی "جزء رفع الیدین میں ہے "قال سفیان لما کبر الشیخ لقنوه ثم لم یعد فقال: ثم لم یعد"

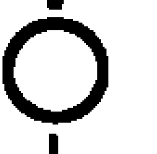


بعض حنفیہ نے لکھاہے کہ یزید ثقہ ہے ابوزرعہ کہتے ہیں "یکتب حدیثه ذهبی کہتے ہیں صدوق ردیٔ الحفظ، علامہ عینی نے اس کے ثقہ ہونے سے متعلق کچھ اقوال ذکر کئے ہیں۔

جواب اس کا یہ ہے کہ ان اقوال سے یزید کا ثقہ ہونا خصوصاً اس روایت کا قابل استدلال ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ اس کے جارحین میں امام بخاری رحمہ اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، امام نسائی رحمہ اللہ، ابوزرعہ، ابن معین جیسی ہستیاں ہیں۔ اور قاعدہ مسلمہ ہے "الجرح مقدم علی التعدیل سیما إذا کان من عارف أسباب"۔

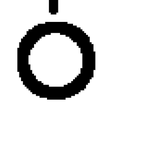
360

حنفیہ کی چوتھی دلیل: عن ابن عمر رضی اللہ عنہ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرفع یدیه إذا افتتح الصلوة ثم لا یعود" خلافیات بیہقی۔



جواب: یہ روایت موضوع (بناوٹی) ہے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ وهو مقلوب، موضوع" تلخیص ص ۸۳۔

حنفی اسے صحیح بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ حالانکہ اس کے مخرج امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: قال البیهقی قال الحاکم: هذا باطل موضوع ولا یجوز أن یذکر إلا علی سبیل القدح. کذا فی نصب الرأیة للزیلعی الحنفی۔





حنفیہ کی پانچویں دلیل: عن ابن عباس رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال: لا ترفع الأیدی إلا فی سبع مواطن. فی افتتاح الصلاة وفی استقبال القبلة وعلی الصفا والمروة وبجمع وفی المقامین عند الجمرتین "أخرجه البزار وابن أبی شیبة موقوفًا وعن نافع عن ابن عمر رضی اللہ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم نحوه"

اس میں سلمی پر اعتراض کیا گیا ہے کہ وہ متکلم فیہ ہے حالانکہ متکلم فیہ کہنا کافی نہیں ہے جب تک کہ جرح نہ ہو، اور جرح غیر مفسر کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے الرفع والتکمیل میں ذکر کیا ہے کہ متعنتین کی جرح کا اعتبار نہیں ہوتا۔ اور سلمی کو دار قطنی اور ابن ابی حاتم نے متکلم فیہ کہا ہے۔ دار قطنی اور ابن ابی حاتم متشدّدین میں شمار ہوتے ہیں لہٰذا ان کی جرح کا اعتبار نہیں کیا جائیگا۔ محمد بن فضل پر اعتراض کیا گیا ہے۔ کہ اسکا حافظہ اخیر عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔ لیکن حافظہ متغیر ہونے کے بعد اس سے کوئی غلط حدیث سرزد نہیں ہوئی۔ گویا تغیر کے بعد بیان کرنے میں احتیاط کیا ہے۔ ابن حبان نے اگرچہ جرح کی ہے لیکن انہوں نے بھی اس سے حافظہ متغیر ہونے کے بعد کی کوئی حدیث ذکر نہیں کی، ویسے بھی اخیر عمر میں ہر ایک کا حافظہ کچھ نہ کچھ متغیر ہو ہی جاتا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس وقت جو کچھ بیان کرے غلط ہو جائے۔ اور یہ اس وقت کی باتیں ہیں جبکہ اعتماد حافظہ پر ہوتا تھا۔ اب تو اعتماد کتابوں پر ہے جو ہر جگہ موجود ہیں۔

ایک دوسری حدیث بھی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے بیہقی میں عبدالرزاق سے منقول ہے "ما رأيت أحسن صلوة من ابن جريج رأيت يرفع يديه اذا افتتح الصلوة وإذا ركع وإذا رفع رأسه من الركوع وأخذ ابن جريج صلوة عن عطاء بن أبي رباح وأخذ عطاء عن عبدالله بن الزبير وأخذ ابن الزبير عن أبي بكر الصديق ایک روایت یہ بھی ہے "وأخذ ابوبكر من النبي ﷺ وأخذ النبي ﷺ من جبريل وأخذ جبريل من الله تعالي" انورشاہ نے کہا ہے کہ یہ رفع یدین کی سند نہیں ہے۔ یہ تو دین

جواب: اس حدیث کا مدار ابن ابی لیلیٰ پر ہے۔ اس کا حافظہ ردی تھا، سند اور متن میں کمی و بیشی کیا کرتا تھا۔ اگرچہ فقہ میں ان کو دسترس حاصل تھی، لیکن فن حدیث میں انہیں کوئی وقعت حاصل نہیں تھی۔ امام نووی شرح مسلم میں لکھتے ہیں "وأما ابن أبي ليلي اسمه محمد وهو ابن عبدالرحمن وهوضعيف عند المحدثين" حافظ ابن حجر کہتے ہیں "صدوق سئ الحفظ جدًا" امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں "لا يحتج به" امام بزار مخرج حدیث نے خود اسے مجروح لکھا ہے۔

دوسری جرح: امام بزار فرماتے ہیں: کہ یہ حدیث حصر کے لفظوں میں نہیں آئی، بلکہ "ترفع الأيدى" کے لفظ سے وارد ہوئی ہے۔ دوسرا جواب: عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں وہ خود رفع یدین کیا کرتے تھے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "وقد روى طاؤس وابوجمرة وعطاء أنهم رؤا ابن عباس رفع يديه عند الركوع واذا رفع رأسه من الركوع"

حنفیہ کی چھٹی دلیل: عن عباد بن الزبير أن رسول الله ﷺ كان إذا افتتح الصلوة رفع يديه فى أول الصلوة ثم لم يرفعهما فى شيئ حتى يفرغ" أخرجه البيهقي في الخلافيات۔

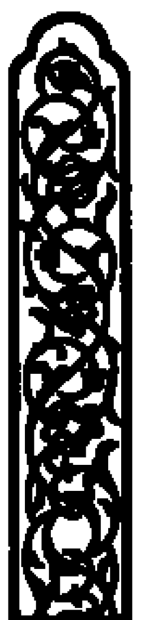
جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرسل ہے اور جمہور محدثین کے ہاں مرسل حجت نہیں ہے۔ ترمذی کی کتاب العلل میں ہے "والحديث إذا كان مرسلًا فانه لا يصح عند أكثر أهل الحديث وضعفه غير واحد" اس کی وجہ یہ ہے کہ مرسل میں ساقط راوی کے ضعیف ہونے کا امکان ہوتا ہے۔)

محمدی کی سند ہے۔ ویسے مکہ والے رفع یدین کرتے تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ ہم نے نماز عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے سیکھی ہے۔ اور انہوں نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سیکھی ہے اس میں رفع یدین کو لے آئے ہیں۔ حالانکہ وہ رفع یدین کا ذکر کر رہے ہیں تو اس بے اعتباری کی کیا ضرورت ہے۔

حضرت مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ ایک جگہ اس میں سجدوں کی رفع یدین کا ذکر بھی آتا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ سجدوں کی رفع یدین کی روایت صحیح نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس پر جرح کی ہے۔ اس میں قتادہ عن سے بیان کرتا ہے جو کہ مدلس ہے لہٰذا یہ سند صحیح ثابت نہیں ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ چونکہ مدلس کی روایت کو صحیح سمجھتے ہیں اس لئے وہ سجدوں کی رفع یدین کے قائل ہیں۔ لیکن ابن حزم رحمہ اللہ نے قتادہ کا جو اثر نسائی کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اس میں قتادہ کا شاگرد سعید نقل کیا ہے۔ شعبہ نہیں، حالانکہ نسائی میں بعض جگہ شعبہ اور بعض جگہ سعید آتا ہے۔ اگر اس کا شاگرد شعبہ ہو تو تدلیس اٹھ جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ کے نزدیک اسکا شاگرد سعید ہے شعبہ نہیں۔ اس لئے کہا ہے کہ یہ روایت مقبول نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں قتادہ مدلس ہے جو عَنْ سے روایت کرتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے فتح الباری میں اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے کہ روایت نسائی میں سعید کے واسطے سے آتی ہے۔ انہوں نے شعبہ کا ذکر نہیں کیا۔ صرف یہ حوالہ دیا ہے کہ ھمام بھی اس کی تائید کرتا ہے۔ "کان یرفع یدیہ فی الرکوع والسجود" اسکا مطلب یہ ہے کہ رکوع سے اٹھنے کے بعد سجدہ میں جانے سے پہلے رفع یدین کرتے۔ اس لئے ھمام والی روایت تو مؤید نہیں ہے۔ اور شعبہ کی اس لئے ذکر نہیں کی کہ وہ ہے ہی نہیں۔ بعض لوگ اعتراض کر دیتے ہیں کہ حافظ نے ھمام کی متابعت ذکر کی ہے۔ شعبہ کی ذکر کیوں نہیں کی؟ حالانکہ وہ موجود ہی نہیں ہے۔ اور جن بعض اسانید میں شعبہ آیا ہے وہ سعید سے ہی بگڑا ہوا ہے۔ اور حافظ ابن حزم نے محلّٰی میں نسائی کے حوالے سے حدیث نقل کی ہے اس میں بھی سعید ہی ہے شعبہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نسائی کے بعض نسخوں میں جو شعبہ آیا ہے وہ سعید سے ہی بگڑا ہوا ہے۔ لہٰذا بخاری رحمہ اللہ کا سند پر اعتراض درست ہے۔



حنفی یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث امام مالک رحمہ اللہ نے موطا میں بیان کی ہے حالانکہ ان کا مذہب ترک رفع ہے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے نزدیک یہ حدیث قابل قبول نہیں ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ان کے اس بارہ میں تین قول ہیں۔ اصح القول انکا یہ ہے کہ رفع یدین کرنی چاہیئے۔ حافظ نے ان کے تین قول نقل کئے ہیں اگرچہ حافظ رحمہ اللہ نے ان کے تین قول نقل کئے ہیں مگر صحیح اسی کو قرار دیا ہے کہ ان کے ہاں بھی رفع یدین کرنی چاہیئے۔ اگر امام مالک رحمہ اللہ نے اس پر عمل نہ بھی کیا ہو تو اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ سمجھتے ہوں گے کہ اس مسئلہ میں لوگوں کا اختلاف ہے اس لئے عمل نہ کیا ہو، امام مالک رحمہ اللہ عام طور پر ایسا کرتے ہیں جیسا کہ انہوں نے ستر احادیث موطا میں ذکر کی ہیں ان کی اسانید صحیح ہونے کے باوجود ان پر عمل نہیں کیا۔ موطا میں ہے کہ سورج سر پر ہو تو نماز نہیں پڑھنی چاہیئے۔ مگر عمل اس کے خلاف ہے۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ اکیلے جمعہ کے دن کا روزہ نہیں رکھنا چاہیئے۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ جواز کے قائل ہیں کئی مقامات میں وہ اپنے زمانے کا عمل دیکھ کر اس سے متاثر ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے



امام شافعی نے ان پر اعتراض کیا تھا کہ حدیث کے مقابلہ میں ایک، دو آدمیوں کے عمل کو بلکہ زمانے والوں کے عمل کو دلیل بنالینا درست نہیں ہے۔ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ ان کے ایک استاد کا عمل ہوتا ہے اور وہ اسے معتبر سمجھ لیتے ہیں۔ امام لیث رحمہ اللہ نے بھی اپنے خط میں امام مالک رحمہ اللہ پر اعتراض کیا تھا کہ تم نے مدینہ والوں کے عمل کی وجہ سے حدیث چھوڑنے کا جو رویہ اختیار کیا ہے وہ ٹھیک نہیں ہے۔

رفع یدین کے متعلق حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت بھی ہے اور ترمذی میں حضرت ابوحمید ساعدی کی روایت بھی ہے۔ اس پر حنفی اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں عبدالحمید راوی کے متعلق یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ یہ ضعیف ہے لہٰذا یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ حالانکہ انہوں نے اس پر قدریت کا الزام لگایا ہے۔ ویسے وہ ثقہ ہے۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ محمد بن عمرو بن حلحلہ ابوحمید ساعدی سے روایت کرتا ہے۔ اور اس کی ان سے ملاقات نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں دس صحابہ میں ابوقتادہ کے موجود ہونے کا ذکر ہے اور ابوقتادہ جب فوت ہوئے تھے اس وقت یہ موجود ہی نہیں تھا۔ جب یہ پیدا ہی نہیں ہوا تھا تو ابوحمید کے پاس کیسے پہنچ گیا۔ طحاوی نے یہ اعتراض کیا ہے۔ بیہقی رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ کہنا کہ ابوقتادہ ۴۰ھ سے پہلے فوت ہوگیا تھا اور محمد بن عمرو پیدا ہی نہیں ہوا تھا، یہ غلط ہے، وہ فوت ہونے والا جس کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنازہ پڑھا تھا وہ قتادہ ہے۔ کسی نے غلطی سے اسے ابوقتادہ لکھ دیا ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آیا ہے کہ یہ بدری تھا اور ابوقتادہ کو کسی نے بدریوں میں شمار نہیں کیا، ہاں قتادہ کو بدریوں میں شمار کیا ہے۔ ابوقتادہ ۵۴ھ میں فوت ہوا ہے، تو محمد کی اس سے ملاقات ممکن ہے۔ امیر معاویہ کی آمد کے وقت بھی ابوقتادہ موجود تھا۔ اس لئے یہ کہنا کہ ابوحمید سے سماع نہیں ہے یہ غلط ہے۔ حافظ نے جواب دیا ہے کہ ابوقتادہ کا ذکر وہم ہے۔ یا جنہوں نے کہا ہے کہ محمد بن عمرو ۴۰ھ کے بعد پیدا ہوا ہے انہوں نے غلطی کی ہے۔

"قوله ولا يفعل ذلك في السجود" جو سجدوں میں رفع یدین کے اثبات کی روایات ہیں ان میں سے بعض مجمل ہیں۔ جیسا کہ "إذا ركع وإذا سجد" ہے یہ مجمل ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ رکوع سے سر اٹھاتے اور سجدہ کو جاتے وقت رفع یدین کرتے، رکوع کی رفع یدین کو سجدے کی بھی کہہ دیا۔ کیونکہ اسکا تعلق دونوں سے ہے۔ اور جو حدیث اس بارہ میں صریح ہے جیسا کہ نسائی میں مالک بن حویرث کی حدیث ہے، اس میں قتادہ مدلّس ہے اس لئے یہ حدیث محدثین کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔ اہل ظاہر چونکہ تدلیس کو عیب نہیں سمجھتے اس لئے وہ سجدوں میں رفع یدین کے قائل ہیں۔ لہٰذا علماء کا اس میں جو اختلاف ہے وہ اس بنا پر ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے یا نہیں؟ جو صحیح مانتے ہیں وہ سجدوں کی رفع یدین کرتے ہیں اور جو تدلیس کی وجہ سے صحیح نہیں مانتے وہ یہ رفع یدین نہیں کرتے۔ یہ اختلاف اس لئے نہیں کہ رفع یدین ثابت ہو اور ہمارا اس پر عمل نہیں اس لئے نہیں کرتے۔ یہ بات نہیں ہے سجدوں میں رفع یدین نہ کرنے والوں کے نزدیک یہ حدیث ثابت نہیں بلکہ ضعیف ہے۔ اس لئے وہ سجدوں میں رفع یدین نہیں کرتے۔

٨٥۔ بَابُ إِلَى أَيْنَ يَرْفَعُ يَدَيْهِ:

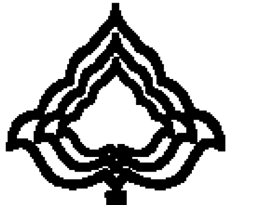
باب: ہاتھوں کو کہاں تک اٹھانا چاہئے

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: رَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ.

اور ابو حمید ساعدی رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھایا۔

۷۳۸ حَدَّثَنَا أَبُو الْيَمَانِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا شُعَيْبٌ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، قَالَ: أَخْبَرَنَا سَالِمُ بْنُ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ عَبْدَ اللهِ بْنَ عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ افْتَتَحَ التَّكْبِيرَ فِي الصَّلَاةِ، فَرَفَعَ يَدَيْهِ حِينَ يُكَبِّرُ حَتَّى يَجْعَلَهُمَا حَذْوَ مَنْكِبَيْهِ، وَإِذَا كَبَّرَ لِلرُّكُوعِ فَعَلَ مِثْلَهُ، وَإِذَا قَالَ سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَعَلَ مِثْلَهُ وَقَالَ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَلَا يَفْعَلُ ذَلِكَ حِينَ يَسْجُدُ وَلَا حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ السُّجُودِ».

ہم سے ابوالیمان حکم بن نافع نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں شعیب نے زہری سے خبر دی، انہوں نے کہا کہ مجھے سالم بن عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے خبر دی کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز تکبیر تحریمہ سے شروع کرتے اور تکبیر کہتے وقت اپنے دونوں ہاتھوں کو کندھوں تک اٹھا کر لے جاتے اور جب رکوع کے لیے تکبیر کہتے تب بھی اسی طرح کرتے اور جب «سمع اللہ لمن حمدہ» کہتے تب بھی اسی طرح کرتے اور «ربنا ولک الحمد» کہتے۔ سجدہ کرتے وقت یا سجدے سے سر اٹھاتے وقت اس طرح رفع یدین نہیں کرتے تھے۔

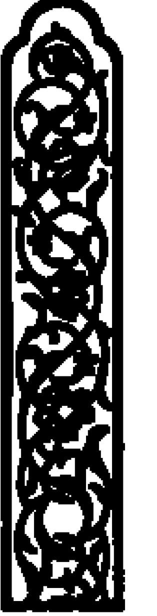




شرح بخاری

اس بارہ میں مختلف احادیث آتی ہیں بعض احادیث میں سینے تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے بعض میں کندھوں تک اور بعض میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے کا ذکر ہے۔ جمہور اور امام شافعی کندھوں تک اٹھانے کے قائل ہیں۔ امام بخاری کی بھی یہی رائے ہے۔ جس کی دلیل کے طور پر انہوں نے ابوحمید کی حدیث کو پیش کیا ہے[1]۔ حنفی کہتے ہیں کہ کانوں تک اٹھانا چاہیئے۔ ان کے ہاں مالک بن حویرث کی حدیث دلیل ہے جو مسلم میں ہے[2]۔ اور ابوداوٗد میں وائل بن حجر کی حدیث میں "حتی حاذتا أذنيه" آتا ہے[3] اس سے استدلال کرتے ہیں حالانکہ اس حدیث میں تینوں مقامات میں رفع یدین کا ذکر ہے۔ لیکن وہ مقام رفع کو اس حدیث سے لے لیتے ہیں۔ باقی حدیث کو چھوڑ دیتے ہیں۔ امام شافعی کا ایک قول تطبیق کا بھی ہے کہ انگلیاں کانوں تک اور انگوٹھے فروع الاذنین تک ہوں۔ اور ہتھیلیاں کندھوں تک ہوں، لیکن اس تطبیق سے تحدید ہو جاتی ہے۔ لہٰذا اس کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ اصل مقصود توسیع ہے۔

۸۶۔ بَابُ رَفْعِ الْيَدَيْنِ إِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ:



1. سنن أبي داوٗد ۷۳۰
2. مسلم (۲۵) ۳۹۱
3. سنن أبي داوٗد ۷۲۶

باب: (چار رکعت نماز میں) قعدہ اولیٰ سے اٹھنے کے بعد رفع یدین کرنا

٧٣٩ حَدَّثَنَا عَيَّاشٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْأَعْلَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ نَافِعٍ، «أَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ إِذَا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ كَبَّرَ وَرَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا رَكَعَ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ رَفَعَ يَدَيْهِ، وَإِذَا قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ رَفَعَ يَدَيْهِ»، وَرَفَعَ ذَلِكَ ابْنُ عُمَرَ إِلَى نَبِيِّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، رَوَاهُ حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَرَوَاهُ ابْنُ طَهْمَانَ، عَنْ أَيُّوبَ، وَمُوسَى بْنِ عُقْبَةَ مُخْتَصَرًا.

ہم سے عیاش بن ولید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالاعلیٰ بن عبدالاعلی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبیداللہ عمری نے نافع سے بیان کیا کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جب نماز میں داخل ہوتے تو پہلے تکبیر تحریمہ کہتے اور ساتھ ہی رفع یدین کرتے۔ اسی طرح جب وہ رکوع کرتے تب اور جب «سمع اللہ لمن حمدہ» کہتے تب بھی (رفع یدین کرتے) دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور جب قعدہ اولیٰ سے اٹھتے تب بھی رفع یدین کرتے۔ آپ نے اس فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچایا۔ (کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح نماز پڑھا کرتے تھے۔)

شرح بخاری

امام احمد رحمہ اللہ پہلے تشہد سے اٹھتے وقت تیسری رکعت کے آغاز میں رفع یدین کے قائل ہیں امام شافعی رحمہ اللہ قائل نہیں ہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں اختلاف ہے۔ بعض جگہ رفع یدین کا ذکر ہے بعض میں نہیں ہے۔ نافع کی روایت میں ذکر ہے۔ لیکن سالم کی روایت میں ذکر نہیں ہے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ یہ رفع یدین ثابت نہیں ہے۔ امام بخاری نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ رواۃ ایک نماز کی حکایت نہیں کر رہے۔ اگر ایک ہی نماز ہوتب تو اختلاف ہو گا مختلف نمازیں ہوں تو ہو سکتا ہے کہ دو رکعتوں کے بعد والی رفع یدین کبھی آپ کرتے اور کبھی نہ کرتے ہوں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ روایت میں اختصار ہو، راوی نے اسے ذکر کرنا چھوڑ دیا ہو۔

"قوله ورفع ذلك ابن عمر إلي نبي الله ﷺ" یعنی نافع پہلے ابن عمر رضی اللہ عنہ کا فعل ذکر کرتا تھا اس کے بعد نافع کہتا تھا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہ نے اسے نبی اکرم ﷺ تک مرفوع بیان کیا ہے۔ بعض راویوں نے "ورفع ذلك ابن عمر رضی اللہ عنہ" کے لفظ ذکر نہیں کئے تو ایسے راویوں کی روایت میں اختصار ہو گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بعض راوی اسے مرفوع بیان کرتے ہیں اور بعض موقوف بیان کرتے ہیں۔ بلکہ موقوف تو سب ہی بیان کرتے ہیں۔ مرفوع ذکر کرنے میں بعض نے اختصار سے کام لیا ہے۔ عبید اللہ کے شاگردوں سے عبدالاعلی اس زیادتی کو بیان کرنے میں متفرد ہے باقی لوگ عبدالوہاب ثقفی اور معتمر وغیرہ اسے ابن عمر پر موقوف بیان کرتے ہیں۔ لیکن ان دونوں نے عبید اللہ سے مرفوع بھی بیان کیا ہے جیسا کہ جزء رفع الیدین میں ہے۔ اور اس میں یہ زائد لفظ ہیں، مگر یہ اختلاف کی بات نہیں ہے بلکہ زیادتی کی صورت ہے۔ اور زیادتی بھی ثقہ کی ہے جو مضر نہیں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اختلاف ہے نافع موقوف اور سالم مرفوع

بیان کرتا ہے۔ اور نافع کی روایت کو ترجیح دیتے ہیں حالانکہ یہ دونوں روایات الگ الگ ہیں۔ آگے حماد نے ایوب سے روایت کی ہے۔ اور ایوب بھی نافع کا شاگرد ہے۔ اس نے بھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع یدین کرنے کو ذکر کیا ہے۔ گویا عبید اللہ کے ساتھیوں میں ایوب بیان کرتا ہے اور اس کا ایک شاگرد حماد بن سلمہ یہ روایت بیان کرتا ہے۔ دیگر شاگردوں نے مختصر بیان کیا ہے۔ گویا ایوب کے شاگردوں میں بھی اختلاف ہے۔ ایک بیان کرتا ہے، دو بیان نہیں کرتے۔ اس اختلاف کی بناپر رفع میں اختلاف ہوگیا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ زیادتی ثقہ کی مقبول ہوگی۔ ابوداؤد کی رائے یہ ہے کہ یہ ثقہ کی زیادتی نہیں بلکہ نافع کے شاگردوں میں اختلاف ہے۔

حافظ نے اعتراض کیا ہے کہ ابن طہمان کی ایوب سے روایت میں دو رکعتوں کے بعد رفع یدین کا ذکر نہیں ہے۔ پہلی مرتبہ اور رکوع جاتے اور اس سے اٹھتے وقت رفع یدین کا ذکر ہے تو بخاری اسے "باب رفع الیدین إذا قام من الرکعتین" میں کیوں لائے ہیں؟ اسے اس سے پہلے باب میں لانا چاہیئے تھا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس باب میں نافع کی روایت ہونے کی وجہ سے لے آئے ہیں، اگرچہ اس میں رکعتین کے بعد رفع کا ذکر نہیں لیکن دیگر رفع یدین کا تو ذکر ہے۔ اس مناسبت کے لئے اسے یہاں ذکر کیا ہے۔ حنفی پہلی رفع یدین کے علاوہ باقی کے قائل نہیں ہیں۔ وہ عبد اللہ بن مسعود کی روایت پیش کرتے ہیں۔ دیگر علماء اس کی تاویل کرتے ہیں چنانچہ فتوحاتِ مکیہ میں محی الدین بن عربی جو کہ صوفیوں کا آدمی ہے۔ وہ پہلے مالکی ہونے کی وجہ سے رفع یدین نہیں کرتا تھا پھر ظاہری بن گیا۔ کہتا ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا اور آپ نے مجھے رفع یدین کرنے کا حکم دیا۔ میں نے بعض علماء سے پوچھا کیا رفع یدین کا ثبوت حدیث کی کتابوں میں موجود ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اس وقت حدیث کی کتابیں نہیں دیکھی تھیں صرف مالکی فقہ ہی پڑھی ہوگی۔ علماء نے بتایا کہ رفع یدین کا ثبوت احادیث میں موجود ہے۔ اس نے کہا کہ مجھے نبی کریم علیہ السلام نے رفع یدین کرنے کا حکم دیا ہے۔ اگر دوسری حدیث نہ ہوتی تو میں سمجھتا کہ رفع یدین کرنا فرض ہے۔ پھر اس نے عبد اللہ بن مسعود کی روایت کی تاویل بھی کی ہے کہ اس میں "لا یعود" کا لفظ ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ آپ نے دوسری رکعت کے شروع میں رفع یدین نہیں کی جیسا کہ پہلی رکعت کے شروع میں کی ہے۔ اس کی طرف دوسری رکعت میں نہیں لوٹا کرتے تھے، ایک روایت میں "لم یفعل الا مرۃ واحدۃ" آیا ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ بار بار نہیں کی جیسا کہ عیدین میں بار بار رفع یدین کی جاتی ہے، بلکہ تکبیر تحریمہ میں ایک ہی بار رفع یدین کی ہے۔ یہ دو تاویلیں اس نے کی ہیں۔ یا رفع بلیغ مراد ہو کہ پہلی دفعہ رفع بلیغ کیا پھر اسکی طرف نہیں لوٹے۔ جیسے عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ ایک مقام پر کہتے ہیں "إن رَفعَكُمْ أيديكُم بدعة ما زاد رسول الله ﷺ على هٰذا[1]" یہ انہوں نے اس وقت کہا جب کہ لوگوں نے ہاتھ زیادہ اٹھائے تو فرمایا یہ تو بدعت ہے نبی علیہ السلام نے تو اس قدر ہاتھ اٹھائے تھے۔ گویا رفع بلیغ کو بدعت کہا ہے۔ رفع بلیغ کے بغیر ہاتھ اٹھانا تو ثابت ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے "کان رسول اللہ



[1] مسند احمد ۵۲۶۴ ج ۹ ص ۲۰۲ (ضعیف)

ﷺ لا یرفع یدیه فی شئ من دعائه إلا فی الاستسقاء[1]" تو نفی سے مراد رفع بلیغ کی نفی ہے ورنہ دعاء میں مطلقاً رفع یعنی ہاتھ اٹھانا تو ثابت ہے۔ امام نووی وغیرہ نے دعاء میں ہاتھ اٹھانے کی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔ تو حدیث مذکور میں نفی سے مراد رفع بلیغ کی نفی ہے۔لہذا "لایعود" سے مراد بھی رفع بلیغ کی نفی کا احتمال ہے۔

احناف براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت بھی پیش کرتے ہیں۔لیکن اس کی سند میں یزید بن ابی زیاد ہے جو مکہ میں ہوتے ہوئے حدیث میں رفع یدین کا ذکر کرتا تھا جو متنازع فیہ ہے۔ کوفہ میں جاکر "لایعود" روایت کرنے لگ گیا۔علی بن عاصم کوفہ میں گئے تو اس بارہ میں اس سے سوال کیا تو اس نے حدیث بیان کرتے ہوئے "لایعود" نہیں کہا۔اسے معلوم ہوگیا کہ یہ مکہ کا رہنے والا ہے کہیں اعتراض نہ کرے۔ اس سے پوچھا کیا اس میں لایعود ہے؟ یزید نے کہا مجھے یاد نہیں۔علی بن عاصم نے اس سے کہا کہ محمد بن ابی لیلی نے مجھے آپ کی طرف سے حدیث بیان کی ہے کہ تو لایعود بھی ذکر کرتا ہے کہا مجھے تو یاد نہیں ہے، علی بن عاصم جب واپس آگیا تو یزید پھر لایعود روایت کرنے لگ گیا، کوفہ والوں نے تلقین کی کہ اس میں لایعود بھی ہے کہ پہلی بار رفع یدین کی پھر نہیں کی تو اس نے قبول کرلی۔

احناف عباد کی مرسل روایت بھی بطور دلیل پیش کرتے ہیں اور مرسل، محدثین کے ہاں حجت نہیں ہے کیونکہ اس میں راوی ساقط ہوتا ہے۔ اور وہ ضروری نہیں کہ صحابی ہی ہو۔ اس کے علاوہ بھی ہوسکتا ہے بلکہ گرے ہوئے راوی ایک سے زیادہ بھی ہوسکتے ہیں۔ دو یا تین بلکہ بعض مقامات میں ساقط راوی چھ یا سات بھی ہوتے ہیں اور ان کے بارہ میں علم نہیں ہوتا کہ وہ ثقہ ہیں یا ضعیف، اس جہالت کی بنا پر مرسل حجت نہیں ہے۔

ایک ان کی دلیل "لا ترفع الایدی إلا فی سبعة مواطن فی افتتاح الصلوة و اذا رأی البیت[2]"...... بزار کی روایت ہے۔ اس میں محمد بن ابی لیلی ضعیف ہے۔ یہ کبھی عبداللہ بن عمر اور کبھی عبداللہ بن عباس سے اسے روایت کرتا ہے حالانکہ یہ دونوں صحابہ رفع یدین کے قائل وفاعل تھے، ان سے لاترفع الأیدی کیسے صحیح ہوسکتا ہے۔

امام بزار کے بقول یہ روایت حصر کے لفظ کے ساتھ نہیں ہے بلکہ "ترفع الأیدی" کے لفظ سے ہے۔اس میں حصر نہیں پایا جاتا۔احناف نے اس روایت میں عیدین اور وتر کی رفع یدین کو بھی داخل کردیا ہے حالانکہ اس میں عیدین اور وتر کی رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس میں تکبیر تحریمہ کی رفع یدین، کعبے کو دیکھنے کے وقت رفع کا ذکر ہے اسی طرح صفا و مروہ پر۔ دو جمروں کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنے کا ذکر ہے، عیدین اور وتر کی رفع یدین کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ زیلعی نے بھی ان کا ذکر نہیں کیا۔ حضرت عمر کی روایت میں ذکر ہے لیکن وہ ضعیف ہے۔ حنفی اور شافعی عیدین میں رفع یدین کے قائل ہیں مالکی قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ ثابت نہیں ہے۔ مرفوع حدیث اس بارہ میں کوئی نہیں۔ بعض صحابہ سے ثابت ہو جائے تو ہوسکتا ہے۔

ایک روایت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے ذکر کرتے ہیں "کان رسول اللہ ﷺ یرفع یدیه فی أول مرة ثم

شرح بخاری

[1] بخاری ۱۰۳۱ ج ۲ ص ۳۲۔

[2] المعجم الکبیر للطبرانی ۱۲۰۷۲ ج ۱۱ ص ۳۸۵ مصنف ابن أبی شیبة ۲۴۵۰ ج ۱ ص ۲۱۴۔

لایعود" بیہقی نے خلافیات میں ذکر کی ہے۔ لیکن امام بیہقی نے کہا ہے قال الحاكم هذا باطل موضوع ولایجوز أن یذكر الا علی سبیل القدح بیہقی نے حاکم سے اس کی جرح نقل کی ہے کیونکہ ان کا استاد ہے۔ ان کی بات زیادہ معتبر ہے۔ کیونکہ حاکم تمام احادیث سے واقف ہے۔

حنفی مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث پیش کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "خرج علینا رسول الله ﷺ فرأنا رافعی أیدینا فی الصلوٰة فقال: مالي أراكم رافعی أیدیكم فی الصلوٰة كأنها أذناب خیل شمس اسكنوا فی الصلوٰة[3]"۔

اس حدیث کے دو متن ہیں۔ ایک یہ جو ذکر ہوا ہے۔ دوسرا یہ ہے "كنا نصلي خلف النبي ﷺ فنسلم بأیدینا فقال مابال هؤلاء یسلمون بأیدیهم كأنها أذناب خیل شمس۔ أمایكفی أحدهم أن یضع یده علی فخذه ثم یقول السلام علیكم السلام علیكم" اس میں تشہد اور سلام کا ذکر ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ یہ دو روایات ہیں۔ ایک میں سلام کے وقت دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کرنے کا ذکر ہے جس سے روکا گیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نکلے حالانکہ ہم نماز میں ہاتھ اٹھانے والے تھے اس وقت آپ نے دیکھ کر فرمایا "مالي أراكم رافعی أیدیكم كانها أذناب خیل شمس۔ اسكنوا فی الصلوٰة" لہٰذا اس حدیث سے رکوع کی رفع یدین منسوخ ہوگئی، جبکہ محدثین کے نزدیک جو لوگ اس حدیث سے رکوع کی رفع یدین کے خلاف استدلال کرتے ہیں وہ جاہل لوگ ہیں۔ حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کے دو شاگرد ہیں ان کے لفظوں میں معمولی اختلاف ہوگیا ہے۔ اصل روایت اس طرح تھی کہ نبی کریم علیہ السلام نکلے آپ نے نماز پڑھائی۔ ہم نے سلام پھیرنے کے وقت دائیں بائیں ہاتھ اٹھا کر اشارہ کیا۔ آپ نے ہمیں دیکھ لیا اور فرمایا "مالي أراكم رافعی ایدیكم" دونوں احادیث میں "كأنها اذناب خیل شمس" آتا ہے۔ یہ دائیں بائیں ہاتھ اٹھانے پر ہی بولا جاتا ہے۔ اگر دو حدیثیں بھی مانی جائیں تو مراد اس سے وہی رفع یدین ہوگی جو دائیں بائیں ہو اور یہ ممنوع ہے۔ کیونکہ گھوڑا اپنی دم دائیں اور بائیں ہی مارتا ہے۔ نیچے اوپر نہیں مارتا۔ یہ لوگ بھی دائیں، بائیں ہاتھ ہلاتے تھے۔ اس لئے اس سے روکا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اگر یہ حدیث الگ مانی جائے تو وہ نبی اکرم ﷺ کے نکلنے کے وقت التحیات میں بیٹھے ہوں گے اور دائیں بائیں جانب ہاتھوں سے اشارے کرتے ہوں گے۔ حالانکہ نماز سے سلام پھیرتے وقت ہاتھوں سے اشارہ کرنا جائز نہیں اس لئے آپ نے اس سے روک دیا۔ احناف میں سے بعض نے لکھا ہے کہ جو رفع یدین پہلے نبی کریم علیہ السلام بھی کرتے تھے پھر اگر وہ منسوخ ہوگئی تھی تو اس پر آپ نے "مالي أراكم رافعی أیدیكم كأنها أذناب خیل شمس" کے الفاظ سے منع نہیں کرنا تھا۔ کیونکہ یہ رفع یدین تو نبی علیہ السلام نے بھی ان کے سامنے کی تھی۔ اگر یہ رفع یدین منسوخ ہوگئی تھی تو آپ ان کو بتادیتے کہ اب یہ رفع یدین منسوخ ہوگئی ہے۔ ایسے سخت لفظ بولنے کی ضرورت نہ ہوتی۔ جیسا کہ نماز میں پہلے کلام کرنا جائز تھا، پھر کلام کرنا منسوخ ہوگیا تو آپ نے صحابہ کو بتادیا "إن الله قد أحدث من امره أن



[3] مسلم (۱۱۹) ۴۳۰ھ ج ۱ ص ۳۲۲۔ (بمعناہ)

لاتکلموا فی الصلوة[1]" اللہ تعالیٰ نے نماز میں کلام نہ کرنے کا حکم جاری کر دیا ہے۔ یہاں آپ نے کوئی ڈانٹ وغیرہ نہیں کی۔ اسی طرح رفع یدین کے منسوخ ہونے کا حکم دیدیتے۔ مگر اسے سرکش گھوڑوں کی دموں کے ملنے سے تشبیہ نہ دیتے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ایسی رفع یدین مراد ہے جو نبی کریم علیہ السلام نے نہیں کی بلکہ لوگوں نے شروع کردی تھی اور وہ سلام پھیرتے وقت دائیں بائیں ہاتھوں سے اشارہ کرنے کی رفع یدین تھی جس سے آپ نے منع کرتے ہوئے سخت لفظ استعمال کئے ہیں وہ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود کی حدیث کو ترمذی نے حسن کہا ہے۔ لیکن ترمذی نے عبداللہ بن مبارک کا قول بھی نقل کیا ہے۔ کہ رافعین کی حدیث ثابت ہے۔ تارکین کی ثابت نہیں ہے۔ بلکہ ترکِ رفع یدین کی روایت کسی صحابی سے ثابت نہیں ہے۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جو ترک کی روایت پیش کی جاتی ہے اس میں ابوبکر بن عیاش ہے جسکا حافظہ خراب ہوگیا تھا اور اس نے عبداللہ بن عمر کا نام لینا شروع کر دیا تھا جبکہ اس سے پہلے ابراہیم کے واسطے سے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام لیتا تھا۔ اور ابراہیم کی عبداللہ بن مسعود سے ملاقات نہیں ہے۔ اور ان سے بھی بسند صحیح ثابت نہیں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں نہشلی کی روایت صحیح نہیں ہے۔ اس میں عاصم بن کلیب متفرد ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اسود رفع یدین نہیں کرتا تھا حالانکہ کوفہ میں رفع یدین نہ کرنے کا رواج تھا وہ رواج پر قائم رہا ہوگا۔ یہ لوگ کھینچا تانی سے احادیث کو اپنی دلیل بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے بارہ میں کہتے ہیں انہوں نے رفع یدین کا ذکر کیوں کیا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رفع یدین چھوڑنے والے لوگ بھی تھے۔ اس لئے انہوں نے رفع یدین کرنے کا ذکر کیا۔ حالانکہ اصل بات یہ ہے کہ بعض چیزیں لوگ سستی کی بنا پر چھوڑ دیتے تھے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ چھوڑنا درست ہے۔ جیسا کہ لوگوں نے تکبیراتِ انتقال چھوڑ دی تھیں۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ تکبیراتِ انتقال چھوڑنی جائز ہیں۔ بخاری شریف میں حدیث آتی ہے کہ عکرمہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ انہوں نے تکبیراتِ انتقال کہیں۔ عکرمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے پاس آکر کہا "صلیت خلف شیخ بمکة أنه أحمق" عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کہا "سنة أبی القاسم[2]" تکبیراتِ انتقال کہنا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ ایسے ہی بعض لوگوں نے رفع یدین چھوڑ دی تھی۔ اسکا مطلب یہ نہیں کہ ترکِ رفع یدین جائز ہو گیا ہے ابن معین نے بھی کہا ہے کہ ترک کی کوئی روایت ثابت نہیں ہے۔

شرح بخاری

۸۷-بَابُ وَضْعِ الْيُمْنَى عَلَى الْيُسْرَى:

باب: نماز میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھنا

۷۴۰ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، قَالَ: «كَانَ النَّاسُ يُؤْمَرُونَ أَنْ يَضَعَ الرَّجُلُ الْيَدَ الْيُمْنَى عَلَى ذِرَاعِهِ الْيُسْرَى فِي الصَّلَاةِ»، قَالَ أَبُو حَازِمٍ: لَا، أَعْلَمُهُ إِلَّا يَنْمِي ذَلِكَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

---

[1] سنن ابی داود ۹۲۴ ج ۱ ص ۲۴۳۔

[2] صحیح بخاری ۷۸۸ ج ۱ ص ۱۵۷۔

قَالَ إِسْمَاعِيلُ: يُنْمَى ذَلِكَ وَلَمْ يَقُلْ يَنْمِي.

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا امام مالک رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوحازم بن دینار سے، انہوں نے سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے کہ لوگوں کو حکم دیا جاتا تھا کہ نماز میں دایاں ہاتھ بائیں کلائی پر رکھیں، ابوحازم بن دینار نے بیان کیا کہ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپ اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچاتے تھے۔ اسماعیل بن ابی اویس نے کہا کہ یہ بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچائی جاتی تھی یوں نہیں کہا کہ پہنچاتے تھے۔

نماز میں قیام کی حالت میں وضع اور ارسال میں علماء کا اختلاف ہے۔ مالکیوں کے نزدیک ارسال ہونا چاہیئے۔ امام مالک رحمہ اللہ کی اس بارہ میں دو روایات ہیں۔ ایک وضع کی دوسری ارسال کی۔ موطا میں وضع کا ذکر آتا ہے۔ ارسال کی روایت امام مالک سے موطا میں نہیں ہے۔ عبدالرحمن بن قاسم جو امام مالک کے پاس بیس سال رہا ہے۔ اس نے امام مالک سے ارسال کو نقل کیا ہے۔ لیکن ابن وھب وغیرہ نے امام مالک رحمہ اللہ سے ہاتھ باندھنے کو ذکر کیا ہے۔

بعض نے امام مالک سے ارسال کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ اس وقت کی حکومت کے تشدد کرنے سے امام مالک رحمہ اللہ کے بازو کندھوں سے نکل گئے تھے۔ جس کی وجہ سے ان کے ہاتھ اوپر اٹھائے نہیں جاسکتے تھے اس وجہ سے وہ ارسال کرتے تھے۔ آٹھ سال تک وہ مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آسکے۔ یا حکومت کا خطرہ ہوگا کہ کہیں قتل ہی نہ کرادیں۔ کیونکہ حکومت ان کے خلاف تھی۔ اور وجہ مخالفت مکرہ کی طلاق تھی۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے تھے جس شخص کو ڈرا دھمکا کر اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور کر دیا جائے اسکی طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس فتوے کی حکومت کے رویہ پر زد پڑتی تھی کیونکہ اس وقت حکومت کے لوگ جب بیعت لیتے تھے تو وہ لوگوں کو کہتے کہ تو قسم اٹھا کر اقرار کر کہ اگر میں حکومت کی مخالفت کروں تو میری بیوی کو طلاق ہو، اس طرح جو لوگ ان کی بیعت پر دل سے راضی نہیں ہوتے تھے۔ وہ بھی مجبور ہو کر قسم اٹھا لیتے تھے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے تھے کہ زبردستی لی ہوئی ایسی بیعت توڑنے سے اسکی بیوی کو طلاق نہیں ہوتی۔ حکومت سمجھتی تھی کہ ان کے فتوے سے لوگ ہم سے کی ہوئی بیعت کی پرواہ نہیں کریں گے اسی طرح ان کے فتوے کا اثر ان کی حکومت پر پڑتا تھا۔ اس لیے اس وقت کے حکمران ان کے مخالف ہو گئے۔ اور امام مالک رحمہ اللہ سے بہت برا سلوک کیا۔ امام صاحب کو گدھے پر سوار کیا اور شہر کی گلیوں میں گھمایا گیا تاکہ انہیں لوگوں کے سامنے رسوا کیا جائے اور لوگوں کو دکھایا جائے کہ جو شخص حکومت کی مخالفت کرے گا اسے یوں ہی ذلیل کیا جائے گا۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ ان کے اس سلوک سے گھبرائے نہیں کیونکہ وہ حق پر تھے وہ لوگوں میں اعلان کرتے جاتے تھے "من عرفني فقد عرفني ومن لم يعرفني فأنا ابن أنس" جو مجھے جانتا ہے ٹھیک ہے اور جو نہیں جانتا وہ اب جان لے میں انس کا بیٹا مالک ہوں اور میرا قصور یہ ہے کہ میں حدیث نبوی کے مقابلہ میں حکومت کی بات ماننے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ اللہ تعالی نے امام مالک کی شہرت اور عزت میں مزید اضافہ کر دیا۔

ایسا ہی واقعہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے بھی پیش آیا۔ حکومت کی طرف سے انہیں کہا گیا کہ آپ قاضی بن کر لوگوں





کے فیصلے کیا کریں۔ امام صاحب نے سمجھا کہ اگر میں قاضی بن گیا تو یہ ایک دلیل ہوگی کہ ان کی حکومت صحیح ہے لہذا انہوں نے اس سے انکار کر دیا اور کہا میں قاضی بننے کی اہلیت نہیں رکھتا حکومت نے کہا آپ جھوٹ بولتے ہیں تب انہوں نے کہا تم نے خود ہی فیصلہ کر دیا ہے کہ میں قضاء کا اہل نہیں ہوں کیونکہ جھوٹ بولنے والا قاضی نہیں بن سکتا۔ انکے انکار پر انہیں جیل میں ڈال دیا گیا لیکن ان کے شاگرد ابو یوسف قاضی بن گئے تھے۔ انہوں نے تو انکار نہ کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ بڑے پرہیز گار تھے۔ ورنہ وہ قاضی بن جاتے اور صحیح فیصلے کرتے رہتے لیکن انہوں نے حکمرانوں کی حکومت کی صحت کی دلیل بننا گوارا نہ کیا۔

خیر: ائمہ ثلاثہ کا مذہب یہی ہے کہ نماز میں قیام کی حالت میں دایاں ہاتھ بائیں پر رکھا جائے۔ مالکیوں کا مذہب یہ ہے کہ ہاتھ چھوڑ کر نماز پڑھی جائے کیونکہ ہاتھ باندھنا "اسکنوا فی الصلوۃ" کے خلاف ہے۔ یہ ان کی رائے ہے بعض نے ہاتھ باندھنے کا نام اعتماد رکھا ہے۔ اور نماز راحت اور اعتماد کے لئے نہیں ہے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ ارسال بہتر ہے اور اعتماد جائز ہے اور اعتماد ان کے نزدیک نماز کے ادب میں داخل نہیں ہے۔ یہ صرف راحت اور آرام کے لئے ہے۔ حنفیوں کے تحت السرہ ہاتھ باندھنے سے تو ارسال ہی بہتر ہے۔ کیونکہ تحت السرہ ہاتھ باندھنا راحت کے لئے ہوتا ہے۔ ورنہ سینے پر ہاتھ باندھنا اصل ہے۔ مالکی بھی کہتے ہیں ارسال بہتر ہے لیکن اگر رفع یدین کرنا ہو تو سینے پر ہاتھ باندھ لے۔ فیض الباری والے نے لکھا ہے کہ سینے پر ہاتھ باندھنا غیر مقلدوں نے نکالا ہے۔ یہ کسی امام کا مذہب نہیں ہے۔ ہاں شافعیوں کی کتاب حاوی میں لکھا ہے۔ اور کسی میں نہیں۔ نجانے کتنی کتابوں میں لکھا ہوا ہونا چاہیئے۔ حالانکہ ابن قیم رحمہ اللہ نے بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کا ذکر کیا ہے۔ کیونکہ سنت سے سینہ پر ہاتھ باندھنا ہی ثابت ہے۔ حافظ نے بزار کا حوالہ دیا ہے۔ جس میں عند صدرہ آتا ہے۔ اور ابن خزیمہ کی وائل کی روایت میں "أنه وضعهما علی صدره[1]" آتا ہے اس کے متعلق ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس میں ایک راوی متکلم فیہ ہے۔ لیکن یہ راوی بالکل ساقط الاعتبار نہیں ہے۔ اس کی تائید دوسری احادیث سے ہو جاتی ہے۔ مسند احمد میں ھلب طائی کی حدیث بھی سینے پر ہاتھ باندھنے کے بارہ میں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ "فصل لربك وانحر" میں "وانحر" سے مراد سینے پر ہاتھ باندھنا ہے۔ ان کا یہ اثر ابن جریر[2] نے نقل کیا ہے۔ ویسے یہ آیت رفع یدین کے متعلق بھی آتی ہے لیکن سند کے اعتبار سے یہ ضعیف ہے۔ کیونکہ اس میں "اجلح نامي" راوی ہے جو کہ شیعہ ہے۔ مستدرک حاکم میں[3] ہے کہ جبریل آئے اور انہوں نے کہا "وانحر" سے مراد رفع یدین کرنا ہے اور ہماری نماز سات آسمانوں کے فرشتوں جیسی ہے ہم سب رفع یدین کرتے ہیں۔ حنفیہ کی تحت السرہ کی کوئی روایت سند کے اعتبار سے صحیح نہیں ہے۔ ابوداؤد کی روایت میں ابن اسحق ہے

1. مسند احمد ۲۱۹۶۷، مسند البزار ۴۴۸۸ ج ۱۰ ص ۳۵۵۔
2. تفسیر الطبری ج ۲۴ ص ۶۵۲۔
3. مستدرک حاکم ۳۹۸۱ ج ۲ ص ۵۸۶۔

جو متفق علی ضعفہ ہے [1]۔ کسی نے اسے ثقہ نہیں کہا ہے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اثر میں بھی یہی راوی ہے۔

ایک دفعہ مولوی بشیر نے بیان کیا کہ ہماری روایت صحاح ستہ میں ہے۔ سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے۔ جو شخص صحاح ستہ میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت دکھادے میں اسے انعام میں اپنا کوٹھا (مکان) دے دوں گا۔ اس سے سن کر ایک آدمی نے میرے پاس ذکر کیا کہ کیا سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت صحاح ستہ میں نہیں ہے؟ میں نے کہا ابوداؤد میں سینے پر ہاتھ باندھنے کی روایت آتی ہے جو کہ مرسل ہے [2] اور مرسل روایت احناف کے نزدیک حجت ہے۔ جبکہ جو روایت وہ پیش کرتے ہیں وہ ضعیف ہے۔ اس نے جاکر یہ مرسل روایت پیش کی تو چپ ہو گیا نہ جواب دیا نہ کوٹھا۔ طاؤس کی مرسل روایت عون المعبود والے نسخہ میں ہے۔ جواب چھپا ہے اس میں نہیں ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس مسئلے کو وضع تک ہی محدود رکھا ہے کہ ہاتھ باندھے جائیں۔ باقی وہ کہاں باندھے جائیں۔ یہ ذکر نہیں کیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ بخاری کے نزدیک جگہ کے متعلق کوئی روایت معتمد علیہ نہیں ہے امام ترمذی نے بھی کہا ہے کہ اس بارہ میں کوئی خاص مقام متعین نہیں ہے۔ محدثین نے اس مسئلہ پر کوئی زیادہ زور نہیں دیا۔ فاخر الہ آبادی نے سینے پر ہاتھ باندھنے کو ترجیح دی ہے۔ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے مصنف ابن ابی شیبہ کے حوالے سے ایک حدیث ذکر کی ہے اور کہا کہ اسکی سند صحیح ہے۔ اس میں تحت السرہ کا لفظ ہے۔ فاخر الہ آبادی نے کہا ہے کہ میں نے جو مصنف ابن ابی شیبہ کا نسخہ دیکھا ہے اس میں یہ لفظ نہیں ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ مجھے بھی یہ حدیث مصنف میں نہیں ملی [3]۔



[1] سنن أبی داؤد ۷۵۶ ج ۱ ص ۲۰۱ (ضعیف)۔

[2] ابوداؤد ۷۵۹ ج ۱ ص ۲۰۱ (صحیح)۔

[3] مصنف ابن ابی شیبہ میں "باب وضع الیمین علی الشمال" کے تحت بمع سند وائل بن حجر کی حدیث "تحت السرہ کے اضافے کے بغیر یوں وارد ہے "حدثنا وکیع عن موسی بن عمیر عن علقمۃ بن وائل بن حجر عن أبیہ قال: رأیت النبی ﷺ وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ" لیکن جب مصنف ابن ابی شیبہ کو کراچی میں ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ والوں نے شائع کیا تو اس حدیث کے آخر میں تحت السرۃ کی زیادتی داخل کر دی۔ جو کہ اصول اور اس کتاب کی سابقہ طبعات میں نہیں پائی جاتی، اب یہ حدیث "تحت السرۃ" کے اضافے کے ساتھ یوں شائع کی گئی، "عن وائل ابن حجر قال رأیت النبی ﷺ وضع یمینہ علی شمالہ فی الصلوٰۃ تحت السرۃ" اس ادارہ کے حنفی غالیوں نے حدیث میں تحت السرۃ زیادہ کر کے تحریف کا ارتکاب کیا ہے تاکہ یہ حنفی مذھب کی دلیل بن سکے۔ کیونکہ حنفی لوگ نماز میں قیام کے دوران ناف کے نیچے ہاتھ رکھنے کے قائل ہیں۔ اور جب مکتبہ امدادیۃ نے حبیب الرحمن اعظمی کی تحقیق کے ساتھ اس کتاب کو چھاپا تو انہوں نے بھی اس گھڑی ہوئی زیادتی کے ساتھ ہی اس محرف حدیث کو ویسے ہی چھاپ دیا جیسے ادارہ سابقہ نے چھاپا تھا، اس کے لئے دیکھئے شیخ بکر بن عبد اللہ أبو زید کی کتاب "الردود" ص ۲۵۵۔ یہ تقلید ناسدید کے کرشمے ہیں جو اپنے پیروکاروں کو حدیث کی اصل کتابوں میں تحریف پر دلیر بنا دیتے ہیں، اصل مصنف ابن ابی شیبہ میں نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں پر رکھ کر ہاتھ باندھنے کی حدیث تھی۔ لیکن ان لوگوں نے اسے ناف کے نیچے



"قوله علی ذراعه الیسریٰ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں ہاتھ ناف سے اوپر باندھے جاتے تھے کیونکہ دایاں ہاتھ بائیں بازو پر رکھنے سے ہاتھ سینے کے قریب ہی آجاتے ہیں۔ اگر ناف کے نیچے رکھے جائیں تو دایاں ہاتھ نیچے ہو جاتا ہے حالانکہ دایاں ہاتھ اوپر ہونا چاہیے۔

بعض نے کہا ہے کہ نمازی کو چاہیئے کہ ہاتھ اس طرح باندھے کہ دایاں ہاتھ بائیں کی کچھ کف، کچھ ذراع اور رسغ تینوں پر آجائے۔ تاکہ تینوں احادیث پر عمل ہوجائے کیونکہ بعض احادیث میں کف پر ہاتھ رکھنے کا ذکر آتا ہے اور بعض جگہ رسغ کا اور بعض جگہ ذراع کا ذکر آتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آتا ہے کہ وہ رسغ پر یعنی پہونچے پر ہاتھ رکھتے تھے۔ میں نے الاصابۃ میں ایک روایت دیکھی تھی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ذراع پر ذراع رکھتے تھے۔ احادیث کی کتابوں میں ہاتھ کا لفظ آتا ہے جو کہ عام ہے۔ بہتر یہ ہے کہ دایاں ہاتھ بائیں کے رسغ پر رکھے تاکہ کف اور ذراع پر بھی ہاتھ آجائے۔

ابن القیم رحمہ اللہ نے مالکیوں کا رد کرتے ہوئے کہا ہے کہ مالکیوں کے پاس ارسال پر ابن قاسم کے قول کے سوا کوئی دلیل نہیں ہے کسی حنفی نے اسے دیکھا تو سمجھا کہ ابن قیم حنفیوں کا رد کر رہا ہے اور اس نے اپنی دلیل ذکر کرتے ہوئے ابن القیم رحمہ اللہ کی تردید شروع کر دی۔ حالانکہ ابن قیم رحمہ اللہ کا مقصد تو مالکیوں کے مذہب کی تردید کرنا ہے۔

بہرحال جو شخص ناف سے اوپر سینے کے قریب بھی ہاتھ باندھ لے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کی روایات ضعیف ہیں۔ اگر کوئی باندھے تو نقطہ چینی سے بچنا چاہیئے۔

سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور کے بارہ میں مالکی کہتے ہیں کہ یہ مرفوع حدیث نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں "یؤمرون" کا لفظ آیا ہے۔ حافظ نے کہا ہے کہ یہ حکماً مرفوع حدیث ہے کیونکہ صحابہ کرام کو وضع کا حکم دینے والے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی تھے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "رأنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واضعًا یدی الیسریٰ علی یدی الیمنیٰ فنزعها ووضع الیمنیٰ علی الیسریٰ[1]" اور کہا ہے کہ اسکی سند حسن ہے۔ اس سے ارسال کی تردید ہوتی ہے۔

۸۸- بَابُ الْخُشُوعِ فِي الصَّلَاةِ:

باب: نماز میں خشوع کا بیان

۷۴۱ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي، هَا هُنَا وَاللهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ رُكُوعُكُمْ وَلَا خُشُوعُكُمْ وَإِنِّي لَأَرَاكُمْ وَرَاءَ ظَهْرِي».

باندھنے کی دلیل بنانے کے لئے اس میں تحت السرۃ کا لفظ بڑھا دیا۔ جو کہ یہودیانہ تحریف ہے۔ أعاذنا الله تعالى من هذا الغلو والتحريف"۔

[1] سنن نسائی ۸۸۸ ج ۲ ص ۱۲۶ (حسن) بمعناہ

ہم سے اسماعیل بن ابی اویس نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے امام مالک رحمہ اللہ نے ابوالزناد سے بیان کیا، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ، کیا تم سمجھتے ہو کہ میرا منہ ادھر (قبلہ کی طرف) ہے۔ اللہ کی قسم تمہارا رکوع اور تمہارا خشوع مجھ سے کچھ چھپا ہوا نہیں ہے، میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں۔

٧٤٢ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا غُنْدَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: سَمِعْتُ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «أَقِيمُوا الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ فَوَاللهِ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ بَعْدِي، وَرُبَّمَا قَالَ: مِنْ بَعْدِ ظَهْرِي إِذَا رَكَعْتُمْ وَسَجَدْتُمْ».

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے غندر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ میں نے قتادہ سے سنا، وہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے تھے اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکوع اور سجود پوری طرح کیا کرو۔ اللہ کی قسم! میں تمہیں اپنے پیچھے سے بھی دیکھتا رہتا ہوں یا اس طرح کہا کہ پیٹھ پیچھے سے جب تم رکوع کرتے ہو اور سجدہ کرتے ہو (تو میں تمہیں دیکھتا ہوں)۔

شرح بخاری

اس سے پہلے باب میں نماز میں دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھنے کا ذکر تھا جو کہ عاجزی سے مانگنے والے کی صفت ہے اور خشوع کے زیادہ قریب اور خشوع کے منافی حرکات سے روکنے والی ہے تو اس کے بعد اس باب میں نمازی کو خشوع پر ترغیب دینے کے لئے یہ باب لائے ہیں۔ تاکہ نماز ادا کرنے والا ان لوگوں میں شامل ہو جائے جن کی اللہ تعالی نے اپنی کتاب میں اس آیت کریمہ میں تعریف کی ہے۔ "قد أفلح المؤمنون الذین هم فی صلوتهم خاشعون[1]"

بعض حنفی کہتے ہیں کہ یہ باب لاکر امام بخاری رحمہ اللہ نے ترک رفع یدین کی طرف اشارہ کیا ہے کیونکہ اس باب میں خشوع کا ذکر ہے اور خشوع سے مراد سکون ہے کہ آرام سے کھڑا ہو۔ رفع یدین نہ کرے حالانکہ اس سے قبل بخاری رحمہ اللہ اثبات رفع یدین کا باب لا چکے ہیں تو اس کے بعد ترک کا اشارہ کیسے کر سکتے ہیں۔ اور خشوع، رفع یدین کے منافی نہیں ہے بلکہ خشوع سے مراد فضول اور لغو حرکات سے بچنا ہے۔ خشوع مطلق حرکت کے منافی نہیں ہے۔ اور رفع یدین کرنا تو تعبدی امر ہے جس سے نماز کی ابتدا کی جاتی ہے۔ ورنہ رکوع اور سجود بھی حرکات ہیں جو خشوع کے خلاف نہیں بلکہ عین خشوع ہیں۔ نماز کے لئے مسجد میں آنے والوں کے لئے بھی "علیکم السکینة" کہہ کر سکون کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آتے وقت چلنے کی حرکت بھی نہ کرو بلکہ کھڑے رہو۔ علیکم السکینة سے مراد ہے کہ بے جا حرکت نہ کرو۔ مقصود اس سے یہ ہے کہ آرام سے چلو گویا کہ تم نماز میں ہی ہو۔ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ

[1] المؤمنون ۱، ۲۔

نے کہا ہے کہ "اسکنوا فی الصلوة" سے ترک رفع یدین پر استدلال کرنا غلط ہے۔ کیونکہ سکون مشروع چیزوں کے منافی نہیں ہے۔ اور رفع یدین کرنا مشروع ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ خشوع کا تعلق دل سے ہے لیکن دل سے تعلق ہونے کے باوجود اس کا تعلق ظاہر سے بھی ہے۔ خشوع سے انسان کے دل میں اللہ سبحانہ و تعالی کی عظمت اور محبت کی ایسی ھیأۃ پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کے ظاہر سے بھی خلاف ادب کوئی چیز صادر نہیں ہوتی۔ اگر خلاف ادب کوئی حرکت سرزد ہوگی تو وہ خشوع کے منافی ہوگی۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے کہ ایک آدمی نماز پڑھتے ہوئے اپنی داڑھی کھرچ رہا تھا۔ تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا "لو خشع هذا خشعت جوارحه[1]" لہذا نماز میں خلاف ادب کوئی حرکت نہیں ہونی چاہیئے۔

جیسا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے بارہ میں آتا ہے کہ جب وہ نماز میں کھڑے ہوتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسا کہ کوئی لکڑی کھڑی کی ہوئی ہے یعنی آرام اور سکون سے نماز پڑھتے اور کوئی بے جا حرکت ان سے سرزد نہیں ہوتی تھی۔ گویا خشوع کا تعلق اگرچہ دل سے ہے مگر اسکا اثر ظاہر پر بھی ہوتا ہے۔ خشوع کا اس قدر حصہ تو نماز میں فرض ہے کہ جو کچھ زبان سے پڑھتا ہے پتہ ہو کہ کیا کہہ رہا ہوں۔ بعض نے کہا ہے کہ خشوع کا تقاضا یہ ہے کہ ساری نماز میں دھیان اور توجہ اللہ تعالی کی طرف ہی رہے یہ مشکل اور دشوار ہے "ليس للمرء من الصلوة إلا ماعقل قلبه" سے معلوم ہوتا ہے کہ جو نماز میں انسان پڑھتا ہے اسکی طرف توجہ رہے۔

بعض نے کہا ہے کہ نماز میں خشوع سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف دھیان اور توجہ رہے۔ کسی دوسری چیز کی طرف توجہ نہ ہو۔ یہ چیز فی الجملہ تو فرض ہے لیکن ساری نماز میں فرض نہیں ہے۔ ہاں اگر یہ چیز ساری نماز میں پائی جائے تو افضل اور بہتر ہے۔ تکبیر تحریمہ کے وقت ہی یہ توجہ پیدا ہو جائے تو بھی اس کا اثر نماز میں پیدا ہو جاتا ہے۔ شاہ اسماعیل شہید نے کہا ہے کہ اگر نماز میں کسی اور چیز کی طرف دھیان چلا جائے تو اس رکعت کا اعادہ کرنا چاہیئے۔ تاکہ اسے دوسری طرف دھیان نہ کرنے کا ملکہ حاصل ہو جائے۔ حالانکہ یہ باتیں صوفیوں کی ہیں۔ نماز میں کسی دوسری چیز کا خیال آجانا نماز کے منافی نہیں ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کوئی دوسرا خیال آجاتا تھا لیکن آپ نے نماز کا اعادہ نہیں کیا۔ ہاں اتنا ضرور ہونا چاہیئے کہ جو کچھ نماز میں زبان سے پڑھتا ہے اسکی طرف توجہ ہونی چاہیئے۔

"قوله مايخفى علىّ ركوعكم ولاخشوعكم" بعض نے خشوع سے مراد سجود لیا ہے کیونکہ سجدہ کرنا نہایت ہی عاجزی کی حالت ہے۔ اور ظاہری طور پر خشوع سجدے میں پایا جاتا ہے۔

"قوله إني لأراكم" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں اتنا پتہ چل جانا کہ فلاں آدمی میرے پاس ہے خشوع کے منافی نہیں ہے۔ "قوله أقيموا الركوع والسجود" ای أكملوهما" کیونکہ ایک روایت میں "أقيموا" کے بدلے

---

[1] فتح الباری ج ۲ ص ۲۲۵، مصنف عبدالرزاق ۳۳۰۸ ج ۲ ص ۲۶۶۔

"أتموا[1]" بھی آتا ہے۔

۸۹۔ بَابُ مَا يَقُولُ بَعْدَ التَّكْبِيرِ:

باب: اس بارے میں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد کیا پڑھا جائے؟

امام مالک رحمہ اللہ تو اس بات کے قائل ہیں کہ تکبیر افتتاح کے بعد دعاء افتتاح نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ اس کے پڑھنے سے نماز لمبی ہو جاتی ہے۔ لہذا نماز "الحمد للہ رب العالمین" سے شروع کرنی چاہیئے اس کے بعد کوئی سورت پڑھ لے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ دعائیں پڑھنے سے قیام لمبا ہو جائیگا۔ حالانکہ ترجمہ باب کے تحت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی ثناء پڑھ سکتے ہیں اور دعاء استفتاح سے نماز لمبی نہیں ہوتی کیونکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا تھا "بأبي وأمي يارسول الله إسكاتك بين التكبير والقراءة ماتقول ؟قال:أقول :اللهم باعد بيني و بين خطاياى كماباعدت بين المشرق والمغرب اللهم نقني من الخطاياكماينقى الثوب الأبيض من الدنس اللهم اغسل خطاياى بالماء والثلج والبرد[2]"۔ جو لوگ فاتحہ خلف الامام کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ ثناء ضرور پڑھنی چاہیئے۔

پھر کون سی دعاء پڑھنی چاہیئے اس میں بھی اختلاف ہے۔ اور یہ اختلاف اختیار کا ہے جواز کا نہیں۔ بعض نے "سبحانك اللهم وبحمدك وتبارك اسمك وتعالي جدك ولا إله غيرك[3]" کو اختیار کیا ہے کیونکہ اس دعاء میں قرآن کریم کے الفاظ آتے ہیں۔ اس میں سبحانک۔ اور تبارک اور تعالی نیز لا إلہ غیرک "یہ الفاظ قرآن سے ملتے ہیں۔ لیکن سند کے اعتبار سے "اللهم باعد بيني و بين خطاياى" زیادہ صحیح ثابت ہے کیونکہ یہ حدیث صحیحین کی ہے دوسرے درجہ میں "إني وجهت وجهي[4]" آتی ہے کیونکہ یہ مسلم کی حدیث ہے اور تیسرے درجہ میں "سبحانك اللهم" آتی ہے کیونکہ یہ مرفوع نہیں بلکہ ترمذی، ابوداؤد میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر موقوف آتی ہے۔ اسکی سند بھی منقطع ہے اس کے الفاظ بھی ویسے نہیں ہیں جیسے حنفی لوگ پڑھتے ہیں شوکانی رحمہ اللہ نے "اللهم باعد بيني و بين خطاياى" کو ترجیح دی ہے۔ کیونکہ یہ سند کے اعتبار سے سب سے بہتر ہے۔

۷۴۳ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبَا بَكْرٍ، وَعُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا كَانُوا يَفْتَتِحُونَ الصَّلَاةَ بِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ سورة الفاتحة آية ٢».

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے قتادہ رضی اللہ عنہ کے واسطے سے

---

1. صحیح بخاری ۶۶۴۴ ج۸ ص ۱۳۱، مسلم (۱۱۱) ۴۲۵ ج ۱ ص ۳۲۰، مسند احمد ۱۲۱۴۸ ج ۱۹ ص ۱۹۳۔
2. صحیح بخاری ۷۴۴ ج ۱ ص ۱۴۹۔
3. سنن ابی داؤد ۷۷۵ ج ۱ ص ۲۰۶ ترمذی ۲۴۲ ج ۱ ص ۳۲۳۔
4. مسلم (۲۰۱) ۷۷۱ ج ۱ ص ۵۳۴۔

بیان کیا، انہوں نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہما نماز «الحمد للہ رب العالمین» سے شروع کرتے تھے۔

"قوله بالحمد لله" کو علی سبیل الحکایت دال کے ضمہ سے پڑھا جائیگا۔ یہ اختلاف عنقریب گذر چکا ہے کہ مالکی کہتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کہہ کر الحمد للہ سے شروع کرنا چاہیئے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ "الحمد للہ رب العالمین" سے مراد سورۃ فاتحہ پڑھنا ہے اس لئے اس کے ساتھ "بسم اللہ الرحمن الرحیم" بھی پڑھنی چاہیئے۔ اور وہ بسم اللہ اونچی پڑھنے کے قائل ہیں۔ احناف کے ہاں اگر بسم اللہ پڑھے تو آہستہ پڑھے۔ بعض اعتراض کرتے ہیں کہ اگر اس سے سورۃ فاتحہ مراد ہے تو الحمد للہ رب العالمین پوری آیت کیوں ذکر کی ہے۔؟ دوسرے جواب دیتے ہیں کہ یہ سورت کا نام ہے۔ مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بسم اللہ آہستہ پڑھتے تھے۔ اور نسائی کی روایت میں اونچی پڑھنے کا ذکر ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی اور بسم اللہ اونچی پڑھی[5]، پھر الحمد للہ پڑھی۔ نماز کے بعد حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا "والذی نفسی بیدہ إنی لأشبهكم صلوة برسول الله صلی اللہ علیہ وسلم" اس کی سند صحیح ہے۔ لیکن دارقطنی کی ایک روایت میں ہے کہ أمیر معاویہ رضی اللہ عنہ مدینہ میں آئے اور انہوں نے نماز میں بسم اللہ نہ پڑھی۔ کسی نے پوچھا کہ بسم اللہ کس لیے نہیں پڑھی؟ کہا یاد نہیں رہا۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اور ایک راوی پر جرح کی ہے۔ نسائی کی روایت کے بارہ میں بھی کہتے ہیں کہ یہ ضروری نہیں ہے کہ ساری نماز نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح ہو۔ اکثر حصے کی موافقت کی بنا پر بھی "لأشبهكم" کہا جاسکتا ہے لیکن یہ تاویل ہی ہے۔ جس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

احناف نے "قسمت الصلوة بینی وبین عبدی[6]" حدیث سے بھی استدلال کیا ہے کہ اس حدیث میں بسم اللہ کا ذکر نہیں ہے۔ بلکہ الحمد للہ کا ذکر ہے کہ بندہ جب الحمد للہ رب العالمین "کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "حمدنی عبدی" اس لئے احناف آہستہ پڑھنے کے قائل ہیں۔ شوافع اونچی پڑھنے کے قائل ہیں۔ اس بارہ میں امام احمد بن حنبل کا مذہب صحیح ہے وہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ آہستہ پڑھنی بھی جائز ہے اور اونچی بھی پڑھ سکتے ہیں۔ اس طرح ساری احادیث جمع ہو جاتی ہیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ اس حدیث کو اس لئے لائے ہیں تا کہ بتایا جائے کہ تکبیر تحریمہ "اللہ اکبر" کہنے کے بعد "سورۃ فاتحہ" پڑھنی چاہیئے۔

٧٤٤ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ بْنُ زِيَادٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا عُمَارَةُ بْنُ الْقَعْقَاعِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو زُرْعَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو هُرَيْرَةَ، قَالَ: «كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْكُتُ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَبَيْنَ الْقِرَاءَةِ إِسْكَاتَةً، قَالَ: أَحْسِبُهُ، قَالَ: هُنَيَّةً، فَقُلْتُ بِأَبِي وَأُمِّي يَا رَسُولَ اللهِ إِسْكَاتُكَ بَيْنَ التَّكْبِيرِ وَالْقِرَاءَةِ مَا تَقُولُ، قَالَ: أَقُولُ اللهُمَّ بَاعِدْ بَيْنِي وَبَيْنَ خَطَايَايَ كَمَا بَاعَدْتَ بَيْنَ الْمَشْرِقِ

---

5. نسائی ۹۰۵ ج ۲ ص ۱۳۴۔

6. صحیح مسلم (۳۸) ۳۹۵ ج ۱ ص ۲۹۶۔

وَالْمَغْرِبِ، اللّٰهُمَّ نَقِّنِي مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوْبُ الْأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ، اللّٰهُمَّ اغْسِلْ خَطَايَايَ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عبدالواحد بن زیاد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے عمارہ بن قعقاع نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابوزرعہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بیان کیا، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکبیر تحریمہ اور قرآت کے درمیان تھوڑی دیر چپ رہتے تھے۔ ابوزرعہ نے کہا میں سمجھتا ہوں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے یوں کہا یارسول اللہ! آپ پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔ آپ اس تکبیر اور قرآت کے درمیان کی خاموشی کے بیچ میں کیا پڑھتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں پڑھتا ہوں «اللّٰھم باعد بینی وبین خطایای کما باعدت بین المشرق والمغرب، اللّٰھم نقنی من الخطایا کما ینقی الثوب الأبیض من الدنس، اللّٰھم اغسل خطایای بالماء والثلج والبرد» اے اللہ! میرے اور میرے گناہوں کے درمیان اتنی دوری کر جتنی مشرق اور مغرب میں ہے۔ اے اللہ! مجھے گناہوں سے اس طرح پاک کر جیسے سفید کپڑا میل سے پاک ہوتا ہے۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو پانی، برف اور اولے سے دھو ڈال۔



اسکاتۃً یہ مصادرِ شاذہ سے ہے جیسے أثبت إثباتۃ کہا جاتا ہے۔

"قولہ إسکاتك بین التکبیر والقراءۃ" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ سے دریافت کیا کہ تکبیر کے بعد سورۃ فاتحہ شروع کرنے سے پہلے آپ کچھ دیر چپ رہتے ہیں اس سکوت میں کیا پڑھتے ہیں۔ یہاں سکوت سے مراد جہر سے خاموش رہنا ہے۔ مطلق پڑھنے سے خاموشی مراد نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے "ماتقول" کہا ہے کہ اس خاموشی میں آپ کیا کہتے ہیں، آپ نے فرمایا میں اس سکوت میں "اللھم باعد بینی و بین خطایای" پڑھتا ہوں۔ لہٰذا اس حدیث میں "ماتقول" اس بات کا قرینہ ہے کہ اسکات پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔ اس سے امام بیہقی نے استدلال کیا ہے کہ قرآن کریم میں "انصتوا" کا لفظ آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں ہے۔ گویا امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ آہستہ پڑھی جاسکتی ہے اور آہستہ پڑھنا، اسکات اور انصات سے جمع ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ ترجمہ باب کی حدیث میں کہا گیا ہے کہ اے اللہ کے رسول تکبیر اور قراءت کے درمیان اپنی خاموشی میں آپ کیا پڑھتے ہیں آپ نے فرمایا میں "اللھم باعد بینی و بین خطایای" دعاء پڑھتا ہوں لہٰذا آپ ساکت بھی ہیں اور قاری بھی۔

"قولہ ھُنیۃً" اسے تین طرح پڑھا گیا ہے، ھا کے ضمہ، نون کی فتحہ اور یا کے سکون کے بعد ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ یعنی "ھُنَیْئَۃً"۔ اور ہمزہ کی بجائے ھا کے ساتھ یعنی "ھُنَیْھَۃً"۔ تیسری صورت ھا کے ضمہ اور نون کی فتحہ اور یاءِ مشدد کے ساتھ یعنی "ھُنَیَّۃً" یہ لفظ تھوڑی دیر یا تھوڑی سی چیز کے معنی میں ہے۔

"قولہ بأبی و أمي۔ أی أنت مفدی بأبی و أمي۔ یعنی میرے ماں باپ آپ پر فدا ہوں۔

"قولہ بین المشرق والمغرب: یعنی جیسے مشرق و مغرب کا آپس میں ملنا محال ہے ایسے ہی گناہوں کا میرے



قریب آنا محال بنادے۔ "قوله بالماء والثلج والبرد" ان تین کلمات میں سے ایک کا تعلق ماضی سے، دوسرے کا تعلق حال سے اور تیسرے کا مستقبل سے ہے۔ یہ تین کلمات تطہیر میں مبالغہ کے لئے ہیں۔

۹۰-بَابٌ:

باب: (سورج گہن کے وقت نماز)

۷۴۵ حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي مَرْيَمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا نَافِعُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنِي ابْنُ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ أَبِي بَكْرٍ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةَ الْكُسُوفِ فَقَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ قَامَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ فَأَطَالَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَطَالَ الرُّكُوعَ ثُمَّ رَفَعَ، فَسَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ رَفَعَ، ثُمَّ سَجَدَ فَأَطَالَ السُّجُودَ ثُمَّ انْصَرَفَ، فَقَالَ: قَدْ دَنَتْ مِنِّي الْجَنَّةُ حَتَّى لَوِ اجْتَرَأْتُ عَلَيْهَا لَجِئْتُكُمْ بِقِطَافٍ مِنْ قِطَافِهَا، وَدَنَتْ مِنِّي النَّارُ حَتَّى قُلْتُ أَيْ رَبِّ وَأَنَا مَعَهُمْ، فَإِذَا امْرَأَةٌ حَسِبْتُ أَنَّهُ قَالَ تَخْدِشُهَا هِرَّةٌ، قُلْتُ: مَا شَأْنُ هَذِهِ قَالُوا حَبَسَتْهَا حَتَّى مَاتَتْ جُوعًا لَا أَطْعَمَتْهَا وَلَا أَرْسَلَتْهَا تَأْكُلُ»، قَالَ نَافِعٌ: حَسِبْتُ، أَنَّهُ قَالَ: مِنْ خَشِيشٍ أَوْ خَشَاشِ الْأَرْضِ.

ہم سے سعید بن ابی مریم نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں نافع بن عمر نے خبر دی، کہا کہ مجھ سے ابن ابی ملیکہ نے اسماء بنت ابی بکر سے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز پڑھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوئے تو دیر تک کھڑے رہے پھر رکوع میں گئے تو دیر تک رکوع میں رہے۔ پھر رکوع سے سر اٹھایا تو دیر تک کھڑے ہی رہے۔ پھر (دوبارہ) رکوع میں گئے اور دیر تک رکوع کی حالت میں رہے اور پھر سر اٹھایا، پھر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں رہے۔ پھر سر اٹھایا اور پھر سجدہ کیا اور دیر تک سجدہ میں رہے پھر کھڑے ہوئے اور دیر تک کھڑے ہی رہے۔ پھر رکوع کیا اور دیر تک رکوع میں رہے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سر اٹھایا اور دیر تک کھڑے رہے۔ پھر (دوبارہ) رکوع کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دیر تک رکوع کی حالت میں رہے۔ پھر سر اٹھایا۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں چلے گئے اور دیر تک سجدہ میں رہے۔ جب نماز سے فارغ ہوئے تو فرمایا کہ جنت مجھ سے اتنی نزدیک ہو گئی تھی کہ اگر میں چاہتا تو اس کے خوشوں میں سے کوئی خوشہ تم کو توڑ کر لا دیتا اور مجھ سے دوزخ بھی اتنی قریب ہو گئی تھی کہ میں بول پڑا کہ میرے مالک میں تو اس میں سے نہیں ہوں؟ میں نے وہاں ایک عورت کو دیکھا۔ نافع بیان کرتے ہیں کہ مجھے خیال ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے بتلایا کہ اس عورت کو ایک بلی نوچ رہی تھی، میں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے؟ جواب ملا کہ اس عورت نے اس بلی کو باندھے رکھا تھا تا آنکہ بھوک

کی وجہ سے وہ مر گئی، نہ تو اس نے اسے کھانا دیا اور نہ چھوڑا کہ وہ خود کہیں سے کھا لیتی۔ نافع نے بیان کیا کہ میرا خیال ہے کہ ابن ابی ملیکہ نے یوں کہا کہ نہ چھوڑا کہ وہ زمین کے کیڑے وغیرہ کھا لیتی۔

یہ باب بلا ترجمہ ہے جو کہ فصل کے قائم مقام ہے۔ ابوذر وغیرہ کے نسخہ میں یہ لفظ موجود نہیں ہے اور اس باب کے تحت آنیوالی حدیث کتاب الکسوف سے تعلق رکھتی ہے۔ چونکہ یہ باب پہلے باب سے فصل کے مرتبہ میں ہے اس لئے اس حدیث کی "باب مایقول بعد التکبیر" کے ساتھ مناسبت ظاہر نہیں ہے۔ لیکن مناسبت ذکر کرتے ہوئے بعض علماء نے کہا ہے کہ اس حدیث سے مقصود امام مالک رحمہ اللہ کی رائے کی تردید کرنا ہے۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ دعاء استفتاح پڑھنے سے نماز لمبی ہوتی ہے اس لئے تکبیر تحریمہ کے بعد دعاء پڑھے بغیر الحمد للہ سے نماز شروع کرنی چاہیئے تاکہ نماز طویل نہ ہو۔ اس کے رد میں امام بخاری رحمہ اللہ یہ حدیث لائے ہیں جس میں "فأطال القیام" کا باب سے تعلق ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے لمبا قیام فرمایا ہے۔ لہذا اگر ثناء پڑھنے سے نماز لمبی ہوتی بھی ہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ لوگوں کے تنفر کے ڈر سے ایک مشروع چیز کو چھوڑا نہیں جا سکتا اس لئے امام مالک رحمہ اللہ کا یہ کہنا کہ نماز باجماعت میں دعاء استفتاح نہیں پڑھنی چاہیے تاکہ لمبے قیام سے لوگ متنفر نہ ہو جائیں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ آپ کے "أی رب أو أنا معهم[1]" کہنے سے باب سے مناسبت ہو۔ اگرچہ یہ دعاء نہیں ہے۔ لیکن اس میں مناجات پائی جاتی ہے۔ جیسا کہ ثناء بھی مناجات پر مشتمل ہے۔ جس سے معلوم ہوا ہے کہ جس چیز میں خضوع اور مناجات پائی جاتی ہے اس کے ساتھ نماز میں اللہ تعالی سے دعاء کی جا سکتی ہے اور یہ قرآن میں وارد الفاظ کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ جیسا کہ احناف کا خیال ہے۔

"قوله حسبت انه قال": حافظ نے کہا ہے کہ "حسبت" کا قائل نافع بن عمر ہے۔ اور "أنه" کی ضمیر سے مراد ابن أبی ملیکہ ہے اور خشاش یا خشیش سے مراد حشرات الارض ہیں۔

٩١-بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى الإِمَامِ فِي الصَّلاَةِ:

باب: نماز میں امام کی طرف دیکھنا

وَقَالَتْ عَائِشَةُ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صَلَاةِ الْكُسُوفِ: فَرَأَيْتُ جَهَنَّمَ يَحْطِمُ بَعْضُهَا بَعْضًا حِينَ رَأَيْتُمُونِي تَأَخَّرْتُ.

اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورج گہن کی نماز میں فرمایا کہ میں نے جہنم دیکھی۔ اس کا بعض حصہ بعض کو کھا رہا تھا۔ جب تم نے دیکھا تو میں (نماز میں) پیچھے سرک گیا۔

٧٤٦ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَاحِدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا الأَعْمَشُ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ: قُلْنَا لِخَبَّابٍ: «أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

[1] و أَنَا مَعَهُمْ أی أتعذبهم وأنامعهم. يشير الي قوله "وَمَا كَانَ اللهُ لِيعَذِّبَهُمْ و أَنْتَ فِيهِمْ" (الانفال:٣٣)

يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: بِمَ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ ذَاكَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالواحد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اعمش نے عمارہ بن عمیر سے بیان کیا، انہوں نے (عبداللہ بن مخبرہ) ابومعمر سے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ صحابی سے پوچھا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی رکعتوں میں (فاتحہ کے سوا) اور کچھ قرآت کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں۔ ہم نے عرض کی کہ آپ لوگ یہ بات کس طرح سمجھ جاتے تھے۔ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے۔

٧٤٧ حَدَّثَنَا حَجَّاجٌ، حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَنْبَأَنَا أَبُو إِسْحَاقَ، قَالَ: سَمِعْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ يَزِيدَ يَخْطُبُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الْبَرَاءُ، وَكَانَ غَيْرَ كَذُوبٍ أَنَّهُمْ كَانُوا «إِذَا صَلَّوْا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامُوا قِيَامًا حَتَّى يَرَوْنَهُ قَدْ سَجَدَ».

ہم سے حجاج بن منہال نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں ابواسحاق عمرو بن عبداللہ سبیعی نے خبر دی، کہا کہ میں نے عبداللہ بن یزید رضی اللہ عنہ سے سنا کہ آپ خطبہ دے رہے تھے۔ آپ نے بیان کیا کہ ہم سے براء بن عازب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا اور وہ جھوٹے نہیں تھے کہ جب وہ (صحابہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اس وقت تک کھڑے رہتے جب تک دیکھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سجدہ میں چلے گئے ہیں (اس وقت وہ بھی سجدے میں جاتے)۔

شرح بخاری

جب نماز باجماعت ہو رہی ہو تو مقتدیوں کی نظر امام کی طرف ہونی چاہیئے تاکہ وہ اس کی اقتداء کر سکیں۔ لیکن اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو نظر سجدے کی جگہ پر ہونی چاہیئے۔ مالکی کہتے ہیں کہ نظر قبلے کی دیوار میں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ امام بھی قبلے کی دیوار کی طرف ہی ہوتا ہے۔ دیگر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ خواہ نمازی اکیلا ہو یا امام کے پیچھے ہو نظر سجدے کی جگہ پر ہی ہونی چاہیئے۔ جب نظر سجدے والی جگہ پر ہو تو اسکا دائرہ پھیلا ہوا ہوتا ہے۔ اس لئے امام نظر آجاتا ہے یہ ضروری نہیں کہ امام کو قصداً دیکھے تب ہی امام نظر آئے۔ یہ تاویل کی ہے۔ لیکن اس باب کی حدیث میں ہے "بما کنتم تعرفون"؟ تمہیں کیسا معلوم ہوتا تھا کہ نبی کریم علیہ السلام ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کرتے ہیں؟ تو حضرت خباب رضی اللہ عنہ نے کہا "باضطراب لحیتہ" آپ کی داڑھی مبارک ہلنے سے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام نماز کی حالت میں قصداً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف نظر کیا کرتے تھے[1]۔

[1] یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ مقتدی اپنے امام کے حالات کا مشاہدہ کر سکتا ہے، تاکہ مقتدی کے نماز کے افعال امام کے افعال کے بعد واقع ہوں۔ اور وہ امام کے رکوع اور سجدے میں واقع ہو جانے کے بعد رکوع اور سجدے میں واقع

٧٤٨ حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنِي مَالِكٌ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ، عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: خَسَفَتِ الشَّمْسُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَلَّى، قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ رَأَيْنَاكَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِكَ، ثُمَّ رَأَيْنَاكَ تَكَعْكَعْتَ، قَالَ: «إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ، فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا، وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا».

ہم سے اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے امام مالک نے زید بن اسلم سے بیان کیا، انہوں نے عطاء بن یسار سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں سورج گہن ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گہن کی نماز پڑھی۔ لوگوں نے پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ (نماز میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ سے کچھ لینے کو آگے بڑھے تھے پھر ہم نے دیکھا کہ کچھ پیچھے ہٹے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے جنت دیکھی تو اس میں سے ایک خوشہ لینا چاہا اور اگر میں لے لیتا تو اس وقت تک تم اسے کھاتے رہتے جب تک دنیا موجود ہے۔

"قوله لأكلتم منه مابقيت الدنيا" کیونکہ یہ جنت کا خوشہ تھا اگر پکڑا جاتا تو کبھی فنا نہ ہوتا۔ کیونکہ جنت کا پھل نہ ختم ہونیوالا ہے۔ قرآن کریم میں ہے "أكلها دائم وظلها[1]" اور سورۃ "ص" میں ہے "إن هذا لرزقنا ماله من نفاد[2]" آپ نے سمجھا کہ قریب ہے اس لئے پکڑنا چاہا۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ اسکی مثالی شکل ہے اور میں عالم شہادت میں ہوں۔ وہاں خوشے تک ہاتھ نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے نہیں پکڑا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اگر آپ اسے پکڑتے تو اس کی شہادی شکل ہو جاتی اور آپ پکڑ لیتے۔ گویا جنت کا پھل دنیا میں آجاتا۔ لیکن آپ نے اس پر جرأت نہیں کی۔

٧٤٩ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ سِنَانٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا فُلَيْحٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِلَالُ بْنُ عَلِيٍّ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: صَلَّى لَنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ رَقَا الْمِنْبَرَ فَأَشَارَ بِيَدَيْهِ قِبَلَ قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ، ثُمَّ قَالَ: «لَقَدْ رَأَيْتُ الْآنَ مُنْذُ صَلَّيْتُ لَكُمُ الصَّلَاةَ الْجَنَّةَ وَالنَّارَ مُمَثَّلَتَيْنِ فِي قِبْلَةِ هَذَا الْجِدَارِ، فَلَمْ أَرَ كَالْيَوْمِ فِي الْخَيْرِ وَالشَّرِّ ثَلَاثًا».

ہم سے محمد بن سنان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے فلیح بن سلیمان نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہلال بن علی نے بیان کیا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے۔ آپ نے کہا کہ نبی کریم ﷺ نے ہم کو نماز پڑھائی۔ پھر منبر پر تشریف لائے اور اپنے ہاتھ سے قبلہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ ابھی جب

ہو۔

[1] الرعد:۳۵۔

[2] ص:۵۴۔

میں نماز پڑھا رہا تھا تو جنت اور دوزخ کو اس دیوار پر دیکھا۔ اس کی تصویریں اس دیوار میں قبلہ کی طرف نمودار ہوئیں تو میں نے آج کی طرح خیر اور شر کبھی نہیں دیکھی۔ آپ ﷺ نے قول مذکور تین بار فرمایا۔

اس حدیث کی ترجمہ باب سے مناسبت معلوم نہیں ہوتی کیونکہ ترجمہ باب میں مقتدیوں کے امام کو دیکھنے کا ذکر ہے لیکن اس حدیث میں مقتدی کے امام کو دیکھنے کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ اس حدیث میں امام کا اپنے آگے دیکھنے کا ذکر ہے۔ اور جب امام کے لئے اپنے آگے دیکھنا جائز ہے تو مقتدی کا اپنے آگے امام کو دیکھنا بھی جائز ہے[1] لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث دراصل اس سے پہلے آنیوالی عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث کا اختصار ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "رأيناك تناول شيئًا" کے لفظ مقتدیوں کے امام کو دیکھنے کے بارہ میں بالکل صریح ہیں۔ اور یہی لفظ حدیث انس میں مراد ہیں۔ کیونکہ دونوں احادیث میں ایک ہی قصہ بیان ہوا ہے۔

۹۲-بَابُ رَفْعِ الْبَصَرِ إِلَى السَّمَاءِ فِي الصَّلَاةِ:

باب: نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانا کیسا ہے؟

یعنی نماز میں آسمان کی طرف نظر اٹھانے کا حکم کیا ہے؟ باب کی حدیث اس کے ناجائز ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ اگرچہ نماز میں امام کی طرف اور سامنے کی دیوار کی طرف دیکھنا جائز ہے۔ لیکن آسمان کی طرف دیکھنا جائز نہیں ہے اس لئے سجدے کی جگہ پر نظر ہونی چاہیئے۔ اور ضرورت کے وقت امام کو بھی دیکھ سکتا ہے۔ ویسے کھلی فضا میں نماز پڑھ رہا ہو تو سامنے افق میں آسمان نظر آجاتا ہے۔ اگرچہ اوپر آسمان کی طرف نہیں دیکھنا چاہیئے۔ حدیث میں "السماء" کا لفظ آیا ہے اور "سماء" اوپر کی چیز کو کہتے ہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے "كل ما علاك وأظلك فهو سماء" اور اس حدیث میں نمازی کے اپنے اوپر دیکھنے کے بارہ میں سخت لفظ استعمال ہوئے ہیں۔ کیونکہ اللہ سبحانہ تعالی کے سامنے کھڑے ہو کر اوپر دیکھنا بے ادبی سمجھا جاتا ہے۔

۷۵۰ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: أَخْبَرَنَا يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي عَرُوبَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، أَنَّ أَنَسَ بْنَ مَالِكٍ حَدَّثَهُمْ، قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا بَالُ أَقْوَامٍ يَرْفَعُونَ أَبْصَارَهُمْ إِلَى السَّمَاءِ فِي صَلَاتِهِمْ، فَاشْتَدَّ قَوْلُهُ فِي ذَلِكَ حَتَّى قَالَ: لَيَنْتَهُنَّ عَنْ ذَلِكَ أَوْ لَتُخْطَفَنَّ أَبْصَارُهُمْ».

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے بیان کیا، انہوں

شرح بخاری

---

[1] اس جواب کو عینی رحمہ اللہ نے بعید سمجھتے ہوئے کہا ہے۔ یہ جواب مقصود سے بہت بعید ہے کیونکہ ترجمہ مقتدی کے آگے دیکھنے کا نہیں بلکہ امام کو دیکھنے کا ہے۔ درحقیقت عینی کی بات ہی سمجھ سے بعید ہے۔ کیونکہ جب مقتدی کا اپنے آگے دیکھنا جائز ہے تو امام بھی مقتدیوں کے آگے ہی ہوتا ہے لہذا اسے دیکھنا اس میں داخل ہے ورنہ مقتدی نے امام کے علاوہ او کس کو دیکھنا ہوتا ہے؟

نے کہا کہ ہم سے سعید بن مہران ابن ابی عروبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے قتادہ نے بیان کیا کہ انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے ان سے بیان کیا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ لوگوں کا کیا حال ہے جو نماز میں اپنی نظریں آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس سے نہایت سختی سے روکا۔ یہاں تک آپ ﷺ نے فرمایا کہ لوگ اس حرکت سے باز آجائیں ورنہ ان کی بینائی اچک لی جائے گی۔

"قولہ لینتھین" یا کے ضمہ اور نون کے سکون۔ تا کی فتحہ اس کے بعد ھا اور یا مفتوحہ کے ساتھ اور نون کی تشدید کے ساتھ اور اسے مجہول پڑھا جائے گا۔ بعض نے اسے یا کی فتحہ اور ھا کے ضمہ کے ساتھ معروف پڑھا ہے۔

"قولہ عن ذلك أي عن رفع البصر إلي السماء في الصلوة" اور "لتخطفن" بھی مجہول ہے۔ مسلم میں جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "أولا ترجع إليهم [1]" بھی آتا ہے۔ ای أبصارهم۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ وعید شدید ہے۔ جو اس فعل کے حرام ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ ابن حزم کہتے ہیں کہ اس فعل کے ارتکاب سے نماز باطل ہو جائے گی لیکن یہ ابن حزم کا افراط ہے۔

٩٣۔ بَابُ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ:

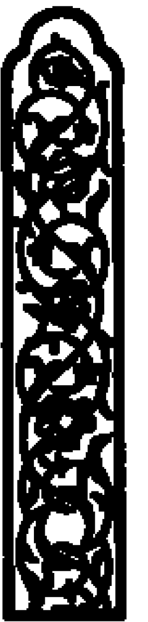
باب: نماز میں ادھر ادھر دیکھنا کیسا ہے؟



٧٥١ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو الْأَحْوَصِ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَشْعَثُ بْنُ سُلَيْمٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: «سَأَلْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الِالْتِفَاتِ فِي الصَّلَاةِ؟ فَقَالَ: هُوَ اخْتِلَاسٌ يَخْتَلِسُهُ الشَّيْطَانُ مِنْ صَلَاةِ الْعَبْدِ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوالاحوص سلام بن سلیم نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اشعث بن سلیم نے بیان کیا اپنے والد کے واسطے سے، انہوں نے مسروق بن اجدع سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ نے بتلایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے نماز میں ادھر ادھر دیکھنے کے بارے میں پوچھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ تو ڈاکہ ہے جو شیطان بندے کی نماز پر ڈالتا ہے۔

التفات کی تین قسمیں ہیں ایک یہ ہے کہ گردن پھیرے بغیر آنکھ بچا کر دیکھے۔ اس سے نماز میں نقص آتا ہے اگرچہ نماز کی مصلحت کے لئے آنکھ پھیر کر دیکھ سکتا ہے۔ بلاضرورت یہ التفات نہیں چاہیئے۔ دوسری قسم یہ ہے کہ سینہ قبلہ کی طرف رکھ کر گردن پھیر کر دیکھے۔ یہ جائز نہیں ہے لیکن ایسا ہو جائے تو نماز باطل نہیں ہوگی۔ تیسری صورت یہ ہے کہ قبلے سے سینہ اور بدن دوسری طرف پھیر لے تو اس سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ اور اگر نماز میں نقش و نگار وغیرہ دیکھے کہ نماز کا خیال نہ رہے تو اس سے نماز میں نقص لازم آتا ہے۔ اور نماز کا اس قدر حصہ جس سے نماز میں غافل ہو جائے شیطان چھین لیتا ہے۔



---

[1] صحیح مسلم (١١٧) ٤٢٨ ج ١ ص ٣٢١۔

٧٥٢ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى فِي خَمِيصَةٍ لَهَا أَعْلَامٌ، فَقَالَ: شَغَلَتْنِي أَعْلَامُ هَذِهِ، اذْهَبُوا بِهَا إِلَى أَبِي جَهْمٍ وَأْتُونِي بِأَنْبِجَانِيَّةٍ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے زہری سے بیان کیا، انہوں نے عروہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دھاری دار چادر میں نماز پڑھی۔ پھر فرمایا کہ اس کے نقش و نگار نے مجھے غافل کر دیا۔ اسے لے جا کر ابو جہم کو واپس کر دو اور ان سے (بجائے اس کے) سادی چادر مانگ لاؤ۔

اس کمبل پر نقش تھے آپ کی توجہ ان نقش و نگار کی طرف ہوگئی تھی لیکن اس قدر نہیں کہ نماز سے غافل ہوگئے ہوں یہاں شغل سے مراد دیکھنا ہے۔ دوسری حدیث میں "أَخَافُ أَنْ تَفْتِنَنِي[1]" آتا ہے اور فتنہ سے مراد یہ ہے کہ نماز سے غافل ہو جائے۔ لیکن ایسا ہوا نہیں ہے آپ اس سے محفوظ رہے تھے۔

٩٤- بَابُ هَلْ يَلْتَفِتُ لِأَمْرٍ يَنْزِلُ بِهِ أَوْ يَرَى شَيْئًا أَوْ بُصَاقًا فِي الْقِبْلَةِ:

باب: اگر نمازی پر کوئی حادثہ ہو یا نمازی کوئی بری چیز دیکھے یا قبلہ کی دیوار پر تھوک دیکھے (تو التفات میں کوئی قباحت نہیں)

وَقَالَ سَهْلٌ: الْتَفَتَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ فَرَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

اور سہل بن سعد نے کہا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے التفات کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا۔

شرح بخاری

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اس عبارت سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ "فی القبلة" کا تعلق "بُصَاقًا" سے ہے یعنی قبلے کی جانب دیوار پر بزاق دیکھے تو کیا کرے۔ اور "شیئًا" کا لفظ عام ہے یعنی نماز میں ایسا التفات جو خشوع کے منافی ہے ضرورت کے لئے ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلا ضرورت نہیں ہونا چاہیے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا التفات ضرورت کے لئے تھا۔ اس لئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس التفات پر نماز کے اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ بلکہ انہیں اپنی نماز جاری رکھنے کا حکم دیا تھا۔

٧٥٣ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثٌ، عَنْ نَافِعٍ، عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ قَالَ: رَأَى النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نُخَامَةً فِي قِبْلَةِ الْمَسْجِدِ وَهُوَ يُصَلِّي بَيْنَ يَدَيِ النَّاسِ، فَحَتَّهَا، ثُمَّ قَالَ حِينَ انْصَرَفَ: «إِنَّ أَحَدَكُمْ إِذَا كَانَ فِي الصَّلَاةِ فَإِنَّ اللهَ قِبَلَ وَجْهِهِ، فَلَا يَتَنَخَّمَنَّ أَحَدٌ قِبَلَ وَجْهِهِ فِي الصَّلَاةِ»، رَوَاهُ مُوسَى بْنُ عُقْبَةَ، وَابْنُ أَبِي رَوَّادٍ، عَنْ نَافِعٍ.

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے نافع سے بیان کیا، انہوں

[1] صحیح بخاری ٣٧٣ ج ١ ص ٨٤۔

نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے آپ نے بتلایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں قبلہ کی دیوار پر رینٹ دیکھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت لوگوں کو نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (نماز ہی میں) رینٹ کو کھرچ ڈالا۔ پھر نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی نماز میں ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے منہ کے سامنے ہوتا ہے۔ اس لیے کوئی شخص سامنے کی طرف نماز میں نہ تھوکے۔ اس حدیث کی روایت موسیٰ بن عقبہ اور عبدالعزیز ابن ابی رواد نے نافع سے کی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کا قبلہ کی دیوار کی طرف دیکھنا اور اس میں لگے ہوئے نخامہ کو دیکھنا نماز میں خشوع کے منافی نہیں ہے۔ اور نمازی کا قیام کی حالت میں اپنے سامنے نظر ڈالنا مکروہ نہیں ہے۔

٧٥٤ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا لَيْثُ بْنُ سَعْدٍ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَنَسٌ، قَالَ: «بَيْنَمَا الْمُسْلِمُونَ فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ لَمْ يَفْجَأْهُمْ إِلَّا رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشَفَ سِتْرَ حُجْرَةِ عَائِشَةَ فَنَظَرَ إِلَيْهِمْ وَهُمْ صُفُوفٌ فَتَبَسَّمَ يَضْحَكُ، وَنَكَصَ أَبُو بَكْرٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ عَلَى عَقِبَيْهِ لِيَصِلَ لَهُ الصَّفَّ فَظَنَّ أَنَّهُ يُرِيدُ الْخُرُوجَ وَهَمَّ الْمُسْلِمُونَ أَنْ يَفْتَتِنُوا فِي صَلَاتِهِمْ. فَأَشَارَ إِلَيْهِمْ أَتِمُّوا صَلَاتَكُمْ فَأَرْخَى السِّتْرَ وَتُوُفِّيَ مِنْ آخِرِ ذَلِكَ الْيَوْمِ».

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے بیان کیا، انہوں نے عقیل بن خالد سے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے کہا کہ مجھے انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے خبر دی کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض وفات میں) مسلمان فجر کی نماز پڑھ رہے تھے، اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ سے پردہ ہٹایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو دیکھا، سب لوگ صفیں باندھے ہوئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (خوشی سے) خوب کھل کر مسکرائے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ نے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر) پیچھے ہٹنا چاہا تاکہ صف میں مل جائیں۔ آپ نے سمجھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لا رہے ہیں۔ صحابہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر خوشی سے اس قدر بے قرار ہوئے کہ گویا) نماز ہی چھوڑ دیں گے۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ کیا کہ اپنی نماز پوری کر لو اور پردہ ڈال لیا۔ اسی دن چاشت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی۔

اس حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے کھڑکی سے پردہ ہٹایا تو صحابہ کرام آپ کی طرف متوجہ ہوئے اور اس پر حضرت انس رضی اللہ عنہ کا یہ قول دلالت کرتا ہے "فأشار اليهم" اگر صحابہ دیکھ نہ رہے ہوتے تو آپ کے اشارے کا مشاہدہ نہ کر پاتے۔ اور نبی اکرم ﷺ نے اس التفات پر انہیں نماز دہرانے کا حکم نہیں دیا بلکہ اشارہ کرتے ہوئے انہیں اپنی نماز مکمل کرنے کا حکم دیا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایسا التفات نماز کے منافی نہیں ہے۔ اور یہ ضرورت کے لئے جائز ہے۔

۹۵-بَابُ وُجُوبِ الْقِرَاءَةِ لِلْإِمَامِ وَالْمَأْمُومِ فِي الصَّلَوَاتِ كُلِّهَا فِي الْحَضَرِ وَالسَّفَرِ وَمَا يُجْهَرُ فِيهَا وَمَا يُخَافَتُ:

قراءت سے مراد قراءۃ فاتحہ ہے، یعنی امام اور مقتدی دونوں پر تمام نمازوں میں قراءۃ فاتحہ فرض ہے۔ منفرد کو ذکر نہیں کیا، کیونکہ منفرد امام کے حکم میں ہے، اور حضر کے ساتھ سفر کو لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ سفر مظنہ تخفیف ہوتا ہے، اور سفر میں رکعاتِ نماز میں تخفیف ہوتی ہے، اس سے کوئی شخص یہ نہ سمجھ لے کہ شاید سفر میں قراءت نہ کرنے کی تخفیف بھی ہو، اس لئے اشارہ کردیا کہ سفر میں قصر کی تخفیف ہے لیکن قراءت چھوڑنے کی تخفیف نہیں ہے۔ اور سفر میں قراءت ویسے ہی فرض ہے جیسے حضر میں ہے۔ اور 'مایُخافتُ" سے مراد سری نماز ہے۔ یعنی امام اور مقتدی پر قراءت فرض ہے خواہ جہری نماز ہو یا سری ہو۔

اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں، سری میں قراءت کرے اور جہری میں نہ کرے۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول ان کا یہ ہے کہ سری میں قراءت کرنا فرض ہے، جہری میں نہیں، دوسرا قول یہ ہے کہ سری میں بھی فرض نہیں ہے، ہاں جائز ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ امام کے سکتات میں مقتدی پڑھ لے یعنی جہری نماز میں امام کے سکتوں میں قراءت کی جاسکتی ہے۔ بلکہ مالکی، شافعی اور حنبلی تینوں مذاہب نے لکھا ہے کہ امام کو سکتے کرنے چاہییں، تاکہ مقتدی سکتوں میں فاتحہ پڑھ سکیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سکتوں میں پڑھنے کے مالکی بھی قائل ہیں۔

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے "القواعد النورانیۃ" میں لکھا ہے کہ قراءت خلف الإمام میں تین قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے قراءت نہ کی جائے خواہ نماز جہری ہو یا سری ہو۔ یہ اہل کوفہ کا قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ امام کے پیچھے سری اور جہری نمازوں میں قراءت کرنا ضروری ہے، خواہ امام کے ساتھ ہی پڑھے۔ یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید قول ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ سری نماز میں امام کے سکتات میں پڑھے اسے انہوں نے جمہور کا قول کہا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ اور فقہاء اس کے قائل ہیں۔ (1)

حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ امام کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ کیونکہ امام کے ساتھ پڑھنے سے سن نہیں سکتا، حالانکہ امام کے ساتھ پڑھتے ہوئے سن بھی سکتا ہے جیسا کہ حافظ آپس میں دور کرتے ہیں۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا یہ مطلب ہوگا کہ تدبر اور تفکر والا استماع نہیں ہوسکتا۔ ورنہ سماع تو ہوسکتا ہے اور سماع اور استماع میں فرق ہے، استماع میں حروف زیادہ آگئے ہیں اس لئے اس میں توجہ زیادہ ہونی چاہیئے، ان کا خیال یہ ہے کہ استماع، قراءت سے جمع نہیں ہوسکتا، احناف میں سے ابن الہمام کی بھی یہی رائے ہے کہ استماع اور قراءت جمع نہیں ہوسکتے، اور کہا ہے کہ جہری نماز میں بالکل نہ پڑھے، بلکہ استماع کرے اور سری نماز میں بھی خاموش رہے، کیونکہ "أنصتُوا" کا لفظ آیا ہے اور انصات کا معنی خاموش ہونا ہے۔ قرآن کریم میں دو امر کے صیغے آئے ہیں۔ ایک فاستمعُوا اور دوسرا "أنصتُوا" فاستمعُوا

---

(1) القواعد النورانیہ صفحہ ۱۰۷

کا لفظ جہری نمازوں سے تعلق رکھتا ہے اور "انصتُوا" کا تعلق سری نمازوں سے ہے۔ مولانا عبدالحی لکھنوی نے کہا ہے کہ یہ کہنا کہ انصتُوا کا تعلق سری نماز سے ہے یہ لغت کے خلاف ہے کیونکہ لغت میں انصات کا معنی صرف سکوت نہیں ہے بلکہ سکوت مع الاستماع کا نام انصات ہے یعنی جس خاموشی میں استماع ہو۔ اس سے قبل کتاب العلم میں "باب الإنصات للعلماء" میں حافظ نے لکھا ہے کہ سکوت اور استماع دونوں کا نام انصات ہے اس لئے یہ کہنا کہ سری نمازوں میں بھی مقتدی کو خاموش رہنا چاہیئے یہ بات درست نہیں ہے، بعض کہتے ہیں کہ قرآن کے ادب کا تقاضا یہ ہے کہ سری میں بھی خاموش رہنا چاہیئے، عبدالحی نے کہا ہے کہ یہ تو جانوروں والی بات ہے کوئی عقلمند ایسی بات نہیں کرتا۔ سری میں امام آہستہ پڑھ رہا ہوتا ہے جب مقتدی اس سے سنتا ہی کچھ نہیں ہے تو ادب کس چیز کا کرنا ہے۔

عبدالحیٔ لکھنوی نے یہ بھی کہا ہے کہ امام کے سکتوں میں فاتحہ پڑھ سکتا ہے کیونکہ سکتوں میں پڑھنا استماع اور انصات کے منافی نہیں ہے اتنی بات کہ سکتہ کرنا واجب نہیں ہے لہذا فاتحہ پڑھنا بھی واجب نہیں ہے، جبکہ فاتحہ فرض نہیں تو مسنون یا مستحب ہونی چاہیئے، فرض نہیں ہے، اگر سکتہ ملے تو پڑھ لے نہ ملے تو نہ پڑھے، انہوں نے یہ بات بنائی ہے، امام شافعی رحمہ اللہ کی رائے یہ ہے کہ سکتہ کرنا امام پر ضروری ہے، بلکہ مالکی اور حنبلی بھی کہتے ہیں کہ امام کو سکتہ کرنا چاہیئے۔ ابوسلمہ سے کسی نے سوال کیا کہ امام کے پیچھے قراءت کریں؟ تو انہوں نے کہا "للإمام سكتتان فاغتنموا فيهما القراءة"[1] ان کے پاس حضرت ابوہریرہ بھی بیٹھے یہ بات سن رہے تھے، اس طرح عروہ بن زبیر نے بھی کہا تھا "يابُنَيَّ اقرؤا إذا سكتَ واسكتُوا اذا قرءَ وَلَا تَتِمَ صلوة إلا بفاتحة الكتاب فصاعدًا"[2]۔



مولانا عبدالحی کی رائے یہ ہے کہ قراءت کرتے ہوئے آیات کے آخر میں جو وقف ہوتے ہیں ان میں پڑھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اوقاف میں نہیں پڑھا جا سکتا، تو کہتا ہے کہ اوقاف میں ثناء پڑھنے کی تو تم اجازت دیتے ہو، اگر وقف میں پڑھا ہی نہیں جا سکتا تو ثناء پڑھنے کی اجازت دینے کا کیا مطلب ہے؟ گویا فاتحہ یکبار ہی نہیں بلکہ مقطعًا پڑھی جا سکتی ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اگر انسان سنت کے مطابق نماز پڑھے تو سکتے ضرور ہوتے ہیں لہذا پڑھنا "فاستمعُوا و أنصتُوا" کے خلاف نہیں ہے۔ سعید بن جبیر کے نزدیک بھی سکتہ کرنا واجب ہے، اس سے پہلے اس پر عمل تھا کہ امام "وَلَا الضَّالِّيْن" کہتا تو خاموش ہو جاتا۔ اور جب دیکھتا کہ پچھلوں نے فاتحہ پڑھ لی ہے تو آگے قراءت شروع کر دیتا۔ رازی کہتا ہے کہ اس طرح تو امام مقتدی بن جائے گا، اس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث میں آتا ہے "وَاقْتَدِ بأضعفهم"[3] یعنی مقتدیوں میں سے کمزور کی اقتداء کریں چونکہ پیچھے نماز پڑھنے والوں نے فاتحہ پڑھنی ہوتی ہے اس لئے سکتہ کرے عبدالحی کا خیال یہ ہے کہ



---

(1) معرفة السنن والآثار ۳۸۲۸ ج ۳ ص ۹۰

(2) القراءة خلف الإمام (بمعناه) ۱۶۶ ج ۱ ص ۶۵

(3) سنن أبي داود ۵۳۱ ج ۱ ص ۱۴۶

فاستمعوا لہ وأنصتوا کا تقاضا یہ ہے کہ امام کے ساتھ فاتحہ نہ پڑھے، بلکہ خاموش رہے کیونکہ فاستمعوا کے ساتھ "أنصتوا" بھی آیا ہے۔ اگر یہ نہ ہوتا تو پڑھا جاسکتا تھا۔ کیونکہ آدمی امام کے ساتھ پڑھتے ہوئے سن سکتا ہے، سوائے اس کے کہ کوئی شخص تخصیص کا قائل ہوجائے کیونکہ عام ادلّہ کو خاص کیا جاتا ہے اور مطلقات کی تقیید ہوتی ہے، رازی کا خیال یہ ہے کہ استماع اور انصات کو قراءت کے ساتھ جمع کرنا درست نہیں ہے ہاں تخصیص کی جاسکتی ہے، کیونکہ حدیث میں آگیا ہے۔ مولانا عبدالحیٰ نے کہا ہے کہ تخصیص اس صورت میں ہوسکتی ہے کہ فاتحہ کو فرض نہ سمجھا جائے اور فرض تب ہی ہوگی جبکہ سکتہ کو فرض قرار دیا جائے، پھر کہا ہے کہ ہمارے لیے دوسری روایت بھی ہے اور وہ ہے "من کان لہ إمام فقراءۃ الإمام لہ قراءۃ"[1] حالانکہ یہ روایت اگر صحیح ہو تو اسکا مطلب یہ ہے کہ امام کے پیچھے اونچی نہیں پڑھنا چاہیئے۔ یا سری نماز میں اگر اس نے فاتحہ پڑھ لی ہے باقی قرآن نہیں آتا تو امام نے قرآن کا جو حصہ پڑھا ہے اسکا بھی اسے اجر وثواب مل جائیگا۔ اور جو قصہ والی روایت بیان کرتے ہیں۔ اس میں "قراءۃ الإمام لہ قراءۃ" کے لفظ نہیں آتے۔ مسلم میں عمران بن حصین کی روایت آتی ہے کہ نبی ﷺ ظہر یا عصر کی نماز پڑھا رہے تھے، ایک آدمی آیا اور اس نے "سبح اسم ربك الأعلى" سورۃ پڑھنا شروع کردی، تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا "إن بعضکم خالجنیھا"[2] تم میں سے بعض نے مجھ سے نماز میں خلجان پیدا کیا ہے۔ یہ ظہر یا عصر کی نماز تھی۔ گویا آپ نے سری نماز کے متعلق فرمایا تھا اس کے بعد قراءۃ الإمام لہ قراءۃ نہیں ہے اگر یہ ہوتا تو احناف کی بات بن جاتی۔

"فقراءۃ الإمام لہ قراءۃ" کو حنفی صحیح بنانے کی بڑی کوشش کرتے ہیں۔ انہیں اس کی دو سندیں ملی ہیں ایک سند کے متعلق کہتے ہیں کہ یہ شرط مسلم پر ہے، ابن ماجہ کی روایت ہے اس میں جابر جعفی عن أبی الزبیر آتا ہے حاشیہ پر جابر جعفی عن ابی الزبیر کی جگہ واؤ لکھدی ہے یعنی جابر اور ابوالزبیر گویا حسن ان دونوں سے روایت کرتا ہے۔ ان کی ملاقات ہوسکتی ہے لہذا یہ شرط مسلم پر ہے۔ کیونکہ ابوالزبیر شرط مسلم پر ہے، حافظ ابن حجر کے پاس یہ روایت پیش کی گئی تو انہوں نے کہا اس سے "قراءۃ الإمام لہ قراءۃ" کی بو آتی ہے۔ اس میں جابر جعفی حذف ہوگیا ہے اس کے حذف ہونے سے اسے شرط مسلم پر بنادیا، حالانکہ اس میں انقطاع کی علت بھی پیدا ہوگئی ہے۔ انور شاہ نے بھی مانا ہے کہ یہ شرط مسلم پر نہیں بنتی، کیونکہ اس میں راوی حذف ہوگیا ہے۔

دوسری سند جو ملی ہے کہتے ہیں یہ شرط شیخین پر ہے، عبد بن حمید کا حوالہ دیتے ہیں، اس سند میں اسحاق ازرق ہے۔ وہ سفیان سے روایت کرتا ہے آگے موسیٰ پھر عبداللہ بن شداد وہ جابر سے روایت کرتا ہے۔ اسحاق ازرق سفیان کا شاگرد ہے، ان کتابوں میں سفیان کے جتنے شاگرد ہیں ان میں سے کسی میں جابر کا لفظ نہیں آتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسحٰق اس میں متفرد ہے، یا ہوسکتا ہے کہ کسی نے غلطی سے جابر کا لفظ زیادہ کردیا ہو، کیونکہ یہ ایسا نسخہ نہیں جو متداول

---

[1] سنن ابن ماجہ ۸۵۰ ج ۱ ص ۲۷۷

[2] مسلم ۳۹۸ ج ۱ ص ۲۹۸

ہو اور طلباء کے ہاتھوں میں رہتا ہو، ان کتب میں کسی راوی کی کمی، بیشی ممکن ہے، کیونکہ ابن الھمام سے پہلے کسی نے بھی اسحاق ازرق کی روایت کا حوالہ نہیں دیا۔ یہاں سے شبہ واقع ہوتا ہے کہ جابر کا لفظ داخل ہو گیا ہے اور اگر جابر صحیح بھی ہو تو اسحق ازرق متفرد ہے، گویا یہ روایت شاذ ہو گی جو کہ ضعیف ہوتی ہے اور موصول روایت موسیٰ سے روایت کرتے ہیں آگے عبداللہ بن شداد سے وہ جابر سے اور یوں بیان کرتے ہیں عبداللہ بن شداد عن ابی الولید عن جابر، قصہ والی روایت میں ابوالولید بھی آگیا ہے اور ابوالولید مجہول ہے، حاکم نے کہا ہے کہ ابوالولید عبداللہ بن شداد کی کنیت ہے اور امام ابوحنیفہ کو چونکہ اسماء رجال کا علم نہیں ہے اس لئے وہ غلطی کر جاتے ہیں، کیونکہ ابوالولید امام ابوحنیفہ کی سند میں ہی بڑھا ہے اس لئے امام حاکم غلطی کی نسبت امام ابوحنیفہ کی طرف کرتے ہیں۔ کہ وہ ابو الولید کو الگ سمجھ کر سند میں بڑھا رہے ہیں، حالانکہ اگر کنیت ہوتی تو عن عبداللہ بن شداد أبي الولید ہونا چاہیئے تھا، عن ابی الولید نہیں ہونا چاہیئے، امام بیہقی نے کہا ہے کہ ابوالولید مجہول ہے، انہوں نے امام ابوحنیفہ کی غلطی نہیں نکالی، حنفی کہتے ہیں کہ حاکم نے بیہقی کو ایسا جواب دیا ہے کہ ان کو لب کشائی کی ہمت نہیں رہی، حالانکہ امام بیہقی نے امام ابوحنیفہ کا احترام کیا ہے اور ان کی غلطی نہیں نکالی، حاکم نے تو سخت لفظ بولا ہے۔

یہ ابوالولید کا لفظ قصہ والی روایت میں ہے، یا عبداللہ بن شداد ابوالولید کا عن أبي الولید بن گیا ہے، مولوی سرفراز نے جو کتاب لکھی ہے اس میں "عن" کاٹ ہی دیا ہے جو کہ بہت بڑی خیانت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عن ابی الولید، عن عبداللہ بن شداد سے بدل بنتا ہے، حالانکہ بدل "عن" سے نہیں بن سکتا "عن" نہ ہو تو ہو سکتا ہے۔ دراصل جابر کا لفظ امام ابوحنیفہ نے یا حسن بن عمارہ نے زیادہ کیا ہے۔ اس لئے کہتے ہیں کہ ان کا حافظہ قوی نہیں تھا، لہٰذا ان سے غلطیاں ہو جاتی ہیں۔ یہ بات احناف سے برداشت نہیں ہوتی۔ اور سمجھتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ سے غلطی کیسے ہو سکتی ہے۔ حالانکہ غلطی تو بڑے لوگوں سے بھی ہو جاتی ہے۔



خیر:۔ محدثین کی رائے میں قصے والی روایت امام ابوحنیفہ سے آئی ہے۔ کسی اور نے اسے بیان نہیں کیا، قصے والی روایت کے علاوہ "قراءة الإمام له قراءة" روایت اگرچہ مرسل ہے کیونکہ اسے عبداللہ بن شداد نے روایت کیا ہے لیکن یہ ایسا صحابی ہے جس نے نبی اکرم ﷺ کو سن تمیز میں نہیں دیکھا۔ حافظ نے فتح الباری میں ذکر کیا ہے، کہ جن صحابہ نے نبی اکرم ﷺ کو سن تمیز میں نہیں دیکھا ان کی روایت تابعین کی مراسیل کی طرح ہوتی ہیں۔ وہ مرسل صحابی سے شمار نہیں ہوتی۔ لہٰذا عبداللہ بن شداد ایسا صحابی نہیں ہے کہ اس کی مرسل کو حجت قرار دیا جائے۔ مالکیوں اور حنفیوں کے ہاں مرسل حجت ہوتی ہے لیکن اس کے حجت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی موصول حدیث نہ ہو تو اس پر عمل کر لیا جائے یہ تو نہیں کہ مرسل کے مقابلہ میں صحیح موصول احادیث موجود ہوں۔ تو مرسل پر عمل شروع کر دیا جائے۔ دونوں برابر نہیں ہو سکتیں۔

بعض حنفی کہتے ہیں کہ مرسل روایت موصول سے بھی اقوی ہوتی ہے، ابن حزم اسکا رد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اسکا مطلب یہ ہوا کہ اندھے کو دیکھنے والے سے زیادہ نظر آتا ہے مرسل میں راوی گرا ہوتا ہے جس کے بارہ میں علم



نہیں ہوتا یہ اقویٰ کیسے ہوسکتی ہے۔

فاتحہ خلف الإمام کے بارہ میں حضرت عبادہ بن صامت کی صریح حدیث ترمذی اور ابوداؤد میں آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے نبی اکرم ﷺ کی اقتداء میں فجر کی نماز ادا کی، پیچھے مقتدیوں کے پڑھنے کی وجہ سے آپ پر قراءت کرنا دشوار ہوگیا۔ جب آپ نے سلام پھیرا تو فرمایا "لعلكم تقرءون خلف إمامكم قالوا نعم قال: لاتفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لاصلوة لمن لم يقرء بها"[1] امام بیہقی رحمہ اللہ نے کتاب القراءۃ میں عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ زہری بیان کرتے ہیں محمود سے اور وہ عبادہ بن صامت سے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب خلف الإمام"[2] اس میں خلف الإمام کی صراحت آئی ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی شخص قسم اٹھا کر کہے کہ خلف الإمام کا لفظ مدرج ہے تو حانث نہیں ہوگا۔ اور اس کی دلیل یہ دی ہے کہ اس کا راوی زھری ہے اور زھری جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الإمام کا قائل نہیں ہے لہٰذا زھری خلف الإمام کیسے روایت کرسکتا ہے؟ حالانکہ امام زھری جہروں نمازوں میں امام کے سکتوں میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے قائل ہیں، اور سری نمازوں میں وہ مطلقاً فاتحہ خلف الإمام کے قائل ہیں لہٰذا انہوں نے خلف الإمام کی حدیث پر سری نمازوں میں عمل کیا ہے۔ بہرحال زھری کی وجہ سے کہنا کہ حدیث درست نہیں یہ لغو بات ہے۔

حدیث "لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب خلف الإمام" فاتحہ کے مسئلہ میں صریح نص ہے۔ جبکہ قراءة الإمام له قراءة" مجمل لفظ ہیں، لہٰذا نص کے مقابلہ میں مجمل روایت پیش کرنا درست نہیں ہے۔ مجمل کے ساتھ جب تک قصہ ذکر نہ ہو تو اس سے استدلال نہیں ہوسکتا۔ مسلم میں وہ قصہ مذکور ہے، عمران بن حصین کی روایت میں ہے کہ ایک آدمی آیا اس نے پیچھے "سبح اسم ربک الاعلی" سورۃ پڑھی، اس نماز سے فارغ ہوکر آپ نے فرمایا "إن بعضكم خالجنيها" راوی نے ذکر کیا "كأنه كرهها" شاید آپ نے "سبح اسم ربك الأعلى" پڑھنے کو مکروہ جانا ہے۔ دوسرے نے کہا "لو كره لنهي عنها" اس قصہ میں "قراءة الإمام له قراءة" کی کوئی بات نہیں ہوئی اگر ہوتی تو ایک قسم کا روکنا پایا جاتا۔ بہرحال مسلم کی حدیث میں قصہ ہے۔ اور جہاں قراءة الإمام له قراءة" ہے وہاں یہ قصہ ذکر نہیں ہے قصہ اور ان لفظوں کو جمع کرنے والے امام ابوحنیفہ ہیں یا حسن بن عمارہ ہے جو ثقہ نہیں ہے ان الفاظ کو یا ابوحنیفہ بڑھاتے ہیں یا ان سے بھی اضعف بڑھاتے ہیں۔ قصے کی روایت سے جمع کرلیا جائے تو مولانا عبدالحی کی بات درست ہوجاتی ہے کہ قراءت سنت ہے۔ پھر جبکہ فاتحہ کی تخصیص ہوسکتی ہے تو اسے مخصوص کرلیا جائے گا، یعنی سورۃ فاتحہ پڑھے، باقی نہ پڑھے، اور اگر سکتے ثابت ہوجائیں جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے پھر تو کوئی اعتراض ہی نہیں ہے۔ کیونکہ سکتات میں پڑھنا آیت "اذا قرئ القرآن فاستمعوا له

---

[1] سنن ترمذی ۳۱۱ ج ۱ ص ۴۰۶۔ سنن ابی داؤد ۸۲۳ ج ۱ ص ۲۱۷

[2] کتاب القراءۃ خلف الإمام للبیہقی، ص ۷۰

وأنصتوا"① کے خلاف نہیں ہے۔ اس لئے کہ سکتے کے وقت امام پڑھتا ہی نہیں ہے۔ شافعی، مالکی اور حنبلی تینوں مذاہب سکتوں کے قائل ہیں۔ اور کتاب الفقہ علی المذاهب الأربعۃ میں ہے کہ سارے علماء سکتات کے قائل ہیں، ان سب کی کتابوں میں ہے کہ جب امام فاتحہ پڑھ لے تو اس کے بعد سکتہ کرے تاکہ پیچھے پڑھنے والوں کو کراہت میں مبتلا نہ کرے۔ امام احمد کا مذہب یہ ہے کہ امام کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیئے۔ بلکہ سکتہ میں پڑھنا چاہیئے۔ یہی امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب ہے، عینی نے نقل کیا ہے کہ فاتحہ خلف الامام کو امام مالک رحمہ اللہ، احمد بن حنبل، شافعی اور اسحاق بن راھویہ فرض سمجھتے ہیں۔ بعض لوگ عینی پر اعتراض کرتے ہیں کہ ان کی بات درست نہیں ہے کیونکہ یہ لوگ فاتحہ کو فرض نہیں سمجھتے۔ حالانکہ ان کا سکتوں میں فرض ہونے کا قول ہے۔ جیسا کہ شیخ الإسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے القواعد النورانیہ میں کہا ہے، ابن تیمیہ رحمہ اللہ بھی سکتوں میں پڑھنے کے قائل ہیں۔ امام کے ساتھ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں، شوکانی وغیرہ جو تخصیص کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ امام کے ساتھ پڑھنا چاہیئے، سکتوں میں نہیں۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "إذا قرء الإمام بأم القرآن فاقرء بها واسبقه"② یعنی امام سے پہلے فاتحہ مکمل کرلو، تاکہ ایسا نہ ہو کہ امام "آمین" پر پہنچ جائے اور تم پیچھے ہی رہ جاؤ، لہذا پہلے فاتحہ ختم کرلو تاکہ "آمین" کہنے کے لئے تیار ہو جاؤ، باقی "اذا قرء فانصتوا" کا مطلب وہی ہے جو آیت قرآنیہ کا ہے، کہ اس سے پہلے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا مستثنیٰ ہے، یا اس پر عمل کے لئے امام کے سکتوں میں پڑھ لے۔



"إذا قرء فانصتوا" روایت پر بھی محدثین نے اعتراض کیا ہے کہ یہ راوی کا وہم ہے، کیونکہ مسلم میں ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی جو حدیث آتی ہے، اس میں قتادہ کے شاگردوں میں سے سوائے سلیمان تیمی کے کوئی بھی اس لفظ کو ذکر نہیں کرتا۔ صرف سلیمان تیمی اسے ذکر کرتا ہے عمر بن عامر اور سعید بن عروبہ بھی اس لفظ کو بیان نہیں کرتے۔ ان میں بیان کرنے والا اسالم بن نوح ہے۔ اس لئے یہ روایت شاذ ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں جو "إذا قرء فانصتُوا" آتا ہے۔ اس کا مدار محمد بن عجلان پر ہے اور وہ اس میں متفرد ہے۔ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کی باقی اسانید میں إذا قرء فانصتوا نہیں ہے۔ اس لئے ابوداود نے ابو موسیٰ اور ابو ہریرۃ دونوں کی روایت میں وہم کا حکم لگایا ہے۔ امام بخاری بھی کہتے ہیں کہ یہ وہم ہے۔ یحییٰ بن معین جسے یہ لوگ حنفی کہتے ہیں وہ بھی اسے وہم کہتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ محدثین نے اس پر جو وہم ہونے کا فتویٰ لگایا ہے وہ اس لئے نہیں لگایا کہ یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ جیسا کہ انور شاہ نے کہا ہے کہ جن لوگوں نے اسے ضعیف کہا ہے اس لئے کہا ہے کہ یہ ان کے مسلک کے خلاف ہے یہ ان کی بات لغو ہے۔ یحییٰ بن معین جو ان کے بقول حنفی ہیں وہ بھی اذا قرء فانصتوا کو ضعیف کہتے ہیں۔ امام احمد بن حنبل بھی ضعیف کہتے ہیں حالانکہ وہ فاتحہ کو فرض نہیں کہتے تھے تو انہیں اسے ضعیف کہنے کی کیا ضرورت تھی؟ سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ اہلحدیث نے حنفیوں پر بڑا ظلم کیا ہے کیونکہ انہوں نے



---

① الأعراف ۲۰۴

② القراءۃ خلف الإمام ۱۴۶ ج ۱ ص ۵۶

احناف کی احادیث نقل نہیں کیں۔ یہ عجیب بات کی ہے اس وقت کے احناف کہاں تھے وہ ان کی احادیث لکھ لیتے، طحاوی ان کی حدیثوں کو نقل کر دیتا۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی فاتحہ خلف الامام کے اثبات سے متعلق حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس میں محمد بن اسحٰق کو دجال اور کذاب کہا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ میزان الاعتدال میں ذھبی نے یہ قصہ بیان کیا ہے کہ ابوداؤد کہتے ہیں کہ مجھے یحیٰی قطان نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کذاب ہے۔ میں نے کہا اس کی وجہ بیان کرو۔ اس نے کہا کہ وھیب کہتا ہے کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے وھیب سے پوچھا آپ بتائیں کہ محمد بن اسحاق کذاب کیوں ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے امام مالک نے کہا ہے کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے امام مالک سے پوچھا کہ وہ کذاب کیوں ہے؟ انہوں نے کہا کہ مجھے ہشام نے کہا ہے کہ وہ کذاب ہے۔ میں نے ہشام سے پوچھا کہ تو محمد بن اسحٰق کو کیوں کذاب کہتا ہے؟ ہشام نے کہا کہ میں اسے اس لئے کذاب کہتا ہوں کہ محمد بن اسحٰق کہتا ہے میں نے فاطمہ بنت منذر سے حدیث سنی ہے۔ حالانکہ فاطمہ میری بیوی ہے اور وہ میری بیوی سے روایت کرتا ہے جب سے وہ میرے گھر آئی ہے اسے کسی نے دیکھا نہیں۔ اور جب وہ میرے گھر آئی تو وہ نو سال کی تھی۔ علامہ ذھبی کہتے ہیں ہم نے اسے جواب دے دیا ہے کہ محمد بن اسحاق نے اس سے مسجد میں سنا ہو گا یا بچپنے میں سنا ہو اور ہشام کو اس کی خبر نہ ہو۔ ذھبی کہتے ہیں کہ یہ ان کا پڑوسی تھا۔ اور چھوٹی عمر کا تھا جبکہ فاطمہ عمر رسیدہ ہو چکی تھی اور بچے گھروں میں چلے جاتے ہیں اس طرح بن لیا یا پس پردہ سنا ہو گا۔ کیا ایسی باتوں سے ایک عالم کو کذاب، دجال کہا جا سکتا ہے؟ امام مالک رحمہ اللہ کی جرح کی یہ وجہ ہے۔ پھر یہ کہنا کہ وہ نو سال کی عمر میں ہشام کے گھر آئی تھی یہ بھی غلط ہے کیونکہ وہ ہشام سے تیرہ سال بڑی تھی اور جب وہ ہشام کے گھر آئی اس وقت اس کی عمر کم از کم بیس سال سے اوپر تھی اور ابن اسحٰق نے فاطمہ سے اس وقت حدیث سنی ہے جب فاطمہ کی عمر پچاس اور ساٹھ سال کے درمیان ہو گی۔

اور ایک وجہ امام مالک کے اسے جھوٹا کہنے کی یہ بھی تھی کہ امام مالک کہتے تھے کہ میں اُصبحی ہوں۔ ابن اسحٰق کہتا تھا کہ اُصبح یمن کا بادشاہ گذرا ہے۔ ان کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے یہ مولیٰ تیمیین ہیں اس لئے امام مالک نے اسے کذاب کہہ دیا۔ حالانکہ امام مالک کا مولیٰ ہونا حلف کے معنیٰ میں ہے آزاد شدہ کے معنیٰ میں نہیں ہے۔

بہرصورت امام مالک رحمہ اللہ کا ابن اسحٰق کو کذاب کہنا خاص وجوہات کی بنا پر تھا ورنہ انہوں نے علم حدیث میں ان کی تکذیب نہیں کی بعد میں امام مالک رحمہ اللہ نے محمد بن اسحٰق کو تحفہ دیا اور صلح ہو گئی تھی مولانا عبدالحی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ابن اسحٰق پر جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں ابن سید الناس نے شرح ترمذی میں ان سب کا معقول جواب دیا ہے لہٰذا ابن اسحٰق پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بڑے علماء نے اسے ثقہ کہا ہے۔ ابن ھمام نے کہا ہے "أما محمد بن اسحق فثقة، ثقة ثقة لاشك فيه عندنا و عند المحدثين" اور محمد بن اسحٰق اس حدیث کو بیان کرنے میں اکیلا نہیں ہے۔ اس کے ساتھ دیگر لوگ بھی اسے بیان کرتے ہیں۔ اس لیے دار قطنی، بیہقی اور خطابی نے معالم السنن میں اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے حاکم نے اور امام بخاری نے جزء القراءت میں اسے صحیح کہا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس میں مکحول معیاری ثقہ نہیں ہے حالانکہ امام زہری رحمہ اللہ نے کہا تھا آج دنیا میں صرف چار اہل علم ہیں اور ان میں مکحول کو بھی شمار کیا تھا، یعنی مدینہ میں سعید بن مسیب کوفہ میں شعبی، بصرہ میں حسن اور شام میں مکحول۔ میزان ۳/۱۹۸۔

بعض نے کہا ہے کہ مکحول تدلیس بھی کرتا ہے جبکہ علامہ ذہبی نے مکحول کے ارسال کو بڑے بڑے صحابہ کے ساتھ مقید کیا ہے جسکا مفہوم یہ ہے کہ وہ صغار صحابہ سے ارسال نہیں کرتا اور سند مذکور میں مکحول، محمود بن لبید سے روایت کرتا ہے اور محمود صغار صحابہ سے ہے، مکحول اصطلاحی معنی میں مدلس نہیں ہے۔ کیونکہ اصطلاحی معنی میں مدلس وہ ہوتا ہے جو ایسے لوگوں سے ارسال کرے جن سے اس کا سماع ثابت ہو۔ اور یہاں اسکا ارسال کبار صحابہ سے مقید ہے اور کبار صحابہ سے اسکا سماع ثابت نہیں، لہٰذا اس ارسال کو اصطلاحی طور پر تدلیس نہیں کہہ سکتے۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ مکحول کا سماع محمود سے ثابت نہیں ہے حالانکہ عدم ثبوت، صحتِ حدیث کے منافی نہیں۔ کیونکہ صحتِ حدیث کے لئے صرف استاد اور شاگرد کی ملاقات کا ممکن ہونا کافی ہے۔ اور عدم ثبوت سے نفی لازم نہیں آتی۔ امام بخاری رحمہ اللہ سے جو نقل کیا گیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ مکحول، رجاء وغیرہ کسی نے محمود سے سماع نہیں کیا۔ یہ بات بالکل غلط ہے۔ کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے یہ فرمایا ہے کہ ان اصحاب نے سماع کا ذکر نہیں کیا۔ یہ نہیں کہا کہ انہوں نے سماعت نہیں کی۔ کتاب القراءت ص ۴۴ میں ہے کہ موسیٰ بن سہل رملی کہتے ہیں۔ مکحول نے محمود اور نافع بن محمود دونوں سے سماع کیا ہے۔ اور اسی کتاب کے ص ۱۳ پر ہے کہ ابو علی حافظ کہتے ہیں کہ مکحول نے یہ حدیث محمود اور اس کے بیٹے نافع سے سنی ہے۔ اور ان دونوں نے عبادۃ سے سنا ہے۔ بعض حنفیہ نے یہ اعتراض کیا ہے کہ جس سند میں سماع کا ذکر ہے اس میں احمد بن عمیر ہے جو کہ ضعیف ہے لہٰذا یہ سماع ثابت نہ ہوا۔ اور یہ ان کی بات غلط ہے کیونکہ احمد بن عمیر پر کوئی جرح مفسر نہیں ہے لہٰذا وہ ثقہ ہے۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اعتراض کیا ہے کہ یہ روایت اصل میں موقوف ہے۔ مکحول نے غلطی سے اسے مرفوع کر دیا ہے۔ انہوں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ عبادہ بن صامت امام تھے۔ ایک دن وہ ذرا دیر سے آئے۔ ابونعیم مؤذن امام تھا۔ محمود کہتا ہے کہ میں بھی حضرت عبادہ بن صامت کے ساتھ آیا۔ ہم نے نماز پڑھی تو میں نے عبادۃ بن صامت کو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے ہوئے سنا نماز کے بعد میں نے کہا آپ نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھی ہے؟ انہوں نے کہا کہ اس کے بغیر نماز ہی نہیں ہوتی۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حدیث بس اتنی ہے۔ آگے "صلینا خلف رسول اللہ ﷺ" اس میں نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ مکحول اس روایت میں متفرد نہیں ہے۔ عبادۃ بن صامت سے متعدد افراد اسے بیان کرنے والے ہیں جن میں سے ایک محمود ہے دوسرا نافع بن محمود، تیسرا عبادۃ بن نسی، چوتھا رجاء بن حیوۃ ہے بعض اسانید کے ساتھ یہ روایت مرفوع آتی ہے اور بعض کے ساتھ موقوف بھی آتی ہے۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے سمجھا ہوگا کہ اکیلا مکحول ہی روایت کرتا ہے دیگر متابعات کا انہیں علم نہیں ہوگا۔ اس لئے انہوں نے کہہ دیا کہ مکحول نے غلطی کی ہے اگر انہیں اسکی متابعات کا علم ہوتا تو سمجھ لیتے کہ مکحول اکیلا نہیں ہے لہٰذا فاتحہ خلف الامام کی روایت صحیح ہے۔

حضرت عبادۃ بن صامت سے بخاری ومسلم میں "لاصلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب"[1] حدیث آتی ہے جس کی سند ومتن پر کوئی غبار نہیں ہے۔ اس کے بارہ میں احناف کہتے ہیں کہ یہ حدیث عام ہے اس سے مقتدی مستثنیٰ ہے حالانکہ اس حدیث کے بیان کرنے والے حضرت عبادۃ بن صامت اس حدیث کے عموم میں مقتدی کو بھی شامل سمجھتے تھے کیونکہ وہ خود امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے[2]۔

جو لوگ سمجھتے ہیں کہ مقتدی اس سے خارج ہے وہ کہتے ہیں کہ دوسری حدیث میں آتا ہے "لاصلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب فصاعدًا"[3] یعنی اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو فاتحہ اور اس سے زائد نہ پڑھے اس سے وہ سمجھتے ہیں کہ یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے کیونکہ وہی فاتحہ سے زائد پڑھتے ہیں اور یہ کسی کا مذہب نہیں ہے کہ مقتدی پر فاتحہ اور اس سے زائد پڑھنا فرض ہو جو لوگ مقتدی پر فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں وہ بھی اس کے لئے مازاد کے قائل نہیں ہیں لہٰذا یہ حدیث امام اور منفرد کے لئے ہے۔ مقتدی کے لئے نہیں ہے۔

اصل میں ان لوگوں نے "فصاعدًا" کا معنی سمجھنے میں غلطی کی ہے، اور انہوں نے یہ معنی کیا ہے کہ جو شخص فاتحہ اور مازاد نہ پڑھے اس کی نماز نہیں ہوتی۔ حالانکہ فصاعدا کا معنی "أو مازاد" ہے یعنی جو شخص فاتحہ یا مازاد نہ پڑھے اسکی نماز نہیں ہوتی کیونکہ کلام عرب میں جہاں "فصاعدًا" آتا ہے تو وہاں "أو" کا معنی ہوتا ہے شرح جامی کے آغاز میں لکھا ہے کہ "کلم" اسم جنس نہیں ہے کیونکہ اسم جنس کا اطلاق قلیل وکثیر پر ہوتا ہے اور علت بیان کرتے ہوئے کہا ہے "لأنها لاتطلق إلا علی الثلاث فصاعدًا" کہ کلم کا اطلاق تین پر ہوتا ہے یا زیادہ پر۔ یہ معنی نہیں کہ کلم کا اطلاق تین اور زیادہ یعنی چار پر ہوتا ہے۔ یہ معنی کسی کے ہاں نہیں ہے چونکہ جمع کے افراد کم از کم تین ہوتے ہیں کلم بھی وہاں استعمال ہوگا جہاں کم از کم تین فرد ہوں یا زیادہ ہوں۔ اسی طرح امام مالک نے مؤطا میں کہا ہے، عصبہ دیت اٹھا لیتے ہیں جب کہ وہ ثلث تک پہنچ جائے "إذا بلغ الثلث فصاعدًا" یعنی وہ دیت ثلث کو پہنچے یا زیادہ کو۔ یہ معنی نہیں کہ ثلث کو پہنچے

---

[1] صحیح بخاری ۷۵۶، مسلم (۳۴) ۳۹۴

[2] حدیث "ان رسول اللہ ﷺ قال لا صلوٰۃ لِمَن لَّمْ یَقْرء بِفَاتِحَۃِ الکتاب" کے صدور پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ حدیث ہے ہی مقتدی کے لئے، اور مقتدیوں کے لئے صادر ہوئی ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ امام تھے بلکہ امام کائنات ہیں اور آپ کی اقتداء میں نمازیں ادا کرنے والے صحابہ کرام آپ کے مقتدی تھے اور نبی اکرم ﷺ نے بحیثیت امام اپنے مقتدی صحابہ کرام کو فرمایا تھا "لا صلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب" جس کا مطلب یہ ہے کہ اے میرے مقتدی صحابہ کرام اس شخص کی نماز نہیں ہوتی جو سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا، گویا نبی اکرم ﷺ جو امام ہیں ان کی طرف سے یہ حکم صحابہ کرام کے لئے جاری ہوا ہے جو آپ کی اقتداء میں نماز ادا کرنے والے تھے، گویا رسولِ کریم ﷺ کا یہ فرمان براہِ راست صادر ہی مقتدیوں کے لئے ہوا ہے، اور آپ کا یہ خطاب اولیں صحابہ کرام کے لئے ہے جو آپ کے مقتدی تھے اور آئندہ بھی براہِ راست اس کے مخاطب مقتدی حضرات ہیں، اگرچہ اس حدیث کے عموم میں امام اور منفرد بھی داخل ہیں، لہٰذا مقتدی کو اس حدیث سے خارج کرنے کی گنجائش ہرگز نہیں ہے۔

[3] سنن نسائی ۹۱۱، خلق افعال العباد ج ۱ ص ۱۰۶۔

شرح بخاری

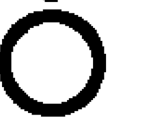
اور زیادہ کو۔

انور شاہ نے فصل الخطاب میں تو اس پر زور دیا ہے کہ اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ فاتحہ اور مازاد کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ لیکن فیض الباری میں کتاب المرضی میں جب یہ حدیث آئی "لایصیب المسلم شوکة فما فوقها"① تو یہاں اقرار کرلیا کہ اور کا معنی نہیں ہے یہاں معنی کیا ہے کہ مسلمان کو جو مصیبت پہنچے کانٹا ہو یا زیادہ یہ معنی نہیں کہ کانٹا اور زیادہ، یعنی کانٹے کے ساتھ کوئی اور مصیبت بھی آئے تب وہ گناہوں کا کفارہ بنے۔ یہ معنی کسی نے نہیں کیا۔ یہاں کہا ہے "هذا التركيب عند اللغويين بالاقتصار علی ماقبله" گویا حکم کے لئے پہلے کا ہونا کافی ہے بعد والی چیز ہو یا نہ ہو۔ اس حدیث میں گناہ معاف ہونے کا حکم کانٹا لگنے پر بھی آجاتا ہے۔ یعنی کانٹا لگ جائے یا کانٹے کے ساتھ کوئی اور تکلیف بھی پہنچے دونوں صورتوں میں یہ تکلیف گناہ کا کفارہ بن جاتی ہے۔ اس کے پیش نظر "لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب فصاعدًا" کا بھی یہ معنی ہوگا کہ فاتحہ نماز کے لئے ضروری ہے اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ باقی ضروری نہیں ہے۔ یہاں تسلیم کرکے اپنی ساری فصل الخطاب پر پانی پھیر دیا ہے۔

حاصلِ کلام یہ ہے کہ "فصاعدًا" جیسی ترکیب میں فا سے پہلی چیز کی فرضیت ثابت ہوتی ہے فا سے بعد والی چیز فرض نہیں ہوتی۔ ابن خزیمہ نے بھی اس حدیث کا یہ معنی کیا ہے "ای لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب أولمن لم يقرء بفاتحة الكتاب و زيادة" یعنی جو شخص فاتحہ نہیں پڑھتا یا فاتحہ اور مازاد نہیں پڑھتا اسکی نماز نہیں ہوتی یعنی ان دو میں سے ایک چیز ہونی چاہیئے۔ فاتحہ ہو یا فاتحہ ومازاد ہو۔ جیسا کہ حدِ سرقہ کی حدیث میں آتا ہے "تقطع يد السارق فی رُبع دينار فصاعدًا"② اسکا معنی یہ ہے کہ سارق کا ہاتھ کاٹا جائے رُبع دینار چوری کرنے میں یا اس سے زیادہ چوری کرنے میں۔ یا زیادہ میں رُبع دینار بھی آجاتا ہے۔ ربع دینار اور زیادہ معنی نہیں ہے۔ اسی طرح سورۃ فاتحہ پڑھنے کی حدیث کا معنی یہ ہے کہ فاتحہ ہونی چاہیئے یا فاتحہ اور مازاد ہونا چاہیئے۔ مازاد میں فاتحہ بھی آجاتی ہے یعنی دونوں میں سے ایک کا ہونا لازمی ہے۔ اگر أحد الأمرین نہ ہو تو نماز نہیں ہوتی۔ حنفیوں کے نزدیک دوسرے دلائل سے مازاد کی زیادتی بھی فرض ہوگئی یا ان کے نزدیک فاتحہ بھی واجب ہے اور زیادتی بھی واجب ہے۔



یہ چیز قابل غور ہے کہ امام اور منفرد کی جتنی صورتیں ہیں سب میں فاتحہ اور مازاد ضروری ہے اب کون سی وہ صورت ہے جس میں صرف فاتحہ ضروری ہے، وہ صرف مقتدی کی صورت ہے، تو فصاعدا کا لفظ اس بات کی دلیل ہے کہ عبادہ بن صامت کی یہ حدیث ہے ہی مقتدی کے لئے یعنی مقتدی کو کہا گیا ہے کہ بغیر فاتحہ کے تیری نماز نہیں ہوتی۔ لہٰذا حدیث عبادہ مقتدیوں کو خطاب ہے۔



حافظ کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث مختصر ہے۔ عبادہ بن صامت کی مفصل حدیث وہ ہے جو نمازِ فجر کے واقعہ پر مشتمل ہے۔ عبادہ بن صامت کہتے ہیں "کنا خلف النبی ﷺ فی صلوٰة الفجر فقرء فثقلت عليه

① صحیح بخاری (بمعناہ) ۵۶۴۸ ج ۷ ص ۱۱۵

② صحیح بخاری ۶۷۸۹ ج ۸ ص ۱۶۰۔ مسلم ۱۶۸۴ ج ۳ ص ۱۳۱۲

القراءة فلما فرغ قال لعلكم تقرؤن خلف إمامكم قلنا نعم يارسول الله ﷺ قال: لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلوٰة لمن لم يقرء بها"[1] یہ جملہ تعلیلیة ہے یہ اس بات کی علت ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی کیونکہ یہ نماز کا رکن ہے اس لئے اسے امام کے پیچھے پڑھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ ابوداؤد کی ایک روایت میں یہ لفظ ہیں "لا تقرؤا بشيء من القرآن اذا جهرت إلا بأم القرآن"[2] انور شاہ کہتا ہے کہ اس سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ باقی منع ہے لیکن فاتحہ اس منع میں داخل نہیں۔ تو فاتحہ مباح ہوگی۔ کیونکہ ممانعت سے کوئی شئ استثناء کرنے سے فرض نہیں ہوتی۔ اور جب نھی سے کسی چیز کو مستثنیٰ کیا جائے گا تو وہ منهي عنه نہیں ہوگی بلکہ مباح ہوگی جبکہ اباحت متعین ہوگئی ہے تو آگے جملہ تعلیلیة کا ایسا معنی کرنا چاہیئے۔ جس کے ساتھ اباحت کا معنی محفوظ رہے یہ نہ ہو کہ پہلے جو اباحت کا معنی ثابت کیا ہے اب وہ ختم ہو جائے اگر معنی کیا جائے کہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی تو اباحت باقی نہیں رہے گی۔ بلکہ اس کا معنی یہ کرنا چاہیئے کہ بغیر فاتحہ کے امام اور منفرد کی نماز نہیں ہوتی لہذا فاتحہ کی خصوصیت ہے امام اور منفرد کی نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی۔ اس لئے تمہیں اجازت دے دی گئی ہے کہ تم پڑھ لیا کرو، لا تفعلوا إلا بام القرآن کا یہ مطلب ہے۔

انور شاہ کو غلطی لگی ہے یہ کہنا کہ نھی کے بعد مستثنیٰ میں اباحت ہوتی ہے یہ غلط ہے بلکہ نھی سے استثناء میں نہی سے ایک چیز کے خارج ہونے کا پتہ چلتا ہے۔ باقی رہی یہ بات کہ وہ مباح ہے یا مستحب ہے یا فرض ہے اس کے لئے دوسرے دلائل کی طرف رجوع کیا جائیگا اگر دلیل فرضیت کی پائی جائے تو وہ فرض ہوگا اگر مباح ہونے کی دلیل ہو تو اسے مباح قرار دیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وقضي ربك ألا تعبدوا إلا اياه"[3] اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم عبادت نہ کرو مگر اللہ تعالیٰ کی، یہاں نہی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت مستثنیٰ ہے، آگے مستثنیٰ کا مقام اور اس کا حکم اور رتبہ کیا ہے یہ دوسرے دلائل سے معلوم ہوگا۔ یہ نہیں کہ مباح کو پہلے ہی متعین کر لیا جائے۔ اگرچہ نہی سے ایک چیز کو خارج کرنے کے بعد کم از کم وہ مباح تو ہے ہی لیکن یہ کہنا کہ اباحت متعین ہوگئی ہے یہ غلطی ہے جیسے "وقضي ربك الا تعبدوا إلا اياه" میں عبادت الٰہیہ کے فرض ہونے پر دوسرے دلائل موجود ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے "لقد بعثنا فی کل أمة رسولاً أن اعبدوا الله"[4] میں امر کا صیغہ عبادت کے فرض ہونے پر دلالت کرتا ہے لہذا یہاں اباحت نکالنا دیگر دلائل کے متعارض ہوگا۔

مسلم کی ایک روایت میں "واذا قرء فانصتوا"[5] آتا ہے اس کی صحت میں اختلاف ہے۔ اکثر حفاظِ حدیث

---

1. سنن ابی داؤد ۸۲۳ ج ۱ ص ۲۱۷۔ سنن ترمذی ۳۱۱ ج ۱ ص ۴۰۶
2. سنن ابی داؤد ۸۲۴ ج ۱ ص ۲۱۷
3. الاسراء ۲۳
4. النحل ۳۶
5. مسلم (۶۳) ۴۰۴ ج ۱ ص ۳۰۴

نے اسے وہم قرار دیا ہے۔ اور انہوں نے کہا ہے کہ یہ لفظ صحیح ثابت نہیں ہے ان علماءِ حدیث میں سے امام بخاری، ابوداؤد، ابوحاتم، ابن معین، امام دارقطنی، حاکم، ابن خزیمۃ، محمد بن یحییٰ ذھلی، بیہقی اور ابو علی نیسابوری ہیں۔ ان محدثین کرام نے اس لفظ کو صحیح قرار نہیں دیا۔ یہ اس لئے نہیں کہ ان کے مذہب کے خلاف تھا جیساکہ بعض نے یہ کہا ہے کہ چونکہ یہ لفظ محدثین کے مذہب کے خلاف تھا اس لئے انہوں نے اسے ضعیف قرار دیدیا اور یہ ان لوگوں کی طرف سے محدثین پر بہتان ہے بلکہ انہوں نے اسے اس لئے ضعیف قرار دیا ہے کہ یہ لفظ شاذ ہے۔ کیونکہ جو روایت قتادہ سے متواتر آئی ہے اس میں یہ لفظ نہیں ہے ایک راوی اسے بیان کرتا ہے لہذا شاذ ہے اس زیادتی کو زہری سے ایوب نے اور ایوب سے طفاوی نے۔ اس سے احمد بن مقدام نے، اس سے معمری نے ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔ حافظ عبدان فرماتے ہیں۔ جب معمری نے ابوالاشعث سے یہ زیادتی بیان کی تو محدثین نے میری طرف لکھا کہ یہ زیادتی کیسی ہے۔ میں نے ان کے جواب میں لکھا کہ محمد بن بکار، اسماعیل بن سیف اور ابوالاشعث ان تینوں نے ہمیں طفاوی سے حدیث بیان کی اور اس میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب القراءت میں ہے اور امام مالک، معمر، لیث، یونس اور سفیان نے یہ روایت زہری سے بیان کی تو اس میں یہ زیادتی نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب القراءت ص ۹۲ میں ہے لہذا یہ زیادتی یقیناً وہم ہے کیونکہ معمری کے استاذ کے استاذ سے جو روایت آئی ہے اس میں بھی یہ لفظ نہیں، تو یہ اسی معمری کی غلطی ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں۔ ”وله من امثال ذلك أفراد منكرة“ معمری اس قسم کی منکرات کے بیان میں متفرد ہوتا ہے“۔

اور جن علماء نے اس زیادتی کو شاذ قرار نہیں دیا بلکہ صحیح کہا ہے تو اس صورت میں اس سے مراد سورۃ فاتحہ کے علاوہ باقی قراءت ہوگی یا اس سے مراد وہی معنی ہوگا جو قرآن کریم کی آیت ”فاستمعوا له وانصتوا“ سے مراد ہے، کہ انصات قراءت فی السکتات کے منافی نہیں ہے۔ اور نہ ہی یہ سری نمازوں کو شامل ہے ایک روایت میں آتا ہے ”اذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فأنصتوا“[1] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے ولاالضالین کہنے کے بعد خاموش ہو جاؤ۔ یعنی پہلے ہی خاموش نہ ہو جاؤ بلکہ فاتحہ پڑھو، لہذا جو لوگ سورۃ فاتحہ کی فرضیت کے قائل ہیں وہ سکتوں میں پڑھنے کے قائل ہیں لہذا امام کو سکتے کرنا چاہئیں۔ اگر وہ سکتے نہ کرے تو سورۃ فاتحہ کو مقطعاً پڑھ لیا جائے شوکانی اور رازی وغیرہ تخصیص کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک ”انصتوا“ سے فاتحہ کی تخصیص ہو جائے گی۔

فریقین کا قرآن سے استدلال: فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں دونوں فریق قرآن کریم سے بھی استدلال کرتے ہیں۔ اگرچہ قرآن کریم میں اس مسئلہ کا خاص طور پر کوئی ذکر نہیں ہے جو علماء کہتے ہیں کہ فاتحہ خلف الامام ضروری ہے وہ متعدد آیات کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک آیت سورۃ الحجر کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے ”ولقد

(1) سنن الدارقطنی ۱۲۵۱ ج ۲ ص ۱۲۱

اتیناك سبعًا من المثانی والقرآن العظیم"[1] اس آیت میں "المثانی" کے کئی معانی کئے گئے ہیں لیکن حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے یہی مروی ہے کہ "المثانی" سے مراد سورۃ الفاتحہ" ہے الاتقان میں حسن سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مذکور ہے "لأنها تثنیٰ فی کل صلوٰة فی کل رکعةٍ"[2] یہ ہر نماز میں اور ہر رکعت میں دہرائی جاتی ہے اس لئے فاتحہ کو مثانی کہا گیا ہے۔ جامع البیان وغیرہ میں قتادہ کا قول ہے "تثنیٰ فی کل صلوٰة فی کل رکعة" گویا قرآن کریم کی اس آیت میں اشارہ کر دیا گیا کہ سورۃ فاتحہ ہر نماز کی ہر رکعت میں پڑھنی چاہیئے۔

دوسری آیت سورۃ مزمل کی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "فاقرؤا ماتیسر من القرآن"[3] اس آیت سے حنفی بھی استدلال کرتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز میں قراءت فرض ہے۔ دوسرے کہتے ہیں کہ قراءت، سورۃ فاتحہ سے شروع ہوتی ہے لہذا جو چیز فرض ہوگی اس کے شروع میں سورۃ فاتحہ کا ہونا ضروری ہے۔ دوسری وجہ استدلال یہ بھی ہے کہ آیت "فاقرؤا ماتیسر من القرآن" کی تفسیر حدیث مسیٔ الصلوۃ میں آگئی ہے کہ آپ نے فرمایا: "ثم اقرء بأم القرآن و بماشاء الله أن تقرء"[4] اور یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ فدیہ کی آیت کی تفسیر حدیث میں آگئی ہے۔ قرآن کریم میں ہے "ففدیة من صیام أو صدقة أونسك"[5] اس میں تعمیم کا کوئی بھی قائل نہیں ہے بلکہ حدیث کے مطابق صدقہ سے مراد تین صاع اور نسک سے مراد کم از کم بکری ذبح کرنا ہے۔ اس طرح "فاقرؤا ماتیسر" کی تفسیر حدیث مسیئ الصلوۃ میں سورۃ فاتحہ پڑھنے کے ساتھ آگئی ہے۔

تیسری آیت سورۃ النجم کی ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "وأن لیس للإنسان إلا ماسعی"[6] اس آیت سے دراصل ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے جو کہتے ہیں کہ امام، مقتدی کی قراءت کا متحمل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ بعض حنفیہ کہتے ہیں بعض حنفی کہتے ہیں کہ مقتدی سے قراءت ساقط ہو جاتی ہے لیکن انور شاہ وغیرہ کہتے ہیں کہ مقتدی سے قراءت ساقط نہیں ہوتی بلکہ مقتدی پر بھی قراءت ہے۔ مگر وہ اس طرح ادا ہو جاتی ہے کہ امام پڑھے اور مقتدی اسے سنے لہذا دونوں مل کر قراءت کے مقصد کو ادا کرتے ہیں۔ لیکن ہدایہ والے نے کہا ہے کہ صحیح بات یہ معلوم ہوتی ہے کہ حنفیہ کے نزدیک مقتدی پر قراءت فرض نہیں ہے، کیونکہ حدیث میں "قراءة الإمام له قراءة" آتا ہے۔ یہ نہیں کہ امام متحمل ہے، بلکہ امام، مقتدی کی طرف سے تب نائب بن سکتا ہے جبکہ مقتدی معذور ہو، اگر مقتدی نہ تو عقلاً معذور ہو اور نہ ہی شرعًا معذور ہو تو وہ سکتوں میں پڑھ سکتا ہے۔ لہذا نیابت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ کیونکہ فرائض میں نیابت تب جاری ہوتی

---

(1) الحجر ۸۷
(2) تفسیر طبری (بمعناه) ج ۱۴ ص ۱۱۸
(3) المزمل ۲۰
(4) سنن ابی داؤد ۸۵۹، ج ۱ ص ۲۲۷
(5) البقرۃ ۱۹۶
(6) النجم ۳۹

ہے جبکہ مکلف معذور ہو۔ اس مسئلہ میں وہ معذور نہیں ہے۔ اس لئے اس سے قراءت کا ساقط ہونا صحیح ہے کہ قراءت اسکا فرض ہے ہی نہیں۔ اور اگر کہا جائے کہ امام اسکا متحمل ہوجاتا ہے تو یہ "وأن لیس للإنسان إلا ما سعی" کے خلاف ہے۔

حج کی نیابت میں بھی اختلاف ہے۔ حنفی اور شافعی عبادت بدنی میں نیابت کے قائل نہیں ہیں۔ حج چونکہ عبادت بدنی اور مالی سے مرکب ہے۔ اس لئے اس میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ احناف کا ایک قول یہ ہے کہ حج میں نیابت ہوجاتی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں صرف نفقہ کا اجر ملتا ہے۔ حج کا نہیں۔ مالکی بھی حج میں نیابت کے قائل نہیں ہیں۔ یہ صرف عبادت مالی میں نیابت کے قائل ہیں۔ کیونکہ مالی عبادت میں فقیر کی رفع حاجت یعنی اسکی ضرورت پوری کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اور یہ مقصود نیابت سے بھی حاصل ہو جاتا ہے جبکہ بدنی عبادت میں اتعاب نفس مقصود ہوتا ہے اور یہ نیابت سے حاصل نہیں ہوسکتا۔ جیسا کہ کھانا کھانے میں نیابت نہیں ہوسکتی، کیونکہ نائب کے کھانا کھانے سے منوب عنہ کا پیٹ تو نہیں بھرے گا، اسی طرح نماز پڑھنے اور روزہ رکھنے میں مکلف کا اتعاب نفس حاصل نہیں ہوگا۔ نائب کا ہو جائے گا جو مقصود کے خلاف ہے۔ امام احمد بن حنبل حج میں نیابت کے قائل ہیں کیونکہ یہ احادیث سے ثابت ہے۔ اور یہ بات عجیب ہے کہ حنفی، شافعی اور مالکی نیابت کے قائل نہیں ہیں۔ لیکن یہ تمام اِهداء ثواب کے قائل ہیں۔ حالانکہ اسکا ثبوت نہیں ہے اهداء ثواب میں دراصل مالکیہ کے دو قول ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ اهداء ثواب ہوسکتا ہے دوسرا قول ہے کہ نہیں ہوسکتا۔ شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اهداء ثواب بدعت ہے۔ اور نیابت جائز ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اهداء ثواب اور نیابت میں کوئی فرق نہیں ہے، یعنی عمل کرنے کے بعد اپنے عمل کا ثواب کسی کو بخشنا اور کسی کی طرف سے عمل کرنے کی نیت کرنا دونوں کا ایک ہی مطلب ہے۔ بہر حال جہاں مکلف معذور ہوجائے وہاں نیابت ہوسکتی ہے۔

دوسرا قانون یہ ہے کہ نائب وہی بن سکتا ہے جو اپنا فرض الگ ادا کرے یہ نہیں ہو سکتا کہ اپنا فرض بھی ادا کرے اور نیابت کا کام بھی دے۔ مثال کے طور پر یہ نہیں ہوسکتا کہ اپنا حج بھی کرے اور منوب عنہ کا حج بھی کرے، پھر نیابت ایک شخص کی ہوتی ہے زیادہ کی نہیں ہوسکتی۔ لہذا نماز میں امام سینکڑوں یا ہزاروں لوگوں کی طرف سے سورۃ فاتحہ کا نائب کیسے بن سکتا ہے؟

"وأن لیس للإنسان إلا ما سعی" کا تقاضا یہ ہے کہ جو چیز مکلف پر فرض ہو چکی ہے وہ بغیر عذر کے ساقط نہیں ہوسکتی۔ اسی لیے بعض احناف اس طرف چلے گئے ہیں کہ مقتدی پر قراءت فرض ہی نہیں، اور اس کا فریضہ جہری نماز میں سماع ہے، اور وہ کہتے ہیں کہ سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے خاموش رہے۔ اگرچہ اسے وساوس ہی گھیر لیں۔

فاتحہ خلف الامام کے اثبات پر چار آیات پیش کرتے ہیں۔ پہلی آیات سے ہر نماز اور ہر رکعت میں اسکا پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ دوسری آیت سے اسکی فرضیت ثابت ہوتی ہے اور تیسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ میں نیابت نہیں ہو سکتی۔ اور چوتھی آیت سورۃ اعراف کی ہے ارشاد باری تعالی ہے "واذکر ربك فی نفسك تضرعًا و خیفة و

دون الجهر من القول بالغدو والاصال ولاتكن من الغافلين[1]" اس آیت میں رب تعالیٰ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں قرآن پڑھنا بھی داخل ہے، جیسا کہ ذکر میں سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر کہنا داخل ہے۔ زید بن اسلم اور عبدالرحمن بن زید بن اسلم ان دونوں سے مروی ہے کہ جب کوئی شخص امام کی اقتداء میں نماز پڑھ رہا ہو تو اسے آہستہ آہستہ ذکر کرنا چاہیئے۔ ابن جریر نے بھی اسے ترجیح دی ہے۔ لہذا جب ذکر جائز ہے تو آہستہ فاتحہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ اور یہ "فاستمعوا له وانصتوا" کے منافی نہیں ہے گویا "واذكر ربك فى نفسك" نے "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا[2]" کا مفہوم بیان کر دیا کیونکہ یہ اس کے بعد متصل آیا ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ "واذكر ربك فى نفسك" میں قرآن پڑھنا بھی داخل ہے ان کے نزدیک اسکا مطلب یہ ہے کہ سرّی نمازوں میں یا جب امام سے دور ہو جبکہ امام کی قراءت نہیں سن سکتا تب قرآن پڑھ سکتا ہے۔ اور "بالغدو" سے مراد فجر کی نماز ہے جو جہری ہوتی ہے۔ اور "الأصال" سے مراد ظہر اور عصر کی نماز ہے جو سرّی ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہری اور سرّی دونوں میں قرآن پڑھو۔

اگر کہا جائے کہ اس آیت میں نہ نماز کا ذکر ہے اور نہ ہی خلف الامام کا ذکر ہے تو اس سے فاتحہ خلف الامام کا اثبات کیسے ہو سکتا ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس طرح "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" سے فاتحہ خلف الامام کی نفی کیسے ثابت ہو سکتی ہے اس آیت میں بھی نہ نماز کا ذکر ہے اور نہ ہی خلف الامام کا ذکر ہے۔

یہ چار آیات ہیں جو فاتحہ خلف الامام کے اثبات میں پیش کی جاتی ہیں۔ اس کے بعد احادیث ہیں جو دو قسم پر ہیں بعض احادیث عام ہیں جن میں یہ ذکر ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی اور بعض احادیث خاص ہیں جن میں مقتدی کا ذکر ہے۔ عام احادیث میں سے حضرت عبادۃ بن صامت کی حدیث ہے جو مشہور ہے جو ان سے "لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" کے الفاظ سے منقول ہے۔ اور خاص حدیث بھی ان سے ہی مروی ہے جس میں نماز فجر میں مقتدیوں سے خطاب کی صراحت ہے۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ اسی کا ہی ایک جزء ہے۔

ا۔ بخاری شریف میں عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "أن رسول الله ﷺ قال: لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" اس میں "لا" نفی جنس کا ہے، اگر اس کی خبر افعال خاصہ سے ہو تو خاص وصف کی نفی ہوگی اور اگر افعال عامہ سے ہو تو عموم کی نفی سے ذات کی نفی ہو جائے گی کیونکہ ذات، اوصاف عامہ کے بغیر پائی نہیں جاتی۔ افعال عامہ کون، ثبوت، وجود، اور حصول ہیں، یعنی جب کوئی شئی ہوگی تو اس کا ثبوت ہوگا، اسکا وجود اور حصول ہوگا۔ اور جب چیز کے وجود اور حصول کی نفی ہوگی تو اس شئی کی بھی نفی ہو جائے گی اور اگر خبر افعال خاصہ سے ہو تو خصوص وصف کی نفی ہو جائے گی۔ جیسے "لاغلام رجل ظريف فى الدار" اس میں ظرافت کی نفی ہے، غلام کی نفی نہیں ہے۔ بعض کا خیال یہ ہے کہ اس کی خبر ہوتی ہی نہیں، لہذا "لاصلوة......کا معنی انتفت الصلوة" بعض حنفی اور شافعی کہتے ہیں کہ

[1] الأعراف:۲۰۵

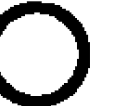
[2] الأعراف:۲۰۴۔

"لاصلوٰۃ" کی خبر افعال عامہ سے بھی ہو سکتی ہے اور افعال خاصہ سے بھی، لہذا لاصلوٰۃ کاملۃ بھی کہہ سکتے ہیں اور لاصلوٰۃ موجودۃ بھی۔ اس میں نفی وجود کا بھی احتمال ہے اور نفی کے ساتھ پھر وجود کے ثبوت کا بھی احتمال ہے۔ اگر کمال کی نفی کی جائے تو وجود کا ثبوت ہو جائے گا اور اگر وجود کی نفی کرو، تو ذات کی نفی ہو جائے گی، جبکہ دونوں احتمال ہیں تو ایک احتمال کو کسی قرینے کے بغیر ترجیح دینا جائز نہیں ہے۔ یہ ابو بکر شافعی کا خیال ہے۔ اس نے دلیل یہ پیش کی ہے کہ خارج کے اندر نماز تو موجود ہوتی ہے لہذا ذات کی نفی نہیں کر سکتے۔ کسی خاص وصف کی نفی ہو گی۔

حافظ رحمہ اللہ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ صلوٰۃ سے شرعی نماز مراد ہے اور خارج میں جو پائی جاتی ہے وہ اس کا حسّی وجود ہوتا ہے، وہ شرعی وجود نہیں ہوتا، جیسے لا صلوٰۃ إلا بطھور میں اگر کامل کا معنی کیا جائے تو یہ مطلب تو نہیں ہے کہ طہور کے بغیر نماز ہو جاتی ہے، دوسرا جواب حافظ نے یہ دیا ہے کہ "لا صلوٰۃ" کی جگہ بعض روایات میں "لاتجزیٔ" بھی آتا ہے ای لا صلوٰۃ مجزئۃ یہ اجزاء کی نفی ہو جائے گی یعنی جو نماز بغیر فاتحہ کے پڑھی ہے اگرچہ اس کا حسّی وجود ہے مگر اس کا شرعی وجود نہیں ہے۔ یعنی شریعت میں اس پر جو نماز فرض تھی اس سے بری الذمہ نہیں ہوا۔



اس حدیث میں "کاملۃ" نکالنا متاخرین حنفیہ نے شروع کیا ہے، ورنہ وہ "لاصلوٰۃ إلّا بطھور" میں یہی کہتے ہیں کہ طہارت کے بغیر نماز منتفی ہوتی ہے۔ یہی معنیٰ حدیثِ عبادہ میں ہونا چاہیئے، ابو بکر کا خیال یہ ہے کہ یہ لفظ مشترک ہے، اس میں صحت کی نفی بھی آجاتی ہے اور کمال کی نفی بھی۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اگر مان لیا جائے کہ دونوں احتمال ہیں تو صحت کی نفی أقرب إلى الحقيقت ہے، کیونکہ نفی صحت، نفی ذات کے قریب ہے، اس لئے کہ نفی صحت میں شیٔ غیر مفید ہو جاتی ہے، اسی طرح نفی ذات میں بھی شیٔ غیر مفید ہو جاتی ہے، جبکہ نفی کمال میں شیٔ کی افادیت باطل نہیں ہوتی، اور اگر حقیقی معنی متعذر ہو تو جو مجازی معنی اقرب ہو وہ مراد لیا جاتا ہے، عینی نے اس کی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ نفی کمال، نفی ذات کے زیادہ قریب ہے، کیونکہ نفی کمال میں نفی بسیط ہے، یعنی ایک چیز کی نفی ہوتی ہے اسی طرح نفی ذات میں بھی ایک چیز کی نفی ہوتی ہے، لیکن نفی صحت میں دو چیزوں کی نفی ہوتی ہے، ایک ذات کی دوسری وصف کی، لہٰذا یہ مرکب نفی ہے، عینی نے یہ بات بنائی ہے، حالانکہ بحث یہ ہے کہ نفی ذات کے زیادہ قریب کونسی سی نفی ہے، یہاں بسیط و مرکب کی بحث نہیں ہو رہی، اور نفی صحت، نفی ذات کے زیادہ قریب ہے، اس کی مثال یہ ہے کہ جیسے کہا جائے زید، عمرو کے علم میں برابر ہے کیوں؟ اس لئے کہ دونوں نے سند ایک ہی مرکز سے لی ہے۔ یہ بات تو درست ہے، لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ زید اور عمرو برابر نہیں ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ زید کی بیس ایکڑ زمین ہے، عمرو کی دس ایکڑ زمین ہے یہ غلط ہے، اسی طرح یہاں بسیط اور مرکب کی بحث نہیں ہو رہی، بلکہ نفی ذات کے اقرب کی بحث ہو رہی ہے، کہ نفی صحت اقرب ہے نفی ذات کے، یا نفی کمال اقرب ہے، حالانکہ افادیت کا فقدان نفی صحت میں ہوتا ہے، نفی کمال میں فقدان نہیں ہوتا، جیسا کہ کہا جاتا ہے "الناقص كالمعدوم" یعنی فلاں چیز میں اتنا نقصان آیا ہے کہ وہ کسی کام کی نہیں رہی، گویا کہ وہ معدوم ہے، احناف نے اس مسئلہ کو سمجھا نہیں ہے، اور "کاملۃ" نکالنے کی بحث شروع کر دی







ہے۔

ایک حدیث میں "لا تجزئ"[1] آتا ہے، مولوی محمود الحسن نے اس کا معنیٰ یہ کیا ہے کہ اِجزاء بھی دو قسم کا ہوتا ہے ایک کامل، دوسرا ناقص، یہاں مراد یہ ہے کہ اِجزاء، کامل نہیں ہے مگر فاتحہ کے ساتھ، اس کا جواب یہ ہے کہ اس پر حرف نفی آیا ہے اور در حقیقت نفی کا تعلق ذات سے ہوتا ہے، مثلاً اگر کوئی شخص یہ کہے "لم یضرب زیدٌ" تو اس میں ضَرب کی نفی کرنا مقصود ہے، نفی کمال مراد نہیں ہے کہ اُس نے ضربِ شدید نہیں کی، یہ مجاز ہے، اور حقیقت مقدم ہوتی ہے مجاز سے، لا تجزی میں اِجزاء پر نفی آئی ہے لہذا اِجزاء کی حقیقت کی نفی ہو گی، اِجزاء کامل کی نفی کرنا مجاز ہے۔ اور یہ لوگ اس پر اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں اس میں یہ لفظ آتے ہیں "ما أجزءَ منّا الیوم أحدٌ کما أجزأ فلانٌ"[2] یعنی جس طرح ہم سے فلاں نے کفایت کی ہے اس طرح کسی نے کفایت نہیں کی، حالانکہ کفایت سب نے کی ہے کیونکہ جہاد اور لڑائی سب نے کی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ باقیوں سے اِجزاءِ کامل کی نفی ہے، فیض الباری میں لکھا ہے کہ مولوی محمود الحسن جب اس مقام پر آتے اور یہ دلیل ذکر کرتے تو وہ جھومتے تھے، حالانکہ یہ دلیل کچھ بھی نہیں، یہ لوگ سمجھدار تو تھے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ تقلید کی وجہ سے ایسا کرتے ہوں گے، انہوں نے اس مقام پر یہ نہیں سوچا کہ اس حدیث میں "ما أجزأ منّا الیوم أحدٌ"[3] کا جملہ "کما أجزءَ فلانٌ" سے مقید ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جب نفی فعل کے بعد قید آجائے تو نفی قید کی طرف لوٹا کرتی ہے، جیسے کہا جائے "لم یضرب زیدٌ ضرباً شدیدًا" تو یہاں ضربِ شدید کی نفی مقصود ہے، ضرب کی نفی کرنا مراد نہیں ہے، ایسے مذکورہ حدیث کے جملہ میں نفی "کما أجزأ فلانٌ" کی طرف لوٹتی ہے، مطلق اِجزاء کی نفی مراد نہیں ہے، جبکہ حدیث "لا تجزئُ صلوٰۃ" میں کوئی قید نہیں ہے، جبکہ پہلی حدیث مقید ہے اور دوسری مطلق ہے، تو ایک کا حکم دوسری حدیث کی طرح نہیں ہے۔ لہٰذا جھومنے کا کیا فائدہ؟

انور شاہ نے کہا ہے کہ "لا صلوٰۃ" میں "کاملۃ" محذوف نہیں نکالنا چاہیئے کیونکہ یہ ہمارے خلاف پڑتا ہے، اصل میں "ابن الہمام" نے پہلے اس غلطی کو محسوس کیا ہے، وہ کہتا ہے کہ کاملۃ نکالنے سے اگرچہ شافعیوں کو بھی نقصان پہنچے گا لیکن حنفیوں کا بھی کچھ نہیں بچے گا، اس لئے اس حدیث میں "کاملۃ" نہ نکالیں کیونکہ کمال کی نفی تو سنت کی نفی سے بھی ہو جاتی ہے۔

دراصل احناف کے نزدیک ایک فرض ہوتا ہے اور ایک واجب ہوتا ہے، اسی طرح ایک حرام ہوتا ہے اور ایک مکروہ۔ دوسرے ائمہ یعنی مالکیوں اور شافعیوں کے نزدیک ایک فرض ہوتا ہے اور ایک سنت۔ محدثین اور اہل ظاہر بھی اسی کے قائل ہیں۔ حنابلہ واجب کے قائل ہیں لیکن حنفیوں کی طرح واجب کے قائل نہیں ہیں، احناف کی اصطلاح

---

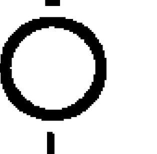
1. صحیح ابن خزیمہ ۴۹۰ ج ۱ ص ۲۴۸، (صحیح)۔
2. بخاری ۲۸۹۸ ج ۴ ص ۳۷
3. صحیح بخاری ۲۸۹۸ ج ۴ ص ۳۷

کے مطابق ایک "صیغہ" ہوتا ہے اور ایک ہے اس کا "ثبوت" اور صیغہ کی دو قسمیں ہیں، ایک قطعی الإثبات اور دوسرا ظنّی الاثبات، اور سند کی بھی دو قسمیں ہیں، ظنّی الثبوت اور قطعی الثبوت۔ اگر سند تواتر سے آئی ہو تو اس کا ثبوت قطعی ہوگا، اور اگر خبر واحد ہو تو ظنّی ہوگی۔ ان کی رائے میں اگر کوئی دلیل صیغے اور سند کے لحاظ سے قطعی ہو یعنی قطعی الثبوت اور قطعی الإثبات ہو تو ایسی دلیل سے فرضِ اعتقادی ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ قرآن کریم میں "أقیموا الصلوٰۃ" آیا ہے اور قرآن کریم متواتر ہے، لہٰذا یہ قطعی الثبوت ہوا، اور یہ صیغہ بھی امر کا ہے جو الزام حتمی کو چاہتا ہے، اس لئے قطعی الإثبات ہوا، اس سے فرضِ قطعی ثابت ہوتا ہے جسکا منکر کافر ہو جاتا ہے۔

اور اگر صیغہ قطعی الإثبات اور ظنّی الثبوت ہو تو اس سے واجب ثابت ہوتا ہے۔ یعنی فرض اور واجب کے صیغہ میں احناف کے نزدیک کوئی فرق نہیں ہے، اگر صیغہ لزوم حتمی کا مقتضی ہو تو اس کی سند کو دیکھا جائے گا، اگر سند قطعی ہو تو فرض ہوگا اور اگر اس کی سند ظنّی ہو تو اس سے واجب ثابت ہوگا، گویا فرض اور واجب میں سند کا فرق ہوتا ہے، لیکن صیغہ میں کوئی فرق نہیں ہوتا، دونوں جگہ ایک ہی ہوتا ہے، اس لئے احناف کہتے ہیں کہ "لاصلوٰۃ" میں "کاملۃ" نکالنے سے فاتحہ واجب بھی نہیں رہے گی کیونکہ اس طرح صیغہ قطعی الإثبات نہیں رہا، بلکہ ظنّی الإثبات ہو گیا ہے جس سے فاتحہ سنت بن جائے گی، یہ بات ان لوگوں کے لئے مفید ہوگی جو سورۃ فاتحہ پڑھنے کو سنت کہتے ہیں، حنفی تو فاتحہ کو واجب کہتے ہیں ان کے لئے کاملۃ نکالنا مفید نہیں ہے، اس لئے انورشاہ نے کہا ہے کہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام اور منفرد کے لئے فاتحہ پڑھنا واجب ہے، جیسا کہ ہدایہ والے نے کہا ہے کہ منفرد اور امام کے لئے فاتحہ واجب ہونے کی دلیل حدیث "لا صلوٰۃ إلا بفاتحۃ الکتاب" ہے۔ اور کہا ہے کہ فاتحہ فرض نہیں کیونکہ یہ حدیث خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنّی الثبوت ہے، حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ کے ہاں یہ حدیث متواتر ہے، ائمہ ثلاثہ امام اور منفرد کے لئے فاتحہ کو فرض مانتے ہیں جبکہ امام شافعی مقتدی کے لئے بھی فرض مانتے ہیں۔ یہاں بحث مقتدی کی نہیں بلکہ حقیقت کی ہے کہ کیا فاتحہ فرض ہے یا واجب؟ دیگر ائمہ کی اصطلاح میں صیغہ اگر قطعی الإثبات ہو تو وہ چیز فرض ہوگی، فرض کی دو قسمیں ہیں، اگر اس کی سند ظنّی ہو تو اسے فرض ظنّی سمجھیں گے، اور اگر سند متواتر اور قطعی ہو تو اسے فرض قطعی کہیں گے، فرض قطعی کا منکر کافر ہوتا ہے جبکہ فرض ظنّی کا منکر کافر نہیں ہوتا ویسے دونوں کے ترک کرنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے لیکن اتنا فرق ضرور ہے کہ ایک کا بطلان قطعی ہے اور دوسرے کا بطلان ظنّی ہے، ان کے نزدیک فرض کی تعریف "ماثبت بدلیل قطعی لا شبھۃ فیہ" نہیں ہے، بلکہ ان کے ہاں فرض کی تعریف یہ ہے "عبارۃٌ عن مقدرٍ من اللہ تعالیٰ لا یحتمل الزیادۃ والنقصان" ایسی معین شئ جسے شریعت نے مقرر کر دیا ہے اس میں کمی، بیشی نہیں ہوسکتی، اس کا نام فرض ہے۔

جب صیغہ قطعی الثبوت اور ظنّی الإثبات ہو تو اس سے فرض عملی ثابت ہوتا ہے، جیسا کہ احناف کے نزدیک مسح میں رُبع رَاس فرض ہے، اسکی دلیل "وامسحوا برؤسکم" قطعی الثبوت ہے لیکن ربع کا تعین محض آیت کریمہ سے نہیں ہوتا بلکہ "وامسحوا برؤسکم" میں "با" آئی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض سر کا مسح کرنا مراد ہے، بعض







چونکہ مجہول ہے اس کی تفصیل حدیث سے ہو جاتی ہے، لہٰذا اس بعض سے مراد رُبع ہے، گویا مبہم کی تفسیر خبر واحد سے ہو سکتی ہے لیکن تقیید و تخصیص خبر واحد سے نہیں ہو سکتی، اس لئے مسح ربع رأس فرض عملی ہے، فرض اعتقادی نہیں ہے۔

اگر صیغہ ظنّی الثبوت اور ظنّی الإثبات ہو تو اس سے سنت ثابت ہوتی ہے، احناف کی کتابوں میں موجود ہے کہ اگر دلیل، کف کو چاہے تو تحریم پیدا ہو جائے گی، فعل کو چاہے تو فرضیت پیدا ہو جائے گی اور اگر دلیل قطعی الإثبات کے ساتھ ظنّی الثبوت ہے تو وہاں فعل کی صورت میں وجوب پیدا ہو گا، اور نہی کی صورت میں کراہت تحریمی پیدا ہو گی۔

حدیث "لا صلوٰة إلا بفاتحة الکتاب" میں کاملة کہہ کر اسے ظنّی الإثبات بنا دینا حنفی مذہب کے بھی خلاف ہے، کیونکہ ان کے ہاں یہ حقیقتِ واجبہ نہیں رہے گی، جبکہ یہ فاتحہ کو واجب کہتے ہیں، ویسے ان کی یہ اصطلاح غلط ہے کیونکہ اس پر انہوں نے جو نتیجہ مرتب کیا ہے اس لحاظ سے یہ صحیح نہیں ہے، اور نتیجہ یہ مرتب کیا ہے کہ واجب کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہوتی ہے باطل نہیں ہوتی، حالانکہ یہ صیغہ قطعی الإثبات تھا گویا انہوں نے ثبوت کے ظنّی ہونے سے اس کا درجہ گرا دیا ہے، اس کا مطلب اپنی کتابوں میں یہ لیتے ہیں کہ جن چیزوں کو ہم واجب کہتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ پر فرض تھیں اور اس کے چھوڑنے سے نماز باطل ہوتی تھی اور صحابہ کرام نے اس دلیل کو نبی علیہ الصلوٰة والسلام سے سنا تھا، وہ دلیل بھی قطعی الثبوت ہو گی، اور اس چیز کے چھوڑنے سے ان کے لئے بھی نماز کے بطلان کا باعث بنے گی، بعد میں جب اس دلیل کے ساتھ ایک، دو راوی آ گئے، تو ظنّی الثبوت ہونے کی وجہ سے اب نماز ہونے لگ گئی ہے، یہ اس میں نقص پایا جاتا ہے، امام احمد بن حنبل واجب اصلی کے قائل ہیں ان کے نزدیک نماز میں جو چیزیں ہم پر واجب ہیں وہ نبی علیہ السلام اور صحابہ کرام پر بھی واجب تھیں، برخلاف احناف کے، وہ کہتے ہیں کہ نبی علیہ السلام اور صحابہ پر تو وہ چیز فرض تھی لیکن ہم پر واجب ہو گئی ہے، یعنی ان کی نماز اس کے بغیر نہیں ہوتی تھی، اور ہماری نماز اس کے بغیر ہونے لگ گئی ہے، اس میں یہ خرابی ہے کیونکہ اس میں نسخ بلا ناسخ پایا جاتا ہے، اور یہ اصولی طور پر ایسی غلطی ہے جو سارے مذہب پر پانی پھیر دیتی ہے، کیونکہ مذہب کی بنیاد ہی اس پر رکھی گئی ہے کہ فلاں چیزیں واجب ہوں گی اور فلاں فرض ہوں گی، لہٰذا انہوں نے نماز کے فرائض کم بنائے جو چار ہیں، جبکہ دیگر ائمہ نے فرائض پندرہ کے قریب بنائے ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے دلیل کے صیغہ کو دیکھا ہے، انور شاہ یہاں تو یہ بات سمجھ گیا ہے لیکن جب حدیث "من صلیٰ صلوٰة لم یقرأ فیها بأم القرآن فهي خِداجٌ ثَلاثًا غیر تمام"[1] آئی تو کہا کہ شریعت نے جو نماز کی نفی کی ہے وہ فاتحہ وما زاد مجموعہ کی نفی سے کی ہے، فاتحہ وما زاد ایک ہی چیز ہے، صرف فاتحہ کی نفی سے نماز ناقص ہو گی، باطل نہیں ہو گی، کیونکہ خداج کا معنیٰ نقصان کا ہے، اس کے بعد یہ نقصان وصفی ہے یا ذاتی، یہ دونوں احتمال پائے جاتے ہیں، ابن عبد البر نے کہا ہے کہ جب کہا جائے کہ شئ ناقص ہے تو اس سے نقصان ذاتی مراد ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ ساتھ "غیر تمام" بھی آیا ہو تو نقصان ذاتی مراد ہو گا۔

مولوی عبد الحیٔ نے بھی لکھا ہے کہ یہاں "کاملة" کی بحث نہیں کرنی چاہیئے بلکہ اسی بات پر اکتفا کرنا چاہیئے کہ

---

[1] مسلم: ۳۸۱، ۳۹۵ ج ۱ ص ۲۹۶، القراءة خلف الإمام ۴۴ ج ۱ ص ۲۱

دلیل قطعی الاثبات اور ظنی الثبوت ہے لہٰذا اس سے جو چیز ثابت ہوگی وہ واجب ہوگی، حالانکہ یہ بات اس حدیث پر صادق آتی ہے کہ فاتحہ حنفی مذہب میں امام اور منفرد پر واجب ہے اور اس حدیث میں اگر خداج سے نقصان وصفی مراد لیا جائے تو فاتحہ واجب کیسے ہوسکتی ہے؟ یہاں یہ بات مولوی عبدالحیؒ کو بھی سمجھ نہیں آئی۔

اور یہ عجیب بات ہے کہ احمد رضا خان بریلوی نے بھی لکھا ہے کہ "لاصلوٰۃ" کے بعد "کاملۃ" نہیں نکالنا چاہیئے۔ کیونکہ "کاملۃ" نکالیں گے تو سورۃ فاتحہ کا پڑھنا واجب نہیں رہے گا حالانکہ ہمارا مذہب یہ ہے کہ فاتحہ واجب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ بحث یہاں مذہب سے غافل ہونے کی بنا پر کی گئی ہے۔ جبکہ واجب کے لئے صیغہ قطعی الاثبات ہونا چاہیئے تو صیغہ میں بحث نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ صیغہ کا تقاضا یہ ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی۔ احناف کے نزدیک بغیر فاتحہ کے نماز ہوجاتی ہے۔ اس لئے وہ کہتے ہیں کہ صیغے کو اپنے اصل سے پھیرنا چاہیئے۔ مولانا عبدالحیؒ نے بھی کہا ہے کہ صیغہ کو پھیرنا چاہیئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ جب صیغہ کو اپنے اصل سے پھیر دیا جائے گا تو یہ اصول تو غلط ہوجائے گا کہ قطعی الاثبات اور ظنی الثبوت صیغے سے واجب ثابت ہوتا ہے۔ بحرالعلوم نے بھی یہ بحث شروع کردی ہے حالانکہ سمجھدار آدمی ہے۔ صرف ابن الہمام کو یہ بات سمجھ آئی ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ ٹھیک ہے کہ "کاملۃ" نہیں نکالنا چاہیئے۔ لیکن ہمارا مذہب یہ ہے کہ نماز ناقص ہوتی ہے باطل نہیں ہوتی۔ یہ عجیب بات ہے یعنی جب صیغے کو دیکھتے ہیں تو سمجھتے ہیں کہ ہمارا مذہب غلط ہے۔ کیونکہ صیغہ چاہتا ہے کہ نماز نہیں ہوتی۔ اور یہ لوگ اس کے برعکس کہتے ہیں کہ ہوجاتی ہے۔ انور شاہ کہتا ہے کہ الناقص کالمعدوم، ناقص چیز معدوم کی مانند ہوتی ہے۔ اس لئے "لاصلوٰۃ" کہا گیا ہے۔ ویسے اس سے مراد ذات کی نفی نہیں ہے۔ بات تو وہی بن گئی کہ کمال کی نفی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ انہوں نے کاملۃ الگ خبر نکال کر کمال کی نفی مراد لی ہے اور یہ لوگ صلوٰۃ کے اندر ہی کمال لے آئے۔ اور لاصلوٰۃ کہنے سے کامل نماز کی نفی ہوگئی۔ حالانکہ اسکا پہلی بات سے کوئی فرق نہیں ہے۔ انہوں نے کاملۃ باہر نکالا تھا۔ انہوں نے اندر ہی داخل کرلیا۔ اس طرح ان کا سارا مذہب متاثر ہوگیا اور انہوں نے جتنے واجبات بنائے تھے سب فضول ہوگئے۔ کیونکہ ان کے نزدیک حکم یہ ہے کہ فاتحہ کے چھوڑنے سے نماز ناقص ہوتی ہے باطل نہیں ہوتی۔ جبکہ صیغہ کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے بغیر نماز باطل ہوتی ہے۔ اس کا ان کے سارے مذہب پر اثر پڑتا ہے۔



حنابلہ کی بات اس سے مختلف ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جسے ہم واجب کہتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام پر بھی واجب تھا۔ یہ نہیں کہ ان پر فرض ہو اور ہم پر واجب بن جائے۔ اور واجب و فرض میں فرق یہ کرتے ہیں کہ فرض چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے اور واجب کو اگر عمداً چھوڑے تو نماز باطل ہوتی ہے اور گر سہواً چھوڑے تو سجدہ سہو سے جبر ہوجاتا ہے۔ انہوں نے اس قدر فرق کیا ہے۔

دیگر ائمہ تو واجب کے قائل ہی نہیں ہیں۔ ان کے ہاں نماز میں سہو آسکتا ہے۔ شوافع کے ہاں ذرا مشکل ہے۔ کیونکہ ان کے نزدیک نماز کے دو حصے ہیں۔ ایک فرض دوسرا سنّت۔ سُنّت چھوڑنے سے سجدہ سہو آتا ہی نہیں ہے۔



اورفرض چھوڑنے سے نماز باطل ہوجاتی ہے۔ توسجدہ سہو کہاں آئے گا؟انہوں نے پھر سُنّت کے دو حصے کر دیئے۔ ایک ابعاضِ نماز کی سنتیں ہیں اور ایک غیر ابعاض، ان کے ہاں ابعاض نماز کی سنتوں کو چھوڑنے سے سجدہ سہو آتا ہے۔اور وہ دو ہیں ایک دعاءِ قنوت اور دوسری تشہّد۔ یہ سنتیں ابعاضِ نماز ہیں۔ان کے چھوڑنے سے سجدہ سہو آئیگا ان کے علاوہ سے نہیں آئیگا۔ احناف نے یہ قاعدہ بنالیا کہ واجبات کو عمداً چھوڑے تواعادہ ضروری ہے اور اگر سہواً چھوڑے توسجدہ سہو سے جَبر ہوجائے گا۔ ابن حزم نے ان سب مذاہب کودیکھ کر یہ فیصلہ کرلیا کہ فرض اور سُنّت دو ہی چیزیں ہیں۔ اگر فرض عمداً چھوڑے تونماز باطل ہوگی اور اگر سہواً چھوڑے توسجدہ سہو سے جَبر ہوجائیگا۔ اس نے اسے اختیار کیا ہے اور دیگر مذاہب کا یہ کہہ کر رد کر دیا کہ ان کا نہ کوئی صحابی قائل ہے نہ ہی تابعی نہ عقل اسے چاہتی ہے نہ نقل، یہ بحث "لاصلوٰۃ" کی خبر کے بارہ میں تھی۔ اس کے بعد انہوں نے "لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب" میں "مَنْ" کی بحث شروع کر دی "من" عام بھی ہوتا ہے اور خاص بھی ہوتا ہے لہٰذ ہو سکتا ہے کہ اس حدیث میں "من" خاص ہو اور اس سے امام اور منفرد مراد ہو۔ لیکن نور الأنوار میں ہے کہ "مَنْ" اور "مَا" دونوں عموم کے لئے وضع کیے گئے ہیں۔ اور کبھی ان کا استعمال قرائن کی بناپر خاص معنٰی پر بھی آجاتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مَنْ کی حقیقت عموم ہی ہے۔ خصوص توقرائن کی بنا پر ہوتا ہے جیسے قرآن کریم میں ہے۔ "ءَأَمِنتُم مَن فِي السَّمَاءِ أَن يَخْسِفَ بِكُمُ الْأَرْضَ [1]" اس میں خسف کا ذکر ہے جو اللہ تعالی کی صفت ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں "مَنْ" سے مراد اللہ تعالی کی ذات ہے۔ اصل معنٰی اسکا عموم ہی ہے۔

بعض علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔ لیکن اس سے مقتدی کا استدلال درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں مقتدی کالفظ نہیں ہے۔ اور نہ ہی خلف الإمام کالفظ ہے۔ لہٰذا حدیث عام ہے اور دعویٰ خاص ہے۔ اور عام سے خاص پر استدلال نہیں کیا جاسکتا۔ میں نے اس پر بحث کرتے ہوئے کہا کہ حنفی مذہب میں بھی عام، خاص کی طرح ہوتا ہے اور اسکا شمول جمیع افراد کے لئے قطعی ہوتا ہے۔ صرف شافعی کہتے ہیں شمول ظنّی ہوتا ہے لیکن حجت دونوں مانتے ہیں۔ اگر کہا جائے کہ اس میں خلف الإمام کالفظ نہیں ہے۔ لہٰذا اس میں مقتدی داخل نہیں ہے۔ پھر تواس میں امام اور منفرد کالفظ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا یہ بھی داخل نہ ہوئے۔ اس طرح تو یہ حدیث ہی بے فائدہ ہو جاتی ہے۔

"فصاعدًا" کے بارہ میں بحث گزر چکی ہے کہ اس لفظ میں "أوْ" کا معنٰی ہوتا ہے۔ دراصل "صاعد" کالفظ کل ہے اور فاتحہ خلف الإمام اسکا جزء ہے۔ گویا کل اور جزء کا مقابلہ ہے اور نماز کی صحت کے لئے أحد الأمرین کا ہونا ضروری ہے۔ جیسا کہ امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اسکا معنٰی ہے "لاصلوٰۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب أوْ لِمَن لَّم یقرء بفاتحۃ الکتاب وزِیَادۃ" خواہ یہ خبر ہو یا انشاء دونوں صورتوں میں یہی معنٰی ہے۔ انشاء کی مثال جیسے کہا جائے "بِعْ هٰذَا الْكِتَابَ بدرهم فصَاعِدًا" یہ کتاب ایک درہم یازیادہ کے بدلے بیچ دے۔ اس صورت میں وکیل کواختیار ہوگا خواہ وہ کتاب ایک درہم میں بیچ دے یا ایک درہم سے زائد کے بدلہ میں بیچ دے۔ اگر ایک درہم

[1] الملک:۱۶

میں بیچ دے تو اس پر اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اور اگر کہا جائے "بِعتُهٗ بدرهمٍ فصاعِدًا" تو یہ خبر کی صورت ہوگی۔ یعنی میں نے اس ریوڑ کو بیچا ہے کوئی بکری ایک درہم کی بیچی ہے کوئی زیادہ کی۔ یہ تقسیم ہوجائے گی۔ اسکا یہ معنیٰ نہیں کیا جائیگا کہ میں نے ساری بکریاں ایک درہم سے زائد میں بیچی ہیں۔ افراد پر تقسیم کے ساتھ معنیٰ ہوگا کہ بعض ایک درہم کی بعض زیادہ کے ساتھ بیچی ہیں۔ یہاں انورشاہ کو غلطی لگی ہے اس نے سمجھ لیا ہے کہ تقسیم اَجزاء پر ہے۔ اور اس نے کہا ہے کہ بعتهٗ بدرهم فصاعدًا اس وقت کہتے ہیں جب شیٔ ذی اَجزاء ہو۔ اور اس کے بعض اَجزاء کو درہم میں فروخت کیا جائے اور بعض کو زیادہ سے۔ حالانکہ رضی جسکی یہ عبارت ہے اسکا مقصود دراصل یہ نہیں ہے بلکہ فروخت کے وقت ہر بکری الگ الگ فروخت ہوئی ہے۔ کوئی بکری یہاں بکی ہے کوئی وہاں، مبیع کے اَجزاء مراد نہیں ہیں۔ یہ معنیٰ نہیں کہ بکری کی ایک ٹانگ ایک درہم میں بکی ہے اور دوسری ٹانگ درہم سے زیادہ میں بکی ہے۔ اس نے سمجھ لیا ہے کہ تقسیم اَجزاء پر ہے۔ فصاعدًا والی حدیث میں اس کے ہاں معنیٰ یہ ہوگا کہ بعض نماز میں فاتحہ پڑھی جاتی ہے اور بعض میں فاتحہ اور سورت پڑھی جاتی ہے۔ حالانکہ اگر ایسا ہوتا تو پچھلی رکعتوں میں فاتحہ سے زائد پڑھنا چاہیے۔ کیونکہ فصاعدًا کی فا کا یہی تقاضا ہے کہ پہلی رکعتوں میں فاتحہ ہونی چاہیئے اور پچھلی رکعتوں میں فاتحہ اور زائد ہونا چاہیئے۔ دراصل تقسیم افراد پر ہے۔ کہ امام اور منفرد فاتحہ وما زاد پڑھتے ہیں۔ اور مقتدی جہری نماز میں صرف فاتحہ پڑھتا ہے۔ یا مقتدی کے دو اعتبار ہیں۔ ایک جہری نماز کا اور ایک سرّی کا۔ جہری میں وہ صرف فاتحہ پڑھتا ہے زیادہ کی اجازت نہیں ہے۔ اور سری میں دونوں پڑھتا ہے۔ اس طرح بھی تقسیم ہوسکتی ہے۔ بہرحال یہ تقسیم نمازوں کے افراد پر ہے۔ نمازوں کے اجزاء پر تقسیم نہیں ہے۔

حدیث مذکور میں اس بارہ میں اختلاف ہے کہ اسے اَمر بنایا جائے یا خبر۔ حافظ نے نہی کی صورت بنائی ہے أی لا تُصَلُّوا إلّا بفاتحة الكتاب فصاعِدًا۔ یعنی لاتصلُّوا إلّا بأحدِ الأمرین۔ اس طرح فا تخییر کیلئے ہوگی۔

مولانا عبدالحیؒ نے بھی کہا ہے کہ دلائل کچھ کرنے نہیں دیتے۔ ادھر حضرت عبادہ بن صامت کی حدیث ہے جو وجوبِ فاتحہ پر دلالت کرتی ہے اور ہمارے پاس بھی اس کے خلاف حدیث "قراءة الإمام لهٗ قراءة" ہے اور سکتے کرنا امام پر فرض نہیں ہیں۔ اگر واجب ہوتے تو کام آسان تھا جب سکتوں کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے تو پڑھنا سنت ہونا چاہیئے۔ حالانکہ سلف کا دستور تھا کہ جب وہ فاتحہ پڑھتے تو سکتے کرتے تھے۔ الفقہ علی المذاہب الأربعۃ میں تو یہ چاروں اماموں کا مذہب لکھا ہے اگر امام سکتے نہ کرے تو اس کے آیت کی تطویل میں پڑھا جاسکتا ہے۔ مولوی عبدالحی نے یہاں تک تو مانا ہے کہ جب ان سکتوں میں مقطعًا تم ثناء پڑھنے کے قائل ہو تو سورۃ فاتحہ بھی ان میں پڑھی جاسکتی ہے۔

حدیث "لا صلوٰة إلا بفاتحة الكتاب" کو ہدایہ والے نے خبر واحد کہا ہے۔ جبکہ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں "قد تواتر عن رسول الله ﷺ أنه قال لا صلاة إلا بفاتحة الكتاب" یعنی یہ متواتر حدیث ہے، اور اگر کوئی شخص متواتر نہ بھی مانے تو مشہور سے کم نہیں ہے۔ اور احناف کے نزدیک حدیث مشہور سے قرآن کریم کی آیت کی تخصیص اور تقیید جائز ہے۔ اگر قرآن کی آیت کو عام لیا جائے تو حدیث اس کی مخصص ہوجائے گی۔ رازی نے تخصیص پر

ہی زیادہ زور دیا ہے۔ بعض علماء نے کہا ہے کہ تخصیص نہیں بلکہ "أنصتوا" میں انصات۔ قراءۃ فی السرّ کے منافی نہیں ہے۔ جیسے امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ حدیث میں آتا ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں "كان رسول الله ﷺ يسكت بين التكبير و بين القراءة إسكاتة فقلت بابى أنت و أمي يا رسول الله ﷺ :اسكاتك بين التكبير و بين القراءة ماتقول ؟ قال أقول اللهم باعد بيني و بين خطاياى[1] ...." اس سے استدلال کیا ہے کہ انصات کا لفظ قراءت فی السرّ کے منافی نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ انصات کا معنی قراءت فی السرّ ہے جیسا کہ مولوی صفدر نے سمجھا ہے اور کہا کہ اسکا معنی قراءت فی السر نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ بیہقی نے یہ نہیں کہا انہوں نے تو کہا ہے کہ انصات قراءت فی السرّ کے منافی نہیں ہے۔ گویا امام بیہقی رحمہ اللہ کا مطلب یہ ہے کہ اسکات کا اطلاق ترکِ جہر پر بھی ہو جاتا ہے۔

۲۔ قراءت خلف الإمام کے بارہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث مسلم میں ہے "قال رسول الله ﷺ من صلي صلوٰة لم يقرء فيها بأم القران فهي خداج. ثلاثًا. غير تمام فقيل لأبى هريرة انانكون وراء الإمام قال : اقرءبها فى نفسك فإني سمعت رسول الله ﷺ يقول، قال الله تعالي :قسمت الصلوٰة بيني و بين عبدى نصفين ولعبدى ماسأل فاذا قال العبد الحمد لله رب العالمين[2] ...."

یہ مسلم کی حدیث ہے مؤطا امام مالک وغیرہ میں بھی ہے۔ حنفی اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کی سند میں علاء بن عبدالرحمن ہے اسے بعض نے ضعیف کہا ہے بعض نے کہا ہے "ليس بحجة" بعض نے لَيْسَ بالقوىّ کہا ہے۔ لیکن یہ ساری جرحیں غیر مفسّر ہیں جبکہ دوسری طرف اس کی توثیق کی گئی ہے حافظ ابن حجر فرماتے ہیں "علاء بن عبدالرحمن صدوق" التقریب۔ علامہ ذہبی کہتے ہیں "صدُوق مشهورٌ" امام احمد کہتے ہیں "ثقة لم أسمعْ من يذكره بِسُوءٍ" یعنی ثقہ ہے میں نے کسی سے نہیں سنا جو اس کی برائی کرتا ہو۔ و قال يحييٰ: لَيْسَ به بَأْسٌ "اس میں کوئی خرابی نہیں ہے" میزان ۲ / ۲۱۲۔ اور اس کے بارہ میں جرح مفسر نہیں ہے محدثین اور اصول فقہ والوں کے ہاں اس قسم کی جرح مقبول نہیں ہوتی "والطعن المبهم من ائمة الحديث لايجرح الراوى عندنا" نور الأنوار ص ۱۹۲، اور امام مسلم نے اپنی صحیح میں اس سے استشہاد کیا ہے لہٰذا ان کے ہاں بھی یہ راوی ثقہ ہے۔ اور امت نے مسلم کی ان روایات کو جن پر تنقید ہوئی ہے صحیح تسلیم کیا ہے اس لئے یہ حدیث بالاجماع صحیح ہوئی۔ اور علاء بن عبدالرحمن بالاتفاق ثقہ ہوئے اور پہلا اختلاف پچھلے اجماع سے معدوم ہو گیا۔

دوسرا اعتراض یہ کرتے ہیں کہ دوسرے راوی نے اس حدیث کو استثناء کے ساتھ یوں روایت کیا ہے "مَنْ صليّٰ صلوٰة لم يقرء فيها بأمّ القران فهي خداج خداج خداج إلا صلوٰة خلف الإمام" امام بیہقی فرماتے

---

[1] صحیح بخاری ۷۴۴ ج ۱ ص ۱۴۹۔

[2] مسلم ۳۹۵ ج ۱ ص ۲۹۶۔

ہیں کہ ابوبکر بن اسحٰق نے کہا ہے کہ اس روایت میں نظر ہے۔ اور جن لوگوں کو فنِ حدیث کی معرفت ہے وہ اسے صحیح نہیں سمجھتے۔ امام ابوبکر کی رائے میں اس حدیث میں خالد نے غلطی کی ہے اور اس نے حدیث کا متن بدل دیا ہے۔ متن اصل میں یوں تھا۔ راوی کہتا ہے حدیث کے لفظ یہ تھے کہ جس نماز میں فاتحہ نہ پڑھی جائے وہ مُردہ ہے میں نے کہا کہ اگرچہ میں امام کے پیچھے ہوں تو اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس وقت فاتحہ آہستہ پڑھ۔ امام بیہقی کہتے ہیں کہ ابوعبداللہ نے کہا کہ ہمارے استاد ابوبکر کو اس حدیث کی علت معلوم ہوگئی۔ مگر اس وہم کی نسبت خالد کی طرف صحیح نہیں ہے بلکہ میرے نزدیک یہ وہم عبدالرحمن بن اسحٰق کا ہے۔ اور یحییٰ بن معین نے عبدالرحمن بن اسحاق کو ضعیف کہا ہے۔ امام احمد نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا مسلک فاتحہ خلف الإمام کے بارہ میں مشہور ہے۔ جس میں کسی قسم کے التباس کی گنجائش نہیں ہے۔ اور یہاں جرح دراصل اس استثناء کے شاذ ہونے کی بنا پر ہے۔ اور شذوذ میں دوسرے شواہد سے حدیث کو ضعیف کہا جاسکتا ہے اگرچہ وہ حقیقت میں ثقہ ہوں مگر دوسرے راوی جن کی اس نے مخالفت کی ہے وہ اس سے اوثق ہوں یا تعداد میں زیادہ ہوں۔ لہٰذا استثناء والی روایت مندرجہ ذیل وجوہ کی بنا پر ضعیف ہے۔ ۱: کیونکہ یہ شاذ ہے اور یہ استثناء عبدالرحمن بن اسحاق کی غلطی ہے۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے فتویٰ کے یہ استثناء خلاف ہے۔ ۳۔ یہ استثناء حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کئے جانے والے سوال کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ سائل نے تو یہ سوال کیا تھا کہ اگر میں امام کے پیچھے ہوں تو کیا کروں تو انہوں نے کہا آہستہ پڑھا کر۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں یہ استثناء نہیں ہے۔ ۴۔ دیگر احادیث جو خداج کے لفظ سے آئی ہیں ان میں سے کسی میں یہ استثناء موجود نہیں ہے۔



۳۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حدیث میں کل کا لفظ آتا ہے۔ جزء القراءۃ میں ہے "کل صلوٰۃ لایقرء فیھا فھي خداج[1]" اس میں کل کا لفظ امام، منفرد اور مقتدی سب کی نماز کو شامل ہے لیکن جو لوگ مقتدی پر قراءت کے قائل نہیں ہیں وہ کہتے ہیں کہ لفظ "کل" کبھی "بعض" کے لئے آجاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا گیا "فخذ أربعةً من الطیر فصُرھُنّ إلیك ثم اجعل علی کُلِّ جبلٍ منھن جزءًا[2]" ......ان کا کہنا ہے کہ یہاں "کُل" سے ساری زمین کے تمام پہاڑ مراد نہیں ہیں بلکہ بعض پہاڑ مراد ہیں جو ان کے سامنے تھے۔ حالانکہ کل کا عموم موقع ومحل کے مطابق ہوتا ہے اور عقلی یا نقلی قرائن کی بنا پر وہاں استثناء ہوتی ہے جیسے "ان اللہ علی کل قدیر[3]" سے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی ذات مستثنیٰ ہے مگر حدیث مذکور کا ظاہر یہی ہے کہ اس میں ہر نماز داخل ہے خواہ امام کی ہو یا مقتدی کی یا منفرد کی نماز ہو۔ فرضی ہو یا نفلی۔ اس کی حقیقت یہی ہے ہاں اگر کوئی مخصص یا قرینہ صارفہ آجائے تو وہاں دوسرا معنیٰ مراد ہوسکتا ہے۔ جیسا کہ "ثم اجعل علی کل جبل



---

[1] القراءۃ خلف الإمام ۹ ج ۱ ص ۴۔

[2] البقرۃ ۲۶۰۔

[3] البقرۃ ۱۰۹۔

منهن جزءًا" میں عقلی طور پر معلوم ہو جاتا ہے کہ ساری دنیا کے پہاڑ مراد نہیں ہیں بلکہ سامنے نظر آنے والے پہاڑ مراد ہیں۔ اسی طرح دوسری آیت میں آتا ہے "تدمر کلّ شيءٍ بأمر ربها[1]" میں بھی لفظ کل ایسا عام نہیں ہے کہ آسمان وزمین کو شامل ہو۔ بلکہ اس میں "بأمر ربّها" قرینہ ہے کہ وہ ہوا اللہ تعالیٰ کے امر تک محدود تھی۔ جہاں اللہ تعالیٰ کا امر نہیں تھا وہ چیز تدمیر سے مستثنیٰ ہے۔ اس لیے "فأصبحوا لایزی إلّا مساکنُهم" سے معلوم ہوتا ہے کہ اس ہوا سے ہر چیز تباہ نہیں ہوگئی تھی۔ قرآن کریم میں "بلقیس" کے بارہ میں آتا ہے "أوتیت من کل شيئ ولها عرش عظیم[2]" اسکا یہ مطلب نہیں کہ اسکا سارے جہان پر قبضہ تھا۔ جبکہ دوسری طرف حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہت بھی موجود تھی۔ یہ عرفی باتیں ہوتی ہیں جیسے کسی سے ملاقات کے وقت کہا جائے سناؤ کیا حال ہے۔ اور جواب میں وہ کہے۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے اس نے سب کچھ دیا ہے۔ یہ لفظ عرف پر محمول ہوگا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان وزمین بھی میرے قبضہ میں دے دیا گیا ہے۔

"خداج" کے لفظ کے بارہ میں احناف کا کہنا ہے کہ یہ لفظ بُطلان کو نہیں چاہتا، بلکہ نقصان کو چاہتا ہے اور نقصان سے نقصان وصفی مراد ہوتا ہے کبھی ذاتی بھی، ہمارے نزدیک نقصان وصفی مراد ہے کیونکہ مسند احمد میں حدیث آتی ہے کہ ایک آدمی نے رکوع سے اپنا سر امام سے پہلے اٹھالیا تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا: "اتقوا خداج الصلوٰة[3]" یعنی نماز کے نقصان سے بچو۔ یہاں سر پہلے اٹھانے سے نماز باطل نہیں ہوئی۔ ابن حزم کے نزدیک عمداً پہلے سر اٹھانے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ ایسے ہی کہتے ہیں کہ ترمذی میں حدیث آتی ہے کہ صلوٰۃ اللیل میں تشہد، تمسکن ہے اس کے بعد ہے "وتقنع یدیك وتقول: اللّٰهم اللّٰهم، فمن لم یفعل ذلك فهي خداج[4]" یہاں بھی نقصان کا معنی ہے یہ تو نہیں کہ اللّهم اللّهم نہ کہنے سے نماز باطل ہوگئی ہو۔ مگر اس روایت کے متعلق آتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔ اور لغت میں خداج کا معنی ہے "إلقاء الناقة ولدها قبل أیام الولادة" یعنی اونٹنی کا ایام ولادت سے قبل ہی بچے کو گرا دینا۔ اور تروائی ہوئی چیز مردہ ہوتی ہے۔ اور بچے کی خلقت سے پہلے اسے گرا دینا خداج کہلاتا ہے جبکہ اس کے اعضاء نہ بنے ہوں۔ زمخشری نے کہا ہے کہ صلوٰۃ خداج وہ ہے کہ "بطل أحد أرکانها" اور جب نماز کا رکن نہیں پایا جائے گا تو وہ باطل ہوگی۔

اور غیر تمام میں بھی یہی تاویل کرتے ہیں کہ اس سے مراد وہ نماز ہے جو اوصاف کے لحاظ سے مکمل نہ ہو ویسے اس کے اجزاء مکمل ہوں۔ حالانکہ غیر تمام کا لفظ جب بچے کے لئے استعمال ہو تو اس سے یہی معنی مراد ہوتا ہے کہ بچہ ابھی بنا نہ ہو، انور شاہ نے بھی لکھا ہے کہ تمام اور کمال میں فرق ہے اور کہا ہے "بخلاف التمام فإنه باعتبار الأجزاء"

---

1. الأحقاف ۲۴۔
2. النمل ۲۳
3. مسند احمد ۱۱۳۸۷ ج۱۷ ص ۴۷۹، المعجم الأوسط للطبرانی ۵۱۶۴ ج ۵ ص ۶۔
4. سنن ابی داؤد ۱۲۹۶ ج ۲ ص ۲۹، مسند أبی داؤد طیالسی ۱۴۶۳ ج ۲ ص ۷۰۶۔

یعنی تمام کے لفظ میں اجزاء کا اعتبار کیا جاتا ہے نہ کہ اوصاف کا۔ لہذا اگر تمام کا معنی پورا ہونا ہو تب بھی حدیث میں "غیر تمام" کا یہ مطلب ہوگا کہ نماز اجزاء کے لحاظ سے پوری نہیں ہوئی۔ جب پوری نہیں ہوئی تو کافی نہیں ہوگی۔

شریعت میں جب کہیں کوئی لفظ مطلق وارد ہو تو حنفیہ کے ہاں اوصاف کے لحاظ سے تو اسے عام رکھا جائے گا مگر ذات کے لحاظ سے پورے کا پورا مراد لیا جائے گا۔ جیسا کہ نور الانوار میں ہے "ولنا فی هذا المقام ضابطتان احدهما أن المطلق يجری علی إطلاقه والثانية أن المطلق ينصرف إلي الفرد الكامل فالأوّل فی حق الأوصاف كالإيمان والكفر والثانی فی حق الذات كالزمانة والأعمی" اس مقام میں ہمارے ہاں دو قاعدے ہیں ایک یہ کہ مطلق اپنے اطلاقت پر رہتا ہے دوسرا یہ کہ مطلق سے مراد فرد کامل ہوتا ہے۔ پہلا قاعدہ اوصاف میں جاری ہوتا ہے جیسے ایمان اور کفر اور دوسرا قاعدہ ذات میں جاری ہوتا ہے جیسے لولا اور اندھا ہونا۔ پہلے قاعدہ کے اعتبار سے غلام کافر ہو یا مومن کفارہ میں آزاد ہوسکتا ہے دوسرے قاعدہ کی بنا پر اندھا یا لولا آزاد نہیں ہوسکتا۔

اب اندھا یا لُولا غلام ہر لحاظ سے معدوم نہیں۔ صرف کفارہ کے حکم کی بنا پر معدوم ہیں۔ اسی طرح وہ نماز جس کے بعض اجزاء نہ ہوں وہ فرض سے بریٔ الذمہ ہونے میں کفایت نہیں کرتی۔ کیونکہ جس نماز کا حکم ہے وہ مطلق ہے جیسے أقيموا الصلوٰة نماز کی پابندی کرو۔ اور قاعدہ کی بنا پر ذات کے اعتبار سے نماز کا فرد کامل مراد ہے پس ناقص الأجزاء نماز کفایت کے اعتبار سے معدوم ہوگی۔ اگرچہ خارج میں نماز پائی جاتی ہے مگر وہ شرعاً کأن لم يكن ہے۔ أقيموا الصلوٰة مطلق ہے اس میں مذکورہ دو قاعدے ملحوظ رکھنے چاہییں۔ لہذا اجزاء تو مکمل ہونا چاہئیں۔ یہ نہیں کہ ایک رکعت یا آدھی رکعت پڑھ کر کہے کہ نماز تو پڑھی ہے، اجزاء مکمل ہونا چاہئیں۔ اوصاف میں نقص ہو جائے مثلاً سنتیں یا آداب رہ جائیں تو نماز ہو جائے گی یہ تو نہیں کہ اجزاء ہی نہ ہوں۔ یہاں اجزاء کے لحاظ سے نقص مراد ہے۔ جیسا کہ لغت سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ خداج سے مراد "إلقاء الناقة ولدها قبل تمام" یہ بھی وارد ہے "قبل تمام الخلق وإن كانت أيامه تامة" ایک صورت تو یہ ہے کہ ایام پورے ہونے سے پہلے تڑو پڑے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایام تو پورے ہوں لیکن بچہ ادھورا ہے اسے خداج کہتے ہیں۔ یہ مُردہ ہوتا ہے یا معدوم ہوتا ہے۔ ان احادیث میں نقصان کا معنی دیگر دلائل کی بنا پر ہے نہ اس لئے کہ لغت میں یہ معنی ہے۔ مولوی عبدالحیٔ نے ابن عبدالبر کے رد پر بڑا زور دیا ہے۔ ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ فاتحہ کے بغیر نماز پوری نہیں ہے تو وہ کأن لم يكن ہے۔ عبدالحی کہتے ہیں کہ خداج میں دونوں احتمال ہیں نقصان ذاتی ہو یا وصفی اور یہ ثابت کرنے کی ضرورت ہے کہ لغت میں خداج کا لفظ نقصان ذاتی پر بولا جاتا ہے حالانکہ یہ زمخشری نے ثابت کر دیا ہے جیسے کہ ابھی گذرا ہے مولوی سرفراز نے مسند احمد کی حدیث "اتقوا خداج الصلوٰة" پیش کر دی ہے لیکن یہ درست نہیں ہے کیونکہ یہ حدیث کی کتاب ہے لغت کی کتاب نہیں ہے لغت سے ثابت کرنا چاہیے کہ اس لفظ کا یہ معنی ہے۔ کسی لفظ کا اطلاق قرائن کی بنا پر دیگر معانی کے لئے بھی ہوتا ہے اور قرائن کے بغیر لفظ کا حقیقی معنی مراد ہوتا ہے۔ حنفی مذہب میں خداج کا معنی مردہ ہی کرنا چاہیے۔ اور نقصان سے مراد





نقصان ذاتی لینا چاہیے۔ کیونکہ احناف کے نزدیک فاتحہ واجب ہے اور واجب تب ہی ہو سکتی ہے جبکہ صیغہ قطعی الاثبات ہو جو لزوم حتمی کو چاہتا ہو۔ اور اگر نقصان سے نقصان وصفی مراد ہو تو وہ لزوم حتمی کو نہیں چاہتا۔ گویا نقصان وصفی مراد لینا ان کے مذہب کے بھی خلاف ہے۔

بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ سائل نے سوال کیا تھا "إنی أکون أحیانا وراء الإمام[1]" اور اس جگہ یہ بھی آتا ہے "أسمع قراءته" اور امام مالک نے اسے سری نماز پر محمول کیا ہے کہ سری میں پڑھنا چاہیئے۔ اور سری کے بارہ میں ان کے دو قول ہیں ایک وجوب کا دوسرا استحباب کا۔ اس طرح ان کا جہری نماز میں یہ قول بھی ہے کہ امام کے سکتوں میں پڑھے۔ جن علماء سے یہ منقول ہے کہ امام کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیئے تو اس سے مراد یہ ہے کہ امام کے ساتھ نہیں پڑھنا چاہیئے اس کے سکتوں میں پڑھ سکتا ہے اگر وہ سکتے نہ کرے تو امام شافعی کہتے ہیں پھر اس کے ساتھ پڑھے۔ جیسے مکحول سے مروی ہے۔ اگر وہ سکوت نہ کرے تو فاتحہ ضرور پڑھو "اقرء قبله وبعده و مع الإمام ولاتترکها بحال"۔

سکتوں کے بارہ میں عبداللہ بن عمرو بن عاص کی حدیث ہے کہ نبی کریم علیہ السلام جب سکتہ کرتے تو آپ کے پیچھے صحابہ کرام پڑھا کرتے تھے جب آپ پڑھتے تو وہ خاموش ہو جاتے۔ اسکی سند صحیح ہے۔

عمرو بن شعیب عن أبیه عن جدہ پر بحث:

اس سند میں أب سے مراد شعیب ہے اور "جَدّہٖ" کی ضمیر شعیب کی طرف راجع ہے۔ یعنی شعیب اپنے دادے سے روایت کرتا ہے۔ اور وہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص صحابی ہیں۔ یہ ضمیر عمرو کی طرف نہیں لوٹتی کیونکہ عمرو بن شعیب کا دادا محمد بن عبداللہ ہے جو کہ صحابی نہیں ہے۔ اور یہ سلسلہ نسب یوں ہے۔ عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن عاص۔ اور شعیب کا اپنے دادا عبداللہ بن عمرو سے سماع ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ جن بعض علماء نے اس حدیث کو کمزور کہا ہے اس نے اس کی یہ وجہ بیان کی ہے کہ شعیب اپنے دادے کے صحیفہ سے روایت بیان کرتا ہے گویا اس کے نزدیک اسکا سماع نہیں ہے۔ لیکن یہ بات غلط ہے بلکہ شعیب کا اپنے دادا سے سماع ثابت ہے اس لئے اکثر اہل علم عمرو بن شعیب کی حدیث سے حجت پکڑتے ہیں۔ اور اسے صحیح و ثابت قرار دیتے ہیں امام احمد اور امام اسحق وغیرہ کا یہی مذہب ہے امام ترمذی نے اس بارہ میں دونوں قول نقل کر دیئے ہیں اور دونوں کی وجہ بھی بیان کر دی ہے۔ اور جو لوگ اسے کمزور کہتے ہیں ان کا خیال یہ ہے کہ شعیب نے اپنے دادا سے سنا نہیں ہے بلکہ ان کے صحیفہ سے دیکھ کر احادیث بیان کرتا ہے۔ جبکہ صحیح بات یہ ہے کہ شعیب نے اپنے دادا سے سنا ہے لہٰذا یہ سند صحیح ہے اور قابل احتجاج ہے۔ الفیہ عراقی کی شرح میں ہے "وأصح الأقوال أنها حجة مطلقًا إذا صح السند إليه" صحیح قول یہ ہے کہ جب عمرو بن شعیب تک سند صحیح ہو تو یہ سند مطلقًا حجت ہے۔ امام ذہبی کا فیصلہ یہ ہے "بل هُو من قبيل الحسن" عمرو بن شعیب کی حدیث حسن درجہ کی ہے۔

---

[1] السنن الصغیر للبیہقی ۳۷۹ ج ۱ ص ۴۷۔

اگر امام حنفی ہو اور وہ شافعیوں، مالکیوں، حنبلیوں کی طرح لمبا سکوت نہ کرے تو چھوٹے سکتوں میں پڑھ لے اور اگر امام ایک ہی سکتے میں سب کچھ پڑھ جائے تو اس کے ساتھ ہی سورۃ فاتحہ پڑھ لے۔ جیسا کہ مولانا نور حسین نے واقعہ بیان کیا ہے کہ ہمارے گاؤں میں ایک مسجد تھی اسکا خطیب حنفی تھا ہم نے اس سے کہا کہ کیا ہم آپ کی مسجد میں نماز پڑھ لیا کریں۔ اس نے کہا کیوں نہیں ضرور پڑھا کرو، بعد میں لوگوں نے اسے اکسایا کہ آپ نے انہیں نماز کی اجازت دے دی ہے۔ یہ تو وہابی لوگ ہیں۔ یہ پیچھے سورت فاتحہ بھی پڑھیں گے اور اونچی آواز سے آمین بھی کہا کریں گے۔ اس نے کہا اچھا تو میں انہیں پیچھے کچھ پڑھنے نہیں دوں گا اور نہ ہی آمین کہنے دوں گا، میں خود ہی نماز پڑھاؤں گا۔ اس نے نماز شروع کی تو الحمد لله رب العالمين سے لیکر سورۃ اخلاص تک سب ایک ہی سانس میں پڑھ گیا اور "لم يكن له كفوا أحد پڑھ کر کہہ دیا "الله أكبر" پچھلے دیکھتے ہی رہ گئے اور خود بھی آمین نہیں کہی حالانکہ آمین تو حنفی امام بھی کہتا ہے اگرچہ آہستہ کہتا ہے۔

۳۔ ابو سعید سے حدیث مروی ہے "قال أمرنا أن نقرء بفاتحة الكتاب وما تيسر"[1] ابوداؤد کی حدیث ہے کہ ابو سعید کہتے ہیں ہمیں حکم دیا گیا کہ ہم فاتحہ پڑھیں اور جو آسان ہو۔ اس حدیث کی سند میں قتادہ ہے جو تیسرے طبقے کے مدلسین سے ہے اور یہاں عَنْ سے روایت کرتا ہے مگر بعض علماء نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ اور یہ حدیث بھی مطلق ہے اس میں منفرد یا امام کی کوئی قید نہیں ہے لہذا یہ حدیث مقتدی کو بھی شامل ہے[2]۔ اس

[1] سنن ابی داؤد ۸۱۸ ج ۱ ص ۲۱۶۔

[2] احادیث مرفوعہ سے امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کا ثبوت: پہلی حدیث: عَن عبادة بن الصامت ﷺ أن رسول الله ﷺ قال: لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" رواہ البخاری و مسلم والترمذی و أبو داؤد والنسائی وابن ماجہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کے لئے نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، تنہاء ہو یا امام ہو یا مقتدی ہو سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے عام فرمایا ہے کہ جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی۔ یہ حکم جس طرح امام اور منفرد کو شامل ہے اسی طرح مقتدی کو بھی شامل ہے اس حکم عام سے کوئی نمازی خارج نہیں ہے۔ اور اس عموم پر لفظ "مَن" دلالت کرتا ہے جو کہ الفاظ عموم سے ہے جیسے یہ حدیث ہر نمازی کو شامل ہے ویسے ہی ہر نماز کو شامل ہے خواہ نماز فرض یا نفل اس عموم پر لفظ "لا صلوة" دلالت کرتا ہے جیسا کہ حافظ ابن عبد البر نے التمہید شرح مؤطا میں ذکر کیا ہے۔

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث خاص منفرد کے لئے ہے جیسا کہ ابوداؤد میں سفیان کا قول ہے "قال سفيان: لمن صلي وحده" اسکا جواب یہ ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے عام فرمایا ہے کہ جس نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی تو آپ کا یہ حکم عام ہی رہے گا اسے منفرد کے ساتھ مخصوص کرنے کے لئے صحیح مرفوع حدیث کی ضرورت ہے۔ محض سفیان یا کسی شخص کے کہہ دینے سے یہ حدیث منفرد کے لئے مخصوص نہیں ہو سکتی۔ خطابی نے معالم السنن شرح ابی داؤد میں سفیان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے لکھا ہے: هذا عموم لا يجوز تخصيصه إلا بدليل"۔

اگر کہاجائے کہ مؤطا، ترمذی وغیرہ میں جابر کا قول ہے "يقول من صلي ركعة لم يقرء فيها بأم القرآن فلم يصل إلا أن يكون وراء الإمام لہذا حضرت جابر کے اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث منفرد کے ساتھ مخصوص ہے، مقتدی کے لئے نہیں ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ حضرت جابر کا قول ہے مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اور نبی کریم علیہ السلام کے کسی عام حکم کو مخصوص کرنے کے لئے حدیث مرفوع صحیح کی ضرورت ہے لہذا جابر کے قول سے عبادہ رضی اللہ عنہ کی عام حدیث منفرد کے ساتھ خاص نہیں ہوسکتی۔ اگر کہاجائے کہ امام احمد بن حنبل نے بھی کہاہے کہ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث منفرد کے ساتھ مخصوص ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ امام احمد نے اس تاویل کی توجیہ میں جابر کے قول مذکور کو پیش کیاہے جیساکہ جامع ترمذی میں ہے اور قول جابر سے عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کو منفرد کے ساتھ مخصوص نہیں کیاجاسکتا۔ کیونکہ حدیث عبادۃ عام ہے جو منفرد کی طرح مقتدی کو بھی شامل ہے یہ بھی واضح رہے کہ امام احمد نے اگرچہ یہ تاویل کی ہے مگر انہوں نے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کو اختیار کیا ہے۔ جیساکہ جامع ترمذی میں ہے "واختار أحمد مع هذا القراءة خلف الإمام وأن لا يترك الرجل فاتحة الكتاب وإن كان خلف الإمام" اگر کہاجائے کہ یہ حدیث مقتدی کو شامل نہیں ہے بلکہ وہ اس سے مخصوص ہے کیونکہ طحاوی نے معانی الآثار میں مرفوعاً روایت کیاہے "حدثنا بحر بن نصر قال حدثنا يحى بن سلام قال حدثنا مالك عن وهب بن كيسان عن جابر بن عبدالله عن النبي ﷺ أنه قال من صلي ركعة فلم يقرء فيها بأم القرآن فلم يصل إلا وراء الإمام" ۱/۲۱۸ رقم ۱۳۰۰۔

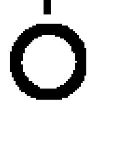
تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث مرفوعاً صحیح نہیں ہے کیونکہ اس روایت کا ایک راوی یحیٰی بن سلام ضعیف ہے اور فقط اسی نے اس حدیث کو مالک سے مرفوع روایت کیاہے جیساکہ حافظ ابن عبدالبر نے التمہید میں اسکی وضاحت کی ہے اور طحاوی نے بھی شرح معانی الاثار میں یحی بن سلام اور ابن ابی لیلی کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف کہاہے کیونکہ ان کے حافظہ میں فساد ہے۔ اور حدیث عبادہ رضی اللہ عنہ کے اپنے عموم پر باقی رہنے کی ایک واضح دلیل یہ بھی ہے کہ عبادہ رضی اللہ عنہ جو اس حدیث کے راوی ہیں اس نے بھی اس حدیث کو مقتدی اور غیر مقتدی ہر مصلی کے لئے عام سمجھاہے اسی لیے حضرت عبادۃ ہر نماز میں سری ہویاجہری ہو امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھاکرتے تھے۔ تمہید میں ہے "عن محمود بن الربيع قال صليت إلي جنب عبادة بن الصامت فقرء بفاتحة الكتاب فلما انصرف قلت ياأبا الوليد ألم أسمعك قرأت بفاتحة الكتاب قال :أجل إنه لا صلوة إلا بها"۔ اگر کہاجائے کہ "لا صلوة إلا بفاتحة الكتاب" میں کلمہ "لا" سے نفی کمال مراد ہے نفی ذات مراد نہیں ہے اور اس حدیث کا معنی یہ ہے کہ اس شخص کی نماز کامل نہیں ہوتی جس نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی لہذا اس حدیث سے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا وجوب اور ضروری ہوناثابت نہیں ہوتا۔

تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں "لا" سے نفی کمال مراد لیناہرگز جائز نہیں ہے اور اسکی دووجوہات ہیں ایک یہ کہ اس میں "لا" نفی جنس کے لئے ہے۔ اور یہ کلمہ ذات کی نفی کے لئے موضوع ہے۔ نفی کمال کے لئے نہیں۔ لہذا حقیقی معنی چھوڑ کر نفی کمال جو مجازی معنی ہے اور وہ بھی بعید۔ مراد لیناہرگز جائز نہیں ہے لہذا "لا صلوة" میں نفی ذات

صلوۃ کی طرف لوٹے گی کیونکہ ذات صلوۃ کی نفی ممکن ہے اور اگر بالفرض ذات صلوۃ کی نفی ممکن نہ ہو تو نفی صحت مراد ہوگی نہ کہ نفی کمال نفی صحت اور نفی کمال اگرچہ دونوں مجازی معنی ہیں لیکن نفی صحت أقرب إلی الحقیقت ہے۔ اس لیے کہ معنی حقیقی ممکن نہ ہونے کی صورت میں أقرب المجازین مراد لینا بالاجماع واجب ہے علامہ آلوسی حنفی روح المعانی میں لکھتے ہیں "الحمل علی المجاز الأقرب عند تعذر الحقیقة أولي بل واجب بالإجماع" لہذا حدیث عبادہ میں نفی ذات یا نفی صحت مراد لینا متعین ہے نفی کمال مراد لینا ہرگز جائز نہیں ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ دار قطنی نے اپنی سنن میں اور ابن خزیمہ اور ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحاح میں اس حدیث کو بایں لفظ روایت کیا ہے "لا تجزی صلوۃ من لم یقرء فیھا بفاتحة الکتاب" یعنی نہیں کفایت کرتی نماز اس شخص کی جس نے اس میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی۔ یہ حدیث تاویلات کی تردید کرتی ہے اور اس میں کسی تاویل کی گنجائش نہیں ہے۔

اگر کہا جائے کہ مسلم میں حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے آخر میں "فصاعدًا" زیادہ ہے اور جزء القراءت میں "ومازاد" آتا ہے جسکی حاکم نے تصحیح کی ہے۔ اور أبوداؤد وغیرہ میں "وماتیسر" زائد ہے لہذا لفظ فصاعداً اور مازاد اور ماتیسر سے ثابت ہوتا ہے کہ نماز میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور قرآن پڑھنا واجب ہے۔ اور یہ حکم جمہور کے نزدیک امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص ہے تو اسی طرح قراءۃ فاتحہ کے حکم کو بھی امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص کرنا چاہیئے۔ اور مقتدی کو اس سے خارج کرنا چاہیئے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ فصاعداً کی زیادتی کے ساتھ معمر منفرد ہے اس کے سوا کسی اور ثقہ نے اس زیادت کو روایت نہیں کیا۔ امام بخاری نے اس زیادت کو غیر مقبول ٹھہرایا ہے چنانچہ تلخیص الجبیر میں ہے "قال ابن حبان: تفرد بھا معمر عن الزھری وأعلھا البخاری فی جزء القراءۃ اور جزء القراءت میں ہے "عامة الثقات لم یتابع معمرًا فی قولهٖ فصاعدًا وقوله فصاعدًا غیر معروف" اور اگر فرض کر لیا جائے کہ زیادت فصاعداً اور یہ دونوں احادیث صحیح اور مقبول ہیں تو ان سے صرف قراءت مازاد علی الفاتحہ کا حکم امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص ہوگا۔ لیکن قراءت فاتحہ کا حکم امام اور منفرد کے ساتھ ہرگز مخصوص نہیں ہے بلکہ مقتدی، غیر مقتدی ہر نمازی کو عام ہے۔ اس پر صریح اور قاطع دلیل حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں مقتدیوں کو فرمایا گیا ہے "لاتفعلوا إلا بأم القرآن فانه لاصلوۃ لمن لم یقرء بھا" لہذا اس حدیث میں نیز دیگر اس جیسی احادیث میں جو عنقریب ذکر ہوں گی مقتدیوں کو فاتحہ پڑھنے کا حکم علی سبیل الوجوب دیا گیا ہے۔ اس لیے قراءت فاتحہ کا حکم امام اور منفرد کے ساتھ ہرگز مخصوص نہیں ہو سکتا یہی وجہ ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ جو ان احادیث کے راوی ہیں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے اور اسکا حکم دیا کرتے تھے اور چونکہ قراءت مازاد علی الفاتحہ سے مقتدیوں کو منع کیا گیا ہے اس لئے قراءت مازاد علی الفاتحہ کا حکم امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص رہے گا۔




دوسری حدیث: عن أبی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ قال: من صلي صلوۃ لم یقرء فیھا بأم القرآن فھي خداج (ثلاثًا) غیر تمام فقیل لأبی ھریرۃ إنا نکون وراء الإمام فقال اقرء بھا فی نفسك" (رواہ مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا، تو اس کی نماز خداج یعنی ناتمام ہوگی پوری نہیں ہوگی۔ اور خداج سے مراد نقصان ذاتی ہے یعنی اس سے مراد وہ نقصان ہے جو شئ کے کسی رکن اور جزء کے فوت ہونے سے ہوتا ہے۔ اس سے مراد نقصان وصفی نہیں ہے جو کسی وصف کے فوات سے ہوتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ جب نماز خداج وناتمام ہوگی تو ضرور باطل اور غیر صحیح ہوگی، اور یہ حدیث ہر نمازی کو شامل ہے کیونکہ اس میں لفظ "مَنْ" الفاظ عموم سے ہے اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص خواہ مقتدی ہو یا غیر مقتدی نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔ جیسا کہ حافظ ابن عبدالبر نے الاستذکار میں کہا ہے۔

اگر کہا جائے کہ بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث مذکور میں "اقرء بها في نفسك" سے مراد دل میں سورۃ فاتحہ کا تدبر کرنا اور سوچنا ہے۔ زبان سے آہستہ پڑھنا مراد نہیں ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ جس شخص نے یہ لکھا ہے اس نے سخت غلطی کی ہے اگر اس نے "اقرء" سے قراءت کا معنی دل میں تدبر کرنا سمجھا ہے تو یہ اسکی غلط فہمی ہے اور اگر اسے "في نفسك" سے یہ شبہ ہوا ہے تو وہ فی النفس کے استعمال سے بے خبر ہے۔ کیونکہ فی النفس کا استعمال زبان سے آہستہ پڑھنے کے معنٰی میں ہوتا ہے۔ اور یہ استعمال قرآن کریم سے ثابت ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے "واذكر ربك في نفسك" تفسیر جلالین میں ہے ای سرًا۔ ملا علی قاری مرقاۃ میں لکھتے ہیں "اقرء بها اى بأم القرآن في نفسك سرًا غير جهرٍ"۔

اگر کہا جائے کہ صحیح بخاری میں ہے "عن أبي بكرة أنه انتهي إلي النبي ﷺ وهو راكع فركع قبل أن يصل إلي الصف فذكر ذلك للنبي ﷺ فقال: زادك الله حرصًا ولا تعد" (۷۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ قراءۃ فاتحہ مقتدی پر واجب اور ضروری نہیں ہے۔ ورنہ نبی اکرم ﷺ ابو بکرہ کو اس رکعت کے اعادہ کا ضرور حکم دیتے جو رکوع میں شریک جماعت ہوئے تھے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ اس حدیث سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مقتدی پر فاتحہ واجب نہیں ہے۔ یہ تو تب معلوم ہو جبکہ اس حدیث میں یہ بھی مذکور ہو کہ ابو بکرہ جس رکعت میں شریک جماعت ہوئے تھے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے تھے۔ اور پھر اس رکعت کا اعادہ نہیں کیا۔ اور یہ چیز نہ حدیث میں مذکور ہے اور نہ حدیث سے کسی طرح نکلتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی مسلّم نہیں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ابو بکرہ کو اس رکعت کے اعادے کا حکم نہیں دیا۔ جبکہ طبرانی میں اس حدیث کے آخر میں یہ جملہ بھی مذکور ہے۔ "صل ماأدركت واقض ماسبقك" دیکھئے فتح الباری ج ۲ ص ۱۱۸۔

اگر کہا جائے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ہر نمازی کے لئے عام نہیں ہے بلکہ امام اور منفرد کے ساتھ خاص ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "وإذا قرء فانصتوا" جب امام قراءت کرے تو تم لوگ خاموش رہو۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں لفظ "مَنْ" عام ہے جو امام منفرد اور مقتدی سب کو شامل ہے حضرت ابو ہریرہ جو اس حدیث کے راوی ہیں نے اس حدیث کو امام، منفرد اور مقتدی سب کے لئے عام سمجھا ہے۔ اسی لیے ابو السائب فارسی نے جب آپ سے پوچھا کہ ہم لوگ جب امام کے پیچھے ہوں تو سورۃ فاتحہ کس طرح پڑھیں تو آپ نے فرمایا۔ آہستہ پڑھا کر۔ لہٰذا "اذا قرء فانصتوا" سے اس حدیث کو امام اور منفرد کے ساتھ خاص نہیں کیا جاسکتا۔

اگر کہا جائے کہ جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے "من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" اس حدیث کی وجہ سے مذکورہ احادیث مقتدی کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہوں گی۔ نیز آیت "إذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون" سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ احادیث میں مقتدی داخل نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ جابر رضی اللہ عنہ کی روایت حفاظِ حدیث کے نزدیک ضعیف اور معلول ہے لہٰذا ضعیف روایت کی وجہ سے احادیث مذکورہ کو امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص نہیں کیا جاسکتا۔ اور اگر بالفرض جابر کی روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو بھی یہ سورۃ فاتحہ کے ماسوا کے ساتھ مخصوص ہوگی۔ رہی مذکورہ آیت تو اس سے بھی احادیث مذکورہ امام اور منفرد کے ساتھ مخصوص نہیں ہونگی۔ کیونکہ حنفیہ کے نزدیک یہ آیت "فاقرؤ ماتیسر من القرآن" آیت کے معارض ہے۔ اور ان کے ہاں یہ آیت معارضہ کی وجہ سے ساقط عن الاحتجاج ہے۔ جیسا کہ عنقریب آئیگا۔

اگر کہا جائے کہ ابوداؤد اور مؤطا میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث سے جسے ابن اکیمہ نے روایت کیا ہے ثابت ہے کہ سب صحابہ نے قراءت فاتحہ خلف الامام کو ترک کردیا تھا اور بیہقی نے اس حدیث میں یہ زیادت روایت کی ہے "قرء أناس مع رسول الله ﷺ فی صلوة یجهر فیها بأم القرآن" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ



کو مقتدیوں کے سورۃ فاتحہ پڑھنے سے بھی منازعت ہوئی تھی لہٰذا جب آپ نے فاتحہ کو بھی موجب منازعت قرار دیا تو اسکی ممانعت بھی ثابت ہوگئی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ ابن اکیمہ کی حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ سب صحابہ نے قراءت فاتحہ خلف الامام کو ترک کردیا تھا۔ بلکہ اس حدیث سے تو قراءت خلف الامام کا ثبوت نکلتا ہے اور مؤطا نیز ابوداؤد میں زیادت "بأم القرآن" نہیں ہے پہلے اس زیادت کو ثابت کیا جائے اس کے بعد اسے پیش کیا جائے۔ اور اگر فرض کرلیا جائے کہ اس حدیث میں زیادت مذکور صحیح ہے تو اس سے صرف یہ ثابت ہوگا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد اس طرح نہیں پڑھنی چاہیے کہ امام کے ساتھ منازعت پیدا ہو اور خلل واقع ہو۔

اور مقتدی کے اس طرح پڑھنے کے ممنوع ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ اور اس حدیث سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے قراءت فاتحہ بالسر اور بالنفس کو بھی موجب منازعت قرار دیا ہو۔

تیسری حدیث: عن عبادة بن الصامت قال صلي رسول الله ﷺ الصبح فثقلت عليه القراءة فلما انصرف قال: انی أراكم تقرؤن وراء إمامكم قال: قلنا: يا رسول الله إي والله، قال: لا تفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لا صلوة لمن لم يقرء بها" رواه الترمذی وقال: حسن و أبوداؤد والنسائی وغيرهم۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الدرایۃ فی تخریج الهدایۃ میں کہا ہے "أخرجه ابوداؤد وبإسناد رجاله ثقات، اور تلخیص الحبیر میں ہے "صححه ابوداؤد والترمذی والدارقطنی وابن حبان والحاکم والبیہقی من طریق ابن اسحق حدثنی مکحول عن محمود بن ربیع عن عبادة"۔



اس حدیث سے صراحۃً معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد پڑھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے خاص مقتدیوں کو خطاب کرکے سورۃ فاتحہ پڑھنے کا حکم دیا اور اس کی وجہ بیان فرمائی کہ سورۃ فاتحہ پڑھے بغیر کسی کی نماز

نہیں ہوتی لہذا یہ حدیث صریح نص ہے کہ مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا واجب اور ضروری ہے۔

اگر کہا جائے کہ اس حدیث کی سند میں محمد بن اسحٰق متکلم فیہ ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ محمد بن اسحٰق پر جتنی جرحیں کی گئی ہیں وہ سب اصول حدیث سے مدفوع اور مرفوع ہیں۔ اور حق بات یہ ہے کہ محمد بن اسحٰق ثقہ ہے علامہ ابن الہمام حنفی نے فتح القدیر میں لکھا ہے "وهو رأى توثيق محمد بن اسحق الحق الأبلج ومانقل عن مالك فيه لايثبت ولوصح لم يقبله أهل العلم كيف وقد قال شعبة فيه هو أمير المؤمنين فى الحديث وقد أطال البخارى فى توثيقه فى كتاب القراءة خلف الإمام له وذكره ابن حبان فى الثقات وإن مالكًا رجع عن الكلام فى ابن اسحق واصطلح معه" وبعث إليه هدية" سلام اللہ حنفی نے محلی شرح مؤطا میں لکھا ہے "محمد بن اسحق ثقة على ماهو الحق" علامہ ابن الہمام فتح القدیر ص ۱۸۱ میں لکھتے ہیں "أما ابن اسحق فثقة ثقة لا شبهة عندنا فى ذلك ولا عند محققى المحدثين"

اگر کہا جائے کہ محمد بن اسحٰق مدلس ہیں اور انہوں نے اس حدیث کو بلفظ "عَنْ" روایت کیا ہے اور مدلس کی وہ روایت جو بلفظ "عَنْ" ہو قابل احتجاج نہیں ہوتی۔ جب تک کہ اس کا سماع ثابت نہ ہو۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ دار قطنی اور مسند احمد اور بیہقی میں محمد بن اسحٰق کا بلفظ حدثنی روایت کرنا ثابت ہے، دار قطنی میں ہے "عن ابن اسحق حدثنى مكحول" اور مسند احمد میں ہے "عن ابن اسحق حدثنى مكحول عن محمود بن الربيع الأنصارى عن عبادة بن الصامت" اور تخریج زیلعی میں ہے "قال البيهقى ورواه ابراهيم بن سعد عن محمد بن اسحق فذكر فيه سماع ابن اسحق عن مكحول فصار الحديث موصولاً صحيحًا"۔

اگر کہا جائے کہ محمد بن اسحٰق کی بنسبت تقریب میں ہے "رُمي بالتشيع والقدر" لہذا ابن اسحٰق مجروح ہوئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ رُمیَ بصیغہ مجہول ہے لہذا یہ معلوم نہیں رَامِی بالتشیع والقدر کون ہے۔ اور وہ کیسا ہے۔ اور جارح کا معلوم ہونا اور اس کے ساتھ اس کا عدل غیر مفرط ہونا ضروری ہے۔ جارح مجہول کی جرح غیر معتبر و نامقبول ہے دیکھئے امام ابوحنیفہ کے استاد حماد کے بارہ میں تقریب میں ہے "صدوق له أوهام من الخامسة رمي بالإرجاء" احناف نے خود محمد بن اسحٰق کی احادیث سے خواہ وہ معنعن ہوں یا غیر معنعن استدلال کیا ہے۔ ابن اسحٰق کی روایت ہے "كان قيمة المجن الذى قطع فيه رسول الله ﷺ عشرة دراهم" احناف نے اس روایت سے احتجاج کیا ہے کہ دس درہم سے کم میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائیگا۔ جیسا کہ طحاوی نے شرح معانی الاثار میں اس سے استدلال کیا ہے۔

چوتھی حدیث: عن نافع بن محمود بن الربيع أنه سمع عبادة بن الصامت يقرء بأم القرآن وأبونعيم يجهر بالقراءة فقلت رأيتك صنعت فى صلوتك شيئًا قال وماذاك قال: سمعتك تقرء بأم القرآن وأبونعيم يجهر بالقراءة قال نعم صلي بنا رسول الله ﷺ بعض الصلوات التى يجهر فيها بالقراءة فلما انصرف قال: منكم من أحد يقرء شيئًا من القرآن إذا جهرت بالقراءة قلنا نعم يارسول الله ﷺ فقال رسول الله ﷺ وأنا أقول مالي أنازع القرآن فلا يقرأن أحد منكم شيئًا من القرآن إذا جهرت بالقراءة إلا بأم القرآن" رواه الدار قطني وقال: هذا إسناد حسن ورجاله

ثقات کلهم۔

یہ حدیث مقتدی کے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے بارہ میں صریح ہے اور اس کے کل راوی ثقہ ہیں۔

بعض حنفیہ نے لکھا ہے کہ اس حدیث کی سند میں نافع بن محمود ہے جسے حافظ نے تقریب میں مستور لکھا ہے۔ اس کاجواب یہ ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے نافع بن محمود کو ثقہ کہاہے چنانچہ "کاشف" میں ہے "نافع بن محمود المقدسی عن عبادة بن الصامت" وعنه مکحول و حرام بن حکیم ثقة اور ابن حبان نے بھی اسکی توثیق کی ہے اور دار قطنی نے بھی اسے ثقہ کہاہے ان محدثین نے اسکی توثیق کی ہے تو یہ ہرگز مستور نہیں ہے۔

بعض حنفیہ نے لکھاہے کہ ابن حبان متساہل ہے۔ انہوں نے کتاب الثقات میں بہت سے ضعفاء کوداخل کردیاہے لہذا ابن حبان نے جو کتاب الثقات میں لکھاہے اسکا کچھ اعتبار نہیں ہے اس لئے ابن حبان کی توثیق سے نافع کی جہالت نہیں جائے گی۔

توجواب یہ ہے کہ جس نے ایسا لکھاہے وہ فنِ حدیث سے ناواقف ہے اور ابن حبان کی کتاب الثقات کو ناقابل اعتبار بتانا اسکی جہالت کی دلیل ہے۔ ابن حبان کے متساہل ہونے میں شبہ نہیں مگر ان کی توثیق بلاشبہ مستند اور معتبر ہے جسکی نسبت کسی ناقدِ فن نے کچھ کلام نہ کی ہو۔ علامہ سیوطی نے اپنی نفیس کتاب تدریب الراوی میں "فائدہ" کے عنوان سے ابن حبان کی توثیق کے معتمد ہونے پر ایک مضمون لکھاہے۔



اگر کہاجائے کہ ابن حبان نے نافع بن محمود کی نسبت کتاب الثقات میں لکھاہے "وحدیثه معلّل" جیسا کہ بعض حنفیہ نے میزان ذہبی سے نقل کیاہے۔

تواسکاجواب یہ ہے کہ بلاشبہ میزان الاعتدال میں یہ لفظ چھپاہے لیکن لفظ "وحدیثه معلل" اصل کتاب الثقات میں نہیں ہے۔ حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں اور حافظ برہان الدین نے نہایۃ السول میں اور مولانا عبدالحی نے غیث الغمام میں نافع بن محمود کا پورا ترجمہ ثقات ابن حبان سے نقل کیاہے مگر ان کی عبارتوں میں بھی "وحدیثہ معلل" نہیں ہے۔

پانچویں حدیث: عن عبادة بن الصامت قال قال رسول الله ﷺ لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب خلف الإمام" أخرجه البیهقی فی کتاب القراءة وقال: إسناده صحیح۔ والزیادة التی فیه صحیحة مشهورة من أوجه کثیرة۔ کذا فی کنز العمال ۴/۲۰۸۔ بعض حنفیہ نے کہاہے کہ اس حدیث میں زیادت "خلف الإمام" شاذ ہے جس پر عبادۃ کی متفق علیہ حدیث دلالت کرتی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں زیادت "خلف الإمام" صحیح ہے اور اس پر عبادۃ کی متفق علیہ حدیث "لا صلوة لمن لم یقرء بفاتحة الکتاب" دلالت کرتی ہے کیونکہ یہ حدیث بھی مقتدی اور غیر مقتدی سب کو شامل ہے۔



حنفیہ کے دلائل اور ان کا جواب:۔

حنفیہ کی پہلی دلیل:۔ سنن ابن ماجہ، مسند احمد اور شرح معانی الاثار وغیرہ میں ہے "عن ابن عباس قال لما مرض رسول الله ﷺ الحدیث وفیه "فخرج أبوبکر فصلي بالناس فوجد رسول الله ﷺ من نفسه خفةً فخرج یهادی بین رجلین ورجلاه تخطان فی الارض فلما راٰه الناس سبحوا بأبی



بكر فذهب ليستأخر فأومي اليه النبي ﷺ اى مكانك فجاء رسول الله ﷺ فجلس عن يمينه و قام ابوبكر و كان ابوبكر يأتم بالنبي ﷺ والناس يأتمون بأبي بكر قال ابن عباس وأخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ ابوبكر - رضي الله تعالي عنه - (ابن ماجه ص ۸۸)۔

حنفیہ کی پہلی دلیل کا پہلا جواب:۔ نبی اکرم ﷺ کی مرض الوفات کے بارہ میں صحیحین وغیرہ میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے متعدد احادیث آتی ہیں لیکن ان میں سے کسی صحیح حدیث میں "أخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث بلغ أبو بكر" یا اس کے ہم معنی لفظ واقع نہیں ہوا۔ یہ لفظ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ضعیف روایت میں آیا ہے اسی طرح عبد اللہ بن عباس سے مروی ضعیف روایت میں وارد ہے۔ جبکہ یہ لفظ صحیح حدیث میں نہیں بلکہ ضعیف روایت میں آیا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ حنفیہ کی یہ دلیل ضعیف اور ناقابل اعتبار ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی وہ ضعیف روایت جس میں یہ لفظ آیا ہے وہ اسد بن موسی کی کتاب "فضائل صحابہ" میں ہے لیکن اس میں ابو معاویہ ہے اور کتب رجال سے پتہ نہیں چلتا کہ کون ہے اور کیا ہے۔ اس نام کے کئی راوی ہیں بعض ثقہ ہیں اور بعض ضعیف، لہذا جب تک اس راوی کی تعیین نہ ہو یہ روایت کیونکر قبول ہو سکتی ہے۔ اس میں دوسرا راوی عبد الرحمن بن ابی بکر بن عبید اللہ ہے جو کہ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ نے التقریب میں لکھا ہے اور ابن عباس ﷺ کی روایت جس میں یہ لفظ مذکور ہے اسکا مدار ابو اسحاق سبیعی پر ہے جو آخر عمر میں مختلط ہو گیا تھا جیسا کہ حافظ نے تقریب میں کہا ہے اور اس سے اس روایت کو اسرائیل اور زکریا نے اس کے اختلاط کے بعد روایت کیا ہے کیونکہ ان کا سماع ابو اسحق سے اختلاط کے بعد ہے اس کے ساتھ ابو اسحق مدلس بھی ہے جو کہ عَنْ سے اسے روایت کرتا ہے حافظ نے طبقات المدلسین میں کہا ہے "عمرو بن عبدالله السبيعي الكوفي (ابو اسحق) مشهور بالتدليس" حافظ نے فتح الباری میں اگرچہ ابن عباس کی روایت کو حسن کہا ہے لیکن ان کا یہ قول بوجہ تعارض کے قابل قبول نہیں ہے۔

دوسرا جواب:۔ ابن عباس سے مروی مذکورہ روایت بخاری و مسلم کی حدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ ابن عباس کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جہری نماز تھی جس میں نبی اکرم ﷺ نے ابو بکر سے قراءت کو اخذ کیا تھا کیونکہ اس میں یہ لفظ ہے۔ "أخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ أبو بكر" لیکن صحیحین میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ظہر کی نماز تھی "ثم إن رسول الله ﷺ وجد من نفسه خفةً فخرج بين رجلين أحدهما العباس لصلوة الظهر وابوبكر يصلي بالناس فلماراٰه أبوبكر ذهب يستأخر" لہذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی متفق علیہ حدیث کے لفظ "لصلوة الظهر" کے مقابلہ میں ابن عباس کی روایت کے لفظ "وأخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ أبوبكر" ہرگز حجت نہیں ہو سکتے۔

تیسرا جواب: ابن عباس ﷺ کی روایت مذکورہ سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے قراءت بآواز بلند وہیں سے شروع کی جہاں ابو بکر ﷺ نے چھوڑی تھی۔ اور ان روایات کے کسی لفظ سے یہ ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے کل سورۃ فاتحہ یا اس کے کچھ حصے کو بالکلیہ ترک کر دیا ہو اور اسے آہستہ بھی نہ پڑھا ہو احناف کو چاہیئے کہ پہلے ان روایات

سے یہ ثابت کرلیں کہ آپ نے کل سورۃ فاتحہ یا اس کے کچھ حصے کو بالکل ترک فرمایا اور اسے آہستہ بھی نہیں پڑھا۔ پھر اس سے نسخ قراءت مقتدی کا ارادہ کریں۔ ودونہ خرط القتاد۔

چوتھا جواب: نبی اکرم ﷺ دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لاکر جو شامل نماز ہوئے تھے تو آپ کا یہ شمول مقتدی ہونے کی حیثیت سے نہیں تھا بلکہ بارادہ امامت تھا یعنی یہ بات نہیں تھی کہ پہلے آپ مقتدی بن کر شامل ہوئے پھر امام بن گئے بلکہ آپ اول سے ہی امام ہو کر شامل ہوئے تھے اسی لیے آپ صفوں کو چیرتے ہوئے جاکر ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب بیٹھے تھے اور یہ بات امام طحاوی نے بھی المعتصر میں ذکر کی ہے۔ لہذا ب آپ بارادہ امامت شامل ہوئے تو ابن عباس کی روایت کا مقتدی کی قراءت سے کوئی تعلق نہ ہوا۔

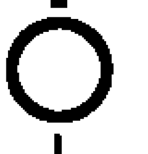
پانچواں جواب: واقعہ مرض الوفات کی نماز میں کئی امر ایسے ہیں جو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے جیسا کہ طحاوی نے شرح معانی الآثار میں لکھے ہیں کہ صحیح کو جائز نہیں کہ اس مریض کی اقتداء کرے جو بیٹھ کر نماز پڑھتا ہو۔ اور نبی کریم علیہ السلام نے اپنی مرض میں جو بیٹھ کر نماز پڑھائی جبکہ لوگ کھڑے تھے تو یہ آپ کے ساتھ خاص ہے تو اس طرح اس مرض میں بلا سورۃ فاتحہ رکعت کا درست ہو جانا بھی آپ کے ساتھ مخصوص تھا۔

حنفیہ کی دوسری دلیل:۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون"



علامہ ابن الہمام لکھتے ہیں کہ اس آیت میں دو اَمر مطلوب ہیں ایک سننا، دوسرا چپ رہنا پس دونوں پر عمل کیا جائے گا۔ اور پہلا امر یعنی سننا جہری نمازوں کے ساتھ خاص ہوگا۔ اور دوسرا امر یعنی چپ رہنا اپنے اطلاق پر باقی رہے گا۔ اور مطلق قراءت کے وقت چپ رہنا واجب ہوگا۔ مولانا گنگوہی کہتے ہیں جب نماز پنجگانہ فرض ہوئی تو اس وقت قرأت امام و مقتدی پر فرض رہی، پھر ایک مدت کے بعد آیت "واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا" سے قراءت مقتدی منسوخ ہوئی۔

حنفیہ کی دوسری دلیل کا پہلا جواب:۔ جو فریق اس بات کا مدعی ہے کہ آیت "وإذا قرئ القرآن ...." سے جہری و سری نماز میں قراءت مقتدی منسوخ ہوگئی ہے اس کے ذمہ یہ چیز لازم ہے کہ ثبوت پیش کرے کہ اس آیت کے نزول کے وقت پانچوں نمازیں فرض ہو چکی تھیں اور ان میں سری وجہری کی تفریق ہو چکی تھی اور اس وقت مقتدی لوگ جہری نماز میں جہراً پڑھتے تھے اور سری میں سرًا؟ تو بتایا جائے کہ وہ کون سی احادیث مرفوعہ یا آثار مقبولہ ہیں جن سے پتہ چلے کہ یہ آیت بعد افتراض صلوات خمسہ نازل ہوئی ہے۔ تلاش سے معلوم ہوا ہے کہ اس آیت کا نزول افتراض صلوات خمسہ سے قبل ہوا ہے جس پر قرائن دال ہیں کیا مقدم النزول آیت کسی مؤخر الافتراض حکم کے لئے ناسخ ہو سکتی ہے؟



دوسرا جواب: جو لوگ اس بات کے مدعی ہیں کہ آیت "وإذا قرئ القرآن ...." سے قراءت خلف الإمام منسوخ ہوگئی ہے ان پر لازم ہے کہ ثابت کریں کہ احادیث قراءت خلف الإمام کا وُرُود، آیت "وإذا قرئ القرآن ...." کے نزول سے پہلے ہے کیونکہ منسوخ کا مقدم ہونا اور ناسخ کا مؤخر ہونا ضروری ہے لیکن مدعیانِ نسخ کا اسے ثابت کرنا دشوار ہے۔ کیونکہ معاملہ اس کے برعکس ہے اس لئے کہ آیت "وإذا قرئ القرآن ...." مکہ میں نازل ہوئی ہے اور قراءت فاتحہ کا حکم مقتدی، غیر مقتدی کے لئے نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں صادر فرمایا ہے لہذا آیت مذکورہ احادیث قراءت خلف الامام



کی ناسخ کیونکر ہو سکتی ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ جس وقت آپ نے قراءت فاتحہ کا حکم دیا تھا اس وقت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ حاضر تھے جیسا کہ مؤطا میں ہے ابوالسائب کہتے ہیں "سمعت أبا هريرة يقول سمعت رسول الله ﷺ من صلي صلوة لم يقرء فيها بأم القرآن فهي خداج هي خداج غير تمام" مؤطا ۳۹۔

تیسرا جواب:۔ قراءت خلف الامام کے لئے آیت "وإذا قرئ القرآن......." کا ناسخ ہونا اس امر پر موقوف ہے کہ آیت قراءت خلف الامام کے متعلق قطعی طور پر محکم ہو اور کسی دوسری آیت سے منسوخ ہونے کا احتمال نہ رکھتی ہو۔ مگر یہ آیت قراءت خلف الامام کے لئے قطعی طور پر محکم نہیں ہے۔ بلکہ خود اس خصوص میں آیت "فاقرؤ ماتيسر من القرآن" سے منسوخ ہونے کا احتمال رکھتی ہے۔

چوتھا جواب:۔ حنفی اصول فقہ میں لکھا ہوا ہے کہ آیت "إذا قرئ القرآن فاستمعوا له" دوسری آیت "فاقرؤا ماتيسر من القرآن" کی معارض ہے اور معارضہ کی وجہ سے ساقط عن الاحتجاج ہے۔ نور الانوار میں ہے "وحكمها بين الايتين المصير الي السنة لأن الايتين إذا تعارضتا تساقطتا فلا بد للعمل من المصير الي مابعده وهو السنة"۔

پانچواں جواب:۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ آیت "وإذا قرئ القرآن" کا قراءت خلف الإمام سے تعلق ہے تو بھی اس سے حنفیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ اس آیت سے صرف جہری نماز میں قراءت خلف الإمام کی ممانعت ثابت ہو گی، نہ کہ نماز سری میں۔ کیونکہ استماع اور انصات دونوں نماز جہری کے ساتھ مختص ہیں۔ نماز سری میں ان کا وجود ممکن نہیں ہے۔ استماع کا نماز جہری کے ساتھ مختص ہونا تو ظاہر ہے۔ رہا انصات کا نماز جہری کے ساتھ مختص ہونا تو یہ اس لئے کہ لغت عرب میں انصات کے معنی مطلق چپ رہنے کے نہیں ہیں بلکہ انصات سے مراد سکوت مع الاستماع ہے۔ امام رازی تفسیر کبیر میں آیت "واحلل عقدة من لساني" کے تحت لکھتے ہیں "والانصات سكوت مع الاستماع ومتى انفك أحدهما عن الاخر لا يقال له انصات قال تعالي "فاستمعوا له وأنصتوا" علامہ عینی عمدۃ القاری ۱۰/۵۴۰ میں لکھتے ہیں "الانصات هو السكوت مع الإصغاء"۔ لہٰذا اس آیت سے صرف نماز جہری میں قراءت خلف الإمام کی ممانعت ثابت ہوئی تو اس سے حنفیہ کا دعویٰ ثابت نہ ہوا۔ دعویٰ عام ہے اور دلیل خاص ہے پھر نماز جہری میں بھی قراءت خلف إمام کی مطلقاً ممانعت ثابت نہیں ہوتی ہے۔ بلکہ صرف امام کی قراءت کے وقت ممانعت ثابت ہوتی ہے اور سکتات امام کے وقت قراءت کرنے کی ممانعت اس آیت سے ہرگز ثابت نہیں ہوتی۔ حالانکہ حنفیہ کا دعوی یہ ہے کہ نماز جہری میں سکتات امام کے وقت بھی قراءت ناجائز اور حرام ہے۔

چھٹا جواب:۔ حنفیہ کا کہنا کہ قراءت مقتدی۔ مستلزم ہے ترک استماع وانصات کو۔ تو یہ ان کی بات مسلّم نہیں ہے کیونکہ اگر امام کے پیچھے اس کے فاتحہ پڑھنے کے ساتھ ساتھ مقتدی بھی فاتحہ آہستہ پڑھیں بایں طور کہ جب امام "الحمد لله رب العالمين" بلند آواز سے کہے تو مقتدی بھی ساتھ ساتھ لفظ بلفظ سنتے اور زبان سے آہستہ آہستہ کہتے جائیں تو اس طرح امام کے پیچھے پوری سورۃ فاتحہ پڑھنا ترک استماع وانصات کو ہرگز مستلزم نہیں ہے اور اس طرح امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کی ممانعت آیت "وإذا قرئ القرآن......." سے ثابت نہیں ہوتی۔

ساتواں جواب:۔ نبی اکرم ﷺ سے نماز میں کئی سکتے ثابت ہیں ایک سکتہ تکبیر تحریمہ کے بعد اور ایک قراءت فاتحہ کے بعد اور ایک قراءت ختم ہونے کے بعد۔ ان سکتات کے علاوہ ہر آیت پر آپ کا وقف کرنا بھی ثابت ہے۔ اتقان ص ۱۲۶ میں ہے "قال البیھقی فی الشعب واخرون:الأفضل الوقوف علی رؤس الایات وإن تعلقت بما بعدھا اتباعًا لھدی رسول اللہ ﷺ وسنتہ روی أبوداود وغیرہ عن أم سلمة رضی اللہ عنہا أن النبی ﷺ إذا قرء قطع ایة ایة یقول:بسم اللہ الرحمن الرحیم ثم یقف۔ الحمد للہ رب العالمین "ثم یقف ،الرحمن الرحیم "ثم یقف" اور یہ سکتات و اوقاف نہ تو نبی اکرم ﷺ کے ساتھ مخصوص تھے اور نہ انکا منسوخ ہونا ثابت ہے لہذا ہر امام کے لئے یہ سکتات و اوقاف کم از کم مسنون ضرور ہیں۔ اس لئے ان سکتات و اوقاف میں قراءت فاتحہ خلف الإمام کی ممانعت اس آیت سے ثابت نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ فقہاء حنفیہ نے سکتات و اوقاف امام میں مسبوق کے لئے ثناء پڑھنے کو جائز کہا ہے جیسا کہ غنیۃ المستملی میں ہے۔

آٹھواں جواب: اس آیت سے قراءت خلف الإمام کی ممنوعیت یا منسوخیت پر استدلال کرنا اس امر پر موقوف ہے کہ اس آیت کریمہ میں قطعی طور پر خطاب اہل اسلام سے ہے۔ جبکہ یہ بات ممنوع اور غیر مسلم ہے بلکہ ظاہر نظم قرآن اور سلسلہ کلام الہی سے معلوم ہوتا ہے کہ اس آیت میں کفار مخاطب ہیں۔ اور اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔



کیونکہ یہ آیت اگر مسلمانوں اور مقتدیوں سے متعلق ہو تو اسکا ما قبل کی آیت سے کوئی ارتباط باقی نہیں رہتا اور سلسلہ کلام الہی میں انقطاع لازم آتا ہے تو جب اس میں کفار مخاطب ہیں تو اس سے قراءت خلف الإمام کی ممنوعیت اور منسوخیت پر استدلال کرنا درست نہیں ہے۔

حنفیہ کی تیسری دلیل:۔ صحیح مسلم میں ہے "عن أبی موسی الأشعری عن النبی ﷺ قال:إذا صلیتم فأقیموا صفوفکم ثم لیؤمکم أحدکم فإذا کبر فکبروا وإذا قرء فأنصتوا" علامہ عینی عمدۃ القاری میں لکھتے ہیں "ھذا حجة صریحة فی أن المقتدی لا یجب علیہ أن یقرء خلف الإمام أصلًا علی الشافعی فی جمیع الصلوات وعلی مالك فی الظھر والعصر" ۴/۶۹۔

پہلا جواب:۔ حضرت ابو موسی اشعری کی حدیث کی سند میں قتادہ واقع ہے جو کہ مدلس ہے اور ابو داؤد، نسائی، ابن ماجہ میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں محمد بن عجلان واقع ہے جو کہ مدلس ہے۔ جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے طبقات المدلسین میں لکھا ہے اگر کہا جائے کہ بیہقی میں خارجہ بن مصعب اور یحی بن العلاء نے ابن عجلان کی متابعت کی ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ خارجہ بن مصعب اور یحیٰ بن علاء دونوں متروک ہیں اور کذاب ہیں۔ یحیٰ بن معین نے خارجہ کو اور وکیع نے یحیٰ بن علاء کو کذاب کہا ہے۔ جیسا کہ التقریب اور میزان میں ہے۔



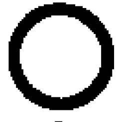
دوسرا جواب: أبو موسی اشعری رضی اللہ عنہ اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں "واذا قرء فأنصتوا" لفظ کی تصحیح و تضعیف میں نقاد حفاظ حدیث کا اختلاف ہے امام احمد، امام مسلم اور منذری نے اسکی تصحیح کی ہے جبکہ امام بخاری، ابو داؤد، أبو حاتم، یحیٰ بن معین، حاکم، دار قطنی، ابن خزیمہ محمد بن یحیٰ ذہلی، حافظ أبو علی نیسابوری اور بیہقی وغیرہ نے "واذا قرء فأنصتوا" کو ضعیف کہا ہے اور ضعیف کہنے والے صحیح کہنے والوں سے زیادہ ہیں۔ تو اسکی تضعیف، تصحیح سے مقدم ہے۔ جیسا کہ زیلعی

ؒ نے تخریج ہدایہ ۱/۲۴۳ میں اور نووی ؒ نے شرح مسلم میں لکھا ہے۔
تیسرا جواب:۔ محدثین کے نزدیک دو متعارض دلیلوں میں اول جمع کیا جاتا ہے یعنی تطبیق و توفیق عمل میں لائی جاتی ہے دونوں دلیلوں میں سے کسی کا تاخر معلوم ہو یا نہ ہو۔ اور اگر دونوں میں تطبیق ممکن نہ ہو تو دونوں میں سے کسی ایک کا تاخر معلوم ہو تو نسخ عمل میں لایا جائے گا۔ ورنہ ترجیح عمل میں لائی جائے گی۔ اور جس دلیل کو ترجیح ہوگی وہی معمول بہ ہوگی اور دوسری متروک ہوگی۔ لہذا یہاں خداج والی حدیث اور اس حدیث میں تطبیق ممکن ہے۔ کہ واذا قرء فأنصتوا کو ماعدا فاتحہ پر محمول کیا جائے گا۔ پس مقتدی کو بحکم حدیث خداج فاتحہ ضرور پڑھنی چاہیے۔ اور واذا قرء فانصتوا کے حکم کے مطابق ماعدا فاتحہ کچھ اور نہیں پڑھنا چاہیے۔

حنفیہ کی چوتھی دلیل:۔ عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ انصرف من صلوة جهر فيها بالقراءة فقال: هل قرء معي منكم أحد انفاً فقال رجل نعم أنا يا رسول الله۔ قال فقال رسول الله ﷺ إني أقول مالي أنازع القرآن فانتهي الناس عن القراءة مع رسول الله ﷺ فيما جهر فيه رسول الله ﷺ بالقراءة حين سمعوا ذلك من رسول الله ﷺ" رواه مالك و ابوداؤد والترمذی والنسائی و ابن ماجه" تقریر استدلال یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں قراءت خلف امام پر انکار کیا ہے اور آپ کے انکار پر تمام صحابہ قراءت خلف امام سے رک گئے تھے پس ثابت ہوا قراءت خلف امام منسوخ و ممنوع ہے۔



جواب:۔ قبل اس کے کہ اس جواب کی تقریر کی جائے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ اس حدیث میں "مالي أنازع القرآن" تک حدیث مرفوع ہے۔ آگے "فانتہی الناس سے آخر تک حدیث مرفوع نہیں ہے۔ بلکہ زہری تابعی کا قول ہے۔ زہری کی عادت تھی کہ وہ اپنا قول مرفوع حدیث میں ملا دیا کرتے تھے، طحاوی لکھتے ہیں "أنه كان يخلط كلامه بالحديث" المعتصر ص ۱۲۵ امام بخاری ؒ جزء القراءۃ ص ۱۳ میں لکھتے ہیں "و قوله فانتهي الناس" من كلام الزهري، بیہقی معرفۃ السنن میں لکھتے ہیں۔ قوله فانتهي الناس من القراءة" من قول الزهري" حافظ تلخیص الجبیر ص ۸۷ میں لکھتے ہیں "و قوله فانتهي الناس الي آخره مدرج في الخبر من كلام الزهري"۔ الغرض حدیث مالي أزناع القرآن سے امام کے پیچھے آہستہ قراءت کرنے کی ممانعت ثابت نہیں ہوتی۔ بلکہ اس سے امام کے پیچھے قراءت بالجہر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے۔ اور اسے قراءت خلف امام کے قائلین بھی ممنوع و ناجائز کہتے ہیں۔ لہذا اس حدیث سے حنفیہ کا استدلال ساقط ہے۔



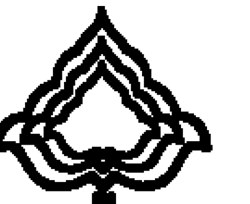
دوسرا جواب:۔ جو لوگ حضرت ابوہریرہ ؓ کی منازعت والی اس حدیث سے قراءت خلف امام کے منسوخ ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ بتائیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو اس واقعہ میں "مالي أنازع القرآن" فرمایا ہے اس قول کے فرمانے سے پہلے قراءت خلف امام منسوخ ہو چکی تھی یا نہیں؟ اگر پہلے منسوخ نہیں ہوئی تھی بلکہ اس قول کے فرمانے سے منسوخ ہوئی تھی تو اس صورت میں آپ کے "مالي أنازع القرآن" فرمانے سے پہلے آپ کا لفظ "هل قرء أحد منكم انفاً" درست کیسے ہوگا؟ کیونکہ حرف "هَلْ" سے جواب تب ہوتا ہے جبکہ اس کے بعد کا فعل سائل کو معلوم التحقق نہ ہو اور اس صورت میں لوگوں کا آپ کے پیچھے قراءت کرنا معلوم التحقق تھا، کیونکہ اس وقت تک قراءت خلف امام منسوخ نہیں



ہوئی تھی ہاں اس تقدیر پر حنفیہ کا یہ دعویٰ کہ قراءت خلف امام آیت "واذا قرئ القرآن" سے مکہ میں منسوخ ہوئی ہے بالکل باطل ہو جاتا ہے۔ اور اگر قول کے فرمانے سے پہلے قراءت خلف امام منسوخ ہو چکی تھی اور پہلے سے ہی لوگ قراءت خلف امام سے باز آچکے تھے تو جملہ "فانتهي الناس" کا معنیٰ درست نہیں بنتا کیونکہ اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ مالي انازع القرآن فرمانے کے بعد قراءت خلف امام سے باز آئے تھے۔ اور اس سے پہلے امام کے پیچھے قراءت کرتے تھے۔ کیونکہ "فانتهي الناس" کی فَا اسی کا تقاضا کرتی ہے۔ حنفیہ پہلے اس اشکال کا جواب دیں پھر اس کے بعد نسخ کا دعویٰ کریں۔

تیسرا جواب:۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث "مالي أنازع القرآن" سے امام کے پیچھے آہستہ قراءت کرنے کی ممانعت نکلتی ہے۔ تو اس تقدیر پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث ماعدا فاتحہ پر محمول ہوگی۔ اس پر ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی قراءت خلف امام والی حدیث اور خداج والی حدیث دلالت کرتی ہے۔ نیز اس پر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا قراءت خلف امام کا فتویٰ اور حدیثِ عبادہ رضی اللہ عنہ کی دلالت کرتی ہے۔ جیسا کہ حازمی نے کتاب الاعتبار میں لکھا ہے۔

حنفیہ کی پانچویں دلیل:۔ "عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" رواہ ابن ماجہ حنفیہ کی یہ دلیل بہت مشہور و معروف دلیل ہے۔ اس حدیث سے، احادیث قراءت فاتحہ خلف امام کا نسخ بھی ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ لہٰذا ان کی اس دلیل کے متعدد جواب لکھے جاتے ہیں۔



پہلا جواب:۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی یہ حدیث نہایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں جابر جعفی واقع ہے۔ جس کی بنسبت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہے "ما رأيت فيمن لقيت أفضل من عطاء، ولا لقيت فيمن لقيت أكذب من جابر الجعفي ما أتيته بشئ من رأي قط إلا جاءني فيه بحديث" کذا فی تخریج الزیلعی ص ۲۴۸۔

علامہ سندھی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں "وفي الزوائد في إسناده جابر الجعفي كذاب" یعنی کتاب الزوائد میں ہے کہ اس کی سند میں جابر جعفی ہے جو کذاب ہے۔

اور اس حدیث کے اس طریق کے سوا جتنے اور طریق ہیں وہ بھی عند الحفاظ معلول اور ضعیف ہیں لہٰذا یہ حدیث اپنے تمام طرق کے ساتھ ضعیف و معلول ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فتح الباری ۱/۴۱۵ میں لکھتے ہیں "واستدلّ من أسقطها عن المأموم مطلقًا كالحنفية بحديث من صلي خلف إمام فقراءة الإمام له قراءة لكنه ضعيف عند الحفاظ وقد استوعب طرقه وعلله الدارقطني وغيره" اور تلخیص الحبیر ص ۸۷ میں ہے۔ حدیث من كان له إمام فقراءة الإمام له قراءة "مشهور من حديث جابر وله طرق عن جماعة من الصحابة وكلها معلولة" حافظ ابن کثیر اپنی تفسیر ۱/۲۰ میں جابر کی اس حدیث کو مسند احمد سے نقل کر کے لکھتے ہیں۔ "في إسناده ضعف ورواه مالك عن وهب بن كيسان عن جابر من كلامه، وقد روي هذا الحديث من طرق ولا يصح شئ منها عن النبي ﷺ" اور ابن الجوزی "العلل المتناهية" میں اس حدیث کو دارقطنی کے طریق سے روایت کر کے لکھتے ہیں "هذا حديث لا يصح والترمذي (أي سهل بن



عباس الترمذی، أحد رواته متروك ولهذا الحديث طرق عن جابر و علی و ابن عمرو ابن عباس و عمران بن حصين ليس فيها ما يثبت" امام بخاری جزء القراءة میں لکھتے ہیں "هذا الخبر لم يثبت عند أهل العلم من أهل الحجاز و أهل العراق وغيرهم لإرساله وانقطاعه"۔

عبدالحی لکھنوی نے تلخیص الحبیر کی مذکورہ عبارت میں "كلها معلولة" کی ضمیر کو "طرق عن جماعة من الصحابة" کی طرف لوٹاتے ہوئے کہا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ جابر کے طریق کے سوا اور جتنے دیگر صحابہ کے طرق سے یہ حدیث مروی ہے وہ تمام طرق معلول ہیں لہذا تلخیص کی اس عبارت سے جابر کے طریق کا معلول ہونا ثابت نہیں ہوتا اور ایک طریق کی بھی صحت استدلال کے لئے کافی ہے۔

جبکہ لکھنوی رحمہ اللہ کی یہ تاویل حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی ہی فتح الباری کی عبارت سے رد ہو جاتی ہے۔ فتح الباری میں "لكنه ضعيف عند الحفاظ" کی ضمیر "حديث من كان له امام فقراءة الإمام له قراءة" کی طرف ہی راجع ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ حدیث "من كان له امام عند الحفاظ على الاطلاق ضعیف ہے جابر کے طریق سے مروی ہو یا کسی دوسرے صحابی کے طریق سے۔

اگر کہا جائے دار قطنی اور بیہقی کی روایت میں لیث بن أبی سلیم نے جابر جعفی کی متابعت کی ہے جس کی وجہ سے جابر جعفی کی روایت قوی ہو گئی ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ لیث بن ابی سلیم کا حافظہ اخیر عمر میں متغیر ہو گیا تھا اور اختلاط اتنا بڑھ گیا تھا کہ آفتاب بلند ہونے پر یہ مینارہ پر چڑھ کر اذان دیا کرتا تھا جیسا کہ حافظ ذہبی نے میزان میں ذکر کیا ہے۔ اور اس کی حدیث متمیز نہیں ہوئی کہ کون سی قبل از اختلاط کی ہے اور کون سی بعد از اختلاط کی۔ اسی وجہ سے اسکی حدیث ترک کر دی گئی ہے تو اسکی روایت جابر جعفی کی روایت کو کیا تقویت دے سکتی ہے؟

اگر کہا جائے کہ محدثین کا یہ قول کہ "حديث من كان له إمام" بجمیع طرقہ ضعیف و معلول ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا وہ طریق جسے امام محمد نے اپنے موطا میں روایت کیا ہے بلاشبہ صحیح اور ہر علت سے پاک ہے اور وہ طریق یہ ہے "أخبرنا أبو حنيفه ثنا ابو الحسن موسى بن ابی عائشة عن عبدالله بن شداد بن الهاد عن جابر بن عبدالله عن النبی ﷺ قال من صلي خلف الإمام......." الحدیث۔

علامہ عینی نے بنایہ شرح ہدایہ میں کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کے سب رواۃ ثقہ ہیں۔ جواب اسکا یہ ہے کہ اس کے سب راوی ثقہ نہیں ہیں۔ اس کے پہلے راوی امام محمد نے اسے امام مالک سے نہیں بلکہ امام ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے۔ اور امام محمد غیر مالک میں ضعیف ہیں۔ جیسا کہ ذہبی نے میزان میں لکھا ہے۔ اس حدیث کے ضعیف ہونے کی وجہ یہ بھی ہے کہ موسی بن ابی عائشہ کے ثقات تلامذہ نے اس حدیث کو عبداللہ بن شداد سے مرسلاً روایت کیا ہے۔ صرف ایک امام ابو حنیفہ نے اسے موصولاً روایت کیا ہے امام ابو حنیفہ اگر ثقہ ہیں تو یہ طریق شاذ ہوا اور اگر ضعیف ہیں تو یہ طریق منکر ہوا۔ اور شاذ اور منکر ضعیف کی اقسام سے ہیں۔

دوسرا جواب:۔ اگر فرض کر لیا جائے کہ حدیث "من كان له إمام" سے قراءت خلف امام کی ممانعت نکلتی ہے تو بھی اس سے قراءت خلف امام کا نسخ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ ناسخ کے لئے ضروری ہے کہ منسوخ سے مؤخر ہو۔ اور اس حدیث

کا احادیث قراءت خلف امام سے مؤخر ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے۔ حنفیہ اس حدیث سے دعوی نسخ تو کرتے ہیں لیکن دلیل سے اسکا تاخر ثابت نہیں کرتے۔

تیسرا جواب:۔ حدیث جابر "من كان له إمام......." آیت "فاقرؤ ماتيسر من القرآن" کے مخالف و معارض ہے کیونکہ یہ آیت بعمومہ مقتدی کو بھی شامل ہے۔ پس حدیث بمقابلہ آیت قرآنیہ ہر گز قابل عمل نہیں ورنہ خبر واحد سے آیت قرآنیہ کا ترک لازم آئیگا، جو جائز نہیں۔

چوتھا جواب:۔ حدیث "من كان له إمام" عند الحنفیہ بھی نا قابل استدلال ہے۔ کیونکہ اس حدیث کو حضرت جابر کے علاوہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ انس رضی اللہ عنہ، ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، علی رضی اللہ عنہ، عمران بن حصین رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا ہے۔ دیکھئے تخریج الزیلعی والحافظ للھدایہ۔ اور ان تمام حضرات نے بعد وفاۃ النبی ﷺ قراءت فاتحہ خلف الامام کا فتوی دیا ہے۔ اور حنفیہ کے نزدیک جب راوی صحابی اپنی حدیث کے خلاف فتویٰ دے یا اس کے خلاف عمل کرے تو اسکی حدیث منسوخ سمجھی جائے گی۔ پس معلوم ہوا کہ حدیث من کان لہ امام حنفیہ کے نزدیک منسوخ اور نا قابل عمل ہے۔ اور نا قابل استدلال ہے۔

پانچواں جواب:۔ جابر کی حدیث "من كان له إمام" قراءت فاتحہ خلف الامام کی ممانعت میں نص نہیں ہے کیونکہ اس حدیث میں احتمال ہے کہ قراءت سے ماعدا فاتحہ مراد ہو۔ حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث قراءت فاتحہ خلف امام کے وجوب میں نص صریح ہے لہذا حدیث عبادۃ حدیث جابر پر مقدم ہو گی۔



چھٹا جواب:۔ علامہ ابو الحسن سندھی حاشیہ ابن ماجہ میں لکھتے ہیں "کہا گیا ہے کہ احتمال ہے کہ جابر کی حدیث "من كان له إمام" کا یہ مطلب ہو کہ جو شخص امام کے پیچھے ہو تو اسے آپ اپنی قراءت کرنی چاہیے کیونکہ امام کی قراءت امام ہی کے لئے ہے۔

شرح بخاری

حنفیہ کی چھٹی دلیل:۔ عن الحارث عن علي قال سأل رجل النبي ﷺ أقرء خلف الإمام أو انصت؟ قال: لا بل انصت فإنه يكفيك" رواه البيهقي في كتاب القراءة۔

حنفیہ اسے احادیث قراءت خلف امام کی ناسخ بتاتے ہیں۔ حالانکہ اس روایت کی سند بھی معتبر نہیں اور نہ ہی اسکا احادیث قراءت خلف امام سے مؤخر ہونا ثابت ہے حالانکہ اسکی سند میں حارث اعور ہے جس کے بارہ میں امام شعبی فرماتے ہیں "حدثني الحارث الأعور الهمداني و كان كذابا" صحیح مسلم ص ۱۴۔ یہ حارث اعور وہی غالی شیعہ ہے کہ مرہ ہمدانی نے اس سے ایک مرتبہ کوئی ناگفتہ بہ بات سنی اور اسے کہا دروازے پر ٹھہر۔ اندر گئے تلوار اٹھالائے تا کہ اسکا کام تمام کر دیں لیکن یہ بھاگ کھڑا ہوا (مقدمہ صحیح مسلم ص ۱۵) دوسری وجہ ضعف اسکی یہ ہے کہ اس میں محمد بن سالم ہے جو انتہائی ضعیف ہے۔ تیسری وجہ اس کی سند میں قیس بن ربیع ہے جو ضعیف ہے۔ چوتھی وجہ اسکے ضعف کی یہ ہے کہ اسکی سند میں غسان بن ربیع ہے جو ضعیف ہے۔



حنفیہ کی ساتویں دلیل:۔ کنز العمال میں حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مرفوعاً روایت ہے "مالي أنازع القرآن إذا صلي أحدكم خلف الإمام فليصمت فان قراءته له قراءة وصلوته له صلوة"۔

جواب: اسکی سند میں احمد بن محمد عجلانی ہے جو مجہول ہے اسکا کچھ پتہ نہیں یہ کون ہے۔ اور کیسا ہے۔

حنفیہ کی آٹھویں دلیل:۔ عن أنس قال قال النبی ﷺ من قرء خلف الإمام ملي فوه نارًا" اخرجہ ابن حبان فی الضعفاء۔

جواب:۔ یہ روایت موضوع ہے اسکا راوی احمد بن علی وضاع ہے جیسا کہ میزان میں ہے۔ کذا فی تخریج الزیلعی ۱/۱۳۴۔

حنفیہ کی نویں دلیل:۔ نہایہ شرح ہدایہ کا مصنف لکھتا ہے "قال النبی ﷺ من قرء خلف الإمام يملأ فی فيه جمرة"۔

جواب:۔ یہ روایت باطل اور بے اصل ہے۔ کتب حدیث میں اسکا کوئی نام ونشان نہیں ہے۔ عبد الحی لکھنوی امام الکلام میں لکھتے ہیں "لا أثر له فی كتب المحدثين الثقات ولا طريق لرفعه عند الأثبات ولا عبرة بذكر صاحب النهاية وغيره من شراح الهداية لأنهم ليسوا من المحدثين"۔

حنفیہ کی دسویں دلیل:۔ عن عمران بن حصين قال كان النبی ﷺ يصلي بالناس ورجل يقرء خلفه فلما فرغ قال من ذالذی يخالجنی فی سورة فنهاهم عن القراءة خلف الإمام" رواہ الدار قطنی"۔

جواب:۔ یہ روایت ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں حجاج بن أرطاۃ مدلس ہے اور اس نے اسے قتادہ سے "عَنْ" کے لفظ سے روایت کیا ہے۔ جیسا کہ حافظ نے تقریب میں لکھا ہے "صدوق كثير الخطأ والتدليس"۔

دوسرا جواب:۔ اس روایت میں جملہ "فنهاهم عن القراءة" جس سے قراءت خلف امام کی ممانعت ثابت کی جاتی ہے۔ صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اس جملہ کے ساتھ حجاج بن أرطاۃ متفرد ہے۔ اس روایت کو قتادہ سے شعبہ، ابن ابی عروبہ، معمر، اسماعیل بن مسلم، حجاج بن حجاج، ایوب بن ابی مسکین، ہمام اور ابان اور سعید بن بشیر نے روایت کیا ہے۔ لیکن ان میں سے کسی نے اس جملہ کو روایت نہیں کیا۔ اسے روایت کرنے والا حجاج بن ارطاۃ ضعیف ہے تو یہ جملہ "فنهاهم عن القراءة" منکر ہے۔

حنفیہ کی گیارھویں دلیل:۔ روی عبد الرزاق فی مصنفه أخبرني موسى بن عقبة أن رسول الله ﷺ و أبابكر وعمر وعثمان كانوا ينهون عن القراءة خلف الإمام"۔

جواب: یہ روایت منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے کیونکہ موسیٰ بن عقبہ صغار تابعین سے ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بھی اسکی تردید کرتا ہے جو ان سے قراءت فاتحہ خلف الإمام کے بارہ میں مروی ہے جیسا کہ امام الکلام میں ذکر ہوا ہے۔

حنفیہ کی بارھویں دلیل:۔ عن أبی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول الله ﷺ كل صلوٰة لا يقرء فيها بأم القرآن فهي خداج إلا صلوٰة خلف امام" رواہ البیہقی فی کتاب القراءۃ۔

جواب:۔ یہ روایت ضعیف اور ناقابل استدلال ہے۔ اور اس میں إلا صلوٰة خلف إمام "منکر ومردود ہے۔ کیونکہ اس روایت کا مدار عبد الرحمن بن اسحٰق واسطی پر ہے۔ اور یہ راوی متروک اور منکر الحدیث ہے۔ امام بیہقی نے کتاب القراءت ص ۱۳۵ میں اسکا ضعف نقل کیا ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے اسکا منکر الحدیث ہونا منقول ہے اس استثناء کا غیر معتبر ہونا اس

سے بھی ثابت ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی خداج والی حدیث صحیح مسلم وغیرہ میں مروی ہے۔ جس سے سری، جہری تمام نمازوں میں قراءت فاتحہ کا وجوب ثابت ہے لہذا "الا صلوٰۃ خلف امام" کے منکر اور ناقابل اعتبار ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

حنفیہ کی تیرھویں دلیل:۔ "عن ابی سعید الخدری قال سألت رسول اللہ ﷺ عن الرجل خلف الامام لا یقرء شیئًا أیجزیہ ذلك؟ قال نعم" کتاب القراءۃ۔

جواب:۔ اس روایت کا مدار ابوھارون عبدی پر ہے جو کہ بہت بڑا کذاب اور مفتری ہے۔ بعض محدثین نے کہا ہے کہ ابوھارون فرعون سے بھی زیادہ جھوٹا ہے۔ شعبہ کہتے ہیں کہ میری گردن اڑا دی جائے تو یہ مجھے پسند ہے اس سے روایت کرنا پسند نہیں ہے۔

حنفیہ کی چودھویں دلیل:۔ عن جابر بن عبداللہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول من صلّٰی صلوٰۃ لم یقرء فیھا بفاتحۃ الکتاب فلم یصلِّ إلا وراء الإمام" کتاب القراءت والطحاوی فی شرح معانی الاثار۔

جواب:۔ یہ روایت ضعیف ہے اسکی سند میں یحيٰ بن سلام ہے جو ضعیف ہے۔ امام طحاوی ایک روایت کی بنسبت لکھتے ہیں جس میں یحی بن سلام ہے "ذلك حدیث یحی بن سلام عن شعبة فھو حدیث منکر لا یثبته اھل العلم بالروایة لضعف یحی بن سلام عندھم و ابن أبی لیلیٰ و فساد حفظھما" شرح معانی الاثار ج ۱ ص ۴۳۰ یعنی محدثین کے نزدیک یحی بن سلام ضعیف ہے اور اس کے حافظہ میں فساد ہے اس لئے اسکی روایت ضعیف و منکر ہے۔

حنفیہ کی پندرھویں دلیل:۔ مولانا احمد علی اپنے رسالہ "دلیل قوی" میں لکھتے ہیں "عن عبادة بن الصامت أنه علیه السلام قال: لا یقرأن أحد منکم شیئًا من القرآن إذا جھرت بالقرآن" قال الدارقطنی رجاله کله ثقات ذکرہ الزیلعی۔

جواب:۔ اس حدیث کے آخر میں "إلا بأم القرآن" بھی زیادہ ہے۔ لہذا یہ حدیث دار قطنی میں ویسے نہیں ہے جیسے نقل کی گئی ہے۔ بلکہ دار قطنی میں یہ حدیث یوں ہے "فلا یقرأنّ أحد منکم من القرآن شیئًا اذا جھرت بالقراءۃ إلا بأم القرآن" "ھذا اسناد حسن ورجاله ثقات کلھم" یہ حدیث امام کے پیچھے جہری نمازوں میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنے کی دلیل ہے۔ مولانا احمد علی نے جو روایت نقل کی ہے وہ ان لفظوں سے ثابت ہی نہیں ہے۔ زیلعی سے مراد اگر صاحب تخریج الھدایۃ ہے تو تخریج الھدایۃ میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ اور اگر کوئی اور زیلعی ہے تو اس سے اس روایت کو نقل کرنے میں غلطی ہوئی ہے جس نے جملہ استثنائیہ "إلا بأم القرآن" نقل کرنا چھوڑ دیا ہے۔ یا خود مولانا سے غلطی ہوئی ہے۔

حنفیہ کی سولھویں دلیل:۔ شرح معانی الاثار میں ہے "عن أنس قال صلی رسول اللہ ﷺ ثم أقبل بوجھه فقال: أتقرؤن والإمام یقرء فسکتوا فسألھم ثلاثًا فقالوا إنا نفعل، قال فلا تفعلوا" طحاوی نے اس سے قراءت خلف امام کی ممانعت پر استدلال کیا ہے۔

حدیث کے پیش نظر سورۃ فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ اور ماتیسر سے متعلق اگر دلیل سے اسکی تعیین ثابت ہو تو واجب ہوگا ورنہ مستحب ٹھہرے گا اور کسی دلیل سے فاتحہ سے زائد کا تعین ثابت نہیں ہے۔ اس لئے مازاد واجب نہیں ہوگا کیونکہ واجب کے لئے متعین ہونا ضروری ہے خواہ وہ تعیین خارجی ہو یا شرعی اور اس استحباب سے مقتدی کی وہ جہری نماز خارج

جواب:۔ اس حدیث سے حنفیہ کا دعویٰ ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ حدیث مختصر ذکر کی گئی ہے۔ بیہقی اور ابن حبان وغیرہما نے اس حدیث کے آخر میں اتنا اور زیادہ روایت کیا ہے "ولیقرء أحد کم بفاتحة الکتاب فی نفسہ" لہٰذا حضرت انس کی یہ حدیث مکمل یوں ہے۔

"عن أنس قال صلی رسول اللہ ﷺ ثم أقبل بوجهه فقال: أتقرؤن والإمام یقرء فسکتوا فسألهم ثلاثًا فقالوا إنا نفعل قال فلا تفعلوا ولیقرء أحد کم بفاتحة الکتاب فی نفسہ" جیسا کہ امام الکلام ص ۱۴۰ پر بھی ہے۔ اور بعض احادیث بعض کی مفسر ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ طحاوی کی روایت میں اختصار ہے۔ اور راوی حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ لوگوں کو قراءت خلف امام کا حکم دیا کرتے تھے۔ کتاب القراءت ص ۵۰ میں ہے "عن ثابت عن أنس قال کان یأمرنا بالقراءة خلف الامام"۔

مناظرہ:۔ حنفیہ بڑے فخر کے ساتھ لکھتے ہیں کہ ایک گروہ امام اعظم کے پاس قراءت خلف امام کے مسئلہ میں مناظرہ کرنے کے لئے آیا اور امام صاحب سے کہا کہ آپ امام کے پیچھے الحمد پڑھنے کو منع کہتے ہیں آپ کے پاس اسکی کیا دلیل ہے؟ ہم لوگ اس مسئلہ میں آپ سے مناظرہ کرنے آئے ہیں۔ امام صاحب نے فرمایا میں تنہاء آپ اتنے علماء سے کیونکر مناظرہ کر سکتا ہوں، تو آپ لوگ اپنے میں سے ایک شخص کو مناظرہ کے لئے منتخب کریں انہوں نے اسی وقت اپنے میں سے ایک شخص کو منتخب کر کے مناظرہ کے لیے آگے کر دیا۔ امام صاحب نے کہا کہ اگر یہ شخص ہار جائے تو یہ آپ سب کی ہار سمجھی جائے گی اور اگر یہ مجھ پر جیت جائے تو یہ آپ سب کی جیت تصور ہوگی۔ سب لوگوں نے کہا ان کی ہار ہماری ہار اور ان کی جیت ہم سب کی جیت ہوگی۔ امام صاحب نے فرمایا بس میری یہی دلیل ہے۔ کہ جب ایک شخص مناظرہ کے لئے کافی ہو سکتا ہے اور اسکی ساری بحث آپ سب کو کفایت کر سکتی ہے تو نماز میں امام کی قراءت سب مقتدیوں کو کیوں کفایت نہیں کر سکتی؟ اس پر سب لوگ مغلوب ہو گئے۔ یہ مناظرہ فرضی اور مصنوعی معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ جو لوگ مناظرہ کے لئے آئے تھے نا معلوم وہ کیوں مغلوب ہو گئے ورنہ ادنیٰ طالب علم یا کوئی سمجھدار عامی ہوتا تو اسی وقت بول اٹھتا کہ حضور آپ کی اس تقریر سے تو لازم آتا ہے کہ مقتدی لوگ نماز میں اول سے آخر تک بالکلیہ چپ چاپ رہیں کچھ بھی نہ پڑھیں۔ نہ تکبیر کہیں نہ دعا ثناء پڑھیں۔ اور نہ رکوع و سجود میں تسبیحات اور نہ تشہد میں التحیات وغیرہ کیونکہ یہ سب کچھ امام پڑھتا ہے اسکا پڑھنا سب مقتدیوں کو کفایت کرے گا جیسا کہ مجلس مناظرہ میں مناظر کی تمام تقریر سب لوگوں کے لئے کافی ہوتی ہے۔ امام صاحب کے کسی نادان دوست نے یہ مناظرہ بنا کر ان کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ (انتہی)

محدث العصر محقق زماں علامہ مبارکپوری۔ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ کی تصنیف انیق "تحقیق الکلام" سے فاتحہ خلف الامام کے بارہ میں ہم نے طرفین کے یہ دلائل اختصار سے نقل کر دیئے ہیں تاکہ کسی بھی منصف کو فاتحہ خلف الامام کے بارہ میں حق موقف تک پہنچنے میں آسانی رہے۔

ہوگی جس میں قراءت سن رہا ہو کیونکہ دوسری حدیث میں اس کی ممانعت وارد ہو چکی ہے۔ ماتیسر کا لفظ جب مطلق آجائے تو اس سے اختیار مراد ہوتا ہے قرآن کریم میں "فما استیسر من الھدی" میں ھدی کا فرض ہونا مراد ہے اس لیے کہ اس کی مقدار معین ہے کیونکہ حدیث میں آتا ہے "شأة فما فوقھا" بکری ذبح کرے یا گائے یا اونٹ ھدی دے۔

یہ احادیث مطلق تھیں جو مقتدی کو بھی شامل تھیں۔ اور بعض احادیث ایسی ہیں جن میں خاص مقتدی کا ذکر ہے ان میں سے ایک حدیث حضرت عبادۃ بن صامت کی ہے جو ترمذی اور ابوداؤد میں ہے وہ کہتے ہیں "كنا خلف رسول الله ﷺ فی صلوة الفجر فقرء رسول الله ﷺ فثقلت عليه القراءة فلما فرغ قال: لعلكم تقرؤن خلف إمامكم قلنا: نعم هذًا يارسول الله قال: لاتفعلوا إلا بفاتحة الكتاب فإنه لاصلوة لمن لم يقرء بها" ابوداؤد والترمذی وقال: حسن والدارقطنی. وقال هذا إسناده حسن واحمد والبخاری فی جزء القراءة وابن حبان والحاکم والبیهقی، وتلخیص الحبیر ص ۸۷۔

یہ حدیث اپنے مفہوم میں صریح ہے۔ مگر پھر بھی اس میں متعدد ابحاث ہیں بعض ابحاث کا تعلق اس کی سند سے ہے اور بعض کا متن سے۔ اس کی سند پر یہ اعتراض کیا گیا ہے کہ اس میں محمد بن اسحٰق پر جرح کی گئی ہے اور دوسرا یہ کہ اس میں مکحول مدلّس ہے تیسرا یہ کہ اسکی سند میں اضطراب ہے کہیں آتا ہے کہ مکحول، محمود سے روایت کرتا ہے کہیں آتا ہے کہ مکحول، نافع بن محمود سے روایت کرتا ہے پھر نافع بن محمود سے روایت کرنیوالا زہری ہے۔ بعض جگہ رجاء بن حیوہ آتا ہے۔ کہیں حکیم بن حزام ہے اسے اضطراب کہتے ہیں۔ حالانکہ اضطراب تب ہوتا ہے جبکہ تطبیق یا ترجیح نہ ہو سکے۔ امام محمد بن اسحٰق پر جو جرحیں ہیں وہ اکثر تو غیر مفسر ہیں اور توثیق کے بعد جرح غیر مفسر کا اعتبار نہیں ہوتا۔ جرح غیر مفسر جیسے کہا گیا ہے کہ یہ قوی نہیں یا ضعیف ہے یا ہیچ ہے یا اس سے احتجاج نہیں ہو سکتا۔ ایسی جرحیں مبہم، غیر مفسر ہیں۔ اور محمد بن اسحاق کے متعلق یہ کہنا کہ وہ اہل کتاب سے روایت کرتا ہے یہ بات قابل التفات نہیں کیونکہ اہل کتاب سے روایت کرنا کوئی جرم نہیں ہے؟ بڑا اعتراض یہ ہے کہ امام مالک نے محمد بن اسحٰق کو دجال اور کذاب کہا ہے۔ امام ذھبی نے اس کی خوب تردید کی ہے کیونکہ امام مالک کا ایسا کہنا غصہ کی وجہ سے تھا، امام مالک سے اسکے متعلق پوچھا گیا کہ آپ اسے دجال یا کذاب کیوں کہتے ہیں تو انہوں نے کہا میں نے ہشام سے سنا ہے۔ ہشام سے پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ یہ شخص میری بیوی سے روایت کرتا ہے۔ حالانکہ اس نے اسے دیکھا تک نہیں ہے۔ ذھبی نے کہا ہے اس کی بیوی اس سے بڑی عمر کی تھی اور بچے گھروں میں چلے جاتے ہیں یا کہیں ان سے جمع ہو گیا اور سن لیا ہوگا بعض نے کہا ہے کہ جب وہ ہشام کے گھر آئی تھی تو آٹھ یا نو برس کی تھی۔ ذھبی نے اس بات کو غلط قرار دیا ہے کیونکہ وہ تو ہشام سے نو برس بڑی تھی اگر وہ ہشام کے گھر میں آٹھ، نو برس کی عمر میں آئی ہے تو کیا ہشام کا اس سے نکاح پیدائش سے پہلے ہو گیا تھا؟ محمد بن اسحٰق کے بارہ میں آتا ہے کہ جب تک یہ شخص مدینہ میں زندہ ہے اس وقت تک علم بھی زندہ ہے شعبہ نے کہا اگر میرا اختیار ہو تو میں اسے امیر المحدثین کا خطاب دیدوں، زھری سے ایک روایت

یہ بھی آتی ہے کہ اس نے محمود اس نے عبادہ بن صامت سے روایت کی ہے جس میں یہ آتا ہے "لاصلوۃ لمن لم یقرء بفاتحۃ الکتاب خلف الإمام" یہ الفاظ احناف کو بڑے ناگوار ہیں۔ کہتے ہیں "لوحلف أحد بإدراجها لم یحنث" یعنی اگر کوئی شخص قسم اٹھا کر کہے کہ یہ لفظ مدرج ہے تو حانث نہیں ہوگا۔ اتنی جرأت کی ہے اور دلیل یہ دی ہے کہ زھری جہری نمازوں میں مقتدی کے پڑھنے کا قائل نہیں ہے۔ اسکا جواب اس سے قبل آچکا ہے کہ ممکن ہے کہ زہری اسے سرّی نمازوں پر محمول کرتا ہو۔ جیسا کہ امام مالک نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خداج والی حدیث کو سرّی نمازوں پر محمول کیا ہے۔ اور یہ قاعدہ بھی ہے کہ راوی کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے اسکی رائے کا نہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس حدیث کی سند میں ایک راوی ایسا ہے جسکا مذہب امام کے پیچھے پڑھنے کا تھا اس نے "خلف الإمام" کا لفظ کہا ہوگا حالانکہ یہ رواۃ حدیث کے بارہ میں بدظنی کا اظہار ہے جبکہ مذہب احادیث کے مطابق ہونا چاہیے۔ اس کے برعکس احادیث مذہب کو دیکھ کر نہیں بنائی جاتیں اب ایک تاویل نکلی ہے۔ احسن الکلام والے نے کہا ہے "خلف الإمام" سے یہ مراد ہے کہ امام کے سلام پھیرنے کے بعد جسکی ایک رکعت رہ گئی ہے اس میں فاتحہ نہ پڑھے تو نماز نہیں ہوتی۔ حالانکہ حنفی مذہب میں اس میں بھی ہمیشہ نہیں پڑھا جاتا۔ مثال کے طور پر اگر امام مسافر ہو، اسکی اقتداء میں مقتدی نماز پڑھتا ہے حنفی مذہب میں وہ جو رکعتیں بعد میں اٹھ کر پڑھے گا ان میں فاتحہ وغیرہ نہیں پڑھے گا۔ کیونکہ وہ حکماً مقتدی ہی ہے۔ اور مقتدی پر قراءت نہیں ہے۔ اور اگر امام کے ساتھ ایک رکعت پالے تو کہتے ہیں کہ بعد والی ایک رکعت میں پڑھ سکتا ہے۔ دونوں میں نہ پڑھے۔

ایسے ہی جو شخص نماز امام کے ساتھ شروع کرے۔ اور امام کے ساتھ دو رکعتیں پڑھ کر اسکا وضوء ٹوٹ جائے اور وضوء کر کے آکر آخری التحیات میں مل جائے تو جو دو رکعتیں وہ بعد میں پڑھے ان میں بھی بقول ان کے قراءت نہیں کرے گا۔ گویا ان کے نزدیک مسبوق پڑھے گا۔ مگر لاحق نہیں پڑھے گا۔ اور جن دو رکعتوں میں پڑھے گا ان میں فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی پڑھے گا۔ لیکن اعتراض یہ ہے کہ اگر سورت بھی پڑھے گا تو "لاصلوۃ إلا بفاتحۃ الکتاب خلف الإمام" میں فاتحہ کو خاص کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ حدیث کو اپنے مذہب کے مطابق بنانے کی کوشش کرنا غلط روش ہے۔ پھر اس حدیث کے راوی صحابی عبادۃ بن صامت کا مذہب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی لہذا حدیث کو توڑ مروڑ کر اپنے مذہب کے مطابق بنانا راوی حدیث "صحابی" کی رائے کے بھی خلاف ہے۔ حضرت عبادۃ بن صامت امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے۔ محمود نے پوچھا آپ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا شروع کر دیتے ہیں کہا "لاصلوۃ إلا بها" اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ یہ گفتگو سند کے بارہ میں تھی۔

اس حدیث کے مفہوم کے بارہ میں بھی بحث کرتے ہیں۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ دو حدیثیں تھیں۔ حضرت عبادہ نے دونوں کو اکٹھا کر دیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "لعلکم تقرؤن خلف إمامکم قلنا نعم هذًا یا رسول اللہ قال: لا تفعلوا إلا بأم القرآن" یہ حدیث الگ ہے کیونکہ اسقدر بھی مروی ہے۔ اور دوسری حدیث اس سے الگ ہے اگرچہ وہ بھی عبادۃ بن صامت سے ہی مروی ہے۔ گویا دو احادیث مختلف موقعوں کی ہیں جن کو اکٹھا

کر دیا ہے یا نبی کریم علیہ السلام نے ہی ایک دفعہ فرمایا تھا لیکن نبی کریم علیہ السلام نے دو مسئلے بیان کئے تھے ایک مسئلہ امام اور منفرد کا۔ اور ایک مسئلہ مقتدی کا۔ مگر ان دونوں باتوں کی تردید اس طرح ہو جاتی ہے کہ اگر یہ دو حدیثیں ہوتیں یا حدیث ایک ہوتی اور مسئلے دو ہوتے تو درمیان میں ایسا حرف ہونا چاہیئے تھا جس سے پتہ چلتا کہ دو حدیثیں ہیں۔ جبکہ یہاں ایسا لفظ استعمال ہوا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایک ہی حدیث ہے۔ ارشاد نبوی ہے "لاتفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لاصلوة لمن لم يقرء بها" اس میں "فإنه" کے بعد جملہ تعلیلیہ ہے۔ جس کا تقاضا ہے کہ یہ معلل بہ کی خبر ہے۔ اور وہ پہلا جملہ ہے جس کی علت بیان ہو رہی ہے۔ کیونکہ فاتحہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے اس لئے کہ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے "إن كنتم لابدفاعلين فليقرء أحدكم فاتحة الكتاب فی نفسه[1]" یہ لفظ اصل میں مرسل ہے۔ موصول نہیں ہے۔ انور شاہ نے کہا ہے کہ امام بیہقی رحمہ اللہ نے دوسرے مقام پر اسے موصول ذکر کیا ہے۔ حالانکہ جو حدیث موصول ہے وہ الگ ہے جو صحابہ میں سے ایک رجل سے مروی ہے۔ اس میں یہ لفظ آتا ہے "إلا أن يقرء أحدكم فاتحة الكتاب" انور شاہ نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے اس کے بعد تاویل شروع کر دی کہ "أحدكم" اکیلے کے لئے ہے۔ حالانکہ حضرت عبادۃ بن صامت کا یہ مذہب نہیں ہے کہ اکیلا ہو تو تب پڑھے لیکن فليقرء والی روایت حضرت انس کی ہے۔ حنفی کہتے ہیں اصل میں وہی روایت تھی جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے آتی ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے جہری نماز پڑھا کر فرمایا تھا "مالي أنازع القرآن" اس کے بعد آتا ہے "فانتهي الناس عن القراءة فيماجهر فيه رسول الله" لیکن امام ترمذی نے اسکا جواب دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ یہ ابوہریرۃ کی روایت ہے اور وہ امام کے پیچھے قراءۃ فاتحہ کا فتویٰ دیتے تھے لہذا "فانتهي الناس عن القراءة" سے وہی قراءت مراد ہے جس میں منازعت ہو۔ اور وہ منازعت والی قراءت سے رک گئے تھے۔ عبدالحی لکھنوی نے بھی کہا ہے کہ اس حدیث میں منازعت کا ذکر ہے اور فرمایا "مالي أنازع القرآن" یہ نہیں کہا کہ قراءت نہ کرو۔ اور منازعت اونچی پڑھنے میں ہوتی ہے۔



یہ اعتراض بھی کیا جاتا ہے کہ اگر منازعت جہر سے متصور ہوتی ہے تو آپ نے جہری نمازوں میں کیوں منع کر دیا کہ فاتحہ کے بغیر کچھ نہ پڑھو؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ فاتحہ نماز کا رکن ہے۔ اور سب کو یاد ہوتی ہے۔ اس کے بغیر نماز نہیں ہوتی لہذا اجازت دیدی کہ اسے پڑھو، باقی قرآن عموماً یاد نہیں ہوتا۔ اگر اسے مقتدی پڑھے گا تو امام سے سن کر پڑھے گا اور جب اس سے سن کر پڑھے گا تو اس صورت میں بعض الفاظ جہراً بھی ادا ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے امام کو تشویش پیدا ہو جاتی ہے۔ لہذا قرآن کا باقی حصہ منازعت کے خطرے کیوجہ سے ممنوع کر دیا گیا۔ اور فاتحہ نفس منازعت کیوجہ سے ممنوع کی گئی تا کہ امام سے منازعت نہ ہو اور فرمایا "إن كنتم لابدّ فاعلين فليقرء أحدكم فاتحة

[1] مصنف ابن أبي شيبہ ۳۷۵۷ ج ۱ ص ۳۲۸۔

الکتاب فی نفسہ[1]" اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ اگر پڑھے بغیر چارہ نہیں اور تم کوئی فرض ادا کرنا چاہتے ہو، توفاتحہ پڑھو کیونکہ ایک حدیث آتی ہے "لاصلوٰۃ إلّا بقراءۃ" اس میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس فرض کی ادائیگی کے لئے صرف فاتحہ پڑھو۔ کیونکہ نماز میں قرآن کا ہونا ضروری ہے۔ حدیث مذکور میں "لَا بُدَّ" سے مراد شرعی چیز ہے جس کے بغیر چارہ نہ ہو۔ اور شرعاً جس کے بغیر چارہ نہ ہو وہ نماز کی جزء ہوتی ہے۔ اس لئے تمام احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث میں "إن بعضکم خالجنیھا" آتا ہے اس سے مراد بھی منازعت ہے۔ لہٰذا امام کے ساتھ منازعت نہیں ہونی چاہیئے۔ اور منازعت جہر سے ہوتی ہے۔ اس لئے امام کے پیچھے جہر سے نہیں پڑھنا چاہیئے۔ باقی "قراءۃ الإمام لہ قراءۃ" جو روایت آتی ہے اگر یہ صحیح ثابت ہوجائے کہ یہ ظہر کی نماز کا واقعہ ہے۔ کہ کسی نے ظہر کی نماز میں قراءت کی تو نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا جس شخص کا امام ہو تو امام کی قراءت اسی کے لئے ہے۔ مولانا سندھی نے سنن ابن ماجہ کا حاشیہ لکھا ہے وہ کہتے ہیں "من صلي خلف الإمام فلیقرء بفاتحۃ الکتاب[2]" جو شخص امام کے پیچھے نماز ادا کرے وہ سورۃ فاتحہ ضرور پڑھے کیوں؟ اس لئے کہ "قراءۃ الإمام لہ قراءۃ" امام کی قراءت تو امام ہی کے لئے ہے۔ لہٰذا تمہیں الگ اپنی قراءت کرنی چاہیئے۔ یہ علامہ سندھی حنفی نے معنی کیا ہے۔ مولانا مبارکپوری نے اپنی کتاب "تحقیق الکلام" میں علامہ سندھی کے حوالے سے اسے ذکر کیا ہے۔ اگر وہ واقعہ ثابت ہوجائے کہ نبی اکرم ﷺ ظہر یا عصر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ کسی نے آپ کے پیچھے سورۃ "سبح اسم ربك الأعلی" پڑھی تو نماز کے بعد آپ نے پوچھا کس نے "سبح اسم ربك الأعلی" پڑھا ہے ایک شخص نے کہا میں نے اے اللہ کے رسول، تب آپ نے یہ حدیث بیان فرمائی "تو اس سے یہ بات ثابت ہوجائے کہ یہ حدیث ماعدا فاتحہ میں وارد ہے۔ جیسا کہ لکھنوی نے امام الکلام میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ واقعہ صحیح سند سے ثابت نہیں ہے یہ حدیث بھی مرسل ہے محدثین نے جو ارسال کی جرح کی ہے اسے اٹھایا نہیں جاسکا۔

اگرچہ یہ لوگ اس کی دو اسانید ذکر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک شرط مسلم پر ہے اور دوسری شرط شیخین پر ہے۔ جسے شرطِ مسلم پر کہتے ہیں اسے انور شاہ نے غیر صحیح کہا ہے۔ کیونکہ اس میں جابر جعفی گرا ہوا ہے۔ اور شرط شیخین والی کو سب سے پہلے ابن ہمام نے پیش کیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے یہ دریافت نہیں ہوئی اور پہلے لوگوں کو نہیں ملی۔ اور اس کے روایت کرنے میں اسحٰق ازرق متفرد ہے۔ سفیان اور شریک کے شاگردوں میں سے کوئی بھی اسے روایت نہیں کرتا۔ سفیان اور شریک سے صرف اسحٰق ازرق جابر کا لفظ نقل کرتا ہے۔ لہٰذا ایسی سند میں جو سفیان اور شریک سے تواتر کے ساتھ آئی ہے اسحٰق ازرق کی زیادتی قطعاً شاذ ٹھہرے گی اسلئے سفیان اور شریک کی سند میں جابر کا لفظ یا تو کسی کاتب کا وہم ہے یا شاذ ہے۔ دونوں صورتوں میں ضعیف ہے۔ امام ابوحنیفہ کی روایت میں وہ قصہ آتا

شرح بخاری

---

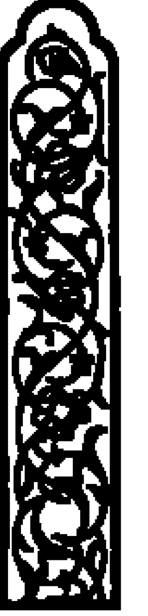
[1] مصنف ابن أبي شیبہ ۳۷۵۷ ج ۱ ص ۳۲۸۔

[2] مسند الشامیین للطبرانی ۲۹۱ ج ۱ ص ۱۷۱۔

ہے اس کے ساتھ جابر بھی ذکر ہے۔ حنفی اس پر اعتماد کر لیتے ہیں۔ اور اسے شاذ کہنا برداشت نہیں کرتے۔ حالانکہ راوی ثقہ ہونے کے باوجود روایت شاذ ہوسکتی ہے جبکہ دوسرا کوئی راوی بیان نہ کرتا ہو۔ موسی کے دس، بارہ شاگردوں میں سے کوئی بھی جابر کا لفظ بیان نہیں کرتا۔ ابوحنیفہ جب موسی سے، اور وہ عبداللہ بن شداد سے روایت کرتے ہیں تو جابر کا لفظ ذکر کرتے ہیں۔ اور عبداللہ بن مبارک جب ابوحنیفہ سے بیان کرتے ہیں تو وہ جابر کا لفظ چھوڑ جاتے ہیں۔ اسکا مطلب یا تو یہ ہے کہ ابوحنیفہ نے کبھی کہا ہوگا۔ کبھی نہیں کہا ہوگا۔ یا انہوں نے اچھی طرح کرید کی ہوگی اس لئے انہوں نے چھوڑ دیا۔

"فانتهي الناس عن القراءة" جو لفظ آتے ہیں یہ راوی کے لفظ ہیں زہری کے ہیں یا حضرت ابوہریرہؓ کے۔ اس میں اختلاف ہے ایک روایت میں ہے کہ معمر نے کہا: قال ابوهريرة "فانتهي الناس عن القراءة[3]" ابو داؤد کا ایک استاد ایسے بیان کرتا ہے۔ باقی چار زُھری کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ گویا "فانتهي الناس" زہری نے کہا ہے۔ لیکن زہری کو بھی ابوھریرة سے یہ بات پہنچی ہوگی لیکن یہ سند منقطع ہے۔ کیونکہ زہری کی ابوھریرہ سے ملاقات نہیں ہے۔ اور راوی کا نام نہیں لیا پہلی سند میں جو راوی آیا ہے۔ اس کے ذریعے یہ زیادتی بیان نہیں کی۔ اس لئے بعض نے چھوڑ ہی دیا۔ انور شاہ نے کہا ہے زہری نے حدیث کے اندر کلمہ ذرا آہستہ کہا تھا لوگوں کو اسکی سمجھ نہ آئی تو انہوں نے پوچھا کہ زھری نے کیا کہا ہے۔ بتایا گیا کہ "فانتهي الناس عن القراءة" کہا ہے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ اپنے پاس سے کہا ہے۔ حالانکہ محدثین نے تو یہی کہا ہے کہ یہ زھری کا اپنا قول ہے۔ اور اگر حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں۔ تو اس کی سند بیان نہیں کی۔ اس لئے کہتے ہیں "مرسل الزهري من شر المراسيل" اس لئے کہ زھری حافظ ہے اسے راوی یاد ہوتے ہیں۔ جب چھوڑتا ہے تو کسی ضعیف کو ہی چھوڑتا ہے اس لئے اسے من شر المراسیل شمار کیا جاتا ہے کہ بتایا نہیں کہ راوی کونسا ہے۔ امام ترمذی نے اسکا جو جواب دیا ہے وہ زیادہ معقول ہے۔ کہ حضرت ابوھریرہؓ کا فتوی تھا کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنی چاہیئے۔ حنفی کہتے ہیں کہ ابوھریرہؓ بھی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ وہ بھی کبھی پڑھتے تھے کبھی نہیں پڑھتے تھے کیونکہ وہ کہتے ہیں "من فاته قراءة ام القرآن فقد فاته خير كثير[4]" اور فاته کا معنی یہ کرتے ہیں کہ اس سے فاتحہ کا پڑھنا فوت ہوگیا۔ حالانکہ یہ معنی نہیں ہے بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ امام سے فاتحہ کا سننا فوت ہوگیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ آمین کہنے کے بعد آیا ہے اور بعد میں آنے والا سورۃ فاتحہ تو ضرور پڑھتا ہے لہذا "من فاته أم القرآن فقد فاته خير كثير" سے مراد وہ شخص ہے جو آمین کہے جانے کے بعد آکر نماز میں شامل ہو، اس سے خیر کثیر فوت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ آمین میں شامل ہونے اور آمین کو پالینے سے انسان کے گناہ معاف ہوتے ہیں۔ اسے نہ پانے والا اس خیر سے محروم ہوجاتا ہے۔ فاتحہ وہ بعد میں پڑھ لیگا۔ حضرت ابوہریرہؓ امام سے پہلے فاتحہ پڑھ لینے کے قائل ہیں۔ وہ کہتے تھے "إذا قرء الإمام بأم





---

[3] سنن ابی داؤد ۸۲۷ ج ۱ ص ۱۹۱۔

[4] مؤطا مالک ۱۸ ج ۱ ص ۱۱۔

القرآن فاقرء بها واسبقه "[1] یعنی اس سے پہلے پڑھ لے تاکہ آمین کہنے کے لئے تیار ہوجائے اس لئے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امام سے کہتے تھے "لاتفتنی بآمین" یعنی جلدی نہ کریں کہ میں فاتحہ نہ پڑھ سکوں اور آمین رہ جائے۔ کیونکہ آمین سورۃ فاتحہ کے بعد کہنا ہوتی ہے۔

حنفی کہتے ہیں کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو آمین کہنے کی زیادہ خواہش ہوتی تھی فاتحہ پڑھنے کی خواہش اس قدر نہیں ہوتی تھی یہ انہوں نے الٹا کام کردیا۔ حالانکہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فاتحہ پڑھنے اور اس کے بعد آمین کہنے کے لئے ہی امام کو جلدی کرنے سے روکا کرتے تھے۔ بہت سے صحابہ کرام فاتحہ خلف الامام کے قائل و فاعل ہیں ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عبادۃ بن صامت کی روایات بالکل صریح ہیں۔ اور ان کا تعلق جہری نمازوں سے ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کیا ہم امام کے پیچھے قراءت کریں۔ کہا ہاں سورۃ فاتحہ پڑھا کرو، سائل (یزید بن شریک) نے کہا اگرچہ آپ امام ہوں۔ آپ نے فرمایا اگرچہ میں (امام) ہوں کہا گیا اگرچہ آپ جہر سے پڑھ رہے ہوں۔ کہا ہاں اگرچہ میں جہر سے پڑھوں [2]۔ جیسا کہ دارقطنی میں ہے اور دارقطنی رحمہ اللہ نے کہا کہ اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔ حنفی اعتراض کرتے ہیں کہ اس اثر کی سند میں جوّاب تیمی ہے اور یہ مرجیہ تھا۔ حالانکہ جوّاب تیمی امام ابوحنیفہ کے استاد ہیں۔ ابن معین نے ان کی توثیق کی ہے۔ حافظ ابن حجر نے تقریب میں اسے صدوق لکھا ہے اور یہ صاحبِ تدلیس بھی نہیں ہے ابن نُمیر نے جو اسکی تضعیف کی ہے وہ قابلِ التفات نہیں کیونکہ یہ جرح مبہم ہے۔ اور اسے رُمی بالارجاء کہا گیا ہے تو اس سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا۔ یہ لفظ تو امام ابوحنیفہ کے استاد حماد کے متعلق بھی کہا گیا ہے حالانکہ حماد قابلِ اعتماد ہے۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اثر کو محدثین۔ دارقطنی بیہقی۔ حاکم، ذہبی وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔

اور عبادۃ بن صامت کی حدیث جو ترمذی، ابوداؤد وغیرہ میں آتی ہے کہ آپ نے فرمایا "اراکم تقرؤن وراء إمامکم قلنا یارسول الله إی والله قال لاتفعلوا إلا بأم القرآن فإنه لاصلوٰة لمن لم یقرء بها [3]" اسکی سند بھی صحیح ہے بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ عبادۃ نے محمود کو یہ نہیں کہا کہ آپ کی ساری نمازیں ضائع ہوگئی ہیں۔ کیونکہ تو فاتحہ نہیں پڑھتا رہا۔ حالانکہ یہ مسئلہ تو قضاء کا ہے۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ قضاء ہے یا نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔ اس سے قبل جو ہوگیا ہے وہ اجتہادی غلطی پر محمول ہے۔ اور پچھلی ساری نمازوں کا اعادہ کرنا اس میں تکلیف مالایطاق پائی جاتی ہے۔ اور اجتہادی خطا عند اللہ قابل معافی ہے جیسا کہ انور شاہ کہتا ہے میں ضاد کو داد پڑھتا رہا اب ان ساری نمازوں کی میں قضاء دیتا ہوں۔ اس کے تلفظ میں اہل نجد اور اہل یمن کا اختلاف ہے۔ نجدی دال پڑھتے ہیں اور یمنی ضاد پڑھتے ہیں عام نجدی دال کی طرح پڑھتے ہیں جبکہ نجدی قاری ضاد پڑھتے ہیں عام نجدی هٰذہ کو هٰذہ پڑھتے ہیں۔ هٰذا کو هٰدا اور ظهران کو دهران پڑھتے ہیں گویا وہ ظا کو بھی

---

[1] القرءۃ خلف الامام ۱۴۶ ج ۱ ص ۵۶

[2] سنن الدار قطنی ۱۲۱۰ ج ۲ ص ۹۵۔

[3] جامع الترمذی ۱۱۳۱ ج ۱ ص ۴۰۶ سنن ابی داؤد ۸۲۳ ج ۱ ص ۲۱۷۔

دال کر دیتے ہیں جیسا کہ ذال کو دال پڑھتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ کی روایات جہری اور سرّی نمازوں کے لئے بالکل صریح ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سرّی کا لفظ آتا ہے اور جہری کی نفی نہیں آتی اور حضرت علی سے مروی "من قرء مع الإمام فليس على الفطرة[1]" میں ابن اَبی لیلی کذاب ہے بعض لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی نقل کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے نہیں پڑھنا چاہیے۔ حالانکہ صحیح روایت ان کی پڑھنے کی ہے، صغار تابعین میں سے ایک شخص موسی بن عقبہ اور دوسرا محمد بن عجلان ان سے اس اثر کو بیان کرتے ہیں اور ان کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں ہوئی لہذا یہ اثر منقطع ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔ موسی بن عقبہ نے روایت کیا ہے کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ و عثمان رضی اللہ عنہ قراءت خلف الإمام سے روکتے تھے جیسا کہ عمدۃ القاری میں ہے اور محمد بن عجلان نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: میں چاہتا ہوں کہ جو شخص امام کے پیچھے پڑھتا ہے اس کے منہ میں پتھر ڈالے جائیں[2]۔ یہ دونوں اثر بوجہ انقطاع ضعیف ہیں۔ ان کی خلفاء سے ملاقات نہیں نامعلوم درمیان میں کتنے واسطے ہیں جبکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی صحیح حدیث سنن کبریٰ للبیہقی دارقطنی میں ہے حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے کہ یزید بن شریک نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے قراءت خلف الإمام کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا امام کے پیچھے قراءت کیا کر کہا اگرچہ آپ امام ہوں فرمایا اگرچہ میں امام ہوں کہا اگرچہ آپ جہر سے قراءت کریں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگرچہ میں جہر سے قراءت کروں[3]۔



حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کی قراءت خلف الامام کے بارہ میں روایت بیہقی نے نقل کی ہے اس کے بارہ میں کہا ہے سندہ صحیح لاغبار علیہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حکم دیا کرتے تھے کہ امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور کوئی دیگر قراءت کیا کریں۔ اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھیں۔ یہ روایت دارقطنی میں ہے اور کہا ہے کہ اسکی سند صحیح ہے۔ اور یہ روایت سنن کبری، کتاب القراءت اور مستدرک حاکم میں ہے ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے امام حاکم فرماتے ہیں "وقد صحت الرواية عن أمير المؤمنين عمر بن الخطاب و علي بن أبي طالب رضي الله عنهما و أنهما كانا يأمران بالقراءة خلف الإمام[4]" مستدرک حاکم میں یہ اثر منقول ہے اور محمد بن عجلان نے اس کے خلاف نقل کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص امام کے پیچھے پڑھے وہ فطرت پر نہیں ہے لیکن یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ محمد بن عجلان صغار تابعین سے ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات نہیں ہے لہذا یہ منقطع اور ضعیف ہے۔



(1) مصنف عبدالرزاق ۲۸۰۶ ج ۲ ص ۱۳۸۔

(2) مصنف عبدالرزاق ۲۸۰۶ ج ۲ ص ۱۳۸۔

(3) سنن الدارقطنی ۱۲۱۰ ج ۲ ص ۹۵۔

(4) المستدرک للحاکم ۸۷۲ ج ۱ ص ۳۶۵۔

ابن عبدالبر نے کہا ہے کہ کسی صحابی سے روایت کوفیوں کے مطابق نہیں آئی۔ اگر کسی سے نفی آئی ہے تو اس سے قراءت خلف الإمام کا اثبات بھی آیا ہے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بھی فاتحہ خلف الإمام کا اثبات آتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم (صحابہ) ظہر اور عصر میں امام کے پیچھے پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور سورت اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف فاتحہ پڑھتے تھے جیسا کہ کتاب القراءت میں ہے۔ اس اثر میں صرف ظہر اور عصر کا ذکر ہے ہو سکتا ہے کہ حضرت جابر نے ظہر اور عصر کا ذکر اس لئے کیا ہو کہ ان میں امام کے پیچھے فاتحہ کے بعد اور سورت بھی پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے بعد میں اسکی وجہ بیان کی ہے کہ ہم آپس میں یہ کہا کرتے تھے کہ جس نماز میں فاتحہ اور اس کے ساتھ اور کچھ نہ پڑھا جائے وہ نماز نہیں ہوتی۔

اس کے خلاف حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے یہ بھی مروی ہے "من صلي ركعة لم يقرء فيها بأم القرآن فلم يصلِّ إلَّا أن يكون وراء الإمام[1]" یہ مؤطا امام مالک میں ہے ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے اس سے استدلال کرتے ہیں کہ امام کے پیچھے بغیر فاتحہ کے نماز ہو جاتی ہے اس اثر میں فاتحہ کا لفظ صراحتًا آیا ہے اس کے علاوہ قراءت کا لفظ آتا ہے۔ فاتحہ کا نہیں۔ لیکن یہ مرفوع صحیح حدیث کے خلاف ہے۔ اس پر مرفوع حدیث کو ترجیح دی جائے گی۔ امام اسحٰق بن راھویہ نے کہا ہے کہ اسکا مطلب یہ ہے کہ جب مقتدی رکوع میں شامل ہو تو اس وقت اس رکعت میں اس پر فاتحہ ضروری نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب القراءت میں ہے اس لئے اس اثر میں صلوٰۃ کا لفظ نہیں بلکہ رکعت کا لفظ ہے گویا جابر کے نزدیک اسکی رکوع کی رکعت ہو جائے گی باقی نماز بغیر فاتحہ کے نہیں ہوگی۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے جب فاتحہ خلف الإمام کی حدیث پیش کی تو ان سے کہا گیا "إني أكون احيانًا وراء الإمام" تو آپ نے فرمایا "اقرء بها في نفسك يا فارسي[2]" یعنی امام کے پیچھے آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھا کر، بعض اس کا جواب دیتے ہیں کہ اقرء سے مراد تفکر اور تدبر کرنا ہے نووی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ تفکر اور تدبر کو قراءت نہیں کہا جاتا، قراءت تو زبان ہلانے سے ہوتی ہے، انور شاہ نے ایک جگہ کہا ہے کہ "واذكر ربك في نفسك" میں بعض کا خیال یہ ہے کہ ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے حالانکہ شریعت میں ذکر قلبی کا کوئی وجود نہیں ہے۔ کیونکہ ذکر تو زبان سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "أنا عند ظن عبدي بي ما تحركت شفتاه[3]" اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ذکر میں ہونٹ ہلنے چاہئیں۔ ہونٹ ہلیں تو ذکر ہوگا ورنہ فکر ہوگا۔ ذکر اور فکر میں فرق ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ بے شمار تابعین فاتحہ خلف الإمام کے قائل ہیں۔ خصوصاً حسن بصری اور سعید بن مسیب، سعید بن جبیر، ابوسلمہ وغیرہ فاتحہ خلف الإمام کو ضروری کہتے ہیں۔

(1) جامع ترمذی ۳۱۳ ج ۱ ص ۴۰۸، ۴۱۲۔
(2) سنن ابن ماجہ ۸۳۸ ج ۱ ص ۲۷۳ (صحیح)
(3) سنن ابن ماجہ ۳۷۹۲ ج ۲ ص ۲۴۶ (بمعناہ)

احناف قرآن کریم کی آیت "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا لعلكم ترحمون[1]" پیش کرتے ہیں۔ مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے اس آیت کے شان نزول کے بارہ میں قریباً نو قول ذکر کئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ آیت عیدین اور جمعہ کے خطبہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ دوسرا قول یہ ہے بعض کہتے ہیں امام کے پیچھے بلند آواز سے پڑھنے سے روکنے کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے باتیں کرنے سے روکنے کے بارہ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ امام کے پیچھے بعض لوگ خوف کی آیت پڑھی جاتی تو اونچی رونا شروع کردیتے تھے اس بارہ میں یہ آیت نازل ہوئی ہے کیونکہ اونچی رونے سے شور پڑ جاتا تھا، اس سے روکا گیا ہے آیت مذکورہ کے آگے "واذكر ربك في نفسك[2]" ہے زید بن اسلم تابعی ہیں انہوں نے کہا ہے کہ مقتدی کو خاموش رہنے کا حکم دیا گیا ہے تو اس سے مراد کلی خاموشی نہیں ہے کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں قرآن پڑھنا بھی داخل ہے جیسا کہ امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے۔ بعض الفاظ ایسے بھی آتے ہیں کہ ان کا لغت کے اعتبار سے ایک مفہوم ہوتا ہے۔ لیکن دوسری جگہ استعمال کے وقت ایسا قرینہ آجاتا ہے کہ جس کی وجہ سے لغوی معنیٰ مراد نہیں ہوتا بلکہ دوسرا معنیٰ مراد ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے "وإذا سمعوا ما أنزل إلي الرسول ترىٰ أعينهم تفيض من الدمع مما عرفوا من الحق يقولون ربنا آمنا فاكتبنا مع الشاهدين[3]"

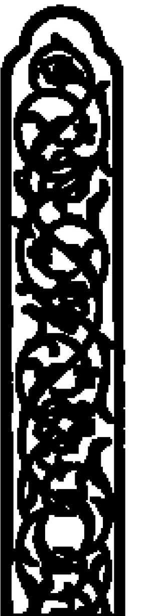


یہاں ان کے سننے اور کہنے کا وقت ایک ہے اور جملہ "یقولون" حال واقع ہے یہ معنیٰ نہیں کہ سننے کے بعد کہتے ہوں۔ بلکہ سنتے وقت ہی یہ کہنا مراد ہے دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے "إن الذين أوتوا العلم من قبله إذا يتلىٰ عليهم يخرّون للأذقان سجدًا و يقولون سبحان ربنا إن كان وعد ربنا لمفعولًا[4]" یہاں ان کے سجدہ کرنے سے مراد اپنے سروں کو جھکالینا ہے سجدہ میں گر پڑنا مراد نہیں ہے۔ گویا جب ان پر قرآن کریم پڑھا جاتا ہے تو ان پر خشوع کی حالت طاری ہوجاتی ہے اور وہ اپنے سر نیچے کرلیتے ہیں مقصود یہ ہے کہ آیات قرآن پڑھے جانے کے وقت وہ یہ کلمات کہتے ہیں۔ گویا قراءت کے وقت سورۃ فاتحہ پڑھنا "انصتوا" کے منافی نہیں ہے۔

تیسری آیت سورۃ القصص میں ہے "وإذا يتلىٰ عليهم قالوا آمنا به إنه الحق من ربنا إنا كنا من قبله مسلمين[5]" ان آیات سے معلوم ہوا کہ قراءت قرآن کے وقت تصدیقی کلمات کا کہنا قرآن کریم کے ادب کے منافی نہیں ہے، حدیث میں آتا ہے کہ آپ نے جنوں پر سورۃ الرحمٰن کی تلاوت کی وہ اس سورت کا جواب دیتے

---

1. الأعراف:۲۰۴۔
2. الاعراف:۲۰۵۔
3. المائدہ ۸۳۔
4. الإسراء ۱۰۷، ۱۰۸۔
5. القصص ۵۳۔



رہے "كانوا أحسن منكم مردُودًا" یعنی جب میں "فبأی الاء ربكما تكذبان" کہتا تو وہ جواب میں "لابشيءٍ من نعمك ربنانكذب فلك الحمد[1]" پڑھتے تھے یہ حدیث صحیح ہے جس سے معلوم ہوا کہ قراءت قرآن کے وقت تصدیقی کلمات کہے جاسکتے ہیں لہٰذا آیت "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا[2]" میں انصات مطلق خاموشی کے معنیٰ میں نہیں ہے۔ انصات کے معنی سکون و اکرام کے بھی آجاتے ہیں جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے "من صام بانصاتٍ وسكونٍ" اس سے یہ مراد نہیں کہ کچھ بھی نہ پڑھے حضرت مریم علیہا السلام کے بارہ میں قرآن کریم میں ہے۔ کہ جب تو کسی شخص کو دیکھے "فقولي إني نذرت للرحمٰن صومًا" گویا ان کا روزہ ترکِ تکلم سے ہوتا تھا جیسا کہ ہمارے ہاں نماز میں ترک تکلم ضروری ہے وہ روزے میں باتیں نہیں کرتے تھے نماز میں کر لیتے تھے۔ حضرت مریم نے کہا "إني نذرت للرحمٰن صومًا فلن أكلم اليوم إنسيًا[3]" حضرت مریم کا یہ کلمات کہنا یا سبحان الله، الحمد لله کہنا ان کی خاموشی کے منافی نہیں ہے۔ مستدرک حاکم میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ قراءت سے فارغ ہوتے تو "یسکت بعد القراءة هنیهةً یسأل الله من فضله[4]" خاموش ہوتے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے گویا سوال کرنا انصات کے منافی نہیں ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے "إن الله یحب الصمت عند الثلاث" یعنی اللہ تعالیٰ تین موقعوں پر لوگوں کے خاموش رہنے کو پسند کرتے ہیں۔ جب قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ اور جنازہ کے موقع پر، اور جنگ و جہاد کے وقت[5]۔ جبکہ قرآن کریم میں جہاد کے وقت اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم ہے ارشاد باری تعالیٰ ہے "إذا لقيتم فئةً فاثبتوا واذكروا الله كثيرًا لعلكم تفلحون[6]" لہٰذا اللہ تعالیٰ کا ذکر آہستہ ہو تو حدیث مذکور کے منافی نہیں ہوگا۔ بلند آواز سے نہیں ہونا چاہیئے۔ آیت "وإذا قرئ القرآن فاستمعوا له وأنصتوا" میں انصات کا حکم فاتحہ آہستہ پڑھنے کے منافی نہیں ہے ھدایہ میں مذکور ہے کہ جب خطیب "صلوا علیه وسلموا تسلیماً[7]" کہے تو لوگ درود شریف آہستہ پڑھ لیں۔ اور شرح میں لکھا ہے تاکہ دونوں آیات پر عمل ہو جائے کیونکہ ایک آیت میں "أنصتوا" آیا ہے اور دوسری میں "صلوا علیه" آیا ہے لہٰذا درود شریف آہستہ پڑھ کر دونوں پر عمل کرے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ انصات آہستہ پڑھنے کے خلاف نہیں ہے انسان اگرچہ آہستہ پڑھ رہا

---

1. جامع الترمذی ۳۲۹۱ ج ۵ ص ۳۹۹۔ (حسن)
2. الأعراف: ۲۰۴۔
3. مریم: ۲۶۔
4. المستدرک للحاکم ۸۱۷ ج ۱ ص ۳۳۶۔
5. المعجم الکبیر للطبرانی ۵۱۳۰ ج ۵ ص ۲۱۳۔
6. الأنفال: ۴۵۔
7. الأحزاب ۵۶۔

ہو اس پر انصات کا اطلاق ہوسکتا ہے گویا انصات کے تین فرد ہیں ایک فرد یہ ہے کہ انسان اس قدر جہر سے پڑھ لے کہ امام کو تشویش نہ ہو اگرچہ اس کے پاس والا آدمی سن لے جیسا کہ حضرت عبادہ بن صامت نے پڑھا تھا۔ دوسرا یہ کہ اتنا آہستہ پڑھے کہ ساتھ والا بھی نہ سن سکے۔ تیسرا یہ کہ بالکل خاموش رہے۔ اس طرح انصات کے تین فرد ہیں۔ جیسا کہ وہ رکوع کے تین فرد بناتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک "أدنی مایطلق علیه الاسم یعنی انحناء فرض ہے اور تعدیل ارکان واجب ہے۔ تسبیحات پڑھنا سنت ہے ان کے ہاں رکوع میں جھک جانے سے فرض ادا ہو جاتا ہے نماز میں امام کے سکتوں میں قراءت فاتحہ بھی انصات کے بالکل منافی نہیں ہے نہ یہ قراءت مشوشہ ہے اور نہ ہی یہ سری قراءت کے خلاف ہے نہ مطلق مأمور خاموشی کے منافی ہے۔ بعض حنفیہ نے کہا ہے کہ قرآن کے ادب کا تقاضا ہے کہ سری قراءت میں بھی خاموش رہے۔ عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ تو بے وقوفوں والی بات ہے قرآن کے لئے خاموش ہونا تفکر و تدبر کے لئے ہوتا ہے جبکہ مقتدی سنتا کچھ نہ ہو تو ادب کس چیز کا کرنا ہے۔

آیات قرآنیہ جو اس سے قبل پیش کی گئی ہیں ان کے بارہ میں کہتے ہیں کہ ان سے کلام نفسی مراد ہے حالانکہ اس بارہ میں اختلاف ہے کہ کلام نفسی کو کلام کہا جاسکتا ہے یا نہیں۔ زمخشری نے کہا ہے کہ نہیں کہا جاسکتا۔ زمخشری معتزلی ہے۔ ویسے بھی قائل نہیں ہوگا۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی لکھا ہے کہ روزے دار کو چاہیئے کہ وہ کسی سے لڑائی وغیرہ نہ کرے "فإن سابه أحد أو قاتله فليقل إني امرء صائم [1]" یہ دل سے کہے یا زبان سے۔ حافظ نے کہا ہے کہ زبان سے کہنا مراد ہے۔ یہ حقیقت ہے دل سے کہنا تو مجاز ہے حقیقت کلام تو زبان سے ہوتی ہے اسے مجاز پر محمول کرنا درست نہیں ہے اور جنوں نے جو پڑھا تھا وہ نبی کریم علیہ السلام نے بھی سن لیا تھا اگر دل سے پڑھا جائے تو وہ سنا نہیں جاسکتا۔ قرآن کریم میں ہے "فأثابهم الله بما قالوا جنّٰتٍ [2] ......" کلمہ توحید "لا إله إلا الله" زبان سے پڑھا جائے تو انسان مسلمان ہوتا ہے کلام نفسی سے مسلمان نہیں ہوسکتا۔ بعض کہتے ہیں کلام نفسی کا ذکر قرآن میں آتا ہے جیسا کہ سورۃ یوسف میں ہے "فأسرها یوسف فی نفسه ولم یبدها لهم قال أنتم شر مكانا [3] ......" حالانکہ اس آیت میں تو "فی نفسه" قرینہ آ گیا ہے۔ روح المعانی والے نے کہا ہے کہ کلام لفظی کو حقیقت اور کلام نفسی کو مجاز کہنا درست نہیں۔ بلکہ کلام کا لفظ مشترک ہے اور دونوں معنوں کے لیے آتا ہے۔ لہذا جس طرح کلام نفسی کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے ویسے ہی کلام لفظی کے لئے بھی قرینہ کی ضرورت ہے۔ اور کہا ہے کہ جس طرح یہاں "فی نفسه" قرینہ ہے ویسے ہی "هو متكلم بلسانه" میں "بلسانه" قرینہ ہے یہ اس نے لغو اور فضول بات کی ہے کیونکہ یہاں "بلسانه" تاکید کے لئے ہے جیسا کہ "أبصرته عیناى" میں "عیناى" تاکید ہے۔ ورنہ "أبصرته" میں آنکھوں کے بغیر دیکھنا مراد نہیں ہے۔ اسی طرح جب بھی "تكلم فلان" کہا جاتا ہے

---

[1] صحیح بخاری ۱۹۰۴،ج۳ص۲۶۔

[2] المائدۃ:۸۵۔

[3] یوسف:۷۷۔

تواس سے زبان سے کلام کرنا مراد ہوتا ہے۔ کسی دوسرے معنیٰ کے لئے قرینہ کی ضرورت ہے ورنہ پہلا معنیٰ ہی مراد ہوگا۔ رازی نے یہ تسلیم کرلیا ہے کہ انصات مطلق خاموشی کے لئے ہے لیکن حدیث سے تخصیص ہوگئی ہے۔ احناف بھی مشہور حدیث سے تخصیص کے قائل ہیں۔ اور فاتحہ خلف الإمام کی حدیث بھی مشہور بلکہ متواتر ہے۔ آیت قرآنیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ "إذا قرئ القرآن فاستمعوا" عام ہے۔ اور حدیث بھی عام ہے۔ اگر تم آیت کی تخصیص کرتے ہو توہم حدیث کی تخصیص کرلیں گے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھو۔ اس کے علاوہ پڑھ لو۔ اور آیت کو عام رہنے دو۔ حالانکہ احناف نے کہا ہے کہ قرآن کی یہ آیت دوسری کے معارض ہے۔ "وإذا تعارضا تساقطا" دونوں ہی استدلال سے گر جائیں گی۔ بعض نے تطبیق دی ہے کہ یہ آیت تہجد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے مگر اگرچہ تہجد کے بارہ میں اتری ہو لیکن قراءت کے فرض ہونے پر استدلال اسی آیت سے کرتے ہیں۔ اور اگر مان لیا جائے کہ نوافل میں قراءت فرض ہے تو فرائض میں بطریق اولی فرض ہونی چاہیئے۔ جبکہ نماز کے ارکان میں فرضوں اور نفلوں میں فرق نہیں ہوتا۔ بلکہ فرضوں میں کچھ اضافہ ہی ہوتا ہے کمی نہیں ہوتی۔ اصول شاشی کی شرح فصول الحواشی میں ہے کہ حکم لفظوں کے تابع ہوتا ہے۔ اگر یہ آیت تہجد کے بارہ میں نازل ہوئی ہے لیکن لفظ عام ہے۔ اور "فاقرؤا ما تیسر من القرآن[1]" میں عموم پایا جاتا ہے۔ حنفی بھی جب یہ کہتے ہیں کہ نماز میں قرآن پڑھنا فرض ہے تو اسی آیت سے استدلال کرتے ہیں۔ اس کا جواب مولانا عبدالحی لکھنوی رحمہ اللہ نے دیا ہے کہ آیت "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" اور آیت "إذا قرئ القرآن فاستمعوا له" میں تعارض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ آیت "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" کی تخصیص ہوچکی ہے۔ اور یہ تخصیص اس طرح ہوچکی ہے کہ رکوع کی رکعت بالاتفاق ہوجاتی ہے تو یہ بغیر قرآن پڑھنے کے رکعت ہوجاتی ہے۔ جبکہ اس میں تخصیص ہوچکی ہے تو بعد میں بھی تخصیص ہوسکتی ہے یہ انہوں نے بڑی غلطی کی ہے۔ رکوع کی رکعت ہونے کو قرآن مجید کی تخصیص کہنا غلط ہے۔ کیونکہ "فاقرؤا ما تیسر من القرآن" کا مطلب یہ ہے کہ نماز میں قرآن کا پڑھنا فرض ہے۔ یہ اس آیت سے معلوم نہیں ہوتا کہ ہر رکعت میں پڑھنا فرض ہے۔ هدایہ میں بھی لکھا ہے کہ "فاقرؤا" امر کا صیغہ ہے جو تکرار کو نہیں چاہتا۔ اس سے ایک دفعہ قراءت کا فرض ہونا ثابت ہوتا ہے لہٰذا ایک رکعت میں پڑھ لے تو فرض ادا ہوجائے گا تو پھر دوسری رکعت کیوں پڑھتے ہو؟ کہتے ہیں کہ اس لئے کہ وہ پہلی رکعت کی طرح ہے اس لئے اس میں پڑھتے ہیں۔ وہ بھی فرض ہوگیا اور پچھلی دونوں میں نہیں پڑھتے۔ ہدایہ کے مطابق قراءت ایک رکعت میں ہی فرض ہے۔ دو میں نہیں۔ کیونکہ اَمر تکرار کو نہیں چاہتا جبکہ ایک رکعت رکوع کی ہوگئی ہے تو دوسری رکعت امام کے ساتھ پالیگا اور اس میں پڑھ لے گا۔ تین پائے گا تو تینوں میں پڑھ لے گا۔ یہاں تخصیص کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تخصیص کا سوال تب پیدا ہو جب قرآن یہ کہے کہ ہر رکعت میں قراءت فرض ہے۔ یہ بات قرآن نہیں کہتا۔ احادیث میں آتا ہے جبکہ احادیث میں آتا ہے تو حدیث کی حدیث سے تخصیص کرلی جاتی ہے جیسا کہ احناف نے کی ہے کہ نبی علیہ السلام نے فرمایا "أمرنا أن نقرء

---

(1) المزمل:۲۰۔

بفاتحة الكتاب وماتيسر[1]" حنفی کہتے ہیں کہ پچھلی رکعتوں میں کچھ نہ پڑھے۔ انہوں نے یہ تخصیص کی پھر رکوع کی رکعت کی تخصیص کرلی۔ قرآن کریم کی آیت کے متعلق رکوع کی رکعت کی بناپر کہنا کہ اسکی تخصیص ہوچکی ہے یہ مولوی عبدالحی کی غلطی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ "إذا قرئ القرآن....." والی سورت بعد میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے یہ ناسخ ہوگئی ہے۔ لیکن سورۃ مزمل کی ابتداء پہلے اتری تھی اور سورۃ مزمل کا خاتمہ جس میں یہ آیت ہے اور سورۃ اعراف کی آیت میں کوئی ایسا ذکر نہیں ہے کہ کب اتری ہے۔ سورۃ اعراف بالاجماع مکی ہے" واسئل القرية التي كانت حاضرة البحر" سے لیکر "جاهلين[2]" تک اختلافی ہے کہ مکی ہے یا مدنی۔ بعض کہتے ہیں مکی ہے اور بعض مدنی بناتے ہیں۔ اور بعض ساری سورت کو مکی بناتے ہیں۔ نواب صدیق الحسن نے اسکی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ سورۃ اعراف مدنی ہے۔ کیونکہ موسی علیہ السلام کالمبا واقعہ اس میں آتا ہے۔ انہوں نے عقلی دلیل پیش کی ہے۔ حالانکہ کوئی نقلی دلیل پیش کرنا چاہیئے تھی۔ حنفی مکی بناتے ہیں انہوں نے مدنی بناکر حنفیوں کے لئے آسانی مہیا کردی۔ یہ جو کہا جاتا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد امام کے پیچھے کلام کرنے سے روک دیا گیا لیکن حدیث میں ہے پھر بھی کلام کرتے رہے۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ اس آیت نے بلند آواز سے کلام کرنا بند کردیا۔ آہستہ کلام کرنا جائز رہا۔ اور مدینے میں بھی آہستہ کلام کرتے رہے جب آیت "و قوموا الله قانتين[3]" نازل ہوئی تو کلام سے روک دیئے گئے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے "فأمرنا بالسكوت و نهينا عن الكلام[4]" اور اس سے مراد کلام الناس ہے جس سے روکے گئے۔ ورنہ سبحان الله، الحمد لله جیسا ذکر و اذکار جائز ہے۔ اگر یہ بھی ممنوع ہو تو نماز بالکل چپ چاپ ہوگی۔ حالانکہ نماز ذکر اللہ کے لئے مشروع کی گئی ہے۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا "إن هٰذه الصلوٰة لايصلح فيها شئ من كلام الناس إنما هي التسبيح و التكبير و قراءة القرآن[5]" یعنی نماز تسبیح، تکبیر اور قراءت کا نام ہے۔ گویا آیت "إذا قرئ القرآن فاستمعوا له" کلام الناس سے نہیں روکتی۔ سورۃ فاتحہ پڑھنے سے کیسے روکے گی؟ کیونکہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی لوگ آہستہ کلام کرتے رہے۔ کلام سے مدینہ میں منع کیا گیا ہے اگرچہ ابن حبان کا مذہب یہ ہے کہ مکہ میں کلام حرام ہوچکی تھی حافظ نے اس آیت کے ساتھ اس کی تردید کی ہے۔ احناف کو یہاں مشکل پیش آتی ہے کیونکہ اگر وہ یہ کہیں کہ کلام مدینہ میں حرام ہوئی ہے تو "إذا قرئ القرآن" آیت کا کیا فائدہ ہوا۔ یہ تو کلام سے نہیں روکتی اور اگر

---

1. سنن ابی داؤد ۸۱۸ ج۱ ص۲۱۶۔
2. الأعراف: ۱۶۳۔۱۹۹۔
3. البقرہ: ۲۳۸۔
4. مسلم (۳۵) ۵۳۹ ج۱ ص۳۸۳۔
5. مسلم (۳۳) ۵۳۷ ج۱ ص۳۸۱۔

کہیں کہ مکہ میں کلام حرام ہوئی ہے توذوالیدین کی حدیث مدینہ کی ہے۔ جس میں کلام کاذکر ہے اسے وہ بدر سے پہلے کاواقعہ بناتے ہیں اور اس وقت کلام کرناجائز تھا۔ مکہ میں کلام حرام قرار دینے ذوالیدین کی حدیث کاان کے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ کیونکہ اس حدیث کوکھینچاتانی سے بدر سے پہلے لے جاتے ہیں۔ مکہ میں نہیں رکھتے اور نہ ہی جاسکتی ہے۔ بعض احناف نے اپنے مذہب کوثابت کرنے کے لئے یہ کہہ دیاکہ آیت "وإذاقرئ القرآن" مدینہ میں نازل ہوئی ہے حالانکہ اس کے مکی ہونے پراجماع ہے۔ اور کلام کرنامدینہ میں حرام ہوا ہے اور یہ لوگ نواب صاحب کی عبارت پیش کردیتے ہیں کہ انہوں نے کہاہے کہ یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی ہے۔ حالانکہ ان کی بات بلادلیل ہے۔

پہلامسئلہ یہ تھاکہ انصات، قراءۃ فی السّر کے منافی نہیں ہے۔ جیساکہ قرآنی آیات، احادیث، اور فقہ کی عبارتوں سے معلوم ہوتاہے دوسرامسئلہ یہ ہے کہ اگر یہ قراءت فی السّر کے منافی ہوتوسکتوں میں قراءت کی جاسکتی ہے تیسرامسئلہ یہ ہے کہ اگر بالکل منع مان لیاجائے توحدیث کے ساتھ تخصیص ہوسکتی ہے لیکن ان کایہ کہناکہ جس طرح آیت کی تخصیص ہوسکتی ہے حدیث کی بھی تخصیص کرسکتے ہیں اس کاجواب یہ ہے کہ حضرت عبادۃ بن صامت کی حدیث جوکہ صحیح ہے اور صبح کی نماز کے متعلق ہے۔ یہ اس بارہ میں نص ہے۔ اور بخاری کی حدیث اس سے مختصر ہے۔ اور اس کے متعدد طرق ہیں۔ ایک میں یہ آتاہے "لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب خلف الإمام" اس کی سند صحیح ہے جیساکہ امام بیہقی وغیرہ نے کہاہے اسکی ایک دوسری سند بھی مسند شامیین میں آتی ہے۔ اس میں بھی یہی لفظ آتے ہیں اور ایک روایت علاء بن حارث کی ہے "لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب إمامًا كان أو غير إمام" یہ تین روایات ہیں جوبالکل صریح ہیں۔ ابوداؤد میں عبادۃ بن صامت کی حدیث بھی بالکل صریح ہے۔ عبادہ بن صامت کی یہ چار روایات بالکل صریح ہیں۔ ایک روایت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اس میں امر کالفظ آتاہے۔ "ليقرء أحدكم بفاتحة الكتاب" اور "لاصلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" بھی لزوم حتمی کوچاہتاہے۔ احناف وہ روایات پیش کرتے ہیں جن میں "أنصتوا" کالفظ آتاہے اس لفظ کواکثر محدثین نے صحیح قرارنہیں دیا۔ امام بخاری رحمہ اللہ، امام بیہقی رحمہ اللہ، امام دارقطنی رحمہ اللہ، ابو علی نیسابوری رحمہ اللہ، یحیٰی بن معین رحمہ اللہ نے کہاہے کہ یہ لفظ "إذا قرء فانصتوا" صحیح ثابت نہیں ہے۔ اگرچہ بعض علماء نے اسے صحیح کہاہے۔ مگر یہ وہم ضرور ہے کیونکہ حضرت ابوموسیٰ اشعری کی روایت میں صرف سلیمان تیمی، قتادہ کے شاگردوں میں سے اس لفظ کوبیان کرتاہے۔ باقی کوئی بھی اسے روایت نہیں کرتا۔ اسے بیان کرنے والے راویوں نے اسے بیان کیاہے۔ لیکن ان کے نیچے سالم بن نوح کایہ وہم ہے۔ اور سعید بن أبی عروبہ کے شاگردوں میں کوئی بھی اس لفظ کوبیان نہیں کرتا۔ لہذایہ لفظ شاذ ہے۔ اور شاذ کی شاذ سے تقویت نہیں ہوتی۔ بعض نے کہاہے کہ اسے ابوعبیدہ بھی بیان کرتاہے۔ لیکن ابوعبیدہ مجہول ہے۔ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں محمد بن عجلان متفرد ہے بعض نے کہاہے کہ محمد بن عجلان کے شاگردوں میں ابو خالد متفرد ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ ابوخالد کی ایک ثقہ متابعت کرتاہے۔ لیکن محمد بن عجلان کا

اعتراض تو قائم رہے گا۔ ابو خالد، محمد بن عجلان سے متفرد ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی مختلف اسانید بخاری میں ہیں۔ یعنی ابوصالح، اعرج، اور قعقاع کی روایات بخاری میں آتی ہیں۔ ان میں سے کسی میں "أنصتوا" نہیں ہے۔ صرف محمد بن عجلان کی روایت میں ہے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ یہ محمد بن عجلان کا وہم ہے۔ کیونکہ اسکی سند کے ساتھ یہ زیادتی آئی ہے۔ باقی اسانید کے ساتھ یہ زیادتی نہیں آئی۔ بعض دفعہ محدث کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لفظ غلط ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کس کی غلطی ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے ابو خالد کی غلطی نکالی ہے۔ اور یہ درست نہیں۔ بلکہ یہ محمد بن عجلان کی غلطی ہے۔ کیونکہ اسکا متابع کوئی نہیں ہے۔ ابوداؤد نے ابوہریرۃ اور ابوموسی اشعری کی روایات میں اسے وہم قرار دیا ہے۔ یحیٰی بن علاء اور خارجہ نے بھی متابعت کی ہے۔ مگر وہ ضعیف، متروک بلکہ کذاب ہیں۔ ان کی روایت بالکل نکمی ہے جو پہلی کو بھی خراب کرتی ہے۔ لیکن مسلم رحمہ اللہ نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں۔ سلیمان تیمی اگرچہ متفرد ہے لیکن ثقہ ہے۔ اور ثقہ کی زیادتی مقبول ہوتی ہے۔ ہاں اس وقت مقبول نہیں ہوتی جبکہ وہ مخالف ہو۔ لیکن "إذا قرء فانصتوا" باقی روایت کے خلاف نہیں ہے بلکہ بقیہ روایت اسکی مؤید ہے "إنما جعل الإمام ليؤتم به[1]" میں "يؤتم" "يتّبع" کے معنیٰ میں آتا ہے اور اتباع سے مراد خاموش ہونا نہیں ہے۔ بلکہ ائتمام سے مراد وہ ہے جو عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں آیا ہے۔ اس میں ہے "اذا أتى احدكم الصلوة والامام على حال فليصنع كمايصنع الإمام[2]" امام جیسے کرتا ہے اس کے پیچھے رہ کر ویسے کرو جیسے وہ کرتا ہے۔ یہ اسکا معنی ہے۔ یہ معنی نہیں ہے کہ امام قراءت کرتا ہے تو تم نہ پڑھو۔ پھر "إذا قرء فانصتوا" مخالف ہے یا نہیں۔ یہ مسئلہ الگ ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ یہ مخالف نہیں ہے۔ بلکہ ثقہ کی زیادتی ہے۔ امام مسلم رحمہ اللہ بھی اسی کے قائل ہیں۔

اس مسئلہ پر مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ مولانا عبدالعزیز کی گفتگو بھی ہوئی تھی اور ان میں سلیمان ندوی رحمہ اللہ کو حکم بنایا گیا۔ کہ یہ حدیث مسلم کے اندر ہے یا نہیں۔ سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے کہہ دیا کہ مسلم کے اندر یہ ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے کہا کہ آپ حکم ہیں اور میری بات سننے سے پہلے ہی آپ نے فیصلہ کر دیا ہے اور یہ حدیث کے خلاف ہے کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ دو خصم ہوں تو ایک کی بات سن کر فیصلہ نہ کرو، ندوی نے کہا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی ہے آپ اپنا بیان دیں۔ مولانا ثناء اللہ نے کہا کہ یہ لکھدو کہ میں نے جو فیصلہ دیا ہے وہ غلط ہے تاکہ اسے شائع نہ کرسکو۔ انہوں نے لکھ دیا۔ لیکن مخالفین نے پھر بھی شائع کر دیا۔ وہ فیصلہ اب بھی لئے پھرتے ہیں کہ دیکھیں مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے خلاف سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے فیصلہ دیا ہے حالانکہ وہ فیصلہ منسوخ بھی ہو چکا ہے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کا مقصد دراصل یہ تھا کہ یہ لفظ مسلم کے اندر ہے لیکن اسے صحیح نہیں کہا جاسکتا۔ مطلب یہ ہے کہ یہ لفظ مسلم کی صحیح احادیث میں نہیں ہے۔ یہ ان کی مناظرانہ گفتگو تھی جس میں انہوں

---

[1] صحیح بخاری ۳۷۸ ج ۱ ص ۸۵۔

[2] ترمذی ۵۹۱ ج ۲ ص ۴۸۵۔

نے دوسرے فریق کی بات سنے بغیر ہی فیصلہ سنادیا۔ مخالفین کہتے ہیں کہ سلیمان ندوی کا فیصلہ ہے حالانکہ انہوں نے اس سے رجوع بھی کرلیا ہے۔

ایک دفعہ مولوی عبدالعزیز سے تقلید پر مناظرہ ہوا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے کہا۔ تم تقلید کو واجب سمجھتے ہو یا اس کا حکم کیا ہے؟ مولوی عبدالعزیز نے کہا۔ ہم اسے مباح سمجھتے ہیں مولانا امرتسری نے کہا۔ مباح تو گاجر، مولی کی طرح ہے کوئی کھائے یا نہ کھائے۔ لہٰذا اس پر مناظرہ کی کیا ضرورت ہے؟ اس نے کہا، مباح کا اطلاق واجب پر بھی ہوتا ہے کہا اس پر کوئی دلیل پیش کرو۔ اس نے کہا تم اسے حرام سمجھتے ہو تم دلیل لاؤ۔ کہا مدّعی تم ہو اور دلیل ہم لائیں؟ پھر مولانا ثناء اللہ نے ہی دلیل پیش کی کہ قرآن کریم میں ہے "اتبعوا ما أنزل إليكم من ربكم ولا تتبعوا من دونه أولياء[1]" قرآن وحدیث منزل من اللہ ہے اسکی پیروی کرو۔ دیگر اولیاء کے پیچھے نہ چلو۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے علاوہ کی تقلید حرام ہے۔ مولوی عبدالعزیز نے کہا ہم امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی پیروی نہیں کرتے۔ ہم بھی قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں ویسے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہم سے زیادہ قرآن وحدیث کے واقف ہیں اس لئے ان کی معرفت سے ہم قرآن وحدیث پر عمل کرتے ہیں۔ مولانا ثناء اللہ نے کہا وہ تمہیں کوئی تفسیر کی کتاب لکھ کر دے گئے ہیں کہ قرآن کو ایسے سمجھو۔ یا کوئی حدیث کی کتاب لکھ کر تمہارے حوالے کر گئے ہیں مولوی عبدالعزیز نے کہا کہ پیغمبر نے تمہیں کیا دیا ہے؟ مولانا ثناء اللہ نے کہا کہ پیغمبر نے قرآن دیا ہے اور اسے آپ لکھوایا کرتے تھے۔ کہا یہ تو اللہ کا کلام ہے۔ مولانا ثناء اللہ نے کہا کیا نازل عبدالعزیز پر ہوا ہے؟ نبی کریم علیہ السلام نے کہا ہے کہ قرآن مجھ پر نازل ہوا ہے۔ مولانا ثناء اللہ نے کہا کہ تم دعویٰ کرتے ہو کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ہم سے زیادہ قرآن کو سمجھتے ہیں اور ان کے مسائل بالکل قرآن وحدیث کے مطابق تھے۔ حالانکہ ھدایہ میں ہے۔ اشربہ محرّمہ چار ہیں۔ ان میں سے بعض کے بارہ میں لکھا ہے کہ اسے تھوڑا تھوڑا پینا جائز ہے۔ ان کے علاوہ باقی مباح ہیں۔ یہ حدیث کے خلاف ہے حدیث میں ہے "کل مسکر حرام" مولوی عبدالعزیز کو جواب نہ آیا صرف یہ کہا کیا امام صاحب شراب پیتے تھے؟ اور یہ کوئی جواب نہیں ہے۔ اگرچہ پیتے نہیں تھے لیکن انہوں نے فتویٰ تو دیا ہے جس سے دوسرے لوگوں کو چھوٹ مل گئی ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ مولوی عبدالعزیز کا اتنے بڑے مناظر کے سامنے کھڑے ہونا ہی بہت بڑی بات ہے۔

ایک دفعہ گجرات میں تقلید پر مناظرہ تھا مولوی عبدالعزیز وہاں موجود تھے۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے شامی کی یہ عبارت پیش کی "وليس للإنسان أن يلتزم مذهبًا معينًا" اسکا مولوی عبدالعزیز کو کوئی جواب نہ آیا تو دوسرے مولوی نے اسے بٹھادیا۔ اور خود کھڑا ہوگیا اور لوگوں کو مخاطب کر کے کہنے لگا۔ بھئی اس مجمع میں کتنے لوگ اہل سنت والجماعت ہیں وہ ہاتھ کھڑے کریں۔ بہت سے لوگوں نے ہاتھ کھڑے کر دیئے وہ کہنے لگا "اتبعوا السواد الأعظم" حدیث میں آتا ہے۔ لہٰذا فیصلہ ہوگیا۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ نے کہا۔ یہ بتاؤ امام حسین رضی اللہ عنہ کے ساتھ کتنے لوگ تھے اور یزید کے ساتھ کتنے تھے؟ اس نے کہہ دیا۔ یزید بھی کوئی مسلمان تھا؟ اس پر سارا مجمع

[1] الأعراف:۳۔

اس مولوی کے خلاف ہو گیا۔

"من صلیٰ خلف الإمام فقراءۃ الإمام له قراءۃ" یہ روایت زیادہ تر جابر رضی اللہ عنہ سے ہی آتی ہے۔ حنفی پانچ، چھ صحابہ اکٹھے کر دیتے ہیں کہ یہ روایت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ، أبوسعید خدری رضی اللہ عنہ، أبوہریرہ رضی اللہ عنہ، أنس رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے بھی آتی ہے لیکن یہ روایات بالکل ضعیف ہیں۔ أحسن الکلام میں اس بات کو تسلیم کیا ہے۔ کہ حافظ نے جو ضعف کا حکم لگایا ہے اس سے مراد باقی صحابہ کی اسانید ہوں گی۔ جابر کی سند کے متعلق یہ حکم نہیں ہے۔ اور یہ بات ذکر ہو چکی ہے کہ جابر کی روایت کی اکثر سندیں مرسل ہیں۔ اور اس کا مدار موسیٰ بن أبی عائشہ پر ہے۔ اور وہ عبداللہ بن شداد سے روایت کرتا ہے اور عبداللہ بن شداد وہ ہے جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سنِ تمیز میں نہیں دیکھا۔ گویا وہ حکماً تابعی ہے۔ اس لئے اسکی روایت مُرسل ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں کی روایات کبار تابعین کی طرح مرسل ہوتی ہیں جبکہ صحابہ کرام کی مراسیل حجت ہوتی ہیں۔ اور ان میں وہ لوگ داخل نہیں ہیں۔ جو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں پیدا ہوئے اور سنّ تمیز میں آپ کو نہیں دیکھا۔ کیونکہ انہوں نے آپ کے زمانہ میں سنِ تمیز نہیں پائی۔ عبداللہ بن شداد بھی انہی میں سے ہے اس لئے اسکی روایت مرسل ہے اور محدثین کرام کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہے۔ مگر ابوحنیفہ، حسن بن عمارۃ، لیث اور جابر جعفی جیسے لوگ اس روایت کو مرفوع بیان کرتے ہیں۔ دارقطنی نے کہا ہے کہ اس روایت کو ابوحنیفہ اور حسن بن عمارہ کے سوا کسی نے موصول بیان نہیں کیا۔ اور دارقطنی نے کہا ہے "وهما ضعيفان في الحديث" اس لئے انکا اسے موصول بیان کرنا صحیح نہیں ہے۔ بعض لوگ اس سے ناراض ہو جاتے ہیں کہ دارقطنی نے انہیں ضعیف کیوں کہا ہے۔ حالانکہ یہ ضعف کا حکم تعصّب کی بنا پر نہیں ہے بلکہ یہ جرح انّ کے حافظے کیوجہ سے ہے۔ نسائی نے بھی ان پر جرح کی ہے۔ بخاری رحمہ اللہ کے متعلق انور شاہ کہتا ہے "وأما البخاري فيهجوه" حالانکہ انہوں نے یہ جرح دیانتداری سے کی ہے۔ تعصّب کی بنا پر نہیں، ہو سکتا ہے ان کا حافظہ قوی نہ ہو۔ شاہ ولی اللہ نے ایک بات کی ہے وہ کہتے ہیں۔ حنفیہ اور مالکیہ کو حکومت میں رسائی حاصل ہو گئی تھی اس لئے یہ چیز ان دونوں مذاہب کے پھیلنے کا سبب بن گئی۔ شافعیہ اور حنابلہ کو حکومت میں رسائی حاصل نہیں ہو سکی۔ لیکن شافعیوں کو توانڈونیشیا میں موقع مل گیا۔ اور عرب میں حنابلہ حکومت چلا رہے ہیں۔ بہرحال محدثین کی طرف سے جرح و تعدیل کی بحثیں دیانتداری سے ہوتی ہیں۔ میاں صاحب رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ اور امام أبوحنیفہ رحمہ اللہ کا حال دو پہلوانوں کی طرح ہے۔ جو ایک دوسرے کو گراتے ہیں۔ لیکن دیگر لوگوں کو ان پر اٹیک کرنے کا حق نہیں ہے۔ کیونکہ دیگر لوگ اس مقام کے نہیں ہیں۔ اگر کوئی شخص امام بخاری کے مقام کا ہو تو اس کی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ پر جرح سنی جا سکتی ہے۔ عام لوگوں کو جرح نہیں کرنی چاہیئے۔ کیونکہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کوئی معمولی شخصیت نہیں ہیں بہرحال ان روایات کو محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ احناف نے اسکی دو اسانید نکالی ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک ان میں سے شرطِ مسلم پر ہے اور دوسری شرط صحیحین پر ہے۔ احمد بن منیع سے روایت نقل کرتے ہیں وہ کہتے ہیں "حدثنا إسحق الأزرق حدثنا سفيان ...." کہتے ہیں اس کے راوی بخاری و مسلم کے ہیں لہذا یہ شرطِ شیخین

شرح بخاری

پر ہے جبکہ سفیان اور شریک کی سند تمام کتابوں میں موجود ہے۔ ان میں سے کسی میں بھی سفیان اور شریک کے شاگردوں میں سے سوائے اسحاق ازرق کے جابر کا لفظ ذکر نہیں ہے۔ اس میں جابر کا ذکر وہم ہے یا کاتب کی غلطی ہے۔ اور یا اسحق ازرق کے تفرّد کی بنا پر شاذ ہے۔ یہ شرطِ شیخین پر کیسے ہوسکتی ہے؟ اور دوسری حدیث کے بارہ میں مسند احمد، ابن أبي شیبہ اور مسند عبد بن حمید کا حوالہ دیتے ہیں۔ ان کتابوں میں حسن بن صالح کی روایت ابوالزبیر اور جابر سے ہے۔ ابوالزبیر مسلم کی شرط پر ہے۔ بخاری اس سے روایت نہیں کرتے۔ اور اس روایت میں بعض احناف بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اس میں جابر جعفی گرا ہوا ہے کیونکہ ابن ماجہ اور بیہقی وغیرہ کی سند میں یہ جابر موجود ہے۔ ابن ماجہ میں بھی حسن بن صالح، جابر جعفی سے روایت کرتا ہے۔ اور وہ ابوالزبیر سے روایت کرتا ہے، نصب الرأیہ میں پچلی سند حذف کردی ہے۔ اور عن جابر عن ابی الزبیر کہا ہے آگے یہ بھی ذکر کردیا ہے کہ ابوحنیفہ کہتے ہیں "ما رأیت أکذب من جابر الجعفی" آجکل حنفیوں نے ابن ماجہ کی روایت مسخ کرنے کے لئے درمیان میں واؤ ڈال دی ہے۔ تاکہ ابوالزبیر کو جابر جعفی کا متابع بنادیا جائے۔ گویا حسن دو سے روایت کرتا ہے تاکہ دوسری روایات جن میں جابر کا ذکر نہیں ہے انہیں صحیح بنایا جاسکے۔ مسند احمد، ابن ابی شیبہ اور مسند عبد بن حمید کی روایت میں جابر جعفی مذکور نہیں ہے۔ ان میں حسن ابوالزبیر سے روایت کرتا ہے اگر یہاں سمعت أبالزبیر ہوتا تو ممکن تھا کہ پہلے بالواسطہ روایت کرتا ہو۔ اس کے بعد سن لیا ہو۔ اور یہ مزید فی متصل الأسانید کے قبیل سے ہو۔ لیکن وہ ابوالزبیر سے "عَنْ" کے ساتھ روایت کرتا ہے۔ اور دوسری جگہ واسطہ ذکر کرتا ہے۔ اس لئے صحیح بات یہ ہے کہ اس روایت میں جابر جعفی گر گیا ہے۔ اسے انور شاہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ اس میں جابر ساقط ہے لہذا یہاں دو عیب پیدا ہو گئے ہیں۔ ایک جابر کے گرنے سے یہ سند منقطع ہو گئی ہے دوسرا یہ کہ گرنے والا راوی کذّاب ہے۔ جابر کے ذکر ہوتے ہوئے ایک عیب تھا کہ سند متصل تھی اس کے گرنے سے سند منقطع ہو گئی ہے۔ اور یہ عقلی احتمال ہے کہ حسن نے ابوالزبیر سے سنا ہو گا اگر وہ سمعت کہہ دیتا تو ہو سکتا تھا لیکن وہ "عَنْ" سے روایت کرتا ہے۔ دوسری جگہ جابر کا واسطہ بیان کرتا ہے۔ اس لئے صحیح یہ ہے کہ اس نے ابوالزبیر سے سنا نہیں ہے۔ بعض راویوں نے جو گرادیا ہے یہ سند میں غلطی ہو گئی ہے یہ غلطی مسند احمد، ابن أبي شیبہ، مسند عبد بن حمید میں ہوئی ہے۔ مولانا عبدالرحمن مبارکپوری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ مسند عبد بن حمید کا جو صحیح نسخہ ہے اس میں جابر جعفی موجود ہے نصب الرأیہ میں عن جابر عن أبي الزبیر لکھا ہے اور سند یہاں سے ہی شروع کی ہے۔ نیچے حسن کا نام نہیں لیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت واؤ نہیں تھی آج کل ڈالی گئی ہے پھر کہتے ہیں کہ ان کی ملاقات ممکن ہے اور امکان صحت کے لئے کافی ہے۔ حالانکہ امکان تو تب کافی ہو اگر دوسری جگہ واسطہ نہ آیا ہو اگر واسطہ آیا ہو تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں واسطہ گر گیا ہے۔ حنفیوں نے خود اسکا اقرار کیا ہے۔ اور اسحاق ازرق کی روایت شاذ ہونے کی بنا پر ضعیف ہے اور مرسل روایات ارسال کی وجہ سے ضعیف ہیں۔ لہذا یہ روایت نکمی ہے اس سے استدلال کرنا لغو اور فضول ہے۔ باقی روایات بھی ضعیف ہیں۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ والی سند میں ابوہارون عبدی ہے۔ ایک روایت ابوالزبیر سے ایوب بیان کرتا ہے اس کی سند میں سہل بن عباس ہے۔ جو متروک راوی ہے۔ اور جابر کی

روایات دو قسم کی ہیں عبداللہ بن شداد اور ابوالزبیر کی۔ ابو الزبیر کی روایت میں جابر جعفی ہے۔ اور ابوالزبیر سے جو ایوب روایت کرتا ہے اس میں سہل بن عباس متروک ہے۔ اور عبداللہ بن شداد کی روایت مرسل ہونے کی بناپر ضعیف ہے۔ پھر اس روایت کے متن میں بھی اختلاف ہے۔ اکثر راوی صرف اس قدر بیان کرتے ہیں "من کان لہ إمام فقراءة الإمام له قراءة[1]" اور امام أبو حنیفہ ساتھ قصہ بھی جوڑ دیتے ہیں۔ ایسے ہی امام محمد کرتے ہیں اس میں وہ جابر کا نام بھی لیتے ہیں کہ ظہر کی نماز تھی اور نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا "کس نے پڑھا ہے" اور عمران کی روایت کا قصہ "سبح اسم ربك الاعلیٰ" والا ہے۔ اس قصے کی صحیح احادیث جو مسلم وغیرہ میں ہیں ان میں "قراءة الإمام له قراءة" نہیں ہے اور جن روایات میں "قراءة الإمام له قراءة" آتا ہے ان میں قصہ نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ نے ان دونوں کو جوڑ دیا ہے۔ امام ابوحنیفہ جب یہ قصہ بیان کرتے ہیں۔ تو اس میں ابوالولید کو بھی بیان کرتے ہیں۔ اور کہتے ہیں "عن عبداللہ بن شداد عن ابی الولید عن جابر" اور جب قصہ بیان نہیں کرتے تو عن عبداللہ بن شداد عن جابر کہہ دیتے ہیں۔ امام بیہقی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ قصہ والی روایت میں ابوالولید ہے جو مجہول ہے۔ ایک دوسری روایت ہے اس میں طلحہ ہے وہ بھی مجہول ہے۔ یہ لوگ طلحہ کو ثقہ بنانے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ فلاں طلحہ ہوگا حالانکہ انکل لگانے سے تو بات نہیں بنتی۔ بہر صورت یہ روایت بجمیع طرقہٖ ضعیف ہے جیسا کہ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے یہ بات نہیں کہ ایک روایت شرطِ شیخین پر ہوگئی ہے اور راوی گرنے سے دوسری شرطِ مسلم پر بنادی گئی ہے۔



ایک روایت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں۔ نصب الرایہ میں ہے کہ اس میں عاصم بن عبدالعزیز راوی ہے جو "لیس بالقوی" قوی نہیں ہے۔ مولوی عبدالعزیز نے کہا ہے کہ حافظ نے اسے "صدوق" کہا ہے اور اسے "لیس بالقوی" بھی کہا گیا ہے۔ ایسی روایات شاذ ہوتی ہیں۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا مسلک امام کے پیچھے قراءت کرنے کا ہے۔ بیہقی نے ذکر کیا ہے کہ میں نے ابوعبداللہ حاکم سے سنا کہ مسلمہ بن محمد جو کہ فقیہ ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے ابوموسیٰ رازی سے سوال کیا جو کہ حنفی ہے کہ "قراءة الإمام له قراءة" روایت کیسی ہے؟ تو اس نے کہا "لم یصح فیه عن النبی ﷺ شیئ إنما اعتمد أصحابنا علی ما رُوِی عن علی و ابن مسعود" حاکم کہتا ہے "أبوموسیٰ الرازی أحفظ من رأیت علی أدیم الأرض من أصحاب الرأی" یعنی سب حنفیوں سے یہ احفظ دیکھا ہے اس نے بھی کہا ہے کہ یہ روایت ثابت نہیں ہے۔ اور یہ گھر کی شہادت ہے کہ یہ روایت صحیح نہیں ہے۔ اور اگر "من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة" کو صحیح مان بھی لیا جائے تو امام کی قراءت مقتدی کی قراءت سے مراد یہ ہے کہ اسکی قراءت کا مقتدی کو بھی ثواب ملتا ہے۔ کیونکہ دوسرے مقام میں یہ روایت یوں مروی ہے "من کان له إمام فقراءة الإمام له قراءة وصلوٰته له صلوٰة" اسکا یہ مطلب نہیں ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز ہوگئی ہے لہٰذا اسے نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یا قراءت سے مراد اونچی پڑھنا بھی ہوتا ہے جیسے "إذا قرئ القرآن لایسجدون" میں "قرئ" سے مراد اونچی پڑھنا ہے۔ اور بخاری میں عبداللہ بن



---

[1] سنن ابن ماجہ ۸۵۰ ج ۱ ص ۲۷۷۔

عباس رضی اللہ عنہ کی حدیث آتی ہے۔ وہ نبی کریم علیہ السلام کے بارہ میں کہتے ہیں "قرء فیما أمر بالقراءۃ وسکت فیما أمر بالسکوت أو کما قال"[1] اسے بخاری جہر کے بارہ میں لائے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے قراءت کا لفظ جہر پر بولا ہے۔ اگر تسلیم کرلیا جائے کہ اس کے ساتھ قصہ ظہر کی نماز کا بھی ہے تو اسے جہر پر ہی محمول کیا جائے گا۔ اگر کہا جائے کہ ظہر کی نماز میں جہر نہیں ہوتا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک یہ جائز ہے صرف امام ابوحنیفہ کے نزدیک سری نمازوں میں جہر نہیں چاہیئے۔ باقی تین امام کہتے ہیں کہ جہر اور اسرار دونوں طرح پڑھ سکتا ہے۔ یعنی امام کو جہر کی اجازت ہے۔ تمہیں اجازت نہیں ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ حدیث اگر صحیح بھی ہو جائے اور قصہ بھی ساتھ جوڑ دیا جائے تو اس سے مراد یہ ہوگا کہ مقتدی کو جہر کی اجازت نہیں ہے۔ کیونکہ جب مقتدی نے جہر کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا۔ "إن بعضکم خالجنیها"[2] ابوالدرداء راوی کہتا ہے کہ اگر امام آگے کھڑا ہو تو وہ کفایت کرتا ہے۔ اس کا معنی یہی کرنا چاہیئے کہ امام کو ہی جہر کرنا چاہیے۔ مقتدی کو جہر کی اجازت نہیں ہے۔ اس لئے کہ ابوالدرداء خود امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھا کرتے تھے بلکہ اگر امام رکوع میں ہو تو کہتے ہیں کہ میں فاتحہ پڑھ کر رکوع میں جاتا ہوں۔ ابوالدرداء کی یہ روایت بیہقی نے نقل کی ہے۔ ابوالدرداء کا کثیر کے ساتھ جو قول ہے بعض راویوں نے غلطی سے اسے نبی کریم علیہ السلام کی طرف منسوب کردیا ہے۔ أحسن الکلام والے نے بھی ویسے ہی لکھ دیا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے ابوالدرداء سے کہا کہ امام جب آگے کھڑا ہو تو میرا خیال ہے کہ وہ کفایت کرتا ہے مگر یہ درست نہیں ہے۔ دیگر بڑے بڑے رجال اسے ابوالدرداء کا قول قرار دیتے ہیں۔ پھر نبی کریم علیہ السلام کو "إنی اخال" کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ میرا خیال ہے خیال کا اظہار تو وہ شخص کیا کرتا ہے جسے دلائل کا علم نہ ہو۔ لہذا یہ ابوالدرداء کا قول ہے۔ اور اس کا بھی یہ مطلب نہیں ہے کہ قراءت منع ہے کیونکہ ابوالدرداء خود فاتحہ خلف الإمام کے قائل ہیں۔ بلکہ جب امام رکوع میں ہو تب بھی وہ کہتے ہیں کہ میں سورۃ فاتحہ پڑھ کر شامل ہوتا ہوں۔ عمران بن حصین جو "إن بعضکم خالجنیها" حدیث کے راوی ہیں ان کا مسلک بھی یہی ہے کہ مسلمان کی نماز طہارت اور قراءت خلف الإمام کے بغیر نہیں ہوتی۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہی سمجھا تھا کہ قراءت اونچی کرنا امام کا وظیفہ ہے جہری میں قراءت جہری کرے اور سری میں سری، اگرچہ سری میں بھی اسے بعض قراءت جہر کرلینے کی اجازت ہے "من کان له امام" سے مراد ہے کہ امام جہر کرے تو تم جہر نہ کرو اس کا جہر تمہارے لئے کافی ہے یہ تاویل ویسے کسی نے کی نہیں ہے۔ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ نے کہا ہے کہ اس سے فاتحہ کا ماسوا مراد ہے وہ کہتے ہیں کہ ساری احادیث کو جمع کرنا چاہیئے اور مجموعہ سے ایک نتیجہ اخذ کرنا چاہیئے یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ کوئی روایت مانے اور بعض کو چھوڑ دے "أفتومنون ببعض الکتاب و تکفرون ببعض" یہ درست نہیں ہے تمام احادیث کو ماننا چاہیئے۔ یہ ساری بحث "من کان له إمام فقراءۃ الإمام له قراءۃ" کے متعلق ہے۔

---

[1] بخاری ۷۷۴ ج ۱ ص ۱۵۴۔ (بمعناه)

[2] صحیح مسلم (۴۷) ۳۹۸ ج ۱ ص ۳۹۸۔

احناف نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ایک نیا استدلال کیا ہے۔ کہ ایک مرتبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مرض سے کچھ خفّت محسوس کی۔ آپ مسجد میں تشریف لائے اور آپ حضرت عباس اور علی کا سہارا لیکر آئے تھے جبکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بائیں جانب کھڑے ہو گئے جو امام کا محل ہے۔ یہ نہیں کہ پہلے مقتدی بنے ہوں اور پھر امام بن گئے ہوں۔ جیسا کہ حنفی کہتے ہیں حالانکہ اس حدیث سے استدلال کرنے کے لئے ضروری ہے کہ حسبِ ذیل باتوں کو ثابت کیا جائے کہ یہ نماز جہری تھی دوسرا یہ ثابت کرنا چاہیئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک جانب کھڑے تھے تو کیا مقتدی بن کر کھڑے ہوئے تھے؟ اور یہ بھی ثابت کیا جائے کہ آپ نے قراءت آہستہ بھی نہیں کی تھی۔ پھر یہ کہ مقتدی درمیان میں آئے تو جتنا حصہ امام پڑھ چکا ہو وہ مقتدی سے ساقط ہو جاتا ہے اور یہ بھی کہ یہ آپ کا خاصہ بھی نہیں ہے۔ جب تک یہ پانچ باتیں ثابت نہ ہوں تب تک اس حدیث سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔

حنفی پہلے جہر کے مسئلہ کے بارہ میں ابن ماجہ کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں "أخذ من القراءة من حيث كان بلغ أبوبكر [1]" آتا ہے اور مسند احمد میں "أخذ النبي ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ أبوبكر" نصب الرایہ میں "من القرآن" کا لفظ آتا ہے۔ ابن ماجہ کی روایت میں ابواسحٰق تیسرے درجے کا مدلّس ہے اور تیسرے درجہ کے مدلس کی روایت مقبول نہیں ہوتی جب تک وہ "سمعت" یا "حدثنا" وغیرہ کے ساتھ سماع کی صراحت نہ کرے مسند احمد کی روایت میں بھی یہی راوی ہے۔ ایک روایت میں عبدالرحمن بن ابی بکر ہے اسے سب نے ضعیف کہا ہے۔ ایک تیسری روایت بھی ہے جس میں قیس بن ربیع ضعیف ہے۔ دو اسانید ضعیف ہیں اور دو میں مدلّس راوی ہیں۔ یہ روایات "كأن لم يكن" بھی نہیں ہیں لیکن صحیح بخاری کے درجے کی نہیں ہیں کیونکہ ان میں ظہر کی نماز کا ذکر آتا ہے اور یہ سرّی ہوتی ہے اگرچہ اس میں قراءت جہری پڑھنا جائز ہے مگر مسنون طریقہ آہستہ پڑھنے کا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آئے تھے تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ایک آیت اونچی پڑھ دی ہوگی اور احناف کا مذہب بھی یہ ہے کہ امام جب نماز شروع کر دے تو اس کی جگہ کوئی دوسرا کھڑا نہیں ہو سکتا ہاں اگر پہلا امام قراءت سے رک جائے پھر دوسرا اس کی جگہ کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور اس کے رکنے پر بھی تب کھڑا ہو سکتا ہے جبکہ پہلے نے بقدر واجب نہ پڑھا ہو اور واجب تین آیات یا ایک بڑی آیت ہے۔ گنگوہی نے بھی لکھا ہے کہ ہمارے نزدیک جب تک حصر نہ ہو کوئی دوسرا شخص امام کا خلیفہ نہیں بن سکتا۔ اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کو حصر ہو گیا تھا۔ اس کی دلیل کوئی نہ ملی تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی حدیث پیش کر دی کہ ابوبکر کو امام نہ بنائیں وہ نماز میں روئیں گے اور قراءت سے بند ہو جائیں گے۔ حالانکہ انہوں نے یہ اس لئے نہیں کہا تھا کہ وہ قراءت سے بند ہو جائیں گے اور نہ ہی کہیں حدیث میں ہے کہ وہ قراءت سے بند ہو گئے تھے۔ یہ بات اپنے مذہب کی حمایت میں بنالی گئی ہے۔ اصل میں نماز ظہر کی تھی جو سری ہوتی ہے اور مذکورہ روایات میں "قرآن" یا "قراءت" یا "سورت" کا



[1] سنن ابن ماجہ ۱۲۳۵ ج ۱ ص ۳۹۱۔

لفظ آیا ہے۔ یہ مجاز پر محمول ہے۔ حقیقت پر محمول نہیں ہے اس سے فاتحہ کے فرض نہ ہونے کا استدلال کرنا درست نہیں ہے۔ بلکہ یہ استثناء ہے جیسا کہ رکوع کی رکعت کے قائلین کے نزدیک استثناء ہے شوافع کا مذہب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص بعد میں آکر نماز میں شامل ہو تو امام جتنی فاتحہ پڑھ چکا ہے یا مکمل سورۃ فاتحہ پڑھ چکا ہے تو مسبوق سے اتنی فاتحہ ساقط ہو جائے گی اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کا خاصہ ہو۔ حنفیوں کے نزدیک حصر شرط ہے جبکہ حصر کا مسئلہ حدیث میں کہیں نہیں آیا تو پھر یہ نبی کریم علیہ السلام کا خاصہ ہوا بہر صورت اس روایت سے استدلال درست نہیں ہے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی جو حدیث پیش کی جاتی ہے "كل صلوة لايقرء فيها بأم الكتاب فهي خداج إلا أن يكون وراء إمام [1]" امام بیہقی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس روایت میں علی بن کیسان ہے۔ جو عبداللہ بن أبی ملیکہ کا شاگرد ہے۔ اور عبداللہ بن ابی ملیکہ کے شاگردوں سے علی بن کیسان کسی سند میں نہیں آیا۔ لہذا یہ روایت درست نہیں ہے۔ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا مسلک تو امام کے پیچھے قراءت کرنے کا ہے۔ امام بیہقی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں "أقرء خلف الإمام" اس کے بعد کہا "هذا إسناد صحيح لاغبار عليه" اور حنفی امام بیہقی کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ علی بن کیسان تیسری صدی کا آدمی ہے جس کا ذکر کر دیا ہے حالانکہ یہ علی بن کیسان دوسری صدی یا پہلی صدی کا ہے کیونکہ ابن ابی ملیکہ کی وفات ایک سو سترہ میں ہوئی ہے۔ اس نے ابن ابی ملیکہ سے ایک سو سے پہلے سنا ہے یا زیادہ سے زیادہ دوسری صدی کے شروع میں سنا ہو گا۔ وہ علی بن کیسان جس کا بغدادی یا دوسرے لوگ ذکر کرتے ہیں وہ تیسری صدی کے بعد کا آدمی ہے اس کا استاد یوسف قاضی دو سو آٹھ میں پیدا ہوا اور دو سو آٹھ میں تیسری صدی شروع ہو گئی۔ وہ شاگرد اس سے بھی نیچے ہے تیسری صدی کے اخیر میں یوسف قاضی فوت ہوا ہے وہ اسکا شاگرد ہے۔ اسے علی بن کیسان بنا لینا فضول ہے۔ اس کے علاوہ ایک مزید نقطہ چینی کرتے ہوئے کہتا ہے اصل میں وھب بن کیسان ہو گا۔ وھب گر گیا ہو گا اور عن ابن کیسان ہو گیا۔ اور عن سے علی بن گیا۔ اس طرح علی بن کیسان ہو گیا۔ حالانکہ وھب بن کیسان کی ابن ابی ملیکہ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کوئی روایت نہیں آتی اگر ان سے کوئی روایت ہوتی تو یہ احتمال گوارا کر لیا جاتا۔ وھب بن کیسان کی جابر سے روایات آئی ہیں۔ اور یہ کسی کتاب میں نہیں ہے کہ عبداللہ بن ابی ملیکہ یا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی بیان کرتا ہو۔ اور یہ اس نے گپ ماری ہے جبکہ حدیث میں آتا ہے کہ جھوٹی حدیث بنا کر بیان نہیں کرنی چاہیئے۔ پھر بھی اپنے پاس سے تیسری صدی والے ابن کیسان کے ساتھ جوڑنے کی کوشش کی ہے اور وھب بن کیسان کو علی بن کیسان بنانے کی کوشش بھی اسی قبیل سے ہے۔ اور یہ بھی جھوٹ ہے۔ بہر صورت ان کا استدلال یا تو ان روایات سے ہے جن میں انصات کا لفظ آتا ہے یا قرآن کریم کی آیت سے استدلال ہے۔ انصات کی روایات میں قراءت کے ساتھ انصات کا ذکر

---

[1] سنن الدار قطنی ۱۲۴۱ ج ۲ ص ۱۱۴۔

ہے جیسا کہ "إذا قرء فانصتوا[1]" کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ پڑھے تو تم چپ رہو لیکن امام پڑھنے سے چپ کئے ہوئے ہو پھر تو مقتدی کا پڑھنا جائز ہے۔ امام شروع میں یا اخیر میں یا درمیان میں اوقاف کرتا ہے ان میں مقتدی پڑھ سکتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس کو اگر صحیح بھی تسلیم کرلیا جائے تو ان کی کوئی دلیل نہیں بنتی۔

اس کے علاوہ منازعت کی روایات ہیں جیسا کہ "مالي أنازع القرآن[2]" ہے یا "خلطتم عليَّ القرآن[3]" یا "إن بعضكم خالجنيها[4]" ہے ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ منازعت منع ہے۔ اور منازعت جہر کرنے سے ہوتی ہے لہذا جہر کرنا منع ہے۔ منازعت کی مشہور روایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے جو ترمذی وغیرہ میں آتی ہے ایک ابن بحینہ کی روایت بنادی ہے۔ اور حوالہ مجمع الزوائد کا دیا ہے۔ بزار نے کہا ہے کہ یہ راوی کی غلطی ہے یہاں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ روایت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ہے۔ زہری کے بھتیجے نے جو سند بیان کی ہے اس نے سند میں غلطی کی ہے۔ یہ سند اصل میں آپ کے تشہد چھوڑنے پر سجدہ سہو کی ہے وہ سند یہاں جوڑ دی ہے جبکہ اس کی سند میں ابن اکیمہ لیثی ابوہریرہ سے روایت کرتا ہے اسکی سند کو چھوڑ کر دوسری سند اس متن سے جوڑ دی ہے۔ یہ غلطی کی ہے۔ اور یہ بھی بزار کے حوالے سے مجمع الزوائد میں لکھا ہے۔

منازعت کی ایک روایت یہ ہے کہ کہتے ہیں عبد اللہ بن مسعود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے آپ نے فرمایا "خلطتم عليَّ" اور "يجهرون" کا لفظ بھی آیا ہے کہ وہ آپ کے پیچھے جہر کرتے تھے ایک روایت میں جہر کا ذکر نہیں آتا لیکن "خلطتم عليَّ" سے معلوم ہوتا ہے کہ جہر ہوتا تھا۔ مولانا عبد الحیٔ رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے کہ "خلطتم عليَّ" کی روایت یا خالجنيها یا منازعت کی روایت جہر سے روکتی ہے، ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ مطلقاً پڑھنا منع ہے ایک روایت وہ بھی بیان کرتے ہیں جس میں فاتحہ کا ذکر نہیں ہے "مامن صلوة يجهر فيها الإمام بالقراءة فلايقرأن أحد معه" اس روایت میں متکلم فیہ راوی ہیں لہذا یہ بھی درجہ اعتبار سے ساقط ہے۔ امام بیہقی نے کہا ہے کہ یہ روایت منکر ہے۔ اور اگر صحیح بھی ہوجائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ امام کے ساتھ جہر نہیں کرنا چاہیئے یہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے اور وہ خود امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے اور وہ فتویٰ دیتے تھے "إذا قرء الإمام بأم القرآن فاقرء بها واسبقه[5]" اگر مذکورہ روایت ان سے ثابت ہوتی تو یہ فتویٰ کیوں دیتے۔





بہرحال ان لوگوں کے پاس کوئی صریح روایت نہیں ہے جس میں امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے سے منع کیا گیا ہو۔ صحابہ کرام سے قراءت کی روایات آتی ہیں۔ حضرت جابر امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے اور اس کا حکم دیتے تھے۔

---

1. مسلم (٦٣) ٤٠٤ ج ١ ص ٣٠٤۔
2. سنن الدار قطنی ١٢١٧۔
3. القراءة خلف الإمام ١٥٤ ج ١ ص ٦٠۔
4. مسلم (٤٧) ٣٩٨۔
5. القراءة خلف الامام ١٤٦ ج ١ ص ٥٦۔



امام بیہقی نے کہاہے کہ جن صحابہ سے ترک مروی ہے ان سے فعل اور فاتحہ کا پڑھنا بھی مروی ہے۔ اور تطبیق کی صورت یہ ہوگی کہ منع کی روایات سے مراد یہ ہوگا کہ جہر نہ کرو۔ بلکہ آہستہ پڑھو۔ یافاتحہ سے مازاد پر حمل ہو جائیں گی لہٰذا اس بارہ میں کوئی صریح روایت نہیں ہے جو فاتحہ کی ممانعت پر دلالت کرتی ہو۔ اس لئے اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پر اجماع ہے تو یہ مستبعد نہیں ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ ترک پر اجماع ہے انہی صحابہ سے اس بارہ میں روایت آتی ہے حالانکہ ایسی روایات صغار تابعین سے ہیں کہ خلفاء راشدین منع کرتے تھے مولانا عبدالحی رحمہ اللہ نے کہاہے کہ خلفاء راشدین سے پڑھنے کی روایت بھی آتی ہے ایک بلال کی روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھے حکم دیا تھا کہ امام کے پیچھے نہ پڑھا کروں امام بیہقی رحمہ اللہ نے کہاہے کہ اس میں اسماعیل راوی ہے اگر یہ جھوٹا ہے تو افتراء باندھتا ہے اور اگر سچا ہے تو غلطی کر رہا ہے۔

قولہ "باب وجوب القراءة" امام بخاری رحمہ اللہ نے قراءت خلف الامام کا باب باندھا ہے سورۃ فاتحہ کا باب نہیں باندھا۔ اور یہ قرآن کریم کی موافقت کے لئے ہے کیونکہ قرآن کریم میں "فاقرؤا ماتیسر من القرآن[1]" میں بھی قراءت کا لفظ آیا ہے۔ اور اس طرف اشارہ کیا ہے کہ اگر کسی شخص کو سورۃ فاتحہ یاد نہ ہو تو وہ کسی دوسری جگہ سے قرآن پڑھ سکتا ہے گویا وجوب قراءت یعنی قراءت کا فرض ضمن فاتحہ میں ادا ہو جائے گا۔ اور اگر فاتحہ یاد نہ ہو تو کسی دوسری جگہ سے پڑھ لے۔

بعض حنفی کہتے ہیں کہ بخاری رحمہ اللہ نے قراءت کا باب قائم کیا ہے۔ فاتحہ کا نہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس فاتحہ پر دلیل نہیں ہے۔ حالانکہ امام بخاری رحمہ اللہ آگے حدیث بطورِ دلیل لا رہے ہیں۔ تو اس احتمال کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ قولہ فی السفر" سفر کو اس لئے ذکر کیا ہے کہ سفر مظنہ تخفیف ہوتا ہے۔ لیکن فاتحہ میں تخفیف نہیں ہے بلکہ حضر کی طرح سفر میں بھی نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ اور یہ سفر و حضر، جہری و سری سب کو شامل ہے۔

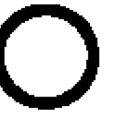
٧٥٥ـ حَدَّثَنَا مُوسَى، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَبْدُ الْمَلِكِ بْنُ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: «شَكَا أَهْلُ الْكُوفَةِ سَعْدًا إِلَى عُمَرَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، فَعَزَلَهُ وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ عَمَّارًا فَشَكَوْا حَتَّى ذَكَرُوا أَنَّهُ لَا يُحْسِنُ يُصَلِّي، فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ، فَقَالَ: يَا أَبَا إِسْحَاقَ، إِنَّ هَؤُلَاءِ يَزْعُمُونَ أَنَّكَ لَا تُحْسِنُ تُصَلِّي، قَالَ أَبُو إِسْحَاقَ: أَمَّا أَنَا وَاللهِ فَإِنِّي كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَخْرِمُ عَنْهَا أُصَلِّي صَلَاةَ الْعِشَاءِ فَأَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأُخِفُّ فِي الْأُخْرَيَيْنِ، قَالَ: ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ يَا أَبَا إِسْحَاقَ، فَأَرْسَلَ مَعَهُ رَجُلًا أَوْ رِجَالًا إِلَى الْكُوفَةِ فَسَأَلَ عَنْهُ أَهْلَ الْكُوفَةِ وَلَمْ يَدَعْ مَسْجِدًا إِلَّا سَأَلَ عَنْهُ وَيُثْنُونَ مَعْرُوفًا، حَتَّى دَخَلَ مَسْجِدًا لِبَنِي عَبْسٍ فَقَامَ رَجُلٌ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهُ أُسَامَةُ بْنُ قَتَادَةَ يُكْنَى أَبَا سَعْدَةَ قَالَ: أَمَّا إِذْ نَشَدْتَنَا

[1] المزمل: ٢٠۔

فَإِنَّ سَعْدًا كَانَ لَا يَسِيرُ بِالسَّرِيَّةِ وَلَا يَقْسِمُ بِالسَّوِيَّةِ وَلَا يَعْدِلُ فِي الْقَضِيَّةِ، قَالَ سَعْدٌ: أَمَا وَاللّٰهِ لَأَدْعُوَنَّ بِثَلَاثٍ، اللّٰهُمَّ إِنْ كَانَ عَبْدُكَ هَذَا كَاذِبًا قَامَ رِيَاءً وَسُمْعَةً فَأَطِلْ عُمْرَهُ وَأَطِلْ فَقْرَهُ وَعَرِّضْهُ بِالْفِتَنِ، وَكَانَ بَعْدُ إِذَا سُئِلَ يَقُولُ شَيْخٌ كَبِيرٌ مَفْتُونٌ أَصَابَتْنِي دَعْوَةُ سَعْدٍ، قَالَ عَبْدُ الْمَلِكِ: فَأَنَا رَأَيْتُهُ بَعْدُ قَدْ سَقَطَ حَاجِبَاهُ عَلَى عَيْنَيْهِ مِنَ الْكِبَرِ، وَإِنَّهُ لَيَتَعَرَّضُ لِلْجَوَارِي فِي الطُّرُقِ يَغْمِزُهُنَّ».

ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوعوانہ وضاح یشکری نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عبدالملک بن عمیر نے جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا، کہا کہ اہل کوفہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے شکایت کی۔ اس لیے عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو معزول کر کے عمار رضی اللہ عنہ کو کوفہ کا حاکم بنایا، تو کوفہ والوں نے سعد کے متعلق یہاں تک کہہ دیا کہ وہ تو اچھی طرح نماز بھی نہیں پڑھا سکتے۔ چنانچہ عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو بلا بھیجا۔ آپ نے ان سے پوچھا کہ اے ابواسحاق! ان کوفہ والوں کا خیال ہے کہ تم اچھی طرح نماز نہیں پڑھا سکتے ہو۔ اس پر آپ نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم! میں تو انہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی طرح نماز پڑھاتا تھا، اس میں کوتاہی نہیں کرتا عشاء کی نماز پڑھاتا تو اس کی دو پہلی رکعات میں (قرآت) لمبی کرتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے ابواسحاق! مجھ کو تم سے امید بھی یہی تھی۔ پھر آپ نے سعد رضی اللہ عنہ کے ساتھ ایک یا کئی آدمیوں کو کوفہ بھیجا۔ قاصد نے ہر ہر مسجد میں جا کر ان کے متعلق پوچھا۔ سب نے آپ کی تعریف کی لیکن جب مسجد بنی عبس میں گئے۔ تو ایک شخص جس کا نام اسامہ بن قتادہ اور کنیت ابوسعدہ تھی کھڑا ہوا۔ اس نے کہا کہ جب آپ نے اللہ کا واسطہ دے کر پوچھا ہے تو (سنیے کہ) سعد نہ فوج کے ساتھ خود جہاد کرتے تھے، نہ مال غنیمت کی تقسیم صحیح کرتے تھے اور نہ فیصلے میں عدل و انصاف کرتے تھے۔ سعد رضی اللہ عنہ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اللہ کی قسم میں (تمہاری اس بات پر) تین دعائیں کرتا ہوں۔ اے اللہ! اگر تیرا یہ بندہ جھوٹا ہے اور صرف ریاء و نمود کے لیے کھڑا ہوا ہے تو اس کی عمر دراز کر اور اسے خوب محتاج بنا اور اسے فتنوں میں مبتلا کر۔ اس کے بعد (وہ شخص اس درجہ بدحال ہوا کہ) جب اس سے پوچھا جاتا تو کہتا کہ ایک بوڑھا اور پریشان حال ہوں مجھے سعد رضی اللہ عنہ کی بددعا لگ گئی۔ عبدالملک نے بیان کیا کہ میں نے اسے دیکھا اس کی بھویں بڑھاپے کی وجہ سے آنکھوں پر آ گئی تھی۔ لیکن اب بھی راستوں میں وہ لڑکیوں کو چھیڑتا۔







حضرت جابر بن سمرۃ صحابی ہیں ان کے باپ سمرۃ بن جندب کو بھی صحبت حاصل ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ عبدالملک نے ان سے سنا ہے۔ سعد جن کا واقعہ بیان کر رہے ہیں ان کا ماموں ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے انہیں لڑائی میں قائد اور جرنیل بنایا تھا۔ انہوں نے علاقہ فتح کر کے وہاں کوفہ شہر کی تخطیط کی۔ چار یا پانچ سال وہاں رہے اس کے بعد یہ

معاملہ پیش آیا۔

"قولہ فعزلہ" اس سے معلوم ہوا کہ جب امیر کو کسی عامل کی شکایت پہنچے اور اس پر شبہ ہو تو اسے معزول کر کے پھر اس کے مسئلہ کی تحقیق کرنی چاہیئے۔

"قولہ واستعمل علیہم عمارًا" انہیں نماز پڑھانے پر مقرر کیا تھا۔ اور بیت المال پر عبداللہ بن مسعود کو مقرر کیا تھا۔ اور مساحت ارض پر عثمان بن حنیف کو مقرر کیا۔ یہاں صرف حضرت عمار کا ذکر آیا ہے جو نماز پر مقرر تھے اس لئے کہ شکایت نماز کے بارہ میں ہوئی تھی۔ اور یہ بڑا اہم معاملہ تھا۔

"قولہ فشکوا"۔ یہ فاعاطفہ نہیں بلکہ فاتفسیر یہ ہے۔ یہ اس سے قبل "شکا أهل الکوفة" کا بیان ہے۔ شبلی نے کہا ہے کہ اس سے مراد عمار ہے کیونکہ انہوں نے بعد میں مقرر ہونے والے عمار بن یاسر کی بھی شکایت کردی تھی مولوی عبدالعزیز نے اسکی تردید کرتے ہوئے کہا ہے کہ تمہیں تاریخ کی کوئی بڑی واقفیت ہے؟ اس کے بعد یہ لفظ آئے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "یاأبااسحق" اور یہ عمار کی کنیت نہیں ہے بلکہ حضرت سعد بن ابی وقاص کی کنیت ہے۔ عمار بن یاسر کی کنیت تو ابوالیقظان ہے لہذا "فشکوا" کی فاتفسیر یہ ہی ہے۔ اہل کوفہ نے ایک تو ان کی نماز کے بارہ میں شکایت کی تھی اور دوسری یہ کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے مالِ خمس میں محابات کی ہے یعنی بعض لوگوں کو رعایت کرتے ہوئے یا دوستی کی بنا پر مال سستا دے دیا ہے۔ اور یہ بھی شکایت کی کہ انہوں نے مکان میں دروازہ لگالیا ہے۔ تاکہ لوگ ان پر اپنے مسائل کے لئے داخل نہ ہوسکیں۔ حالانکہ امیر کا دروازہ کھلا رہنا چاہیئے تاکہ لوگ اپنے مسائل اور شکایت لیکر داخل ہوسکیں۔ اور یہ بھی شکایت کی یہ شکار کرنے میں لگے رہتے ہیں اور لشکر کے ساتھ نہیں جاتے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تحقیق کی تو ان کی سب باتیں باطل اور غلط نکلیں اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفات کے وقت چھ آدمیوں کو مقرر کیا تھا ان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ اور فرمایا کہ اسے امیر بنایا جائے تو یہ حکومت چلا سکتے ہیں میں نے انہیں معزول اس لئے نہیں کیا تھا کہ یہ عاجز ہیں۔ بلکہ یہ حکومت اور امارت کے اہل ہیں۔ اور میں نے مصلحت کی بنا پر ایسا کیا تھا کیونکہ اہل کوفہ کی مخالفت کے باوجود اگر انہیں امیر رکھا جاتا تو وہ ان کی مخالفت کرتے۔ اور نظم ونسق قائم نہ رہتا۔

"قولہ فأرکد فی الأولیین وأخف فی الأخریین" یعنی پہلی دو رکعتوں میں قیام لمبا کرتا ہوں۔ کیونکہ پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملانا ہوتی ہے۔ جبکہ پچھلی رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے آنے والی أبوالنعمان کی حدیث میں "أخف" کی جگہ "أحذف" آتا ہے حافظ نے کہا ہے کہ اس سے مراد طول کو حذف کرنا ہے اور "أرکد" سے مراد طولِ قیام ہے جو کہ لمبی قراءت کی وجہ سے ہوتا ہے۔ بعض احناف کہتے ہیں کہ حدیث میں "أحذف" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ پچھلی دو رکعتوں میں قراءت نہیں ہے۔ اور أحذف سے مراد قراءت کو حذف کردینا ہے۔ حالانکہ "أحذف" سے مراد أحذف الرکود ہے یعنی میں قیام کے طول کو حذف کردیتا ہوں۔ شبلی کہتا ہے یہ کیسی دلیل ہے؟ جس میں أرکد آیا ہے قراءت کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس میں فاتحہ کا ذکر

ہے۔ حافظ نے کہاہے کہ استدلال یہ ہے کہ "أركد" میں رکود کیوں تھا؟ یہ رکود، قراءت کے لئے ہی تھا کیونکہ آگے "باب القراءة فى الظهر" میں ابوقتادہ رضی اللہ عنہ کی حدیث آرہی ہے۔ کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعتوں میں سورۃ پڑھتے اور ساتھ سورت ملاتے۔ اور پہلی رکعت کو دوسری سے لمباکرتے۔ گویا یہ حدیث أركد اور أخف کابیان ہے۔ لیکن یہ تو آپ کا فعل ہے اور فعل کے لئے وجوب نہیں ہوتا۔ اسلئے مالک بن حویرث کی حدیث "صلّوا كما رأيتموني أصلي[1]" اس کے ساتھ ملاکر اور تینوں روایات مل کر وجوبِ قراءت ثابت ہوتا ہے۔ دوسری بات یہ بھی ہے کہ امام کے لئے قراءت پر عمل درآمد شروع سے چلاآرہاہے حنفی بھی اسے مانتے ہیں۔ اور اس حدیث میں بھی امام کا واقعہ ہے۔ اس سے امام کے لئے قراءت ثابت ہوگئی اور مقتدی کے لئے حدیث مسئ الصلوۃ آرہی ہے جو کہ عام ہے۔

"قوله ذاك الظن بك" اس کے دو معنیٰ ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جوکچھ یہ لوگ تیرے بارہ میں بیان کرتے ہیں یہ تیرے بارہ میں بدگمانی ہے۔ دوسرا یہ کہ آپ جو کہتے ہیں میرا گمان بھی آپکے بارہ میں یہی ہے اور ان کی شکایت پر مجھے یقین نہیں ہے۔ اور یہ لوگ کہتے ہیں "لايحسن يصلي" یہ بات ان کی درست نہیں ہے۔ "قوله ولم يدع مسجدًا إلا سأل عنه" اس لئے کہ مساجد میں لوگ جمع ہوتے ہیں ان سے سوال کرتے تھے اور صرف نماز کی شکایت نہیں تھی کہ ایک مسجد والوں سے پوچھنے پر اکتفا کریں بلکہ متعدد شکایات تھیں سب کا ازالہ کرناتھا۔ "قوله لايسير بالسرية ولايقسم بالسوية" پہلی بات سے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور بہادری پر اعتراض کیا کہ یہ لشکر کے ساتھ نہیں جاتے لہٰذا بزدل ہیں حالانکہ حضرت سعد بڑے بہادر تھے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کے راستے میں تیر چلانے والے وہی ہیں۔ اور دوسری بات سے ان کی عفت پر اعتراض کر دیا کہ وہ انصاف نہیں کرتے۔ کسی کو کم اور کسی کو زیادہ مال دیتے ہیں۔ حالانکہ امیر کو اختیار حاصل ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اسکا مشاہرہ پورا دیا جائے۔ اور ضروریات کالحاظ رکھتے ہوئے ضرورت مند کو زیادہ دے دیا جائے۔ یا بعض لوگوں کے اسلامی کارناموں پر انہیں بطورِ انعام زیادہ دیا جائے۔ اس کے بعد ان کی عدالت پر اعتراض کر دیا۔ شجاعت کا تعلق نفس سے ہے اور عفت کا تعلق مال سے اور عدالت کا تعلق دین سے ہے۔ انہوں نے یہ تین عیب حضرت سعد پر لگائے اس پر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو بھی غصہ آگیا۔ انہوں نے اس پر تین بددعائیں کیں، ان میں سے طولِ عمر کا تعلق نفس سے ہے اور طولِ فقر کا تعلق مال سے ہے۔ اور فتنوں میں واقع ہونے کا تعلق اس کے دین سے ہے۔ حضرت سعد نے بددعائیں کرتے ہوئے بھی حکمت سے کام لیا۔ اور ریاء وسمعۃ کی شرط لگائی کہ اگر یہ ریاء کے لئے اور اپنی دلیری دکھانے کے لئے اعتراض کرتا ہے تو ان فتنوں میں واقع ہو۔ اور اگر شبہ کی بناپر ہے پھر یہ بددعاء کا شکار نہ ہو۔

٧٥٦ حَدَّثَنَا عَلِيُّ بْنُ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، قَالَ: حَدَّثَنَا الزُّهْرِيُّ، عَنْ مَحْمُودِ بْنِ الرَّبِيعِ، عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «لَا

---

[1] صحیح بخاری ٦٠٠٨ ج ٨ ص ٩۔

صَلَاةَ لِمَنْ لَمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ»۔

ہم سے علی بن عبداللہ مدینی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے زہری نے بیان کیا محمود بن ربیع سے، انہوں نے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جس شخص نے سورۃ فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز نہیں ہوئی۔

۷۵۷ ۔ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ بَشَّارٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَحْيَى، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنِي سَعِيدُ بْنُ أَبِي سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَرَدَّ وَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَرَجَعَ يُصَلِّي كَمَا صَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، فَقَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ، ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا وَافْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا»۔

ہم سے محمد بن بشار نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے عبیداللہ عمری سے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے سعید بن ابی سعید مقبری نے اپنے باپ ابوسعید مقبری سے بیان کیا، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اس کے بعد ایک اور شخص آیا۔ اس نے نماز پڑھی، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ واپس جاؤ اور پھر نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ وہ شخص واپس گیا اور پہلے کی طرح نماز پڑھی اور پھر آ کر سلام کیا۔ لیکن آپ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ واپس جا اور دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تو نے نماز نہیں پڑھی۔ آپ نے اس طرح تین مرتبہ کیا۔ آخر اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اس کے علاوہ اور کوئی اچھا طریقہ نہیں جانتا، اس لیے آپ مجھے نماز سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ جب نماز کے لیے کھڑا ہو تو پہلے تکبیر تحریمہ کہہ۔ پھر آسانی کے ساتھ جتنا قرآن تجھ کو یاد ہو اس کی تلاوت کر۔ اس کے بعد رکوع کر، اچھی طرح سے رکوع ہو لے تو پھر سر اٹھا کر پوری طرح کھڑا ہو جا۔ اس کے بعد سجدہ کر پورے اطمینان کے ساتھ۔ پھر سر اٹھا اور اچھی طرح بیٹھ جا۔ اسی طرح اپنی تمام نماز پوری کر۔

یہ حدیث مُسِیُٔ الصلوٰۃ ہے۔ کہ ایک آدمی نے نماز بگاڑ کر پڑھی تو آپ نے اسے دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا۔ جب یہی کام بار بار ہوا تو آخر اس آدمی نے کہا کہ اے اللہ کے رسول مجھے پتہ نہیں چلتا کہ آپ کا انکار کس چیز پر ہے آپ مجھے بتادیں۔ تو آپ نے اسے صحیح نماز کا طریقہ سکھایا۔ اس لئے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ جو باتیں آپ نے اسے

سکھائی ہیں اور وہ اس حدیث میں آئی ہیں وہ فرض ہیں۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ اس پر ایک بات کا اضافہ کرنا چاہئے کہ جو چیزیں اس حدیث میں ذکر ہوئی ہیں وہ فرض ہیں جبکہ ان کے مستحب ہونے پر کوئی خارجی دلیل نہ ہو۔ اور جو چیزیں اس میں متروک ہیں وہ فرض نہیں ہیں۔ جبکہ ان کی فرضیت پر کوئی دلیل نہ ہو۔ کیونکہ اس حدیث میں کئی چیزیں متروک ہیں۔ جیسا کہ اس میں تشہد اور سلام کا ذکر نہیں ہے۔ اور تکبیرات انتقال کا بھی ذکر نہیں ہے۔ علماء کہتے ہیں کہ یہ بھی فرض ہیں۔ امام احمد رحمہ اللہ انہیں واجب کہتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ذکر دوسرے مقامات میں آگیا ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ پہلے آپ نے فرمایا "لم تصل" تیری نماز نہیں ہوئی اور آخر میں فرمایا۔ اگر تو نماز میں کمی کرے گا تو تیری نماز ناقص ہوگی۔ "و كان ذلك أهون على أصحاب رسول الله ﷺ" اس سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے یہی سمجھا کہ تعدیل ارکان فرض نہیں ہے۔ لیکن دیگر ائمہ نے "ارجع فصل فإنك لم تصل" سے یہ سمجھا ہے کہ تعدیل ارکان کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ آخری لفظ پہلے کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ آپ نے ارکان ذکر کئے ہیں ان کے بغیر بالاتفاق نماز نہیں ہوتی بلکہ ان کے بغیر نماز باطل ہوتی ہے۔ اور ناقص ہونے سے مراد یہ ہے کہ جتنی درست پڑھی ہے اسکا اجر وثواب مل جائے گا لیکن بریٔ نہیں ہوگا۔ اور "فانك لم تصل" سے مراد یہ ہے کہ جو تو نے نماز ادا کرنا تھی اور جو نماز تیرے ذمہ تھی اس سے تو بریٔ الذمہ نہیں ہوا۔ اس لئے ان دونوں لفظوں میں کوئی تعارض یا تناقض نہیں ہے۔ اہل ظاہر کہتے ہیں کہ فرائض کو عمداً چھوڑ دے تو نماز باطل ہو جاتی ہے اور اگر سہواً چھوڑے تو سجدہ سہو سے جبر ہوسکتا ہے۔



"قوله ثم اقرء ماتيسر معك من القرآن" یہ عام ہے اور سورۃ فاتحہ پڑھنے کو بھی شامل ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ یہ حدیث مطلق ہے اس میں فاتحہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ حافظ نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ "اقرء ماتيسر من القرآن" کی جگہ سنن ابی داؤد میں "اقرء بأم القرآن" آیا ہے۔ جو کہ "ماتيسر" کی تفسیر کرتا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے قراءت فرض ہونے کا باب قائم کیا ہے۔ اور اس حدیث میں قراءت کا ذکر موجود ہے۔ اگر اسے سورۃ فاتحہ یاد ہو تو وہ متعین ہو جائے گی اگر فاتحہ یاد نہ ہو تو قرآن جہاں سے یاد ہو پڑھ لے۔ اور اگر قرآن کہیں سے یاد نہ ہو تو سبحان اللہ، الحمد للہ سے نماز پڑھ لے۔

"قوله وافعل ذلك في صلوتك كلها" اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر رکعت میں قراءت فرض ہے۔ ابن ہمام کا بھی یہی خیال ہے۔ باقی احناف ہر رکعت میں قراءت کے قائل نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے ہاں پہلی دو رکعت میں قراءت ہے۔ بلکہ دلیل کا تقاضا یہ ہے کہ ایک دفعہ فرض ہو۔ کیونکہ اس بارہ میں امر کا صیغہ آیا ہے اور امر تکرار کو نہیں چاہتا۔ "لايقتضي التكرار ولايحتمله" لہٰذا ایک رکعت میں ہی فرض ہے۔ دوسری رکعت میں قراءت کے اس لئے قائل ہیں کہ وہ اس سے متصل ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر رکعت میں قراءت فرض ہے۔ بعض روایات میں "ثم افعل في كل ركعة" بھی آتا ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ نوافل میں قراءت ضروری نہیں ہے۔ اور دلیل یہ دی گئی ہے کہ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فجر کی سنت نماز کی دو



رکعتیں اس قدر جلد پڑھیں کہ میں نے سمجھا کہ شاید سورۃ فاتحہ بھی پڑھی ہے یا نہیں؟ اس سے استدلال کرتے ہیں کہ نفل نماز میں قراءت نہیں ہے حالانکہ یہ مبالغہ پر محمول ہے کہ ان میں آپ نے قراءت بہت مختصر کی کیونکہ دیگر احادیث میں آپ کے قراءت کرنے کا ذکر آتا ہے۔

۷۵۸۔حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ عَبْدِ الْمَلِكِ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ سَعْدٌ: «كُنْتُ أُصَلِّي بِهِمْ صَلَاةَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاتَيِ الْعَشِيِّ لَا أَخْرِمُ عَنْهَا، أَرْكُدُ فِي الْأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الْأُخْرَيَيْنِ»، فَقَالَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ: ذَلِكَ الظَّنُّ بِكَ.

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ابوعوانہ وضاح یشکری نے عبدالملک بن عمیر سے بیان کیا، انہوں نے جابر بن سمرہ سے کہ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے عمر رضی اللہ عنہ سے کہا میں ان (کوفہ والوں) کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح نماز پڑھاتا تھا۔ ظہر اور عصر کی دونوں نمازیں، کسی قسم کا نقص ان میں نہیں چھوڑتا تھا۔ پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھتا اور دوسری دو رکعتیں ہلکی۔ تو عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھ کو تم سے امید بھی یہی تھی۔

شرح بخاری

بعض نسخوں میں اس حدیث پر "باب القراءة فی الظهر" ہے اور بعض میں یہاں یہ باب نہیں ہے۔ بلکہ یہ حدیث پہلے باب سے ہی متعلق ہے۔

"قوله صلوتی العشی" اگر یہ العشاء ہو تو باب القراءة فی الظهر سے اس حدیث کا کوئی تعلق نہیں ہوگا اور اگر یہ لفظ العشی ہو جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے تو پھر اس باب سے تعلق ہو جائیگا۔ اور اگر "العشاء" ہو تو قیاس کر کے کہا جا سکتا ہے کہ جیسے ظہر کی نماز رباعی ہے ویسے عشاء کی نماز بھی رباعی ہے۔ اور دوسری حدیث میں آتا ہے کہ آپ رباعی نماز میں پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی پڑھا کرتے تھے۔ اور دوسری دو رکعات میں صرف فاتحہ پڑھا کرتے تھے لہذا یہ دونوں نمازیں قراءت میں ایک جیسی ہیں [1]۔

۹۶-بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الظُّهْرِ:

باب: نماز ظہر میں قرآت کا بیان

۷۵۹ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شَيْبَانُ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ وَيُسْمِعُ الْآيَةَ

---

[1] اس حدیث میں "أحذف" کے لفظ سے حنفی استدلال کرتے ہیں کہ آخری دو رکعت میں قراءت نہیں ہے کیونکہ آپ نے فرمایا میں آخری دو رکعت میں قراءت حذف کر دیتا ہوں۔ حالانکہ اس سے مراد حذفِ رکود ہے۔ حذف قراءت نہیں اور "افعل ذلك فی صلوتك كلها" اس پر صریح دلیل ہے۔

أَحْيَانًا، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الْأُولَى وَكَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الصُّبْحِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ».

ہم سے ابو نعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شیبان نے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابو قتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور ہر رکعت میں ایک ایک سورت پڑھتے تھے، ان میں بھی قرآت کرتے تھے لیکن آخری دو رکعتیں ہلکی پڑھاتے تھے کبھی کبھی ہم کو بھی کوئی آیت سنا دیا کرتے تھے۔ عصر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ فاتحہ اور سورتیں پڑھتے تھے، اس کی بھی پہلی دو رکعتیں لمبی پڑھتے۔ اسی طرح صبح کی نماز کی پہلی رکعت لمبی کرتے اور دوسری ہلکی۔

۷۶۰۔حَدَّثَنَا عُمَرُ بْنُ حَفْصٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبِي، قَالَ: حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، حَدَّثَنِي عُمَارَةُ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ: «سَأَلْنَا خَبَّابًا أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْرِفُونَ، قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ».



ہم سے عمر بن حفص نے بیان کیا کہ کہا ہم سے میرے والد نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے سلیمان بن مہران اعمش نے بیان کیا، کہا کہ مجھ سے عمارہ بن عمیر نے بیان کیا ابو معمر عبداللہ بن مخبرہ سے، کہا کہ ہم نے خباب بن ارت سے پوچھا کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں قرآت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے بتلایا کہ ہاں، ہم نے پوچھا کہ آپ لوگوں کو کس طرح معلوم ہوتا تھا؟ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے۔

شرح بخاری

"قولہ باضطراب لحیتہ" اس سے اور اس کے بعد آنے والے ترجمہ باب سے مقصود ظہر اور عصر کی نماز میں قراءت کو اور اس کے سرّی ہونے کو ثابت کرنا ہے۔ جس پر آپ کی داڑھی مبارک کا ہلنا دلالت کرتا ہے۔ چونکہ نماز میں قراءت کا ہونا مشہور ہے لہٰذا اس بارہ میں مجملات کو بھی لایا جاسکتا ہے۔ کوئی شخص یہ اعتراض نہیں کرسکتا کہ ہوسکتا ہے کہ آپ تسبیحات پڑھتے ہوں۔ کیونکہ نماز میں قرآن پڑھنے پر اتفاق ہے۔

۹۷۔بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعَصْرِ:

باب: نماز عصر میں قرآت کا بیان

۷۶۱ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: حَدَّثَنَا سُفْيَانُ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قَالَ: قُلْتُ لِخَبَّابِ بْنِ الْأَرَتِّ: «أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ، قَالَ: نَعَمْ، قَالَ: قُلْتُ بِأَيِّ شَيْءٍ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ قِرَاءَتَهُ، قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ».



ہم سے محمد بن یوسف بیکندی نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سفیان بن عیینہ نے اعمش سے، انہوں نے عمارہ

بن عمیر سے، انہوں نے ابومعمر سے کہ میں نے خباب بن الارت سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی نمازوں میں قرآت کیا کرتے تھے؟ تو انہوں نے کہا کہ ہاں! میں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآت کرنے کو آپ لوگ کس طرح معلوم کر لیتے تھے؟ فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی داڑھی مبارک کے ہلنے سے۔

٧٦٢ حَدَّثَنَا الْمَكِّيُّ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ هِشَامٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ مِنَ الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ سُورَةٍ، وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا».

ہم سے مکی بن ابراہیم نے بیان کیا، انہوں نے ہشام دستوائی سے، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی دو رکعات میں سورۃ فاتحہ اور ایک ایک سورۃ پڑھتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھی کوئی آیت ہمیں سنا بھی دیا کرتے۔

٩٨- بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْمَغْرِبِ:

باب: نماز مغرب میں قرآت کا بیان

٧٦٣ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللَّهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللَّهِ بْنِ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ «وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا» فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ، وَاللَّهِ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هَذِهِ السُّورَةَ إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے خبر دی، انہوں نے عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ام فضل رضی اللہ عنہا (ان کی ماں) نے انہیں «والمرسلات عرفا» پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر کہا کہ اے بیٹے! تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے مجھے یاد دلایا۔ میں آخر عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں یہی سورت پڑھتے ہوئے سنتی تھی۔

٧٦٤ حَدَّثَنَا أَبُو عَاصِمٍ، عَنِ ابْنِ جُرَيْجٍ، عَنِ ابْنِ أَبِي مُلَيْكَةَ، عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ، عَنْ مَرْوَانَ بْنِ الْحَكَمِ، قَالَ: قَالَ لِي زَيْدُ بْنُ ثَابِتٍ: مَا لَكَ تَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِقِصَارٍ، وَقَدْ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «يَقْرَأُ بِطُولِ الطُّولَيَيْنِ».

ہم سے ابوعاصم نبیل نے بیان کیا، انہوں نے عبدالملک ابن جریج سے، انہوں نے ابن ابی ملیکہ (زہیر بن

عبداللہ) سے، انہوں نے عروہ بن زبیر سے، انہوں نے مروان بن حکم سے، اس نے کہا زید بن ثابت نے مجھے ٹوکا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ تم مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھتے ہو۔ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو لمبی سورتوں میں سے ایک سورت پڑھتے ہوئے سنا۔

"قوله إنها لآخر ماسمعت" آپ نے بیماری کی حالت میں جو نماز گھر میں ادا کی اس میں سورۃ "مرسلت" تلاوت کی جو آپ نے مغرب کی نماز میں پڑھی۔ گویا مغرب کی نماز میں ایسی سورتیں تلاوت کی جا سکتی ہیں۔ آجکل قصار مفصل معمول بہا ہیں جیسا کہ ابوداؤد میں عروہ کی روایت ہے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ یہ منسوخ ہے کیونکہ عروہ خود قصار پڑھا کرتے تھے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اس لئے پڑھتے ہوں کہ قصار کا پڑھنا بھی ثابت ہے۔ یہ منسوخ ہونے کی دلیل نہیں ہوسکتی۔

٩٩-بَابُ الْجَهْرِ فِي الْمَغْرِبِ:

باب: نماز مغرب میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا (چاہیے)

٧٦٥ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ عُتْبَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، أَنَّهُ قَالَ: إِنَّ أُمَّ الْفَضْلِ سَمِعَتْهُ وَهُوَ يَقْرَأُ «وَالْمُرْسَلَاتِ عُرْفًا» فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ، وَاللهِ لَقَدْ ذَكَّرْتَنِي بِقِرَاءَتِكَ هَذِهِ السُّورَةَ إِنَّهَا لَآخِرُ مَا سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ بِهَا فِي الْمَغْرِبِ».



ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابن شہاب سے خبر دی، انہوں نے عبید اللہ بن عبداللہ بن عتبہ سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ام فضل رضی اللہ عنہا (ان کی ماں) نے انہیں «والمرسلات عرفا» پڑھتے ہوئے سنا۔ پھر کہا کہ اے بیٹے! تم نے اس سورت کی تلاوت کر کے مجھے یاد دلایا۔ میں آخر عمر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مغرب میں یہی سورت پڑھتے ہوئے سنتی تھی۔

نماز مغرب میں جہری قراءت کی گئی تب ہی تو پتہ چلا کہ آپ نے سورۃ طور پڑھی ہے۔ اور یہ شارع کے اختیار میں ہے کہ کس نماز میں قراءت جہری ہو اور کس میں سری ہو۔ شاہ ولی اللہ نے اسکی حکمت بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ دن کے وقت تمام چیزیں اپنے مکانوں اور بلوں سے نکلی ہوتی ہیں۔ اور شور زیادہ ہوتا ہے تو نماز میں خشوع و خضوع تب ہوگا جبکہ قراءت آہستہ کی جائے۔ بخلاف رات کے اس میں سناٹا طاری ہوتا ہے اس لئے رات کی نمازوں میں قراءت جہری ہوتی ہے۔ فجر کی نماز اگرچہ دن کی نماز ہے لیکن حکماً یہ نماز رات کی ہے۔ کیونکہ جانور ابھی اپنی جگہوں سے نکلے نہیں ہوتے۔ اور لوگ ابھی لیٹے ہوتے ہیں اس لئے اس میں قراءت جہری ہے۔



شعرانی نے میزان الکبریٰ میں لکھا ہے کہ جہر اور سر کا تعلق دراصل تجلّی سے ہے۔ اور دن کی تجلی شدید ہوتی ہے

اور اللہ تعالیٰ کی تجلی کا جس شخص کے ساتھ تعلق ہو جائے اس پر رعب طاری ہو جاتا ہے۔ اور رات کی تجلی اتنی شدید نہیں ہوتی بلکہ آہستہ آہستہ شدید ہوتی ہے۔ جبکہ اس میں بعد میں شدت آتی ہے اس لئے اسکی پچھلی رکعتوں میں قراءت سرّی ہے۔ اور دن کی نمازوں میں شروع میں ہی تجلی شدید ہوتی ہے اس لئے اس کی نمازوں میں شروع سے ہی سرّ ہوتا ہے۔ کیونکہ انسان تجلی کی وجہ سے گھبرایا ہوتا ہے اور اونچی پڑھنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور جمعہ کی نماز میں چونکہ عام لوگ حاضر ہوتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ سے جہراً باتیں کرنے کی جرأت پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے "إلا علی الخاشعین الذین یظنون أنهم ملاقو ربهم و انهم الیه راجعون" شاہ عبدالعزیز اس کا مطلب بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن لوگوں کو یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو اس کا دیدار ہو جائے گا اور تجلی حاضر ہو جائے گی۔ یا اتنا تو ضرور ہو گا کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے تو "انهم الیه راجعون" کا نچلا درجہ حاصل ہو گا جبکہ "انهم ملاقو ربهم" پہلا درجہ ہے۔ نماز میں اگر انسان توجہ رکھے تو خشوع کی وجہ سے انوار وغیرہ نظر آجاتے ہیں۔ یہ انہوں نے اپنا وجدان بیان کیا ہے[1]۔

---

[1] "قوله قرء فی المغرب بالطور" حافظ نے کہا ہے کہ یہ با "مِن" کے معنی میں بھی ہو سکتی ہے جیسا کہ "عینًا یشرب بها عباد اللّٰه" میں بھی با بمعنی "مِن" ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ نے مغرب کی نماز میں لمبی سورتیں پڑھنے کو ناپسند کیا ہے جیسا کہ سورۃ المرسلات اور "والطور" ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ان سورتوں کا پڑھنا مستحب ہے۔ امام مالک نے عمل اہل مدینہ پر اعتماد کیا ہے۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ فجر کی نماز میں قراءت لمبی کرنے اور مغرب کی نماز میں چھوٹی قراءت کرنے پر مسلسل عمل رہا ہے۔ لیکن ہمارے نزدیک حق یہ ہے کہ جو نبی اکرم ﷺ سے اس بارہ میں ثابت ہے وہی مستحب ہے جبکہ آپ نے اس پر ہمیشگی کی ہو۔ اور جس پر ہمیشگی ثابت نہ ہو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ بخاری رحمہ اللہ نے یہاں تین احادیث ذکر کی ہیں جو مقدار میں مختلف ہیں کیونکہ سورۃ اعراف سبع طوال سے ہے۔ اور سورۃ طور طوالِ مفصل سے ہے اور "المرسلات" اوساطِ مفصل سے ہے۔ اور مغرب کی نماز میں سوائے ابن ماجہ کی حدیث کے کوئی حدیث نہیں دیکھی جو قصارِ مفصل پڑھنے کے بارہ میں ہو۔ ابن ماجہ میں سورۃ الکافرون اور سورۃ الاخلاص پڑھنے کے بارہ میں ابن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے۔ لیکن اس کی سند معلول ہے۔ ابن حبان میں جابر کی حدیث بھی اسکی مثل ہے لیکن اس میں سعید بن سماک متروک ہے۔ لیکن ہمارے اصحاب کا اعتماد سلیمان بن یسار کی حدیث پر ہے جو وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا "ما رایت أحدًا أشبه صلوة برسول ﷺ من فلانٍ۔ قال سلیمان فکان یقرء فی الصبح بطوال المفصل و فی المغرب بقصار المفصل" یہ حدیث نسائی میں ہے اور ابن خزیمہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ اس پر ہمیشگی کرتے تھے۔ مگر اس میں نظر ہے۔ ہاں رافع کی حدیث جو المواقیت میں گذری ہے "انهم کانوا ینتضلون بعد صلوٰة المغرب" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب کی نماز میں قراءت مختصر ہوتی تھی۔ جمع اور تطبیق کی صورت یہ ہے کہ کبھی آپ مغرب کی نماز میں بیانِ جواز کے لئے لمبی قراءت بھی کر لیتے تھے یا اس لئے لمبی قراءت کرتے تھے کہ آپ سمجھتے تھے کہ مقتدی اس میں مشقت محسوس نہیں کرتے۔ اور ترجمہ باب میں جبیر بن مطعم کی حدیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ آپ نے سورۃ طور

١٠٠۔بَابُ الْجَهْرِ فِي الْعِشَاءِ:

باب: نماز عشاء میں بلند آواز سے قرآن پڑھنا

٧٦٦ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا مُعْتَمِرٌ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: «صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ: إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ سورة الانشقاق آية ١، فَسَجَدَ فَقُلْتُ لَهُ: قَالَ: سَجَدْتُ خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ».

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے معتمر بن سلیمان نے بیان کیا اپنے باپ سے، انہوں نے بکر بن عبداللہ سے، انہوں نے ابورافع سے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھی۔ اس میں آپ نے «إذا السماء انشقت» پڑھی اور سجدہ (تلاوت) کیا۔ میں نے ان سے اس کے متعلق معلوم کیا تو بتلایا کہ میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بھی (اس آیت میں تلاوت کا) سجدہ کیا ہے اور زندگی بھر میں اس میں سجدہ کروں گا، یہاں تک کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل جاؤں۔



٧٦٧ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَدِيٍّ، قَالَ: سَمِعْتُ الْبَرَاءَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِي سَفَرٍ فَقَرَأَ فِي الْعِشَاءِ فِي إِحْدَى الرَّكْعَتَيْنِ بِالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ».

ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا عدی بن ثابت سے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے براء بن عازب سے سنا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سفر میں تھے کہ عشاء کی دو پہلی رکعات میں سے کسی ایک رکعت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے «والتین والزیتون» پڑھی۔

١٠١۔بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ بِالسَّجْدَةِ:

باب: نماز عشاء میں سجدہ کی سورۃ پڑھنا



٧٦٨ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ، قَالَ: حَدَّثَنِي التَّيْمِيُّ، عَنْ بَكْرٍ، عَنْ أَبِي رَافِعٍ، قَالَ: «صَلَّيْتُ مَعَ أَبِي هُرَيْرَةَ الْعَتَمَةَ، فَقَرَأَ: إِذَا السَّمَاءُ انْشَقَّتْ سورة الانشقاق آية ١، فَسَجَدَ فَقُلْتُ: مَا هَذِهِ؟ قَالَ: سَجَدْتُ بِهَا خَلْفَ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَا أَزَالُ أَسْجُدُ بِهَا حَتَّى أَلْقَاهُ».





ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یزید بن زریع نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے تیمی نے

مغرب کی نماز میں متعدد بار پڑھی ہو۔ اس سے ایک بار پڑھنا ہی ثابت ہوتا ہے۔ (فتح الباری للحافظ ج ۲ ص ۲۴۸)

ابوبکر سے، انہوں نے ابورافع سے، انہوں نے کہا کہ میں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ عشاء پڑھی، آپ نے «إذا السماء انشقت» اور سجدہ کیا۔ اس پر میں نے کہا کہ یہ سجدہ کیسا ہے؟ آپ نے جواب دیا کہ اس سورت میں میں نے ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سجدہ کیا تھا۔ اس لیے میں بھی ہمیشہ اس میں سجدہ کروں گا، یہاں تک کہ آپ سے مل جاؤں۔

یعنی نماز میں سجدہ کی آیت پڑھ کر سجدہ کرنا جائز ہے۔ مالکی کہتے ہیں کہ نہیں کرنا چاہیئے کیونکہ اس سے مقتدیوں کو تشویش لاحق ہوتی ہے۔ لہذا ان کے نزدیک سجدہ کی آیت نماز میں نہ پڑھے اور اگر پڑھے تو سجدہ نہ کرے کیونکہ بعض احادیث میں آتا ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ہجرت کے بعد مفصل میں سجدہ نہیں کیا۔ اور آپ نمازوں میں مفصل سورتیں ہی پڑھا کرتے تھے۔ لیکن ترجمہ باب کی یہ حدیث ان کے اس دعوے کو رد کرتی ہے کیونکہ اس میں ہے کہ آپ نے سجدہ کی آیت پڑھ کر نماز میں سجدہ کیا تھا۔ یہ تطبیق ہوسکتی ہے کہ کبھی آپ سجدہ تلاوت کر لیتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے۔ احناف کے ہاں سجدہ تلاوت واجب ہے بعض روایات میں آتا ہے کہ اگر نماز کے اخیر میں سجدہ ہو تو وہاں رکوع میں سجدہ کی نیت کر لے اور اس کا رکوع ہی سجدہ تلاوت بن جائے گا۔

دراصل قرآن کریم میں جو سجودِ تلاوت آئے ہیں ان سے مراد قرآن کریم پڑھتے وقت خشوع و خضوع ہے لہذا رکوع میں سر جھکانے سے سجدہ ہوجائے گا۔ اس لئے حنفی قائل ہیں کہ رکوع کرنے سے سجدہ تلاوت ہوجاتا ہے بلکہ انور شاہ نے لکھا ہے کہ خارج صلوٰۃ میں ذرا جھک جانے سے سجدہ ہوجائے گا۔ لیکن یہ باتیں لغو اور فضول ہیں کیونکہ سجدہ تو پیشانی زمین پر رکھنے سے ہوتا ہے لہذا سجدہ زمین پر ماتھا رکھنے سے کرنا چاہیئے اور یہ بات الگ ہے کہ سجدہ تلاوت واجب نہیں ہے۔

۱۰۲۔ بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْعِشَاءِ:

باب: نماز عشاء میں قرآت کا بیان

٧٦٩ حَدَّثَنَا خَلَّادُ بْنُ يَحْيَى، قَالَ: حَدَّثَنَا مِسْعَرٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا عَدِيُّ بْنُ ثَابِتٍ، سَمِعَ الْبَرَاءَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، يَقْرَأُ: وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ فِي الْعِشَاءِ، وَمَا سَمِعْتُ أَحَدًا أَحْسَنَ صَوْتًا مِنْهُ أَوْ قِرَاءَةً».

ہم سے خلاد بن یحیٰی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے مسعر بن کدام نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عدی بن ثابت نے کہا۔ انہوں نے براء رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو عشاء میں «والتین والزیتون» پڑھتے سنا۔ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ اچھی آواز یا اچھی قرآت والا کسی کو نہیں پایا۔

۱۰۳۔ بَابُ يُطَوِّلُ فِي الأُولَيَيْنِ وَيَحْذِفُ فِي الأُخْرَيَيْنِ:

باب: عشاء کی پہلی دو رکعات لمبی اور آخری دو رکعات مختصر کرنی چاہئیں

۷۷۰ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي عَوْنٍ، قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، قَالَ: قَالَ عُمَرُ لِسَعْدٍ: لَقَدْ شَكَوْكَ فِي كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى الصَّلَاةِ، قَالَ: «أَمَّا أَنَا فَأَمُدُّ فِي الأُولَيَيْنِ وَأَحْذِفُ فِي الأُخْرَيَيْنِ، وَلَا آلُو مَا اقْتَدَيْتُ بِهِ مِنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: صَدَقْتَ ذَاكَ الظَّنُّ بِكَ أَوْ ظَنِّي بِكَ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے ابوعون محمد بن عبداللہ ثقفی سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے جابر بن سمرہ سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ امیرالمؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ کی شکایت کوفہ والوں نے تمام ہی باتوں میں کی ہے، یہاں تک کہ نماز میں بھی۔ انہوں نے کہا کہ میرا عمل تو یہ ہے کہ پہلی دو رکعات میں قرآت لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو میں مختصر جس طرح میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز پڑھی تھی اس میں کسی قسم کی کمی نہیں کرتا۔ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ سچ کہتے ہو۔ تم سے امید بھی اسی کی ہے۔

۱۰۴۔بَابُ الْقِرَاءَةِ فِي الْفَجْرِ:

باب: نماز فجر میں قرآن شریف پڑھنا



وَقَالَتْ أُمُّ سَلَمَةَ: قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالطُّورِ

اور ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الطور پڑھی۔

"قوله قالت أم سلمة قرء النبي ﷺ بالطور" ام سلمہ کے اس قول میں نہ نماز کا ذکر ہے اور نہ ہی فجر کا۔ لیکن اس کے بعد آنے والے باب میں صلوٰۃ کا ذکر ہے لہذا "باب الجهر بقراءة صلوٰة الفجر" کے تحت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا قول ان الفاظ کے ساتھ منقول ہے "طفت وراء الناس والنبي ﷺ يصلي ويقرء بالطور" لیکن اس میں فجر کا ذکر نہیں ہے۔ مگر کتاب الحج میں "باب من صلي ركعتي الطواف خارجا من المسجد" کے تحت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی حدیث میں نماز فجر کی صراحت مذکور ہے جس کے الفاظ یہ ہیں "فقال لها رسول الله ﷺ إذا أقيمت صلوٰة الصبح فطوفي على بعيرك والناس يصلّون ففعلت ذلك[1]" یوں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اس اثر کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت ظاہر ہوجاتی ہے۔ اور چونکہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا لوگوں کی صفوں کے پیچھے ہوکر طواف کرتے ہوئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی قراءت میں پڑھی جانے والی سورۃ طور سن رہی تھیں اس سے آپ کا نماز فجر میں جہر سے قراءت کرنا بھی ثابت ہوجاتا ہے جیسا کہ آئندہ باب نماز فجر میں قراءت کے جہر کے بارہ میں ہے۔







۷۷۱ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَيَّارُ بْنُ سَلَامَةَ، قَالَ: دَخَلْتُ أَنَا وَأَبِي عَلَى أَبِي بَرْزَةَ الأَسْلَمِيِّ، فَسَأَلْنَاهُ عَنْ وَقْتِ الصَّلَوَاتِ، فَقَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى

[1] صحیح بخاری ۱۶۲۶ ج ۲ ص ۱۵۴۔

اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الظُّهْرَ حِينَ تَزُولُ الشَّمْسُ وَالْعَصْرَ، وَيَرْجِعُ الرَّجُلُ إِلَى أَقْصَى الْمَدِينَةِ وَالشَّمْسُ حَيَّةٌ وَنَسِيتُ مَا قَالَ فِي الْمَغْرِبِ، وَلَا يُبَالِي بِتَأْخِيرِ الْعِشَاءِ إِلَى ثُلُثِ اللَّيْلِ، وَلَا يُحِبُّ النَّوْمَ قَبْلَهَا وَلَا الْحَدِيثَ بَعْدَهَا، وَيُصَلِّي الصُّبْحَ فَيَنْصَرِفُ الرَّجُلُ فَيَعْرِفُ جَلِيسَهُ، وَكَانَ يَقْرَأُ فِي الرَّكْعَتَيْنِ أَوْ إِحْدَاهُمَا مَا بَيْنَ السِّتِّينَ إِلَى الْمِائَةِ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے سیار ابن سلامہ نے بیان کیا، انہوں نے بیان کیا کہ میں اپنے باپ کے ساتھ ابو برزہ اسلمی صحابی رضی اللہ عنہ کے پاس گیا۔ ہم نے آپ سے نماز کے وقتوں کے متعلق پوچھا تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز سورج ڈھلنے پر پڑھتے تھے۔ عصر جب پڑھتے تو مدینہ کے انتہائی کنارہ تک ایک شخص چلا جاتا۔ لیکن سورج اب بھی باقی رہتا۔ مغرب کے متعلق جو کچھ آپ نے کہا وہ مجھے یاد نہیں رہا اور عشاء کے لیے تہائی رات تک دیر کرنے میں کوئی حرج محسوس نہیں کرتے تھے اور آپ اس سے پہلے سونے کو اور اس کے بعد بات چیت کرنے کو ناپسند کرتے تھے۔ جب نماز صبح سے فارغ ہوتے تو ہر شخص اپنے قریب بیٹھے ہوئے کو پہچان سکتا تھا۔ آپ دونوں رکعات میں یا ایک میں ساٹھ سے لے کر سو تک آیتیں پڑھتے۔

٧٧٢ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا ابْنُ جُرَيْجٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي عَطَاءٌ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقُولُ: «فِي كُلِّ صَلَاةٍ يُقْرَأُ فَمَا أَسْمَعَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَسْمَعْنَاكُمْ وَمَا أَخْفَى عَنَّا أَخْفَيْنَا عَنْكُمْ، وَإِنْ لَمْ تَزِدْ عَلَى أُمِّ الْقُرْآنِ أَجْزَأَتْ، وَإِنْ زِدْتَ فَهُوَ خَيْرٌ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن ابراہیم نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں عبدالملک ابن جریج نے خبر دی، کہا کہ مجھے عطاء بن ابی رباح نے خبر دی کہ انہوں نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، وہ فرماتے تھے کہ ہر نماز میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے گی۔ جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قرآن سنایا تھا ہم بھی تمہیں ان میں سنائیں گے اور جن نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ قرآت کی ہم بھی ان میں آہستہ ہی قرآت کریں گے اور اگر سورۃ فاتحہ ہی پڑھو جب بھی کافی ہے، لیکن اگر زیادہ پڑھ لو تو اور بہتر ہے۔

یہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ ہر نماز میں قراءت ہے۔ اس کے بعد کہا کہ جس نماز میں نبی اکرم ﷺ نے جہر کیا ہے ہم بھی کرتے ہیں۔ اور جس میں آپ نے اِخفاء کیا ہم بھی اس میں اِخفاء کرتے ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جو باتیں نبی اکرم ﷺ نے ہمیں سنائی ہیں وہ ہم بھی تم لوگوں کو سناتے ہیں اور جو باتیں آپ نے ہمیں نہیں سنائی ہیں وہ ہم بھی نہیں سناتے۔ یعنی ہم تمہیں جو باتیں سناتے ہیں وہ نبی اکرم ﷺ سے منقول اور مسموع

شرح بخاری

ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد ذکر ہونے والا جملہ "وإن لم تزد علی أم القرآن أجزأت وإن زدتَّ فهو خيرٌ" نبی کریم علیہ السلام کا ہی ہے جو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر آگے ذکر کیا ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ جو باتیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سنائی ہیں وہی ہم تمہیں سناتے ہیں۔

"قوله وإن لم تزد علی ام القرآن أجزأت" اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ سے زیادہ پڑھنا ضروری نہیں ہے اور سورۃ فاتحہ کا نماز میں پڑھنا ضروری ہے۔ جو شخص سورۃ فاتحہ نہیں پڑھے گا اس کی نماز نہیں ہوگی۔

١٠٥- بَابُ الْجَهْرِ بِقِرَاءَةِ صَلَاةِ الْفَجْرِ:

باب: فجر کی نماز میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنا

"قوله قالت أم سلمة" "کتاب الحج میں" "باب من صلّٰي ركعتي الطواف خارجاً من المسجد" کے تحت حضرت اُم سلمہ کی اس حدیث میں صلوٰۃ فجر کا ذکر موجود ہے۔

٧٧٣ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَبُو عَوَانَةَ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ جُبَيْرٍ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا، قَالَ: «انْطَلَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طَائِفَةٍ مِنْ أَصْحَابِهِ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ، وَقَدْ حِيلَ بَيْنَ الشَّيَاطِينِ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْهِمُ الشُّهُبُ فَرَجَعَتِ الشَّيَاطِينُ إِلَى قَوْمِهِمْ، فَقَالُوا: مَا لَكُمْ، فَقَالُوا: حِيلَ بَيْنَنَا وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، وَأُرْسِلَتْ عَلَيْنَا الشُّهُبُ، قَالُوا: مَا حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ إِلَّا شَيْءٌ حَدَثَ فَاضْرِبُوا مَشَارِقَ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا، فَانْظُرُوا مَا هَذَا الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَانْصَرَفَ أُولَئِكَ الَّذِينَ تَوَجَّهُوا نَحْوَ تِهَامَةَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِنَخْلَةَ عَامِدِينَ إِلَى سُوقِ عُكَاظٍ وَهُوَ يُصَلِّي بِأَصْحَابِهِ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَلَمَّا سَمِعُوا الْقُرْآنَ اسْتَمَعُوا لَهُ، فَقَالُوا: هَذَا وَاللهِ الَّذِي حَالَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ خَبَرِ السَّمَاءِ، فَهُنَالِكَ حِينَ رَجَعُوا إِلَى قَوْمِهِمْ وَقَالُوا: يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا قُرْآنًا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَآمَنَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرَبِّنَا أَحَدًا، فَأَنْزَلَ اللهُ عَلَى نَبِيِّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُلْ أُوحِيَ إِلَيَّ سورة الجن آية١ وَإِنَّمَا أُوحِيَ إِلَيْهِ قَوْلُ الْجِنِّ».



ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابوعوانہ وضاح یشکری نے ابوبشر سے بیان کیا، انہوں نے سعید بن جبیر سے، انہوں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ چند صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ عکاظ کے بازار کی طرف گئے۔ ان دنوں شیاطین کو آسمان کی خبریں لینے سے روک دیا گیا تھا اور ان پر انگارے (شہاب ثاقب) پھینکے جانے لگے تھے۔ تو وہ شیاطین اپنی قوم کے پاس آئے اور پوچھا کہ بات کیا ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ ہمیں آسمان



کی خبریں لینے سے روک دیا گیا ہے اور (جب ہم آسمان کی طرف جاتے ہیں تو) ہم پر شہاب ثاقب پھینکے جاتے ہیں۔ شیاطین نے کہا کہ آسمان کی خبریں لینے سے روکنے کی کوئی نئی وجہ ہوئی ہے۔ اس لیے تم مشرق و مغرب میں ہر طرف پھیل جاؤ اور اس سبب کو معلوم کرو جو تمہیں آسمان کی خبریں لینے سے روکنے کا سبب ہوا ہے۔ وجہ معلوم کرنے کے لیے نکلے ہوئے شیاطین تہامہ کی طرف گئے جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عکاظ کے بازار کو جاتے ہوئے مقام نخلہ میں اپنے اصحاب کے ساتھ نماز فجر پڑھ رہے تھے۔ جب قرآن مجید انہوں نے سنا تو غور سے اس کی طرف کان لگا دیئے۔ پھر کہا، اللہ کی قسم! یہی ہے جو آسمان کی خبریں سننے سے روکنے کا باعث بنا ہے۔ پھر وہ اپنی قوم کی طرف لوٹے اور کہا قوم کے لوگو! ہم نے حیرت انگیز قرآن سنا جو سیدھے راستے کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ اس لیے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی «قل أوحی إلی» (آپ کہیئے کہ مجھے وحی کے ذریعہ بتایا گیا ہے) اور آپ پر جنوں کی گفتگو وحی کی گئی تھی۔

اس حدیث پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ یہ حیلولہ تو بعث کے شروع میں ہوا تھا اور یہ واقعہ ۱۰ نبوی کا ہے۔ جبکہ آپ ﷺ طائف میں تبلیغ کے لئے گئے تھے تو کیا وہ اتنی دیر تلاش کرتے رہے کہ کون سی چیز سننے میں حائل ہو گئی ہے اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے پہلے حصے کا تعلق ابتداء بعثت سے ہے۔ اور آخری حصے کا تعلق بعد سے ہے، یہ بات نہیں ہے کہ انہوں نے دس سال بعد آخر میں جا کر پایا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس روایت میں کچھ اختصار ہو گیا ہے جس کی وجہ سے یہ شبہ پیدا ہو جاتا ہے، وہ سوق عکاظ اس وقت نہیں، بلکہ بعد میں گئے تھے۔

شرح بخاری

"قوله فلما سمعوا القرآن استمعوا له" یعنی جب انہوں نے قرآن سنا تو کان لگا دیئے کیونکہ استماع میں غور وفکر کا معنیٰ ہوتا ہے۔

۷۷۴ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، قَالَ: حَدَّثَنَا أَيُّوبُ، عَنْ عِكْرِمَةَ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، قَالَ: «قَرَأَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيمَا أُمِرَ وَسَكَتَ فِيمَا أُمِرَ، وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ».

ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ایوب سختیانی نے عکرمہ سے بیان کیا، انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے، آپ نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جن نمازوں میں بلند آواز سے قرآن مجید پڑھنے کا حکم ہوا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں بلند آواز سے پڑھا اور جن میں آہستہ سے پڑھنے کا حکم ہوا تھا ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آہستہ سے پڑھا اور تیرا رب بھولنے والا نہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کی ترجمہ کے ساتھ شرح کی ہے۔ اور اس حدیث میں قرء سے مراد "جھر" ہے اور "سکت" سے مراد ترکِ جہر ہے۔ کبھی سکوت، ترکِ جہر کے معنیٰ ہوجاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ عبداللہ بن عباس کا خیال یہ ہو کہ جن نمازوں میں جہر ہوتا ہے ان میں ہی قراءت ہوتی ہے۔ سری نمازوں میں قراءت نہیں ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہوا کہ نبی کریم علیہ السلام ظہر کی نماز میں قراءت کرتے تھے یا نہیں؟ پہلے ان کا خیال تھا کہ ظہر میں نہیں پڑھنا چاہیئے۔ "قيل له إن ناسا يقرؤن فى الظهر والعصر فقال لو كان لي عليهم سبيل لقلعت ألسنتهم"[1] مولوی صفدر نے عجیب بات کی۔ کہتا ہے یہاں جہری اور سری مراد نہیں ہے۔ بلکہ امام کے پیچھے پڑھنے والے لوگ مراد ہیں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ مقتدی کو بالکل نہیں پڑھنا چاہیے۔ جبکہ حافظ نے کہا ہے کہ انہیں ابتداء میں علم نہیں تھا کہ ظہر اور عصر میں قراءت ہے یا نہیں۔ اس کے بعد انہیں شک پیدا ہوگیا جیسا کہ ابوداؤد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کہتے ہیں مجھے اس بارہ میں شک ہے۔ اس کے بعد انہیں پڑھنے کا یقین ہوگیا۔ کسی نے ان سے اس بارہ میں سوال کیا تو کہا پڑھا کر۔ اور "اقرء خلف الإمام" بھی آتا ہے۔ "اسناده صحيح لاغبار عليه" حافظ نے ان تین حالتوں پر محمول کیا ہے۔ اور بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو پچھلی حالت پر محمول کیا ہے جبکہ انہیں علم ہوگیا تھا کہ ظہر اور عصر میں قراءت ہے اس وقت قرء بمعنیٰ جہر ہوجائے گا۔ بہرصورت اگر اسے پہلی حالت پر بھی حمل کیا جائے تو نماز فجر میں جہر ثابت ہوجاتا ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن عباس سرّی نمازوں میں قراءت کا انکار کرتے تھے جہری نمازوں میں انکار نہیں کرتے تھے۔ کیونکہ ان میں قراءت سنی جاتی ہے۔ امت میں مقتدی کے لیے پچھلی رکعتوں میں پڑھنے یا نہ پڑھنے کا اختلاف پیدا ہوا ہے اسکی وجہ یہی ہے کہ پہلی رکعتوں میں امام جہر کرتا ہے اور پچھلی رکعتوں میں جہر نہیں کرتا۔ جس سے سمجھا گیا کہ امام نے قراءت کی ہی نہیں۔ نماز ظہر اور عصر میں قراءت آہستہ ہوتی ہے اس لئے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو وہم ہوا کہ آپ پڑھتے ہی نہیں ہوں گے۔ حالانکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی سری نماز میں کوئی آیت اونچی پڑھ دیتے تھے۔ اور نماز ظہر اور عصر میں اسرار فرض نہیں ہے جہر بھی ہوسکتا ہے جیسا کہ اہل ظاہر اور تینوں امام اس کے قائل ہیں۔

١٠٦ - بَابُ الْجَمْعِ بَيْنَ السُّورَتَيْنِ فِي الرَّكْعَةِ:

ایک رکعت میں دو سورتیں ایک ساتھ پڑھنا

یہ باب چار مسائل پر مشتمل ہے۔ ایک مسئلہ ایک رکعت میں دو سورتوں کو جمع کرنے کا ہے جس پر عبداللہ بن مسعود اور حضرت انس کی حدیث دلالت کرتی ہے۔ دوسرا مسئلہ سورتوں کے اواخر سے قراءت کرنا۔ جو کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عمل سے ثابت ہے کہ انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ البقرۃ کی ایک سو بیس آیات پڑھیں تو اوائل سے الحاق کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب اوائل سورت کو پڑھا جاسکتا ہے تو اواخر کو بھی پڑھا جاسکتا ہے۔ اور قتادہ کے قول "كل كتاب الله" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ تیسرا مسئلہ ایک سورت کو دوسری سے مقدم یا مؤخر کرنا۔ تو یہ حدیث

[1] شرح معانی الآثار ۱۲۱۶، ج ۱ ص ۲۰۵

انس رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فعل سے ثابت ہے کہ انہوں نے پہلی رکعت میں سورۃ الکھف اور دوسری میں سورۃ یوسف یا یونس پڑھی جیسا کہ احنف کی روایت ہے۔چوتھا مسئلہ اول سورت سے قراءت کرنا۔ جیسا کہ عبداللہ بن سائب اور ابن مسعود کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔

"قوله ويذكر عن عبدالله بن السائب قرء النبي ﷺ المؤمنون" اس کا تعلق چوتھے مسئلہ سے ہے یعنی اول سورت سے قراءت کرنا۔

"قوله وقرء عمر في الركعة الأولي" اسکا تعلق مسائل مذکورہ سے کسی کے ساتھ واضح نہیں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ عمل اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دوسری رکعت کی بنسبت پہلی رکعت میں قراءت لمبی ہونی چاہیئے۔

"قوله وقرء الأحنف بالكهف في الأولي" اسکا تعلق تیسرے مسئلہ سے ہے۔ یعنی مقدم سورت کو قراءت میں مؤخر کرنا اور مؤخر کو پہلے پڑھنا خواہ ایک رکعت میں ایسا ہو یا دو رکعت میں ہو۔

"قوله وقرء ابن مسعود بأربعين آية من الأنفال" اسکا تعلق چوتھے مسئلہ سے ہے کیونکہ ایک حدیث میں "فافتتح الأنفال" وارد ہے[1] اور افتتاح شروع سورت سے ہوتا ہے۔

"قوله وقال قتادة فيمن يقرء سورة واحدةً......" اسکا تعلق مذکورہ مسائل میں سے کسی خاص مسئلہ سے نہیں ہے بلکہ یہ چاروں صورتوں کے جواز پر دلالت کرتا ہے۔ بخاری رحمہ اللہ نے "كل كتاب الله" لا کر اشارہ کیا ہے کہ جس صورت پر بھی قراءت کی جائے سب کتاب اللہ ہے۔ لہذا کسی صورت میں کراھت نہیں پائی جاتی۔

"قوله الجمع بين السورتين" یہ دو سورتیں فاتحہ کے علاوہ مراد ہیں۔ ورنہ اگر فاتحہ سمیت دو سورتیں مراد ہوں تو پھر ہر شخص ایسے دو سورتیں ایک رکعت میں جمع کرتا ہے۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ ایک رکعت میں دو سورتیں جمع نہیں کرنی چاہیئے؟ کیونکہ ابوالعالیہ سے مروی ہے "أخبرني من سمع النبي ﷺ يقول: لكل سورة حظها من الركوع والسجود" جیسا کہ مسند احمد میں ہے کہ ہر سورت کے بعد رکوع کرنا چاہیئے۔ لیکن اس باب کی احادیث سے ان لوگوں کی تردید ہوتی ہے۔

"قوله بسورة قبل سورة" اگرچہ فی نفسہٖ مصحف کی ترتیب ضروری ہے مگر نماز میں یہ ترتیب ضروری نہیں ہے۔

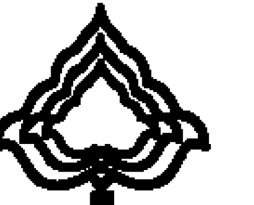
"قوله فيمن يقرء سورة واحدة" یعنی دونوں رکعتوں میں ایک سورت آدھی، آدھی پڑھے اور "يُرَدِّدُ" سے یہ بھی مراد ہو سکتا ہے کہ ایک ہی سورت دونوں رکعتوں میں دہرائے۔

وَقَالَ عُبَيْدُ اللهِ، عَنْ ثَابِتٍ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، كَانَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ يَؤُمُّهُمْ فِي مَسْجِدِ قُبَاءٍ وَكَانَ كُلَّمَا افْتَتَحَ سُورَةً يَقْرَأُ بِهَا لَهُمْ فِي الصَّلَاةِ مِمَّا يَقْرَأُ بِهِ افْتَتَحَ بِ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ سورة الإخلاص آية ١ حَتَّى يَفْرُغَ مِنْهَا ثُمَّ يَقْرَأُ سُورَةً أُخْرَى مَعَهَا، وَكَانَ يَصْنَعُ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَكَلَّمَهُ أَصْحَابُهُ فَقَالُوا:

[1] مصنف ابن أبي شيبه ٣٦٠٩ ج ١ ص ٣١٦۔

إِنَّكَ تَفْتَتِحُ بِهَذِهِ السُّورَةِ ثُمَّ لَا تَرَى أَنَّهَا تُجْزِئُكَ حَتَّى تَقْرَأَ بِأُخْرَى، فَإِمَّا تَقْرَأُ بِهَا وَإِمَّا أَنْ تَدَعَهَا وَتَقْرَأَ بِأُخْرَى، فَقَالَ: مَا أَنَا بِتَارِكِهَا إِنْ أَحْبَبْتُمْ أَنْ أَؤُمَّكُمْ بِذَلِكَ فَعَلْتُ وَإِنْ كَرِهْتُمْ تَرَكْتُكُمْ وَكَانُوا يَرَوْنَ أَنَّهُ مِنْ أَفْضَلِهِمْ وَكَرِهُوا أَنْ يَؤُمَّهُمْ غَيْرُهُ فَلَمَّا أَتَاهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْبَرُوهُ الْخَبَرَ. فَقَالَ: يَا فُلَانُ مَا يَمْنَعُكَ أَنْ تَفْعَلَ مَا يَأْمُرُكَ بِهِ أَصْحَابُكَ وَمَا يَحْمِلُكَ عَلَى لُزُومِ هَذِهِ السُّورَةِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّهَا، فَقَالَ: حُبُّكَ إِيَّاهَا أَدْخَلَكَ الْجَنَّةَ.

عبید اللہ بن عمر نے ثابت رضی اللہ عنہ سے انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ انصار میں سے ایک شخص (کلثوم بن ہدم) قباء کی مسجد میں لوگوں کی امامت کیا کرتا تھا۔ وہ جب بھی کوئی سورۃ (سورۃ فاتحہ کے بعد) شروع کرتا تو پہلے «قل ھو اللہ أحد» پڑھ لیتا۔ پھر کوئی دوسری سورۃ پڑھتا۔ ہر رکعت میں اس کا یہی عمل تھا۔ اس کے ساتھیوں نے اس سلسلے میں اس پر اعتراض کیا اور کہا کہ تم پہلے یہ سورۃ پڑھتے ہو اور صرف اسی کو کافی خیال نہیں کرتے بلکہ دوسری سورۃ بھی (اس کے ساتھ) ضرور پڑھتے ہو۔ یا تو تمہیں صرف اسی کو پڑھنا چاہئے ورنہ اسے چھوڑ دینا چاہئے اور بجائے اس کے کوئی دوسری سورۃ پڑھنی چاہئے۔ اس شخص نے کہا کہ میں اسے نہیں چھوڑ سکتا اب اگر تمہیں پسند ہے کہ میں تمہیں نماز پڑھاؤں تو برابر پڑھتا رہوں گا ورنہ میں نماز پڑھانا چھوڑ دوں گا۔ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ ان سب سے افضل ہیں اس لیے وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کے علاوہ کوئی اور شخص نماز پڑھائے۔ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو ان لوگوں نے آپ کو واقعہ کی خبر دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بلا کر پوچھا کہ اے فلاں! تمہارے ساتھی جس طرح کہتے ہیں اس پر عمل کرنے سے تم کو کون سی رکاوٹ ہے اور ہر رکعت میں اس سورۃ کو ضروری قرار دے لینے کا سبب کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یا رسول اللہ! میں اس سورۃ سے محبت رکھتا ہوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس سورۃ کی محبت تمہیں جنت میں لے جائے گی۔



یہ عبید اللہ بن عمر بن حفص بن عاصم بن عمر بن خطاب ہے۔ اس تعلیق کو امام ترمذی وغیرہ نے امام بخاری سے موصول بیان کیا ہے۔

"قولہ کان رجل من الانصار" اس رجل سے مراد کلثوم بن ہدم ہے۔ اور ہدم ھا کے کسرہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے جو کہ بنی عمرو بن عوف سے تھا جو کہ قباء کے رہنے والے تھے۔ نبی اکرم ﷺ جب ہجرت کر کے قباء میں آئے تھے تو اسی کے پاس ٹھہرے تھے۔

"قولہ فقال إني أحبها" لہذا سورۃ اخلاص کا کسی میں داعیہ پیدا ہو جائے تو اس کی محبت کی وجہ سے پڑھ سکتا ہے لیکن یہ بات نہیں کہ یہ حدیث سن کر پڑھنا شروع کر دے اس سے سنت طریقہ ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں محبت کے داعیہ کی بنا پر پڑھ سکتا ہے

"قولہ ممایقرء بہ أي من السورۃ بعد الفاتحۃ" راوی نے فاتحہ کو ذکر نہیں کیا کیونکہ وہ تو ضروری ہے جس کا ہر



ایک کو علم ہے۔

۷۷۵ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا وَائِلٍ، قَالَ: جَاءَ رَجُلٌ إِلَى ابْنِ مَسْعُودٍ، فَقَالَ: «قَرَأْتُ الْمُفَصَّلَ اللَّيْلَةَ فِي رَكْعَةٍ، فَقَالَ: هَذًّا كَهَذِّ الشِّعْرِ، لَقَدْ عَرَفْتُ النَّظَائِرَ الَّتِي كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرُنُ بَيْنَهُنَّ، فَذَكَرَ عِشْرِينَ سُورَةً مِنَ الْمُفَصَّلِ سُورَتَيْنِ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ»[1].

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے عمرو بن مرہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ میں نے ابووائل شقیق بن مسلم سے سنا کہ ایک شخص عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ میں نے رات ایک رکعت میں مفصل کی سورۃ پڑھی۔ آپ نے فرمایا کہ کیا اسی طرح (جلدی جلدی) پڑھی جیسے شعر پڑھے جاتے ہیں۔ میں ان ہم معنی سورتوں کو جانتا ہوں جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساتھ ملا کر پڑھتے تھے۔ آپ نے مفصل کی بیس سورتوں کا ذکر کیا۔ ہر رکعت کے لیے دو دو سورتیں۔

"قوله هذا كهذ الشعر" هذ يهذ سے مراد جلدی کرنا، اور یہاں جلدی قراءت کرنا مراد ہے۔

"قوله جاء رجل إلي ابن مسعود" یہ آنیوالا نہیک بن سنان بجلی تھا۔ جب اس نے کہا کہ میں نے آخری منزل ایک رکعت میں پڑھی ہے تو حضرت ابن مسعود نے کہا۔ شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا۔ اس پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ شعر تو لوگ ٹھہر ٹھہر کر عمدہ آواز سے پڑھتے ہیں۔ جلدی نہیں پڑھتے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ شاعر اپنے اشعار لوگوں کو سنانے کے وقت آہستہ آہستہ پڑھتے ہیں۔ لیکن جب وہ شعر یاد کرتے ہیں تو جلدی پڑھتے ہیں۔ حضرت ابن مسعود نے ان کے اشعار یاد کرنے کی صورت کو ملحوظ رکھ کر کہا ہے کہ تو نے شعروں کی طرح جلدی جلدی پڑھا ہوگا۔

"قوله لقد عرفت النظائر" ای السور المتماثلة فی المعانی او المتماثلة فی المقدار، قوله يقرن "را کے ضمہ اور کسرہ کے ساتھ۔

قوله فذكر عشرين سورة من المفصل۔ سورتين من ال حاميم فی كل ركعة اور فضائل قرآن میں ہے "ثماني عشرة سورة من المفصل و سورتين من ال حم اور ابن خزیمہ نیز ابوداؤد میں ہے "كان يقرء النظائر السورتين فی كل ركعةٍ" الرحمن والنجم فی ركعة، واقتربت والحاقة فی ركعة، والذاريات والطور فی ركعة والواقعة ون فی ركعة، وسأل والنازعات فی ركعة، وويل للمطففين

---

[1] قرآنی سورتوں کی کئی اقسام ہیں ا۔ السبع الطوال یہ سورۃ البقرہ، آل عمران، النساء، المائدہ، الانعام، الاعراف اور سورۃ یونس پر مشتمل ہے ۲۔ المئین یہ وہ سورتیں ہیں جن کی آیات سو یا اس سے کچھ کم و بیش ہیں ۳۔ المفصل یہ سورۃ الحجرات سے شروع ہوتی ہیں ۴۔ المثانی جو ان کے علاوہ سورتیں ہیں۔ (فتح الباری لابن رجب ۴/۴۶۶)

و عبس فی رکعة ، والمدثر والمزمل فی رکعة، و هل أتی ولا أقسم فی رکعة، و عم یتساءلون والمرسلات فی رکعة، واذا الشمس کورت والدخان فی رکعة" هذا لفظ أبی داؤد۔ واصل کی روایت میں "وسورتین من ال حم" کالفظ مشکل ہے کیونکہ مذکورہ بیس سورتوں میں سوائے سورہ دخان کے کوئی سورت آل حامیم سے نہیں ہے۔ پھر یاتو سورتین من آل حامیم تغلیب پر محمول ہے یایہاں لفظ محذوف ہے أی وسورتین واحداھما من ال حم (واللہ تعالیٰ أعلم)

١٠٧-بَابٌ يَقْرَأُ فِي الأُخْرَيَيْنِ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ:

باب: پچھلی دو رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھنا

٧٧٦ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ فِي الأُولَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَتَيْنِ، وَفِي الرَّكْعَتَيْنِ الأُخْرَيَيْنِ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَيُسْمِعُنَا الآيَةَ وَيُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الأُولَى مَا لَا يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ، وَهَكَذَا فِي الْعَصْرِ، وَهَكَذَا فِي الصُّبْحِ».



ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے باپ ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی دو پہلی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور دو سورتیں پڑھتے تھے اور آخری دو رکعات میں صرف سورۃ فاتحہ پڑھتے۔ کبھی کبھی ہمیں ایک آیت سنا بھی دیا کرتے تھے اور پہلی رکعت میں قرآت دوسری رکعت سے زیادہ کرتے تھے۔ عصر اور صبح کی نماز میں بھی آپ کا یہی معمول تھا۔

یعنی نبی اکرم ﷺ ظہر اور عصر اور فجر کی نمازوں میں پہلی دو رکعتوں میں سورۃ الفاتحہ کے ساتھ کوئی سورت بھی ملاتے تھے لیکن آخری دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ ہی پڑھا کرتے تھے۔ اور پہلی رکعت کو دوسری سے لمبا کرتے تھے۔ اور مغرب کی تیسری رکعت کا بھی وہی حکم ہے جو رباعی نماز کی پچھلی دو رکعتوں کا حکم ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ آپ ظہر کی پچھلی رکعتیں اتنی لمبی کرتے تھے کہ عصر کی پہلی رکعتوں کے برابر ہوتی تھیں۔ گویا پندرہ آیات کے برابر ہوتی تھیں اور پندرہ آیات کے برابر تب بنتی ہیں کہ ان میں سورۃ فاتحہ کے ساتھ سات آیات والی کوئی اور سورت ملائی جائے۔ گویا ظہر کی پچھلی رکعتوں میں قراءت ثابت ہے حدیث مسئ الصلوٰۃ میں آپکے فرمان افعل ذلك فی صلوتك کلھا سے بھی یہ بات ثابت ہوتی ہے۔

"باب من خافت القراءة فی الظھر والعصر" یعنی جو سری پڑھتا ہے اسکا بیان، معلوم ہوتا ہے کہ ان میں جہر بھی کیا جاسکتا ہے۔



"قوله كان يطوّل فى الركعة الأولي" امام مالک کہتے ہیں کہ یہ سب رکعات برابر ہونی چاہئیں لیکن نماز جمعہ میں دوسری رکعت پہلی سے لمبی ہوجاتی ہے کیونکہ اس میں سورۃ الغاشیۃ پڑھی جاتی ہے جو سورۃ الاعلیٰ سے بڑی ہے اور یہ اس لئے ہے تاکہ پیچھے رہنے والا شخص بھی دوسری رکعت میں شامل ہوجائے۔

١٠٨-بَابُ مَنْ خَافَتَ الْقِرَاءَةَ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ:

باب: جس نے ظہر اور عصر میں آہستہ سے قرآت کی

٧٧٧ حَدَّثَنَا قُتَيْبَةُ بْنُ سَعِيدٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا جَرِيرٌ، عَنِ الْأَعْمَشِ، عَنْ عُمَارَةَ بْنِ عُمَيْرٍ، عَنْ أَبِي مَعْمَرٍ، قُلْتُ لِخَبَّابٍ: «أَكَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الظُّهْرِ وَالْعَصْرِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قُلْنَا: مِنْ أَيْنَ عَلِمْتَ؟ قَالَ: بِاضْطِرَابِ لِحْيَتِهِ».

ہم سے قتیبہ بن سعید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے جریر بن عبدالحمید نے اعمش سے بیان کیا، وہ عمارہ بن عمیر سے، وہ ابومعمر عبداللہ بن مخبرہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ ہم نے خباب بن ارت رضی اللہ عنہ سے کہا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر میں قرآن مجید پڑھتے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں! ہم نے پوچھا کہ آپ کو معلوم کس طرح ہوتا تھا۔ انہوں نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ریش مبارک کے ہلنے سے۔

١٠٩-بَابُ إِذَا أَسْمَعَ الْإِمَامُ الْآيَةَ:

باب: اگر امام سری نماز میں کوئی آیت پکار کر پڑھ دے کہ مقتدی سن لیں، تو کوئی قباحت نہیں

٧٧٨ حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يُوسُفَ، حَدَّثَنَا الْأَوْزَاعِيُّ، حَدَّثَنِي يَحْيَى بْنُ أَبِي كَثِيرٍ، حَدَّثَنِي عَبْدُ اللَّهِ بْنُ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْرَأُ بِأُمِّ الْكِتَابِ وَسُورَةٍ مَعَهَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ الْأُولَيَيْنِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعَصْرِ وَيُسْمِعُنَا الْآيَةَ أَحْيَانًا، وَكَانَ يُطِيلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى».

ہم سے محمد بن یوسف فریابی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے امام عبدالرحمٰن اوزاعی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے یحییٰ بن ابی کثیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے عبداللہ بن ابی قتادہ نے بیان کیا، وہ اپنے والد ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر اور عصر کی دو پہلی رکعتوں میں سورۃ فاتحہ اور کوئی اور سورۃ پڑھتے تھے۔ کبھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوئی آیت ہمیں سنا بھی دیا کرتے تھے۔ پہلی رکعت میں قرآت زیادہ طویل کرتے تھے۔

١١٠-بَابُ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى:

باب: پہلی رکعت (میں قرآت) طویل ہونی چاہیے

۷۷۹ حَدَّثَنَا أَبُو نُعَيْمٍ، حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ أَبِي قَتَادَةَ، عَنْ أَبِيهِ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُطَوِّلُ فِي الرَّكْعَةِ الْأُولَى مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَيُقَصِّرُ فِي الثَّانِيَةِ، وَيَفْعَلُ ذَلِكَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ».

ہم سے ابونعیم فضل بن دکین نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ہشام دستوائی نے بیان کیا، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے بیان کیا، انہوں نے عبداللہ بن ابی قتادہ سے، انہوں نے اپنے والد ابوقتادہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی پہلی رکعت میں (قرآت) طویل کرتے تھے اور دوسری رکعت میں مختصر۔ صبح کی نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی طرح کرتے تھے۔

۱۱۱۔ بَابُ جَهْرِ الْإِمَامِ بِالتَّأْمِينِ:

باب: (جہری نمازوں میں) امام کا بلند آواز سے آمین کہنا

وَقَالَ عَطَاءٌ: آمِينَ دُعَاءٌ أَمَّنَ ابْنُ الزُّبَيْرِ وَمَنْ وَرَاءَهُ حَتَّى إِنَّ لِلْمَسْجِدِ لَلَجَّةً وَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ يُنَادِي الْإِمَامَ لَا تُفْتِنِّي بِآمِينَ، وَقَالَ نَافِعٌ: كَانَ ابْنُ عُمَرَ لَا يَدَعُهُ وَيَحُضُّهُمْ وَسَمِعْتُ مِنْهُ فِي ذَلِكَ خَيْرًا.

(جہری نمازوں میں) امام کا بلند آواز سے «آمین» کہنا مسنون ہے اور عطاء بن ابی رباح نے کہا کہ «آمین» ایک دعا ہے اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما اور ان لوگوں نے جو آپ کے پیچھے (نماز پڑھ رہے) تھے۔ اس زور سے «آمین» کہی کہ مسجد گونج اٹھی اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امام سے کہہ دیا کرتے تھا کہ «آمین» سے ہمیں محروم نہ رکھنا اور نافع نے کہا کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما «آمین» کبھی نہیں چھوڑتے اور لوگوں کو اس کی ترغیب بھی دیا کرتے تھے۔ میں نے آپ سے اس کے متعلق ایک حدیث بھی سنی تھی۔



یعنی جہری فاتحہ کے بعد اونچی آمین کہنے کا بیان، تامین مصدر ہے یعنی آمین کہنا، اور آمین مدّ اور تخفیف کے ساتھ ہے۔ اور آمین اسماء افعال سے ہے۔ جو کہ بمعنیٰ امر ہے ای اللھم استجب اور آمین کو وصل میں فتحہ دیا جائے گا کیونکہ وصل میں نون کو کسرہ دینا ثقل کا باعث ہے اس لئے کہ یا کے بعد کسرہ ثقیل ہے اور یہ کیف کی طرح مبنی ہے اور مصنف عبدالرزاق میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سے ایک نام ہے لیکن اس کی سند ضعیف ہے آمین کے بارہ میں امام شافعی رحمہ اللہ، امام احمد رحمہ اللہ، اسحق، اوزاعی، عطاء اور اھل حدیث کا مذہب یہ ہے کہ امام اور مقتدیوں کو نماز میں جہری فاتحہ کے بعد اونچی آواز سے "آمین" کہنی چاہیے۔ اور ان کی دلیل دیگر دلائل کے ساتھ یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے "إذا أمن الإمام فأمنوا[1]" آپ نے مقتدیوں کی آمین کو امام کے آمین

[1] صحیح بخاری ۷۸۰ ج ۱ ص ۱۵۶۔

کہنے سے معلق کیا ہے کہ جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو، امام اونچی آمین کہے گا تو مقتدی اسکی آمین سن کر آمین کہیں گے۔ امام شافعی کا دوسرا قول آہستہ آمین کہنے کا ہے لیکن تمام شافعیوں نے امام شافعی کا پہلا قول اختیار کیا ہے جو اونچی آمین کہنے کا ہے دوسرے قول کو شافعیوں نے نہیں لیا۔ امام احمد رحمہ اللہ کا قول اونچی آمین کہنے کا ہی ہے۔

امام مالک رحمہ اللہ، امام ابوحنیفہ، ثوری، نخعی اور حسن بصری کا قول یہ ہے کہ امام اور مقتدیوں کو آمین مخفی کہنی چاہیئے۔ بلکہ یہ اس بات کے قائل ہیں کہ امام فاتحہ پڑھے۔ آمین نہ کہے اور مقتدی فاتحہ نہ پڑھیں۔ آمین کہیں اور وہ بھی آہستہ کہیں۔ کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين "فقولوا آمين [1]" کہہ کر قراءت اور آمین کہنے کو تقسیم کردیا ہے۔ "والقسمة تنافی الشبركة "قسمت میں شرکت نہیں ہونی چاہیئے لہذا قراءت امام کے لئے ہے اور مقتدیوں کے لئے نہیں اور آمین مقتدیوں کے لئے ہے جس طرح کہ تسمیع امام کے لئے اور تحمید مقتدیوں کے لئے ہے کیونکہ حدیث میں ہے إذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد [2]" لہذا امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا ولك الحمد کہیں گے۔ نہ امام دونوں کو جمع کرے اور نہ ہی مقتدی۔ شوافع کے نزدیک امام اور مقتدی دونوں کو جمع کریں گے۔ باقی رہا قسمت والا مسئلہ۔ تو یہ قسمت نہیں ہے بلکہ مذکورہ دونوں احادیث میں محل بتایا گیا ہے کہ جب امام ولا الضالین کہہ لے پھر تم آمین کہو۔ تاکہ امام کی دعاء پر تمہاری آمین ہو۔ حدیث میں یہ نہیں کہا "إذا قلتم غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين" کیونکہ اس طرح امام کے ساتھ موافقت نہیں ہوسکتی۔ اور یہاں امام کے ساتھ موافقت کرنا مقصود ہے اور فرشتے بھی آمین کہتے ہیں اور اس موافقت کا اثر یہ ہوگا کہ تمہارے گناہ معاف ہوجائیں گے۔ اور حدیث "اذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا لك الحمد" سے بھی یہی مراد ہے کہ جب امام سمع اللہ لمن حمدہ کہہ لے پھر تم ربنا لك الحمد کہو۔ یعنی ان احادیث میں آمین کہنے اور ربنا لك الحمد پڑھنے کا محل بتانا مقصود ہے تقسیم کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ امام اور مقتدی کے لئے دیگر احادیث سے دونوں کو جمع کرنے کا اثبات وارد ہے لہذا امام و مقتدی دونوں کو جمع کریں گے۔

احناف آمین آہستہ کہنے کے قائل ہیں۔ کیونکہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی رضی اللہ عنہما بسم اللہ اور آمین آہستہ کہتے تھے۔ اس بارہ میں طحاوی نے ایک روایت نقل کی ہے۔ "كان علي و عمر لا يجهران ببسم الله ولا بالتعوذ ولا بالتأمين [3]" جبکہ حضرت عمر فاروق اور حضرت علی کی روایت میں سعید بن مرزبان بقال ہے جس کے بارہ میں امام بخاری رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ منکر الحدیث ہے اور اسے متروک بھی کہا گیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس راوی کے بارہ میں میں منکر الحدیث کہہ دوں "فلا تحل الرواية عنه" اس سے روایت لینا حلال نہیں ہے

---

(1) صحیح بخاری ۷۸۲ ج ۱ ص ۱۵۶۔

(2) بخاری ۶۸۹ ج ۱ ص ۱۳۹۔

(3) شرح معانی الآثار ۱۲۰۸ ج ۱ ص ۲۰۳۔

لہذا حضرت عمر اور حضرت علی سے اخفاء صحیح سند سے ثابت نہیں ہے۔ اور دونوں صحابہ کے اثر کی سند ایک ہی ہے جو کہ صحیح نہیں ہے۔

ان کی دلیل قرآن کریم کی آیت "ادعوربکم تضرعًا و خفية [1]" بھی ہے کہ اللہ تعالی کو بلند آواز سے نہیں پکارنا چاہیئے آہستہ پکارنا چاہیئے۔ حالانکہ قرآن کریم میں دوسری آیت میں درمیانی آواز سے پکارنے کا ذکر ہے ارشاد باری تعالی ہے "لاتجهر بصلوٰتك ولاتخافت بهاوابتغ بين ذلك سبيلا [2]" جس سے مراد ہے کہ دعاء نہ بہت اونچی کرو، اور نہ ہی بالکل آہستہ کہ کوئی سن ہی نہ سکے بلکہ درمیانی آواز سے دعاء ہونی چاہیئے۔ صحیح بخاری میں ہے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "أنزل ذلك فی الدعاء [3]" یہ آیت دعاء کرنے کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔ اس لئے مذکورہ آیت میں "خفية" سے مراد یہ ہے کہ بہت اونچی نہ کہے یہ معنی نہیں کہ آہستہ کہے کہ کوئی سن ہی نہ سکے۔ دیگر آیات میں انبیاء کرام کی دعاؤں کا ذکر آتا ہے اوران میں "نادی" کا لفظ آتا ہے اور لغت میں نداء کا معنی "الصوت الرفيع" لکھا ہے۔ لیکن ایک آیت کریمہ میں "نادی ربه نداء خفيا [4]" یہاں نداء کے ساتھ "خفيًا" کا لفظ بھی آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ آواز ہو لیکن بہت اونچی نہ ہو۔ اسی طرح حدیث میں ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات سکھاتے ہوئے فرمایا کہ شہادتین کے کلمات پہلی مرتبہ کہے تو فرمایا "تخفض بها صوتك" اور دوسری بار کہتے ہوئے فرمایا "ترفع صوتك [5]" اب اذان کہتے ہوئے "تخفض" کا یہ معنی نہیں کہ اذان کے کلمات آہستہ کہے کہ کوئی سن ہی نہ سکے۔ بلکہ مراد آواز کو آہستہ کرنا ہے۔ اور دوسری بار کہتے ہوئے آواز کو بلند کرنا مراد ہے۔ خفض اور رفع دراصل امر نسبی ہے۔



ترمذی میں وائل بن حجر کی حدیث اونچی آمین کہنے کے بارہ میں ہے جس میں سفیان اور شعبہ کا اختلاف ہے۔ سفیان کی سند یوں مروی ہے "حدثنا بندار قال حدثنا يحی بن سعيد وعبدالرحمن بن مهدی قالا حدثنا سفيان عن سلمة بن كهيل عن حجر بن عنبس عن وائل بن حجر قال سمعت رسول اللہ ﷺ قرء غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقال آمين و مدّ بها صوته [6]" جب یہ حدیث شعبہ نے روایت کی تو کہا "عن سلمة بن كهيل عن حجر أبی العنبس (انہوں نے ابن العنبس نہیں کہا) اس کے بعد ہے "عن علقمة بن وائل عن وائل (سند کے درمیان علقمہ کا واسطہ ذکر کیا ہے) اور اس

---

[1] الاعراف:۵۵۔

[2] الإسراء:۱۱۰۔

[3] صحیح بخاری ۴۷۲۳ ج ۶ ص ۸۷۔

[4] مریم ۳۔

[5] سنن أبی داؤد ۵۰۰ ج ۱ ص ۱۳۶۔

[6] سنن ترمذی ۲۴۸ ج ۱ ص ۳۳۱۔



میں مدّ بھا صوتہ کی بجائے "خفض بھاصوتہ" روایت کیا ہے۔ گویا شعبہ نے تین مقامات میں سفیان کی مخالفت کی ہے۔ اس نے ابن العنبس کی بجائے ابی العنبس کہا دوسرا علقمہ کا واسطہ زیادہ کیا اور تیسرا اختلاف یہ ہے کہ مد کی بجائے خفض بھاصوتہ کہا ہے لیکن علماء نے سفیان ثوری کی حدیث کو چند وجوہات کی بنا پر ترجیح دی ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اگرچہ سفیان اور شعبہ دونوں حافظ ہیں لیکن شعبہ سے غلطی بھی ہوجاتی ہے۔ امام دار قطنی رحمہ اللہ نے کہا ہے "کان یغلط فی الأسماء کثیرا" یعنی شعبہ رواۃ کے اسماء میں زیادہ غلطیاں کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ متن میں بھی غلطی ہوجاتی ہے لیکن اسماء میں غلطی زیادہ ہوتی ہے شعبہ نے خود کہا ہے کہ سفیان مجھ سے أحفظ ہے یحیٰی بن سعید قطان نے کہا ہے کہ یہ دونوں حافظ ہیں مگر جب ان دونوں کا اختلاف ہوجائے تو "أخذت بقول سفیان" میں سفیان کی بات کو ترجیح دیتا ہوں کیونکہ وہ شعبہ سے أحفظ ہے دوسری وجہ یہ ہے کہ شعبہ کو کبھی شک بھی لاحق ہوجاتی ہے۔ لیکن سفیان کو شک لاحق نہیں ہوتی۔ اور سفیان کی علاء بن صالح نے متابعت بھی کی ہے۔ جبکہ شعبہ کی کسی نے متابعت نہیں کی۔ اور دوسری جگہ شعبہ نے بھی سفیان کی طرح حدیث بیان کی ہے۔ اس نے بھی مدّ بھا صوتہ روایت کیا ہے اور علقمہ کا واسطہ نکال دیا ہے۔ اور عن حجر کو سفیان کی طرح نقل کیا ہے ہوسکتا ہے کہ شعبہ کو بعد میں یاد آگئی ہو۔ معلوم ہوا کہ سفیان کی حدیث صحیح ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے وائل بن حجر کی حدیث کو ذکر کرنے کے بعد کہا ہے۔ وفی الباب عن علی وأبی هريرة، مستدرک حاکم میں حضرت علی کی روایت آتی ہے اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت نسائی میں آتی ہے اور یہ دونوں روایات بالکل صحیح ہیں۔

انور شاہ نے کہا ہے احادیث میں تعارض نہیں ہے بلکہ خفض بھاصوتہ میں خفض سے مراد یہ ہے کہ آواز بہت اونچی نہ ہو۔ اور جس حدیث میں جھر یا مدّ یا رفع آیا ہے تو اس سے مراد یہ ہے کہ بالکل آہستہ نہیں کہی۔ یہ معنی کرنا چاہیئے تاکہ دونوں احادیث پر عمل درست ہوسکے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ ایک حدیث میں ہے "إذا أمن الإمام فأمنوا[1]" اور دوسری حدیث میں ہے "إذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین[2]" ان احادیث سے امام اور مقتدی دونوں کے لئے آمین کہنا ثابت ہے۔ اور امام کی آمین جہر سے ہوگی تو سن کر مقتدی آمین کہیں گے بعض نے کہا ہے کہ دوسری حدیث میں اختصار ہے اصل میں تھا "إذا قال الإمام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین وأمن فأمنوا" حافظ نے کہا ہے "إذا أمن الإمام فأمنوا" ان لوگوں کے لئے ہے جو قریب ہوں۔ اور إذا قال الإمام غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقولوا آمین" یہ حکم دور والوں کے لئے ہے۔ یہ جہر ذرا کم ہوتا ہے۔ اور شعبة کی روایت میں "خفض" سے یہ مراد ہے۔ اور یہ حدیث شوافع کے موافق ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ ہمارے ہاں اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تعلیم کے لئے تھی۔ آپ نے تعلیم دینے کے لئے آمین اونچی کہی تھی تاکہ لوگوں کو علم ہوجائے کہ آمین بھی کہی جاتی ہے۔ ایک

[1] صحیح بخاری ۷۸۰ ج۱ ص۱۵۶۔

[2] بخاری ۷۸۲ ج۱ ص۱۵۶۔

روایت میں راوی کہتا ہے کہ آپ نے آمین ہمیں دکھانے کے لئے کہی تھی۔ حالانکہ اس روایت میں متروک راوی پایا جاتا ہے۔ حنفی کہتے ہیں کہ اصل یہ ہے کہ آمین آہستہ کہی جائے حالانکہ جب اس پر کوئی دلیل ہی نہیں ہے تو آہستہ کہنا کیسے ثابت ہوا؟ وائل بن حجر رضی اللہ عنہ کی حدیث کی سند صحیح ہے [1]۔ لیکن وہ شوافع کی دلیل بن گئی ہے۔ اور سعید بن مرزبان بقال والی روایت کوئی بھی صحیح نہیں ہے جبکہ اِخفاء ثابت ہی نہیں ہے تو یہ کہنا کہ تعلیم کے لئے تھا درست نہیں ہے۔ مولانا عبدالحئ لکھنوی رحمہ اللہ نے باوجود حنفی ہونے کے کہا ہے کہ یہ کہاں سے پتہ چلا کہ آپ نے تعلیم کے لئے اونچی کہی تھی؟ جبکہ اِخفاء صحیح دلیل سے ثابت ہی نہیں ہے۔ اگر اِخفاء ثابت ہو تب کہا جاسکتا ہے کہ جب آپ نے اونچی آمین کہی تھی وہ تعلیم کے لئے کہی تھی لیکن آمین کا اِخفاء ثابت ہی نہیں ہے۔ ایک حدیث میں "کان" کا لفظ آتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہمیشہ آمین اونچی کہتے تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی احادیث بھی صحیح سند کے ساتھ مروی ہیں۔ اور آہستہ کہنے کی کوئی روایت بھی ثابت نہیں ہے۔ اور قرآن کریم میں أدعوا ربكم تضرعًا و خفية [2] کو دلیل بنانا اور "وابتغ بين ذلك سبيلاً [3]" آیت کو نظر انداز کر دینا بھی درست نہیں ہے۔

ایک دفعہ مولانا نور حسین کا آمین کے مسئلہ پر احناف سے مناظرہ ہوا۔ احناف نے کہا کہ نبی کریم علیہ السلام نے آمین آہستہ کہی تھی۔ مولانا نور حسین نے کہا۔ بتاؤ وہ کیسے کہی تھی؟ انہوں نے آہستہ کہہ کر کہا کہ ایسے کہی تھی جو سب لوگوں نے سنی۔ مولانا نے کہا ٹھیک ہے پھر اس طرح آمین کہہ لیا کرو۔



شوافع کہتے ہیں کہ سلف کا عمل آمین اونچی کہنے پر ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی کہا ہے "وبه يقول غير واحد من أهل العلم من أصحاب النبي ﷺ والتابعين ومن بعدهم" دعاء کے لفظ پر حنفی کہتے ہیں کہ اس سے بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ کیا ہے کہ آمین آہستہ کہنی چاہیئے۔ حالانکہ بخاری نے اس سے امام مالک رحمہ اللہ کے قول کی تردید کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کیونکہ امام مالک نے کہا ہے کہ امام کو آمین نہیں کہنی چاہیئے۔ کیونکہ وہ داعی ہے اور آمین اس دعاء کی اجابت کے لئے ہے گویا مقتدی آمین کہہ کر درخواست کرتا ہے کہ اے اللہ۔ امام کی کی ہوئی دعاء کو قبول فرما، امام بخاری رحمہ اللہ کہنا چاہتے ہیں کہ جب امام داعی ہے اور آمین دعاء ہے تو اس کی اجابت کے لئے امام کو بھی آمین کہنی چاہیئے لیکن یہ مستقل دعاء نہیں ہے۔ بلکہ دعاء کا تتمّہ ہے کیونکہ صرف آمین آمین کہتے جانا دعاء نہیں ہے اس لئے کہ جب کوئی سوال نہیں کیا۔ تو قبول کس چیز کو کرنا ہے۔ یا التأمین کالطابع، آمین کہنا مہر کی طرح ہے۔ جب مہر لگ گئی تو دعاء قبول ہو جائے گی اور دعاء کا طریقہ یہ ہے کہ ایسے کلمات ادا کئے جائیں جن سے انسان کے دل پر بھی اثر ہو۔ "تضرعًا وخفية" سے بھی یہی مراد ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ تضرعًا کا معنی جہرًا ہے۔ یعنی اونچی گڑگڑا کر



[1] سنن ترمذی ۲۴۸ ج ۱ ص ۳۳۱۔

[2] الأعراف: ۵۵۔

[3] الإسراء: ۱۱۰۔

پکاریں۔ اور خفیۃ سے مراد آہستہ اللہ تعالی کو پکارنا۔ یعنی جیسے بھی ہو اللہ تعالی کو ہی پکارو۔ اور آمین جبکہ مستقل دعاء نہیں ہے بلکہ دعاء کا تتمہ ہے تو آمین دعاء کے تابع ہے اگر دعاء جہراً ہو تو آمین بھی جہر سے کہی جائے گی۔ اور اگر دعاء سرًا ہو تو آمین بھی سرًا ہوگی۔ یہ اصل میں فطری چیز ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ دعاء اونچی کی جائے اور آمین دل میں آہستہ کہی جائے۔ جبکہ آمین دعاء کا تتمہ ہے تو اسے دعاء کے تابع کیا جائے گا۔

ایک دفعہ مناظرِ اسلام حضرت مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ سے آمین کے مسئلہ پر مناظرہ ہوا تو مخالفین نے آمین اونچی کہنے پر اعتراض کیا کہ تم لوگ آمین اونچی کیوں کہتے ہو جبکہ قرآن کریم میں آتا ہے کہ دعاء آہستہ ہونی چاہیے۔ تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ سارا قصور امام کا ہے وہ دعاء اونچی کرتا ہے تو آمین اونچی کہی جاتی ہے۔ اگر تم امام کو اونچی دعاء کرنے سے روک دو۔ تو لوگ اونچی آمین کہنے سے رک جائیں گے۔ مولانا شریف کہتے تھے۔ میں سیر کے لئے عراق گیا وہاں حنفی حضرات بھی امام کے پیچھے آمین اونچی آواز سے کہتے ہیں۔ ہم نے کہا ہمارے ہاں تو حنفی لوگ اونچی آمین کہنے سے جھگڑے شروع کردیتے ہیں انہوں نے کہا جبکہ اونچی آمین سنت نبوی سے ثابت ہے تو اس میں حرج کیا ہے آمین چونکہ سورۃ فاتحہ کا جزء نہیں ہے اسے فاتحہ سے ذرا پست تو کیا جاسکتا ہے لیکن آمین بالکل اونچی نہ کہنا فطرت کے خلاف ہے[1]۔

"قولہ و قال عطاء :آمین دعاء" اس کی ترجمہ باب سے مناسبت یہ ہے کہ عطاء نے کہا ہے کہ آمین دعاء ہے اور دعاء میں امام اور مقتدی دونوں شریک ہوتے ہیں اس کے بعد ابن زبیر رضی اللہ عنہ کے اثر سے اس کی تاکید کردی ہے۔

"قولہ و کان أبو ھریرہ رضی اللہ عنہ ینادی الإمام" اسکی مناسبت یہ ہے کہ جب حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ امام سے کہا کرتے تھے کہ مجھ سے آمین فوت نہ کرنا تو اس سے معلوم ہوا کہ امام کے ساتھ مقتدی بھی آمین کہے گا۔

"قولہ کان ابن عمر لا یدعہ" یعنی عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ خواہ امام ہوتے یا مقتدی۔ ہر حال میں آمین نہیں چھوڑتے تھے۔

"قولہ أمن ابن الزبیر و من وراءہ" یعنی عبداللہ بن زبیر اور ان کے پیچھے مقتدی سب آمین کہتے تھے۔ انور شاہ کہتا ہے کہ عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا عبدالملک سے جھگڑا ہوگیا تھا تو وہ ایک دوسرے کے خلاف دعائیں اور آمین آمین کہا کرتے تھے۔ حالانکہ مصنف عبدالرزاق میں ہے کہ ابن جریج نے عطاء سے کہا "أکان ابن الزبیر یؤمن علی أثر

---

[1] آمین آہستہ کہنے میں احناف کا اعتماد شعبہ رحمہ اللہ وغیرہ کی روایت پر ہے جس میں "خفض بھا صوتہ" کا لفظ آتا ہے حالانکہ یہ حدیث اونچی آمین کہنے کی دلیل ہے۔ کیونکہ صوت کا لفظ تو اس حدیث میں بھی آیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ آمین کہتے ہوئے صوت اور آواز سنائی دینی چاہیے اگرچہ آواز ذرا پست ہو جیسا کہ خفض کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اور یہی مراد اس روایت سے ہے جس میں "أخفی بھا صوتہ" آتا ہے ان احادیث میں خفض یا أخفی کے الفاظ کے ساتھ "صوتہ" کے لفظ کو پیش نظر رکھا جائے تو ان احادیث سے بھی آمین صوت اور آواز سے کہنے کا اثبات ہوتا ہے اگرچہ وہ آواز بہت اونچی نہ ہو۔

أم القرآن قال نعم ويؤمن من وراءه حتى أن للمسجد للجة[1]" معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہتے تھے یہ نہیں کہ ایک دوسرے کے خلاف کہتے تھے۔

"قوله لاتفتني بآمين" حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اقامت کہنے اور صفیں درست کرنے پر مقرر تھے ادھر امام سورۃ فاتحہ شروع کردیتا تھا یہ صفیں درست کرتے ہوئے پیچھے رہ جاتے تھے۔ امام سورۃ فاتحہ کے بعد آمین کہہ لیتا اس لئے انہوں نے کہا کہ اتنا ٹھہر ٹھہر کر پڑھا کریں کہ میں بھی آپ کے ساتھ آمین کہنے میں شامل ہوسکوں۔ حنفی یہاں کہہ دیتے ہیں کہ ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ کو آمین کا زیادہ خیال تھا اتنا خیال سورۃ فاتحہ کا نہیں تھا۔ لہٰذا سورۃ فاتحہ کی اتنی اہمیت نہیں ہے حالانکہ آمین فاتحہ پر مرتب ہوتی ہے تو جیسے وہ آمین کی اہمیت سمجھتے تھے ویسے ہی سورۃ فاتحہ کو اہم سمجھتے تھے۔

یہاں یہ مسئلہ بھی قابل ذکر ہے کہ اگر مسبوق اس وقت نماز میں شامل ہو جبکہ امام آمین پر پہنچ چکا ہو تو وہ امام کے ساتھ بھی آمین کہہ لے۔ بعد میں سورۃ فاتحہ پڑھ کر بھی آمین کہہ لے یہ فاتحہ پر آمین ہوگی۔ جبکہ پہلی آمین امام کی دعاء پر تھی۔



٧٨٠ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ، وأبي سلمة بن عبد الرحمن أنهما أخبراه عن أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «إِذَا أَمَّنَ الْإِمَامُ فَأَمِّنُوا، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ تَأْمِينُهُ تَأْمِينَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»، وَقَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: آمِينَ.

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے خبر دی انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے سعید بن مسیب اور ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے واسطے سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے خبر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام «آمین» کہے تو تم بھی «آمین» کہو۔ کیونکہ جس کی «آمین» ملائکہ کے آمین کے ساتھ ہوگئی اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کردیئے جائیں گے۔ ابن شہاب نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم «آمین» کہتے تھے۔

"قوله إذا أمن الإمام فأمنوا" اس حدیث میں مقتدی کی آمین کو امام کی آمین سے معلق کیا گیا ہے۔ یعنی جب امام آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام اونچی آواز سے آمین کہے گا تب ہی مقتدی کو پتہ چلے گا اور وہ امام کی آمین کے ساتھ آمین کہے گا۔ اور اگر کہا جائے کہ وہ آمین کا وقت ہوتا ہے۔ اس لئے اسے پتہ چل جائے گا۔ یہ تو تب ہوسکتا ہے کہ جب آمین کہنے کو فرض قرار دیا جائے۔ اگر فرض نہیں تو کیا معلوم کہ اس نے آمین کہی ہے یا نہیں۔ لہٰذا امام کے اونچی کہنے سے مقتدی کو پتہ چلے گا اور اس کی آمین کے ساتھ آمین کہہ سکے گا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں موافقت سے مراد موافقت زمانی ہے۔ اور زمانی موافقت تب ہی ہوسکتی ہے





---

[1] مصنف عبدالرزاق ۲۶۴۰ ج ۲ ص ۹۶۔

جبکہ امام آمین بالجہر کہے۔

بعض مالکی کہتے ہیں "إذا أمن الإمام" کا معنی إذا حملکم علی التأمین ہے۔ یعنی وہ ولا الضالین کہہ کر تمہیں آمین کہنے پر ابھارے۔ تو تم آمین کہو۔ بعض نے معنی کیا ہے۔ إذا بلغ موضع التأمین۔ ابن دقیق العید نے کہا ہے کہ یہ مجازی معنی ہے۔ حقیقی معنی نہیں ہے۔ مجازی معنی کے لئے قرینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ قرینہ پیش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ دوسری حدیث میں آتا ہے "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين[1]" اور اس حدیث میں "إذا أمن الإمام فأمنوا" آیا ہے جس کا معنی "إذ حملکم علی التأمین" ہے حالانکہ معنی یہ ہے "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين وأمن فأمنوا" اس طرح دونوں احادیث جمع ہوجائیں گی۔

امام بخاری تین احادیث آمین کہنے سے متعلق لائے ہیں ایک "إذا أمن الإمام فأمنوا" دوسری "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين" یہ دو احادیث یہاں کتاب الصلوٰۃ میں لائے ہیں اور تیسری حدیث "إذا أمن القارئ فأمنوا" کو کتاب الأدعیہ میں لائے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ جب قاری جو دعاء کرنے والا ہے آمین کہے تو تم بھی آمین کہو۔ کیونکہ وہ "اهدنا الصراط المستقيم" پڑھ کر صراطِ مستقیم کی دعاء کرتا ہے۔

"قوله وقال ابن شهاب وكان رسول الله ﷺ يقول "آمين" یہ معلق روایت نہیں ہے بلکہ سند مذکور کے ساتھ متصل ہے اور اس سے مالکیوں کی تردید مقصود ہے۔

١١٢۔ بَابُ فَضْلِ التَّأْمِينِ:

باب: آمین کہنے کی فضیلت

٧٨١: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ أَبِي الزِّنَادِ، عَنِ الْأَعْرَجِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قَالَ أَحَدُكُمْ آمِينَ، وَقَالَتْ: الْمَلَائِكَةُ فِي السَّمَاءِ آمِينَ فَوَافَقَتْ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تینسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے ابوالزناد سے خبر دی، انہوں نے اعرج سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کوئی تم میں سے «آمین» کہے اور فرشتوں نے بھی اسی وقت آسمان پر «آمین» کہی۔ اس طرح ایک کی «آمین» دوسرے کے «آمین» کے ساتھ مل گئی تو اس کے پچھلے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔

---

[1] صحیح بخاری ٧٨٢، ج ١ ص ١٥٦۔

یہ باب فی باب کے قبیل سے ہے۔ اور اس سے آمین کی فضیلت کا مسئلہ بھی حاصل ہوتا ہے اس پر تنبیہ کرنے کے لئے بخاری رحمہ اللہ نے یہ باب قائم کیا ہے ورنہ اس حدیث کا تعلق پہلے باب سے ہی ہے۔ اور اگر یہ مستقل باب ہو تو گویا اس سے جہر ثابت نہیں ہوتا جیسا کہ اس سے پہلے سے جہر ثابت ہوتا ہے۔ ہاں یہ باب آمین کی فضیلت پر دلالت کرتا ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ اس سے بھی جہر ثابت ہوتا ہے کیونکہ اس حدیث میں "قال" کا لفظ آیا ہے اور یہ لفظ جہر اور سر دونوں پر بولا جاتا ہے جبکہ اس سے پہلے باب کی حدیث سے جہر ثابت ہو چکا ہے تو اس حدیث میں "قال" کا لفظ جہر پر محمول کیا جائیگا اور سر معدوم ہو جائے گا۔

"قوله اذا قال أحدكم آمين" یہ حدیث مطلق ہے نماز کے ساتھ مقید نہیں ہے یعنی جو شخص فاتحہ پڑھنے کے بعد "آمین" کہے خواہ نماز میں ہو یا خارج نماز ہو اس کے لئے مغفرت ہے کیونکہ اس حدیث میں "غفر له ما تقدم من ذنبه" کہہ کر آمین کہنے پر مغفرت کو مرتّب کیا گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ مسلم کی حدیث میں[1] "إذا قال أحدكم فی الصلوٰة آمين" آتا ہے اور اس میں نماز میں آمین کہنے کی قید پائی جاتی ہے۔ لہٰذا مطلق حدیث کو اس مقید پر محمول کیا جائے گا۔

"قوله و قالت الملائكة فی السماء آمين" ایک حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے ذاکرین کی تلاش میں رہتے ہیں۔ اور جب وہ ذاکرین کو پاتے ہیں تو فرشتے ان کا گھیراؤ لیتے ہیں اور یہ ان کا احاطہ آسمان تک پہنچ جاتا ہے۔ اور جتنے لوگ اس جماعت میں شامل ہوں۔ وہ سب آمین کہنے میں فرشتوں کے موافق ہو جاتے ہیں۔ اور فرشتوں سے یہ موافقت ان کے گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتی ہے۔

۱۱۳۔ بَابُ جَهْرِ الْمَأْمُومِ بِالتَّأْمِينِ:

باب: مقتدی کا آمین بلند آواز سے کہنا

۷۸۲: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ سُمَيٍّ مَوْلَى أَبِي بَكْرٍ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ. أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قَالَ: الإِمَامُ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ سورة الفاتحة آية ۷ فَقُولُوا: آمِينَ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ»، تَابَعَهُ مُحَمَّدُ بْنُ عَمْرٍو، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنُعَيْمٌ الْمُجْمِرُ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ.

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا، انہوں نے امام مالک رحمہ اللہ سے، انہوں نے ابوبکر بن عبدالرحمٰن کے غلام سمی سے، انہوں نے ابوصالح سمان سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب «غير المغضوب عليهم ولا الضالين» کہے تو تم بھی «آمین» کہو کیونکہ جس نے فرشتوں کے ساتھ «آمین» کہی اس کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے

[1] مسلم (۷۴)، ۴۱۰، ج ۱ ص ۳۰۷۔

جاتے ہیں۔ سمی کے ساتھ اس حدیث کو محمد بن عمرو نے ابوسلمہ سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا۔ اور نعیم مجمر نے بھی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے۔

بعض نسخوں میں یہاں جهر الإمام بالتامین ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ کیونکہ اس ترجمہ کے ساتھ باب پہلے آچکا ہے اور اس کے ساتھ تکرار سے بچنے کے لئے مقتدی کے آمین بالجہر کے عنوان سے باب قائم کرنا ہی درست ہے۔

"قوله فقولوا آمین" اس حدیث کی ترجمہ باب کے ساتھ مناسبت یہ ہے کہ اس میں "قول" کا لفظ استعمال ہوا ہے اور قول کا لفظ جب مطلق ہو تو اسے جہر پر محمول کیا جاتا ہے۔ اور اگر اس سے اسرار مراد ہو تو اسے اسرار کے ساتھ مقید کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ ابن رشید نے کہا ہے کہ مناسبت یوں ہے کہ اس حدیث میں امام کے لئے بھی قول کا لفظ آیا ہے اور مقتدی کے لئے بھی۔ لہٰذا قول کا قول سے مقابلہ ہے۔ اور امام کے قول سے مراد جہر سے آمین کہنا ہے جیسا کہ اس سے پہلے باب کی حدیث سے ثابت کیا گیا ہے۔ لہٰذا مقتدی سے متعلق قول سے مراد جہر ہی ہوگا۔

مگر اس پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ لفظِ قول تسبیع و تحمید کے متعلق بھی استعمال ہوا ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے "إذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا: ربنا ولك الحمد[1]" اور امام "سمع الله لمن حمده" اونچی کہتا ہے تو مقتدی کو ربنا لك الحمد اونچی کہنا چاہیئے۔ بعض لوگ اس اعتراض سے بچنے کے لئے تحمید کو اونچی کہنا شروع کر دیتے ہیں میں (محدث گوندلوی رحمہ اللہ) نے ہندوستان میں ایک جگہ ربنا لك الحمد اونچی کہنے والے لوگوں کو پایا ہے وہ حنفیوں کے اس اعتراض سے بچنے کے لئے ربنا لك الحمد اونچی کہتے تھے۔ جبکہ اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ آمین میں تو جہر ثابت ہے لیکن ربنا لك الحمد میں جہر ثابت نہیں بلکہ اس میں اسرار ثابت ہے اس لئے ربنا لك الحمد سری پڑھا جائے گا۔ دراصل بخاری کے استدلال کی وجہ یہ نہیں ہے بلکہ وجہ یہ ہے کہ یہاں آمین امام کی دعاء پر کہی جاتی ہے۔ جیسا کہ حدیث کے الفاظ ہیں "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين[2]" اور آمین کا شعار ہے کہ وہ دعاء کے تابع ہو۔ اور آمین اپنی دعاء پر نہیں بلکہ امام کی دعاء پر کہی جاتی ہے۔ تو امام کی دعاء یعنی سورۃ فاتحہ پڑھنا جہراً ہوتا ہے تو اس پر مقتدیوں کی آمین بھی جہراً ہوگی۔

۱۱۴۔ بَابُ إِذَا رَكَعَ دُونَ الصَّفِّ:

باب: جب صف تک پہنچنے سے پہلے ہی کسی نے رکوع کر لیا (تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟)

۷۸۳ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هَمَّامٌ، عَنِ الْأَعْلَمِ وَهُوَ زِيَادٌ، عَنْ

[1] صحیح بخاری ۶۸۹ ج ۱ ص ۱۳۹۔

[2] صحیح بخاری ۷۸۲ ج ۱ ص ۱۵۶۔

الْحَسَنِ، عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، أَنَّهُ انْتَهَى إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ رَاكِعٌ، فَرَكَعَ قَبْلَ أَنْ يَصِلَ إِلَى الصَّفِّ، فَذَكَرَ ذَلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «زَادَكَ اللّٰهُ حِرْصًا وَلَا تَعُدْ».

ہم سے موسیٰ بن اسمٰعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے زیادہ بن حسان اعلم سے بیان کیا، انہوں نے حسن رحمہ اللہ علیہ سے، انہوں نے ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف (نماز پڑھنے کے لیے) گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت رکوع میں تھے۔ اس لیے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی انہوں نے رکوع کر لیا، پھر اس کا ذکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے فرمایا کہ اللہ تمہارا شوق اور زیادہ کرے لیکن دوبارہ ایسا نہ کرنا۔

چونکہ رکوع قراءت کے بعد ہوتا ہے اس مناسبت سے بخاری رحمہ اللہ یہ ترجمہ باب یہاں لائے ہیں۔ اور قراءت سے مراد قراءت فاتحہ ہے جس کے بعد آمین کہی جاتی ہے۔ اور قراءت فاتحہ ہی اصل ہے۔

اور ہمام سے مراد ہمام بن یحییٰ ہے۔ اور "الأعلم" علم سے ہے جو عین اور لام کی فتحہ کے ساتھ ہے جس سے مراد پھٹے ہوئے ہونٹ والا ہے یہ علم سے نہیں ہے جو کہ عین کے کسرہ اور لام کے سکون کے ساتھ ہے۔ اسکا نام زیادہ بن حسان ہے۔ ایک حدیث میں آتا ہے "لاصلوٰۃ للذی خلف الصف[1]" یہ حدیث اس کو شامل نہیں ہے کیونکہ یہ اس وقت ہے جبکہ ساری نماز ہی منفرد ہو کر پڑھے۔ اگر ابتداء اکیلا کرے پھر صف میں شامل ہو جائے تو اس کی نماز ہو جائے گی لیکن اس سے بھی نبی اکرم ﷺ نے روک دیا ہے روکنے سے پہلے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ معذور تھے جبکہ آپ نے اس سے روک دیا ہے تو اب ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔

شرح بخاری

"قوله فركع قبل أن يصل إلى الصف" رکوع کی رکعت ہونے کا اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں[2] لیکن

(1) سنن ابن ماجہ ۱۰۰۳ ج۵ ص۵۸۰ بِمَعْنَاہ۔

(2) امام کے ساتھ رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہوتی ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف پایا جاتا ہے جو علماء کہتے ہیں کہ مدرک رکوع، مدرک رکعت نہیں ہے ان کی دلیل بخاری شریف کی حدیث ہے "لا صلوٰۃ لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب" یعنی جس نے نماز میں سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی اسکی نماز نہیں ہوئی۔ اس طرح رکوع میں ملنے والے کی رکعت نہیں ہوتی کیونکہ اس سے نماز کے دو ارکان قیام اور سورۃ فاتحہ۔ رہ جاتے ہیں تو اس کی رکعت کیسے ہو سکتی ہے؟ اسے نہ قیام ملتا ہے جو رکعت کا رکن ہے۔ اور نہ ہی اس نے سورۃ فاتحہ پڑھی جو الگ ایک رکن ہے لہذا مدرک رکوع دو ارکان چھوڑنے کی وجہ سے امام کے سلام پھیرنے کے بعد اپنی رکعت پوری کرے۔ جبکہ علماء کے ایک گروہ کے نزدیک مدرک رکوع مدرک رکعت ہے وہ رکوع میں ملنے والے کے لئے امام کے سلام پھیرنے کے بعد رکعت کا دہرانا ضروری نہیں سمجھتے۔ لیکن ان لوگوں کے پاس اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے کوئی صحیح مرفوع حدیث نہیں ہے۔ اگرچہ ایسے لوگ بخاری شریف کی حدیثِ ابی بکرہ رضی اللہ عنہ کو اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ امام کو رکوع میں پانے والا، رکعت پالیتا ہے۔ لیکن یہ حدیث اس دعوے کو ثابت نہیں کرتی۔ کیونکہ حضرت ابوبکرہ کی یہ اجتہادی غلطی تھی جس سے نبی اکرم ﷺ نے روک دیا تھا۔

یہ استدلال قوی نہیں ہے جولوگ کہتے ہیں کہ رکوع کی رکعت نہیں ہوتی وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں رکوع کی رکعت ہونے کاکوئی ذکر نہیں ہے حنفی اس حدیث سے استدلال نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ابو بکرہ رضی اللہ عنہ رکوع میں شامل ہوئے ہیں اور اس میں تکبیر تحریمہ کہنے اور قیام کرنے کاکوئی ذکر نہیں ہے۔ حالانکہ تکبیر تحریمہ سب کے نزدیک فرض ہے۔ اگر کہاجائے کہ اسکاذکر دوسری جگہ آگیاہے تواس طرح فاتحہ کاذکر بھی دوسری حدیث میں آگیاہے جس کے بغیر رکعت نہیں ہوتی اور ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں قیام کرنے کاذکر بھی نہیں آیا۔ جبکہ حنفیہ کے نزدیک قیام ضروری ہے

حدیث میں ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "انه انتهي إلي النبي ﷺ وهو راكع فركع قبل أن يصل إلي الصف فذكر ذلك النبي ﷺ فقال: زادك الله حرصًا ولا تعد القراءة خلف الإمام ٩٦"۔ أبو بکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی طرف پہنچے جبکہ آپ رکوع میں تھے۔ تو حضرت أبو بکرہ رضی اللہ عنہ نے صف تک پہنچنے سے پہلے ہی رکوع کر دیا۔ (اور چل کر صف میں جاملے) بعد میں نبی اکرم ﷺ کے پاس یہ بات ذکر کی تو آپ نے فرمایا۔ اللہ تعالی تیری نیکی کی حرص زیادہ کرے۔ آئندہ ایسے نہ کرنا۔ اس حدیث کے آخری لفظ "ولا تعد" کے بارہ میں صحیح قول یہ ہے کہ آپ نے ابو بکرہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ پھر ایسانہ کرنا کہ تو صف سے پیچھے ہی رکوع کرے اور پھر چل کر صف میں آئے۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کا یہ فعل درست نہیں تھا۔ کہ وہ دور سے آپ کو رکوع میں دیکھ کر وہیں رکوع میں جھک گئے اور اس کے بعد رکوع کی حالت میں چلتے رہے۔ اور اپنے آپ کو صف کا حصہ سمجھتے رہے۔ حالانکہ وہ صف کا حصہ نہ تھے۔ حضرت ابو بکرہ کی یہ اجتہادی غلطی تھی جسے رکعت ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ جیسی اجتہادی غلطی بعض دیگر صحابہ سے بھی ہوئی ہے جسے کوئی بھی دلیل نہیں بناتا مثلاً حضرت عمار بن یاسر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے انہیں کسی کام کے لئے بھیجا انہیں دوران سفر جنابت لاحق ہوگئی پانی موجود نہیں تھا۔ لہذا وہ تیمم ہی کر سکتے تھے لیکن ان سے غلطی یہ ہوئی کہ انہوں نے غسل کا تیمم وضوء کے تیمم سے الگ سمجھ لیا۔ اور وہ کپڑے اتار کر زمین پر لیٹنے لگے۔ واپس آکر جب نبی کریم علیہ السلام سے ذکر کیا تو آپ نے ان کی غلطی کی اصلاح کر دی کہ تجھے غسل کے لئے بھی وہی تیمم کافی تھا جو وضوء کے لئے کیا جاتا ہے کہ دونوں ہاتھ پاک مٹی پر مار کر اپنے چہرے اور ہتھیلیوں کو مل لیا کر۔ اب کوئی شخص بھی حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے غلط فعل کو دلیل نہیں بناتا کہ وہ غسل کے لئے چوپائے کی طرح زمین پر لیٹنا شروع کر دے جبکہ حضرت عمار رضی اللہ عنہ کی غلطی دلیل نہیں بن سکتی تو حضرت ابو بکرہ کی اجتہادی غلطی کو رکوع میں ملنے والے کی رکعت ہونے کی دلیل بھی نہیں بنایا جاسکتا ایسی اجتہادی خطا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی ہوئی۔ حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا قیامت کے دن وضوء کی وجہ سے میری امت کے اعضاء روشن ہوں گے لہذا جو شخص اس روشنی کو بڑھانا چاہے تو وہ اس نور کو اچھی طرح وضوء کر کے بڑھائے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا یہ ارشاد سنا تو وضوء میں ہاتھ دھوتے وقت کہنیوں کے اوپر کندھوں تک اور پاؤں کو ٹخنوں کے اوپر گھٹنوں تک دھونے لگے حالانکہ نبی اکرم ﷺ کے فرمان سے مقصود اعضاء وضوء کو خوب اچھی طرح دھونا تھا اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس سوچ کو ہاتھوں کو کندھوں تک دھونے اور پاؤں کو گھٹنوں تک دھونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اسی طرح حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کی اجتہادی خطا کو رکوع کی رکعت ہونے کی دلیل نہیں بنایا جاسکتا۔ اور اجتہادی خطا میں جو کچھ ہو جائے وہ قابلِ مواخذہ نہیں ہوتا۔

خواہ ایک لحظہ قیام ہو۔ ان کے نزدیک اگر اللہ اکبر کہہ کر سیدھا رکوع میں چلا جائے تو رکعت نہیں ہوتی۔ کیونکہ قیام فرض ہے اور فرض میں ان کے نزدیک نیابت نہیں ہوتی۔ یہ قراءت میں نیابت کے قائل ہیں اور قراءت انکے نزدیک مقتدی پر فرض ہی نہیں ہے جبکہ وہ اللہ اکبر کہے اور قیام بھی کرے اور قراءت اس پر فرض نہیں ہے تو اس میں تو وہ اپنے اصول پر ہیں لیکن اس حدیث میں قیام کا کوئی ذکر نہیں ہے تکبیر تحریمہ کہہ لی ہوگی۔ کیونکہ اس میں زیادہ دیر نہیں لگتی، سیدھا رکوع میں جانے سے ان کے نزدیک رکعت نہیں ہوتی۔ شافعی اور مالکی کہتے ہیں کہ اس صورت میں اس سے قراءت کی طرح قیام بھی ساقط ہوجاتا ہے حنفیوں کے نزدیک قیام ضروری ہے جس کا اس حدیث میں ذکر نہیں ہے حنفیوں کے نزدیک اس کا کوئی جواب نہیں ہے۔ لہٰذا وہ اس حدیث سے رکوع کی رکعت ہونے کا استدلال نہیں کرسکتے۔ عبدالحیٔ لکھنوی رحمہ اللہ نے اس بات پر زور دیا ہے کہ رکعت ہوجاتی ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے رکعت دوبارہ پڑھنے کا حکم نہیں دیا۔ اس بارہ میں شوکانی رحمہ اللہ بھی متردّد ہے۔

۱۱۵۔ بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي الرُّكُوعِ:

باب: رکوع کرنے کے وقت بھی تکبیر کہنا

قَالَهُ ابْنُ عَبَّاسٍ: عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيهِ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ.

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کیا ہے اور مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ نے بھی اس باب میں روایت کی ہے۔

۷۸۴: حَدَّثَنَا إِسْحَاقُ الْوَاسِطِيُّ، قَالَ: حَدَّثَنَا خَالِدٌ، عَنِ الْجُرَيْرِيِّ، عَنْ أَبِي الْعَلَاءِ، عَنْ مُطَرِّفٍ، عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ، قَالَ: صَلَّى مَعَ عَلِيٍّ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ بِالْبَصْرَةِ، فَقَالَ: ذَكَّرَنَا هَذَا الرَّجُلُ صَلَاةً كُنَّا نُصَلِّيهَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَذَكَرَ أَنَّهُ كَانَ يُكَبِّرُ كُلَّمَا رَفَعَ وَكُلَّمَا وَضَعَ.

ہم سے اسحاق بن شاہین واسطی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے خالد بن عبداللہ طحان نے سعید بن ایاس جریری سے بیان کیا، انہوں نے ابوالعلاء یزید بن عبداللہ سے، انہوں نے مطرف بن عبداللہ سے، انہوں نے عمران بن حصین سے کہ انہوں نے علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ بصرہ میں ایک مرتبہ نماز پڑھی۔ پھر کہا کہ ہمیں انہوں نے وہ نماز یاد دلا دی جو کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔ پھر کہا کہ علی رضی اللہ عنہ جب سر اٹھاتے اور جب سر جھکاتے اس وقت تکبیر کہتے۔

اس ترجمہ باب سے مقصود یہ ہے کہ تکبیر یعنی اللہ اکبر پورا کہہ کر رکوع میں نہ جائے بلکہ رکوع کو جاتے وقت اللہ اکبر شروع کرے اور "اکبر" کی را کو رکوع میں جا کر ختم کرے۔ لہٰذا اللہ اکبر کو رکوع کے لئے جھکنے کی حالت میں پھیلا دینا چاہیئے۔

۷۸۵: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، عَنْ أَبِي

سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي بِهِمْ فَيُكَبِّرُ كُلَّمَا خَفَضَ وَرَفَعَ، فَإِذَا انْصَرَفَ، قَالَ: إِنِّي لَأَشْبَهُكُمْ صَلَاةً بِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں امام مالک رحمہ اللہ علیہ نے ابن شہاب سے خبر دی، انہوں نے ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ آپ لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو جب بھی وہ جھکتے اور جب بھی وہ اٹھتے تکبیر ضرور کہتے۔ پھر جب فارغ ہوتے تو فرماتے کہ میں نماز پڑھنے میں تم سب لوگوں سے زیادہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز سے مشابہت رکھنے والا ہوں۔

اَبوسلمہ کی یہ حدیث سنن دارمی میں آتی ہے۔ وہاں اس میں رفع یدین کرنے کا ذکر ہے۔ جبکہ یہاں صرف تکبیر کہنے کا ذکر ہے۔ اور وہاں یہ بھی آتا ہے "فمازالت تلك صلوٰة رسول الله ﷺ حتی فارق الدنیا" جس سے آپ کے اخیر تک رفع یدین کرنے کا ثبوت ہے۔ اگرچہ اسکا یہاں ذکر نہیں لیکن نماز تو ایک ہی ہے۔

انور شاہ نے الاستذکار کے حوالے سے کہا ہے کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کبھی رفع یدین کرتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے۔ حالانکہ الاستذکار میں صرف یہ آتا ہے کہ ابن عبداللہ نے کہا ہے ایک حدیث میں تکبیر کا ذکر آتا ہے اور ایک میں رفع یدین کا ذکر آتا ہے۔ یہ اس میں نہیں ہے کہ کبھی رفع یدین کرتے تھے اور کبھی نہیں کرتے تھے۔ یہ بات اپنے پاس سے ہی بنالی ہے۔ اس حدیث کا انور شاہ کو کوئی جواب نہیں آیا۔ بیہقی کی حدیث کو ضعیف بناتے ہیں لیکن یہ حدیث سند کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے۔

١١٦-بَابُ إِتْمَامِ التَّكْبِيرِ فِي السُّجُودِ:

باب: سجدے کے وقت بھی پورے طور پر تکبیر کہنا

اس ترجمہ سے بھی وہی مراد ہے جو اس سے پہلے باب میں گذرا ہے کہ تکبیر کی را کو سجدہ میں جاکر پورا کرے یا اس سے مراد یہ ہے کہ بعض لوگ رکوع اور سجدہ میں جانے کی تکبیرات چھوڑ دیتے تھے۔ یہ سمجھتے ہوئے کہ پیچھے نمازی، امام کو دیکھ رہے ہیں جب امام رکوع یا سجدے میں جائیگا تو پچھلے بھی دیکھ کر چلے جائیں گے۔ لیکن اٹھتے وقت تکبیر کہا کرتے تھے کیونکہ اٹھتے وقت امام کو پچھلے دیکھ نہیں سکتے تھے اس لئے اٹھتے وقت تکبیر سن کر پچھلے نمازی اٹھ کھڑے ہوں گے لہذا مطلب یہ ہے کہ تکبیریں پوری کرنے کے لئے یہ تکبیریں بھی کہنی چاہئیں چونکہ بعض لوگوں نے تکبیرات نماز میں سستی شروع کردی تھی اس لئے بخاری رحمہ اللہ ایسے ابواب لاکر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ رکوع اور سجود کی تکبیرات مکمل کرنی چاہئیں۔

٧٨٦ حَدَّثَنَا أَبُو النُّعْمَانِ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادٌ، عَنْ غَيْلَانَ بْنِ جَرِيرٍ، عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: «صَلَّيْتُ خَلْفَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ أَنَا وَعِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَكَانَ إِذَا سَجَدَ كَبَّرَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ كَبَّرَ وَإِذَا نَهَضَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ كَبَّرَ،

فَلَمَّا قَضَى الصَّلَاةَ أَخَذَ بِيَدِي عِمْرَانُ بْنُ حُصَيْنٍ، فَقَالَ: قَدْ ذَكَّرَنِي هَذَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَوْ قَالَ لَقَدْ صَلَّى بِنَا صَلَاةَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ».

ہم سے ابوالنعمان محمد بن فضل نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، انہوں نے غیلان بن جریر سے بیان کیا، انہوں نے مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے، انہوں نے کہا کہ میں نے اور عمران بن حصین نے علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی۔ تو وہ جب بھی سجدہ کرتے تو تکبیر کہتے۔ اسی طرح جب سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ جب دو رکعات کے بعد اٹھتے تو تکبیر کہتے۔ جب نماز ختم ہوئی تو عمران بن حصین نے میرا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ علی رضی اللہ عنہ نے آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز یاد دلائی، یا یہ کہا کہ اس شخص نے ہم کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی طرح آج نماز پڑھائی۔

۷۸۷ حَدَّثَنَا عَمْرُو بْنُ عَوْنٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا هُشَيْمٌ، عَنْ أَبِي بِشْرٍ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: «رَأَيْتُ رَجُلًا عِنْدَ الْمَقَامِ يُكَبِّرُ فِي كُلِّ خَفْضٍ وَرَفْعٍ وَإِذَا قَامَ وَإِذَا وَضَعَ، فَأَخْبَرْتُ ابْنَ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: أَوَلَيْسَ تِلْكَ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا أُمَّ لَكَ».

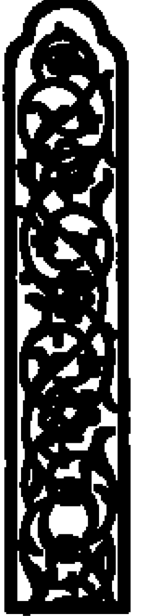


ہم سے عمرو بن عون نے بیان کیا، کہا کہ ہمیں ہشیم بن بشیر نے ابو بشر حفص بن ابی وحشیہ سے خبر دی، انہوں نے عکرمہ سے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے ایک شخص کو مقام ابراہیم میں (نماز پڑھتے ہوئے) دیکھا کہ ہر جھکنے اور اٹھنے پر وہ تکبیر کہتا تھا۔ اسی طرح کھڑے ہوتے وقت اور بیٹھتے وقت بھی۔ میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کو اس کی اطلاع دی۔ آپ نے فرمایا، ارے تیری ماں مرے! کیا یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سی نماز نہیں ہے۔

١١٧- بَابُ التَّكْبِيرِ إِذَا قَامَ مِنَ السُّجُودِ:

باب: جب سجدہ کر کے کھڑا ہو تو تکبیر کہے

۷۸۸ حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ إِسْمَاعِيلَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا هَمَّامٌ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ عِكْرِمَةَ، قَالَ: «صَلَّيْتُ خَلْفَ شَيْخٍ بِمَكَّةَ فَكَبَّرَ ثِنْتَيْنِ وَعِشْرِينَ تَكْبِيرَةً، فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ أَحْمَقُ، فَقَالَ: ثَكِلَتْكَ أُمُّكَ، سُنَّةُ أَبِي الْقَاسِمِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ»، وَقَالَ مُوسَى حَدَّثَنَا أَبَانُ، حَدَّثَنَا قَتَادَةُ، حَدَّثَنَا عِكْرِمَةُ.



ہم سے موسیٰ بن اسماعیل نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے ہمام بن یحییٰ نے قتادہ سے بیان کیا، وہ عکرمہ سے، کہا کہ میں نے مکہ میں ایک بوڑھے کے پیچھے (ظہر کی) نماز پڑھی۔ انہوں نے (تمام نماز میں) بائیس تکبیریں کہیں۔ اس پر میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ یہ بوڑھا بالکل بے عقل معلوم ہوتا ہے ابن

عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا تمہاری ماں تمہیں روئے یہ تو ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔ اور موسیٰ بن اسماعیل نے یوں بھی بیان کیا کہ ہم سے ابان نے بیان کیا، کہ کہا ہم سے قتادہ نے، انہوں نے کہا کہ ہم سے عکرمہ نے یہ حدیث بیان کی۔

٧٨٩ حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ بُكَيْرٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا اللَّيْثُ، عَنْ عُقَيْلٍ، عَنِ ابْنِ شِهَابٍ، قَالَ: أَخْبَرَنِي أَبُو بَكْرِ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ الْحَارِثِ، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ. يَقُولُ: «كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ يُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْكَعُ، ثُمَّ يَقُولُ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ حِينَ يَرْفَعُ صُلْبَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، ثُمَّ يَقُولُ وَهُوَ قَائِمٌ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ»، قَالَ عَبْدُ اللَّهِ بْنُ صَالِحٍ: عَنِ اللَّيْثِ، وَلَكَ الْحَمْدُ. ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَهْوِي، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَسْجُدُ، ثُمَّ يُكَبِّرُ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ يَفْعَلُ ذَلِكَ فِي الصَّلَاةِ كُلِّهَا حَتَّى يَقْضِيَهَا وَيُكَبِّرُ حِينَ يَقُومُ مِنَ الثِّنْتَيْنِ بَعْدَ الْجُلُوسِ.

ہم سے یحییٰ بن بکیر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے لیث بن سعد نے عقیل بن خالد کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے ابن شہاب سے، انہوں نے کہا کہ مجھے ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث نے خبری دی کہ انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا، انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو تکبیر کہتے۔ پھر جب رکوع کرتے تب بھی تکبیر کہتے تھے۔ پھر جب سر اٹھاتے تو «سمع اللہ لمن حمدہ» کہتے اور کھڑے ہی کھڑے «ربنالک الحمد» کہتے۔ پھر جب (دوسرے) سجدہ کے لیے جھکتے تب تکبیر کہتے اور جب سجدہ سے سر اٹھاتے تب بھی تکبیر کہتے۔ اسی طرح آپ تمام نماز پوری کر لیتے تھے۔ قعدہ اولیٰ سے اٹھنے پر بھی تکبیر کہتے تھے۔ (اس حدیث میں) عبداللہ بن صالح نے لیث کے واسطے سے (بجائے «ربنالک الحمد» کے) «ربناولک الحمد» نقل کیا ہے۔ («ربنالک الحمد» کہے یا «ربناولک الحمد» واؤ کے ساتھ ہر دو طریقہ درست ہے)۔

١١٨- بَابُ وَضْعِ الْأَكُفِّ عَلَى الرُّكَبِ فِي الرُّكُوعِ:

باب: اس بارے میں کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: أَمْكَنَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَيْهِ مِنْ رُكْبَتَيْهِ.

اور ابوحمید نے اپنے ساتھیوں کے سامنے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع میں اپنے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر جمائے۔

یعنی رکوع کرتے ہوئے دونوں ہاتھ گھٹنوں پر رکھنا چاہئیں، گھٹنوں کے درمیان ہاتھ رکھنا منسوخ ہوچکا ہے۔ اسے تطبیق کہاجاتا ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تطبیق کیا کرتے تھے ہوسکتا ہے کہ ان کی رائے یہ ہو کہ منسوخ نہیں

ہے بلکہ تطبیق میں مشکل پیش آتی ہے اس لئے آپ نے گھٹنوں پر ہاتھ رکھنے کی اجازت دی ہے وہ اس لئے اسے سنت سمجھ کر کرتے تھے۔

۷۹۰: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ أَبِي يَعْفُورٍ، قَالَ: سَمِعْتُ مُصْعَبَ بْنَ سَعْدٍ، يَقُولُ: «صَلَّيْتُ إِلَى جَنْبِ أَبِي فَطَبَّقْتُ بَيْنَ كَفَّيَّ ثُمَّ وَضَعْتُهُمَا بَيْنَ فَخِذَيَّ، فَنَهَانِي أَبِي وَقَالَ: كُنَّا نَفْعَلُهُ فَنُهِينَا عَنْهُ وَأُمِرْنَا أَنْ نَضَعَ أَيْدِيَنَا عَلَى الرُّكَبِ».

ہم سے ابوالولید ہشام بن عبدالملک نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، ابویعفور اکبر سے، انہوں نے بیان کیا کہ میں نے مصعب بن سعد سے سنا، انہوں نے کہا کہ میں نے اپنے والد کے پہلو میں نماز پڑھی اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر رانوں کے درمیان رکھ لیا۔ اس پر میرے باپ نے مجھے ٹوکا اور فرمایا کہ ہم بھی پہلے اسی طرح کرتے تھے۔ لیکن بعد میں اس سے روک دیئے گئے اور حکم ہوا کہ ہم اپنے ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھیں۔

ابوالولید ہشام بن عبدالملک بصری ہے۔ اور ابویعفور کا نام وقدان کوفی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام واقد ہے لیکن پہلا نام مشہور ہے۔

"قوله فطبقت" تطبیق سے مراد یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو جمع کر کے اور دونوں ہتھیلیوں کو ملا کر رکوع کی حالت میں اپنی دونوں رانوں کے درمیان رکھ لینا۔

"قوله كنانفعله فنهينا عنه" یہ حدیث تطبیق کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ بعض علماء نے اس حدیث کو غیر مرفوع کہا ہے کیونکہ اس میں نبی اکرم ﷺ کے نام کی صراحت نہیں آئی۔ حالانکہ یہ حدیث حکماً مرفوع ہے کیونکہ صحابی رسول جب "أمرنا" یا "نهينا" کہے تو حکم دینے والے یا روکنے والے نبی اکرم ﷺ ہی ہوتے ہیں۔

ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے علقمہ سے اور انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ انہوں نے نماز میں تطبیق کی۔ یہ بات حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کہا "كنا نفعل هذا ثم أمرنا بهذا" يعني الامساك بالركب[1]" یہ حدیث بھی تطبیق کے منسوخ ہونے کی قوی دلیل ہے۔

۱۱۹- بَابُ إِذَا لَمْ يُتِمَّ الرُّكُوعَ:

باب: اگر رکوع اچھی طرح اطمینان سے نہ کرے تو نماز نہ ہوگی

اس ترجمہ باب سے مقصود یہ ہے کہ نماز میں تعدیل ارکان ضروری ہے تین ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان فرض ہے امام أبوحنیفہ واجب کہتے ہیں اگر اسے عمداً چھوڑ دے تو نماز کا اعادہ کرنا پڑے گا۔ سہواً چھوڑ دے تو نماز ناقص ہوگی۔ دیگر ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ ان کے نزدیک رکوع و سجود ہوتا ہی تعدیل سے ہے۔ تسبیحات کے مسئلہ میں أبوحنیفہ شافعی اور مالک متفق ہیں کہ یہ فرض نہیں ہیں۔ امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ

[1] صحیح ابن خزیمہ ۵۹۵ ج ۱ ص ۳۰۱ (صحیح)

تسبیحات واجب ہیں۔ یہ اگر سہواً رہ جائیں تو سجدہ سہو سے جبر ہو جائے گا ابن حزم رحمہ اللہ کے نزدیک سنت چھوڑنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور فرض اگر سہواً رہ جائے تو سجدہ سہو آتا ہے اور عمداً چھوڑنے سے نماز باطل ہو جاتی ہے۔ امام احمد واجب کے متعلق جو کہتے ہیں یہ وہی بات فرض کے متعلق کہتے ہیں۔ گویا احمد بن حنبل اور ظاہریہ کے خیال میں سارے واجبات ہی ہیں فرض کوئی نہیں ہے۔ ابن حزم کا مذہب آسان ہے۔ انہوں نے اس بارہ میں دیگر اہل ظاہر کی مخالفت کی ہے کیونکہ ان کا یہ مذہب نہیں ہے۔

۷۹۱ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ سُلَيْمَانَ، قَالَ: سَمِعْتُ زَيْدَ بْنَ وَهْبٍ، قَالَ: «رَأَى حُذَيْفَةُ رَجُلًا لَا يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ، قَالَ: مَا صَلَّيْتَ، وَلَوْ مُتَّ مُتَّ عَلَى غَيْرِ الْفِطْرَةِ الَّتِي فَطَرَ اللَّهُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهَا».

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، کہا ہم سے شعبہ نے بیان کیا، سلیمان بن اعمش کے واسطہ سے کہا میں نے زید بن وہب سے سنا، انہوں نے بیان کیا کہ حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو دیکھا کہ نہ رکوع پوری طرح کرتا ہے نہ سجدہ۔ اس لیے آپ نے اس سے کہا کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی اور اگر تم مر گئے تو تمہاری موت اس سنت پر نہیں ہو گی جس پر اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پیدا کیا تھا۔

"قوله علی غیر الفطرة" فطرة محمد سے مراد آپ کا دین اور آپ کی شریعت ہے۔

۱۲۰۔ بَابُ اسْتِوَاءِ الظَّهْرِ فِي الرُّكُوعِ:

باب: رکوع میں پیٹھ کو برابر کرنا (سر اونچا نیچا نہ رکھنا)

وَقَالَ أَبُو حُمَيْدٍ فِي أَصْحَابِهِ: رَكَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ هَصَرَ ظَهْرَهُ.

ابو حمید رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع کیا، پھر اپنی پیٹھ پوری طرح جھکا دی۔

۱۲۱۔ بَابُ حَدِّ إِتْمَامِ الرُّكُوعِ وَالِاعْتِدَالِ فِيهِ وَالِاطْمَأْنِينَةِ:

باب: رکوع پوری طرح کرنے کی اور اس پر اعتدال و طمانیت کی حد

یہاں اعتدال سے مراد قومہ ہے۔ اور اطمانینت اتمام کی وضاحت ہے۔

۷۹۲ حَدَّثَنَا بَدَلُ بْنُ الْمُحَبَّرِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، قَالَ: أَخْبَرَنِي الْحَكَمُ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ، قَالَ: «كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ، وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ مَا خَلَا الْقِيَامَ وَالْقُعُودَ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ».

ہم سے بدل بن محبر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھے حکم نے ابن ابی لیلیٰ سے خبر دی، انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے بتلایا کہ نبی کریم صلی اللہ

علیہ وسلم کے رکوع و سجود، دونوں سجدوں کے درمیان کا وقفہ اور جب رکوع سے سر اٹھاتے تو تقریباً سب برابر تھے۔ سوا قیام اور تشہد کے قعود کے۔

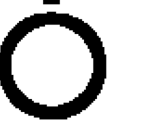
بَابُ أَمْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي لَا يُتِمُّ رُكُوعَهُ بِالإِعَادَةِ:

باب: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کو نماز دوبارہ پڑھنے کا حکم دینا جس نے رکوع پوری طرح نہیں کیا تھا

اس باب سے مقصود یہ ہے کہ رکوع کی تکمیل ضروری ہے اور یہ اس میں اطمینان اختیار کرنے سے حاصل ہوتی ہے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے مسیئ الصلوٰۃ کو حکم دیا "ثم ارکع حتی تطمئن راکعًا[1]" اور ترمذی نیز سنن ابی داؤد میں ہے "لاتجزئ صلوٰۃ الرجل حتی یقیم ظهره فی الرکوع والسجود[2]" احناف کے ہاں رکوع و سجود میں اطمینان ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ قرآن کریم میں "ارکعوا واسجدوا" سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع اور سجود کا حکم مطلق ہے۔ لیکن جمہور علماء کہتے ہیں کہ اس مطلق کی نبی اکرم ﷺ نے اپنے فعل اور امر کے ساتھ تفسیر اور وضاحت کردی ہے کہ رکوع و سجود میں اطمینان فرض ہے لہذا آپ کے بیان کی طرف رجوع کیا جائیگا جیسا کہ رکوع و سجود کی تعداد اور عدد رکعات میں آپ کے بیان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور سنت نبوی قرآن کریم کی تفسیر ہے۔ اور نبی اکرم ﷺ کا حکم اللہ تعالی کا حکم ہوتا ہے کیونکہ ارشاد باری تعالی ہے "من یطع الرسول فقد أطاع الله[3]"۔



٧٩٣ حَدَّثَنَا مُسَدَّدٌ، قَالَ: أَخْبَرَنِي يَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، عَنْ عُبَيْدِ اللهِ، قَالَ: حَدَّثَنَا سَعِيدٌ الْمَقْبُرِيُّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، «أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ الْمَسْجِدَ، فَدَخَلَ رَجُلٌ فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْهِ السَّلَامَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ، فَصَلَّى ثُمَّ جَاءَ فَسَلَّمَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: ارْجِعْ فَصَلِّ فَإِنَّكَ لَمْ تُصَلِّ ثَلَاثًا، فَقَالَ: وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ فَمَا أُحْسِنُ غَيْرَهُ فَعَلِّمْنِي، قَالَ: إِذَا قُمْتَ إِلَى الصَّلَاةِ فَكَبِّرْ ثُمَّ اقْرَأْ مَا تَيَسَّرَ مَعَكَ مِنَ الْقُرْآنِ، ثُمَّ ارْكَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ رَاكِعًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَعْتَدِلَ قَائِمًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ ارْفَعْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ جَالِسًا، ثُمَّ اسْجُدْ حَتَّى تَطْمَئِنَّ سَاجِدًا، ثُمَّ افْعَلْ ذَلِكَ فِي صَلَاتِكَ كُلِّهَا».





ہم سے مسدد بن مسرہد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے یحییٰ بن سعید قطان نے عبید اللہ عمری سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ مجھ سے سعید بن ابی سعید مقبری نے اپنے والد سے بیان کیا، انہوں نے ابوہریرہ رضی



---

1. صحیح بخاری ۷۵۷ ج ۱ ص ۱۵۲۔
2. ترمذی ۲۶۵ ج ۱ ص ۳۵۱ سنن ابی داؤد ۸۵۵ ج ۱ ص ۲۲۶۔
3. النساء: ۸۰۔

اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لے گئے۔ اتنے میں ایک شخص آیا اور نماز پڑھنے لگا۔ نماز کے بعد اس نے آکر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دے کر فرمایا کہ واپس جاکر دوبارہ نماز پڑھ، کیونکہ تونے نماز نہیں پڑھی۔ چنانچہ اس نے دوبارہ نماز پڑھی اور واپس آکر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ نے اس مرتبہ بھی یہی فرمایا کہ دوبارہ جاکر نماز پڑھ، کیونکہ تونے نماز نہیں پڑھی۔ تین بار اسی طرح ہوا۔ آخر اس شخص نے کہا کہ اس ذات کی قسم! جس نے آپ کو مبعوث کیا۔ میں تو اس سے اچھی نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اس لیے آپ مجھے سکھلائیے۔ آپ نے فرمایا جب تو نماز کے لیے کھڑا ہو تو (پہلے) تکبیر کہہ پھر قرآن مجید سے جو کچھ تجھ سے ہوسکے پڑھ، اس کے بعد رکوع کر اور پوری طرح رکوع میں چلا جا۔ پھر سر اٹھا اور پوری طرح کھڑا ہو جا۔ پھر جب تو سجدہ کرے تو پوری طرح سجدہ میں چلا جا۔ پھر (سجدہ سے) سر اٹھا کر اچھی طرح بیٹھ جا۔ دوبارہ بھی اسی طرح سجدہ کر۔ یہی طریقہ نماز کے تمام (رکعتوں میں) اختیار کر۔

اور یہ داخل ہونے والا آدمی خلاد بن رافع تھا۔ نسائی میں ہے "بینما رسول اللہ ﷺ جالس ونحن حوله[1]" ہم بھی آپ کے پاس تھے۔

"قوله فصلي " نسائی میں ہے صلی رکعتین حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ اقرب یہ ہے کہ یہ نماز تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں تھیں اور نبی اکرم ﷺ اسے دیکھ رہے تھے۔ بعض علماء نے اس سے استدلال کیا ہے کہ جو شخص مسجد میں آئے جبکہ مسجد میں لوگ بیٹھے ہوئے ہوں تو وہ تحیۃ المسجد کی دو رکعتیں پہلے پڑھے اس کے بعد سلام کہے جیسا کہ اس آنیوالے نے کیا ہے لیکن یہ بات محل نظر ہے کیونکہ ہوسکتا ہے کہ اس آنیوالے نے نماز مسجد کی پچھلی صفوں میں پڑھی ہو۔ اور نبی اکرم ﷺ مسجد کی اگلی صفوں میں صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما ہوں۔ اس لئے اس نے نماز کے بعد مجلس پر جاکر سلام کہا لیکن اگر کوئی شخص مسجد میں داخل ہوتے ہی لوگوں پر گذرے تو اسے پہلے سلام کہنا چاہیئے بعد میں نماز پڑھنی چاہیئے۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو شخص کسی حاجت کے لئے مجلس سے اٹھ کر جائے اور پھر دوبارہ مجلس میں آئے تو دوبارہ سلام کہے اگرچہ ان سے غائب نہ ہوا ہو۔

"قوله إذا قمت إلي الصلوٰة فكبر" ایک حدیث میں ہے " اذا قمت إلي الصلوٰة فاسبغ الوضوء ثم استقبل القبلة فكبر[2]"۔

"قوله ثم اقرء ماتيسر معك من القرآن" سنن ابی داوٗد میں ہے "ثم اقرء بأم القرآن وبما شاء الله أن

[1] النسائی ۱۱۳۶ ج ۲ ص ۲۲۵۔

[2] بخاری ۶۲۵۱ ج ۸ ص ۵۶۔

تقرء[1]" مسند احمد اور ابن حبان میں ہے"ثم اقرء بام القرآن ثم اقرء بماشئت[2]" اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں قیام مقصود بالذات نہیں ہے بلکہ قیام قراءت قرآن کے لئے مقصود ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نماز میں فارسی یا کسی دیگر زبان میں قرآن کا ترجمہ پڑھنے سے نماز نہیں ہوگی کیونکہ یہ قرآن نہیں ہے۔ اور شارع نے نماز میں قرآن پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

۱۲۳۔ بَابُ الدُّعَاءِ فِي الرُّكُوعِ:

باب: رکوع میں دعا کا بیان

حافظ رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ امام بخاری رحمہ اللہ نے آنے والے ابواب تسبیح اور دعاء کے ساتھ قائم کئے ہیں جیسے باب التسبیح والدعاء فی السجود ہے لیکن یہ باب صرف رکوع میں دعاء کے عنوان سے قائم کیا ہے تاکہ وہ ان لوگوں کا رد کر سکیں جو رکوع میں دعاء کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔ اور تسبیح میں چونکہ کسی کا اختلاف نہیں ہے اس لئے اسے چھوڑ دیا ہے لیکن جو علماء رکوع میں دعاء کرنے کو مکروہ سمجھتے ہیں ان کی دلیل مسلم کی حدیث ہے جو عبداللہ بن عباس سے مرفوع مروی ہے۔ " فأما الركوع فعظموا فيه الرب وأما السجود فاجتهدوا فى الدعاء فقمن أن يستجاب لكم[3]" حالانکہ یہ حدیث رکوع میں دعاء سے مانع نہیں ہے۔ جیسا کہ سجدہ میں تعظیم سے مانع نہیں ہے۔



٧٩٤ حَدَّثَنَا حَفْصُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ مَنْصُورٍ، عَنْ أَبِي الضُّحَى، عَنْ مَسْرُوقٍ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهَا، قَالَتْ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ فِي رُكُوعِهِ وَسُجُودِهِ، سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَبِحَمْدِكَ اللَّهُمَّ اغْفِرْ لِي».

ہم سے حفص بن عمر نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے شعبہ نے بیان کیا، انہوں نے کہا منصور بن معتمر نے بیان کیا، انہوں نے ابوالضحیٰ مسلم بن صبیح سے، انہوں نے مسروق سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے، انہوں نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدہ میں «سبحانك اللهم ربنا وبحمدك، اللهم اغفر لي» پڑھا کرتے تھے۔

۱۲۴۔ بَابُ مَا يَقُولُ الإِمَامُ وَمَنْ خَلْفَهُ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ:

باب: امام اور مقتدی رکوع سے سر اٹھانے پر کیا کہیں؟





٧٩٥ حَدَّثَنَا آدَمُ، قَالَ: حَدَّثَنَا ابْنُ أَبِي ذِئْبٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْمَقْبُرِيِّ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَالَ: سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رَكَعَ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ يُكَبِّرُ، وَإِذَا



[1] سنن أبي داؤد ۸۵۹ ج ۱ ص ۲۲۷۔

[2] صحیح ابن حبان ۱۷۸۷ ج ۵ ص ۸۸ حم ۱۸۹۹۵ ج ۳۱ ص ۳۲۸۔

[3] مسلم (۲۰۷) ۴۷۹ ج ۱ ص ۳۴۸۔

قَامَ مِنَ السَّجْدَتَيْنِ، قَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ».

ہم سے آدم بن ابی ایاس نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے ابن ابی ذئب نے بیان کیا، انہوں نے سعید مقبری سے بیان کیا، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب «سمع اللہ لمن حمدہ» کہتے تو اس کے بعد «اللّٰھم ربنا ولک الحمد» بھی کہتے۔ اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے اور سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے۔ دونوں سجدوں سے کھڑے ہوتے وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم «اللہ أکبر» کہا کرتے تھے۔

"قوله اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم ربناولك الحمد" اس سے معلوم ہوا کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کو جمع کرے اور امام کی طرح مقتدی بھی دونوں کو جمع کرے کیونکہ آپ نے فرمایا ہے "صلوا كما رأيتموني أصلي [1]" دارقطنی میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے "كنا إذا صلينا خلف النبي ﷺ فقال سمع الله لمن حمده قال من وراءه سمع الله لمن حمده" اگرچہ دارقطنی نے یہ بھی کہا ہے "المحفوظ في هذا فليقل من وراءه ربنا ولك الحمد" عطاء، ابوبردۃ، ابن سیرین اور امام شافعی وغیرہ اسی کے قائل ہیں کہ مقتدی تسمیع و تحمید دونوں کو جمع کرے کیونکہ آپ کا فرمان "صلوا كما رأيتموني أصلي" عام ہے اور "إنما جعل الإمام ليؤتم به [2]" کا بھی یہی تقاضا ہے۔ حنفی، مالکی وغیرہ مفہوم سے استدلال کرتے ہوئے کہتے ہیں "إذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولك الحمد" کا مفہوم یہ ہے کہ تم "سمع الله لمن حمده" نہ کہو کیونکہ اس حدیث میں تسمیع اور تحمید کو تقسیم کر دیا ہے کہ امام سمع الله لمن حمده کہے اور مقتدی "ربنا ولك الحمد" کہے۔ "والقسمة تنافي الشركة" یعنی تقسیم شرکت کے منافی ہے۔ لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تقسیم مقصود نہیں ہے بلکہ تحمید کے محل کو بیان کرنا مقصود ہے کہ امام کے سمع الله لمن حمده کہہ لینے کے بعد مقتدی کو "ربنا ولك الحمد" کہنا چاہیئے اس کی تسمیع کے ساتھ ہی تحمید کو جمع نہ کرے۔ جیسا کہ "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين [3]" میں بھی آمین کہنے کا محل بیان کرنا مقصود ہے۔ تقسیم مراد نہیں ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے کہ مقتدی کو تسمیع اور تحمید دونوں کہنے چاہئیں۔ امام بخاری رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے۔ اس لئے وہ حدیث وہ لائے ہیں جو امام کے بارہ میں ہے۔ لیکن باب دونوں کا باندھا ہے۔

۱۲۵۔ بَابُ فَضْلِ اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ

باب: «اللّٰهم ربنا لك الحمد» پڑھنے کی فضیلت

1. بخاری ۶۳۱، صحیح ابن حبان ۱۶۵۸۔
2. بخاری ۳۷۸ ج ۱ ص ۸۵۔
3. بخاری ۷۸۲ ج ۱ ص ۱۵۶۔

۷۹۶: حَدَّثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ يُوسُفَ، قَالَ: أَخْبَرَنَا مَالِكٌ، عَنْ سُمَيٍّ، عَنْ أَبِي صَالِحٍ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِذَا قَالَ: الْإِمَامُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ فَقُولُوا: اللّٰهُمَّ رَبَّنَا لَكَ الْحَمْدُ، فَإِنَّهُ مَنْ وَافَقَ قَوْلُهُ قَوْلَ الْمَلَائِكَةِ غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ».

ہم سے عبداللہ بن یوسف تنیسی نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہمیں امام مالک نے سمی سے خبر دی، انہوں نے ابوصالح ذکوان کے واسطے سے بیان کیا، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب امام «سمع الله لمن حمده» کہے تو تم «اللهم ربنا ولك الحمد» کہو۔ کیونکہ جس کا یہ کہنا فرشتوں کے کہنے کے ساتھ ہو گا، اس کے پچھلے تمام گناہ بخش دیے جائیں گے

یہ باب تحمید کی فضیلت پر تنبیہ کرنے کے لئے ہے۔ اور پہلے باب سے ہی متعلق ہے۔ گویا بابٌ فی باب کے قبیل سے ہے۔

"قوله اذا قال الإمام سمع الله لمن حمده" جبکہ یہ بابٌ فی باب کے قبیل سے ہے اور پہلے باب سے ہی متعلق ہے۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ تسمیع اور تحمید دونوں کہتے تھے لہذا مقتدی کو بھی دونوں کہنے چاھییں اور اس حدیث میں تقسیم مراد نہیں بلکہ تحمید کا محل بتایا گیا ہے کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے پھر تم ربنالك الحمد کہو، سمع الله کا محل رکوع سے اٹھتے وقت ہے۔ اور "ربنا لك الحمد" کا محل قومہ ہے۔ امام جب سمع الله کہے گا تو مقتدی رکوع میں ہو گا اس کے بعد اٹھتے وقت سمع الله کہے گا۔ پھر ربنالك الحمد کہے گا۔ اگر حنفی کہیں "إذا قال الإمام غير المغضوب عليهم ولا الضالين فقولوا آمين" میں تقسیم مراد ہے۔ امام فاتحہ پڑھے اور مقتدی آمین کہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مقتدی کو سورہ فاتحہ نہیں پڑھنی چاہیئے۔ یہ ان کی بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ وہ امام کے لئے فاتحہ کے ساتھ آمین کہنا بھی ثابت کرتے ہیں۔ جبکہ امام دونوں کو جمع کر سکتا ہے اور یہ تقسیم کے خلاف نہیں ہے تو مقتدی کیوں جمع نہیں کر سکتا۔ اور ربنالك الحمد تو سمع الله لمن حمده سے پہلے نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ اس کے کہنے کی جگہ نہیں ہے۔ مگر فاتحہ پڑھنے کی جگہ ہے۔ امام کے ساتھ ساتھ یا اس سے پہلے یا اس کے پیچھے پڑھ سکتا ہے۔

۱۲۶ ۔ بَابٌ: القنوت

باب: قنوت

۷۹۷: حَدَّثَنَا مُعَاذُ بْنُ فَضَالَةَ، قَالَ: حَدَّثَنَا هِشَامٌ، عَنْ يَحْيَى، عَنْ أَبِي سَلَمَةَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ: «لَأُقَرِّبَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَكَانَ أَبُو هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ يَقْنُتُ فِي الرَّكْعَةِ الْآخِرَةِ مِنْ صَلَاةِ الظُّهْرِ وَصَلَاةِ الْعِشَاءِ وَصَلَاةِ الصُّبْحِ بَعْدَ مَا يَقُولُ سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، فَيَدْعُو لِلْمُؤْمِنِينَ وَيَلْعَنُ الْكُفَّارَ».

ہم سے معاذ بن فضالہ نے بیان کیا، انہوں نے ہشام دستوائی سے، انہوں نے یحییٰ بن ابی کثیر سے، انہوں نے ابوسلمہ سے، انہوں نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ لو میں تمہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کے قریب قریب کر دوں گا۔ چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ، ظہر، عشاء اور صبح کی آخری رکعات میں قنوت پڑھا کرتے تھے۔ «سمع اللہ لمن حمدہ» کے بعد۔ یعنی مومنین کے حق میں دعا کرتے اور کفار پر لعنت بھیجتے۔

قنوت کا لفظ بخاری کے اکثر نسخوں میں نہیں ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ کا اس باب سے مقصود قنوت کو ذکر کرنا نہیں ہے کیونکہ اس کے لئے انہوں نے ابواب وتر کے آخر میں مستقل باب قائم کیا ہے۔ بلکہ امام بخاری رحمہ اللہ کا مقصود ان احادیث کو لانے سے یہ بیان کرنا ہے کہ نمازی کے لئے سمع الله لمن حمده ۔ ربنا ولك الحمد " کہنے کے بعد مزید کوئی دعاء کرنا بھی جائز ہے۔ اور اس کے لئے تسبیح وتحمید پر ہی اکتفاء کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے امام بخاری ان احادیث کو لائے ہیں جو ان کی شرط پر ہیں ورنہ ان کے علاوہ بھی متعدد احادیث مروی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح وتحمید کے علاوہ بھی دعائیں کی جاسکتی ہیں۔ امام مسلم ان میں سے اکثر احادیث کو اپنی صحیح میں لائے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے "أن النبی ﷺ کان إذا رفع رأسه من الركوع قال : اللهم ربناولك الحمد مل ء السموٰت و ملء الأرض وملء مابينهما و ملء ماشئت من شئ بعد أهل الثناء والمجد لامانع لماأعطيت ولامعطی لمامنعت ولاينفع ذالجد منك الجد[1]"

٧٩٨ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ أَبِي الْأَسْوَدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا إِسْمَاعِيلُ، عَنْ خَالِدٍ الْحَذَّاءِ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، عَنْ أَنَسٍ، رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: «كَانَ الْقُنُوتُ فِي الْمَغْرِبِ وَالْفَجْرِ».

ہم سے عبداللہ بن ابی الاسود نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے اسماعیل بن علیہ نے بیان کیا، انہوں نے خالد بن حذاء سے بیان کیا، انہوں نے ابوقلابہ (عبداللہ بن زید) سے، انہوں نے انس رضی اللہ عنہ سے کہ آپ نے فرمایا کہ دعا قنوت فجر اور مغرب کی نمازوں میں پڑھی جاتی ہے۔

٧٩٩ حَدَّثَنَا عَبْدُ اللهِ بْنُ مَسْلَمَةَ، عَنْ مَالِكٍ، عَنْ نُعَيْمِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْمُجْمِرِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ يَحْيَى بْنِ خَلَّادٍ الزُّرَقِيِّ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ رِفَاعَةَ بْنِ رَافِعٍ الزُّرَقِيِّ، قَالَ: «كُنَّا يَوْمًا نُصَلِّي وَرَاءَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرَّكْعَةِ، قَالَ: سَمِعَ اللهُ لِمَنْ حَمِدَهُ، قَالَ رَجُلٌ وَرَاءَهُ: رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ حَمْدًا كَثِيرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيهِ، فَلَمَّا انْصَرَفَ، قَالَ: مَنِ الْمُتَكَلِّمُ ؟ قَالَ: أَنَا، قَالَ: رَأَيْتُ بِضْعَةً وَثَلَاثِينَ مَلَكًا يَبْتَدِرُونَهَا أَيُّهُمْ يَكْتُبُهَا أَوَّلُ».

[1] مسلم (٢٠٦) ٨٧٤ج ١ ص ٣٤٧۔

ہم سے عبداللہ بن مسلمہ قعنبی نے بیان کیا امام مالک رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے نعیم بن عبداللہ مجمر سے، انہوں نے علی بن یحییٰ بن خلاد زرقی سے، انہوں نے اپنے باپ سے، انہوں نے رفاعہ بن رافع زرقی سے، انہوں نے کہا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں نماز پڑھ رہے تھے۔ جب آپ رکوع سے سر اٹھاتے تو «سمع اللہ لمن حمدہ» کہتے۔ ایک شخص نے پیچھے سے کہا «ربنا ولک الحمد، حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیہ» آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز سے فارغ ہو کر دریافت فرمایا کہ کس نے یہ کلمات کہے ہیں، اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تیس سے زیادہ فرشتوں کو دیکھا کہ ان کلمات کو لکھنے میں وہ ایک دوسرے پر سبقت لے جانا چاہتے تھے۔

قولہ قال رجل وراءہ اس آدمی سے مراد راوی حدیث رفاعہ بن رافع ہی ہیں۔ جیسا کہ نسائی کی حدیث میں ہے۔

قولہ أیھم یکتبھا أول ایک حدیث میں ہے "أیھم یصعد بھا[1]" اور طبرانی میں "أیھم یرفعھا[2]" آتا ہے۔ یہ آدمی آیا تو اسکا سانس پھولا ہوا تھا اس لئے یہ کلمات اس سے بلند آواز سے نکل گئے۔ جنہیں نبی اکرم ﷺ نے بھی سن لیا اس لئے بعد میں آپ نے دریافت کیا۔ "من المتکلم" معلوم ہوا کہ قومہ میں یہ کلمات پڑھنا جائز ہے کیونکہ آپ نے اس کے ان کلمات پڑھنے پر انکار نہیں کیا۔

قولہ رأیت بضعة وثلاثین ملکا۔ بضع کا لفظ تین سے لیکر نو تک استعمال ہوتا ہے۔ تیس سے زائد فرشتے اس لئے اتارے گئے کیونکہ کلمات مذکورہ کے حروف چونتیس ہیں تو اللہ تعالیٰ نے ان حروف کی بقدر چونتیس فرشتوں کو اتارا! تاکہ ہر فرشتہ ان کلمات کا ایک ایک حرف لکھے۔ اور یہ ان کلمات کی تعظیم کی وجہ سے تھا۔

۱۲۷۔ بَابُ الاِطْمَأْنِينَةِ حِينَ يَرْفَعُ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ:

باب: رکوع سے سر اٹھانے کے بعد اطمینان سے سیدھا کھڑا ہونا

۸۰۰: حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنْ ثَابِتٍ، قَالَ: «كَانَ أَنَسٌ يَنْعَتُ لَنَا صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَكَانَ يُصَلِّي وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ قَامَ حَتَّى نَقُولَ قَدْ نَسِيَ».

ہم سے ابو الولید نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے ثابت بنانی سے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ انس رضی اللہ عنہ ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا طریقہ بتلاتے تھے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھتے اور جب اپنا سر رکوع سے اٹھاتے تو اتنی دیر تک کھڑے رہتے کہ ہم سوچنے لگتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھول گئے ہیں۔

اکثر علماء اس بات کے قائل ہیں کہ رکوع سے اٹھ کر کھڑا ہونا نماز کا رکن ہے۔ امام شافعی اور امام احمد کا قول یہی ہے لیکن

---

1. ترمذی ۴۰۴ ج ۱ ص ۵۲۱۔
2. مسلم (۱۴۹) ۶۰۰ ج ۱ ص ۴۱۹۔

امام ابوحنیفہ اور مالک رکن نہیں سمجھتے۔ مگر نبی اکرم ﷺ کا فعل اور آپ کا اعتدال کا حکم دینا اس کی تردید کرتا ہے صحیح بات یہی ہے کہ نماز میں اطمینان رکن ہے۔ اکثر علماء اسی کے قائل ہیں۔

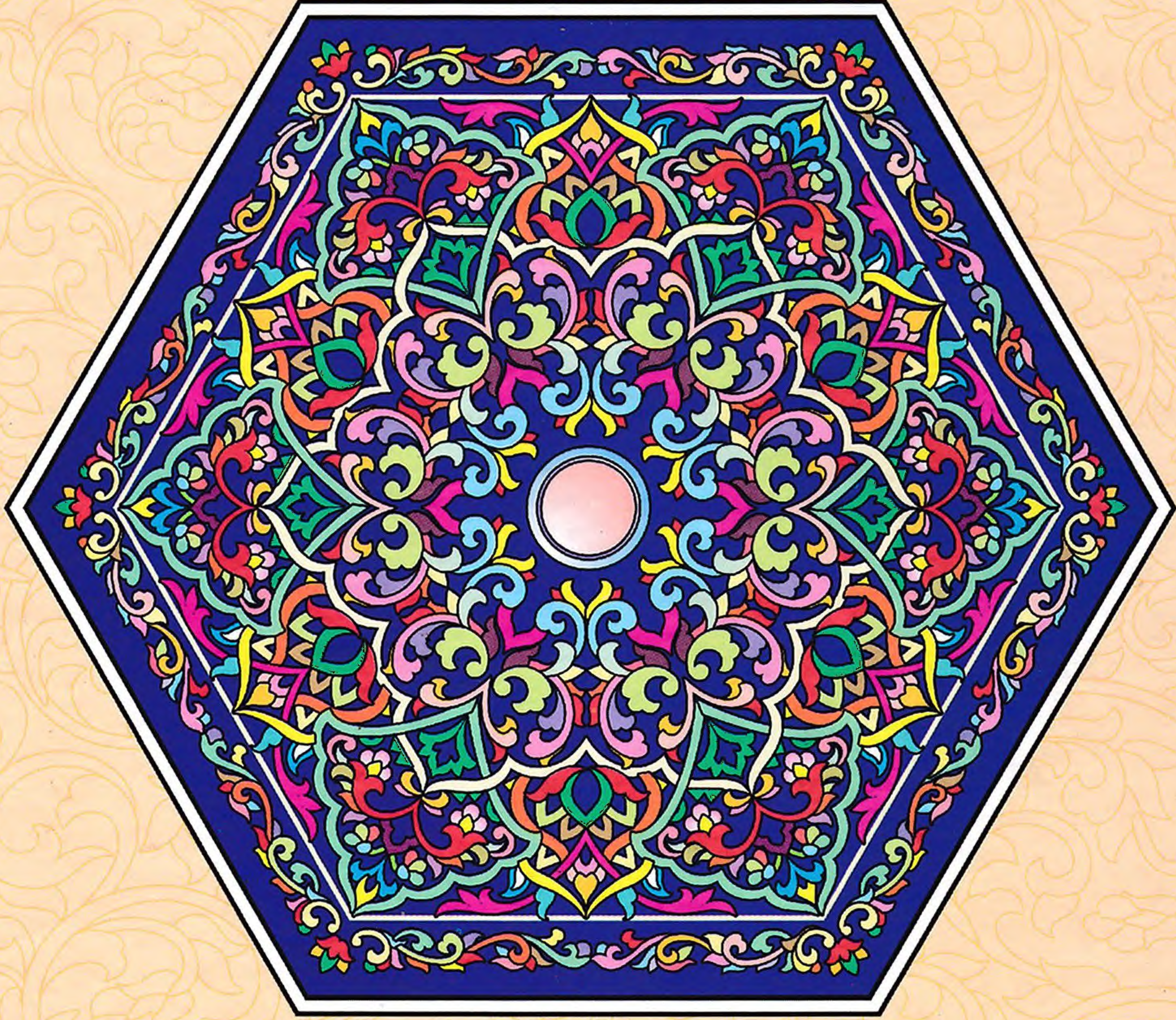
قولہ قد نسی یعنی سجدے میں جانا بھول گئے ہیں یا لمبے قیام کی وجہ سے قومہ کو قیام سمجھ لیا ہے۔

٨٠١ حَدَّثَنَا أَبُو الْوَلِيدِ، قَالَ: حَدَّثَنَا شُعْبَةُ، عَنِ الْحَكَمِ، عَنِ ابْنِ أَبِي لَيْلَى، عَنِ الْبَرَاءِ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُ، قَالَ: «كَانَ رُكُوعُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَسُجُودُهُ وَإِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ الرُّكُوعِ وَبَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ قَرِيبًا مِنَ السَّوَاءِ».

ہم سے ابوالولید ہشام بن عبد الملک نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے شعبہ نے حکم سے بیان کیا، انہوں نے ابن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے، انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع، سجدہ، رکوع سے سر اٹھاتے وقت اور دونوں سجدوں کے درمیان کا بیٹھنا تقریباً برابر ہوتا تھا۔

٨٠٢ حَدَّثَنَا سُلَيْمَانُ بْنُ حَرْبٍ، قَالَ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ زَيْدٍ، عَنْ أَيُّوبَ، عَنْ أَبِي قِلَابَةَ، قَالَ: «كَانَ مَالِكُ بْنُ الْحُوَيْرِثِ يُرِينَا كَيْفَ كَانَ صَلَاةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذَاكَ فِي غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ فَقَامَ فَأَمْكَنَ الْقِيَامَ، ثُمَّ رَكَعَ فَأَمْكَنَ الرُّكُوعَ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَأَنْصَبَ هُنَيَّةً، قَالَ: فَصَلَّى بِنَا صَلَاةَ شَيْخِنَا هَذَا أَبِي بُرَيْدٍ، وَكَانَ أَبُو بُرَيْدٍ إِذَا رَفَعَ رَأْسَهُ مِنَ السَّجْدَةِ الْآخِرَةِ اسْتَوَى قَاعِدًا ثُمَّ نَهَضَ».

ہم سے سلیمان بن حرب نے بیان کیا، انہوں نے کہا کہ ہم سے حماد بن زید نے بیان کیا، انہوں نے ایوب سختیانی سے، انہوں نے ابوقلابہ سے کہ مالک بن حویرث رضی اللہ عنہ ہمیں (نماز پڑھ کر) دکھلاتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح نماز پڑھتے تھے اور یہ نماز کا وقت نہیں تھا۔ چنانچہ آپ (ایک مرتبہ) کھڑے ہوئے اور پوری طرح کھڑے رہے۔ پھر جب رکوع کیا اور پوری طمانیت کے ساتھ سر اٹھایا تب بھی تھوڑی دیر سیدھے کھڑے رہے۔ ابوقلابہ نے بیان کیا کہ مالک رضی اللہ عنہ نے ہمارے اس شیخ ابویزید کی طرح نماز پڑھائی۔ ابویزید جب دوسرے سجدہ سے سر اٹھاتے تو پہلے اچھی طرح بیٹھ لیتے پھر کھڑے ہوتے۔



غزنی سٹریٹ ⊙ اردو بازار ⊙ لاہور ⊙ پاکستان

Tel: +92-42-37230585

Cell: +92-321-4460487

E-mail: maktaba_quddusia@yahoo.com


www.facebook.com/MaktabaQuddusia



مکتبہ قدوسیہ

کتاب و سنت کے فروغ کے لئے کوشاں